وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝

ترجمان القرآن

یعنی

قرآنِ حکیم کے مطالب اردو زبان میں

ضروری تفسیر کے ساتھ

www.KitaboSunnat.com

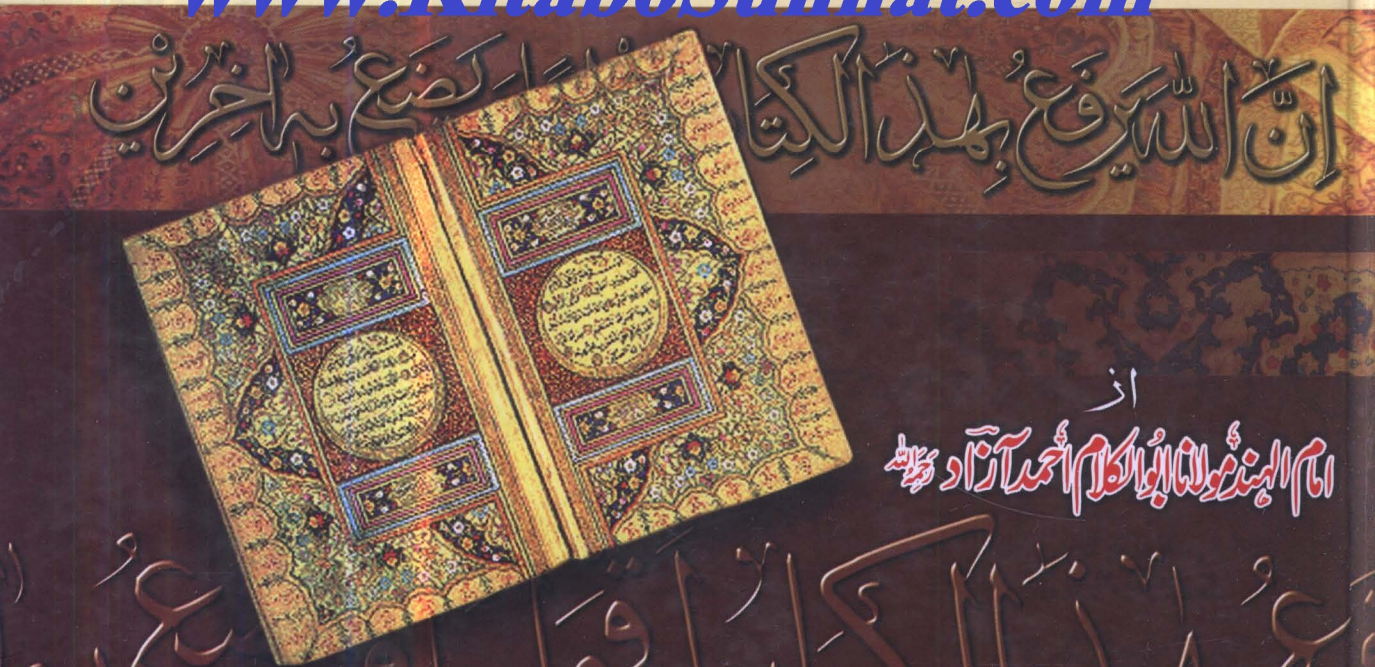

از

امام الہند مولانا ابوالکلام احمد آزاد رحمہ اللہ

اسلامی اکادمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ

ترجمان القرآن

یعنی

قرآنِ حکیم کے مطالب اردو زبان میں

ضروری تفسیر کے ساتھ

از

ابوالکلام احمد

جلد دوم

سورۂ اعراف سے سورۂ مومنون تک

اسلامی اکادمی

۷ اردو بازار لاہور فون: ۷۳۵۷۵۸۷-۰۴۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کتاب کے جملہ حقوق نقل واشاعت محفوظ ہیں

نام کتاب:

ترجمان القرآن

مصنف:

ابوالکلام احمد

جلد دوم

سورۂ اعراف سے سورۂ مومنون تک

اہتمام: محمد رمضان محمدی، محمد سلیم جلالی

تعداد: 1000

ناشر: ..... ابومومن منصور احمد

مطبع: ..... عرفان افضل پریس

ملنے کا پتہ:

اسلامی اکیڈیمی، الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور

Phone: 042-7357587

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

- ہدایت وحی کا مقصد ''تذکرہ'' اور تنذیر'' ہے 51
- پیروانِ دعوت کو موعظت کہ مشکلاتِ کار سے دل تنگ نہ ہوں 51
- مشرکین عرب کو ''تنذیر'' 51
- جن جماعتوں نے دعوت حق کا مقابلہ کیا، وہ پاداش عمل میں ہلاک ہوگئیں۔ کیونکہ انکار و سرکشی کا نتیجہ ہلاکت ہے 51
- قوموں سے پرسش ہوگی کہ انہوں نے دعوت حق پر کان دھرا یا نہیں؟ اور پیغمبروں سے بھی پرسش ہوگی کہ انہوں نے فرض رسالت ادا کیا یا نہیں؟ 51
- نتائج عمل کا قانون اور اعمال کا موازنہ جس طرح دنیا میں چیزیں تولی جاتی ہیں، اسی طرح اعمال کے اوزان کا بھی معاملہ سمجھو۔ کامیاب وہ ہو گا جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری نکلے گا 52
- نسل انسانی کی سعادت و شقاوت کی ابتدائی سرگزشت اور ہدایت وحی کی ابتدا: 52
- پہلے انسان کے وجود کی تخلیق ہوئی۔ پھر صورت بنی پھر وہ وقت آیا کہ آدم کا ظہور ہوا، اور اس نے ملائکہ کے مسجود ہونے کا مقام حاصل کر لیا 52
- ابلیس کی سرکشی 53
- آدم سے بھی لغزش ہوئی مگر اس نے سرکشی نہیں کی 53
- اب بنی آدم کے لیے دو راہیں ہوگئیں: آدم کی کہ اطاعت کرنا اور لغزش ہو جائے تو توبہ و اعتراف کا سر جھکا دینا۔ ابلیس کی کہ نافرمانی کرنا، اور پھر اعتراف کی جگہ سرکشی کی چال چلنا 53
- یہاں ڈھیل اور مہلت سب کے لیے ہے 53
- قرآن نے حقائق کی دو قسمیں کر دی ہیں: عالم غیب کے حقائق اور عالم شہادت کے حقائق، نوع انسانی کی پیدائش کا معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے 53
- سرگزشت آدم کی قدیم شہادتیں 54
- اولاد آدم سے خطاب۔ یعنی وہ احکام جو آدم کی ابتدائی نسل کی جماعتوں کو دیے گئے تھے 55
- لباس جسم اور لباس روح 55
- دنیا کی زینتیں خدا کی مبارک بخششیں ہیں، پس دینداری کا مقتضا یہ ہوا کہ انہیں کام میں لایا جائے۔ نہ یہ کہ ان سے گریز کیا جائے دنیا کی تمام نعمتیں کام میں لاؤ مگر بے اعتدالی سے بچو مصیبت کا سرچشمہ دنیا نہیں، دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال ہے 55
- گمراہی کا سب سے بڑا سرچشمہ آباؤ اجداد کی اندھی تقلید ہے 56
- دین کی تین بنیادی اصلیں: عمل میں اعتدال۔ عبادت میں توجہ۔ خدا پرستی میں اخلاص 56
- رہبانیت کا رد اور اس حقیقت کا اعلان کہ خدا کی پیدا کی ہوئی زینتیں اسی لیے ہیں کہ انسان انہیں کام میں لائے اور کسی انسان کو حق نہیں کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہیں حرام ٹھہرادے 57

- افراد کی طرح جماعتوں کی موت وحیات کے بھی مقررہ قوانین ہیں، اوران کے احکام میں۔ان احکام کا نفاذ کبھی ٹل نہیں سکتا 58
- پیغمبر اسلام کا ظہور اسی قانون کے مطابق ہوا ہے جس کی آدم اور اولادِ آدم کو خبر دے دی گئی تھی، اور جس کا ظہور ہمیشہ ہوتا رہا ہے 58
- افتراء علی اللہ اور تکذیب آیات، دونوں جرم ومصیبت ہیں۔اب صورتِ حال نے دوفریق پیدا کر دیے ہیں، ایک وحی ورسالت کا مدعی ہے۔ دوسرا مکذب اور فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے 58
- اصحاب دوزخ کے بعض احوال وواردات جو عالم آخرت میں پیش آئے گے 59
- امتوں کا ایک دوسرے پر تلعن 59
- اصحاب جنت کا احوال وواردات 60
- ان امتوں کا تلعن کی جگہ حمد وستائش حق کرنا 60
- ''اعراف'' اور اس کی حقیقت 61
- اب سلسلہ بیان منکرین حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے 62
- باوجودیکہ کتاب الٰہی نازل ہو چکی ہے، اور اس کا سرچشمہ ہدایت ورحمت ہونا آشکارا ہے، مگر پھر بھی منکر اعتراف حق سے اعراض کر رہے ہیں 62
- اب کون سی بات رہ گئی ہے جس کا انتظار ہے؟ کیا اس کا کہ انکار وسرکشی کے نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں؟ لیکن جس دن یہ نتائج ظہور میں آئیں گے، اس دن اس کی مہلت ہی کب باقی رہے گی کہ کوئی ایمان لائے؟ وہ تو آخری فیصلہ کا دن ہوگا! 62
- توحید الوہیت کی تلقین، اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ ''خلق'' اور ''امر'' دونوں کا سررشتہ ایک ہی ہستی کے ہاتھ میں ہے ''استویٰ علی العرش'' کی حقیقت 63
- دعوت قرآن کی راہ میں کتنی ہی مشکلات پیش آئیں لیکن اس کی فتح مندی اٹل ہے 64
- جب پانی برسنے کو ہوتا ہے تو پہلے بارانی ہوائیں چلنے لگتی ہیں۔اسی طرح جب روحانی سعادت کا موسم قریب ہوتا ہے تو اس کی علامتیں نمودار ہونے لگتی ہیں۔اب ہوائیں چلنے لگی ہیں تو ضروری ہے کہ بارانِ رحمت کی برکتیں بھی نمودار ہو جائیں 64
- لیکن بارش کی برکتوں سے وہی زمین فائدہ اٹھائے گی جس میں فائدہ اٹھانے کی استعداد ہوگی۔شورزمین پر کتنی ہی بارش پڑی سرسبز ہونے والی نہیں 64
- پچھلی دعوتوں کا تذکرہ اور اس سے مقصد موعظت پر استشہاد 64
- (ا) اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت نمایاں ہوتی ہے 64
- (ب) تمام پیغمبروں کا متفقہ اعلان کہ ''ہمیں اللہ کی طرف سے وہ علم حاصل ہے جس کے حصول کا تمہارے پاس کوئی ذریعہ نہیں 65
- (ج) قوم نوح کے بعد عرب میں قوم عاد کو عروج ہوا 66
- حضرت ہود کا وعظ 66
- قبول حق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ آباؤ اجداد کی اندھی تقلید ہے 66
- (د) قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام 67
- قبولیت حق کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ دنیوی خوش حالیوں کا گھمنڈ ہے 68

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- (ر) حضرت لوط علیہ السلام 69
- (ز) قبیلہ مدین اور شعیب علیہ السلام 70
- (ح) قرآن کے نزدیک انبیاء کی "دلیل واضح" 70
- (ط) ناپ تول کی درستگی 70
- (ی) حضرت شعیب نے کہا "صبر کرو اور نتیجہ کا انتظار کرو" لیکن منکر اس کے لیے بھی تیار نہ ہوئے 70
- (ک) اللہ کا فیصلہ 71
- (ل) مذہبی اعتقاد کا معاملہ دل کے یقین کا معاملہ ہے جبر کو اس میں دخل نہیں 71
- تمام پیغمبروں کے وقائع کے متحدہ اور مشترکہ نتائج اور قرآن کا ان سے استدلال 72
- اس حقیقت کی شرح کہ جو حوادث بظاہر قدرتی حوادث معلوم ہوتے ہیں، ان کے ظہور کو آیات و نذر سے کیوں تعبیر کیا گیا؟ 73
- "مکر اللہ" کی تفسیر اور اس حقیقت کی شرح کہ فطرت کے سارے داؤ کس طرح مخفی اور ناگہانی ہوتے ہیں؟ 74
- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا تذکرہ، اور اس حقیقت کی تلقین کی پیغمبروں کہ "تنذیر" کی طرح، ان کی "تبشیر" بھی ہمیشہ کامیاب و فتح مند ہوئی 75
- (ا) حضرت موسیٰ کا فرعون سے مطالبہ 75
- (ب) جب ایک افتادہ جماعت اٹھتی ہے تو مستبد قوتیں اس کی سرگرمی کو بغاوت سے تعبیر کرتی ہیں 75
- (ج) ارکان حکومت کا مشورہ اور جادوگروں کی طلبی 75
- (د) جادوگروں کا اجتماع اور حضرت موسیٰ سے مقابلہ 76
- یہاں قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ جادو کے شعبدوں کی کوئی حقیقت نہیں 76
- (ہ) جادوگروں کی شکست، حضرت موسیٰ پر ایمان لانا، اور فرعون کا اسے سازش قرار دینا 77
- (و) سچا ایمان اگرچہ ایک لحہ کا ہو، ایسی روحانی طاقت پیدا کر دیتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے مرعوب نہیں کر سکتی 77
- (ز) فرعون کا ارادہ کرنا کہ حضرت موسیٰ کو قتل کر دے، لیکن پھر اس سے باز رہنا 78
- (ح) "فرعون" کے تلقب کی لغوی اصلیت 78
- (ط) محکومانہ زندگی کا پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ عزم و ہمت کی روح پژمردہ ہو جاتی ہے 79
- (ی) حضرت موسیٰ کی موعظت کہ "استعینوا باللہ و اصبروا" 79
- قوم فرعون پر مصائب و شدائد کا ورود، اور پہلے سرکشی، پھر رجوع 80
- تفسیر "الی اجل هم بالغوه" 80
- فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی وراثتِ ارض 81
- شرح مقام "صبر" 81
- بنی اسرائیل کی خواہش کہ ان کی پرستش کے لیے ایک بت بنا دیا جائے 81
- حضرت موسیٰ کی سرگزشت کا دوسرا حصہ یعنی وہ وقائع جو ان کے اور امت کے درمیان گزرے 82
- (ر) کوہ طور پر اعتکاف اور شریعت کا عطیہ 82

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- (ب) اس اصل عظیم کا اعلان کہ حواس انسانی مشاہدۂ وادراک ذاتِ حق سے عاجز ہیں، اور اس راہ میں انتہاء معرفت یہ ہے کہ عجز و درماندگی کا اعتراف کیا جائے 82
- (ج) تفسیر "تفصیلاً لکل شی" اور اس عام غلطی کا ازالہ کہ "تفصیل" مستعملہ قرآن کو "تفصیل مصطلح" فن بیان ومعانی سمجھ لیا گیا ہے . 83
- (د) جو لوگ اپنی سمجھ بوجھ سے کام نہیں لیتے، خدا کا قانون یہ ہے کہ ان پر فہم وبصیرت کی راہیں بند ہو جاتی ہیں 84
- (ہ) جزاؤ سزا، عمل کا قدرتی نتیجہ ہے 84
- (و) بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی، اور "جسدًا له خوار" کی تفسیر 85
- (ز) حضرت موسیٰ کا ستر سرداروں کو منتخب کرنا اور ہولناکی کا ظہور 86
- (ح) اس اصل عظیم کا اعلان کہ کائنات ہستی میں اصل اور عام حقیقت رحمت ہے۔ نہ کہ تعذیب 86
- (ط) سلسلہ بیان عہد نزول کے اہل کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا ہے، اور انہیں اتباع حق کی دعوت دی گئی ہے 86
- (ی) پیغمبر اسلام کی دعوت کی تین خصوصیتیں جنہیں قرآن نے خاص طور پر نمایاں کیا ہے 86
- (ک) دعوت عامہ کا اعلان 88
- (ل) پیغمبر اسلام کو "نبی امی" کیوں کہا گیا؟ 89
- (م) عہد عتیق وجدید کی بشارات 89
- (ن) بنی اسرائیل کے بارہ قبائل 89
- (س) بنی اسرائیل کا فتح وکامرانی پا کر غفلت وشرارت میں مبتلا ہو جانا 89
- (ع) بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ شرعی حیلے گڑھ لیے تھے سبت کا حیلہ 90
- (ف) قبولیت وتاثیر کی طرف سے کتنی ہی مایوسی ہو، لیکن اہل حق کا فرض ہے، دعوت وموعظت سے باز نہ رہیں 90
- (ص) ظالم ومستبد حکمرانوں کا تسلط بھی خدا کا ایک عذاب ہی جس میں غافل قومیں مبتلا ہوتی ہیں 91
- (ق) یہاں ہر گوشہ میں تدریج وامہال کا قانون نافذ ہے پس بدعملی وفساد کے مہلک نتائج بہ یک دفعہ ظاہر نہیں ہو جاتے۔ یہ تدریج وبدفعات ظاہر ہوتے اور بالآخر درجہ تکمیل تک پہنچتی ہیں 91
- (ر) علماء یہود کی دنیا پرستی، اور یہ اعتقاد باطل کہ ہم خدا کی برگزیدہ امت ہیں، ہمارے لیے کوئی کھٹکا نہیں 92
- (ش) قرآن ان اہل کتاب کی سعادت کا منکر نہیں جو ایمان وعمل کی صداقت پر قائم رہے تھے 92
- (ت) اس اصل عظیم کا اعلان کہ خدا کی ہستی کا اعتقاد انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے، اور فطرتِ انسانی کی اصلی صدا "بلیٰ" ہے۔ نہ کہ انکار 93
- اب سلسلہ بیان مفسدین عرب کی طرف متوجہ ہوتا ہے امیہ بن عبداللہ ابی الصلت ثقفی کی محرومی کی طرف اشارہ 94
- اس حقیقت کا بیان کہ ہدایت ایمانی کی راہ عقل وتفکر کی راہ ہے، اور کفر وگمراہی کا سرچشمہ جہل وکوری ہے 95
- معرفت حقیقت کے دو طریقے: "فکر" اور "نظر" 95
- "الاسماء الحسنیٰ" کی تفسیر۔ خدا کی تمام صفتیں سرتاسر حسن وخوبی کی صفتیں ہیں 95
- عرب جاہلیت کے بعض موحد اور راست باز انسان 95
- قانونِ امہال اور مفسدین عرب کو تنبیہ کہ جزاء عمل کا قانون غافل نہیں، اور نتائج عنقریب ظہور میں آنے والے ہیں 96

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- داعیان حق کو ہمیشہ منکروں نے مجنون کہا ہے پیغمبر اسلام کو بھی اشرار مکہ مجنون کہتے تھے 96
- منکروں کا قیامت کے بارے میں معاندانہ استفسار اور قرآن کا جواب۔ فرمایا: وہ جب آئے گی تو اچانک آئے گی 97
- اس طرف اشارہ کہ قیامت کا ظہور اجرام سماویہ کا ایک عظیم ترین حادثہ ہوگا 97
- قرآن کا پیغمبر اسلام کی بشریت اور عجز بشریت پر زور دینا، اور اس کے بعض اہم بصائر 97
- مشرکوں کی یہ گمراہی کہ مصیبت میں خدا کو پکارتے ہیں پھر جب مصیبت ٹل جاتی ہے، تو اسے خدا کا فضل و کرم نہیں سمجھتے۔ اپنے ٹھہرائے ہوئے آستانوں پر جھکنے لگتے ہیں 98
- شرک فی التسمیہ 99
- شرح ''توحید الوہیت'' پیروانِ مذاہب کی عالمگیر گمراہی یہ ہے کہ اگرچہ ''توحید ربوبیت'' کے معترف ہیں لیکن ''توحید الوہیت'' میں کھوئے گئے 99
- سورۂ اعراف کا مرکز موعظت اور اس کی مہمات 99
- اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ منکرین حق پیغمبر اسلام کے مشاہدۂ جمال سے محروم ہیں۔ اگرچہ بظاہر تکتے ہوئے نظر آتے ہیں، مگر فی الحقیقت دیکھتے نہیں! 101

سورۃ الانفال

- قرآن نے پیروانِ دعوت کو جس جنگ کی اجازت دی اس کی نوعیت، اور صورت حال کی تحلیل 102
- مال غنیمت کا حکم 103
- امن کی حالت ہو یا جنگ کی، لیکن ضروری ہے کہ باہم دگر یک جہتی و اخلاص کے ساتھ رہیں 103
- ''تقویٰ'' اور ''اطاعت'' 103
- ایمان حق کے خصائص 103
- آیت (۲) اس بات میں نص قاطع ہے کہ قرآن کے نزدیک ایمان کی ہر حالت یکساں نہیں۔ وہ گھٹتا بھی ہے۔ بڑھتا بھی ہے 103
- قرآن کا اس اصل عظیم پر زور دینا کہ مال غنیمت سپاہیوں کا انفرادی حق نہیں ہے بلکہ حکومت کا ہے، اور یہ حکومت کا کام ہے کہ اسے مستحقوں میں تقسیم کرے 104
- جنگ بدر اور اس کے ابتدائی حوادث 105
- مسلمانوں کا اختلاف اور پیغمبر اسلام کا فیصلہ 105
- جنگ بدر میں ملائکہ کا نزول اس لیے ہوا تھا کہ کمزور و کم تعداد مسلمانوں کے دل مضبوط کر دیں۔ اس لیے نہیں کہ لڑائی میں حصہ لیں 105
- جنگ بدر میں تائید الٰہی کی کارفرمائیاں اور اس کے بصائر و حکم 105
- ''بدر'' اور ''واٹرلو'' 107
- مسلمانوں کے لیے جنگ سے منہ موڑنا جائز نہیں۔ الا یہ کہ دشمن دو گنے سے بھی زیادہ ہوں۔ اس صورت میں بھی عزیمت اس میں ہوگی کہ منہ نہ موڑیں 108

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- صریح پیشین گوئی جنگ بدر کے بعد دشمنوں کی کوئی تدبیر بھی کام نہ دے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا 108
- اعداء حق کو موعظت کہ جنگ بدر کے نتیجہ نے نصرت حق کا فیصلہ کر دیا ہے۔ پس چاہیے کہ اب بھی باز آجائیں 108
- اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ پیغمبر اسلام نے کس طرح فتح و کامرانی کی حالت میں بھی امن کے لیے سعی کی، اور کس طرح اعداء حق ہمیشہ جنگ پر اڑے رہے؟ 108
- یہود و نصاریٰ تورات و انجیل کی صدائیں سنتے تھے۔ مگر قرآن کہتا ہے۔ نہیں سنتے تھے! 108
- اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ قرآن نے نزدیک ایمان کی دعوت سراسر تعقل و تفکر کی دعوت ہے، اور کفر کی حالت عقل و حواس کے تعطل کی حالت 109
- فرمایا: پیغمبر اسلام کی دعوت زندگی کا سرچشمہ ہے 109
- تفسیر "ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ" 110
- اجتماعی زندگی کے فتن و خطرات 110
- اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کرنے سے مقصود کیا ہے؟ 111
- جو جماعت متقی ہوگی، اس میں خیر و شر کے امتیاز کی قوت پیدا ہو جائے گی 111
- حکمت الٰہی کی مخفی تدبیریں اور "یمکرون و یمکر اللہ" کی تفسیر 112
- صنادید قریش کی دعا کی کہ "ان کان ھذا ھو الحق من عندك، فامطر علینا حجارۃ من السماء" اور قرآن کا جواب ... 112
- جو متقی نہیں، وہ خدا کی عبادت گاہ کے متولی نہیں ہو سکتے 112
- آخر تک دعوت صلح و اصلاح 112
- مال غنیمت کی تقسیم کے اسہام 113
- قرآن کے نزدیک ضروری ہے کہ حکومت یتیموں مسکینوں اور معذوروں کی خبر گیری کرے اور اس کے لیے اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھے .. 113
- جنگ بدر کا ایک واقعہ، اور حکمت الٰہی کی مخفی کارفرمائیاں 113
- جنگ بدر سے پہلے پیغمبر اسلام کی ایک رویائے صادقہ 114
- فتح و کامرانی کی چھ شرطیں 114
- سراقہ بن مالک پر "الشیطان" کا اطلاق 115
- منافقون کا طعنہ کہ مسلمان اپنے دین کے نشہ میں کھوئے گئے ہیں اور قرآن کا جواب 115
- اس قانون الٰہی کا اعلان کہ کوئی قوم نعمت سے محروم نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو محرومی میں مبتلا نہ کر دے 116
- قرآن کے نزدیک کفر کی حقیقت عقل و حواس کا تعطل ہے۔ اسی لیے وہ کفار کو "شر الدواب" کہتا ہے 116
- مدینہ کے یہودی قبائل کی پے در پے عہد شکنی اور مسلمانوں کا جنگ پر مجبور ہو جانا، تاہم قرآن کا اس پر زور دینا کہ مسلمانوں کا جنگ پر مجبور ہو جانا۔ تاہم قرآن کا اس پر زور دینا کہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی بات سختی و ناانصافی کی نہ ہو 116
- جنگ کے بارے میں قرآن کا اخلاقی معیار 117
- مسلمانوں کو سروسامان جنگ کی تیاری کا حکم دیا، لیکن ساتھ ہی "ما استطعتم" بھی فرما دیا۔ اس کی تشریح 118
- انفاق مال کا حکم 118

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- دفع ظلم کے لیے جنگ ایک ناگزیر برائی ہے۔ جب کوئی دوسرا چارہ کار باقی نہ رہے تو مجبوراً گوارا کر لینا چاہیے لیکن ہر حال میں اصل کا دامن صلح ہے۔ چنانچہ فتح و کامرانی کی حالت میں بھی قرآن نے حکم دیا جو صلح کی طرف مائل ہو، فوراً اس کا استقبال کرو! 119
- بکھرے ہوئے دلوں کو ایک رشتہ، الفت میں پرو دینا، پیغمبرانہ عمل ہے۔ قرآن کی دعوت نے خونخوار انسانوں کو باہمی محبت و اخوت کا فرشتہ بنا دیا تھا! 119
- ایک مسلمان کو دس دشمنوں پر بھاری ہونا چاہیے۔ لیکن ابھی چونکہ کمزوری کی حالت ہے، اسی لیے کم از کم اپنے سے دوگنی تعداد کا مقابلہ کرو 120
- اعداءِ حق کی مغلوبیت کی وجہ یہ بیان کی کہ "انھم قوم لا یفقھون" یعنی ان میں فہم و دانش نہیں، اور مسلمان اس لیے غالب رہتے ہیں کہ ان میں فہم و دانش ہے 120
- جنگ بدر کے قیدیوں کا معاملہ اور ایک غلط فہمی کا ازالہ، نبی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ قیدیوں کو فدیہ کے لیے روک رکھے 120
- سورت کا خاتمہ اور اس کے مواعظ و بصائر 120
- ابتداء عہد کی اسلامی مواخات 121
- مہاجرین کی خصوصیت 121
- مسلمانوں کے لیے ہر حال میں وفاء عہد ضروری ہے 122
- اگرچہ اس کی وجہ سے اپنوں کی مدد بھی نہ کر سکیں مہاجرین و انصار کا مقام سب سے بلند ہوا۔ مواخات اور وراثت 123

سورۃ التوبۃ

- قریش مکہ کی بدعہدی اور سورۂ برأت کی ابتدائی تیس یا چالیس آیتوں کا نزول 124
- اس امر کا اعلان عام کہ جن لوگوں نے عہد شکنی کی، انہیں چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد جنگ کی حالت تصور کی جائے گی 124
- جنہوں نے عہد شکنی نہیں کی، ان کا معاہدہ قائم ہے 125
- آئندہ سے حرم کعبہ میں مشرک داخل نہ ہوں۔ اب یہ عبادت گاہ صرف خدائے واحد کی پرستش کے لیے مخصوص رہے گی جس طرح اپنی تعمیر کے اول دن مخصوص کر دی گئی تھی 125
- اس حقیقت کی شرح کہ برات کا اعلان جنگ صرف عہد شکن جماعتوں کے لیے تھا نہ کہ تمام غیر مسلموں کے خلاف 125
- قرآن کے نزدیک کسی جماعت کے مسلمان ہونے کی عملی شناخت دو باتیں ہیں: نماز کا اہتمام اور زکوٰۃ کا نظام جو جماعت یہ دو عمل ترک کر دے گی، مسلمان متصور نہ ہوگی 126
- دین کے معاملہ میں جبر و اکراہ کی پرچھائیں بھی نہیں پڑنی چاہیے جب تک ایک آدمی سمجھ بوجھ کر مطمئن نہ ہو جائے، دین قبول نہیں کر سکتا 126
- دین کے معاملہ میں فہم و اذعان ضروری ہے 127
- مخالفین اسلام کی پے در پے عہد شکنیاں اور ظلم و عناد کی انتہا 127
- قرآن ہر جگہ اس جنگ کا مقصد کیا بتلاتا ہے؟ لعلھم ینتھون لعلھم یذکرون ۔ تاکہ ظلم و فساد سے باز آ جائیں۔ تاکہ سوچیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سمجھیں۔عبرت پکڑیں۔اس سے معلوم ہوا۔ یہ دفاعی جنگ بھی دنیوی تغلب وانتقام کے لیے نہ تھی۔محض اس لیے تھی کہ ظالم ظلم وتشدد سے باز آجائیں 128

- آیات ۱۴ میں چھ باتوں کی خبر دی تھی، جو حرف بہ حرف پوری ہوئیں 128
- خانہ کعبہ کی تولیت 129
- قرآن کا اعلان کہ شرف و بزرگی کے اس میں مناسب کوئی چیز نہیں ہیں۔ بزرگی اسی کے لیے ہے جو ایمان وعمل کی بزرگی رکھتا ہو 129
- حجاج کی سقایت اور کعبہ کی مجاوری 129
- خدا کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق انسانوں کو ہے نہ کہ فاسق و بدعمل اشرار کو 130
- مومن صادق کا ایک اہم وصف یہ فرمایا کہ "لم یخش الا اللہ" اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ مانے 130
- حقیقی نیکیاں اور رواجی نیکیاں۔قرآن کے نزدیک سب سے بڑا درجہ ان انسانوں کا ہے جو ایمان وحق پرستی کی راہ میں قربانیاں کرنے والے ہیں۔نہ کہ ان لوگوں کا جو رواجی نیکیوں اور رسمی نمائشوں میں سرگرم نظر آتے ہیں 130
- سورۂ برأت کے نزول کے وقت عرب کی عام حالت اور احکام قرآنی کا ان کی طرف اشارہ 131
- اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ مومن وہ ہے، جس کی حب ایمانی پر دنیا کی کوئی محبت غالب نہ آسکے 132
- علائق زندگی کے آٹھ رشتے۔فرمایا: ایمان باللہ کا تقاضہ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی رشتہ بھی حق پر غالب نہ آسکے! 133
- جنگ حنین کے مواعظ وعبر 134

اس حقیقت کی تلقین کی فتح وکامرانی کی بنیاد تعداد کی کثرت پر نہیں ہے۔دلوں کی مضبوطی پر ہے۔اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد دشمنوں سے تین گنا زیادہ تھی، لیکن فتح ہوئی تو تعداد کی کثرت سے نہیں ہوئی۔مٹھی بھر مسلمانوں کے عزم واستقامت سے ہوئی! 135

- خانہ کعبہ کا مستقبل اور اس بارے میں اعلان عام 135
- مشرک کے نجس ہونے سے مقصود معنوی نجاست ہے۔نہ کہ جسمانی۔اسلام کسی انسان کے جسم کو ناپاک نہیں قرار دیتا۔وہ اس اعتبار سے ہر انسان کو خواہ کسی گروہ اور عقیدہ کا ہو، ایک درجہ میں رکھتا ہے 135
- داخلہ کی ممانعت صرف خانہ کعبہ کے لیے ہے۔نہ کہ عام مساجد کے لیے۔اسلام نے اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ ہر انسان پر کھلا رکھا ہے۔بشرطیکہ بے احترامی کے قصد سے داخل نہ ہو 135
- عرب کے جن یہودیوں اور عیسائیوں نے مسلمانوں کے خلاف ظلم وتعدی پر کمر باندھ لی تھی، فرمایا ان کے خلاف بھی جنگ کے بغیر چارہ نہیں 136
- یہودیوں اور عیسائیوں کی ان اعتقادی اور عملی گمراہیوں کی طرف اشارہ جن کے رسوخ سے ان کی جماعتی سیرت یک قلم مسخ ہوگئی تھی، اور اس کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی تھی کہ راست بازی ونیک عملی کی روح نشوونما پاسکے 136
- عرب جاہلیت کے ایک جاہلانہ قاعدہ کا ازالہ، اور مہینوں کے قدرتی حساب کے قیام کا اعلان 136
- غزوۂ تبوک اور اس کے مواعظ وعبر 136
- موسم سخت تھا، پچھلی جنگوں سے لوگ تھکے ہوئے تھے مال کی قلت تھی، سروسامان مفقود تھا، احوال وظروف ناموافق تھے، اور سفر ملک کی حدود سے باہر کا تھا، تاہم حکم ہوا کہ ہر فرد تیار ہو جائے، کیونکہ فرض دفاع کا تقاضہ کسی حال میں بھی نہیں ٹالا جاسکتا 137
- ایمان کی آزمائش اور سچے مومنوں کی قربانیاں 138

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- ''استبدال اقوام'' کا قانون اور قرآن کی موعظت 138
- ہجرت مدینہ کا واقعہ، اور اس کی موعظت سے استشہاد تفسیر "ثانی اثنین اذھما فی الغار" 139
- حکم دفاع کا وجوب عام، اور "انفرو اخفافاً وثقالاً" کا وہ مفہوم جو صحابہ کرام نے سمجھا تھا 140
- مدینہ کے منافقوں کا گریز اور طرح طرح کے اعذار فارغہ یہ معاملہ ایمان ونفاق کے لیے ایک فیصلہ کن آزمائش ہوگیا 141
- منافقوں کا عدم شرکت کے لیے خواست گار اجازت ہونا، اور آنحضرت ﷺ کا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ وحی الٰہی کی اس پر تنبیہ 143
- ادائے فرض کے وقت حکم ورخصت کا منتظر رہنا، اور خود اپنی جانب سے سرگرمی ظاہر نہ کرنی، اس بات کی دلیل ہے کہ دلوں میں جوش عمل نہیں 143
- چونکہ اس جنگ میں رومی شہنشاہی سے مقابلہ تھا جو وقت کی سب سے بڑی طاقتور فرمانروائی تھی، اس لیے منافقوں کو یقین تھا کہ مسلمانوں کے خاتمے کے دن آگئے، اب اس سفر سے لوٹنے والے نہیں 143
- جماعت کی زندگی اور فتح وکامرانی کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی خطرہ نہیں کہ مذبذب اور دودلے آدمی اس میں موجود ہوں 144
- نفاق کا ایک شیوہ یہ ہے کہ جھوٹی پرہیزگاری اور نیک عملی کی آڑ میں ادا فرض سے بچنا چاہتے ہیں، چنانچہ منافقوں کا ایک عذر یہ تھا کہ اس سفر میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔ اس لیے ہمیں نہ لے جایئے 144
- موجودہ زمانے میں اس نفاق کے مظاہر ووقائع 145
- مومن کے لیے راہ حق میں موت بھی "احدی الحسنیین" ہے۔ یعنی دو خوبیوں میں سے ایک خوبی، اور اس مقام کے بعض مواعظ وبصائر 146
- منافقوں کے اعمال وخصائل 148
- مدزکوۃ کے مصارف کا ضمناً بیان، اور مقاصد ثمانیہ 148
- سلسلہ بیان ایک دوسرے گروہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے 151
- عرب کے بعض بادیہ نشین قبائل اور ان کا ضعف ایمانی 152
- غزوۂ تبوک میں مومنین صادقین کا جوشِ عمل اور ایمانی فدویت 153
- بے سروسامانوں اور معذوروں کا عشق عمل 153
- "البکائین" 153
- دفاع کے وقت عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھ رہنا، بزدلی اور نامردی کی انتہا ہے 153
- اس بارے میں حکم کہ جن منافقوں نے دیدۂ ودانستہ اعراض کیا، اب وہ خواہ کتنی ہی عذر ومعذرت کی باتیں کریں، ان کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے 153
- بادیہ نشین قبائل کی طبعی خشونت 154
- منافق اگر راہِ حق میں کچھ خرچ بھی کرتے ہیں، تو اس طرح مارے باندھے، جیسے جرمانہ بھرنا پڑے 154
- امت کے بہترین طبقے تین ہیں: مہاجرین، انصار اور وہ جوان کے قدم بہ قدم چلے 155
- عہد اول کے مومنوں کے فضائل ومراتب 155

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- منافقوں کا ایک خاص گروہ جو رسم وراہ نفاق میں بڑا مشاق اور حاذق ہو گیا تھا۔ فرمایا: تم انہیں نا نہیں سکتے 157
- جن لوگوں نے محض سستی اور کاہلی کی وجہ سے کوتاہی کی تھی، اور اب سچے دل سے اس پر متاسف تھے، انہیں قبولیت توبہ کی بشارت 158
- تین شخصیتوں کے معاملہ کا التوء یعنی مراہ بن ربیع کعب بن مالک اور ہلال بن امیہ 159
- مسجد ضرار اور منافقوں کی ایک گہری سازش 159
- حب ایمانی کا مقام اور اللہ سے انفس واموال کا معاملہ 160
- سچے مومنوں کے مدارج سبعہ اور ان کی تشریح: "التائبون العابدون، الحدمدون، الراکعون الساجدون، الامرون، بالمعروف والناهون عن المنکر، الحافظون لحدود الله۔" 160
- قرآن کے نزدیک سیر وسیاحت سچے مومنوں کا ایک بہترین عمل ہے، اور حصول فضائل وترقی مدارج کا ذریعہ 163
- صرف مردوں ہی کے لیے نہیں بلکہ عورتوں کے لیے بھی اسے ایک بہترین وصف قرار دیا 164
- مفسرین کا بلاوجہ لغوی معنی سے انصراف اور "السائحون" اور "السائحات" کی تفسیر میں تکلف .....
- استغفار للمشرکین کی ممانعت اور اس کی حقیقت جن لوگوں کی شقاوت آشکارا ہو چکی ہے، ان کی ہدایت کے پیچھے لگے رہنا بیکار ہے۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے 165
- اس بات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرز عمل 165
- حیات وممات روحانی 166
- جن مخلص مومنوں سے غزوۂ تبوک میں کوتاہی ہوئی تھی اور طلب گار عفو وبخشش تھے، انہیں قبولیت توبہ کی بشارت دی گئی، اور اس طرح دی گئی کہ کوتاہی ولغزش کا کوئی دھبہ باقی نہ رہا: 166
- تفسیر "وعلی الثلاثة الذین خلفوا" 167
- مرارہ بن ربیع، کعب بن مالک، اور ہلال بن امیہ کے لیے قبولیت توبہ کی بشارت، اور کعب بن مالک کی مشرح روایت 167
- اس واقعہ کے بعض اہم مواعظ وعبر 169
- تعلیم کے نظام کا قیام 169
- معرکہ یرموک کی پیشین گوئی 170
- قانون انذار وتنبیہ 170
- سورۂ برأت ایک وداعی موعظت تھی 170
- خاتمہ میں خطاب اہل عرب سے ہے۔ اس خطاب کی نوعیت اور ان مشکلات کا حل جو مفسروں کے لیے موجب حیرانی ہوئیں 170
- سورت کی بعض مہمات جو مزید شرح وبحث کی محتاج ہیں 172
- (ا) عرب کے اہل کتاب اور ان سے جنگ .....
- نزول قرآن کے وقت عرب اور شام کے عیسائیوں کی حالت شام کی بعض مسیحی عربی ریاستیں۔ پیزنتانی شہنشاہی کا اقتدار اور مسلمانوں کے خلاف جارحانہ اقدام 172
- شرجیل بن عمرو غسانی کا وحشیانہ طرز عمل 172
- (ب) "جزیہ" کا حکم 173

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- (ج) ''جزیہ'' کی نوعیت 174
- (د) ''جزیہ'' کا حکم تمام غیر مسلموں کے لیے ہے جو فوجی خدمت سے بچنا چاہیں۔ نہ کہ صرف اہل کتاب کے لیے 174
- (ہ) جزیہ کا حکم مذہبی رواداری و فیاضی کا ایک ایسا معاملہ ہے جس کی کوئی نظیر تاریخ اقوام میں نہیں مل سکتی 174
- (ر) اسلامی حکومت اور غیر مسلم شہریوں کے حقوق 175
- (ز) اہل کتاب کی وہ گمراہیاں جن کی طرف یہاں خصوصیت کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے 175
- حضرت عزیر کے بارے میں یہود مدینہ کا اعتقاد کہ ''ابن اللہ'' تھے 175
- (ح) اہل کتاب کا اپنے ائمہ ومشائخ کو ''ارباباً من دون اللہ'' بنالینا اور اس کی شرح 176
- اس گمراہی کے نتائج 176
- لوتھر کی تحریک اصلاح اسی صدائے حق کی بازگشت تھی اگر یورپ کے ذہنی ارتقا کا دور اصلاح کنیسہ کی تحریک سے شروع ہوا ہے، تو اصلاح کنیسہ کی تاریخ سورۂ برأت کے نزول سے شروع ہوئی ہے 177
- خود مسلمان بھی اسی گمراہی میں مبتلا ہو گئے جس کے انسداد کی دعوت ان کے سپرد کی گئی تھی! 177
- (ط) احبار ورہبان کا اکل اموال بالباطل اور اس کی شرح وتفصیل 178
- اکل اموال بالباطل کے تیرہ وسائل وطرق 178
- (ی) ''نسیٔ'' کی حقیقت اور عرب جاہلیت کی تقویمی گمراہی قمری مہینوں کا حساب انسان کے لیے تقسیم ایام کا قدرتی حساب ہے۔ اس لیے قرآن نے اعمال وعبادات کے لیے اسی کو اختیار کیا 180
- (ک) آیت زکوٰۃ کی تفسیر اور مصارف ثمانیہ کی شرح 182
- ''فقیر'' اور ''مسکین'' کا فرق 182
- تمام مصارف میں بہ یک وقت خرچ کرنا ضروری نہیں 182
- مصارف ثمانیہ کی ترتیب اجتماعی ضروریات کی قدرتی ترتیب ہے 183
- ''فی سبیل اللہ'' کا مصرف 183
- حکم زکوٰۃ اور اسلام کا نظام اجتماعی 184
- قرآن اور دولت کا ''اکتناز'' و ''اکتناز'' 184
- زکوٰۃ کا نظم انفرادی نہیں ہے، اجتماعی ہے۔ یہ ایک ٹیکس ہے جو حکومت کو ادا کرنا چاہیے۔ نہ یہ کہ خود نکالنا اور خرچ کر دینا 186
- فتنہ تاتار کا ظہور، اور اسلامی تنظیمات کا اختلال 186
- اگر ہندوستان میں، اسلامی حکومت نہیں ہے، تو مسلمانوں کو چاہیے جس طرح جمعہ کا انتظام کیا ہے، زکوٰۃ کی وصولی کا بھی کوئی اجتماعی نظم قائم کریں 187
- جماعت کا اقتصادی مسئلہ بغیر تنظیم زکوٰۃ کے حل نہیں ہو سکتا اسقاط زکوٰۃ کا نام نہاد شرعی حیلہ 187
- اس غلط فہمی کا ازالہ کہ رشتہ داروں کی اعانت جس کا مستقلاً حکم دیا گیا ہے، مدِ زکوٰۃ ہی کا ایک مصرف سمجھ لی گئی ہے 188
- ایک غلط فہمی کا ازالہ کہ لوگ سمجھتے ہیں، زکوٰۃ دے دینے کے بعد انفاق فی سبیل اللہ کے تمام مطالبات ختم ہو جاتے ہیں 189
- قرآن اور سوشیلزم 190

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- سوشیلزم نے وہ حقیقت اب محسوس کی ہے جو قرآن تیرہ سو برس پہلے محسوس کر چکا ہے۔ یعنی دولت کا ''اکتناز'' روکا جائے، اور انفاق اور پھیلاؤ پر زور دیا جائے۔ 190
- سوشیلزم کے نظری اصول بہت دور تک چلے گئے ہیں۔ قرآن وہاں تک نہیں جاتا، لیکن جہاں تک عملی اصولوں کا تعلق ہے، قرآن دولت کے اکتناز وانجماد کی ساری صورتوں کا مخالف ہے 191
- (ل) حقیقت ''نفاق'' 192
- استعداد وعمل کے لحاظ سے طبیعت انسانی کی تین مختلف قسمیں: مستعد، مفسد، درمیانی، یہی درمیانی حالت قرآن کی زبان میں ''نفاق'' ہے 192
- منافقوں کا گروہ کافروں کا کوئی سازشی گروہ نہ تھا۔ مسلمانوں ہی میں سے کچھ لوگ تھے۔ تاہم قرآن نے ان کے اسلام کی نفی کی منافقوں کے وہ چھبیس خصائص وعلائم جو سورۂ توبہ میں بیان کیے گئے ہیں 193
- سورۂ بقرہ کے اوائل میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے مقصود اہل کتاب ہیں، نہ کہ منافقین مدینہ 193
- نفاق کے خصائل متذکرہ احادیث 196
- یہ جو قرآن نے ایمان، کفر اور نفاق کی تین حالتیں بیان کی ہیں تو فی الحقیقت عالم ہستی کے ہر گوشہ میں تین حالتیں ہی پائی جاتی ہیں ... 196
- مسجد ضرار اور اس کی تعمیر کے چار مقصد 196
- ان آٹھ احکام کی تشریح جو اس سورت میں منافقوں کے لیے نازل ہوئے 196
- (ل) "رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ" کی تفسیر اور سابقون الاولون کے عشق حق کا بلند ترین مقام 199
- انہوں نے تلخیاں جھیلی ہی نہیں بلکہ استغراق عشق میں انہیں خوشگوار محسوس کیا، یہی معنی "ورضوا عنہ" کے ہیں 199
- (م) ترک موالات کا حکم اور اس کی حقیقت 201
- یہ حکم حالات جنگ کا ناگزیر نتیجہ تھا۔ ورنہ قرآن کے نزدیک اصل عمل، محبت وشفقت اور تعاون وسازگاری ہے۔ نہ کہ انقطاع ونفرت 201
- سورۂ ممتحنہ کی آیت 210
- سورہ توبہ ایک آخری اور وداعی پیغام تھا 202

سورۂ یونس

- سورت کے خطاب کی نوعیت اور مرکز موعظت 203
- منکروں کا قرآن کی حیرت انگیز تاثیر سے عاجز آجانا، اور بے بس ہو کر کہنے لگنا کہ یہ جادوگری ہے 203
- آسمان وزمین کی چھ ایام میں تخلیق 203
- ''توحید ربوبیت'' سے ''توحید الوہیت'' پر استدلال 203
- حیات اخروی پر قرآن کی تین دلیلیں 204
- منازل قمر اور ان کی ''تقدیر'' 204
- حیات اخری کے منکروں کی ذہنیت اور اس کی تحلیل 205

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- قرآن ہر جگہ آخرت کے معاملہ کو ''لقاء الٰہی'' سے تعبیر کرتا ہے 205
- جنتی زندگی کی نمایاں خصوصیت امن وسلام ہے 205
- قانون ''امہال'' 206
- رنج ومصیبت میں خدا کی بے اختیارانہ یاد، اور عیش وراحت میں ذہول واعراض قرآن اس فطری حالت سے استشہاد کرتا ہے 206
- مشرکوں کی فرمائش کہ دوسری طرح کی باتیں کہو تو ہم ساتھ دیں، اور قرآن کا جواب 207
- پیغمبر اسلام کی زندگی ان کی سچائی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ قرآن کا اس سے استشہاد 207
- ''توحید الوہیت'' کی تلقین اور مشرکوں کے اس عقیدہ کا ابطال کہ خدا کی براہ راست پرستش سودمند نہیں ہوسکتی 208
- مشرک اپنے معبودوں کو خدا نہیں سمجھتے تھے۔ خدا کے حضور وسیلہ اور شفیع سمجھتے تھے 208
- اس اصل عظیم کا اعلان کہ اصل دین ایک ہے اور تفرقہ پیروانِ مذاہب کی گمراہی سے پیدا ہوا 208
- اسباب وعلائق کا سہارا رجوع الی اللہ سے انسان کو غافل کر دیتا ہے۔ مگر جونہی یہ سہارا ٹوٹتا ہے، فطرت کی آواز ابھرنے لگتی ہے، اور انسان دیکھنے لگتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی نہیں قرآن کا اس صورت حال سے استشہاد 209
- بحری سفر کی مثال 209
- دنیوی زندگی کی بے ثباتی اور انسان کا غرور باطل قرآن کا کاشت کاری کی مثال سے استشہاد 210
- قرآن نے ہر جگہ ایمان کے لیے نور اور کفر کے لیے ظلمت کی تشبیہ اختیار کی ہے۔ اس کی موعظت 211
- مشرکوں نے جن ہستیوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے، قیامت کے دن وہ ان سے بیزاری وبرأت ظاہر کریں گے۔ وہ کہیں گے ہمیں تمہاری پرستش کی خبر بھی نہ تھی 212
- برہان ربوبیت کا استدلال 212
- قرآن کا ہدایت عقل وحواس سے استدلال 212
- قرآن کی تحدی کہ اگر یہ افتراء علی اللہ ہے، تو ایسا ہی کام تم بھی کر دکھاؤ 213
- قرآن جس نوعیت کا کلام ہے۔ ایسا کلام کبھی انسانی بناوٹ کا کام نہیں ہوسکتا 213
- تکذیب حقائق بغیر علم 213
- انسانی عقل کا تعطل خود انسان ہی کی غفلت واعراض کا نتیجہ ہے۔ فرمایا جنہوں نے آنکھیں بند کر لی ہیں، تم انہیں کوئی روشنی دکھا نہیں سکتے! 214
- آخرت کی زندگی کا معاملہ ٹھیک اسی طرح پیش آئے گا جیسا یہاں نیند کے بعد بیداری کا معاملہ ہوتا ہے۔ انسان محسوس کرے گا، وہ تھوڑی دیر تک سویا رہا تھا، اور اب جاگ اٹھا ہے 215
- کاروبار حق کا دار و مدار شخصیتوں پر نہیں ہے۔ شخصیت اس لیے ہے کہ بیج بودے۔ باقی رہے برگ وبار، تو ہوسکتا ہے، اس کی زندگی ہی میں سب نمودار ہو جائیں ہوسکتا ہے کہ کچھ زندگی میں ہوں۔ کچھ اس کے بعد ہوں، اس تاخیر سے کاروبارِ حق کی تکمیل پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا 215
- قانون ''قضی بالحق'' اور ''قضی بالقسط'' 216
- ''استعجال بالعذاب'' 216

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- عہد نزول کی بعض متعیر اور متامل طبیعتیں اور قرآن کی موعظت 216
- قرآن کے چار وصف جن پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا گیا: موعظت، شفاء، ہدایت، رحمت! یہ اوصاف محض دعویٰ ہی نہیں ہیں، فیصلہ کن دلائل ہیں 217
- مشرکوں کا اپنے اوہام وخرافات کی بنا پر بہت سی چیزیں حرام ٹھہرا لینی اور قرآن کا انکار 218
- حلت وحرمت اشیاء کے باب میں قرآن کے اصول اربعہ اور فقہاء متشددین کی غلطی 218
- قرآن کی اصطلاح میں ''کتب علیکم'' اور ''فی کتاب اللہ'' کے معنی 219
- اولیاء اللہ کے لیے نہ تو ''خوف'' ہوسکتا ہے۔ نہ ''حزن'' 220
- قرآن کا یہ اسلوب بیان کہ پہلے وجدانی دلائل بیان کرتا ہے۔ پھر ایام ووقائع سے استشہاد کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اب ایام ووقائع کی طرف سلسلہ بیان متوجہ ہوگیا ہے 220
- حضرت نوح کا اعلان، اور اس کے بعض بصائر وحکم 220
- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت 221
- یہاں بیان وقائع میں نقطہ اشتہاد تین باتیں ہیں اس لیے انہی پر زور دیا جارہا ہے 221
- حضرت موسیٰ کا اعلان کہ جادوگری شعبدہ ہے۔ پس ایک جادوگر کتنا ہی زور لگائے، حقیقت کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہوسکتا..... 222
- ''الحق'' اور ''الباطل'' ''حق'' کا خاصہ ثبوت اور قیام ہے۔ ''باطل'' کا مٹ جانا اور نہ ٹک سکنا۔ قرآن کہتا ہے، حق کی سب سے بڑی دلیل حقانیت یہ ہے کہ وہ حق ہے، اور باطل کے بطلان کے لیے اس کا باطل ہونا ہی کافی ہے 222
- قوم کے نوجوان افراد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دیا، اس سے معلوم ہوا کہ اس راہ میں ہمیشہ نئے دماغوں اور نئے خون ہی سے مدد ملتی ہے۔ پرانے دماغ محکومانہ زندگی کے عادی رہ کر اپاہج ہوجاتے ہیں 223
- فرعون کے جسم کی نجات، یعنی اس کا باقی رہنا تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے موجب عبرت ہو 224
- قرآن کا یہ اسلوب بیان کہ مقصود مومنوں کی جماعت ہوتی ہے، مگر خطاب پیغمبر اسلام سے ہوتا ہے 225
- حضرت یونس اور باشندگان نینوا 226
- باشندگان نینوا کی توبہ وانابت اور عذاب کا ٹل جانا 226
- پیغمبر اسلام سے خطاب کہ منکروں کی سرکشی سے افسردہ وملول نہ ہوں، کیونکہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ قوم یونس کی طرح لوگ سرکشی واعراض سے باز آگئے ہوں 227
- اس حقیقت کا اعلان کہ انسانی طبیعت واستعداد کا اختلاف وتنوع فطری ہے، اور حکمت الٰہی کا یہی فیصلہ ہوا کہ یہاں، استعداد اور حالت کا اختلاف ظہور میں آئے۔ اگر یہ اختلاف نہ ہوتا تو انسان کے لیے آزمائش عمل بھی نہ ہوتی۔ حالانکہ ضروری تھا کہ ہو 227
- جو لوگ نہیں ماننا چاہتے، تم انہیں جبراً نہیں منوا دے سکتے 227
- پس جو نہیں مانتے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اور اپنا کام کیے جاؤ 228
- یہاں سے معلوم ہوا۔ قرآن ایمان کی کسی ایسی صورت کا معترف نہیں جو جبراً منوائی جائے 228
- منکرین عرب کے مقابلہ میں اتمام حجت 228
- قرآن کا اعلان عام کہ خدا کی سچائی آشکارا ہوچکی۔ اب جس کا جی چاہے ہدایت کی راہ اختیار کرے۔ جس کا جی چاہے گمراہی پر قانع رہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیغمبر سچائی کا مبلغ ہے۔ لوگوں کے عقائد پر نگہبان نہیں ''تذکیر'' اور ''توکیل'' کا فرق، اور اس باب میں قرآن کی اصل عظیم 229

- دنیا میں عقائد و اعمال کی ساری نزاعیں اسی لیے جاری ہوئیں کہ لوگ اس حقیقت کے معترف نہیں ہوئے 229
- قرآن کہتا ہے۔ ہر انسان کا فرض ہے کہ جو بات حق سمجھتا ہے دوسروں تک بھی پہنچائے۔ لیکن صرف پہنچائے، اپنے آپ کو ان کی ہدایت کا داروغہ اور ٹھیکیدار نہ سمجھ لے 229
- ہر انسان کی جوابدہی اس میں ہے کہ اس نے تبلیغ حق کی یا نہیں کی؟ اس میں نہیں ہے کہ دوسروں نے مانا یا نہیں مانا؟ ماننے نہ ماننے کا ہر انسان کو اختیار ہے 230
- قرآن نے ایک طرف دعوت و تذکیر حق کا سامان بھی کر دیا۔ دوسری طرف شخصی آزادی کا بھی تحفظ کر دیا 230
- سورت کے بعض مقامات کی مزید تشریحات 231
- (ا) آسمان و زمین کی چھ ''ایام'' میں تخلیق، اور دنیا کی پیدائش کے باب میں قرآن کی تصریحات 231
- اس بارے میں وقت کے علمی نظریے 232
- (ب) چاند کی منزلیں اور ان کی تقدیر 232
- اجرام سماویہ کے مشاہدہ کے قدیم ترین تاثرات اور منازل قمر کا تعین 233
- ہندوستان اور چین کی طرح عرب میں بھی یہ منازل عام طور پر معلوم و مشہور تھے 233
- (ج) قرآن اور آخرت کی زندگی 233
- نعائم جنت اور اھوال دوزخ کی حقیقت 234
- ''لقاء الٰہی'' اور ''محبوبیت'' 235
- ''رضوان من اللہ'' کی نعمت 235
- تناسخ کا عقیدہ اور قرآن 235
- (د) ہدایت حواس و عقل اور قرآن کا اس سے استدلال 236
- قرآن نے ''ہدایت'' کا لفظ صرف ہدایت وحی ہی کے لیے استعمال نہیں کیا ہے۔ ہدایت کے مختلف مراتب ہیں 237
- (ہ) عدم احاطہ علم اور تکذیب حقائق 237
- قرآن اس سے بھی روکتا ہے کہ بغیر علم و بصیرت کے کوئی بات مان لی جائے، اور اس سے بھی روکتا ہے کہ محض عدم ادراک کی بنا پر کوئی بات جھٹلا دی جائے، پہلی بات جہل و وہم پرستی سے محفوظ کر دیتی ہے۔ دوسری شک و الحاد سے 237
- ''خلاف عقل'' اور ''ماوراء عقل'' 238
- دنیا کے تمام علمی انکشافات اسی اصل عظیم کے اعتقاد کا نتیجہ ہیں کہ عدم احاطہ سے نفی و تکذیب لازم نہیں آتی 238
- عقل اور ماوراء عقل کی نزاع اور قرآن کا فیصلہ 238
- ''تاویل'' مستعملہ قرآن اور متاخرین کی لغزش 239
- (و) تفسیر ''لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون'' 239
- زندگی کے لیے دو ہی کانٹے ہیں، خوف اور حزن۔ قرآن کہتا ہے، سعید وہ ہے جس کے لیے دونوں کانٹے بے اثر ہو جائیں! 239

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورۂ ھود

- سورت کے خطاب کی نوعیت 240
- گزشتہ دعوتوں، ایام و وقائع اور سورت کی خصوصیت 240
- سورت کا مرکز موعظت اور تین باتوں کا اعلان 240
- علم الٰہی کا احاطہ 240
- چونکہ سورت کی موعظت کا مرکزی نقطہ جزاء عمل کا معاملہ ہے اس لیے اولین آیت ہی میں اس طرف اشارہ کر دیا 241
- زمین پر ایک ابتدائی دور گزر چکا ہے جبکہ اس کی سطح پر پانی ہی پانی تھا 241
- طبعیت انسانی کی یہ کمزوری کی مصیبت میں مایوس ہو جائے گا شادمانی میں مغرور و غافل 242
- انبیاء کرام کا وظیفہ ''تبشیر و'' ''تنذیر'' اور اس کی عظیم ترین گرانباری 242
- منکروں کی عجائب طلبی، اور قرآن کا اعلان کہ پیغمبر ''نذیر'' ہے 243
- ''وکیل''، نہیں ''نذیر'' کے وصف پر زور دے کر تمام غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا 243
- منکروں کا استہزاء اور قرآن کی تحدی 243
- قانون عمل اور نتائج عمل 243
- یہاں نتائج کا حصول، عمل پر موقوف ہے، اور عمل دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو صرف دنیوی فوائد ہی کے لیے ہیں۔ ایک وہ جو دنیا اور آخرت دونوں کے لیے جو کوئی صرف دنیوی زندگی کی دلفریبیوں ہی پر قانع ہو گیا، اس کے لیے صرف دنیوی زندگی ہی کے نتائج ہونگے، بشرطیکہ عمل کے شرائط پورے کرے۔ البتہ آخرت کی سعادت سے وہ محروم رہ جائے گا 244
- جن لوگوں نے غفلت و کوری کی جگہ دلیل و حجت کی راہ پالی ہے، وہ مغرورین دنیا کی طرح آخرت سے بے پروا نہیں ہو سکتے منکروں کی راہ افتراء علی اللہ کی راہ ہے 244
- اس کا اعلان کہ منکروں کا موجودہ اقتدار کتنا ہی طاقتور دکھائی دیتا ہو، لیکن وہ کلمہ حق کی راہ نہیں روک سکتے 245
- اب دو فریق پیدا ہو گئے ہیں۔ مومن اور منکر۔ مومن کی مثال ایسی ہے، جیسے دیکھنے سننے والا۔ منکر کی مثال ایسی ہے، جیسے اندھا بہرا پھر کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اگر نہیں ہو سکتے تو ضروری ہے کہ متضاد نتائج سے بھی دو چار ہوں۔ چنانچہ دنیا میں ہمیشہ ایسے ہی متضاد نتائج نکلتے رہے ہیں 245
- اس سلسلہ میں گزشتہ ایام و وقائع سے استشہاد 245
- حضرت نوع کی دعوت 246
- حضرت نوع علیہ السلام کی موعظت اور اس کے مقاصد و مہمات قوم کی سرکشی اور مجادلانہ خصومت 246
- حضرت نوع علیہ السلام کا وحی الٰہی سے مطلع ہونا کہ طوفان آنے والا ہے، اور ایک کشتی کی تعمیر کا حکم 247
- طوفان کا ظہور، حضرت نوح کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہو جانا، لڑکے کا اعراض اور ہلاکت، اور اس معاملہ کی عبرت 248
- طوفان کا تھمنا، اور کشتی کا جودی پر قرار پانا'' جودی اور ''ارارات'' سے مقصود ایک ہی مقام ہے 249
- مستقبل کے لیے وحی الٰہی کی بشارت 250

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- قوم عاد اور حضرت ہود علیہ السلام 251
- حضرت ہود کی موعظت اور قوم کی سرکشی، بالآخر قانون حق کا فیصلہ۔ مومنوں نے نجات پائی سرکش ہلاک ہوئے انبیاء کے مواعظ میں "ربی وربکم" کے کلمہ کا بار بار آنا، اور اس کا مطلب 251
- غافل جماعتوں کی گمراہی کی بو العجبی۔ وہ ظالموں کے پیچھے چلیں گے جو ان پر ظلم کرتے ہیں، مگر داعیان حق وعدالت سے روگردانی کریں گے جو انہیں ظلم وتعدی سے بچانا چاہتے ہیں 252
- قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام 253
- حضرت صالح کا وعظ اور قوم کا انکار 254
- قوم ثمود نے کہا۔ ہماری بڑی بڑی امیدیں تم سے وابستہ تھیں، مگر تم دوسری ہی طرح کے آدمی نکلے 254
- قوم کی سرکشی نتیجہ یہ نکلا کہ مومنوں نے نجات پائی سرکش ہلاک ہوئے 254
- قوم سدوم اور حضرت لوط علیہ السلام 255
- فرشتوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنا اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دینا اور سدوم کی تباہی کی خبر 255
- ان دو واقعوں کی معنوی مناسبت 255
- حضرت ابراہیم کا تاسف اور فرشتوں کا اظہار کہ ہلاکت ناگزیر ہے 257
- فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچنا، قوم کا ہجوم، حضرت لوط علیہ السلام کی ہجرت اور بالآخر شہر کی ہلاکت 257
- قبیلہ مدین اور حضرت شعیب علیہ السلام 258
- حضرت شعیب کی موعظت اور اس کے اہم نقاط 258
- قوم کی مجادلانہ روش اور حضرت شعیب کا جواب 258
- قبیلہ مدین کا تجارت سے خوش حال ہو جانا، مگر لین دین میں خیانت کرنی 259
- ان پر حضرت شعیب کی نماز گراں نہیں گزرتی تھی، مگر نماز کا یہ مقتضی گراں گزرتا تھا کہ دوسروں کو بھی خدا پرستی کی دعوت دیتے تھے! 260
- اتباع حق کی راہ میں ذاتی خصومت سے بڑھ کر کوئی روک نہیں 2602
- انسان انسان کے ڈر سے رک جائے گا، مگر خدا کے ڈر سے نہیں رکنا چاہتا 260
- حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا۔ اچھا تم اپنی راہ چلو میں اپنی راہ چلتا ہوں، اور نتیجہ کا انتظار کرو۔ چنانچہ نتیجہ ظاہر ہو گیا، اہل ایمان نے نجات پائی۔ سرکش ہلاک ہوئے 261
- قوم فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام 261
- ایام ووقائع کی موعظت کا اختتام 261
- اس سلسلہ استدلال کے نتائج وبصائر 262
- چھ بصیرتیں جو یہاں نمایاں کی گئی ہیں 263
- پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں سے خطاب، اور سات باتوں کی تلقین جو اس سورت کی موعظت کا خلاصہ ہیں 264
- قرآن نے یہاں واضح کر دیا کہ گزشتہ ایام ووقائع کے بیان سے اس کا مقصود کیا ہے؟ فرمایا چار باتیں ہیں 265
- سورت کی ابتداء جس بات سے ہوئی تھی، اسی پر خاتمہ اور بنیاد کی تین موعظتیں 266

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- قرآن کے قصص، اوران کے مقاصد وبصائر پر ایک تفصیلی نظر 267
- (ا) یہ فی الحقیقت قرآن کے دلائل وحجج ہیں 267
- وحدتِ قوانین فطرت 267
- جس طرح عالم صورت کے قوانین ہوئے، اسی طرح عالم معنی کے بھی قوانین ہیں 267
- جس طرح افراد کے لیے قوانین سعادت وشقاوت ہوئے، ٹھیک اسی طرح اقوام وجماعات کے لیے بھی قوانین ہیں 268
- سنت اللہ 268
- قرآن کا یہ استدلال طبیعت انسانی کا وجدانی اذعان ہے۔ استقراء کا یقین فطری ہے، اور یہ استدلال استقراء پر مبنی ہے۔ قرآن کے اس استدلال نے اس طرف بھی راہنمائی کردی کہ تاریخ کا صحیح استعمال کیا ہونا چاہیے؟ 268
- سورۂ ہود اور استقراء تاریخی 270
- تمام دعوتوں کے ایام ووقائع اپنے ظہور میں اپنے اعلانات میں اپنی تذکیر میں، احوال وظروف میں، ردوقبول میں، نوعیت وحیثیت میں، اور پھر آخری نتیجہ میں کامل طور پر یکساں وہم آہنگ ہیں قصص قرآنی کے یہ مبادی خود قرآن کی تصریحات ہی سے ماخوذ ہیں 270
- ایام اللہ 272
- قصص قرآن اور مبادی سبعہ 272
- قرآن نے صرف چند دعوتوں ہی کا ذکر کیوں کیا؟ اس کے وجوہ ومقاصد 273
- جدید اثری تحقیقات اور اقوام متذکرۂ قرآن 275
- جدید اثری تحقیقات اور وقائع بنی اسرائیل 277

سورۂ یوسف

- یہ سورت بھی اوائل دعوت کی سورتوں میں سے ہے 278
- حضرت یعقوب کا گھرانا 278
- یوسف کے گیارہ بھائی، باپ، اور سوتیلی ماں 279
- یوسف کے سوتیلے بھائیوں کا حسد 279
- یوسف کی عمر 279
- یوسف کا خواب 279
- سوتیلے بھائیوں کی سازش، اور یوسف کو ساتھ لے جانے کی باپ سے درخواست 279
- حضرت یعقوب کا اندیشہ اور بالآخر اجازت دے دینی 280
- بھائیوں کا یوسف کو کوئیں میں ڈال دینا، بھیڑیے کے حملہ کا جھوٹا قصہ، اور حضرت یعقوب کا صبر جمیل 281
- ''صبر جمیل'' کی حقیقت 281
- خون آلودہ کرتا 281
- "بل سوّلت لکم انفسکم امرا" کے معانی کی وسعت اور محل خطاب کے دقائق 281

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- ایک عرب قافلہ کا کوئیں پر سے گزرنا۔حضرت یوسف کی رہائی،اور غلام کی حیثیت سے فروخت ہونا 282
- تورات اور قرآن کی تصریحات کا فرق 282
- ڈول کھینچنے والے نے اظہار تعجب کی جگہ مسرت کیوں کیا؟ 282
- مصر کے ایک سردار کا یوسف کو خریدنا،اور ان کے اخلاق وخصائل سے اس درجہ متاثر ہونا کہ اپنے گھر اور علاقہ کا مختار بنا دینا قرآن کا بیان وقائع میں ایجاز بلاغت اور غیر ضروری تفصیلات سے اعراض 283
- حضرت یوسف کی مصری زندگی اور مصری کا مرانیوں کی ابتداء قرآن کا اسے تمکن فی الارض سے تعبیر کرنا 283
- حضرت یوسف کا بلوغ کو پہنچنا اور دانش حکومت اور فضیلت علم کی تکمیل 284
- عزیز مصر کی بیوی کا فریفتہ ہونا،اور ایک سخت ترین آزمائشی حالت میں مبتلا کرنا،پھر ناکام رہ کر جھوٹا الزام لگانا،مگر حضرت یوسف کی بریت کا آشکار ہو جانا 284
- خود امراۃ العزیز کے ایک رشتہ دار کی یوسف کی حمایت میں شہادت 285
- شہر کی شوقین عورتوں میں اس معاملہ کا چرچا مجلس ضیافت کی ترتیب،فتنہ گرانِ شہر کا اجتماع اور حضرت یوسف کی عصمت و پاکی کی فتح مندی 285
- قرآن نے مجلس ضیافت کے اہتمام کا جو نقشہ کھینچا ہے مصری آثار ونقوش اس کی پوری پوری تصدیق کرتے ہیں 285
- امراۃ العزیز کی دھمکی،حضرت یوسف کا عیش معصیت پر قید وبند کی مصیبت کو ترجیح دینا،اور قید خانہ میں بھی اداء فرض حق سے غافل نہ ہونا 286
- قید خانہ کے دو ساتھیوں کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف سے رجوع کرنا۔حضرت یوسف کی تعبیر،قیدی کی رہائی،پھر خود بادشاہ مصر کا ایک جیب وغریب خواب دیکھنا اور حضرت یوسف سے اس کا حل دریافت کرنا 286
- بادشاہ مصر کی طلبی،مگر حضرت یوسف کا قید خانہ چھوڑنے سے انکار کر دینا،اور اس پر مصر ہونا کہ پہلے ان کے قضیہ کی تحقیقات کر لی جائے، بادشاہ کی تحقیقات لائمات کی شہادت اور خود امراۃ العزیز کا آشکارا اعلان 291
- حضرت یوسف کا صرف لائمات کے معاملہ کی طرف اشارہ کرنا،اور امراۃ العزیز والے معاملہ کی طرف اشارہ نہ کرنا 291
- امراۃ العزیز کے عشق کی تکمیل 291
- حضرت یوسف کا بادشاہ سے ملنا،تمام مملکت کا مختار عام قرار پانا،قحط سالی کا ظہور،بھائیوں کی آمد اور بن یمین کا معاملہ 293
- تورات کی تصریحات 293
- مصری زندگی کے دو انقلاب انگیز وقت اور قرآن کا ایجاز بلاغت 294
- مصر کی قحط سالی اور تورات کی تصریحات 295
- بھائیوں کا مصر آنا،اور ان پر جاسوسی کا شبہ 295
- بھائیوں کا دوبارہ بن یمین کو ساتھ لے کر جانا،اور حضرت یعقوب کی نصیحت 296
- حضرت یوسف کی خواہش کہ بن یمین کو روک لیں،لیکن اس کی کوئی راہ نہ پانی اور رخصت کر دینا،مگر حکمت الٰہی سے ایک غیر متوقع حادثہ کا پیش آجانا اور بن یمین کا ان کے پاس رہ جانا 297
- حضرت یوسف نے جس طرح پہلی مرتبہ غلہ کی قیمت بھائیوں کی خرجیوں میں رکھوا دی تھی،اسی طرح اس مرتبہ اپنا چاندی کا پیالہ بن یمین کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خرجی میں رکھوا دیا کہ بطور نشانی کے ساتھ جائے۔ محل کے کارندوں کو اس کی خبر نہ تھی۔ انہوں نے اسے چوری تصور کیا 297
- بھائیوں کی بدگوئی 298
- حضرت یعقوب کا بن یمین کی گم گشتگی میں بازیافتگی کی امید محسوس کرنا، اور بیٹوں کی جستجو میں روانہ کرنا، بالآخر پردۂ راز کا ہٹنا، اور کرشمہ حقیقت کی نمود! 300
- تورات کی تصریحات 300
- سرگزشت کی جزئیات اور قرآن کا وقت بیان 301
- بھائیوں سے مخاطبہ اور قرآن کی معجزانہ بلاغت 302
- ابتدا میں یوسف کا پیراہن ہی موت کی علامت بنایا گیا تھا 302
- اب وہی پیراہن مژدہ حیات و وصال بن گیا! 302
- حضرت یعقوب کے خاندان کا مصر پہنچنا خواب کی تعبیر کا ظہور اور سرگزشت کا خاتمہ 303
- "انی لاجد ریح یوسف" 303
- بیٹوں کا اعتراف ذنوب، اور حضرت یعقوب کا فرمان کہ "سوف استغفر لکم ربی" 303
- تورات کی تصریحات 303
- دربار کا انعقاد، حضرت یوسف کا ورود، اور بارہ ستاروں اور چاند سورج کا سجدہ میں گر جانا 303
- سجدہ تعظیمی اور اس کی حقیقت 305
- سورت کا خاتمہ 306
- پیغمبر اسلام سے خطاب اور دعوت حق کے مواعظ 306
- تفسیر "ومایؤ من اکثر هم بالله وهم مشرکون" 307
- قرآن کی دعوت توحید 307
- اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ دعوت وحی سرتا سر علم و یقین کی دعوت ہے اور منکروں کے پاس شک وظن کے سوا کچھ نہیں سوال یہ ہے کہ اتباع یقین و عرفان کا کرنا چاہیے۔ یا شک وظن کا قرآن کے چار وصف جو کبھی کذب وافتراء کے اوصاف نہیں ہو سکتے 307
- سورۂ یوسف کے مواعظ وحکم اور ان پر ایک مجموعی نظر 308
- دو ہزار سال قبل مسیح مصری تمدن کا عروج 308
- حضرت ابراہیم کا قبیلہ کنعان میں توطن اور عہد الٰہی 308
- کنعانیوں کی بدویانہ زندگی اور مصریوں کا غرور تمدن 309
- قدرت الٰہی کی کرشمہ سازی 309
- کنعانی غلام 310
- غلامی کا خواجگی و آقائی ہو جانا! 310
- امتحان عصمت 310
- مصر کا قید خانہ اور مصر کا تخت شاہی 311

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- روحانی صداقت اور مادی ترقیات کا مقابلہ 311
- قوانین عمل اور نتائج عمل 312
- سرگزشت کی شخصیتیں، اور ان کی سیرت 313
- حضرت یعقوب علیہ السلام 314
- غم کی انتہا صبر کا کمال یقین کا عدم تزلزل! 314
- حضرت یعقوب علیہ السلام کا قول کہ "بل سولت لکم انفسکم امرا" اور اس کے وقائق معانی کی وسعت 314
- صبر جمیل 314
- حضرت یعقوب کا اسوۂ حسنہ 314
- حضرت یوسف علیہ السلام 316
- اس شخصیت کی ساری موعظت اس کی سیرت (یعنی کیرکٹر) کی فضیلت واستقامت میں ہے 316
- انسان کی سیرت اور اس کی فضیلت کی اٹل کامرانیاں سترہ برس کی عمر میں مصائب کا مقابلہ اور مازمانہ فیصلہ 316
- رفتار حوادث کی پے در پے آزمائشیں اور ان کی بے داغ سیرت کی پے در پے فتح مندیاں 316
- عزیز کے ساتھ معاملہ 317
- امرأۃ العزیز کا معاملہ 323
- دعوت عیش کا جواب 323
- "السجن احب الی مما یدعوننی الیہ" 323
- قید خانہ مصر اور ان کی سیرت کی فتح مندی 323
- تبلیغ حق کا جوش، اور دو قیدیوں کا معاملہ 323
- تفسیر "اذکرنی عند ربك" 323
- قیدیوں کو ان کی مطلوبہ تعبیر بتلانے سے پہلے دعوت حق کا ذکر چھیڑ دینا، اور اس کی علت 323
- بادشاہ کی احتیاج اور قیدی کی شاہانہ فیاضی! اگر وہ چاہتے تو اس موقع سے اپنی رہائی کے لیے فائدہ اٹھاتے لیکن اس کا انہیں وہم وگمان بھی نہیں گزرا! 323
- بادشاہ کی طلبی، رہائی کا مژدہ، اور حضرت یوسف کا انکار عزت نفس اور استقامت حق کا بلند ترین مقام 323
- بھائیوں سے معاملہ 323
- اس موقعہ کا مخاطبہ، اور حضرت یوسف کے طریق خطاب کے وقائق 323
- عفو بخشش اور فیاضانہ درگزر کا بلند ترین معیار 323
- حضرت یوسف کی آخری دعا، اور اس کی روحانی عظمت 323
- امرأۃ العزیز کی شخصیت 323
- ہوس اور عشق کے امتیازات 323
- ہوسنا کی کی غرض پرستی اور کام جوئی اور عشق کی خود فراموشی وخود فروشی 323

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- محبت کی خامی و پختگی کے تین مراتب 324
- تاویل الاحادیث 324
- ''تاویل الاحادیث'' سے مقصود محض علم تعبیر ہی نہیں ہے بلکہ علم و دانش کی ساری باتیں ہیں 324
- عزیز مصری کا بیوی سے معاملہ اور مفسروں کی حیرانی مفسروں نے ہزار ہا سال پہلے کی معاشرتی حالات کو اپنے عہد کے حالات پر قیاس کیا 326
- امراء مصر کی ازدواجی زندگی اور عورتوں کی مطلق العنانی عزیز کا معاملہ مذکورۂ قرآن اس عہد کے صورت حال کی اصلی تصویر ہے 326
- تفسیر "ان کید کن عظیم" 327
- اس آیت کے محل و نوعیت کے بارے میں مفسروں کی افسوس ناک غلطی، اور عام طور پر اسے عورتوں کی جنسی پستی کے لیے قرآن کا حکم و فیصلہ سمجھ لینا 327
- قرآن اخلاقی فضائل کے لحاظ سے مردوں اور عورتوں میں کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ وہ دونوں کو ہر اعتبار سے ایک درجہ میں رکھتا ہے 328
- سورۂ احزاب کی شہادت 328
- اگر اس بارے میں جنسی امتیاز کرنا ہی ہے، تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ سب سے بڑا کید مرد کا کید ہے۔ نہ کہ معصوم اور فرشتہ خصلت عورتوں کا 328
- یہودیوں اور عیسائیوں کا عقیدہ کہ پہلا گناہ عورت سے ہو، مگر قرآن کا انکار 329
- امرأۃ العزیز کا نام اور مصر کا حکمران خاندان 329
- حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات 329

سورۂ الرعد

- تمام مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی دین حق کے بنیادی عقائد کا بیان ہے، لیکن خصوصیت کے ساتھ مرکز موعظت ''حق'' اور ''باطل'' کی آویزش کا قانون ہے 330
- قرآن ''حق'' ہے۔ انسانی فکر کی بناوٹ نہیں 330
- برہان ربوبیت کا استدلال 331
- تخلیق عالم کے تین مراتب 331
- یہاں ساری باتیں ''تدبیر امور'' کی شہادت دے رہے ہیں۔ ''یدبر الامر'' میں استدلال کا پہلو 332
- کرۂ ارضی کی بناوٹ اور حکمت و ربوبیت کی کارفرمائیاں زمین کی سطح پہاڑوں کی چوٹیاں، نہروں کی روانی، روئیدگی کا کارخانہ، نباتات کے نعائم، اور خواص و اشیاء کا اختلاف و تنوع 333
- عجیب بات یہ نہیں ہے کہ مرنے کے بعد بھی زندگی ہو کیونکہ اس پر تو کارخانہ ہستی کی ہر بات گواہی دے رہی ہے۔ عجیب ترین بات یہ ہے کہ انسانی عقل صرف دنیوی زندگی ہی کو زندگی سمجھ لے۔ اس سے زیادہ کے لیے اس کے اندر کوئی کھٹک نہ ہو 334
- "استعجال بالسیئۃ" اور اس کی تشریح 335
- انسان کی یہ عالمگیر گمراہی کی سچائی کو سچائی میں نہیں ڈھونڈھتا اور سمجھتا ہے۔ سب سے زیادہ سچا آدمی وہ ہے جو سب سے زیادہ عجیب ہو، قرآن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا اس پر انکار 335
- ہدایت وشقاوت کی ''تقدیر'' اور اس کا قانون عمل ایک کے بعد ایک آنے والی قوت ہے جو انسان کو ہلاکت سے محفوظ رکھتی ہے 336
- خدا کا یہ قانون کہ وہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدل ڈالے۔ یعنی حالت خدا ہی کے ٹھہرائے ہوئے قانون کے ماتحت بدلتی ہے۔ لیکن قانون یہ ہی کہ ہر طرح کی تبدیلی خود انسان ہی کے عمل سے ظہور میں آئے اب وہ مختار ہے۔ چاہے، نعمت کی راہ اختیار کرے، چاہے محرومی کی 337
- لیکن انسان کو جو برائی پہنچتی ہے، تو کیا اس لیے کہ خدا نے برائیوں کا سروسامان کیا؟ نہیں اس نے جو کچھ کیا ہے، سرتاسر اچھائی اور خوبی ہے 337
- رعدوبرق کی مثال 338
- ''توحید ربوبیت'' سے ''توحید الوہیت'' پر استدلال 339
- ''حق'' اور ''باطل'' کی کشمکش اور ''بقاء انفع'' یا ''قضاء بالحق'' کا قانون 339
- یہاں وہی چیز ٹک سکتی ہے جس میں نفع ہو جو نافع نہیں چھانٹ دی جاتی ہے 340
- اسی بنا پر عمل صالح کے لیے خوبی ہوئی اور فاسد کے لیے محرومی 340
- جسے حق کا عرفان ہوا، وہ روشنی میں ہے، اور دیکھ رہا ہے۔ جو منکر ہے، وہ تاریکی میں ہے اور دیکھتا نہیں۔ پھر کیا دونوں کا حکم ایک ہوا' کیا ''علم'' اور ''جہل'' میں کوئی فرق نہیں؟ 341
- اس قانون کے ماتحت نافع ہستیاں وہ ہوئیں، جنہوں نے عمل صالح کی راہ اختیار کی۔ عمل صالح کی تفصیل اور اصحاب عمل کے سات خصائص 341
- اللہ کی کتاب ہدایت کے لیے نازل ہوئی ہے۔ اچنبھوں کی نمائش کے لیے نہیں، اگر پہلے ایسا ہوا ہوتا تو اب بھی ہوتا۔ وہ مردہ جسموں کو نہیں جلاتی۔ البتہ مردہ روحوں کو زندہ کر دیتی ہے۔ 342
- ہر وقت کے لیے ایک نوشتہ ہے۔ یعنی مقررہ میعاد 343
- سورت کا خاتمہ، اور مواعظ کا خلاصہ: 343
- پیغمبر کے ذمہ صرف ''تبلیغ'' ہے ''محاسبہ'' اللہ کا کام ہے، اور اس کا قانون غافل نہیں 343
- جن نتائج کے ظہور کی خبر دی گئی ہے، ان کا ظہور اٹل ہے باقی رہی یہ بات کہ وہ پیغمبر اسلام کی زندگی ہی میں ظاہر ہو جائے گے، یا ان کے بعد، تو اس کے لیے متفکر نہیں ہونا چاہیے۔ ظہور نتائج کا معاملہ اس پر موقوف نہیں 344
- پیغمبر اسلام کا اعلان ہے کہ وہ اللہ کے فرستادہ ہیں، منکروں کا اعلان ہے کہ فرستادہ نہیں۔ اب فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ ''قضاء بالحق'' کا قانون بتلا دے گا، کون اپنے اعلان میں سچا تھا 344

سورۂ ابراہیم

- سورت کا مرکز موعظت اور خطاب کی نوعیت 345
- ہدایت روشنی ہے اور ضلالت تاریکی سنت الٰہی یہ ہے کہ جب تاریکی پھیلتی ہے تو روشنی طلوع ہو جاتی ہے۔ قرآن کا نزول اسی روشنی کا طلوع ہے 345
- ایسی ہی روشنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ظہور میں بھی چمکی تھی۔ 345

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موعظت اور ''ایام اللہ'' کا تذکرہ 346
- ''ایام اللہ'' کے تذکرہ میں ''صبر'' اور ''شکر'' کی آیات 346
- ''صبر'' اور ''شکر'' کی حقیقت 346
- ''شکر'' سے نعمت قائم رہتی اور بڑھتی ہے ''کفران'' سے زائل ہو جاتی ہے 346
- ایام ووقائع اور ان کے مجموعی نتائج وسنن 348
- حضرت موسیٰ کی موعظت میں خصوصیت کے ساتھ تین قوموں کا ذکر باقی کی طرف مجمل اشارہ 348
- قرآن کے دلائل، اور وقائق، اسلوب انبیاء کے اس قول میں کہ "افی اللّٰہ شك ، فاطر السموات والارض؟ سارے دلائل آ گئے! 349
- تفسیر "وما لنا ان لا نتوكل على الله وقد هدانا سبلنا" اور ہدایت ربوبیت 350
- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موعظت کا اختتام، اور سلسلہ بیان کا ایک نیا خطاب 350
- تخلیق بالحق سے استشہاد 350
- گمراہی کا سب سے بڑا سرچشمہ سرداروں اور پیشواؤں کی اندھی تقلید واطاعت ہے 351
- ایمان کی راہ سرتا سر سلامتی ہے، اور کفر کی راہ اضطراب ومحرومی۔ یہی وجہ ہے جنت کے مرقع میں سب سے زیادہ نمایاں منظر سلامتی کی فضاء کا ہوا 351
- ''کلمہ طیبہ'' اور ''کلمہ خبیثہ'' اور اس کی مثال 352
- ایمان کی خصوصیت قرار اور جماؤ ہے۔ پس مومن وہ ہے، جس کی ساری باتیں جمنے والی اور نہ ٹلنے والی ہوں 352
- رؤسائے قریش کی طرف اشارہ کی نعمت حق کی قدر شناسی نہ کر سکے، اور کلمہ طیبہ کی جگہ کلمہ خبیثہ کا شعار اختیار کیا 353
- برہان ربوبیت کا استدلال 353
- ربوبیت الٰہی کا افادہ وفیضان، اور زندگی وجود کی تمام مطلوبات کی بخشش 354
- قریش اور باشندگانِ مکہ پر فضل الٰہی کا احسانِ خاص، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا مقبول 355
- قیامت کا حادثہ اور اجرام سماویہ کا تبدل 356
- سورت کا خاتمہ اور اختتامی موعظت کی تین بصیرتیں 356

سورۂ الحجر

- قرآن کا اپنے اس وصف پر خصوصیت کے ساتھ زور دینا کہ وہ ''مبین'' ہے 357
- منکروں کو تنبیہ۔ وہ وقت دور نہیں کہ حسرت سے کہیں گے۔ کاش ہم نے انکار نہ کیا ہوتا! 357
- آسمان کے ''بروج'' اور ''برج'' مستعملہ قرآن کا مفہوم 358
- قرآن کا جمال فطرت سے استشہاد، اور مناظر کائنات کی زینت وخوشنمائی 360
- کائنات میں حسن وزینت کی نمود رحمت کی موجودگی کا یقین دلاتی ہے 361
- "شہاب مبین" اور اس کی حقیقت 361

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- زمین گیند کی طرح گول ہے، لیکن اس کا ہر حصہ فرش کی طرح بچھا ہوا محسوس ہوتا ہے! 362
- اس میں پہاڑ ہیں جن سے دریا نکلتے اور میدانوں کو شاداب کرتے رہتے ہیں 362
- زمین میں جتنی چیزیں اگتی ہیں، سب ''موزوں'' ہیں 362
- موزونیت کا ایک وصف کہہ کر قرآن نے بے شمار حقیقتوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے 362
- ہر پتا، ہر پھول، ہر دانہ، ہر پھل، جو زمین میں پیدا ہوتا ہے 364
- کسی ترازو میں تلا ہوا، اور کسی اندازہ شناس کا مقررہ و متعینہ ہوتا ہے! 364
- ''تقدیر اشیاء'' اور نظام ربوبیت 364
- ''تقدیر'' سے قرآن کا استدلال 364
- ''بارش کی مثال'' 364
- موت و حیات اور جماعتوں کے تقدم و تاخر کی ''تقدیر'' 365
- تقدیر امور سے حیات اُخروی اور جزاء عمل پر استشہاد 365
- مٹی سے وجود حیوانی کی پیدائش جس کی آخری کڑی انسان ہے 366
- مٹی کی یہ مخلوق تمام ملائکہ کی مسجود ہو گئی، مگر ہاں، ایک قوت نہیں جھکی، یہ ابلیس ہے۔ یہ انسان کو اپنے آگے جھکانا چاہتا ہے خود جھکنا نہیں چاہتا۔ کامیاب انسان وہ ہے، جو اس سے مغلوب ہونے کی جگہ اس پر غالب آئے 366
- کائنات ہستی میں اصل عمل رحمت و بخشش ہے 366
- گزشتہ قوموں کے ایام و وقائع اور قانون نتائج عمل 366
- یہاں صرف تین قوموں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا، جن کی آبادیاں عرب سے متصل واقع تھیں، اور اہل عرب وہاں سے گزرتے رہتے تھے 366
- "الساعة" کہیں تو قیامت کے دن کے لیے کہا گیا ہے۔ کہیں ایک خاص فیصلہ کن اور مقررہ دن کے لیے۔ یہاں ''الساعۃ'' کا استعمال دوسرے معنی میں ہوا، نہ کہ پہلے معنی میں ''صفح جمیل'' کا حکم اور اس کی حقیقت 367
- سورت کا خاتمہ اور ابتدائی عہد کے مومنوں سے خطاب 367
- تم بے سروسامان ہو، لیکن تمہارے پاس ایک چیز ہے جو مخالفوں کو میسر نہیں یعنی کلام الٰہی۔ یہی ایک چیز ہے، جس کے ذریعہ تمہیں ساری کامرانیاں حاصل ہو جائیں گی 367
- سورۂ فاتحہ کو "سبعا من المثانی" سے تعبیر کیا 368
- اس آیت سے واضح ہو گیا کہ سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں 368
- سورۂ فاتحہ کی قرأت کا صحیح طریقہ جو روایات صحیحہ سے ثابت ہے 369

سورۃ النحل

- ''امر اللہ'' سے مقصود دعوتِ حق اور اس کے معاندوں کے درمیان فیصلہ ہے۔ فرمایا: اب اس فیصلہ کا وقت دور نہیں چنانچہ اس کے بعد ہی ہجرت کا واقعہ پیش آیا، اور دعوت حق کی کامرانیاں شروع ہو گئیں 370

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- وحی کو ''الروح'' سے تعبیر کیا۔ عہد عتیق اور انجیل کی بھی یہی اصطلاح ہے 370
- توحید کی تلقین اور اس کے دلائل 371
- ''تخلیق بالحق'' سے استدلال 371
- انسان کی پیدائش کا معاملہ قدرت الٰہی کی سب سے بڑی کرشمہ سازی ہے 371
- تفسیر "فاذا هو خصيم مبين" 371
- خود انسان کی ہستی اور اس کے داخلی شواہد و آیات 371
- جو ربوبیت الٰہی جسم کے لیے سب کچھ کر رہی ہے، کیا ضروری نہیں کہ روح کے لیے بھی سب کچھ کرے؟ 372
- یہاں کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ اس یگانہ ہستی کے ساتھ کوئی شریک نہیں 373
- ربوبیت و رحمت کی عالمگیر بخشائشیں، اور کارخانہ ہستی کے ذرہ ذرہ کا اعلان کہ "ان اللّٰہ لغفورٌ رحیم" 374
- قرآن کی اس تعبیر کی شرح کہ وہ ہر جگہ برائی اور معصیت کو ''اسراف علی النفس'' قرار دیتا ہے 375
- وہ گروہ، دو متضاد حالات اور متضاد نتائج، مسرف علی النفس اور متقی 375
- مشرکوں کا یہ قول کہ اگر شرک برائی ہے تو کیوں خدا ہمیں برائی کرنے دیتا ہے، اور قرآن کا جواب 377
- یہاں سے معلوم ہو گیا کہ جبر و اختیار کے بارے میں قرآن کا اعلان کیا ہے؟ 377
- حیات اُخروی سے مشرکین عرب کی بے خبری، اور اس پر استعجاب 378
- قرآن کا طریق اثبات 378
- تفسیر "انما قولنا لشیء اذا اردنه ان نقول له کن فیکون" 379
- ہجرت حبش اور تائید الٰہی کی چارہ سازیاں 381
- جو قوم عرب پر حملہ آور ہوئی تھی، وہی اب غرباء عرب کے لیے مہمان نواز ہو گئی 381
- اجسام کا سایہ، اور قرآن حکیم کا اسے ایک آیت قرار دینا۔ نظام شمسی کے تمام کرشموں کو ہم اپنے وجود کے سایہ میں دیکھ لے سکتے ہیں .. 381
- روحانی قوی کے لیے جنسی امتیاز کا تصور، دیوتاؤں کے ساتھ دیبیوں کا تخیل، اور ملائکہ کو دختران الوہیت سمجھنے کا عقیدہ 383
- عورتوں کی تحقیر بیٹی کی پیدائش پر غمگینی اور بیٹی کے باپ ہونے پر احساس شرم و ذلت، عرب کے عام عقائد و تصورات تھے دختر کشی کی وحشیانہ رسم اسی سے پیدا ہوئی۔ قرآن نے نہ صرف یہ رسم مٹا دی، بلکہ وہ ذہنیت بھی مٹا دی جو عورتوں کی جنسی مساوات کے خلاف کام کر رہی تھی 383
- صفات الٰہی کے باب میں فکر انسانی کی گم گشت گیاں 384
- قانون ''امہال'' 385
- عقل انسانی ماوراء محسوسات حقائق دریافت نہیں کر سکتی، اس لیے قدرتی طور پر طرح طرح کے اختلافات میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ قرآن کہتا ہے، وحی الٰہی کا ظہور اسی لیے ہوتا ہے کہ ان اختلافات میں حکم ہو، اور حقیقت کی راہ آشکارا کر دے 386
- نزول وحی کی مثال ایسی ہے جیسے خشک زمین پر بارانِ رحمت کا نزول 386
- برہان ربوبیت کا استدلال 386
- انسان کی غذا کے لیے سب سے زیادہ خوشگوار اور قدرتی چیزیں تین ہیں: دودھ، پھلوں کا عرق، شہد، ان کی پیدائش کا عجیب و غریب سامان،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور نظامِ ربوبیت کی کرشمہ سازیاں 386

- افرادِ انسانی کی معیشت کا مسئلہ اور قرآن کے احکام وتعلیم کا رخ 390
- قرآن اس سے تعرض نہیں کرتا کہ مقدارِ رزق کے لحاظ سے تمام افراد کی حالت یکساں نہ ہو، لیکن یہ صورت حال برداشت نہیں کرسکتا کہ حصولِ رزق کے اعتبار سے یکساں نہ سمجھی جائیں۔ 390
- حقوقِ محنت اور حقوقِ اخوت 391
- قرآن کے نزدیک نوعِ انسانی کے تمام افراد اصلاً ایک ہی خاندان کے مختلف ارکان ہیں، اور ہر رکن دوسرے رکن سے رشتہ انسانیت میں وابستہ حقوق ہے 391
- ''اکتسابِ مال'' اور ''انفاقِ مال'' قرآن کہتا ہے، مال کا ہر اکتساب انفاق کی ذمہ داری سے بندھا ہوا ہے، جونہی تم نے کمایا، تمہارا فرض ہوگیا کہ خرچ کرو 393
- قرآن کسی کمائی کو جائز اور پاک تسلیم نہیں کرتا اگر انفاق سے گریز کرتی ہو 393
- انفاق سے انکار جحودِ نعمت ہے 393
- ازدواجی زندگی اور اس کی راحتیں اور برکتیں 394
- مسئلہ صفات اور تفسیر "لاتضربوا للّٰہ الامثال" 394
- قرآن نے تنزیہہ پر زیادہ سے زیادہ زور دیا، تاہم وہ صفات کا بھی اثبات کرتا ہے۔ کیونکہ طبیعت انسانی کا قدرتی مطالبہ یہی ہے 395
- انسان کو علو وارتفاع کے لیے ایک بلند ترین نصب العین کی ضرورت ہے۔ وہ اپنے سے نیچے نہیں دیکھ سکتا۔ اپنے سے اوپر ہی دیکھے گا۔ پس جب اوپر دیکھتا ہے۔ تو اسے ذات الوہیت کی ہستی نظر آجاتی ہے! 395
- اس راہ کی ٹھوکر اثباتِ صفات میں نہیں ہوئی۔ اس میں ہوئی کہ صفات کیسی ہونی چاہئیں 396
- قرآن کا تصور اسی لیے اس معاملہ کی تکمیل ہوا کہ اس نے ایک طرف تنزیہہ کامل کر دی۔ دوسری طرف صفات حسنیٰ کا بھی کامل ترین نقشہ کھینچ دیا 396
- ویدانت اور بدھسٹ حکماء کا مذہب نفی واطلاق، اور عملاً بے حاصلی 397
- اسلام کی مختلف مذہبی جماعتوں میں سے جس جماعت نے قرآن کا مسلک صحت کے ساتھ سمجھا، وہ اصحابِ حدیث کی جماعت ہے ... 398
- سورۂ نحل کی دو مثالیں، اور ان کے مواعظ وحکم 398
- حواس اور عقل کی ہدایت اور ربوبیت الٰہی کی معنوی بخشائشیں 399
- افادہ وفیضانِ فطرت 399
- قرآن کا ہدایت، رحمت، اور بشارت ہونا، اور تفسیر "ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان" کہ جوامع احکام میں سے ہے 399
- ایفائے عہد اور قرآن کا اخلاقی معیار 400
- انفرادی عہد اور جماعتی عہد 400
- جو افراد عہد شکنی کا عار برداشت نہیں کرسکتے وہی بہ حیثیت قوم اور حکومت کے ہر طرح کی جماعتی عہد شکنیوں میں بے باک ہوجاتے ہیں ... 401
- یورپ کا اخلاقی معیار، اور ہندوستان کے برطانی عہد کے عہد ومواثیق 401
- قرآن راست بازی ودیانت کی جو روح پیدا کرنی چاہتا ہے، وہ ایک لحہ کے لیے بھی بہ صورت حال گوارا نہیں کرسکتی 402

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- وہ کہتا ہے، اس سے بڑھ کر ظلم و معصیت کی کوئی بات نہیں کہ ایک جماعت کو پہلے طاقتور دیکھ کر عہد و میثاق کرلو۔ پھر کمزور پا کر اس کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھاؤ 402
- جب ایک گروہ سے قول و اقرار کرلیا، تو اب ہر حال میں اسے پورا کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ ایسا کرنے میں خود اپنے لیے خطرات ہوں، اور خود اپنوں کا نقصان ہو 402
- تمہاری بدعہدی لوگوں کے لیے ٹھوکر بن جائے گی۔ کیونکہ وہ کہیں گے، ایسے لوگوں کا دین کیا جو اپنی بات کے پکے نہیں 402
- کسی انسان کو حق نہیں کہ اپنی رائے سے کسی چیز کو حرام ٹھہرا دے۔ اس کا حق صرف وحی کو ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں، وہ اپنی زبانوں کو کذب سرائی میں بے لگام چھوڑ دیتی ہیں 404
- یہودیوں کو جن چیزوں سے روکا گیا تھا۔ ان میں سے بعض کی ممنوعیت عارضی اور سدا اللذریعہ تھی پس اس سے وہ احتجاج نہیں کر سکتے 404
- مشرکین عرب کا اپنے اوہام و خرافات کو حضرت ابراہیمی علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا اور ان کی بریت 404
- دعوت الی الحق کا طریقہ 405
- حکمت موعظه حسنه ، جدال بالتی هی احسن 405
- اصل طریقہ حکمت اور موعظت ہے، اور جدال کی اجازت صرف اس حالت میں ہے کہ احسن طریقہ پر ہو 405
- سچائی کی راہ جدال کی راہ نہیں ہے۔ 406
- مذہبی مناظرے کبھی طلب حق کا وسیلہ نہیں ہو سکتے، اور ''داعی'' کبھی ''مجادل'' نہیں ہو سکتا 406
- سورت کا خاتمہ، اور پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے چار باتوں کا حکم 407

سورۂ بنی اسرائیل

- واقعہ اسرا اور اس کا مقصد 408
- بنی اسرائیل کو دو بڑی بربادیوں کی خبر دی گئی تھی جو ان کے قوی طغیان و فساد کا لازمی نتیجہ تھیں۔ چنانچہ بابلیوں اور رومیوں کے ہاتھوں ظہور میں آئیں 408
- یہودیوں سے خطاب اور ان کے ایام و وقائع کی عبرتیں 409
- پہلی بربادی کے بعد دوبارہ امن و اقبال کا سروسامان، مگر یہودیوں کی ناسپاسی اور سرکشی، نتیجہ یہ نکلا کہ پھر بربادی آئی، اور اس طرح آئی کہ پھر سنبھل نہ سکے 409
- جزاء عمل کا قانون، اور قرآن کی معجزانہ بلاغت کہ دو لفظوں کے اندر وہ سب کچھ کہہ دیا جو اس بارے میں کہا جا سکتا ہے: "وان عدتم عدنا" 410
- فرمایا: دعوت حق کے ظہور نے تمہیں ایک نئی مہلت اصلاح دے دی ہے۔ اگر انکار و سرکشی سے باز آجاؤ تو سعادت و اقبال کا دروازہ پھر کھل جائے 410
- قرآن نے اپنا سب سے بڑا وصف یہ بتلایا ہے کہ "یهدی للتی هی اقوم" وہ راہ دکھانے والا جو سب سے زیادہ سیدھی راہ ہے! 412
- انسان کی یہ کمزوری کہ عاجلانہ خواہشوں کا بندہ ہے، اور جلد بازی میں آکر خیر کی جگہ شر کا طالب ہو جاتا ہے 412
- ربوبیت الٰہی کی کارفرمائیاں اور انسان کی ہدایت کا قدرتی سروسامان 413

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- انسان کا دامن اس کے اعمال کے نتائج سے بندھا ہوا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی 414
- جہاں تک دنیوی زندگی کا تعلق ہے، ربوبیت الٰہی نے سب کے آگے نتائج وفوائد کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ان کے آگے بھی جو صرف دنیوی زندگی کے ہو رہے اور ان کے آگے بھی، جو دنیا و آخرت، دونوں کے طلبگار ہوئے، لیکن جہاں تک آخرت کا تعلق ہے، پہلی کے لیے محرومیاں ہوں گی، دوسرے کے لیے سعادت 414
- سعادت کی شرط سعی ہے، مگر ایسی سعی جو اس کی صحیح سعی ہو سکتی ہے 415
- سعی عمل کی تفصیل 415
- توحید فی العبادت 415
- حقوق والدین اور ان کی تقدیم 416
- قرابت داروں کے حقوق اور محتاجوں کی خبر گیری 417
- مبذر کے لیے سخت وعید، کیونکہ مال کا بے محل خرچ کرنا کفرانِ نعمت ہے 417
- تبذیر کی دو صورتیں، اور دونوں کی ممانعت 417
- سعادت کی راہ توسط و اعتدال کی راہ ہے اور جتنی برائیاں بھی پیدا ہوتی ہیں، افراط وتفریط سے ہوتی ہیں 417
- قتل نفس سب سے بڑی معصیت ہے اور اس کا سب سے زیادہ خطرناک موقعہ وہ ہے جب قصاص و انتقام کا جوش ابھر آئے پس فرمایا "لایسرف فی القتل" 418
- حواس وعقل اور اس کی جوابدی 418
- کائنات ہستی اور اس کی ہر چیز کی تسبیح وتحمید اور اس تسبیح کی حقیقت 418
- کارخانہ ہستی کی ہر چیز اپنی بناوٹ اور وجود میں مجسم تسبیح وتحمید ہے 418
- انکار وجحود کی دماغی حالت اور عقل وحواس کا تعطل خدا کا قانون ہی کہ جو آنکھیں بند کرے گا، اس کی نگاہوں پر پردہ پڑ جائے گا۔ پس آنکھ بند رکھنے والے پر بصارت کی راہ بند ہو جاتی ہے۔ مگر اس لیے بند ہو جاتی ہے کہ خود اس نے اپنے لیے کوری پسند کی۔ منکر کہتے تھے۔ ہم تمہاری بات سننے والے نہیں ہمارے تمہارے درمیان ایک دیوار حائل ہو گئی ہے۔ پس قرآن کہتا ہے، ان کے کانوں میں گرانی ہو گئی۔ وہ کبھی سن نہیں سکتے 420
- یہ دیوار جو کھڑی ہو جاتی ہے، آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتی "حجابا مستورا" ہے! 420
- نشئۃ اولیٰ سے نشئہ ثانیہ پر استشہاد 421
- مسلمانوں کو حکم کہ مخالفوں کے ساتھ پسندیدہ طریقہ پر گفتگو کرو، اور ایسی بات نہ کہوں جس سے دلوں میں نفرت وتنفس پیدا ہو 421
- آیت کا شان نزول اور اس کی ممانعت کہ کسی کو جہنمی کہا جائے 421
- قرآن کی یہ اصل عظیم کہ فکر میں رواداری ہونی چاہیے اور حکم میں احتیاط 422
- جب خود پیغمبر کی نسبت فرمایا کہ "وما ارسلناك علیهم وکیلا" تو پھر کسی انسان کے لیے کب جائز ہو سکتا ہے کہ اپنے کو جنت دوزخ کا ٹھیکہ دار سمجھ لے 423
- یہ ضروری ہے کہ دنیا میں ہر بستی اور جماعت پاداش عمل سے دوچار ہو۔ البتہ افراد کی انفرادی زندگی اور اس کی جزاء کا معاملہ آخرت سے تعلق رکھتا ہے 423

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- پیغمبروں کی نشانیاں، اوران کی غرض وغایت 423
- منکرین عرب کی فرمائشیں اور قرآن کا جواب 423
- واقعہ اسریٰ میں لوگوں کے لیے آزمائش 424
- سرکشی کی راہ ابلیس کی راہ ہے 424
- پیغمبر اسلام سے خطاب اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ وقت کی تاریکیاں بڑی ہی شدید ہیں، بغیر وحی الٰہی کی روشنی کے ایک قدم بھی استقامت کے ساتھ نہیں اٹھایا جا سکتا تھا 425
- نماز کے اوقات قیام لیل ایک مزید درجہ عبادت ہے اگر بن پڑے 425
- تفسیر "عسی ان یبعثك ربك مقاماً محمودا" اور عالمگیر محمودیت وستائش کا ارفع واعلیٰ مقام 425
- مدارج حسن وکمال کی وہ بلندی، جس سے بلند تر مقام انسان کے لیے کوئی نہیں 426
- سکندر نے ساری دنیا فتح کر لی، مگر دلوں کی عقیدت اور زبانوں کی ستائش فتح نہ کر سکا۔ کیونکہ یہ مقام تلوار کے زور سے نہیں حسن وکمال کی عظمت سے حاصل کیا جا سکتا ہے! 427
- سورت کی بعض مہمات کی مزید تشریحات 430
- واقعہ اسریٰ اور صحابہ وسلف کا اختلاف 430
- انبیاء کرام کے احوال وواردات اور انسانی تعبیرات کی درماندگی 430
- "الرویا" متذکرۂ سورت اور ابن عباس کی تفسیر 431
- تفسیر "واذا انعمنا علی الانسان اعرض ونابجانبه" غفلت اور مایوسی دونوں میں ہلاکت ہے 432
- دنیوی زندگی میں بھی اور اخروی زندگی میں بھی 432
- تفسیر "کل یعمل علی شاکلته" اور مفسرین ومترجمین کی ایک عام غلطی 432
- تفسیر "قل الروح من امر ربی" 433
- عہد عتیق وجدید اور قرآن میں "الروح" کا اطلاق 433
- اچھنبوں کی فرمائش اور قرآن کا جواب 433
- اس بات میں دو عالمگیر گمراہیاں: ماوراء انسانیت شخصیت کی طلب اور سچائی کو سچائی کی جگہ اچھنبوں میں ڈھونڈھنا 434
- قرآن نے جواب میں ایک جملہ کہہ کر دفتر کے دفتر بیان کر دیے: قل سبحان ربی! ھل کنت الا بشرا رسولا" 434
- دعویٰ اور دلیل کی مطابقت 434
- طبابت کے مدعی سے قفل سازی کا مطالبہ نہیں کر سکتے، اور لوہار سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ بیمار کو تندرست کر کے دکھا دے 434
- قرآن کہتا ہے۔ پیغمبر روح ودل کا طبیب ہے۔ اگر طالب حق ہو تو دیکھ لو۔ اس کے علاج سے مریضوں کو شفا ملتی ہے یا نہیں؟ 435
- تم اس سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتے کہ آسمان پر اُڑ کر چلا جائے، اس کا دعویٰ طبابت کا ہے۔ آسمان پر اڑنے کا نہیں ہے 435
- اس طرح کے مطالبے وہی کرتے ہیں جن میں طلب حق نہیں 435
- اور جو ہٹ دھرمی اور سرکشی پر جم جاتے ہیں 435
- (ز) برہانِ رحمت اور حیات اخروی "رحمت" کی موجودگی کا تقاضہ ہے کہ انسانی زندگی صرف اتنی ہی نہ ہو جتنی دنیا میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد بھی رحمت کا فیضان جاری رہنا چاہیے 436

- (ح) تفسیر "قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن" 437
- کثرت اسماء اور وحدتِ مسمّی 437
- دنیا کی اکثر نزاعیں نزاعِ تاک وانگور سے زیادہ نہیں 437

سورۂ الکہف

- سچائی کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ سیدھی بات ہے۔ اس میں کجی اور الجھاؤ نہیں 438
- تنزیلِ وحی کا مقصد "بشارت" اور "تنذیر" ہے 438
- پیغمبر اسلام کا جوشِ دعوت، ہدایت قوم کا عشق، اور مخاطبوں کا اعراض 439
- فرمایا: جو گمراہی میں ڈوب چکے، وہ اچھلنے والے نہیں، پس ان کی فکر چھوڑ دو 439
- اصحاب کہف کی سرگزشت اور اس کی موعظت، سرگزشت کی بعض تفصیلات 440
- (ا) گمراہ اور ظالم قوم سے چند نوجوان کی کنارہ کشی اور غار میں اعتکاف 440
- (ب) کچھ عرصہ کے بعد غار سے نکلنا اور قوم کو دوسرے حال میں پانا۔ کیونکہ اس عرصہ کے اندر انقلاب ہو چکا تھا، اور ظالموں کی جگہ اہل حق برسر اقتدار تھے 441
- (ج) ان کی غار پر ہیکل کی تعمیر 441
- (د) لوگوں کو اصلیت کی خبر نہیں۔ کوئی کچھ کہتا ہے۔ کوئی کچھ۔ کام کی بات وہی ہے جو وحی الٰہی نے بتلا دی 442
- غیر معلوم باتوں میں بحث ونزاع نہیں کرنی چاہیے 442
- (ہ) اس طرف اشارہ کہ ایسا ہی معاملہ عنقریب پیغمبر اسلام کو بھی پیش آنے والا ہے۔ اور اس کا نتیجہ اس واقعہ سے کہیں عظیم تر ہوگا۔... 442
- پیغمبر اسلام سے خطاب اور مکی زندگی کے مصائب ومحن میں مستقبل کی کامرانیوں کی بشارت 442
- منکروں کی موجودہ خوش حالیاں اسی طرح عارضی ہیں، جس طرح مومنوں کی موجودہ بے سروسامانیاں 444
- دو آدمیوں کی مثال جن میں سے ایک بے سروسامان مگر خدا پرست تھا۔ دوسرا باسروسامان مگر منکر وغافل 444
- پھر جو کچھ بھی ہو، دنیا کی یہ خوشحالیاں ہیں کیا؟ چار گھڑی کی دھوپ۔ اس سے زیادہ انہیں قرار نہیں! 445
- دنیوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسی زمین کی روئیدگی 446
- قرآن کی یہ مثال اور اس کی چار موعظتیں 446
- (ا) زندگی کی دلفریبیاں اسی طرح نکھرتی ہیں، جس طرح ایک سرسبز کھیت لہلہا رہا ہو 446
- (ب) مگر چند دنوں کے بعد نام ونشان باقی نہیں رہتا کیونکہ موسم پلٹ جاتا ہے 446
- (ج) زمین ایک ہے مگر پھل یکساں نہیں۔ اسی طرح زندگی بھی ایک ہے مگر عمل یکساں نہیں 446
- (د) عذاب وثواب کا مسئلہ بھی حل ہوگیا۔ جو انسانی زندگی عمل کا پھل نہیں پیدا کرے گی، چھانٹ دی جائے گی 446
- قرآن کا یہ اسلوب بیان کہ ہر بات بار بار دہرائی جاتی ہے، اور ہر مطلب مختلف شکلوں میں نمایاں ہوتا رہتا ہے، اور اس کی حکمت ... 448

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- منکروں کی سرکشیوں کا نتیجہ فوراً ظہور میں کیوں نہیں آجاتا اس لیے کہ یہاں قانون امہال کام کر رہا ہے، اور رحمت کا مقتضی یہی ہوا کہ ایک خاص وقت تک مہلت کار سب کو ملے 449
- سرکشوں کی کامرانیاں ان کے لیے نامرادیوں کا سامان بن رہی ہیں، مگر انہیں خبر نہیں۔ دنیا میں معاملات کی حقیقت وہی نہیں ہوتی جو بظاہر دکھائی دیتی ہے۔ کتنی ہی اچھائیاں ہیں کہ فی الحقیقت برائیاں ہوتی ہیں، اور کتنی ہی برائیاں ہیں جو فی الحقیقت اچھائیاں ہوتی ہیں ... 449
- اس حقیقت کی وضاحت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک واقعہ کا بیان 450
- حضرت موسیٰ کی ایک شخص سے ملاقات جسے اللہ نے اپنے فضل خاص سے علم بواطن عطا فرمایا تھا یعنی بعض امور کے بواطن و اسرار اس پر کھول دیے تھے 450
- حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بار بار ارادہ کہ پوچھ گچھ نہ کریں جس کا اپنے ساتھی سے وعدہ کر چکے ہیں، مگر پھر وقت پر بے اختیار اعتراض کر بیٹھنا اس سے معلوم ہوا، عقل انسانی مجبور ہے کہ ظواہر پر حکم لگائے 451
- حضرت موسیٰ کے ساتھی نے تین کام کیے، تینوں کا ظاہر برا تھا، مگر باطن میں بہتری تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہاں ظواہر کا پردہ اٹھ جائے، تو کتنے ہی احکام بدل جائیں، کتنی ہی باتیں الٹ دینی پڑیں، مگر حکمت الٰہی یہی ہوئی کہ پردہ نہ اٹھے 451
- ذوالقرنین کی نسبت سوال اور قرآن کا بیان 452
- ذوالقرنین کی تین مہمیں: مغربی، مشرقی، اور یاجوج ماجوج والے پہاڑ کی طرف 452
- سد کی تعمیر اور ذوالقرنین کا اعلان 454
- ''صور'' یعنی نرسنگھا پھونکنے کا محاورہ 454
- سلسلہ خطاب پھر منکرین دعوت کی طرف متوجہ ہو گیا ہے، اور جس موعظت سے سورت کی ابتداء ہوئی تھی، اس پر سورت ختم ہو رہی ہے 455
- خسرانِ عمل اور ضلالت سعی 455
- بندگانِ دنیا سمجھتے ہیں ہم نے اپنی کوششوں سے بڑے بڑے کارخانے بنا لیے، حالانکہ نہیں جانتے، ان کی ساری کوششیں کھوئی جا رہی ہیں، اور ان کا کوئی عمل بھی بارآور ہونے والا نہیں 455
- اصحاب کہف کا واقعہ اور محل و نوعیت کی تحقیق 456
- الرقیم سے مقصود مقام ہے، نہ کہ کتبہ 456
- رومیوں کا پیٹرا جو عربوں میں ''بطرا'' کے نام سے مشہور ہوا 456
- پیٹرا کے آثار اور بعد از جنگ انکشافات 456
- اصل واقعہ اور اس کی موعظت متذکرۂ قرآن 457
- تفسیر "ای الحزبین احصی" 457
- غار کی نوعیت 458
- انقلاب حال 458
- "ضرب علی الاذان" کی تفسیر 459
- عوام میں جو قصہ مشہور ہو گیا تھا، وہ یہی تھا کہ اصحاب کہف برسوں تک سوتے رہے، لیکن قرآن کی تصریح اس بارے میں ظاہر و قطعی نہیں۔ اس لیے احتیاط اولیٰ ہے۔ 459

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- "وتحسبهم ایقاظا وهم رقود" کی تفسیر 459
- عام تفسیر کا اشکال اور مفسروں کی حیرانیاں 460
- انکشاف حقیقت 460
- "رقود" سے مقصود موت اور "ایقاظ" سے زندگی ہے نہ کہ خواب و بیداری 460
- معاملہ کا سارا حل اس واقعہ میں پوشیدہ ہے کہ اصحاب کہف مسیحی تھے، اور یہ مسیحی زہد وانزوا کے ابتدائی عہد کا ایک واقعہ ہے 460
- مسیحی عباد کے استغراقِ عبادت کا یہ طریقہ کہ جو حالت و وضع اختیار کر لیتے اسی میں قائم رہتے۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں زندگی ختم ہو جاتی 461
- از منہ وسطی کے زوایا 461
- مورخین کی شہادت کہ مسیحی رہبانیت کی ابتدا فلسطین اور مصر سے ہوئی 461
- یہ صورت حال سامنے رکھ کر معاملہ پر نظر ڈالو۔ اس ایک کنجی سے سارے قفل کھل جائیں گے 462
- "نقلبهم ذات اليمين و ذات الشمال" کا مطلب 462
- "ذلك من ايات الله" کا ارشاد 462
- "ولبثوا فی کهفهم ثلاث مائة سنين" اور حضرت ابن عباس اور ابن مسعود کی تفسیر 463
- اصحاب کہف مر چکے اور ان کے اجسام فنا ہو چکے 463
- صاحب موسیٰ علیہ السلام کا نام 463
- ذوالقرنین 464
- قرآن کی تصریحات کا خلاصہ 464
- ذوالقرنین کا لقب اور شخصیت اور مفسروں کی حیرانی 464
- دانیال نبی کا خواب 465
- دو سینگوں والی شہنشاہی جو یہودیوں کی بابل کی اسیری سے نجات دلائے گی 465
- مادہ اور پارس 465
- سائرس کے مجسمہ کا انکشاف جس کے سر پر دو سینگ ہیں، اور ظن وتخمین کی جگہ تاریخی حقیقت کی نمود 466
- تاریخ فارس کے تین عہد، اور سائرس کے حالات کے تاریخی مصادر 466
- فارس اور میڈیا 466
- سائرس کا ظہور 467
- ابتدائی زندگی 468
- لیڈیا کی فتح کہ مغرب کی فتح تھی 468
- مشرقی فتوحات 468
- بابل کی فتح 468
- یہودیوں کی رہائی اور ہیکل کی دوبارہ تعمیر 469

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- سائرس کی وفات 469
- سائرس کے ظہور کی اسرائیل پیشین گوئیاں 469
- پیشین گوئیوں کی تاریخی حیثیت 470
- قرآن کی تصریحات اور سائرس کی تاریخی سرگزشت! 471
- سوال کا یہودیوں کی طرف سے ہونا، اور سائرس کے بارے میں ان کا عقیدہ 471
- "انا مکناله فی الارض" اور سائرس کے حالات و وقائع 471
- قرآن کی متذکرہ تین مہمیں اور سائرس کی مہمیں 472
- مغربی مہم 472
- "وجدها تغرب فی عین حمئة" 473
- مشرقی مہم 473
- شمالی مہم 474
- شمالی قوم 474
- قرآن کے متذکرہ اوصاف اور سائرس کے فضائل متذکرہ تاریخ 475
- فتح لیڈیا کے بارے میں یونانی مورخوں کی متفقہ شہادت 475
- کروسس کا واقعہ اور یونانی روایات 476
- سائرس کے احکام و قوانین 476
- قرآن کی تصریح اور سائرس کے عام اعمال و خصائل 477
- مورخوں کی عام شہادت 477
- دشمنوں کا جوش مدح و ستائش 477
- سائرس کی شخصیت کی غیر معمولی نمود 477
- سائرس اور اسکندر 478
- زمانہ حال کے محققین تاریخ کی شہادت 478
- صحائف تورات کی تصریحات 479
- ''موعود'' اور ''منتظر'' ہستی 480
- ''خدا کا فرستادہ چرواہا'' 480
- ''خدا کا مسیح'' 482
- ذوالقرنین کا ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ 482
- انبیاء بنی اسرائیل کی شہادت 482
- یہودیوں کا اعتقاد 482
- سائرس کے دین و اعتقاد کا تعین 483

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- زردشت اور اس کا زمانہ 483
- سائرس اور زردشت کی معاصرت 483
- سائرس دین زردشی کا پہلا حکمران تھا 483
- قدیم مجوسی مذہب کے پیرووں کی بغاوت اور دارا کے کتبہ کی تصریحات 484
- زردشت اور سائرس۔ سائرس کے ابتدائی عہد کی ایک گم شدہ داستان کا سراغ 485
- زردشت کی تعلیم سرتا سر خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم تھی اور آتش پرستی اور ثنویت کا اعتقاد قدیم میدوی مجوسیت کا ردِ عمل ہے 485
- میڈیا کا قدیم مذہب 486
- زردشت کی تعلیم اور توحید الٰہی کا منزہ اور بے میل اعتقاد 486
- تعلیم کی عملی خصوصیت اور احکام ثلاثہ 486
- عبادت کا تصور 487
- آخرت کی زندگی اور جزاء عمل 487
- پیروانِ زردشت کا اخلاقی تقدم 487
- دارایوشِ اعظم کے فرامین 487
- استخر کے کتبہ کی منادی جو آج تک سنی جا سکتی ہے! 487
- صراطِ مستقیم کی دعوت 488
- دین زردشتی کا انحطاط اور تغیر و تحریف 488
- ساسانی عہد کا مخلوط مذہب دین خالص کی مسخ شدہ صورت ہے 488
- ''اہورموزدہ'' کی مزعومہ شبیہ اور ماہرین آثار کا بے اصل قیاس تمام وجوہ و قرائن اس کے خلاف ہیں کہ زیر بحث شبیہ ''اہورموزدہ'' کی شبیہ ہو 488
- یہ خود سائرس کی ہے، یا زردشت کی 489
- کیا ذوالقرنین نبی تھا؟ 490
- قرآن کی ظاہر تصریحات سے اس کا جواب اثبات میں ملتا ہے 490
- یاجوج ماجوج 490
- حزقیل نبی کی کتاب میں اس کا ذکر 491
- مکاشفاتِ یوحنا کی پیشین گوئی 491
- ''گاگ'' اور ''مے گاگ'' 491
- تمام تاریخی شواہد کا فیصلہ کہ یاجوج ماجوج سے مقصود منگولیا کے شمالی مشرقی قبائل ہیں 493
- ''منگولیا'' اور ''منگول'' اور قدیم چینی تلفظ 493
- قبیلہ ''یواچی'' 493
- منگولیا کا قبائلی سرچشمہ اور اقوام کا انشعاب 493

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- آریا، ایریانہ، اور حتی 494
- یورپ کے وحشی قبائل 494
- منگولی قبائل کے اقسامِ ثلاثہ 494
- یاجوج ماجوج کا اطلاق پہلے دو قسموں پر ہوا، پھر صرف ایک ہی قسم پر ہونے لگا 494
- صحرانوردی اور توطن کا اختلافِ معیشت 495
- یاجوج ماجوج صحرانوردی کی خوفناک اور غیر مسخر طاقت تھی 495
- منگولی نسل کے انقسام وخروج کے سات دور 496
- ذوالقرنین کا عہد اور یاجوج ماجوج 497
- سیتھین قبائل اور درہ کا کیشیا 497
- حزقیل نبی کی پیشین گوئی کا مصداق 498
- مکاشفاتِ یوحنا کا معمہ 498
- کتاب پیدائش کی تصریح 498
- سدِ یاجوج ماجوج 499
- دربند کی دیوار 499
- دربند عہد اسلامی سے پہلے اور بعد 499
- ''باب الابواب'' اور ''باب الترک'' 499
- درّہ داریال کی دیوار 499
- نوشیرواں کا انتساب 500
- سکندر کا انتساب 500
- تاریخ کی شہادت دونوں کے خلاف ہے، اور درۂ داریال کی سد سائرس یعنی ذوالقرنین کی بنائی ہوئی ہے 501
- قرآن نے جس سد کا ذکر کیا ہے وہ درۂ داریال کی سد ہے۔ نہ کہ دربند کی دیوار 501
- دیوارِ دربند کی موجودہ حالت 502
- شارحین تورات کا بیان 502
- زمانہ حال کے معترضین قرآن اور قصہ ذوالقرنین 502
- استدراک 502
- سائرس کے مجسمہ اصطخر کا انکشاف اور اس کی بعض تفصیلات مجسمہ میں عقاب کے پروں کی نمود، اور یسعیاہ نبی کی تصریح 503

سورۂ مریم

- حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت کی سرگزشت اور ان خودساختہ عقائد کا رد جو عیسائیوں نے گڑھ لیے ہیں 504
- حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ظہور جو دعوت مسیحی کا مقدمہ تھا 504

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- سورت کی سرگزشت اور انجیل لوقا کی سرگزشت کا تطابق 504
- حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور فرزند کی بشارت 504
- روزہ رکھنے کا حکم 505
- حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش، اور لڑکپن ہی سے زہد وعبادت اور اعتکاف وانزوا کی زندگی 505
- حضرت مریم پر فرشتہ کا نزول اور فرزند کی پیدائش کی بشارت 505
- "مکانا شرقیا" کا اشارہ 506
- حضرت مسیح کی نسبت فرمایا۔ وہ اللہ کی نشانی ہوں گے اور اس کی رحمت کا ظہور 506
- حضرت مریم کو روزہ رکھنے کا حکم، اور یہودی روزہ میں ممانعت تکلم 507
- "یا اخت ہارون" میں "ہارون" سے مقصود ایک رشتہ دار ہے 507
- عیسائیوں کی گمراہی اور ابنیت اور کفارہ کا اعتقاد 508
- عیسائیوں کے لیے "یوم الحسرۃ" کی پیشین گوئی، اور فتح یروشلیم کے واقعہ عظیمہ میں اس کا ظہور 509
- مسیحیت کے مرکز وقبلہ کا مسیحیوں کے ہاتھ سے نکل جانا، اور تمام مسیحی دنیا کا حسرت وماتم! 509
- ایشیاء اور افریقہ میں مسیحی فرمانروائی کا خاتمہ 509
- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت توحید، اور اپنے گھرانے سے علیحدگی 510
- ان کی نسل میں سلسلہ نبوت کا اجراء اور صداء حق کی بلندی 511
- حضرت موسیٰ، اسماعیل، اور ادریس علیہم السلام 511
- ان تمام رسولوں نے خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ دکھائی، مگر ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو خواہشوں کے پرستار تھے، اور جنہوں نے عبادت حق کی حقیقت کھودی 511
- نماز یعنی عبادت جو ہر ایمان ہے۔ اس کی حقیقت گئی تو سب کچھ چلا گیا 511
- اصحاب ایمان وعمل کے لیے جنت کی زندگی، اور قانون جزاء عمل 512
- پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں سے خطاب کہ کامیابی کا سرچشمہ دو باتیں ہیں: عبادت الٰہی، اور اس کی راہ میں تحمل مشکلات 512
- تفسیر "وان منکم الا واردھا" 513
- عز وجاہ دنیا پر منکروں کا گھمنڈ، اور پیروان حق کی بے سروسامانیاں 513
- نتائج عمل کے قانون کی ڈھیل، اور امہال وتدریج 514
- زندگی کی عارضی خوش حالیاں، اور فریب غفلت 514
- نتائج عمل کا قانون اور ایام شماری۔ فرمایا: منکر جلدی نہ کریں۔ ان کے دن گنے جا رہے ہیں 514
- سورت کا اختتام، اور اسی مطلب کی طرف عود جس سے سورت شروع ہوئی تھی یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت اور عیسائیوں کی گمراہی کفارہ کا رد 515
- الوہیت مسیح کا رد 515
- خاتمہ اور دو باتوں کا اعلان 516

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- تفسیر "سیجعل لھم الرحمن ودا" 516
- سورت کے بعض مقامات کی مزید شرح و بحث 516
- (ا) حضرت مریم کی ابتدائی سرگزشت اور انجیل اربعہ 517
- (ب) قرآن اور حضرت مسیح کی پیدائش کا معاملہ 517
- عیسائیوں کے چار بنیادی عقائد اور قرآن کا فیصلہ 517
- اگر الوہیت مسیح، کفارہ، اور واقعہ صلیب کی طرح پیدائش مسیح کا اعتقاد بھی قرآن کے نزدیک باطل تھا، تو ضروری تھا کہ اس کا بھی صاف صاف رد کر دیتا، مگر اس نے ایسا نہیں کیا 517
- سورۂ مریم انجیل لوقا کی مصدق ہے 518
- حضرت مسیح کا معاملہ یہودیوں اور عیسائیوں میں متضاد سمتوں کا انتہائی گوشہ بن گیا تھا۔ قرآن نے بہ حیثیت حکم دونوں کی تفریط و افراط کا رد کیا۔ لیکن اس باب میں وہ کچھ نہیں کہتا، اور جو کچھ کہتا ہے، اثبات کے حق میں ہے۔ نہ کوئی نفی کے حق میں 518
- مجوزین نفی کی توجیہات اور ان کی بے اساسی 518
- قرآن کا مطالعہ، اور دیانت شرح و تفسیر 519

سورۂ طٰہٰ

- سورت کا زمانہ نزول 520
- پیغمبر اسلام کا جوش دعوت و اصلاح، قوم کا اعراض و انکار، اور وحی الٰہی کی تسکین و موعظت 520
- مقصد تنزیل اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ "تذکرۃ لمن یخشی" پس معلوم ہوا، زور زبردستی کی یہ بات نہیں 520
- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت سے استشہاد اور اس کے مواعظ و بصائر، جو صورت حال حضرت موسیٰ کو پیش آئی، ویسی ہی تمہیں بھی پیش آنے والی ہے، اور اس بارے میں قانون حق ہر حال میں یکساں ہے 521
- حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وحی الٰہی کا پہلا مخاطبہ، اور وادی تقدس 521
- آگ کی جستجو، مگر ایک دوسری ہی آگ کی شعلہ افروزی 521
- جوتی اتر دینے کا حکم 521
- "الساعۃ" 521
- مصری غلامی کا اثر اور بنی اسرائیل کا عزائم و ہمم کی روح سے محروم ہو جانا 522
- تورات کی تصریحات 522
- کرشمہ ساز قدرت کا اوّل دن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چن لینا اور یکے بعد دیگرے ایسے احوال و مراحل سے گزارنا، جو تکمیل کار کے لیے ضروری تھے 523
- تبلیغ دعوت نرمی و شفقت کے ساتھ ہونی چاہیے، نہ کہ سختی و خشونت 524
- حضرت ہارون علیہ السلام کا بھی مصر سے نکلنا اور موسیٰ علیہ السلام سے راہ میں ملنا 524
- حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مکالمہ 524

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- فرعون کا مجادلانہ سوال اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا داعیانہ جواب 525
- قرآن کی تصریح کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں۔ جادوگران مصر کا شعبدہ محض فریب نظر تھا 526
- جادوگروں کا ایمان لانا اور فرعون کا اسے سازش قرار دینا 527
- جادوگروں کا ایمان کے بعد اعلان اور ان کے استقامت حق کا مقام عظمت 527
- حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشت سینا میں ورود اور سامری کا فتنہ تفسیر "فکذلك القی السامری" اور اس جملہ کی نوعیت 528
- سامری کا جواب، اور تفسیر "فقبضت قبضة من اثر الرسول" 530
- سلسلہ کلام کی منکرین دعوت کی طرف توجہ اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ اسی طرح اب بھی تنزیل وحی کا معاملہ پیش آ گیا ہے، اور اس کے منکروں کے لیے بھی وہی کچھ ہونا ہے جو پہلے ہو چکا ہے 531
- "نفخ فی الصور" اور اس کی حقیقت 531
- حیات اخروی کی مثال ایسی ہے، جیسے آدمی سوتا رہا ہو، اور پھر اٹھ کر سونچنے لگے، کتنی دیر تک نیند میں رہا؟ 532
- قیامت کے حشر واجتماع کا منظر، اور اس کی دہشت وہولناکی 532
- شرح مقام "رب زدنی علما" 533
- انسان کی ساری محرومیوں کا ماحصل دو لفظ ہیں "ضلالت" اور "شقاوت" قرآن کہتا ہے (اتباع ہدایت اس لیے ضروری ہے کہ دونوں سے محفوظ ہو جائے 534
- اعراض عن الذکر کا نتیجہ ضیق معیشت اور کوری ہے 534
- جو دنیا میں اندھا رہا، وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا 535
- سورت کا خاتمہ 535
- رحمت الٰہی اور امہال وامتداد 535
- مومنوں کو "صبر" اور "صلوٰۃ" کا حکم 535
- سورت کی بعض مہمات کی مزید تشریحات 536
- فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ اور مصریوں کے عقائد فرعون کا سوال "من ربکما یا موسی" اور حضرت موسیٰ کا جواب فرعون کا مجادلانہ سوال کہ "فما بال القرون الاولیٰ" اور حضرت موسیٰ کا داعیانہ جواب 536
- فرعون کے سوال کی مجادلانہ روح، اور طریق موسوی کا پیغمبرانہ طریقہ 536
- مذہب کے بے شمار جھگڑے اسی اصل موسوی سے اعراض کا نتیجہ ہیں 536
- مسلمانوں کے مذہبی تفرقے، اور "فما بال القرون الاولی" کی بنا پر جنگ ونزاع 536
- (ب) "سامری" اور گوسالہ پرستی کا معاملہ 539
- "سامری" سے مقصود سمیری قوم کا آدمی ہے 539
- دوآبہ دجلہ وفرات اور سمیری قوم کا تمدن 539
- سمیری قوم کی اصل 540
- نسل انسانی کے دو قبائلی سرچشمے: منگولیا اور عرب 540

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- ''سامری'' کا ایمان، پھر ارتداد 540
- گوسالہ کے بارے میں یہودیوں کا افسانہ، اور مفسرین کا تسامح 541
- افسانہ کے بے اصل ہونے پر قرآن سے استدلال اور سات وجوہ 541

سورۃ الانبیاء

- مرکز موعظت انذار ہے یعنی محاسبہ کا وقت قریب آ گیا 543
- قرآن کی حیرت انگیز تاثیر، اور منکروں کا عاجز ہو کر اسے جادو قرار دینا 543
- سچائی کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ اسے سچائی کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا 544
- راست باز انسان سچائی کو سچائی سمجھ کر قبول کرتا ہے۔ اس ڈر سے قبول نہیں کرتا کہ اس کے پیچھے کوئی عذاب کھڑا ہے 544
- منکرین نبوت کا استغراب کہ ایک آدمی کو نبی کیسے مان لیا جائے؟ 545
- قرآن کا اعلان کہ میری صداقت کی اصلی نشانی میری تعلیم ہے 545
- تخلیق بالحق کی حقیقت، بقاء حق اور فناء باطل کا قانون اور قرآن کا استشہاد 545
- وحدت ادیان کی اصل عظیم اور قرآن کی تحدی 546
- توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال 547
- جب انسان عداوت میں کھویا جاتا ہے، تو اپنی زندگی سے زیادہ مخالف کی موت کا خواہش مند ہو جاتا ہے۔ یہی حال معاندین قرآن کا تھا۔ قرآن کا اعلان 548
- استعجال بالعذاب 549
- قرآن طبیعت انسانی کی علاجلانہ منگوں کی نہیں ان کے بے محل استعمال کی مذمت کرتا ہے 549
- منکروں کی غفلت و سرکشی 550
- داعی کا فرض ہے کہ پکارے اگرچہ اسے یقین ہو، جو بہرے ہیں، سننے والے نہیں! 550
- فطرت کا ترازو بڑا ہی دقیقہ سنج ہے۔ ایک ذرہ عمل بھی اس کی ڈنڈی کی تول سے باہر نہیں رہ سکتا! 550
- ایام و وقائع سے استشہاد اور اس سلسلہ میں پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوتوں کا تذکرہ 551
- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا وہ ابتدائی واقعہ جو شہر اُور میں پیش آیا تھا 551
- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت توحید اور ملک کے پوجاریوں کا اعراض۔ پھر یہ دیکھ کر کہ دلائل و مواعظ سود مند نہیں، ایک عملی طریق احتجاج اختیار کرنا 553
- پجاریوں کا عاجز آ کر ظلم و تشدد پر اتر آنا، زندہ جلا دینے کا اہتمام کرنا، مگر قدرت الٰہی کا انہیں ناکام رکھنا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہجرت کر کے کنعان چلا جانا 553
- حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی کامرانیاں، اور کارفرمائی کی وہ خصوصیت جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا ہوئی تھی 554
- حضرت داؤد علیہ السلام کا عبرانی موسیقی مدون کرنا، اور ان کی نغمہ سنجیوں کی تاثیر 555
- پہاڑوں کی تسبیح، اور پرندوں کی تسخیر 555
- زرہ سازی کی صنعت اور حضرت داؤد علیہ السلام کا اشتغال 556

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- تند ہواؤں کی تسخیر 556
- حضرت سلیمان علیہ السلام کا بحر متوسط اور بحر قلزم دونوں پر اقتدار صور، طائر، یافہ، اور ترسیس کی بندرگاہیں 556
- قرآن میں شیطان کا اطلاق شیاطین الجن پر بھی ہوا ہے اور شیاطین الانس پر بھی 557
- شیاطین الانس کی تسخیر 557
- حضرت ایوب کی سرگزشت 558
- مصائب ومحن اور کمال مرتبہ صبر وشکر 558
- رحمت الٰہی کا ورود 559
- سفر ایوب کی داستان طویل اور قرآن کا ایجاز بلاغت 560
- تفسیر "انی مسنی الضر" 561
- "وانت ارحم الراحمین" 561
- آیت: "فاستجبنالہ" کی جامعیت 561
- حضرت ایوب علیہ السلام عرب تھے 562
- سفر ایوب منظوم کتاب ہے 562
- جدید اثری انکشافات اور عربی علم ادب کی قدامت 563
- تابوت "احیرام" کا انکشاف اور عربی کتبہ 563
- قرآن کا عربی میں نزول 564
- دنیا کی قدیم ترین نظم سفر ایوب ہے 564
- حضرت ذوالنون کی سرگزشت 565
- تورات کی تصریحات 567
- وحدت ادیان کی اصل عظیم اور اس کی مزید تشریح 567
- توحید قرآن کے مبادی ثلاثہ: توحید امت، توحید ربوبیت، توحید دین وعبادت 567
- شرط نجات، ایمان وعمل ہے، نہ کہ نسل وگروہ 568
- یاجوج وماجوج کا خروج اور اس کی حقیقت 568
- قرآن کی تعبیر کے بعض دقائق 568
- فتنہ تاتار، اور قرآن کی تصریحات 568
- بند کا ٹوٹنا اور سیلاب کا اُمنڈنا 569
- "من کل حدب ینسلون" 569
- علماء عہد کی تصریحات 569
- "فتح یاجوج وماجوج" سے مقصود کسر سد نہیں ہے 570
- حادثہ یاجوج ماجوج اور تاریخ اسلام حدیث زینب بنت جحش 570

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- فتنہ تاتار اور مسلمانوں کی فرقہ بندی 571
- تفسیر "ان الارض یرثھا عبادی الصالحون" 572
- زبور کی تذکیر 572
- وراثت ارض 572
- عابدین حق کے لیے پیام 573
- "وما ارسلناك الا رحمة للعالمین" 574
- حضرت ابراہیم کی بت شکنی کا واقعہ اور اس معاملہ کی تحقیق کہ کیا انہوں نے مصلحۃً جھوٹ بولا تھا؟ 574
- شہر اُور کی بت پرستی 575
- "آزر" نام نہیں ہے۔ منصب کا لقب ہے 575
- حضرت ابراہیم کا گھرانا 575
- دعوت حق 575
- حضرت ابراہیم کا محسوس کرنا کہ مقلدین جہل کے لیے دلائل بیکار ہیں 576
- قیام حجت کا عملی طریقہ 577
- پہلے چیلنج دیا، پھر کر کے دکھا دیا 577
- پجاریوں کی حیرانی، اور پھر تجاہل 578
- حضرت ابراہیم کا مجمع عام میں آنا اور مکالمہ 578
- پجاریوں کا اعتراف حقیقت پر مجبور ہو جانا 579
- فرض الباطل مع الخصم حتیٰ تلزمه الحجة کذب نہیں ہے 579
- اثبات کذب کے لیے مفسروں کی ایک غلط توجیہ اور غلط تقدیر عبارت 580
- روایت صحیحین 580
- "صحت روایت" اور "عصمت روایت" 580
- اس باب میں اصل اصول قطعیات دینیہ اور غیر معصوم کی روایات 580
- صحیحین کے بارے میں افراط و تفریط 581
- مسلک تحقیق و اقتصاد 581
- "قال انی سقیم" 582

سورۃ الحج

- قیامت کی ہولناکیاں، اور اس کا وہ تصور جو قرآن نے پیدا کیا ہے 583
- انسان کا نطفہ سے پیدا ہونا، جنین کی مختلف حالتیں، اور قرآن کا حیات اخروی پر استشہاد 583
- پیدائش کے بعد بلوغ و کمال اور پھر انحطاط و زوال 584

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- عالم نباتات کی حیات بعد الممات 584
- جدال فی اللہ بغیر علم 585
- ایمان امید اور یقین ہے۔ کفر مایوسی اور شک۔ قرآن کہتا ہے، جس کی امید کی چراغ بجھ گیا، وہ ہمیشہ کے لیے نامراد ہوا 585
- ایمان باللہ کا دعویٰ اور اخلاق توحید کا فقدان 586
- شرک کی راہ وہم وگمان کی راہ ہے، اور توحید کی راہ یقین وقطعیت کی 587
- جو مایوس ہوگیا، اس نے زندہ رہنے کا حق کھو دیا 587
- قرآن کی معجزانہ بلاغت کہ چند جملوں کے اندر انسانی زندگی کے تمام مسائل حل کر دیے 588
- دنیا میں حقیقت دیکھی نہیں جاسکتی۔ آثار و دلائل سے پہچانی جاسکتی ہے۔ پس اسی میں انسانی عقل کے لیے آزمائش ہوئی۔ باقی رہا حقیقت کا مشاہدہ، تو یہ آخرت میں ہوگا۔ اسی دن تمام پردے ہٹائیں گے 588
- تمام مخلوقات اللہ کے مقررہ احکام وقوانین کے آگے سربسجود ہے اور اسی کا مطالبہ انسان سے بھی ہے 588
- اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ قرآن انسان کو عام سلسلہ مخلوقات سے الگ نہیں کرتا، بلکہ سب کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا کرتا ہے۔ اور اسی لیے ایک ہی قانون فطرت کے ماتحت سب کو لاتا اور ایک ہی حقیقت کے مختلف مظاہر قرار دیتا ہے 589
- دین کے کتنے ہی جتھے بنا لیے گئے ہوں، مگر اصلاً راہیں دو ہی ہیں، اور دو ہی طرح کے خواص ونتائج بھی ہیں۔ ایمان یا انکار امید یا مایوسی۔ نیک عملی، یا بد عملی۔ اور بالآخر نعیم ابدی، یا عذاب اخروی 589
- سلسلہ بیان کا معاندین مکہ کی طرف رجوع، اور ان کے اس ظلم کا اعلان کہ مسجد حرام کا دروازہ خدا کے عبادت گزاروں پر بند کر دیا ہے 589
- مسجد حرام نوع انسانی کے لیے ایک عالمگیر عبادت گاہ ہے کسی کو حق نہیں کہ اس کا دروازہ عبادت گزاروں پر بند کر دے 590
- مسجد حرام کی تعمیر کے بنیادی مقاصد 590
- باشندگان مکہ اس مسجد کے خادم ٹھہرائے گئے تھے۔ نہ کہ مالک پس انہیں حق نہیں کہ لوگوں پر اس کا دروازہ بند کریں 590
- قربانی کی حقیقت اور پیروانِ مذاہب کی عام گمراہیوں کا ازالہ 591
- اصل مقصود تقویٰ ہے۔ نہ کہ خون بہانا 591
- اذن قتال کی پہلی آیت، اور قتال کے جواز کی علت 592
- مسلمان مظلوم ہیں، اور مظلوم کا حق ہے کہ اسے ظالم کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت دی جائے 592
- اگر مظلوم اس حق سے محروم کر دیا جائے تو دنیا میں انسانی مظالم لاعلاج ہو جائیں 592
- اگر ایک جماعت کے ظلم کا دوسری جماعت کے ہاتھوں دفاع نہ ہوتا رہتا، تو دنیا میں کوئی جماعت بھی اپنے عقائد واعمال محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ خدا کی تمام عبادت گاہیں جو مختلف قوموں نے آباد کر رکھی ہیں یک قلم منہدم ہو جائیں 592
- قرآن کے نزدیک مسلمانوں کے جماعتی اقتدار کا مقصد اور اسلامی نظام حکومت کی شناخت 593
- یہ انقلاب حال جو درپیش ہے، کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے 593
- ذہنی تعطل اور قلبی غفلت کی وہ حالت، جسے قرآن اندھے بہرے ہو جانے سے تعبیر کرتا ہے 593
- قوانین فطرت کی اوقات شماری کو اپنی اوقات شماری کے حسابوں پر قیاس نہ کرو۔ تمہاری تقویم کا ایک ہزار برس ایسا ہے، جیسے اللہ کے حساب کا ایک دن 594

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- منکروں کو انذار کہ اب فیصلہ کا وقت آ گیا ہے۔ اور راہیں دو ہیں ایمان اور اس کی برکتوں کی راہ، اور سرکشی اور اس کے نتائج کی راہ ... 595
- مسلمانوں کو تنبیہ کی راہ کی لغزشوں سے بے پروانہ ہو جائیں، اور صبر و استقامت کے ساتھ ظہور نتائج کا انتظار کریں 595
- "وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته" کی تفسیر۔ دعوت حق کے مقابل میں شیطانی فتنہ جس قدر بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی زیادہ سچائی کا نقش بھی جمتا جاتا ہے اور اسی فتنہ میں طالب حق کے لیے آزمائش ہوئی 595
- تین حقیقتیں اور ان کی تشریح 596
- جو انقلاب درپیش ہے اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے سوکھی زمین پر پانی پڑا۔ اور اچانک لہلہا اٹھی! 597
- اصل "دین" کی وحدت اور "مناسک" کا اختلاف 597
- ادیانِ سابقہ کے مناسک و متاہج کا اختلاف وجہ نزاع نہیں ہو سکتا، جب کہ اصل دین میں کوئی اختلاف نہیں 597
- اس اصل عظیم کی تلقین کہ حق کی تبلیغ کرو۔ پھر اگر لوگ نہ مانیں تو ان کے پیچھے نہ پڑو۔ "اللّٰہ اعلم بما تعملون" کہہ کر معاملہ ختم کر دو 597
- سورت کا خاتمہ اور مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے پانچ اصولی موعظتیں 598
- بعث بعد الموت اور سورۂ حج کی موعظت 600
- تخلیق حیات اور اعادۂ حیات 601
- پیدائش کا تناسلی سلسلہ اور قانون تحول 601
- عالم نباتات اور اعادۂ تحول 602
- قانون تاجیل 602
- تخم حیات اور نشئہ ثانیہ 602
- استدلال کی تفصیل 603
- قرآن کی اصطلاح میں "بعث" 603
- "موت" اور "حیات" 603
- "ابعاث" از سر نو تخلیق نہیں ہے۔ اعادۂ و تبدل ہے 604
- یہاں وجود کی حقیقت نہیں صرف سورت مٹتی ہے 604
- تبدل صورت اور بقاء حقیقت سے استدلال 605
- مواسم ہستی کی گردش اور تقویم فطرت 605
- اس باب میں علم کا یہ مقام نہیں کہ جرأت انکار کرے 606
- جدال فی اللہ بغیر علم 606

سورۂ المؤمنون

- مومنون الا ولون کے جماعتی خصائص اور ان سے استشہاد اگر ایک طبیب نے بیماروں کو تندرست انسان بنا دیا، تو اس کے طبیب ہونے کی اس سے بڑھ کر کوئی قطعی دلیل نہیں ہو سکتی 607
- خصوصیت کے ساتھ پانچ وصفوں پر زور دیا گیا 607

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- قرآن کے نزدیک مرد وعورت کے ملنے کا جائز طریقہ صرف ایک ہی ہے، اور وہ ازدواج ہے 608
- وجود انسانی کی پیدائش پہلے کسی ایسی چیز سے ہوئی جسے مٹی کے خلاصہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر اس کا سلسلہ نطفہ کے قرار پانے سے جاری ہوا 608
- نطفہ کی تکوین کے پانچ مراتب 609
- دلائل حق کی دو قسمیں: دلائل انفس اور دلائل آفاق، اور پھر دلائل آفاق میں دلائل کونیہ اور تجارب ماضیہ یہاں تینوں قسم کے دلائل جمع ہو گئے ہیں 609
- دلائل کونیہ میں سے برہان ربوبیت کا استدلال 610
- ''سبع طرائق'' کی تحقیق 610
- درخت زیتون کی خصوصیت 610
- ایام ووقائع کی طرف مجمل اشارہ اور اس کی توجیہ 611
- ''قرن'' اور ''قرون'' کے لفظ کا استعمال اور اس کی تحقیق مقصود خاص اقوام نہیں ہیں، بلکہ اقوام کے عروج وتمدن کے دور ہیں 612
- دعوت رسل کے منکروں کے اقوال۔ انہیں سب سے زیادہ دو باتوں پر انکار واستغراب تھا: نبی کی بشریت، اور آخرت کی زندگی 612
- حضرت نوح کے بعد دو قوموں کا عروج، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پیشتر کے قرون۔ ان تمام عہدوں میں بے شمار رسولوں کا ظہور ہوا .. 613
- حضرت مسیح علیہ السلام کا ظہور اور "واوینا ھما الی ربوۃ ذات قرار معین" کی تفسیر 614
- وحدت ادیان وامم کی اصل عظیم اور تفرقہ تحزب کی بنیادی گمراہی 615
- پیغمبر اسلام سے خطاب کہ منکروں سے جو دے دل تنگ نہ ہوں، اور اپنا کام کیے جائیں 615
- مفسدوں کو اپنی عارضی خوشحالیوں پر مغرور نہیں ہونا چاہیے۔ یہ قانون امہال کا قدرتی نتیجہ ہے، اور عواقب کا ظہور اب دور نہیں 615
- اللہ کا قانون یہ ہے کہ ہر وجود سے اتنے ہی عمل کا مطالبہ ہوتا ہے، جتنے کی استعداد اس میں ودیعت کر دی گئی ہے 615
- ''مطالبہ عمل'' اور ''ودیعت استعداد'' باہم مختلف نہیں ہو سکتے 615
- ''تکلیف'' لغوی اور ''تکلف'' شرعی 616
- قرآن کی یہ اصل عظیم کہ دولت اللہ کا سب سے بڑا فضل ہے، اگر جماعت میں پھیلی ہوئی ہو، اور سب سے بڑا فتنہ ہے، اگر صرف چند افراد کے قبضہ میں چلی گئی ہو۔ اس لیے وہ ہر جگہ جماعت کے دولت مند افراد کو فساد وگمراہی کا ذمہ دار قرار دیتا ہے اور کہتا ہے، فساد کا اصلی سر چشمہ وہی ہیں 616
- قرآن کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ مجھے بے سمجھے بوجھے مان لو۔ وہ کہتا ہے، مجھ پر تدبر کرنے سے انکار نہ کرو! 618
- صداقت اسلام کی معرفت کی راہیں صرف دو ہیں: قرآن میں تدبر، اور صاحب قرآن کی زندگی میں تدبر 618
- تمام کائنات ہستی جس بنیادی قانون پر قائم ومنظم ہے وہ قرآن کے نزدیک ''حق'' کا قانون ہے، اگر یہ بنیاد ہل جائے، تو تمام کارخانہ ہستی درہم برہم ہو جائے 618
- قانون ''تزویج'' یا قانون تثنیہ، اور اس سے قرآن کا استشہاد 620
- تخلیق وتکوین جنین کے مراتب ستہ جو قرآن نے بیان کیے ہیں 622
- مفسروں کی حیرانی کیونکہ علم الجنین بہ حیثیت ایک علم کے حال کی پیداوار ہے 622

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- علم الجنین کی تدوین کی تاریخ 623
- جدید تحقیقات 623
- قانون پیدائش حیات کی عالمگیری 624
- تطور کے مدارج 624
- قرآن کی تصریحات 625
- سترھوں صدی کا نظریہ جو انیسویں صدی کے اواخر تک مقبول رہا، قرآن کے اشارات کے خلاف تھا۔ اس لیے بعض جدید مفسروں نے قطع و برید کر کے تطبیق دینی چاہی 626
- قرآن اپنی جگہ قائم ہے، اور علم کو اپنی جگہ چھوڑ کر اس کی طرف بڑھنا پڑا ہے 626
- متذکرۂ قرآن مدارج ستہ 627
- ''علقہ'' کی تعبیر اور اس کے دقائق کی علمی تصدیق 627
- "خلقا اخر" کی تفسیر 627

نقوش

- ذوالقرنین یعنی سائرس کا مجسمہ 466
- ذوالقرنین کی مغربی، مشرقی، اور شمالی فتوحات 468
- ۶۰۰ء قبل مسیح میں یاجوج ماجوج کے مغربی اشیاء پر حملے اور سد ذوالقرنین کی تعمیر 482

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰیَاتُهَا : 206 سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا : 24

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ②
اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ وَكَمْ
مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ

الف لام میم صاد۔(۱)

(اے پیغمبرؐ!) یہ کتاب[1] ہے جو تم پر نازل کی گئی۔ اس لیے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو (انکار و بدعملی کی پاداش سے) خبردار ہوشیار کردو اور اس لیے کہ ایمان رکھنے والے کے لیے بیداری و نصیحت ہو۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ اس بارے میں کسی طرح کی تنگ دلی تمہارے اندر راہ پائے!(۲)

(اے لوگو!) جو کچھ تمہارے پروردگار کی جانب سے تم پر نازل ہوا ہے اس کی پیروی کرو اور خدا کو چھوڑ کر اپنے (ٹھہرائے ہوئے) مددگاروں کے پیچھے نہ چلو (افسوس تم پر!) بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم نصیحت پذیر ہو!(۳)

اور[2] (دیکھو کہ) کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے (پاداش عمل میں) ہلاک کر دیا۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ لوگ راتوں کو بے خبر سو رہے تھے یا دوپہر کے وقت استراحت میں تھے کہ اچانک عذاب کی سختی نمودار ہوگئی!(۴)

پھر جب عذاب کی سختی نمودار ہوئی تو (انکار و شرارت کا سارا دم خم جاتا رہا) اس وقت ان کی پکار اس کے سوا کچھ نہ تھی

---

[1] (۱) ہدایت وحی کا مقصد ''تذکیر'' اور ''تنذیر'' ہے۔ تذکیر' یعنی پند و موعظت کے ذریعہ بیدار کرنا۔ ''تنذیر یعنی انکار و بدعملی کے نتائج سے خبردار کرنا۔

(۲) پیروان دعوت کو موعظت کہ دعوت حق کا معاملہ بڑے ہی عزم و ثبات اور صبر و استقلال کا معاملہ ہے اور خواہ کتنی ہی مشکلیں پیش آئیں لیکن بالآخر حق کی فتح مندی اٹل ہے۔ پس چاہیے کہ مشکلات کار سے دل تنگ و افسردہ خاطر نہ ہوں۔

(۳) مشرکین عرب کو تنذیر۔

[2] (۴) جن جماعتوں نے دعوت حق کا مقابلہ کیا وہ پاداش عمل میں ہلاک ہوگئیں۔ کیونکہ انکار و سرکشی کا نتیجہ ہلاکت و نامرادی ہے۔

(۵) قوموں سے پرسش ہوگی کہ انہوں نے پیغمبروں کی دعوت پر کان دھرا یا نہیں اور پیغمبر بھی اس کے لیے جوابدہ ہیں کہ انہوں نے فرض رسالت ادا کیا یا نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِلَّآ أَن قَالُوٓا إِنَّا كُنَّا ظَٰلِمِينَ ۝٥ فَلَنَسْـَٔلَنَّ ٱلَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ ٱلْمُرْسَلِينَ ۝٦
فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِم بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَآئِبِينَ ۝٧ وَٱلْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ ٱلْحَقُّ ۚ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَٰزِينُهُۥ
فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ۝٨ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَٰزِينُهُۥ فَأُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ خَسِرُوٓا۟ أَنفُسَهُم بِمَا كَانُوا۟
بِـَٔايَٰتِنَا يَظْلِمُونَ ۝٩ وَلَقَدْ مَكَّنَّٰكُمْ فِى ٱلْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَٰيِشَ ۗ قَلِيلًا مَّا
تَشْكُرُونَ ۝١٠ وَلَقَدْ خَلَقْنَٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ ٱسْجُدُوا۟ لِـَٔادَمَ ۖ فَسَجَدُوٓا۟

کہ ''بلاشبہ ہم ظلم کرنے والے تھے''!(۵)

تو دیکھو یقیناً ہم ان لوگوں سے باز پرس کریں گے جن کی طرف پیغمبر بھیجے گئے (کہ انہوں نے پیغمبروں کی دعوت پر کان دھرا یا نہیں) اور یقیناً پیغمبروں سے بھی باز پرس ہوگی (کہ انہوں نے فرض رسالت ادا کیا یا نہیں)(۶)

اور پھر یقیناً ایسا ہوگا کہ (ان کے اعمال کی سرگزشت) ہم اپنے علم سے انہیں سنا دیں گے اور ہم غائب نہ تھے (کہ بے خبر ہوں)(۷)

اور اس[1] دن (اعمال کا) تولنا برحق ہے- پھر جس کسی (کی نیکیوں) کا پلہ بھاری نکلے گا تو کامیابی اسی کے لیے ہو گی (۸) اور جس کا پلہ ہلکا ہوا تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا- کیونکہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ ناانصافی کرتے تھے!(۹)

اور (دیکھو) ہم نے تمہیں (یعنی نوع انسانی کو) زمین میں (قدرت واختیار کے ساتھ) بسا دیا اور زندگی کے سروسامان مہیا کر دیئے مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم شکرگزار رہو!(۱۰)

اور[2] (دیکھو یہ ہماری ہی کارفرمائی ہے کہ) ہم نے تمہیں پیدا کیا (یعنی تمہارا وجود پیدا کیا) پھر تمہاری (یعنی نوع انسانی کی) شکل وصورت بنا دی پھر (وہ وقت آیا کہ) فرشتوں کو حکم دیا ''آدم کے آگے جھک جاؤ'' اس پر سب جھک گئے مگر

---

[1] (۶) قانون الٰہی یہ ہے کہ ہر فرد، ہر جماعت کو ویسے ہی نتائج ملیں گے جیسے کچھ اس کے اعمال ہوں گے- کامیاب انسان وہ ہوگا جس کی بھلائیاں برائیوں سے زیادہ ہوں گی- نامراد وہ ہوگا جس کی برائیوں کے وزن سے بھلائیاں دب جائیں گی- دنیا میں اشیا کے موازنہ کے لیے ترازو کام دیا کرتا ہے- اسی طرح اعمال کے موازنہ کے لیے بھی قدرت نے ایک میزان مقرر کر دیا ہے جس کی تول میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی-

[2] (۷) نسل انسانی کی سعادت وشقاوت کی ابتدائی سرگزشت اور ہدایت وحی کی ابتدا

(الف) پہلے انسان کے وجود کی تخلیق ہوئی پھر اس کی صورت بنی پھر وہ وقت آیا کہ آدم علیہ السلام کا ظہور ہوا اور اس نے وہ مقام حاصل کر لیا کہ ملائکہ کو حکم ہوا کہ اس کے آگے سربسجود ہو جاؤ-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِينَ ﴿١١﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ ۖ قَالَ أَنَا
خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَّخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ﴿١٢﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَن
تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِينَ ﴿١٣﴾ قَالَ أَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٤﴾ قَالَ إِنَّكَ
مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿١٥﴾ قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم
مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَآئِلِهِمْ ۖ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شٰكِرِينَ ﴿١٧﴾

ابلیس کہ جھکنے والوں میں سے نہ تھا۔(۱۱)

خدا نے فرمایا ''کس بات نے تجھے جھکنے سے روکا جب کہ میں نے حکم دیا تھا؟''

کہا ''اس بات نے کہ میں آدم سے بہتر ہوں! تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا۔ اسے مٹی سے''۔(۱۲)

فرمایا ''جنت سے نکل جا۔ تیری یہ ہستی نہیں کہ یہاں رہ کر سرکشی کرے۔ یہاں سے نکل دور ہو۔ یقیناً تو ان میں سے ہوا جو ذلیل وخوار ہیں!''(۱۳)

ابلیس نے کہا ''مجھے اس وقت تک کے لیے مہلت دے جب لوگ (مرنے کے بعد) اٹھائے جائیں گے''(۱۴)

فرمایا ''تجھے مہلت ہے''(۱۵) اس پر ابلیس نے کہا ''چونکہ تو نے مجھ پر راہ بند کر دی تو اب میں بھی ایسا ضرور کروں گا کہ تیری سیدھی راہ سے بھٹکانے کے لیے بنی آدم کی تاڑ میں بیٹھوں (۱۶)۔ پھر سامنے سے، پیچھے سے، داہنے سے، بائیں سے (غرض کہ ہر طرف سے) ان پر آؤں اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا''۔(۱۷)

(ب) ملائکہ نے تعمیل کی لیکن ابلیس نے انکار و سرکشی کی راہ اختیار کی۔

(ج) آدم علیہ السلام سے بھی لغزش ہوئی لیکن اس نے سرکشی نہیں، کی عجز و اعتراف کیا اور سر جھکا دیا۔

(د) اب بنی آدم کے لیے دو راہیں ہو گئیں:

ایک آدم والی کہ احکام الٰہی کی اطاعت کرنا اور اگر قصور ہو جائے تو توبہ و انابت کا سر جھکا دینا۔

دوسری ابلیس والی کہ پہلے نافرمانی کرنا پھر عجز و اعتراف کی جگہ سرکشی و تکبر کی چال چلنا۔

جو پہلی راہ چلے گا کامیاب ہوگا۔ جو دوسری راہ چلے گا نامراد ہوگا۔

(ہ) ابلیس کے گھمنڈ اور گستاخانہ جرأت کے ذکر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ برائی کی قوتیں جب سر اٹھاتی ہیں تو ان کی سرکشی کا ایسا ہی حال ہوتا ہے اور (و) یہاں ڈھیل اور مہلت سب کے لیے ہے۔ اچھوں کے لیے بھی اور بروں کے لیے بھی۔

یاد رہے کہ قرآن نے حقائق کی دو قسمیں کر دی ہیں۔

ایک وہ جن کا تعلق عالم غیب سے ہے۔ یعنی غیر محسوسات سے۔ ایک وہ جن کا تعلق عالم شہادت سے ہے یعنی محسوسات سے۔

نوع انسان کی ابتدائی پیدائش اور نشو و نما کا معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ ہم اپنے وسائل ذہن و ادراک سے کوئی یقینی روشنی اس بارے میں حاصل نہیں کر سکتے اور اس لیے ضروری ہے کہ کتاب الٰہی نے جو کچھ بیان کیا ہے اس پر ایمان لائیں۔ ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾
وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا
نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَاۤ
اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا
وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ

خدا نے فرمایا ''یہاں سے نکل جا- ذلیل اور ٹھکرایا ہوا- بنی آدم میں سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا تو (وہ تیرا ساتھی ہوگا اور) میں البتہ ایسا کروں گا کہ (پاداش عمل میں) تم سب سے جہنم بھر دوں گا!'' (۱۸)

''اے آدم! تو اور تیری بیوی دونوں جنت میں رہو سہو اور جس جگہ سے جو چیز پسند آئے شوق سے کھاؤ- مگر دیکھو (وہ جو ایک درخت ہے تو) اس درخت کے قریب بھی نہ جانا- اگر گئے تو یاد رکھو تم زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے'' (۱۹)

لیکن پھر ایسا ہوا کہ شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تا کہ ان کے ستر جو ان سے چھپے تھے ان پر کھول دے- اس نے کہا ''تمہارے پروردگار نے اس درخت سے جو تمہیں روکا ہے تو صرف اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو تم فرشتے بن جاؤ یا دائمی زندگی تمہیں حاصل ہو جائے'' (۲۰)

اس نے قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ میں تم دونوں کو خیر خواہی سے نیک بات سجھانے والا ہوں- (۲۱)

غرض کہ شیطان (اس طرح کی باتیں سنا سنا کر بالآخر) انہیں فریب میں لے آیا- پھر جونہی ایسا ہوا کہ انہوں نے درخت کا پھل چکھا ان کے ستر ان پر کھل گئے اور (جب انہیں اپنی برہنگی دیکھ کر شرم محسوس ہوئی تو) باغ کے پتے اوپر تلے رکھ کر اپنے جسم پر چپکانے لگے- اس وقت ان کے پروردگار نے پکارا ''کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہیں روک دیا تھا- اور کیا

⇦ آدم علیہ السلام کی سرگزشت کی تاریخ تورات ہی سے شروع نہیں ہوتی بلکہ آثار قدیمہ کے انکشافات نے اسے بہت قدیم عہد تک پہنچا دیا ہے- کم سے کم یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ تورات سے کئی ہزار سال پہلے اہل مصر میں کسی ایسے واقعہ کا اعتقاد عام تھا چنانچہ کالڈیا کی اینٹوں پر اس کے نقوش ملے ہیں- اوزیرس کے عہد میں اس کی تصاویر نمایاں ہیں اور ہیروغلیفی نقوش بھی اس کے اشاروں سے خالی نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۖ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ
لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ
مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٢٤﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿٢٥﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ
اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ ع ۱۵
اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٢٦﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ
يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ

میں نے نہیں کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے"!(۲۲)

انہوں نے عرض کیا "پروردگار! ہم نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا- اگر تو نے ہمارا قصور نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہمارے لیے بربادی کے سوا کچھ نہیں!(۲۳)

فرمایا "یہاں سے نکل جاؤ- تم ایک دوسرے کے دشمن ہو- اب تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے اور یہ کہ ایک خاص وقت تک وہاں کے سامان زندگی سے فائدہ اٹھاؤ گے-(۲۴)

اور فرمایا "تم اسی میں جیو گے اسی میں مرو گے پھر اسی سے (مرنے کے بعد) نکالے جاؤ گے!"(۲۵)

"اے اولاد[1] آدم! ہم نے تمہارے لیے ایسا لباس مہیا کر دیا جو جسم کی ستر پوشی کرتا ہے اور ایسی چیزیں بھی جو زیب و زینت کا ذریعہ ہیں- نیز تمہیں پرہیزگاری کی راہ دکھادی کہ یہ تمام لباسوں سے بہتر لباس ہے- یہ اللہ (کے فضل و رحمت) کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے تاکہ لوگ نصیحت پذیر ہوں!"(۲۶)

(اور خدا نے فرمایا) "اے اولاد آدم! دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں اسی طرح بہکا دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو بہکا کر جنت سے نکلوا دیا تھا اور ان کے لباس اتروا دیے تھے کہ ان کے ستر انہیں دکھا دیے- وہ اور اس کا گروہ تمہیں اس طرح دیکھتا ہے کہ تم اسے نہیں دیکھتے-

---

[1] (۸) اب اب یہاں سے آیت (۲۶) تک اولاد آدم سے خطاب ہے یعنی وہ احکام بیان کیے گئے ہیں جو آدم کی ابتدائی نسل کے افراد کو دیے گئے تھے جب وہ زمین پر پھیل گئے!

(ا) خدا نے زمین کی پیداوار میں تمہارے لیے لباس کا سامان پیدا کر دیا- اس میں پوشش و حفاظت بھی ہے اور زیب و زینت بھی- نیز اس نے ایک دوسرا لباس بھی مہیا کر دیا ہے اور وہ لباس تقویٰ ہے- پہلا جسم کی حفاظت و زینت ہے- دوسرا روح کی-

(ب) دنیا کا سامان زیب و زینت خدا کی بخشی ہوئی نعمت ہے- پس دینداری کا مقتضا یہ ہوا کہ انہیں کام میں لایا جائے- نہ یہ کہ ان سے گریز کیا جائے- خدا کی عبادت کرو تو اپنے سامان زینت سے آراستہ ہو کر کرو-

(ج) کھاؤ پیو دنیا کی تمام نعمتیں کام میں لاؤ مگر اسراف یعنی بے اعتدالی نہ کرو- یہ بات کہ دنیا کی تمام راحتوں اور لذتوں سے فائدہ اٹھانا مگر بے اعتدالی سے بچنا دین حقیقی کی وہ بنیادی اصل ہے جس کی اولاد آدم کو تعلیم دی گئی تھی-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۡ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

یاد رکھو ہم نے یہ بات ٹھہرا دی ہے کہ جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے رفیق و مددگار شیاطین ہوتے ہیں۔ (۲۷)

اور یہ لوگ (یعنی مشرکین عرب) جب بے حیائی کی باتیں کرتے ہیں تو کہتے ہیں "ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے اور (چونکہ وہ کرتے رہے ہیں اس لیے) خدا نے ایسا ہی کرنے کا ہمیں حکم دیا ہے۔" (اے پیغمبر!) تم کہہ دو "خدا کبھی بے حیائی کی باتوں کا حکم نہیں دے گا۔ کیا تم خدا کے نام پر ایسی بات کہنے کی جرأت کرتے ہو جس کے لیے تمہارے پاس کوئی (دلیل) علم نہیں؟" (۲۸)

تم کہو "میرے پروردگار نے جو کچھ حکم دیا ہے وہ تو یہ ہے کہ (ہر بات میں) اعتدال کی راہ اختیار کرو، اپنی تمام عبادتوں میں خدا کی طرف توجہ درست رکھو اور دین کو اس کے لیے خالص کر کے اسے پکارو۔ اس نے جس طرح تمہاری ہستی شروع کی اسی طرح لوٹائے جاؤ گے" (۲۹)

(تمہارے دو گروہ ہو گئے) ایک گروہ کو (اس کے ایمان و نیک عملی کی وجہ سے کامیابی کی) راہ دکھلائی۔ دوسرے پر (اس کے انکار و بدعملی سے) گمراہی ثابت ہو گئی۔ ان لوگوں نے (یعنی دوسرے گروہ نے) خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا رفیق بنا لیا (یعنی مفسدوں

(د) خدا کا قانون یہ ہے کہ انسان کی ہدایت کے لیے پیغمبر مبعوث کرتا ہے۔ پھر جو کوئی اصلاح کی راہ اختیار کرتا ہے فلاح پاتا ہے۔ جو سرکشی کرتا ہے تباہ ہوتا ہے۔

یہاں خصوصیت سے لباس کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ اس میں انسان کی عقلی زندگی کا سب سے پہلا مظاہرہ تھا۔ جب وہ لباس پہننے لگا تو یہ گویا اس حقیقت کا اعلان ہوا کہ اس کا اخلاقی شعور ابھر آیا ہے، صنعت و اختراع کی راہوں سے آشنا ہو گیا ہے اور عام حیوانی زندگی کی جگہ انسانی زندگی کی خصوصیات نشو و نما پا رہی ہیں۔

(۹) خدا کے دین کی اصلی تعلیم تو یہ تھی لیکن لوگوں نے خود ساختہ گمراہیاں پیدا کر لیں اور انہیں حکم الٰہی سمجھنے لگے۔ آیت (۲۸) میں فرمایا گمراہی کا سب سے بڑا سرچشمہ اپنے بزرگوں کی تقلید ہے۔ مشرکین عرب کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی "ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے"

(۱۰) آیت (۲۹) میں دین حق کے تین بنیادی اصول واضح کر دیے۔ عمل میں اعتدال، عبادت میں توجہ اور خدا پرستی میں اخلاص۔ یہ آیت باب توحید میں اصل اصول ہے۔ فرمایا "دین کو خدا کے لیے خاص کر کے اسے پکارو یعنی دین کی جتنی باتیں ہیں وہ صرف خدا ہی کے لیے مخصوص کر دو!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٠﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ ع ۴
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٣٢﴾ قُلْ
اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ

اور شریروں کی تقلید کی) بایں ہمہ سمجھے کہ راہ راست پر ہیں! (۳۰)

(اور ہم نے حکم دیا تھا) اے اولاد آدم! عبادت کے ہر موقع پر اپنے جسم کی زیب و زینت سے آراستہ رہا کرو۔ نیز کھاؤ پیو مگر حد سے نہ گزر جاؤ۔ خدا انہیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والے ہیں۔" (۳۱)

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہو "خدا کی زینتیں جو اس نے اپنے بندوں کے برتنے کے لیے پیدا کی ہیں اور کھانے پینے کی اچھی چیزیں کس نے حرام کی ہیں"

تم کہو "یہ (نعمتیں) تو اسی لیے ہیں کہ ایمان والوں کے کام آئیں۔ دنیا کی زندگی میں (زندگی کی مکروہات کے ساتھ اور) قیامت کے دن (ہر طرح کی مکروہات سے) خالص! دیکھو اس طرح ہم ان لوگوں کے لیے کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں جو جاننے والے ہیں! (۳۲)

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہو "میرے پروردگار نے جو کچھ حرام ٹھہرایا ہے وہ تو یہ ہے کہ:

بے حیائی کی باتیں جو کھلے طور پر کی جائیں اور جو چھپا کر کی جائیں۔

گناہ کی باتیں۔ ناحق کی زیادتی۔

---

(۱۱) رہبانیت کا رد اور اس اصل عظیم کا اعلان کہ دنیوی زندگی کی آسائشیں خدا پرستی کے خلاف نہیں ہیں بلکہ ان کو کام میں لانا عین منشائے ایزدی کی تعمیل ہے۔ چنانچہ فرمایا اولاد آدم کو جو تعلیم دی گئی تھی وہ یہ تھی کہ اپنی زیب و زینت سے آراستہ ہو کر خدا کی عبادت کرو!

پیروان مذاہب کی عالمگیر گمراہی یہ تھی کہ سمجھتے تھے روحانی سعادت جبھی مل سکتی ہے کہ دنیا ترک کر دی جائے اور خدا پرستی کا مقتضا یہ ہے کہ زینتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔ قرآن کہتا ہے حقیقت اس کے عین برعکس ہے۔ تم سمجھتے ہو زندگی کی زینتیں اس لیے ہیں کہ ترک کر دی جائیں۔ حالانکہ وہ اس لیے ہیں کہ کام میں لائی جائیں۔ دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں کو ٹھیک طور پر کام میں لانا مشیت الٰہی کو پورا کرنا ہے۔ خدا نے زمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے سب تمہارے ہی لیے ہے۔ کھاؤ پیو زینت و آسائش کی تمام نعمتیں کام میں لاؤ مگر حد سے نہ گزر جاؤ۔ دنیا نہیں' دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال روحانی سعادت کے خلاف ہے۔

زندگی کی جن زینتوں کو پیروان مذاہب خدا پرستی کے خلاف سمجھتے تھے انہیں قرآن "زینۃ اللہ" یعنی خدا کی زینتوں سے تعبیر کرتا ہے۔

یہ آیت قرآن کا ایک انقلاب انگیز اعلان ہے جس نے انسان کی دینی ذہنیت کی بنیادیں الٹ دیں۔ وہ دنیا جو نجات و سعادت کی طلب میں دنیا ترک کر رہی تھی اب اسی نجات و سعادت کو دنیا کی تعمیر و ترقی میں ڈھونڈھنے لگی!

یہاں زینت سے مقصود وہ تمام چیزیں ہیں جو زندگی کی قدرتی ضروریات سے زیادہ ہوں۔ مثلاً اچھا لباس' اچھا کھانا' معیشت ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا
يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ
فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ

یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری۔

اور یہ کہ خدا کے نام سے ایسی بات کہو جس کے لیے تمہارے پاس کوئی علم نہیں" (۳۳)

اور (دیکھو) ہر امت کے لیے ایک ٹھہرایا ہوا وقت ہے' سو جب کسی امت کا ٹھہرایا ہوا وقت آ گیا تو پھر نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتی ہے نہ ایک گھڑی آگے۔ (جو کچھ اس کے لیے ہونا ہے ہو گزرتا ہے!) [۱۲] (۳۴)

(اور فرمان الٰہی ہوا [۱]) "اے اولاد آدم! جب کبھی ایسا ہو کہ میرے پیغمبر تم میں پیدا ہوں اور میری آیتیں تمہیں پڑھ کر سنائیں تو جو کوئی (ان کی تعلیم سے متنبہ ہو کر) برائیوں سے بچے گا اور اپنے آپ کو سنوار لے گا اس کے لیے کسی طرح کا اندیشہ نہ ہو گا' نہ کسی طرح کی غمگینی" (۳۵)

"لیکن جو لوگ میری آیتیں جھٹلائیں گے اور ان کے مقابلے میں سرکشی کریں گے تو وہ دوزخی ہوں گے۔ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے!" (۳۶)

پھر بتلاؤ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو جھوٹ بولتے ہوئے خدا پر بہتان لگائے؟ (یعنی خدا نے اسے مامور نہیں کیا ہے۔ مگر وہ کہے میں مامور ہوں) اور اس سے بڑھ کر جو خدا کی آیتیں جھٹلائے؟ (یعنی خدا کا کلام واقعی نازل ہوا ہو اور وہ ضد اور سرکشی سے

⇦ کی تمام بے ضرر آسائشیں اور لذتیں۔

(۱۲) آیت (۳۴) میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ افراد کی طرح جماعتوں کی موت و حیات کے لیے بھی مقررہ قوانین ہیں اور ان کے احکام اٹل ہیں۔ جب ایک جماعت کا شر و فساد اس حد تک پہنچ جاتا ہے جو جماعتوں کی ہلاکت کے لیے ٹھہرا دی گئی ہے تو پھر ظہور نتائج میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہوتی۔

یہاں اس اشارہ سے مقصود رؤسا عرب کی تنبیہ اور مومنوں کی تذکیر ہے کہ انقلاب حال کا وقت آ گیا ہے اور ضروری ہے کہ فیصلہ کن نتائج ظہور میں آئیں۔

(۱۳) آیت (۳۵) میں فرمایا کہ اولاد آدم کو ہدایت وحی کے وقتاً فوقتاً ظہور کی خبر دی گئی تھی۔ اسی قانون کے مطابق اب پیغمبر اسلامؐ کا ظہور ہوا ہے۔ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ آنے والے نتائج کر دیں گے۔ کیونکہ صورت حال نے دو فریق پیدا کر دیے ہیں۔ ایک داعی قرآن ہے جو کہتا ہے میں خدا کی طرف سے مامور ہوں۔ دوسرا فریق منکروں کا ہے جو اسے جھٹلاتا ہے۔ جو شخص خدا پر بہتان باندھے اس سے بڑھ کر کوئی گنہگار نہیں اور جو سچے کو جھٹلائے اس کی بدبختی میں بھی کلام نہیں۔ دیکھیں ص ۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوا أَيْنَ
مَا كُنتُمْ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا
كَافِرِينَ ﴿٣٧﴾ قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ ۖ كُلَّمَا
دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا ۙ قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا
هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾
وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٣٩﴾ ع ۴

کہے نازل نہیں ہوا؟) یہی لوگ ہیں کہ (علم الٰہی کے) نوشتہ میں جو کچھ ان کے لیے ٹھہرا دیا گیا ہے اس کے مطابق اپنا حصہ پاتے رہیں گے۔ لیکن بالآخر جب ہمارے فرستادہ پہنچیں گے کہ انہیں وفات دیں تو اس وقت وہ کہیں گے "جن ہستیوں کو تم خدا کے سوا پکارا کرتے تھے اب وہ کہاں ہیں؟"

وہ جواب دیں گے "وہ ہم سے کھوئی گئیں" (یعنی ان کی ہستی و طاقت کی کوئی نمود ہمیں دکھائی نہ دی) اور (اس طرح) اپنے اوپر خود گواہی دے دیں گے کہ وہ واقعی (سچائی سے) منکر تھے! (۳۷)

اس پر حکم الٰہی ہوگا "انسانوں اور جنوں کی ان امتوں کے ساتھ جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں، تم بھی آتش دوزخ میں داخل ہو جاؤ"۔

جب کبھی[1] ایسا ہوگا کہ ایک امت دوزخ میں داخل ہو تو وہ اپنی طرح کی دوسری امت پر لعنت بھیجے گی۔ پھر جب سب اکٹھی ہو جائیں گی، تو پچھلی امت پہلی امت کی نسبت کہے گی "اے ہمارے پروردگار! یہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا (یعنی جن کی تقلید میں ہم گمراہ ہوئے) تو انہیں آتش عذاب کا دوگنا عذاب دیجیو!"

خدا فرمائے گا "تم میں سے ہر ایک کے لیے دوگنا عذاب ہے، لیکن تمہیں معلوم نہیں"۔ (۳۸)

(یہ سن کر) پہلی امت پچھلی امت سے کہے گی "دیکھو، تمہیں (عذاب کی کمی میں) ہم پر کوئی بزرگی نہ ہوئی تو جیسی کچھ کمائی کر چکے ہو اس کے مطابق اب عذاب کا مزہ چکھ لو!"۔ (۳۹)

---

[1] (۱۴) اصحاب دوزخ کے بعض احوال و واردات جو عالم آخرت میں پیش آئیں گے۔

آیت (۳۸) میں اس حقیقت کی اشارہ ہے کہ جب کوئی جماعت برائی میں مبتلا ہوتی ہے تو خود بھی گمراہ ہوتی ہے اور دوسروں کے لیے بھی گمراہی کی مثال قائم کر دیتی ہے۔ اسی لیے پچھلی امتیں اپنے سے پہلی امتوں پر لعنت بھیجیں گی کہ ان کی تقلید و پیروی میں ہم گمراہ ہوئیں۔ فرمایا: "تم میں سے ہر ایک کے لیے دوگنا عذاب ہے" یعنی ہر ایک جماعت خود بھی گمراہ ہوئی اور اپنے سے بعد آنے والوں کے لیے بھی بری مثال قائم کی۔ پس سب اس کی مستحق ہوئیں کہ دوگنا عذاب پائیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ
حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿٤٠﴾ لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ
فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا
إِلَّا وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٤٢﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ ۖ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا ۖ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۖ
لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۖ وَنُودُوا أَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾

الساتع

جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں اور ان کے مقابلہ میں سرکشی کی تو (یاد رکھو) ان کے لیے آسمان کے دروازے کبھی کھلنے والے نہیں- ان کا جنت میں داخل ہونا ایسا ہے جیسے سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزر جانا- اسی طرح ہم مجرموں کو ان کے جرموں کا بدلہ دیتے ہیں! (یعنی ہم نے اسی طرح قانون جزا ٹھہرا دیا ہے)- (۴۰)

ان کے نیچے آگ کا بچھونا ہوگا اور اوپر آگ کی چادر! ہم ظلم کرنے والوں کو ان کے ظلم کا ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں! (۴۱)

اور جو لوگ[1] ایمان لائے اور ان کے کام بھی اچھے ہوئے' اور (یاد رہے ہمارا قانون یہ ہے کہ) ہم کسی جان پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے تو بس ایسے ہی لوگ جنت والے ہیں- ہمیشہ جنت (کے راحت وسرور) میں رہنے والے! (۴۲)

اور (دیکھو) ان لوگوں کے دلوں میں (ایک دوسرے کی طرف سے) جو کچھ کینہ وغبار تھا ہم نے نکال دیا- ان کے تلے (آگ کے شعلوں کی جگہ) نہریں رواں ہیں- انہوں نے (ایک دوسرے پر لعنت بھیجنے کی جگہ) کہا "ساری ستائش اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں اس (زندگی) کی راہ دکھائی- ہم کبھی اس کی راہ نہ پاتے اگر وہ ہماری رہنمائی نہ کرتا- بلاشبہ ہمارے پروردگار کے پیغمبر (علیہ السلام) سچائی کا پیغام لے کر آئے تھے" اور (دیکھو) انہوں نے پکار سنی "یہ ہے جنت جو تمہارے ورثہ میں آئی- ان (نیک) کاموں کی بدولت جو تم (دنیا میں) کرتے رہے ہو!" (۴۳)

---

[1] (۱۵) اصحاب جنت کے بعض احوال وواردات جو آخرت میں پیش آئیں گے-

دوزخیوں کی نسبت فرمایا تھا کہ ان کی ہر جماعت دوسری جماعت پر لعنت بھیجے گی' اور ہر امت کی آرزو ہوگی کہ دوسری کو زیادہ عذاب ملے- یہاں فرمایا کہ اصحاب جنت کے دل بغض وعناد کی کدورتوں سے پاک ہوتے ہیں کیونکہ ایمان وعمل کی پاکی کے ساتھ کینہ وعناد کی آلودگی جمع نہیں ہو سکتی! اس سے معلوم ہوا کہ اصحاب دوزخ کے خصائل کا نمایاں وصف یہ ہے کہ راحت کی حالت میں ہوں یا عذاب میں، ان کے دلوں میں بغض ونفرت کے سوا اور کوئی جذبہ جگہ نہیں پاتا برخلاف اس کے اصحاب جنت وہ ہیں جن کے دلوں سے کینہ وغبار یک قلم دور ہو جاتا ہے!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۭ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۝ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّۢا بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْٓا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ۝ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَاۗءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

اور جنت والوں نے دوزخیوں کو پکارا ''ہمارے پروردگار نے جو کچھ ہم سے وعدہ کیا تھا ہم نے اسے سچا پایا ہے- پھر کیا تم نے بھی وہ تمام باتیں ٹھیک پائیں جن کا تمہارے پروردگار نے تم سے وعدہ کیا تھا؟'' دوزخی جواب میں بولے ''ہاں'' اس پر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا ''ظالموں پر خدا کی لعنت ہو- (۴۴) ان ظالموں پر جو خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے تھے اور چاہتے تھے وہ سیدھی نہ ہو- اس میں کجی ڈال دیں اور آخرت کی زندگی سے بھی منکر تھے'' (۴۵)

اور (دیکھو) ان[1] دونوں کے درمیان ایک اوٹ ہے اور اعراف پر (یعنی بلندی پر) کچھ لوگ ہیں جو (دونوں گروہوں میں سے) ہر ایک کو اس کے قیافہ سے پہچان لیتے ہیں- ان لوگوں نے جنت والوں کو پکارا ''تم پر سلامتی ہو'' وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے- اس کے آرزومند ہیں- (۴۶)

اور جب ان لوگوں کی نگاہ دوزخیوں کی طرف پھری (اور ان کی ہولناک حالت نظر آئی) تو پکار اٹھے ''اے پروردگار! ہمیں ظالم گروہ کے ساتھ شامل نہ کیجیو!'' (۴۷)

اور ''اعراف'' والوں نے ان لوگوں کو پکارا جنہیں وہ ان کے قیافہ سے پہچان گئے تھے- ''نہ تو تمہارے جتھے تمہارے کام آئے نہ تمہاری بڑائیاں'' (۴۸)

---

[1] (۱۶) دو مقام ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں اور انہیں الگ الگ کر دینا ہو تو درمیان میں دیوار کھڑی کر دیتے ہیں- فرمایا جنت اور دوزخ کی تقسیم بھی ایسی ہی سمجھو- ایک دیوار ہے جس نے ایک کو دوسرے سے الگ کر دیا ہے- ایک قدم ادھر رہ گئے تو دوزخ ہے- آگے بڑھ گئے تو جنت ہے- چنانچہ سورہ حدید میں ہے! ''جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان ایک دیوار ہے جس میں دروازہ ہے- اندر جاؤ تو رحمت ہے- باہر رہو تو عذاب'' (۱۳!۵۷)

اسی دیوار کو یہاں ''اعراف'' سے تعبیر کیا ہے- ''اعراف'' کا اطلاق ہر ایسی چیز پر ہوتا ہے جو زمین سے بلند ہو- فرمایا جنت و دوزخ کے لیے بھی ایک اعراف ہے جہاں سے دونوں طرف دیکھا جا سکتا ہے-

اگر حقیقت کے رمز شناس ہو تو حق پا لو گے کہ زندگی کے ہر گوشہ میں جنت و دوزخ کی تقسیم کا یہی حال ہے- دونوں کی سرحدیں اس طرح ملی ہوئی ہیں کہ ایک قدم پیچھے رہ گئے اور جنت کی جگہ دوزخ میں پڑ گئے- بسا اوقات ایک قدم کی تیزی یا کوتاہی جنت ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ

(انہوں نے جنتیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا) ''دیکھو کیا یہ وہی لوگ نہیں ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ خدا کی رحمت سے انہیں کچھ ملنے والا نہیں؟ (لیکن انہیں تو آج رحمت الٰہی پکار رہی ہے) جنت میں داخل ہو جاؤ- آج تمہارے لیے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہے نہ کسی طرح کی غمگینی!'' (۴۹)

اور دوزخیوں نے جنت والوں کو پکارا! ''تھوڑا سا پانی ہم پر بہا دو (کہ گرمی کی شدت سے پھنکے جاتے ہیں) یا اس میں سے کچھ دے دو جو خدا نے تمہیں بخشا ہے'' جنت والوں نے جواب دیا ''خدا نے یہ دونوں چیزیں (آج) منکروں پر روک دی ہیں- (۵۰) (کیونکہ وہ فرماتا ہے) جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا تھا (یعنی عمل حق کی جگہ ایسے کاموں میں لگے رہے جو کھیل تماشے کی طرح حقیقت سے خالی تھے) اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈالے رکھا تو جس طرح انہوں نے اس دن کا آنا بھلا دیا تھا آج وہ بھی بھلا دیے جائیں گے نیز اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں سے جان بوجھ کر انکار کرتے تھے!'' (۵۱)

اور[1] (دیکھو) ہم نے تو ان لوگوں کے لیے ایک ایسی کتاب بھی نازل کر دی جس میں علم کے ساتھ (دین حق کی تمام باتیں) الگ الگ کر کے واضح کر دی ہیں اور جو ایمان رکھنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے- (۵۲)

(پھر) کیا یہ لوگ اس بات کے انتظار میں ہیں کہ (فساد و بدعملی کے جس نتیجہ کی اس میں خبر دی گئی ہے)

⇦ سے دوزخ میں یا دوزخ سے جنت میں پہنچا دیتی ہے!

یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد!

[1] (۱۶)(ب) اب منکرین قرآن کی طرف سلسلہ بیان متوجہ ہوا ہے-

فرمایا آدم علیہ السلام کی اولاد کو ہدایت وحی کے وقتاً فوقتاً ظہور کی جو خبر دی گئی تھی اسی کے مطابق قرآن کی دعوت نمودار ہوئی ہے- اور اس نے علم و بصیرت کی راہ واضح کر دی ہے-

پھر اگر منکرین حق سرکشی و فساد سے باز نہیں آتے تو انہیں کس بات کا انتظار ہے؟ کیا اس بات کا کہ انکار و بدعملی کے جن نتائج کی خبر دی گئی ہے ان کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں؟ ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۘ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ ع

اس کا مطلب وقوع میں آ جائے؟ (اگر اسی بات کا انتظار ہے تو جان رکھیں) جس دن اس کا مطلب وقوع میں آئے گا اس دن وہ لوگ کہ اسے پہلے سے بھولے بیٹھے تھے (نامرادی وحسرت کے ساتھ) بول اٹھیں گے "بلاشبہ ہمارے پروردگار کے پیغمبر ہمارے پاس سچائی کا پیام لے کر آئے تھے! (مگر افسوس کہ ہم نے انہیں جھٹلایا) کاش شفاعت کرنے والوں میں سے کوئی ہو جو آج ہماری شفاعت کرے! یا کاش ایسا ہی ہو کہ ہم پھر دنیا میں لوٹا دیے جائیں اور جیسے کچھ کام کرتے رہے ہیں اس کے برخلاف (نیک) کام انجام دیں! بلاشبہ ان لوگوں نے اپنے ہاتھوں اپنے کو تباہی میں ڈالا اور دنیا میں جو کچھ افتراء پردازیاں کیا کرتے تھے وہ سب (آج) ان سے کھوئی گئیں! (۵۳)

تمہارا پروردگار تو وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ "ایام" میں (یعنی چھ دوروں میں جو یکے بعد دیگرے واقع ہوئے) پیدا کیا اور پھر (اپنی حکومت وجلال کے) تخت پر متمکن ہو گیا۔ (اس نے رات اور دن کی تبدیلی کا ایسا نظام ٹھہرا دیا ہے کہ) رات کی اندھیری دن کی روشنی کو ڈھانپ لیتی ہے اور (ایسا معلوم ہوتا ہے گویا) دن کے پیچھے لپکی چلی آ رہی ہو۔ اور (دیکھو) سورج، چاند، ستارے

⇦ لیکن جس دن ان کا ظہور ہو گا اس دن اس کی مہلت ہی کب باقی رہے گی کہ کوئی ایمان لائے؟ وہ تو اعمال انسانی کے آخری فیصلہ کا دن ہو گا!

لہ (۱۷) توحید الوہیت ☆ کی تلقین اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ "خلق" اور "امر" دونوں اللہ ہی کی ذات سے ہیں۔ یعنی وہی کائنات ہستی کا پیدا کرنے والا ہے اور اسی کے حکم وقدرت سے اس کا انتظام بھی ہو رہا ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ تدبیر وانتظام کی دوسری قوتیں بھی موجود ہوں جیسا کہ مشرکین کا خیال تھا۔

"تخت پر متمکن ہو گیا" یعنی خدا کی پادشاہت کائنات ہستی میں نافذ ہو گئی۔ کیونکہ وہی خالق ہے اور وہی مدبر بھی ہے۔ تمام عالم ہستی اسی کے تخت جلال کے آگے جھکی ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک دوسری جگہ فرمایا ﴿ ثم استوی علی العرش یدبر الامر ﴾

☆ توحید الوہیت یعنی خدا کے سوا کوئی ہستی اس کی مستحق نہیں کہ معبود بنائی جائے۔ "توحید ربوبیت" یعنی کائنات کی پیدا کرنے والی اور پرورش کرنے والی ہستی صرف خدا ہی کی ہستی ہے۔ قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال کرتا ہے۔ یعنی جب خالق ورب اس کے سوا کوئی نہیں تو معبود بھی اس کے سوا اور کسی کو نہیں بنانا چاہیے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا
وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا
وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ
حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ

سب اس کے حکم کے آگے جھکے ہوئے ہیں! یاد رکھو! اسی کے لیے پیدا کرنا ہے اور اسی کے لیے حکم دینا (اس کے سوا کوئی نہیں جسے کارخانہ ہستی کے چلانے میں دخل ہو) سو کیا ہی بابرکت ذات ہے اللہ کی تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا! (۵۴)

(اے لوگو!) اپنے پروردگار سے دعائیں مانگو- آہ وزاری کرتے ہوئے بھی اور پوشیدگی سے بھی- وہ انہیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والے ہیں- (۵۵)

اور (دیکھو) ملک کی درستی کے بعد (یعنی دعوت حق کے ظہور کے بعد جو اس کی درستی کی دعوت ہے) اس میں خرابی نہ پھیلاؤ- (اپنی خطاؤں سے) ڈرتے ہوئے اور (اس کی رحمت سے) امیدیں رکھتے ہوئے اس کے حضور دعائیں کرو- یقیناً اللہ کی رحمت ان سے نزدیک ہے جو نیک کردار ہیں! (۵۶)

اور (دیکھو) یہ اسی کی کارفرمائی ہے کہ بارانِ رحمت سے پہلے ہوائیں بھیجتا ہے کہ (مینہ برسنے کی) خوش خبری پہنچا دیں- پھر جب وہ بوجھل بادل لے اڑتی ہیں تو انہیں کسی مردہ زمین کی بستی کی طرف کھینچ لے جاتا ہے- پھر ان سے پانی برساتا ہے اور زمین

---

(۱۸) آیت (۵۵) سے سلسلہ بیان اسی مقصد کی طرف پھر گیا ہے جس سے سورت کی ابتداء ہوئی ہے۔ یعنی قرآن کی دعوت کی راہ میں کتنی ہی مشکلات پیش آئیں لیکن اس کی کامیابی اٹل ہے اور اہل ایمان کو اس بارے میں دل تنگ نہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ آیت (۵۶) میں فرمایا خدا کی رحمت نیک کرداروں سے دور نہیں!

پھر (۵۷) میں اس کی مثال بیان کی۔ جب پانی برسنے کو ہوتا ہے تو پہلے بارانی ہوائیں چلنے لگتی ہیں پھر پانی برستا ہے اور مردہ زمین زندہ ہو کر سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ یہی حال ہدایت وحی اور اس کے انقلاب کا ہے۔ پہلے اس کی علامتیں نمودار ہوتی ہیں۔ پھر اس کی برکتوں سے مردہ روحوں میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ چنانچہ ہوائیں چلنا شروع ہو گئی ہیں۔ اب بارانِ رحمت کی برکتوں کے ظہور کا انتظار کرو!

لیکن بارش سے صرف وہی زمین فائدہ اٹھا سکتی ہے جس میں اس کی استعداد ہو۔ شور والی زمین پر کتنی ہی بارش ہو سرسبز نہ ہو گی۔ اسی طرح قرآن کی ہدایت سے بھی وہی روحیں شاداب ہوں گی جن میں قبولیت حق کی استعداد ہے۔ جنہوں نے استعداد کھو دی ان کے حصہ میں محرومی و نامرادی کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔

(۱۹) اس کے بعد آیت (۵۹) سے پچھلی دعوتوں کا تذکرہ شروع ہوتا ہے اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اس انقلاب حال پر متعجب نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ ہمیشہ سے سنت الٰہی ایسی ہی چلی آئی ہے اور ہمیشہ دعوت حق کی بے سروسامانیوں نے وقت کے تمام سروسامانوں پر فتح پائی ہے۔

(۱) اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت نمایاں ہوتی ہے۔ جن کا ظہور دریائے دجلہ و فرات کے دوآبہ میں ہوا ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ
خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا ع
اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ
وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ

سے ہر طرح کے پھل پیدا کر دیتا ہے- اس طرح ہم مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں تا کہ تم (قدرت الٰہی کی کرشمہ سنجیوں میں) غور وفکر کرو! (۵۷)

اور (دیکھو) اچھی زمین اپنے پروردگار کے حکم سے اچھی پیداوار ہی نکالتی ہے لیکن جو زمین نکمّی ہے اس سے کچھ پیدا نہیں ہوتا مگر یہ کہ نکمّی چیز پیدا ہو- اس طرح ہم (حکمت وعبرت کی) نشانیاں ان لوگوں کے لیے دہراتے ہیں جو شکر کرنے والے ہیں (یعنی خدا کی نعمتوں کے قدر شناس ہیں)- (۵۸)

یہ واقعہ ہے کہ ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف (تبلیغ حق کے لیے) بھیجا تھا- اس نے کہا ''اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو- اس کے سوا کوئی معبود نہیں- میں ڈرتا ہوں کہ ایک بڑے ہی (ہولناک) دن کا عذاب تمہیں پیش نہ آ جائے''- (۵۹)

اس پر اس کی قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے جواب دیا ''ہمیں تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تم صریح گمراہی میں پڑ گئے ہو-'' (۶۰)

نوحؑ نے کہا ''بھائیو! یہ بات نہیں ہے کہ میں گمراہی میں پڑ گیا ہوں- میں تو اس کی طرف سے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے فرستادہ ہوں- میں اپنے پروردگار کا پیغام تمہیں پہنچاتا ہوں اور پند ونصیحت کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے اس بات کا علم رکھتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں''- (۶۱-۶۲)

(نیز نوح علیہ السلام[1] نے کہا) ''کیا تمہیں اس بات پر اچنبھا ہو رہا ہے کہ تمہارے پروردگار کی نصیحت ایک ایسے آدمی کے ذریعہ تمہیں پہنچی جو تم ہی میں سے ہے؟ اور اس لیے پہنچی تا کہ (انکار وبدعملی کے نتائج سے) خبردار کر دے- اور تم برائیوں سے بچو

⇦ تھا جو انسانی تمدن کا سب سے قدیم گہوارہ ہے اور جہاں غالباً سب سے پہلے بت پرستی کا ظہور ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جمعیت اپنی ابتدائی اور فطری ہدایت کی راہ سے سب سے پہلے وہیں گمراہ ہوئی تھی۔

[1] (ب) ''اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں'' مذہبی سچائی کی اصلی بنیاد یہی ہے اسی لیے قرآن نے تمام پیغمبروں کی زبانی اسے نقل کیا ہے- انسانی ذہن وادراک صرف محسوسات کا سطحی علم حاصل کر سکتا ہے لیکن اس سے آگے کیا ہے؟ اس کے علم کا اس کے پاس کوئی عقلی ذریعہ نہیں- ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٦٣﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ ع وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ
قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ
سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٧﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿٦٨﴾

اور رحمت الٰہی کے سزاوار ہو؟'' (۶۳)

بایں ہمہ لوگوں نے نوح کو جھٹلایا- پس ہم نے اسے اور ان سب کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے (سیلاب سے) نجات دی اور جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں انہیں غرق کر دیا- حقیقت یہ ہے کہ وہ (اپنی سمجھ بوجھ کھو کر) یک قلم اندھے ہو گئے تھے! (۶۴)

اور[1] (اسی طرح) ہم نے قوم عاد کی طرف اس کے بھائی بندوں میں سے ہود کو بھیجا- اس نے کہا ''اے قوم! اللہ کی بندگی کرو- اس کے سوا کوئی معبود نہیں- کیا تم (انکار و بدعملی کے نتائج سے) نہیں ڈرتے؟'' (۶۵)

اس پر قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا تھا کہا ''ہمیں تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تم حماقت میں پڑ گئے ہو اور ہمارا خیال یہ ہے کہ تم جھوٹ بولنے والوں میں سے ہو-'' (۶۶)

ہود نے کہا ''بھائیو! میں احمق نہیں ہوں- میں تو اس کی طرف سے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے فرستادہ ہوں (۶۷) میں اس کا پیام تمہیں پہنچاتا ہوں- اور یقین کرو کہ تمہیں دیانتداری کے ساتھ نصیحت کرنے والا ہوں (۶۸)

⇦ انبیائے کرام کا اعلان یہ ہے کہ ان کے پاس ایک ذریعہ موجود ہے اور وہ ''وحی'' ہے- چونکہ انسان کے پاس ہدایت وحی کے خلاف کوئی یقینی روشنی موجود نہیں اور چونکہ بغیر اس علم کے قبول کے کارخانہ حیات کا مسئلہ حل نہیں ہوتا اور چونکہ وہ وجدانی طور پر اس کی طلب بھی رکھتا ہے اس لیے اس کا فرض ہے کہ اس اعلان کے آگے سر تسلیم خم کر دے- اگر نہیں کرے گا تو وہ یقین و طمانیت کی جگہ شک و ظن کی زندگی کو ترجیح دے گا-

[1] (ج) قوم نوح کے بعد عرب میں قوم عاد کو عروج ہوا- ان کی آبادیاں عمان سے لے کر حضر موت اور یمن تک پھیل گئی تھیں- حضرت ہود کا انہی میں ظہور ہوا تھا-

حضرت ہود کا وعظ اور قوم کا آباواجداد کی تقلید کی بنا پر انکار-

قبول حق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ آباواجداد کی اندھی تقلید اور گھڑی ہوئی بزرگیوں اور روایتی عظمتوں کی پرستش ہے- ابتدا میں جہل و فساد سے کوئی عقیدہ گھڑ لیا جاتا ہے- پھر ایک مدت تک لوگ اسے مانتے رہتے ہیں- پھر جب ایک عرصہ کے اعتقاد سے اس میں شان تقدیس پیدا ہو جاتی ہے تو اسے شک و شبہ سے بالاتر سمجھنے لگتے ہیں اور عقل و بصیرت کی کوئی دلیل بھی اس کے خلاف تسلیم نہیں کرتے قرآن اسی کو ﴿ اسماء سميتوها انتم واباء كم ﴾ سے جابجا تعبیر کرتا ہے کیونکہ بنائے ہوئے ناموں اور لفظوں کے سوا وہ کوئی حقیقت اور معقولیت پیش نہیں کر سکتے- ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ
بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا
لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ
قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ
مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٧١﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٢﴾ ع وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ

ع ۹ ۸ ۱۶ وقف لازم

کیا تمہیں اس بات پر اچنبھا ہو رہا ہے کہ ایک ایسے آدمی کے ذریعہ تمہارے پروردگار کی نصیحت تم تک پہنچی جو خود تم ہی میں سے ہے؟ خدا کا یہ احسان یاد کرو کہ قوم نوح کے بعد تمہیں اس کا جانشین بنایا اور تمہاری نسل کو زیادہ وسعت و توانائی بخشی۔ پس چاہیے کہ اللہ کی نعمتوں کی یاد سے غافل نہ ہو۔ تاکہ ہر طرح کامیاب ہو۔'' (۶۹)

انہوں نے کہا ''کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم صرف ایک ہی خدا کے پجاری ہو جائیں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں؟ اگر تم سچے ہو تو وہ بات لا دکھاؤ جس کا ہمیں خوف دلا رہے ہو؟'' (۷۰)

ہود نے کہا ''یقین کرو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب واقع ہو گیا ہے (کہ عقلیں ماری گئی ہیں اور اپنے ہاتھوں اپنے کو تباہی کے حوالے کر رہے ہو) کیا ہے جس کی بنا پر تم مجھ سے جھگڑ رہے ہو؟ محض چند نام جو تم نے اور تمہارے بزرگوں نے اپنے جی سے گھڑ لیے ہیں اور جن کے لیے خدا نے کوئی سند نہیں اتاری۔ اچھا (آنے والے وقت کا) انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کروں گا۔'' (۷۱)

پھر ایسا ہوا کہ ہم نے ہود کو اور اس کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں ان کی بیخ و بنیاد تک اکھاڑ دی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ کبھی ایمان لانے والے نہ تھے۔ (۷۲)

اور[1] (اسی طرح) ہم نے قوم ثمود کی طرف اس کے بھائی بندوں میں صالح کو بھیجا۔ اس نے کہا ''اے میری قوم

⇦ افسوس مسلمانوں میں بھی بہت سے ایسے ''اسماء'' پیدا ہو گئے ہیں جنہیں وہ حجت و دلیل سمجھنے لگے ہیں حالانکہ خدا نے ان کے لیے کوئی دلیل نہیں اتاری۔

[1] (د) قوم ثمود عرب کے اس حصے میں آباد تھی جو حجاز اور شام کے درمیان وادی القری تک چلا گیا ہے۔ اسی مقام کو دوسری ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً
فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ
خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ
فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ

کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو- اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں- دیکھو تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل تمہارے سامنے آ چکی ہے- یہ خدا کے نام پر چھوڑی ہوئی اونٹنی تمہارے لیے ایک (فیصلہ کن) نشانی ہے- پس اسے کھلا چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں جہاں چاہے چرے- اسے کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاؤ کہ (اس کی پاداش میں) عذاب جانکاہ تمہیں آ پکڑے" (۷۳)

"اور وہ وقت یاد کرو کہ خدا نے تمہیں قوم عاد کے بعد اس کا جانشین بنایا اور اس سرزمین میں اس طرح بسا دیا کہ میدانوں سے محل بنانے کا کام لیتے ہو اور پہاڑوں کو بھی تراش کر اپنا گھر بنا لیتے ہو (یہ اس کا تم پر احسان ہے) پس اللہ کی نعمتیں یاد کرو اور ملک میں سرکشی کرتے ہوئے خرابی نہ پھیلاؤ" (۷۴)

قوم کے جن سربرآوردہ لوگوں کو (اپنی دولت و طاقت کا) گھمنڈ تھا انہوں نے مومنوں سے کہا' اور یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں (افلاس و بے چارگی کی وجہ سے) کمزور و حقیر سمجھتے تھے:

"کیا تم[1] نے سچ مچ کو معلوم کر لیا ہے کہ صالح خدا کا بھیجا ہوا ہے؟" (یعنی ہمیں تو ایسی کوئی بات اس میں دکھائی دیتی نہیں) انہوں نے کہا "ہاں بے شک جس پیام حق کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے ہم اس پر پورا یقین

⇦ جگہ "الحجر" سے بھی تعبیر کیا ہے-

پالتو جانوروں کو خدا کے نام پر چھوڑ دینے کا طریقہ بہت قدیمی ہے- بابل اور ہندوستان میں اس کا سراغ ہزاروں برس پیشتر تک ملتا ہے- معلوم ہوتا ہے کہ قوم ثمود کے لوگ بھی اپنے بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دیا کرتے تھے- حضرت صالح علیہ السلام نے خدا کے نام پر ایک اونٹنی چھوڑ دی اور اسی معاملہ میں قوم کے لیے اتباع حق کی آزمائش ہوگئی- اگر وہ اونٹنی کو ضرر نہ پہنچاتے تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا کہ ان کے دل ہدایت کے آگے جھک گئے ہیں مگر ان کے اندر خدا پرستی کے خلاف ایسی ضد اور شرارت پیدا ہوگئی تھی کہ اتنی سی بات بھی نہ مان سکے اور اونٹنی کو زخمی کر کے ہلاک کر ڈالا-

"ملک میں سرکشی کرتے ہوئے خرابی نہ پھیلاؤ" اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ قتل و غارت' لوٹ مار' شر و فساد میں چھوٹ ہو گئے تھے اور امن و عدالت کا کوئی احساس باقی نہیں رہا تھا-

(ہ) جو حقیر و ذلیل سمجھے جاتے تھے انہوں نے سچائی قبول کی اور جنہیں اپنی دنیوی بڑائیوں کا گھمنڈ تھا انہوں نے انکار کیا- دعوت حق کا جب ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ
رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ
دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا
تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾
اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ

رکھتے ہیں''۔(۷۵) اس پر گھمنڈ کرنے والوں نے کہا ''تمہیں جس بات کا یقین ہے ہمیں اس سے انکار ہے۔''(۷۶)

غرض کہ انہوں نے اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی۔

انہوں نے کہا ''اے صالحؑ! اگر تم واقعی پیغمبروں میں سے ہو تو اب وہ بات ہم پر لا دکھاؤ جس کا تم نے ہمیں خوف دلایا تھا۔''(۷۷)

پس ایسا ہوا کہ لرزا دینے والی ہولناکی نے انہیں آلیا اور جب ان پر صبح ہوئی تو گھروں میں اوندھے منہ پڑے تھے!(۷۸)

پھر صالح ان سے کنارہ کش ہو گیا۔ اس نے کہا ''اے میری قوم کے لوگو! میں نے اپنے پروردگار کا پیام تمہیں پہنچایا اور نصیحت کی مگر (افسوس تم پر!) تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے''(۷۹)

اور لوطؑ کا واقعہ[1] یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا تھا ''کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرنا پسند کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی انسان نے نہیں کیا؟(۸۰) تم عورتوں کو چھوڑ کر نفسانی خواہش سے مردوں پر مائل ہوتے ہو۔ یقیناً تم ایک ایسی قوم ہو گئے ہو جو (اپنی نفس پرستیوں میں) بالکل چھوٹ ہے''(۸۱)

لوط کی قوم کے پاس اگر اس کا کچھ جواب تھا تو یہ تھا کہ آپس میں کہنے لگے:

⇦ کبھی ظہور ہوا ہے تو ہمیشہ ایسی ہی صورت حال پیش آئی ہے۔ قبولیت حق کی راہ میں ایک بڑا مانع دنیوی خوشحالیوں کا گھمنڈ اور انہماک ہے۔

[1] (و) حضرت لوط حضرت ابراہیم علیہما السلام کے بھتیجے تھے اور بحر میت کے کنارے سدوم میں مقیم ہو گئے تھے۔ یہ معاملہ وہیں پیش آیا۔

تورات میں ہے کہ سدوم اور عمورہ پر آگ اور گندھک کی بارش ہوئی تھی۔ قرآن میں ہے کہ پتھر گرے تھے۔

دونوں بیانوں کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی حالت پیش آئی ہو گی جیسی آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے سے واقع ہوتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا
امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ ع ۱۲
قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا
فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ

''اس آدمی کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو- یہ ایسے لوگ ہیں جو بڑے پاک صاف بننا چاہتے ہیں-'' (۸۲)

پس ایسا ہوا کہ لوط کو اور اس کے گھر والوں کو تو ہم نے بچا لیا مگر اس کی بیوی نہ بچی کہ وہ بھی پیچھے رہ جانے والوں میں تھی- (۸۳)

ہم نے ان پر (پتھروں کا) مینہ برسا دیا تھا- سو دیکھو مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟ (۸۴)

اور (اسی طرح) مدین[ا] کی بستی میں شعیبؑ بھیجا گیا کہ انہی کے بھائی بندوں میں سے تھا- اس نے کہا:

''بھائیو! اللہ کی بندگی کرو- اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں- دیکھو تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل تمہارے سامنے آ چکی- پس چاہیے کہ ماپ تول پورا پورا کیا کرو- لوگوں کو (خرید و فروخت میں) ان کی چیزیں کم نہ دو- ملک کی درستی کے بعد (کہ دعوت حق کے قیام سے ظہور میں آ رہی ہے) اس میں خرابی نہ ڈالو اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یقین کرو اسی میں تمہارے لیے بہتری ہے'' (۸۵)

''اور دیکھو ایسا نہ کرو کہ (دعوت حق کی اشاعت روکنے کے لیے) ہر راستے جا بیٹھو اور جو آدمی بھی ایمان لائے اسے دھمکیاں دے کر خدا کی راہ سے روکو اور اس میں کجی ڈالنے کے درپے ہو رہو-

---

ا (ز) ''مدین'' کسی بستی کا نام نہیں- ایک قبیلہ کا نام تھا جو جزیرہ نمائے سینا میں عرب سے متصل آباد تھا- اسی میں حضرت شعیب کا ظہور ہوا-

(ح) قرآن نے حضرت شعیب علیہ السلام کی کوئی ایسی نشانی بیان نہیں کی جیسی دوسرے پیغمبروںؑ کی بیان کی ہے اور جو متکلمین کی اصطلاح میں ''معجزہ'' کے لفظ سے تعبیر کی جاتی ہے- تاہم قرآن حضرت شعیب علیہ السلام کی زبانی نقل کرتا ہے کہ ''واضح دلیل آ چکی'' یہ ''دلیل واضح'' کیا تھی؟ حضرت شعیب کی تعلیم تھی جو راست بازی و عدالت کی راہ دکھاتی تھی- اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک انبیا علیہم السلام کی تعلیم بجائے خود دلیل، بینہ اور حجت ہے- اور ضروری نہیں کہ اس کے ساتھ کوئی دوسری نشانی اور مصطلح معجزہ بھی ہو-

(ط) ماپ تول کی درستی اور یہ اصل کہ خرید و فروخت میں جو جس کا حق ہوا سے پورا ملنا چاہیے انسانی معیشت کی وہ بنیادی صداقت ہے جس کی ہمیشہ نبیوںؑ نے تلقین کی-

(ی) حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا کم از کم صبر کرو اور نتیجہ دیکھ لو- لیکن منکر اس کے لیے بھی تیار نہ ہوئے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۚ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ

خدا کا احسان یاد کرو کہ تم بہت تھوڑے تھے اس نے (امن وعافیت دے کر) تمہاری تعداد زیادہ کر دی- اور پھر غور کرو جن لوگوں نے فساد کا شیوہ اختیار کیا تھا انہیں کیسا کچھ انجام پیش آ چکا ہے؟'' (۸۶)

''اور اگر ایسا ہوا ہے کہ تم میں سے ایک گروہ اس تعلیم پر ایمان لے آیا ہے جس کی تبلیغ کے لیے میں بھیجا گیا ہوں اور دوسرا گروہ ہے جسے اس پر یقین نہیں تو (صرف اتنی ہی بات دیکھ کر فیصلہ نہ کر لو) صبر کرو- یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے!'' (۸۷)

اس پر[ا] قوم کے سرداروں نے جنہیں (اپنی دنیوی طاقتوں کا) گھمنڈ تھا کہا ''اے شعیب! (دو باتوں میں سے ایک بات ہو کر رہے گی!) یا تو تجھے اور ان سب کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں ہم اپنے شہر سے ضرور نکال باہر کریں گے یا تمہیں مجبور کر دیں گے کہ ہمارے دین میں لوٹ آؤ''

شعیب نے کہا ''اگر ہمارا دل تمہارے دین پر مطمئن نہ ہو تو کیا جبراً مان لیں؟'' (۸۸)

''اگر ہم تمہارے دین میں لوٹ آئیں حالانکہ خدا نے (علم ویقین کی روشنی نمایاں کر کے) ہمیں اس سے نجات دے دی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے جھوٹ بولتے ہوئے خدا پر بہتان باندھا- ہمارے لیے ممکن نہیں کہ اب قدم پیچھے ہٹائیں- ہاں اللہ کا جو ہمارا پروردگار ہے ایسا ہی چاہنا ہو- (تو وہ جو چاہے گا ہو کر رہے گا)

ا (ک) آیت (۸۷) میں فرمایا ''وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے'' اور دوسری جگہ خدا کے اس فیصلہ کو ''قضاء بالحق'' اور ''سب سے بڑی شہادت'' سے بھی تعبیر کیا ہے- یہ فیصلہ کیا ہے؟ قانون الٰہی کا وہ اعلان جو حق کو کامیاب کر کے اور باطل کو ناکام رکھ کر اپنا فیصلہ صادر کر دیتا ہے!

(ل) آیت (۸۸) نے واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیک مذہبی اعتقاد کا معاملہ دل کے یقین وطمانیت کا معاملہ ہے اور جبراً کسی کو اس کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا- نیز یہ کہ ہمیشہ داعیان حق اور منکرین حق میں بنائے نزاع یہی بات رہی ہے کہ وہ کہتے تھے ہمارا دل جس راہ کو حق سمجھتا ہے اسی پر چلیں گے' یہ کہتے تھے نہیں ہم تمہیں جبراً اپنی راہ پر چلا کر چھوڑیں گے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ

کوئی چیز نہیں جس پر وہ اپنے علم سے چھایا ہوا نہ ہو- ہمارا تمام تر بھروسہ اسی پر ہے- اے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان سچائی کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو بہتر فیصلہ کرنے والا ہے!'' (۸۹) قوم کے سرداروں[1] نے جو شعیبؑ کے منکر تھے (لوگوں سے) کہا ''اگر تم نے شعیبؑ کی پیروی کی تو بس سمجھ لو تم برباد ہوئے''- (۹۰)

پس ایسا ہوا کہ لرزا دینے والی ہولناکی نے انہیں آلیا' اور جب ان پر صبح ہوئی تو گھروں میں اوندھے منہ پڑے تھے! (۹۱) جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا' (ان کا کیا حال ہوا؟) گویا ان بستیوں میں کبھی بسے ہی نہ تھے! جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا' وہی برباد ہونے والے تھے! (۹۲) بہر حال شعیبؑ ان سے کنارہ کش ہو گیا- اس نے کہا ''بھائیو! میں نے پروردگار کے پیغامات تمہیں پہنچا دیے تھے اور تمہاری بہتری چاہی تھی- (مگر جب تم نے جان بوجھ کر ہلاکت کی راہ پسند کی) تو میں نہ ماننے والوں (کی تباہی) پر اب کیسے افسوس کروں؟'' (۹۳)

---

[1] (۲۰) تمام پیغمبروںؑ کے حالات پر غور کرو!

(ا) سب اسی قوم میں پیدا ہوئے جس کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے- ایسا نہیں ہوا کہ باہر سے کوئی اجنبی آ گیا ہو جس کی زندگی سے لوگ بے خبر ہوں-

(ب) کوئی بھی بادشاہ یا امیر نہ تھا- نہ کسی طرح کا دنیوی سروسامان رکھتا تھا- سب کا ظہور اسی طرح ہوا کہ تن تنہا اعلان حق کے لیے کھڑے ہو گئے اور صرف خدا کی معیت و نصرت پر اعتماد کیا-

(ج) سب کا پیام ایک ہی تھا: خدا کی بندگی کرو- اس کے سوا کوئی معبود نہیں!

(د) سب نے نیک عملی کی تلقین کی- انکار و بدعملی کے نتائج سے متنبہ کیا-

(ہ) سب کے ساتھ یہی ہوا کہ رئیسوں نے سرکشی کی- بے نواؤں نے ساتھ دیا-

(و) مخالفت بھی ہمیشہ ایک ہی طرح ہوئی- یعنی اعلان رسالت کی ہنسی اڑائی گئی- ان کی باتوں کو حماقت سے تعبیر کیا گیا- انہیں اور ان کے ساتھیوں کو اذیت پہنچانے کے تمام وسائل کام میں لائے- ان کی دعوت کی اشاعت روکنے کے لیے اپنی ساری قوتیں خرچ کر ڈالیں-

(ز) پیغمبروں نے ہمیشہ کہا! اگر میری دعوت قبول نہیں کرتے تو کم از کم میری موجودگی برداشت کر لو اور مجھے اپنا کام کرنے دو ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ
ع ۱۱
بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا
يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ
كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾

اور ہم نے جب کبھی کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو ہمیشہ ایسا کیا کہ اس کے باشندوں کو سختیوں اور نقصانوں میں مبتلا کر دیا کہ (سرکشی سے باز آئیں اور) عاجزی و نیازمندی کریں۔ (۹۴)

پھر جب ایسا ہوا کہ وہ (خوش حالیوں میں) خوب بڑھ گئے اور (پاداش عمل سے بے پروا ہو کر) کہنے لگے ''ہمارے بزرگوں پر سختی کے دن بھی گزرے راحت کے بھی'' (یعنی دنیا میں اچھی بری حالتیں پیش آتی ہی رہتی ہیں۔ جزائے عمل کوئی چیز نہیں) تو اچانک ہمارے عذاب کی پکڑ میں آ گئے اور وہ بالکل بے خبر تھے! (۹۵)

اور اگر بستیوں کے رہنے والے (جن کی سرگزشتیں بیان کی گئی ہیں) ایمان لاتے اور برائیوں سے بچتے تو ہم آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے ضرور ان پر کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے جھٹلایا پس اس کمائی کی وجہ سے جو انہوں نے (اپنے اعمال کے ذریعہ) حاصل کی تھی ہم نے انہیں پکڑ لیا (اور وہ مبتلائے عذاب ہوئے) (۹۶)

کیا شہروں[1] کے بسنے والوں کو اس بات سے امان مل گئی ہے کہ ہمارا عذاب راتوں رات آ نازل ہو اور وہ پڑے سوتے ہوں؟ (۹۷)

⇦ اور فیصلہ نتائج پر چھوڑ دو لیکن منکر اس کے لیے بھی تیار نہیں ہوئے۔

(ح) ہمیشہ یہی ہوا کہ داعی حق اور ان کے ساتھی وعظ و پند کے ذریعہ تبلیغ کرتے یعنی دل و دماغ کو اپیل کرتے لیکن منکر جبر و تشدد سے ان کی راہ روکنی چاہتے۔ پیغمبروں کی پکار یہ ہوتی تھی کہ روشن دلیلوں پر غور کرو۔ منکروں کا جواب یہ ہوتا تھا کہ انہیں بستی سے نکال باہر کر دو یا سنگسار کر دو!

(ط) پھر دیکھو نتیجہ بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کا پیش آیا۔ وہ تمام جماعتیں جنہوں نے دعوت حق کا مقابلہ کیا تھا۔ ہلاک و نابود ہو گئیں اور دنیا کی کوئی طاقت بھی انہیں قانون الٰہی کی پکڑ سے نہ بچا سکی!

یہی نتیجہ ہے جس پر خصوصیت کے ساتھ یہاں توجہ دلائی ہے اور قرآن دعوت حق کے ظہور و احوال کی یکسانیت سے بے شمار مقاصد و نتائج پر استدلال کرتا ہے۔ چنانچہ آیت (۹۴) میں فرمایا کہ ہمیشہ سنت الٰہی ایسی ہی رہی ہے۔ اور پھر آیت (۱۰۱) اور اس کے بعد کی آیات میں واضح کر دیا ہے کہ گذشتہ دعوتوں کے ذکر سے مقصود اسی حقیقت کی تلقین ہے۔

[1] (۲۱) منکر و سرکش جماعتوں کی ہلاکت کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں۔ وہ سب اس نوعیت کے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے قدرتی حوادث کا ظہور تھا۔ مثلاً زلزلہ، طوفان، سیلاب، آتش فشانی۔ پھر انہیں مقررہ عذاب کیوں کہا گیا؟ ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَوَ أَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩٨﴾ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا
الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩٩﴾ أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ أَهْلِهَا أَن لَّوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ ۚ
وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَائِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ
رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِن قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ﴿١٠١﴾

ع ۱۲

یا انہیں اس بات سے امان مل گئی ہے کہ دن دہاڑے عذاب نازل ہو جائے اور وہ (بے خبر) کھیل کود میں مشغول ہوں؟ (۹۸)

کیا انہیں خدا کی مخفی تدبیروں سے امان مل گئی ہے؟ (اور وہ سمجھتے ہیں ان کے خلاف کچھ ہونے والا نہیں؟) تو یاد رکھو خدا کی مخفی تدبیروں سے بے خوف نہیں ہو سکتے مگر وہی جو تباہ ہونے والے ہیں! (۹۹)

پھر جو لوگ (پہلی جماعتوں کے بعد) ملک کے وارث ہوتے ہیں کیا وہ یہ بات نہیں پاتے کہ اگر ہم چاہیں تو (پہلوں کی طرح) انہیں بھی گناہوں کی وجہ سے مصیبتوں میں مبتلا کر دیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں تا کہ کوئی بات سنیں ہی نہیں؟ (۱۰۰)

(اے پیغمبرؐ!) یہ ہیں (دنیا کی پرانی) آبادیاں جن کے حالات ہم تمہیں سناتے ہیں۔ ان سب میں ان کے پیغمبر (سچائی کی) روشن دلیلوں کے ساتھ آئے مگر ان کے بسنے والے ایسے نہ تھے کہ جو بات پہلے جھٹلا چکے تھے اسے (سچائی کی نشانیاں دیکھ کر) مان لیں۔ سو دیکھو اس طرح خدا ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جو (ہٹ دھرمی سے) انکار کرتے ہیں! (۱۰۱)

⇦ اس لیے کہ گو ان کا ظہور قدرت کی عادی و جاری صورتوں ہی میں ہوا تھا، لیکن اس لیے ہوا تھا کہ انکار و سرکشی کے نتائج لوگوں کے سامنے آ جائیں اور پیغمبروں نے ان کے ظہور کی پہلے سے خبر دے دی تھی۔ ضروری نہیں کہ ہر زلزلہ کسی گروہ کے لیے عذاب ہو لیکن ہر وہ زلزلہ عذاب تھا جس کی کسی پیغمبر نے اتمام حجت کے بعد خبر دے دی تھی اور جسے مشیت الٰہی نے اس معاملہ سے وابستہ کر دیا تھا۔ خدا نے فطرت کے تمام مظاہر کے لیے ایک خاص بھیس مقرر کر دیا ہے۔ وہ جب کبھی آئے گی تو اسی بھیس میں آئے گی۔ اس کا بھیس بدل نہیں سکتا لیکن اس کے ظہور کے مقاصد ہمیشہ یکساں نہیں ہوتے اور حقیقت حال انسانی علم کی دسترس سے باہر ہے۔

(۲۲) آیت (۹۹) کا مطلب تم سمجھے؟ عربی میں "مکر" کے معنی مخفی داؤ اور تدبیر کے ہیں۔ غور کرو فطرت کے داؤ کیسے مخفی اور ناگہانی ہوا کرتے ہیں؟ زلزلہ کے اسباب شب و روز نشوونما پاتے رہتے ہیں۔ سیلاب ایک لحہ کی برف باری ہی کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ آتش فشاں پہاڑوں کا لاوا برسوں تک کھولتا رہتا ہے تب کہیں جا کر پھٹنے کے قابل ہوتا ہے۔ فطرت چپکے چپکے یہ سب کام کرتی رہتی ہے لیکن ہمیں کہ اس کی گود میں کھیلتے کودتے رہتے ہیں ایک لحہ کے لیے بھی اس کا گمان نہیں ہوتا کہ کوئی غیر معمولی بات ہونے والی ہے۔ یہاں تک کہ اچانک اس کا داؤ نمودار ہو جاتا ہے اور ہم یک قلم غفلت و سرمستی میں سرشار ہوتے ہیں! **افلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون!**

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ
مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ
مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ
جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ

اوران میں سے اکثروں کو ہم نے ایسا پایا کہ اپنے عہد پر قائم نہ تھے (یعنی انہوں نے اپنا فطری شعور ووجدان کہ فطرت انسانی کا عہد ہے ضائع کر دیا تھا) اور اکثروں کو ایسا ہی پایا کہ یک قلم نافرمان تھے![۲۳] (۱۰۲)

پھران[ا] پیغمبروںؑ کے بعد ہم نے موسیٰ کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا لیکن انہوں نے ہماری نشانیوں کے ساتھ ناانصافی کی تو دیکھو مفسدوں کا کیسا انجام ہوا؟ (۱۰۳)

موسیٰ نے کہا "اے فرعون! میں اس کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (۱۰۴) میرا فرض منصبی ہے کہ خدا کے نام سے کوئی بات نہ کہوں مگر یہ کہ سچ ہو۔ میں تیرے پروردگار کی طرف سے (سچائی کی) روشن دلیلیں لایا ہوں۔ سو بنی اسرائیل کو (آئندہ اپنی غلامی پر مجبور نہ کر اور) میرے ساتھ رخصت کر دے" (۱۰۵)

فرعون نے کہا "اگر تو واقعی کوئی نشانی لے کر آیا ہے اور اپنے دعوے میں سچا ہے تو پیش کر" (۱۰۶)

اس پر موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو اچانک ایسا ہوا کہ ایک نمایاں اژدہا ان کے سامنے تھا! اور اپنا ہاتھ (جیب سے

[ا] (۲۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا تذکرہ اور اس حقیقت کی تلقین کہ جس طرح پیغمبروںؑ کی "تنذیر" ہمیشہ وقوع میں آئی اسی طرح "تبشیر" نے بھی اپنی برکتیں دکھلائیں۔ نیز بنی اسرائیل کے ایام ووقائع جن میں مخاطبین قرآن کے لیے مواعظ وعبر تھے!

(ا) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے مطالبہ کہ بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے رہا کر دے اور مصر سے نکل جانے دے۔ بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر گئے تھے اور عزت کے ساتھ بسائے گئے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ مصریوں نے انہیں اپنا غلام بنالیا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا۔

(ب) جب ایک افتادہ جماعت اٹھتی ہے اور اپنی حالت سنوارنا چاہتی ہے تو مستبد قومیں اسے بغاوت سے تعبیر کرتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکل جانے دیا جائے۔ لیکن امرائے مصر نے کہا:

"یہ چاہتا ہے تم مصریوں کو تمہارے ملک سے نکال باہر کرے"۔ اور سورہ یونس میں ہے کہ انہوں نے موسیٰ سے کہا "تم چاہتے ہو ملک کی سرداری تمہیں مل جائے؟ (۷۸)

(ج) ارکان حکومت کا مشورہ اور حضرت موسیٰ کے مقابلے کے لیے جادوگروں کی طلبی۔ سورہ طٰہٰ میں مزید تفصیل ہے۔ (دیکھو آیت ۵۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ع ۱۳

بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ
مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ
بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ
نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾
قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾

باہر) نکالا تو اچانک ایسا ہوا کہ دیکھنے والوں کے لیے سفید چمکیلا تھا! (۱۰۸)

فرعون کی قوم کے سردار (آپس میں) کہنے لگے "بلاشبہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے (۱۰۹) یہ چاہتا ہے (اپنی ان طاقتوں سے کام لے کر) تمہیں ملک سے نکال باہر کرے (اور خود مالک بن بیٹھے) اب بتلاؤ تمہاری صلاح اس بارے میں کیا ہے؟" (۱۱۰)

(چنانچہ) انہوں[1] نے (باہم مشورہ کے بعد فرعون سے) کہا "موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی کو ڈھیل دے کر روک لے اور (اس اثنا میں) نقیب روانہ کر دے کہ (مملکت کے) تمام شہروں سے جادوگر اکٹھا کر کے تیرے حضور لے آئیں" (۱۱۱-۱۱۲)

چنانچہ جادوگر فرعون کے پاس آئے - انہوں نے کہا "اگر ہم موسیٰ پر غالب آئے تو ہمیں اس خدمت کے صلے میں انعام ملنا چاہیے" (۱۱۳)

فرعون نے کہا "ضرور ملے گا اور تم سب میرے مقربوں کی صف میں داخل ہو جاؤ گے" (۱۱۴)

(پھر جب مقابلہ ہوا تو) جادوگروں نے کہا "اے موسیٰ! یا تو تم پہلے (اپنی لاٹھی) پھینکو یا پھر ہم ہی کو پھینکنا ہے" (۱۱۵)

موسیٰ نے کہا "تم ہی پہلے پھینکو" پھر جب جادوگروں نے (جادو کی بنائی ہوئی لاٹھیاں اور رسیاں) پھینکیں تو ایسا کیا کہ لوگوں کی نگاہیں جادو سے ماردیں اور ان میں (اپنے کرتبوں سے) دہشت پھیلا دی اور بہت بڑا جادو بنا لائے - (۱۱۶)

(د) مصر کے جادوگروں کا اجتماع اور حضرت موسیٰ سے مقابلہ -

جادوگروں کی نسبت فرمایا "لوگوں کی نگاہیں جادو سے ماردی تھیں" یعنی جادو کے شعبدوں کی کوئی حقیقت نہیں - محض نگاہ کا دھوکا تھا - چنانچہ دوسری جگہ اسے تخیل کی تاثیر سے بھی تعبیر کیا ہے (۲۰:۶۶) نیز آیت (۱۱۷) میں فرمایا "مایافکون" یعنی ان کی نمائش جھوٹی تھی -

جادو کا اعتقاد دنیا کی قدیم اور عالمگیر گمراہیوں میں سے ہے اور نوع انسانی کے لیے بڑی مصیبتوں کا باعث ہو چکا ہے - قرآن نے آج سے تیرہ سو برس پہلے اس کے بے اصل ہونے کا اعلان کیا لیکن افسوس ہے کہ دنیا متنبہ نہ ہوئی اور ازمنہ وسطیٰ کے مسیحی جہل و قساوت نے ہزاروں بے گناہ انسانوں کو زندہ جلایا!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا
بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ
هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ

اور (اس وقت) ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ تم بھی اپنی لاٹھی (میدان میں) ڈال دو- جونہی اس نے لاٹھی پھینکی تو اچانک کیا ہوا کہ جو کچھ جھوٹی نمائش جادوگروں کی تھی سب (آناً فاناً) اس نے نگل کرنا بود کردی! (۱۱۷)

غرض کہ سچائی ثابت ہوگئی اور جو کچھ جادوگروں نے کرتب کیے تھے سب ملیامیٹ ہوئے- (۱۱۸)

نتیجہ یہ نکلا کہ فرعون اور اس کے درباریوں کو اس مقابلہ میں مغلوب ہونا پڑا اور (فتح مند ہونے کی جگہ) الٹے ذلیل ہوئے! (۱۱۹)

اور پھر ایسا ہوا کہ (موسیٰ کی سچائی دیکھ کر) جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے- (۱۲۰) انہوں نے کہا ''ہم اس پر ایمان لائے جو تمام جہان کا پروردگار ہے- جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے!'' (۱۲۱-۱۲۲)

فرعون نے (غضب ناک ہو کر) کہا ''مجھ سے اجازت لیے بغیر تم موسیٰ پر ایمان لے آئے؟ ضرور یہ ایک پوشیدہ تدبیر ہے جو تم نے (مل جل کر) شہر میں کی ہے تاکہ اس کے باشندوں کو اس سے نکال باہر کرو- اچھا تھوڑی دیر میں تمہیں (اس کا نتیجہ) معلوم ہو جائے گا-' (۱۲۳) میں ضرور ایسا کروں گا کہ پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹواؤں-

---

(ہ) جادوگروں کا بری طرح ہارنا' حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا' فرعون کا اسے سازش قرار دینا اور قتل و تعذیب کی دھمکی-

سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ یہ معاملہ مصریوں کے تہوار کے دن پیش آیا تھا اور مملکت کی تمام آبادی جمع تھی اور خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تجویز سے ایسا ہوا تھا (۵۹) نیز یہ کہ مقابلہ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو نصیحت کی تھی اور وہ متاثر ہو کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے تھے لیکن چونکہ فرعون نے اس معاملہ کو قومی خطرہ کا رنگ دے دیا تھا اس لیے مقابلہ پر جمے رہے- انہوں نے آپس میں کہا ''موسیٰ ہمیں نکال کر ہمارے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے'' (۶۳)

جب فرعون نے دیکھا تمام باشندگان ملک کے سامنے اسے شکست ہوئی اور جن جادوگروں پر بھروسہ کیا گیا تھا وہی ایمان لے آئے تو ڈرا' کہیں ایسا نہ ہو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معتقد ہو جائیں- اس لیے جادوگروں پر مکر و سازش کا الزام لگایا- یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مل گئے ہیں- اسی لیے جان بوجھ کر انہیں فتح مند کرا دیا اور پھر فوراً ان پر ایمان لے آئے-

(و) سچا ایمان اگرچہ ایک لمحہ کا ہو ایسی روحانی طاقت پیدا کر دیتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے مرعوب و مسخر نہیں کر سکتی- وہی جادوگر جو فرعون سے صلہ و انعام کی التجائیں کر رہے تھے ایمان لانے کے بعد معاً ایسے بے پروا ہو گئے کہ سخت سے سخت جسمانی عذاب کی ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ
اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ
فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَاۗءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ
نِسَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۠

پھر تم سب کو سولی پر چڑھا دوں'' (۱۲۴)

انہوں نے جواب دیا ''ہمیں اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے (پھر ہم جسم کے عذاب وموت سے کیوں ہراساں ہوں؟) (۱۲۵)

ہمارا قصور اس کے سوا کچھ نہیں کہ جب ہمارے پروردگار کی نشانیاں ہمارے سامنے آ گئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے - (ہماری دعا خدا سے یہ ہے کہ) پروردگار! ہمیں صبر وشکیبائی سے معمور کر دے - (تا کہ زندگی کی کوئی اذیت ہمیں اس راہ میں ڈگمگا نہ سکے) اور ہمیں دنیا سے اس حالت میں اٹھا کہ تیرے فرمانبردار ہوں!'' (۱۲۶)

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے فرعون سے کہا ''کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دے گا کہ ملک میں بدامنی پھیلائیں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو ترک کر دیں؟''

فرعون نے کہا ''ہم ان کے لڑکوں کو قتل کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے (کہ ہماری باندیاں بن کر رہیں) اور (ہمیں ڈر کس بات کا ہے؟) وہ ہماری طاقت سے دبے ہوئے بے بس ہیں -'' (۱۲۷) تب موسیٰ نے اپنی قوم کو (وعظ کرتے ہوئے) کہا ''خدا سے مدد مانگو اور (اس راہ میں) جمے رہو بلاشبہ زمین (کی بادشاہت صرف) خدا ہی کے لیے ہے -

⇦ دھمکی بھی انہیں متزلزل نہ کر سکی! تفصیل سورہ طہ میں ہے (۷۲)

(ز) فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روحانی طاقت سے مغلوب ہو کر فیصلہ کرنا کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے - لیکن ساتھ ہی یہ حکم بھی دینا کہ بنی اسرائیل کے لڑکے قتل کر دیے جائیں تا کہ ان کی تعداد بڑھنے نہ پائے -

فرعون نے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تھا لیکن اس کے خاندان کے ایک آدمی نے کہ دل میں مومن تھا اس سے باز رکھا (دیکھو ۴۰: ۲۸) پس یہاں درباریوں اور فرعون کے مکالمہ کا مطلب یہ سمجھنا چاہیے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آزاد چھوڑ دیے گئے تو درباریوں نے کہا یہ شورش پھیلائے گا اور ہمارے دیوتاؤں سے علانیہ برگشتہ رہے گا - اس پر فرعون نے کہا ڈرنے کی کیا بات ہے؟ بنی اسرائیل تو ہماری طاقت کے تلے دبے ہوئے ہیں -

(ح) مصری مختلف دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے - بڑا دیوتا سورج تھا جسے ''رع'' کہتے تھے اور چونکہ بادشاہ کو اس کا اوتار سمجھتے تھے اس لیے اس کا لقب ''فارع'' تھا - یہی فارع عبرانی میں ''فاراعو'' اور عربی میں ''فرعون'' ہو گیا -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا
جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵
وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ
قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ

وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور انجام کار انہی کے لیے ہے جو متقی ہوں گے!'' (۱۲۸)

انہوں نے کہا ''تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے گئے اور اب تمہارے آنے کے بعد بھی ستائے جا رہے ہیں''

موسیٰ علیہ السلام نے کہا ''قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں ملک میں اس کا جانشین بنائے۔ پھر دیکھے (اس جانشینی کے بعد) تمہارے کام کیسے ہوتے ہیں؟'' (۱۲۹)

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے فرعون کی قوم کو خشک سالی کے برسوں اور پیداوار کے نقصان میں مبتلا کیا تھا تاکہ وہ متنبہ ہوں۔ (۱۳۰)

تو جب کبھی ایسا ہوتا کہ خوش حالی آتی تو کہتے یہ ہمارے حصے کی بات ہے (یعنی ہماری وجہ سے ہے) اور اگر ایسا ہوتا کہ سختی پیش آ جاتی تو کہتے یہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست ہے۔ (اے مخاطب!) سن رکھ کہ ان کی نحوست (اور کسی کے پاس نہ تھی) اللہ کے یہاں تھی (جس نے انسان کی اچھی بری حالتوں کے لیے ایک قانون ٹھہرا دیا ہے اور اسی کے مطابق نتائج پیش آتے ہیں)

(ط) محکومانہ زندگی کا پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ عزم و ہمت کی روح پژمردہ ہو جاتی ہے۔ لوگ غلامی کے ذلت انگیز امن پر قانع ہو جاتے ہیں اور طلب وسعی کی مشکلوں سے جی چرانے لگتے ہیں۔ یہی حال بنی اسرائیل کا ہوا تھا۔ عرصہ تک مصریوں کی غلامی میں رہتے رہتے اس درجہ مسخ ہو گئے تھے کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا' آزادی و کامرانی کی طلب میں ان حقیر راحتوں سے کیوں ہاتھ دھو بیٹھیں جو غلامی کی حالت میں میسر آ رہی ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب صبر و استقامت کی تلقین کی تو شکر گزار ہونے کی جگہ الٹی شکایتیں کرنے لگے۔ وہ ان کی نجات و کامرانی کے لیے فرعون کا مقابلہ کر رہے تھے۔ انہیں شکایت تھی کہ تمہاری اس جدوجہد نے فرعون کو اور زیادہ ہمارا مخالف بنا دیا۔ تم فائدہ پہنچانے کی جگہ الٹے وبال جان ہو گئے!

(ی) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا خدا جسے چاہتا ہے زمین کا وارث بنا دیتا ہے۔ پس اس سے مدد مانگو اور اس راہ میں جمے رہو۔ اس سے معلوم ہوا جو جماعت دنیوی بے سروسامانی سے ہراساں ہو کر بے ہمت نہیں ہو جاتی بلکہ خدا کی مدد پر بھروسہ کرتی اور مشکلات و موانع کے مقابلہ میں جمی رہتی ہے وہی ملک کی وراثت کی مستحق ہوتی ہے۔ یعنی ''استعانت باللہ'' اور ''صبر'' اس راہ میں اصل اصول ہے۔ نیز فرمایا ''انجام کار متقیوں کے لیے ہے'' یعنی جو جماعت برائیوں سے بچنے والی اور عمل میں پکی ہوگی بالآخر کامیابی اسی کے لیے ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ
بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ
مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ
لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا
مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ

لیکن بہتوں کو یہ بات معلوم نہیں۔ (۱۳۱)

اور فرعون کی قوم نے کہا'' (اے موسیٰ) تو ہم پر اپنا جادو چلانے کے لیے کتنی ہی نشانیاں لائے مگر ہم ماننے والے نہیں'' (۱۳۲)

پس ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیوں کے دل اور جوئیں[1] اور مینڈک اور لہو کہ یہ سب الگ الگ نشانیاں تھیں۔ اس پر بھی انہوں نے سرکشی کی اور ان کا گروہ مجرموں کا گروہ تھا۔ (۱۳۳)

اور جب ان پر عذاب کی سختی واقع ہوئی تو کہنے لگے'' اے موسیٰ! تیرے پروردگار نے تجھ سے (نبوت کا) جو عہد کیا ہے تو اس کی بنا پر ہمارے لیے دعا کر۔ اگر تیری دعا سے عذاب ٹل گیا تو ضرور ہم تیرے معتقد ہو جائیں گے اور بنی اسرائیل کو چھوڑ دیں گے کہ تیرے ساتھ چلے جائیں'' (۱۳۴)

لیکن پھر جب ایسا ہوا کہ ہم نے ایک خاص وقت تک کے لیے کہ (اپنی سرکشیوں اور بدعملیوں سے) انہیں اس تک پہنچنا تھا عذاب ٹال دیا تو دیکھو اچانک وہ اپنی بات سے پھر گئے! (۱۳۵)

بالآخر ہم نے (ان کی بدعملیوں پر) انہیں سزا دی یعنی اس جرم کی پاداش میں کہ ہماری نشانیاں جھٹلائیں اور ان کی طرف سے غافل رہے انہیں سمندر میں غرق کر دیا (۱۳۶) اور جس قوم کو کمزور و حقیر خیال کرتے تھے اسی کو ملک کے تمام

(۲۴) قوم فرعون پر نکبت و شدائد کا ورود اور پہلے سرکشی پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رجوع۔

تورات میں ہے کہ دریائے نیل کا پانی لہو کی طرح ہو گیا تھا اور تمام مچھلیاں مر گئی تھیں۔ (خروج: ۲۰)

آیت (۱۳۵) میں فرمایا'' ایک خاص وقت تک کے لیے کہ انہیں اس تک پہنچنا تھا'' یعنی ایک آنے والا وقت تھا جس کی طرف وہ اپنے اعمال کے ذریعہ بڑھ رہے تھے اور بالآخر پہنچنے والے تھے۔

[1] عربی میں ''قمل'' جوؤں کو بھی کہتے ہیں اور چھوٹی مکھیوں کو بھی۔ اگر تورات میں جوؤں کا ذکر نہ ہوتا تو ہم یہاں ترجمہ میں ''مکھیاں'' لکھتے کہ انسانی ہلاکت کے لیے زیادہ موثر و قطعی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى
عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝ وَجٰوَزْنَا
بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰي قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓي اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا
لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

پورب[1] کا اور اس کے مغربی حصوں کا کہ ہماری بخشی ہوئی برکت سے مالا مال ہے وارث کر دیا- اور اس طرح (اے پیغمبر!) تیرے پروردگار کا فرمان پسندیدہ بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا کہ (ہمت و ثبات کے ساتھ) جمے رہے تھے اور فرعون اور اس کا گروہ (اپنی طاقت و شوکت کے لیے) جو کچھ بنا تا رہا تھا اور جو کچھ (عمارتوں کی) بلندیاں اٹھائی تھیں وہ سب درہم برہم کر دیں! (۱۳۷)

اور ہمارے حکم سے ایسا ہوا کہ بنی اسرائیل سمندر پار اتر گئے- وہاں ان کا گزر ایک گروہ پر ہوا کہ اپنے بتوں پر مجاور بنا بیٹھا تھا- بنی اسرائیل نے کہا "اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایسا ہی ایک معبود بنا دے جیسا ان لوگوں کے لیے ہے" موسیٰ نے کہا ("افسوس تم پر!) تم بلاشبہ ایک جاہل گروہ ہو- (۱۳۸) یہ لوگ جس طریقہ پر چل رہے ہیں وہ تو تباہ ہونے والا طریقہ ہے اور انہوں نے جو عمل اختیار کیا ہے وہ یک قلم باطل ہے- (۱۳۹)

☆☆ یہ آنے والا وقت کون سا تھا؟ ان کے ظلم و فساد کا آخری نتیجہ کہ خدا کے قانون جزا نے اس طرح کے نتیجہ کے لیے جتنی مقدار فساد عمل کی ٹھہرا دی ہے جب وہ مہیا ہو گئی تو نتیجہ ظہور میں آ گیا اور فرعون اور اس کا لشکر ہلاک ہو گیا-

یہی ظہور نتائج کا وقت ہے جسے قرآن نے امتوں کی اجل سے تعبیر کیا ہے- چنانچہ اسی سورت کی آیت (۳۴) میں اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے-

اس سے معلوم ہوا ہر جماعت اپنے اعمال کے ذریعہ ایک خاص نتیجہ تک پہنچتی رہتی ہے جو اس کی مقررہ اجل ہے- اگر اعمال نیک ہوتے ہیں تو یہ اجل فلاح کی ہوتی ہے- برے ہوتے ہیں تو ہلاکت کی ہوتی ہے-

فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی وراثت ارض-

قانون الٰہی یہ ہے کہ ظالم قومیں جن مظلوم قوموں کو حقیر و کمزور سمجھتی ہیں ایک وقت آتا ہے کہ وہی شاہی و جہانداری کی وارث ہو جاتی ہیں!

آیت (۱۳۷) سے معلوم ہوا کہ خدا کا وعدہ نصرت انہی کے حق میں پورا ہوتا ہے جو اس کی شرط پوری کریں- یعنی راہ عمل میں جمے رہیں- اگر بنی اسرائیل جمے نہ رہتے تو فتح مندی سے محروم رہتے-

بنی اسرائیل چونکہ مصری بت پرستی سے مالوف ہو چکے تھے اس لیے سینا کے بت خانے دیکھ کر خواہشمند ہوئے کہ ان کی پرستش کے لیے بھی ایک بت بنا دیا جائے-

[1] یعنی فلسطین اور شام کا ملک جو مصر کے پورب میں واقع ہے اور اس کے مغربی حصوں کا ملک یعنی جزیرہ نمائے سینا جو فلسطین کے پچھم میں ہے- یہ تمام علاقہ اس وقت مصری شاہنشاہی کا خراج گزار تھا-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ
يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى ع ۶
لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَاۗءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا

(نیز) موسیٰ علیہ السلام نے کہا ''کیا تم چاہتے ہو خدا کے سوا کوئی معبود تمہارے لیے تلاش کروں؟ حالانکہ وہی ہے جس نے تمہیں دنیا کی قوموں پر فضیلت دی ہے'' (۱۴۰)

اور (خدا فرماتا ہے- اے بنی اسرائیل!) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون کی قوم سے نجات دلائی- وہ تمہیں سخت عذابوں میں مبتلا کرتے تھے- تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے اور تمہاری عورتوں کو (اپنی چاکری کے لیے) زندہ چھوڑ دیتے- اس صورت حال میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی ہی آزمائش تھی! (۱۴۱)

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں (کے اعتکاف) کا وعدہ کیا تھا- پھر دس راتیں بڑھا کر اسے پورا (چلہ) کر دیا- اس طرح پروردگار کے حضور آنے کی مقررہ میعاد چالیس راتوں کی پوری میعاد ہوگئی-

موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا ''(میں اعتکاف کے لیے پہاڑ پر جاتا ہوں) تم میرے بعد قوم میں میرے جانشین بن کر رہو- اور دیکھو سب کام درستی سے کرنا- خرابی ڈالنے والوں کی راہ نہ چلنا-'' (۱۴۲)

اور جب موسیٰ آیا تاکہ ہمارے مقررہ وقت میں حاضری دے- اور اس کے پروردگار نے اس سے کلام کیا تو

(۲۵) حضرت موسیٰ کی سرگزشت کا پہلا حصہ ختم ہوگیا جس کا تعلق ان ایام و وقائع سے تھا جو ان کے اور فرعون کے درمیان گزرے- اب یہاں سے وہ واقعات شروع ہوتے ہیں جو ان کے اور ان کی امت کے درمیان گزرے- پہلے حصے میں یہ حقیقت واضح کی تھی کہ دعوت حق کی مخالفت ہمیشہ طاقتور جماعتوں نے کی اور ہمیشہ ناکام رہیں- اس حصہ میں یہ حقیقت واضح کی ہے کہ ایک نئی ہدایت یافتہ جماعت کو راہ عمل میں کیسی کیسی لغزشیں پیش آسکتی ہیں؟ تاکہ پیروان دعوت ان سے اپنی نگہداشت کریں-

چونکہ سلسلہ بیان ایک دوسرے حصہ کی طرف مڑتا تھا اس لیے اس کی ابتدا از سر نو بنی اسرائیل کی مخاطبت سے کی گئی ہے- گویا موعظت وارشاد کے لحاظ سے یہ ایک نیا بیان ہے-

(ا) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر اعتکاف اور شریعت کا عطیہ-

یہاں ''شریعت'' سے مقصود وہ دس احکام ہیں جو حضرت موسیٰ نے وحی الٰہی سے پتھر کی دو تختیوں پر کندہ کیے تھے اور جنہیں تورات میں عہد کے احکام سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی قتل مت کر- زنا مت کر وغیرہا- (خروج ۲۹:۳۴)

(ب) اس اصل عظیم کا اعلان کہ انسان اپنے حواس کے ذریعہ ذات باری کا مشاہدہ وادراک نہیں کرسکتا اور اس راہ میں معرفت کا منتہیٰ مرتبہ یہ ہے کہ عجز و نارسائی کا اعتراف کیا جائے-

یہودیوں نے تورات کے متشابہات کو حقیقت پر محمول کر لیا تھا اور سمجھتے تھے حضرت موسیٰ نے خدا کی شبیہ دیکھی (خروج: ۹:۲۴) ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۡ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ

(جوش طلب میں بے اختیار ہو کر) پکار اٹھا ''پروردگار! مجھے اپنا جمال دکھا کہ تیری طرف نگاہ کر سکوں'' حکم ہوا ''تو مجھے کبھی نہ دیکھ سکے گا - مگر ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ - اگر یہ (تجلی حق کی تاب لے آیا اور) اپنی جگہ ٹکا رہا تو (سمجھ لیجیو تجھے بھی میرے نظارہ کی تاب ہے' اور تو) مجھے دیکھ سکے گا'' پھر جب اس کے پروردگار (کی قدرت) نے نمود کی تو پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ غش کھا کے گر پڑا!

جب موسیٰ ہوش میں آیا تو بولا ''خدایا! تیرے لیے ہر طرح کی تقدیس ہو! میں (اپنی جسارت سے) تیرے حضور توبہ کرتا ہوں - میں ان میں پہلا شخص ہوں گا جو (اس حقیقت پر) یقین رکھتے ہیں!'' (۱۴۳) خدا نے کہا ''اے موسیٰ! میں نے تجھے اپنی پیغمبری اور ہم کلامی سے لوگوں پر برگزیدگی بخشی - پس جو چیز تجھے عطا فرمائی ہے (یعنی احکام شریعت) اسے لے اور شکر بجا لا'' (۱۴۴)

اور ہم نے موسیٰ کے لیے ان تختیوں میں ہر قسم کی باتیں لکھ دی تھیں - تا کہ (دین کے) ہر معاملہ کے لیے اس میں نصیحت ہو اور ہر بات الگ الگ واضح ہو جائے - پس (ہم نے کہا) اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لے اور اپنی قوم کو بھی حکم دے کہ اس کے پسندیدہ حکموں پر کاربند ہو جائے - وہ وقت دور نہیں کہ ہم نافرمانوں کی جگہ تمہیں دکھا دیں گے'' (۱۴۵)

⇦ قرآن نے یہاں اس غلطی کا ازالہ کر دیا - فرمایا جب خدا نے موسیٰ سے کلام کیا تو اس نے کہا میرے سامنے آ جا کہ ایک نگاہ دیکھ لوں یعنی جب غیب سے ندائے حق سنی تو جوش طلب میں بے خود ہو گئے اور لذت سماع کی محویت میں لذت مشاہدہ کے حصول کا ولولہ پیدا ہو گیا:

والاذن تعشق قبل العین احیانا: حکم ہوا پہاڑ کو دیکھ - اگر یہ تاب لا سکا تو تو بھی تاب لا سکے گا - یعنی جو بات نظارہ سے مانع ہے وہ خود تیری ہی ہستی کا عجز ہے - یہ بات نہیں ہے کہ نمود حق میں کمی ہو - و لنعم ماقیل:

ہر چہ ہست از قامت ناسازو بے اندام ماست
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس دشوار نیست!

(ج) آیت (۱۴۵) کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے جن جن حکموں کی ضرورت تھی' وہ سب ان تختیوں کے احکام میں موجود تھے - ''تفصیلا لکل شیٔ یعنی تمام باتیں الگ الگ کر کے بیان کر دی تھیں - یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا جہان کی ہر بات تشریح و تطویل کے ساتھ لکھ دی گئی تھی - یاد رہے کہ قرآن ''تفصیل'' کا لفظ اس مصطلح معنی میں نہیں بولتا جو فن بیان و معانی میں بعد کو ٹھہرائے گئے اور جو ''اجمال'' کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے - ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ
يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا
سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع ۱۷
وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ

''جولوگ ناحق خدا کی زمین میں سرکشی کرتے ہیں ہم اپنی نشانیوں سے ان کی نگاہیں پھرادیں گے- وہ دنیا بھر کی نشانیاں دیکھ لیں- پھر بھی ایمان نہ لائیں- اگر وہ دیکھیں ہدایت کی سیدھی راہ سامنے ہے تو کبھی اس پر نہ چلیں- اگر دیکھیں گمراہی کی ٹیڑھی راہ سامنے ہے تو فوراً چل پڑیں- ان کی ایسی حالت اس لیے ہوجاتی ہے کہ ہماری نشانیاں جھٹلاتے ہیں اور ان کی طرف سے غافل رہتے ہیں''(۱۴۶)

''اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں اور آخرت کے پیش آنے سے منکر ہوئے تو (یاد رکھ) ان کے سارے کام اکارت گئے- وہ جو کچھ بدلہ پائیں گے وہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ انہی کے کرتوتوں کا پھل ہوگا جو دنیا میں کرتے رہے''(۱۴۷)

اور پھر ایسا ہوا کہ موسیٰ کی قوم نے اس کے (پہاڑ پر) چلے جانے کے بعد اپنے زیور کی چیزوں سے (یعنی زیور کی چیزیں گلا کر) ایک بچھڑے کا دھڑ بنایا جس سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی اور اسے (پرستش کے لیے) اختیار کرلیا- (افسوس ان کی عقلوں پر!) کیا انہوں نے اتنی (موٹی سی) بات بھی نہ سمجھی کہ نہ تو وہ ان سے بات کرتا ہے- نہ کسی طرح کی رہنمائی

⇦ اگر امام رازیؒ کی نظر اس حقیقت پر ہوتی تو وہ اس بے کار کی زحمت سے بچ جاتے جو سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھنے میں انہوں نے برداشت کی-
چونکہ یہ تختیاں وحی الٰہی سے کندہ کی گئی تھیں' اس لیے خدا نے ان کی کتابت اپنی طرف منسوب کی اور کتب سماوی کی نسبت قرآن کا یہ عام اسلوب بیان ہے- تورات میں ہے کہ یہ دو تختیاں تھیں اور دونوں طرف کندہ کی ہوئی تھیں (خروج ۳۲:۱۴)

(د) قرآن کا عام اسلوب بیان یہ ہے کہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے قوانین واسباب سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں انہیں براہ راست خدا کی طرف نسبت دیتا ہے- مثلاً اس کا ایک قانون یہ ہے کہ جو لوگ سمجھ بوجھ سے کام لینے کی جگہ اپنے بڑے بوڑھوں کی اندھی تقلید کرنے لگتے ہیں اور اسی پر اڑے رہتے ہیں رفتہ رفتہ ان کی عقلیں ماری جاتی ہیں اور سمجھ بالکل الٹی ہوجاتی ہے- کتنی ہی صاف بات کہی جائے' ان کی سمجھ میں نہیں آئے گی- کتنی ہی ان کی بھلائی چاہو وہ اور زیادہ مخالفت کریں گے- قرآن اس حالت کو یوں تعبیر کرے گا کہ خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگادی پس وہ سمجھتے نہیں- یعنی یہ صورت حال خدا کے ٹھہرائے ہوئے قانون کا قدرتی نتیجہ ہے- جب کبھی کوئی یہ چال چلتا ہے خدا کا مقررہ قانون موثر ہوکر اسے اس حالت میں پہنچادیتا ہے-

چنانچہ آیت (۱۴۶) میں فرمایا جو لوگ سرکشی کریں گے میں ان کی نگاہیں اپنی نشانیوں سے پھیر دوں گا- یعنی جو کوئی جان بوجھ کر سرکشی کرے تو خدا کا قانون یہی ہے کہ وہ دلیلوں اور روشنیوں سے متاثر ہونے کی استعداد کھودیتا ہے- پھر واضح کردیا کہ یہ حالت اس لیے پیش آئے گی کہ ''انہوں نے نشانیاں جھٹلائیں اور غافل رہے- پس معلوم ہوا جو کوئی نشانیاں جھٹلاتا ہے اور غفلت سے باز نہیں آتا وہ کبھی سچائی نہیں پاسکتا- یہی مطلب نگاہ پھرادینے کا ہے- یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا کسی آدمی کو بے عقلی اور گمراہی پر مجبور کردیتا ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَقف لازم

وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۘ اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظٰلِمِينَ ﴿١٤٨﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا
أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا ۙ قَالُوا لَئِنْ لَمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿١٤٩﴾ وَلَمَّا
رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي ۖ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ
رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي
وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ﴿١٥٠﴾

کرسکتا ہے؟ وہ اسے لے بیٹھے اور وہ (اپنے اوپر) ظلم کرنے والے تھے۔ (۱۴۸)

پھر جب ایسا ہوا کہ (افسوس وندامت سے) ہاتھ ملنے لگے اور انہوں نے دیکھ لیا کہ راہ (حق) سے قطعاً بھٹک گئے ہیں تو کہنے لگے "اگر ہمارے پروردگار نے ہم پر رحم نہیں کیا اور نہ بخشا تو ہمارے لیے تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے!" (۱۴۹)

اور جب موسیٰ خشم ناک اور افسوس کرتا ہوا اپنی قوم میں لوٹا تو اس نے کہا "افسوس تم پر! کس برے طریقہ پر تم نے میرے پیچھے میری جانشینی کی۔ تم اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں ذرا بھی صبر نہ کر سکے" اس نے (جوش میں آ کر) تختیاں پھینک دیں اور ہارون کو بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگا۔ ہارون نے کہا "اے میرے ماں جائے بھائی! (میں کیا کروں) لوگوں نے مجھے بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ قتل کر ڈالیں۔ پس میرے ساتھ ایسا نہ کر کہ دشمن ہنسیں اور نہ مجھے (ان) ظالموں کے ساتھ شمار کر" (۱۵۰)

(ہ) آیت (۱۴۷) کے آخری حصے نے کیسے قطعی لفظوں میں سزا و عقوبت کی حقیقت واضح کر دی ہے؟ "جو کچھ بدلہ پایا وہ اس کے سوا کیا تھا کہ انہی کے کرتوتوں کا پھل تھا!"

(و) بنی اسرائیل مصر کی بت پرستی سے اس درجہ مالوف ہو چکے تھے کہ رہ رہ کر انہیں اس کا شوق ہوتا۔ جونہی حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے لیے الگ ہوئے انہوں نے گائے کے بچھڑے کی طلائی مورتی بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی۔ تورات میں ہے کہ یہ مورتی حضرت ہارون علیہ السلام نے بنائی تھی (خروج ۳۲:۳۱) لیکن قرآن نے دوسری جگہ واضح کر دیا ہے کہ یہ سامری نامی ایک شخص کی کارستانی تھی اور حضرت ہارون علیہ السلام کا دامن اس دھبہ سے پاک ہے (۲۰:۹)

عجائب پرستوں کا قاعدہ ہے کہ جہاں کوئی ذرا سی بات عجیب نظر آئی فوراً معتقد ہو گئے اور سمجھ بوجھ کو خیرباد کہہ دیا۔ سامری مصر کے مندروں کے بھیدوں سے واقف تھا۔ وہاں اس ترکیب سے مورتیاں بنائی جاتی تھیں کہ جونہی ہوا ان کے اندر جاتی طرح طرح کی آوازیں نکالنے لگتیں۔ آج کل یہ صنعت باجوں اور کھلونوں میں استعمال کی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں معبدوں کا معجزہ تھا! چنانچہ اس نے بچھڑے کی مورتی میں بھی یہی کاریگری رکھی۔ بنی اسرائیل اتنی ہی بات دیکھ کر معتقد ہو گئے۔ آیت (۱۴۸) کا مطلب یہ ہے کہ ان عقل کے اندھوں نے اتنی موٹی بات بھی نہ سمجھی کہ ایک ہی طرح کی آواز کیوں نکلتی ہے؟ آدمی کی بات کا جواب کیوں نہیں دیتا؟

ہندوستان کی طرح بابل اور مصر میں بھی بیل اور گائے کی عظمت کا تصور پیدا ہو گیا تھا۔ اگر کالڈیا کے تمدن کی قدامت تسلیم کر لی جائے تو وہیں سے یہ خیال دوسرے ملکوں میں پھیلا ہوگا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ع ۱۸ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ

موسیٰ نے کہا ''پروردگار! میرا قصور بخش دے (کہ جوش میں آ گیا) اور میرے بھائی کا بھی (کہ گمراہوں کو سختی کے ساتھ نہ روک سکا) اور ہمیں اپنی رحمت کے سایے میں داخل کر! تجھ سے بڑھ کر کون ہے جو رحم کرنے والا ہو'' (۱۵۱)

خدا نے فرمایا ''جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی ان کے حصے میں ان کے پروردگار کا غضب آئے گا اور دنیا کی زندگی میں بھی ذلت و رسوائی پائیں گے۔ ہم افترا پردازوں کو (ان کی بدعملی کا) اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ (۱۵۲) ہاں جن لوگوں نے برائیوں کے ارتکاب کے بعد (متنبہ ہو کر) توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو بلاشبہ تمہارا پروردگار توبہ کے بعد بخش دینے والا، رحمت والا ہے!'' (۱۵۳)

اور جب موسیٰ کی خشم ناکی فرو ہوئی، تو اس نے تختیاں اٹھالیں۔ ان کی کتابت میں (یعنی ان حکموں میں جو ان پر لکھے ہوئے تھے) ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اپنے پروردگار کا ڈر رکھتے ہیں'' (۱۵۴)

اور اس غرض سے کہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے وقت میں حاضر ہوں موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی چنے۔ پھر جب لرزا

(ز) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم کے سرکش سرداروں میں سے ستر آدمیوں کو فیصلہ کے لیے چننا اور لرزا دینے والی ہولناکی کا ظہور۔ تورات میں ہے کہ سرداروں کی ایک جماعت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بزرگی و پیشوائی سے انکار کیا تھا۔ اس پر حکم الٰہی سے ایک وقت مقرر کیا گیا اور سرکش گروہ جمع ہوا۔ اس وقت زلزلہ آیا، زمین پھٹی اور سب اس میں مدفون ہو گئے (گنتی ۱۶:۳۱)

(ح) آیت (۱۵۶) میں فرمایا کہ کائنات ہستی میں اصل و عام حقیقت رحمت ہے اور تعذیب و عقوبت نہیں ہے مگر خاص خاص حالتوں کے لیے۔ پس یہاں اصل قانون رحمت ہوا جس کے احاطہ سے کوئی گوشہ باہر نہیں ہے۔

یہ مقام معارف قرآنی کی مہمات میں سے ہے اور ان تمام گمراہیوں کا ازالہ کر دیتا ہے جو خدا کی صفات و افعال کے بارے میں پھیل گئی تھیں۔ جس حالت کو انسان کے لیے عذاب قرار دیا اسے خاص حالتوں سے مخصوص بتلایا مگر رحمت کو کہا کہ عام ہے۔ ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ

دینے والی ہولناکی نے انہیں آلیا تو موسیٰ نے (ہماری جناب میں) عرض کیا ''پروردگار! اگر تو چاہتا تو ان سب کو اب سے پہلے ہی ہلاک کر ڈالتا اور خود میری زندگی بھی ختم کر دیتا (مگر تو نے اپنے فضل و رحمت سے ہمیں مہلت دی) پھر کیا ایک ایسی بات کے لیے جو ہم میں سے چند بے وقوف آدمی کر بیٹھے ہیں تو ہم سب کو ہلاک کر دے گا؟ یہ اس کے سوا کیا ہے کہ تیری طرف سے ایک آزمائش ہے۔ تو جسے چاہے اس میں بھٹکا دے جسے چاہے راہ دکھا دے! خدایا! تو ہمارا والی ہے۔ ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر۔ تجھ سے بہتر بخشنے والا کوئی نہیں! (۱۵۵) اور (خدایا!) اس دنیا کی زندگی میں بھی ہمارے لیے اچھائی لکھ دے اور آخرت کی زندگی میں بھی ہمارے لیے اچھائی کر۔ ہم تیری طرف لوٹ آئے!'' خدا نے فرمایا ''میرے عذاب کا حال یہ ہے کہ جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں اور رحمت کا حال یہ ہے کہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ پس میں ان لوگوں کے لیے رحمت لکھ دوں گا جو برائیوں سے بچیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور ان کے لیے جو میری نشانیوں پر ایمان لائیں گے'' (۱۵۶)

''جو الرسول کی پیروی کریں گے کہ نبی امی ہوگا اور اس کے ظہور کی خبر اپنے یہاں تورات اور انجیل میں لکھی پائیں گے۔

⇦ کیونکہ رحمت اس کی قدیم اور ازلی صفت ہے۔ عذاب دینا صفت نہیں۔ اور عذاب بھی اس لیے عذاب ہے کہ ہماری ٹھہرائی ہوئی اضافتوں اور نسبتوں کے لحاظ سے ایسا ہی ہونا تھا۔ ورنہ فی الحقیقت اس نے جو کچھ بھی کیا ہے رحمت ہی رحمت ہے۔ سورہ انعام میں گذر چکا ہے: کتب علی نفسہ الرحمۃ (۱۲)

(ط) آیت (۱۵۶) میں اس فرمان کا ذکر کیا تھا کہ جو لوگ خدا کی نشانیوں پر ایمان رکھیں گے وہ رحمت کے سزاوار ہوں گے اس لیے بعد کی آیات میں سلسلہ بیان مخاطبین کی طرف متوجہ ہو گیا ہے یعنی اب کہ پیغمبر اسلام کی موعودہ دعوت نمودار ہو گئی اہل کتاب کے لیے رحمت الٰہی کی بخشائشوں کا دروازہ کھل گیا ہے۔ جو لوگ سچائی کی نشانیوں پر ایمان لائیں گے فرمان الٰہی کے مطابق کامرانی و سعادت پائیں گے۔

(ی) پیغمبر اسلام کی دعوت کی تین خصوصیتیں یہاں بیان کیں:

(۱) نیکی کا حکم دیتا ہے۔ برائی سے روکتا ہے۔ (۲) پسندیدہ چیزوں کا استعمال جائز ٹھہراتا ہے۔ ناپسندیدہ چیزوں کے استعمال سے روکتا ہے۔ قرآن نے اس معنی میں طیبات'' اور ''خبائث'' کا لفظ اختیار کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں اچھی ہیں انہیں جائز کیا ہے' جو بری ہیں یعنی مضر ہیں ان سے روک دیا ہے۔ (۳) جو بوجھ اہل کتاب کے سروں پر پڑ گیا تھا اور جن پھندوں میں گرفتار ہو گئے تھے ان سے نجات دلاتا ہے۔ یہ بوجھ کیا تھا اور یہ پھندے کون سے تھے جن سے قرآن نے رہائی دلائی؟ ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۵۷ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَۨا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵۸ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ ع ۹

وہ انہیں نیکی کا حکم دے گا' برائی سے روکے گا' پسندیدہ چیزیں حلال کرے گا' گندی چیزیں حرام ٹھہرائے گا' اس بوجھ سے نجات دلائے گا جس کے تلے دبے ہوں گے' ان پھندوں سے نکالے گا جن میں گرفتار ہوں گے۔ تو جو لوگ اس پر ایمان لائے اس کے مخالفوں کے لیے روک ہوئے (راہ حق میں) اس کی مدد کی اور اس روشنی کے پیچھے ہو لیے جو اس کے ساتھ بھیجی گئی ہے سو وہی ہیں جو کامیابی پانے والے ہیں!'' (۱۵۷)

(اے پیغمبر! تم لوگوں سے) کہو'' اے افراد نسل انسانی! میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ وہ خدا' کہ آسمانوں کی اور زمین کی ساری پادشاہت اسی کے لیے ہے۔ کوئی معبود نہیں مگر اسی کی ایک ذات! وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے! پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امی پر کہ اللہ اور اس کے کلمات (یعنی اس کی تمام کتابوں) پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کی پیروی کرو تا (کامیابی کی) راہ تم پر کھل جائے'' (۱۵۸)

اور موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ (ضرور) ایسا ہے جو لوگوں کو سچائی کی راہ چلاتا اور سچائی ہی کے ساتھ (ان

⇦ قرآن نے دوسرے مقامات میں اسے واضح کر دیا ہے: مذہبی احکام کی بے جا سختیاں' مذہبی زندگی کی ناقابل عمل پابندیاں' ناقابل فہم عقیدوں کا بوجھ' وہم پرستیوں کا انبار' عالموں اور فقیہوں کی تقلید کی بیڑیاں' پیشواؤں کے تعبد کی زنجیریں۔ یہ بوجھل رکاوٹیں تھیں جنہوں نے یہودیوں اور عیسائیوں کے دل و دماغ مقید کر دیے تھے۔ پیغمبر اسلام کی دعوت نے ان سب سے نجات دلائی۔ اس نے سچائی کی ایسی سہل و آسان راہ دکھادی جس میں عقل کے لیے کوئی بوجھ نہیں عمل کے لیے کوئی سختی نہیں۔ حنیفیة السمحة لیلها کنهارها!

افسوس' جن پھندوں سے قرآن نے اہل کتاب کو نجات دلائی تھی مسلمانوں نے وہی پھندے پھر اپنے گلوں میں ڈال لیے!

(ک) دعوت عامہ کا اعلان۔ یعنی پیغمبر اسلام کی دعوت کسی خاص قوم اور ملک کے لیے نہیں ہے۔ تمام نوع انسانی کے لیے ہے۔

یہ آیت جوامع آیات میں سے ہے جس نے دعوت اسلام کی پوری حقیقت واضح کر دی:

(۱) یہ دعوت یکساں طور پر تمام نوع انسانی کے لیے ہے۔

(۲) یہ ایک خدا کے آگے سب کے سروں کو جھکا ہوا دیکھنا چاہتی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(۳) ''ایمان باللہ وکلماتہ'' اس کا شعار ہے۔ یعنی خدا اور اس کے تمام کلمات وحی پر ایمان۔

فرمایا: خدا نے مجھے تم سب کی طرف بھیجا ہے۔ وہ خدا کہ آسمان و زمین کی ساری پادشاہت اسی کے لیے ہے۔ یعنی جب تمام کائنات ہستی میں ایک ہی خدا کی فرمانروائی ہے تو ضروری ہوا کہ اس کا پیغام ہدایت بھی ایک ہی ہو اور سب کے لیے ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ

کے معاملات میں) انصاف بھی کرتا ہے۔ (۱۵۹)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ خاندانوں کے بارہ گروہوں میں منقسم کر دیا اور جب لوگوں نے موسیٰ سے پینے کے لیے پانی مانگا تو ہم نے وحی کی کہ اپنی لاٹھی (ایک[1] خاص) چٹان پر مارو۔ چنانچہ بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر گروہ نے اپنی اپنی جگہ پانی کی معلوم کر لی اور ہم نے بنی اسرائیل پر ابر کا سایہ کر دیا تھا۔ اور (ان کی غذا کے لیے) ''من'' اور ''سلویٰ'' اتارا تھا۔ ہم نے کہا تھا ''یہ پسندیدہ غذا کھاؤ جو ہم نے عطا کی ہے'' (اور فتنہ و فساد میں نہ پڑو)۔ انہوں نے (نافرمانی کر کے) ہمارا تو کچھ نہیں بگاڑا' خود اپنے ہاتھوں اپنا ہی نقصان کرتے رہے! (۱۶۰)

اور پھر (وہ واقعہ یاد کرو) جب بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا ''اس[2] شہر میں جا کر آباد ہو جاؤ' (جس کے فتح کرنے کی تمہیں توفیق ملی ہے) اور (یہ نہایت زرخیز علاقہ ہے) جس جگہ سے چاہو اپنی غذا حاصل کرو اور تمہاری زبانوں پر حطۃ[3] کا کلمہ جاری ہو اور اس کے دروازے میں داخل ہو تو (اللہ کے حضور) جھکے ہوئے ہو۔ ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور نیک کرداروں کو (اس سے

(ل) عربی میں ''امی'' ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو اپنی پیدائشی حالت پر ہو۔ لکھنے پڑھنے اور علم و فن کی باتوں سے آشنا نہ ہوا ہوا۔ چنانچہ عرب کے باشندے بھی امی کہلائے۔ کیونکہ تعلیم و تربیت سے آشنا نہیں ہوئے تھے۔

پیغمبر اسلام کو بھی ''الامی'' فرمایا کیونکہ ظاہری تعلیم و تربیت کا ان پر سایہ بھی نہیں پڑا تھا۔ جو کچھ تھا سرچشمہ وحی کا فیضان تھا!

(م) چونکہ تورات کی بشارات میں پیغمبر موعودؐ کے ساتھ اس وصف کی طرف اشارہ تھا اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا۔ بشارات ظہور کے لیے استثنا ۱۸:۱۷۔ و ۳۲:۲۱۔ و ۳۳:۲۔ اور زبور ۴۵:۱۔ اور انجیل متی ۲۰:۱۔ یوحنا ۱:۲۱ و ۱۴:۱۵ کے مقامات دیکھنے چاہییں۔

(ن) بنی اسرائیل کی بارہ قبیلوں میں تقسیم اور وادی سینا کے واقعات کی طرف اشارہ۔

(س) یہ گمراہی کہ جب فتح و کامرانی حاصل ہوئی تو عبودیت و نیاز کی جگہ غفلت و شرارت میں مبتلا ہو گئے (دیکھو بقرہ از ۵۴ تا ۵۶)

---

[1] تورات میں ہے کہ یہ چٹان جبل حوریب میں تھی۔ (خروج ۱۱:۶) ''حوریب'' سے مقصود وہ سلسلہ کوہ ہے جو وادی لجاء میں واقع ہے۔

[2] غالباً یہ وہ شہر تھا جسے تورات میں یریحو کہا گیا ہے اور جو یردن پار سرزمین کنعان کی پہلی آبادی تھی جس کے حصول کی بنی اسرائیل کو بشارت دی گئی تھی (گنتی ۲۳:۵)

[3] ''حطۃ'' کلمہ استغفار ہے۔ یعنی خدایا! گناہوں سے پاک کر دے!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٢﴾ وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ
حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ
لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٣﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ
لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ

النصف وقف لازم ع

بھی) زیادہ اجر دیں گے" (۱۶۱)

لیکن پھر ایسا ہوا کہ جو لوگ ان میں ظلم و شرارت کی راہ چلنے والے تھے انہوں نے خدا کی بتلائی ہوئی بات بدل کر ایک دوسری ہی بات بنا ڈالی (یعنی جس بات کا حکم دیا گیا تھا اس سے بالکل الٹی چال چلے) پس ہم نے آسمان سے ان پر عذاب بھیجا اس ظلم کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے۔ (۱۶۲)

اور (اے پیغمبرؐ) بنی اسرائیل سے اس شہر کے بارے میں پوچھو جو سمندر کے کنارے واقع تھا اور جہاں سبت کے دن لوگ خدا کی ٹھہرائی ہوئی حد سے باہر ہو جاتے تھے۔ سبت کے دن ان کی (مطلوبہ) مچھلیاں پانی پر تیرتی ہوئی ان کے پاس آ جاتیں مگر جس دن سبت نہ مناتے نہ آتیں۔ اس طرح ہم انہیں آزمائش میں ڈالتے تھے۔ بہ سبب اس نافرمانی کے جو وہ کیا کرتے تھے۔ (۱۶۳)

اور جب اس شہر کے باشندوں میں سے ایک گروہ نے (ان لوگوں سے جو نافرمانوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے) کہا "تم ایسے لوگوں کو (بیکار) نصیحت کیوں کرتے ہو جنہیں (ان کی شقاوت کی وجہ سے) یا تو خدا ہلاک کر دے گا یا نہایت سخت عذاب (اخروی) میں مبتلا کرے گا؟" انہوں نے کہا "اس لیے کرتے ہیں تا کہ تمہارے پروردگار کے حضور معذرت کر سکیں (کہ ہم نے اپنا

(ع) بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ دین کے حکموں پر سچائی کے ساتھ عمل نہیں کرتے تھے اور شرعی حیلے نکال کر ان کی تعمیل سے بچنا چاہتے تھے۔ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ سبت کا مقدس دن تعطیل کا دن ہے اس دن شکار نہ کرو۔ لیکن ایک گروہ نے یہ حیلہ نکالا کہ سمندر کے کنارے گڑھے کھود لیے۔ جب جوار کے بعد پانی اتر جاتا تو گڑھے کے اندر کی مچھلیاں پکڑ لیتے اور کہتے یہ مچھلیاں خود آ گئیں شکار نہیں کی گئیں!

بندر ہو جانے کا مطلب کیا ہے؟ ان کی صورتیں بندروں کی سی ہو گئی تھیں یا دل؟ ائمہ تفسیر میں سے مجاہد کا قول ہے "مسخت قلوبهم" ان کے دل مسخ ہو گئے تھے۔ (ابن کثیر)

(ف) گمراہوں کی ہدایت کی طرف سے کتنی ہی مایوسی ہو لیکن اہل حق کا فرض ہے کہ موعظت سے باز نہ رہیں۔ کیونکہ اول تو یہ ایک فرض ہے اور ادائے فرض میں نتیجہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ثانیاً کون کہہ سکتا ہے کہ ہدایت قطعاً مؤثر نہ ہو گی؟ ہو سکتا ہے کہ کسی کے دل کو کوئی بات لگ جائے۔ چنانچہ اسی لیے اہل حق نے کہا "معذرة الى ربكم ولعلهم يتقون" تا کہ اللہ کے حضور معذرت کر سکیں اور اس لیے بھی کہ شاید لوگ باز آ جائیں۔ سبحان اللہ قرآن کی معجزانہ بلاغت۔ پانچ چھ لفظوں کے اندر وہ سب کچھ کہہ دیا جو اس بارہ میں کہا جا سکتا ہے!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً
خٰسِئِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۭ اِنَّ
رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ

فرض ادا کر دیا) اور اس لیے بھی کہ شاید لوگ باز آ جائیں" (۱۶۴)

پھر جب ایسا ہوا کہ ان لوگوں نے وہ تمام نصیحتیں بھلا دیں جو انہیں کی گئی تھیں تو ہمارا مواخذہ نمودار ہو گیا- ہم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو برائی سے روکتے تھے مگر شرارت کرنے والوں کو ایسے عذاب میں ڈالا کہ محرومی و نامرادی میں مبتلا کرنے والا عذاب تھا[1] بہ سبب ان نافرمانیوں کے جو وہ کیا کرتے تھے! (۱۶۵)

پھر جب یہ (سزا بھی انہیں عبرت نہ دلا سکی اور) وہ اس بات میں حد سے زیادہ سرکش ہو گئے جس سے انہیں روکا گیا تھا تو ہم نے کہا "بندر ہو جاؤ- ذلت و خواری سے ٹھکرائے ہوئے!" (۱۶۶)

اور (اے پیغمبر) جب ایسا ہوا تھا کہ تیرے پروردگار نے اس بات کا اعلان کر دیا تھا: (اگر بنی اسرائیل شرارت و بدعملی سے باز نہ آئے تو) وہ قیامت کے دن تک ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو انہیں ذلیل کرنے والے عذاب میں مبتلا کریں گے- حقیقت یہ ہے کہ تیرا پروردگار (بدعملی کی) سزا دینے میں دیر کرنے والا نہیں اور ساتھ ہی بخشنے والا رحمت والا بھی ہے! (۱۶۷)

اور ہم نے انہیں الگ الگ گروہ کر کے زمین میں متفرق کر دیا- کچھ ان میں نیک تھے کچھ اس کے خلاف-

---

(ص) آیت (۱۶۷) سے معلوم ہوا کسی قوم پر ظالم و مستبد حکمرانوں کا مسلط رہنا بھی خدا کا ایک عذاب ہے جو پاداش عمل میں نمودار ہوتا ہے-

(ق) آیت (۱۶۸) میں اس قانون الٰہی کی طرف اشارہ ہے کہ جب کوئی جماعت بدعملی و فساد میں مبتلا ہوتی ہے تو اس کا مہلک نتیجہ فوراً ظاہر نہیں ہو جاتا بلکہ تدریج و امہال کی وجہ سے یکے بعد دیگرے مہلتیں ملتی رہتی ہیں کہ اصلاح حال پر آمادہ ہو جائے-

فرمایا "ہم نے انہیں الگ الگ گروہ کر کے زمین میں متفرق کر دیا" یعنی بنی اسرائیل کی قومی وحدت باقی نہیں رہی چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منتشر ہو گئے- یہ تباہی کی ابتدا تھی تاہم ابھی نیک جماعتیں بالکل معدوم نہیں ہو گئی تھیں- لیکن اس دور کے بعد جو نسلیں پیدا ہوئیں وہ عمل و حقیقت سے یکسر محروم ہو گئیں-

---

[1] اصل آیت میں "بعذاب بئیس" ہے- "بئیس" باس سے بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی شدت کے ہیں اور بوس سے بھی جس کے معنی فقر و فاقہ اور انتہائے محرومی کے ہیں- ہم نے دوسرے معنی کو ترجیح دی کیونکہ آگے چل کر "خاسئین" کا لفظ آیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے عذاب کی نوعیت ایسی تھی کہ ذلیل و خوار کرنے والا تھا-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ
خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ
مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا
فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ

اور ہم نے انہیں اچھی اور بری دونوں طرح کی حالتوں میں ڈال کر آزمایا تا کہ (بدعملیوں سے) باز آ جائیں۔
پھر ان لوگوں کے بعد ناخلفوں نے ان کی جگہ پائی اور کتاب الٰہی کے وارث ہوئے۔ وہ (دین فروشی کر کے) اس دنیائے حقیر کی متاع (بے تامل) لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں "اس کی تو ہمیں معافی مل ہی جائے گی" اور اگر کوئی متاع انہیں اسی طرح (فریق ثانی سے) ہاتھ آ جائے تو اسے بھی بلا تامل لے لیں۔ کیا ان سے کتاب میں عہد نہیں لیا گیا ہے کہ خدا کے نام سے کوئی بات نہ کہیں مگر وہی جو سچ ہو؟ اور کیا جو کچھ کتاب میں حکم دیا گیا ہے وہ پڑھ نہیں چکے ہیں؟ جو متقی ہیں ان کے لیے تو آخرت کا گھر (دنیا اور دنیا کی خواہشوں سے) کہیں بہتر ہے (وہ دنیا کے لیے اپنی آخرت تاراج کرنے والے نہیں۔ اے علمائے یہود!) کیا اتنی سی بات بھی تمہاری عقل میں نہیں آتی؟ (۱۶۹)
اور (بنی اسرائیل میں سے) جو لوگ کتاب اللہ کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور نماز میں سرگرم ہیں تو (ان کے لیے کوئی کھٹکا نہیں) ہم کبھی سنوارنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے! (۱۷۰)
اور جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے ان کے اوپر پہاڑ کو زلزلہ[1] میں ڈالا تھا گویا ایک سائبان ہے (جو ہل رہا ہے)

(ر) چنانچہ علمائے یہود کا یہ حال ہو گیا کہ دنیا کے حقیر فوائد کے لیے دین فروشی کرتے' ناجائز باتوں کو جائز بنا لیتے اور سمجھتے ہمارے لیے کوئی کھٹکا نہیں' خدا ہمیں بخش دے گا۔ جب کسی گروہ میں عمل اور حقیقت کی روح باقی نہیں رہتی تو ارتکاب معاصی میں چھوٹ ہو جاتا ہے اور عمل کی جگہ محض خوش اعتقادی کے خود ساختہ سہاروں پر اعتماد کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ یہی حال یہودیوں کا ہوا جو سمجھتے تھے ہم خدا کی پسندیدہ امت ہیں' آتش دوزخ ہم پر حرام کر دی گئی ہے اور یہی حال اب مسلمانوں کا ہو گیا ہے جو سمجھتے ہیں ہم امت مرحومہ ہیں۔ آتش دوزخ ہم پر حرام کر دی گئی ہے۔ اگر کچھ مواخذہ ہو گا بھی تو کسی پیر کی مریدی' یا کسی وظیفہ کا ورد یا کسی خاص نماز نفل کی مداومت یا مجالس میلاد کا انعقاد اور عرسوں کی شرکت بخشش و نجات کے لیے کافی ہے!
(ش) پہلے آیت (۱۵۹) میں کہا تھا کہ قوم موسیٰ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ہدایت پر چلتے ہیں۔ یہاں فرمایا جو لوگ کتاب اللہ پر سچائی کے ساتھ عمل کرتے ہیں ان کا اجر ضائع ہونے والا نہیں۔ دونوں جگہ یہ صراحت اس لیے کی تا کہ واضح ہو جائے جو لوگ سچائی پر قائم رہے ان کی سعادت سے انکار نہیں۔

[1] عربی میں "نتقنا" کے معنی رفعنا کے بھی ہو سکتے ہیں اور زلزلنا کے بھی۔ نتق السقاء اذا هزه و نفضه ليخرج منه الزبده۔ ہم نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ وَاِذْ
اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ
شَهِدْنَا ۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا
ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

اور وہ (دہشت کی شدت میں) سمجھے تھے کہ بس ان کے سروں پر آ گرا اور انہیں حکم دیا تھا کہ "یہ کتاب جو ہم نے دی ہے مضبوطی سے پکڑے رہو اور جو کچھ اس میں بتلایا گیا ہے اسے خوب طرح یاد رکھو- اور یہ اس لیے ہے کہ تم برائیوں سے بچو"

اور (اے پیغمبرؐ! وہ وقت بھی لوگوں کو یاد دلاؤ) جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی اس ذریت سے جو ان کے ہیکل سے (نسلاً بعد نسل) پیدا ہونے والی تھی عہد لیا تھا اور انہیں (یعنی ان میں سے ہر ایک کو اس کی فطرت میں) خود اس پر گواہ ٹھہرایا تھا: "کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟" سب نے جواب دیا تھا: "ہاں تو ہی ہمارا پروردگار ہے- ہم نے اس کی گواہی دی" اور یہ اس لیے کیا تھا کہ ایسا نہ ہو تم قیامت کے دن عذر کر بیٹھو کہ ہم اس سے بے خبر رہے (۱۷۲)

یا کہو خدایا! شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں نے کیا- ہم ان کی نسل میں بعد کو پیدا ہوئے (اور لاچار وہی چال چلے جس پر پہلوں کو چلتے پایا) پھر کیا تو ہمیں اس بات کے لیے ہلاک کرے گا جو (ہم سے پہلے) جھوٹی راہ چلنے والوں نے کی تھی؟ (۱۷۳)

اور (دیکھو) اس طرح ہم سچائی کی نشانیاں الگ الگ کر کے واضح کر دیتے ہیں تا کہ لوگ (حق کی طرف) لوٹ آئیں! (۱۷۴)

(ت) اس حقیقت کا اعلان کہ خدا کی ہستی کا اعتقاد انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے اور فطرت انسانی کی اصلی آواز "بلیٰ" ہے- یعنی تصدیق ہے، انکار نہیں ہے- اور اسی لیے کوئی انسان اپنی غفلت کے لیے معذور نہیں ہو سکتا اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ آباؤ اجداد کی گمراہی سے میں بھی گمراہ ہو گیا- کیونکہ اس کے وجود سے باہر گمراہی کے کتنے ہی موثرات جمع ہو جائیں لیکن اس کی فطرت کی اندرونی آواز کبھی دب نہیں سکتی بشرطیکہ وہ خود اس کے دبانے کے درپے نہ ہو جائے اور اس کی طرف سے کان بند نہ کر لے-

چونکہ آیت (۱۷۱) میں اس عہد کا ذکر کیا تھا جو دین کے اتباع کا بنی اسرائیل سے لیا تھا اس لیے یہاں واضح کر دیا گیا کہ پیغمبروں کی ہدایت کوئی نیا پیام انسان کو نہیں دیتی وہ اسی اعتقاد کی تجدید کرتی ہے جو اول دن سے فطرت انسانی میں ودیعت کر دیا گیا ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا
لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ
تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَاۗءَ
مَثَلَۨا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ

اور (اے پیغمبرؐ!) ان لوگوں کو اس آدمی کا حال (کلام الٰہی میں) پڑھ کر سناؤ جسے ہم نے اپنی نشانیاں دی تھی (یعنی دلائل حق کی سمجھ عطا کی تھی) لیکن پھر ایسا ہوا کہ اس نے (دانش وفہم کا) وہ جامہ اتار دیا- پس شیطان اس کے پیچھے لگا- نتیجہ یہ نکلا کہ گمراہوں میں سے ہوگیا- (۱۷۵)

اور اگر ہم چاہتے تو ان نشانیوں کے ذریعہ اس کا مرتبہ بلند کرتے (یعنی دلائل حق کا جو علم ہم نے دیا تھا وہ ایسا تھا کہ اگر اس پر قائم رہتا اور ہماری مشیت ہوتی تو بڑا درجہ پاتا) مگر وہ پستی کی طرف جھکا اور ہوائے نفس کی پیروی کی- تو اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی- مشقت میں ڈالو جب بھی ہانپے اور زبان لٹکائے- چھوڑ دو جب بھی ایسا ہی کرے- ایسی ہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں تو (اے پیغمبرؐ!) یہ حکایتیں لوگوں کو سناؤ- تا کہ ان میں غور وفکر کریں- (۱۷۶)

کیا ہی بری مثال ان لوگوں کی ہوئی جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں! وہ اپنے ہاتھوں خود اپنا ہی نقصان کرتے رہے! (۱۷۷) جس پر اللہ (کامیابی کی) راہ کھول دے تو وہی راہ پر ہے اور جس پر (کامیابی کی) راہ گم کر دے

---

(۲۵) پچھلی دعوتوں کا ذکر ختم ہوگیا- اب یہاں یہ حقیقت واضح کی ہے کہ جس طرح پچھلے عہدوں کی مفسد جماعتوں نے آخر تک سچائی کا مقابلہ کیا اسی طرح عرب کے مفسدین بھی کر رہے ہیں اور کبھی ایمان لانے والے نہیں- پس ان کی شرارتوں سے پریشان خاطر نہ ہو- نتیجہ کا انتظار کرو-

آیت (۱۷۵) میں غالباً عرب جاہلیت کے ایک حکیم شاعر امیہ بن عبداللہ ابی الصلت ثقفی کی طرف اشارہ ہے یہ غیر معمولی ذکاوت و استعداد کا آدمی تھا اور اہل کتاب کی صحبت میں رہ کر خدا پرستی و دینداری کے خیالات سے آشنا ہوگیا تھا- قدرتی طور پر ایسا شخص سب سے زیادہ مستحق تھا کہ اتباع حق کی اس سے توقع کی جاتی لیکن جب اسلام کا ظہور ہوا تو پیغمبر اسلام ﷺ کی فضیلت اس پر گراں گزری اور اس طمع میں پڑ گیا کہ خود ہی عرب کا پیغمبر کیوں نہ ہوا؟

نتیجہ یہ نکلا کہ ادراک حق کی جو توفیق ملی تھی ضائع گئی اور ہوائے نفس کی پیروی نے محروم و نامراد کر دیا-

کتے کی مثال میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم ان لوگوں سے تعرض کرو یا نہ کرو یہ اپنی مفسدانہ خصلت کا مظاہرہ ضرور کریں گے کیونکہ سچائی کی مخالفت ایسے لوگوں کی طبیعت ثانیہ ہو جاتی ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يُضْلِلْ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ
قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ
كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا
الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَاۗىِٕهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ

تو ایسے ہی لوگ ہیں جو گھاٹے ٹوٹے میں پڑے! (۱۷۸)

اور کتنے ہی جن اور انسان ہیں جنہیں ہم نے جہنم کے لیے پیدا کیا (یعنی بالآخران کا ٹھکانا جہنم ہونے والا ہے) ان کے پاس عقل ہے مگر اس سے سمجھ بوجھ کا کام نہیں لیتے - آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے - کان ہیں مگر ان سے سننے کا کام نہیں لیتے - وہ (عقل وحواس کا استعمال کھوکر) چارپایوں کی طرح ہوگئے - بلکہ ان سے بھی زیادہ کھوئے ہوئے - ایسے ہی لوگ ہیں جو یک قلم غفلت میں ڈوب گئے ہیں! (۱۷۹)

اور (دیکھو) اللہ کے لیے حسن وخوبی کے نام ہیں (یعنی صفتیں ہیں) سو تم انہی ناموں سے اسے پکارو اور جو لوگ اس کے ناموں میں کج اندیشیاں کرتے ہیں (یعنی ایسی صفتیں گھڑتے ہیں جو اس کے جمال و پاکی کے خلاف ہیں) تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو - وہ وقت دور نہیں کہ اپنے کیے کا بدلہ پالیں گے - (۱۸۰)

اور جن لوگوں کو ہم نے پیدا کیا ان میں ضرور ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو لوگوں کو سچائی کی راہ دکھاتا

(۲۶) قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ ہدایت وسعادت کی راہ عقل وتفکر کی راہ ہے اور گمراہی وشقاوت کا سرچشمہ جہل وکوری اور حواس وتفکر کو بیکار کر دینا ہے - جو لوگ خدا کی دی ہوئی عقل سے کام نہیں لیتے یا ہوائے نفس سے اس درجہ مغلوب ہو جاتے ہیں کہ ذہن وادراک کی قوتیں بیکار ہو جاتی ہیں وہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتے - (مزید تفصیل کے لیے تفسیر فاتحہ دیکھنی چاہیے)

چنانچہ یہاں انسان کی دماغی شقاوت کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے جب بڑے بوڑھوں کے تقلیدی اثرات سے یا ہوائے نفس کے غلبہ سے یا ذاتی طمع وبغض سے وہ اس درجہ مغلوب ہو جاتا ہے کہ عقل وحواس کی ساری روشنیاں اس کے لیے بیکار ہو جاتی ہیں - قرآن کہتا ہے ایسا ہی گروہ جہنمی گروہ ہے -

(۲۷) یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ معرفت حقیقت کی دو ہی راہیں ہیں: فکر اور نظر - ''فکر'' یہ کہ خدا کی دی ہوئی عقل سے کام لیں اور اپنے اندر سوچیں سمجھیں - ''نظر'' یہ کہ کارخانہ ہستی کے عجائب ودقائق کا مشاہدہ کریں اور اس سے بصیرت حاصل کریں - جو شخص ان دونوں باتوں سے محروم ہے وہ اندھا بہرا ہے اور گمراہی سے لوٹنے والا نہیں -

(۲۸) قرآن نے خدا کی صفتوں کا جو تصور ہم میں پیدا کرنا چاہا ہے وہ سراسر حسن وخوبی کا تصور ہے - چنانچہ وہ خدا کی تمام صفتوں کو ''حسنیٰ'' قرار دیتا ہے - یعنی خوبی وجمال کی صفتیں - یہ صفتیں کیا کیا ہیں؟ قرآن نے جا بجا بیان کی ہیں اور شمار کی گئیں ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ
لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى
اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ

ع ۲۲ ۱۲

اور سچائی ہی کے ساتھ ان میں انصاف بھی کرتا ہے۔ (۱۸۱)

اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں ہم انہیں درجہ بہ درجہ (آخری نتیجہ تک) لے جائیں گے۔ اس طرح کہ انہیں خبر بھی نہیں ہوگی۔ (۱۸۲) ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں (یعنی ہمارا قانون جزا ایسا ہے کہ نتائج بتدریج ظہور میں آتے ہیں اور مہلتوں پر مہلتیں ملتی رہتی ہیں) اور ہماری مخفی تدبیر بڑی ہی مضبوط ہے! (۱۸۳)

کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا؟ ان کے رفیق کو (یعنی پیغمبر اسلام کو جو انہی میں پیدا ہوا اور جس کی زندگی کی ہر بات ان کے سامنے ہے) کچھ دیوانگی تو نہیں لگ گئی ہے (کہ خواہ مخواہ ایک بات کے پیچھے پڑ کر سب کو اپنا دشمن بنا لے) وہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ (انکار و بدعملی کی پاداش سے) کھلے طور پر خبردار کر دینے والا ہے! (۱۸۴)

پھر کیا یہ نظر اٹھا کر آسمان و زمین کی بادشاہی اور جو کچھ خدا نے پیدا کیا ہے نہیں دیکھتے؟ نیز یہ بات کہ ہو سکتا ہے ان کا (مقررہ) وقت قریب آ گیا ہو؟ (اگر سوچنے سمجھنے کی یہ ساری باتیں انہیں ہوشیار نہیں کر سکتیں تو) پھر اس کے بعد اور کون سی بات ہو سکتی ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے؟ (۱۸۵) جس پر (کامیابی کی) راہ خدا گم کر دے (جیسے خدا کے ٹھہرائے ہوئے قانون نتائج

⇦ تو ۹۹ نکلیں۔ ان تمام صفتوں کے معانی پر غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا قرآن کا تصور کس درجہ بلند اور کامل ہے۔ صرف ان صفات کے معانی پر تدبر کر کے ہم کائنات ہستی کے بے شمار اسرار و دقائق کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یہاں جو کچھ ہے انہی صفات کا ظہور ہے۔

(۲۹) آیت (۱۸۱) میں عرب کے ان موحد اور راست باز انسانوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اپنا جوہر فکر و نظر ضائع نہیں کیا تھا اور دعوت حق کے شناسا ثابت ہوئے تھے۔

(۳۰) آیت (۱۸۳) میں قانون امہال کی طرف اشارہ ہے اور مفسدین مکہ کی نسبت خبر دی ہے کہ جزائے عمل کا قانون ان کی طرف سے غافل نہیں ہے۔ وہ بتدریج اس نتیجہ تک پہنچ کر رہیں گے جو انکار و سرکشی کا لازمی نتیجہ ہے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ چند برسوں کے اندر قریش مکہ کی ساری طاقت نابود ہو گئی (قانون امہال کے لیے دیکھو تفسیر فاتحہ)

(۳۱) داعیان حق کو ہمیشہ منکروں نے مجنون کہا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کو بھی اشرار مکہ مجنون کہا کرتے تھے۔ آیت (۱۸۴) اور (۱۸۵) میں فرمایا۔ یہ منکر نہ تو فکر سے کام لیتے ہیں نہ مشاہدہ و نظر سے۔ اگر فکر سے کام لیں تو پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی جو انہی میں پیدا ہوا اور انہی میں سے ہے سچائی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اگر نظر سے کام لیں تو آسمان و زمین کا ایک ایک ذرہ خدا کی ہستی اور اس کے مقررہ قوانین خلقت کی شہادت دے رہا ہے۔

غور کرو۔ قرآن کا طریق تلقین و استدلال کیا ہے اور مفسرین نے اسے کیا سے کیا بنا دیا ہے! (تفصیل کے لیے دیکھو تفسیر فاتحہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ وقف لازم وقف منزل
لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ
حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا
وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛۚ

کے مطابق کھویا جائے) تو پھر اس کے لیے کوئی راہ دکھانے والا نہیں- خدا (کے قانون) نے انہیں چھوڑ دیا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں! (۱۸۶)

(اے پیغمبرؐ!) لوگ تم سے (قیامت کے) آنے والے وقت کی نسبت پوچھتے ہیں کہ آخر وہ کب قرار پائے گا؟ تم کہہ دو اس کا علم تو میرے پروردگار کو ہے- وہی ہے جو اس بات کو اس کے وقت پر نمایاں کرنے والا ہے- وہ بڑا بھاری حادثہ ہے جو آسمانوں اور زمین میں واقع ہوگا- وہ تم پر نہیں آئے گا مگر اچانک-

(اے پیغمبرؐ!) یہ لوگ تم سے اس طرح پوچھ رہے ہیں گویا تم اس کی کاوش میں لگے ہوئے ہو- تم کہو حقیقت حال اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ صرف خدا ہی یہ بات جانتا ہے- لیکن اکثر آدمی ایسے ہیں جو اس حقیقت سے انجان ہیں- (۱۸۷)

(اے پیغمبرؐ!) تم کہہ دو "میرا حال تو یہ ہے کہ خود اپنی جان کا نفع نقصان بھی اپنے قبضے میں نہیں رکھتا- وہی ہو کر رہتا ہے جو خدا چاہتا ہے- اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو ضرور ایسا کرتا کہ بہت سی منفعت بٹور لیتا اور (زندگی میں) کوئی گزند مجھے نہ پہنچتا-

---

(۳۲) مشرکین مکہ انکار و تمسخر کی راہ سے پوچھتے تھے اگر سچ مچ کو قیامت آنے والی ہے تو کیوں نہیں بتلا دیتے کہ کب آئے گی؟ فرمایا وقت کا علم تو اللہ کو ہے- تمہارے لیے اس قدر جان لینا کافی ہے کہ جب آئے گی تو اچانک آ جائے گی- ڈھنڈورا پیٹ کر نہیں آئے گی-

(۳۳) "ثقلت فی السمٰوٰت والارض" سے معلوم ہوا وہ اجرام سماویہ کا ایک عظیم حادثہ ہوگا-

اس آیت اور اس کی ہم معنی آیات سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ قیامت کے آثار و مقدمات کے بارے میں جتنی باتیں مسلمانوں میں مشہور ہوگئی ہیں ان کا بڑا حصہ بے اصل ہے- کیونکہ اگر ایک واقعہ سے بہت پہلے اس کی ظاہر علامتیں یکے بعد دیگرے ظہور میں آنے والی ہوں اور ان کی خبر بھی دے دی گئی ہو تو اس واقعہ کا ہونا ناگہانی نہیں ہو سکتا- حالانکہ قرآن قطعی طور پر کہتا ہے کہ لوگ یکسر بے خبر ہوں گے اور قیامت اچانک نمودار ہو جائے گی-

(۳۴) انسان کی ایک عالمگیر گمراہی یہ رہی ہے کہ جب کوئی انسان روحانی عظمت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے تو لوگ چاہتے ہیں اسے انسانیت و بندگی کی سطح سے بلند کر کے دیکھیں لیکن قرآن نے پیغمبر اسلامؐ کی حیثیت ایسے صاف اور قطعی لفظوں میں واضح کر دی کہ ہمیشہ کے لیے اس گمراہی کا ازالہ ہو گیا- صرف یہی ایک بات ان کی صداقت کے اثبات کے لیے کفایت کرتی ہے- جو دنیا اپنے پیشواؤں کو خدا اور خدا کا بیٹا بنانے کی خواہش مند تھی اسلام کے پیغمبرؐ نے اس سے اتنا بھی نہ چاہا کہ کاہنوں کی طرح مجھے غیب داں تسلیم کر لو- زیادہ سے زیادہ بات جو ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ع ۲۲ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَّبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۸۸﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ ۚ فَلَمَّا أَثْقَلَت دَّعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا ۚ فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۱۹۰﴾ أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿۱۹۱﴾

میں اس کے سوا کیا ہوں کہ ماننے والوں کے لیے خبردار کر دینے والا اور بشارت دینے والا ہوں!'' (۱۸۸)

وہی (تمہارا پروردگار) ہے جس نے اکیلی جان سے تمہیں پیدا کیا (یعنی تمہارے قبیلوں اور گروہوں کا مورث اعلیٰ ایک فرد واحد تھا) اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنا دیا (یعنی مرد ہی کی نسل سے عورت بھی پیدا ہوتی ہے) تا کہ وہ اس کی رفاقت میں چین پائے۔ پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ مرد عورت کی طرف ملتفت ہوا[1] تو عورت کو حمل رہ جاتا ہے۔ پہلے حمل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے اور وہ وقت گزار دیتی ہے۔ پھر جب بوجھل ہو جاتی ہے (اور وہ وضع حمل کا وقت قریب آ لگتا ہے) تو مرد اور عورت دونوں اللہ کے حضور دعا مانگتے ہیں کہ ان کا پروردگار کرنے والا ہے: ''خدایا! ہم دونوں تیرے شکر گزار ہوں گے اگر ہمیں ایک تندرست بچہ عطا فرما دے!'' (۱۸۹)

پھر جب خدا نے انہیں ایک تندرست فرزند دے دیا تو جو چیز خدا نے دی اس میں دوسری ہستیوں کو شریک ٹھہرانے لگے۔ سو (یاد رکھو) یہ لوگ جیسی کچھ شرک کی باتیں کرتے ہیں۔ اس سے اللہ کی ذات بہت بلند ہے! (۱۹۰) یہ لوگ خدا کے ساتھ کن ہستیوں کو شریک ٹھہراتے ہیں؟ ایسوں کو جو کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے اور خود کسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ (۱۹۱)

⇦ اپنی نسبت سنائی' یہ تھی کہ ''انکار و بدعملی کے نتائج سے خبردار کر دینے والا اور ایمان و نیک عملی کی برکتوں کی بشارت دینے والا ایک بندہ ہوں۔ اگر میں غیب داں ہوتا تو زندگی کا کوئی گزند مجھے نہ پہنچتا۔ مجھے کیا معلوم قیامت کب آئے گی''

کیا ایسے انسان کی زبان سے سچائی کے سوا کوئی بات نکل سکتی ہے؟

چہ عظمت دادۂ یا رب بخلق آں عظیم الشاں
کہ ''انی عبدہ'' گوید بجائے قول ''سبحانی!''

(۳۵) آیت (۱۸۹) میں مشرکوں کی یہ گمراہی واضح کی ہے کہ اپنی احتیاجوں اور مصیبتوں میں خدا سے التجائیں کرتے ہیں لیکن جب مطلب حاصل ہو جاتا ہے' تو اسے ان آستانوں اور معبودوں کی بخشش سمجھنے لگتے ہیں جو انہوں نے ٹھہرا رکھے ہیں۔

چنانچہ مشرکین عرب مصیبتوں میں خدا ہی کو پکارتے تھے۔ لیکن جب مصیبت ٹل جاتی تو اپنے بنائے ہوئے آستانوں پر نذریں چڑھاتے اور اپنی اولاد کو ان کی طرف منسوب کرتے اور کہتے یہ انہی کی بخشش ہے کہ ہمیں اولاد ملی۔

---

[1] تغشاھا کے معنی یہ ہیں کہ جب ''وہ ڈھانپ لیتا ہے'' اور یہ عربی میں اس بات کے لیے کنایہ ہے جسے ہم نے اردو میں ''ملتفت ہونے'' سے ادا کیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ
سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ
اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ
لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا
شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾

ان میں نہ تو اس کی طاقت کہ ان کی مدد کریں- نہ اس کی کہ خود اپنی ذات ہی کو مدد پہنچا ئیں (۱۹۲)
اگر تم سیدھی راہ کی طرف بلاؤ تو تمہارے پیچھے قدم نہ اٹھا سکیں اور تم انہیں پکارو یا چپ رہو دونوں حالتوں کا نتیجہ تمہارے لیے یکساں ہو! (۱۹۳)
(نادانو!) تم خدا کے سوا جن ہستیوں کو پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح خدا کے بندے ہیں- اگر تم (اپنے اس وہم میں) سچے ہو (کہ ان میں ماورائے بشریت طاقتیں ہیں) تو اپنی احتیاجوں میں پکارو- وہ تمہاری پکار کا جواب دیں! (۱۹۴)
کیا ان (پتھر کی مورتیوں) کے پاؤں ہیں جن سے چلتے ہوں؟ ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہوں؟ آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہوں؟ کان ہیں جن سے سنتے ہوں؟ (اے پیغمبرؐ!) ان لوگوں سے کہو (اگر تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک تمہاری مدد کر سکتے ہیں تو) انہیں (جس قدر پکار سکتے ہو) پکار لو پھر (میرے خلاف اپنی ساری) مخفی تدبیریں کر ڈالو اور مجھے (اپنے جانتے) ذرا بھی مہلت نہ دو- (پھر دیکھو، نتیجہ کیا نکلتا ہے) (۱۹۵)
میرا کارساز تو بس اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی اور وہی ہے جو نیک انسانوں کی کارسازی کرتا ہے! (۱۹۶)

اس آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ شرک کی قسموں میں سے ایک قسم شرک فی التسمیہ ہے- یعنی غیر خدا کی طرف منسوب کر کے نام رکھنا- چنانچہ مشرکین عرب عبدالعزیٰ، عبدالشمس وغیرہا نام رکھتے تھے اور افسوس ہے کہ مسلمان بھی اب اسی طرح کے نام رکھنے لگے ہیں-
(۳۶) قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ روحانی اعتقاد کے ساتھ ایک بالاتر ہستی کو پکارنا بندگی و نیاز کا ایک ایسا فعل ہے جو صرف خدا ہی کے لیے ہونا چاہیے- اگر کسی دوسری ہستی کے لیے کیا گیا تو یہ شرک ہوگا-
یہی مقام ہے جہاں پیروان مذاہب نے ٹھوکر کھائی- وہ توحید ربوبیت میں نہیں کھوئے گئے- کیونکہ خالق و رب خدا ہی کو مانتے تھے- وہ توحید الوہیت میں گمراہ ہو گئے- یعنی اپنی دعاؤں اور منتوں مرادوں کے لیے بہت سے آستانے بنا لیے جسے قرآن "الٰہ" بنا لینے سے تعبیر کرتا ہے-
(۳۷) سورت کا مرکز موعظت یہ تھا کہ اوائل اسلام کی غربت و بے چارگی میں پیروان دعوت کو تسکین دی جائے اور یہ حقیقت ان کے دلوں پر نقش کر دی جائے کہ ظاہری اسباب کتنے ہی مخالف دکھائی دیتے ہوں بالآخر دعوت حق کی فتح مندی یقینی ہے، مخالف جماعتیں جس قدر اپنی سرگرمی میں بڑھتی جائیں گی اتنا ہی زیادہ ان کی تباہی کا وقت قریب آتا جائے گا- ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى
لَا يَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ
الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا
مَسَّهُمْ طٰۗىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ

تم اللہ کے سوا جنہیں پکارتے ہو یاد رکھو وہ نہ تو تمہاری مدد کرنے کی قدرت رکھتے ہیں نہ خود اپنی ہی مدد پر قادر ہیں۔ (۱۹۷)

(اے پیغمبرؐ!) اگر تم ان لوگوں کو سیدھے رستے بلاؤ تو کبھی تمہاری پکار نہ سنیں۔ تمہیں ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تمہاری طرف تک رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دیکھتے نہیں۔ (۱۹۸)

(بہرحال) نرمی و درگزر سے کام لو، نیکی کا حکم دو، جاہلوں کی طرف متوجہ نہ ہو۔ (۱۹۹) اور اگر ایسا ہو کہ شیطان کی طرف سے وسوسہ کی کوئی خلش محسوس ہو تو اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے پناہ طلب کرو۔ بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے[1] (۲۰۰)

جو لوگ متقی ہیں اگر انہیں شیطان کی وسوسہ اندازی سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو فوراً چونک اٹھتے ہیں اور پھر (پردۂ غفلت اس طرح ہٹ جاتا ہے گویا) اچانک ان کی آنکھیں کھل گئیں! (۲۰۱)

مگر جو لوگ شیطانوں کے بھائی بند ہیں تو انہیں وہ گمراہی میں کھینچے لیے جاتے ہیں اور پھر اس میں ذرا بھی

⇦ اب سورت کے تمام مواعظ پر دوبارہ نظر ڈالو اور دیکھو کس طرح سورت کی ابتدا ہوئی، کس طرح سلسلہ بیان کھلتا اور پھیلتا گیا اور کس طرح دین حق کے تمام مہمات و مقاصد اس پھیلاؤ میں سمٹ آئے پھر کس طرح مرکز بیان برابر ایک ہی رہا اور اب اسی پر خاتمہ ہو رہا ہے! چنانچہ یہاں واضح فرمایا کہ:

(ا) مشرکین مکہ دعوت حق کے خلاف کتنی ہی تدبیریں کریں کامیاب ہونے والی نہیں۔ کیونکہ اس مقابلہ میں حق تمہارے ساتھ ہے۔ ان کے ساتھ نہیں۔

(ب) جو لوگ تعصب اور ضد میں کھوئے گئے وہ کبھی ماننے والے نہیں۔

(ج) تمہارا طریق کار یہ ہونا چاہیے کہ ہر حال میں نرمی اور درگزر کا شیوہ ملحوظ رکھو اور نیکی کی دعوت دیتے رہو مگر جاہلوں کی طرف متوجہ نہ ہو۔

(د) اگر مخالفوں کے عناد، ناموافق حالات کے ہجوم اور اپنی بے چارگی و بے نوائی کے تصور سے مایوس کن خیالات پیدا ہونے لگیں تو سمجھ جاؤ یہ شیطانی وسوسہ ہے اور اللہ کی یاد سے اس کا علاج کرو۔

وساوس و خطرات سب کو گزرتے ہیں مگر جو لوگ متقی ہیں ان کا ضمیر ایسا بیدار ہو جاتا ہے کہ جونہی کوئی وسوسہ گذرا معاً چونک اٹھے اور راستی و نیکی کی روشنی نمودار ہو گئی۔ مگر جو لوگ ایمان و تقویٰ سے محروم ہیں وہ اپنے آپ کو وساوس کے ہاتھوں چھوڑ دیتے ہیں۔ جدھر لے جائیں اور جہاں تک لے جائیں کھنچے چلے جائیں گے۔

---

[1] قرآن کا یہ عام اسلوب بیان یاد رہے کہ خطاب پیغمبر سے ہوتا ہے اور مقصود اس کے پیرو ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعد کی آیات نے یہ بات واضح کر دی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿٢٠٢﴾ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ
مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٢٠٣﴾ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ
فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٢٠٤﴾ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ
الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا
يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ ۩

الثلثة السجدة

کمی نہیں کرتے۔ (۲۰۲)

اور (اے پیغمبرؐ!) جب ایسا ہوتا ہے کہ تم ان کے پاس کوئی نشانی لے کر نہ جاؤ (جیسی نشانیوں کی وہ فرمائشیں کیا کرتے ہیں) تو کہتے ہیں ''کیوں کوئی نشانی پسند کر کے نہ چن لی'' (یعنی کیوں اپنے جی سے نہ بنالی)۔

تم کہہ دو ''حقیقت حال اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ جو کچھ میرے پروردگار کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے اس کی پیروی کرتا ہوں (میرے ارادے اور پسند کو اس میں کیا دخل؟) یہ (قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے سرمایہ دلائل ہے اور ان سب کے لیے جو یقین رکھنے والے ہیں ہدایت اور رحمت!'' (۲۰۳)

اور (مسلمانو!) جب قرآن پڑھا جائے تو جی لگا کر سنو اور چپ رہو تا کہ اللہ کی مہربانی کے مستحق ثابت ہو۔ (۲۰۴)

اور (اے پیغمبرؐ!) اپنے پروردگار کو صبح و شام یاد کیا کر۔ دل ہی دل میں عجز و نیاز کے ساتھ ڈرتے ہوئے اور زبان سے بھی آہستہ آہستہ بغیر پکارے۔ اور ایسا نہ کرنا کہ غافلوں میں سے ہو جاؤ۔ (۲۰۵)

جو اللہ کے حضور (مقرب) ہیں وہ کبھی بڑائی میں آ کر اس کی بندگی سے نہیں جھجکتے۔ وہ اس کی پاکی و ثناء میں زمزمہ سنج رہتے رہیں اور اسی کے آگے سربسجود ہوتے ہیں! (۲۰۶)

(ہ) کلام الٰہی کا جی لگا کر سننا وساوس و خطرات کے اثرات دور کر دیتا ہے۔

آیت (۱۹۹) مہمات اصول میں سے ہے۔ چند لفظوں کے اندر زندگی کی اخلاقی مشکلات کا پورا حل اور فضیلت و کامرانی کے تمام طریقے واضح کر دیے: اخذ بالعفو' امر بالمعروف' اعراض عن الجاہلین یعنی ناسمجھوں کی ناسمجھی بخش دینی' جاہلوں کے پیچھے نہ پڑنا اور نیکی کی دعوت میں سرگرم رہنا۔ سرسری نظر میں پتہ نہیں لگے گا۔ اچھی طرح اور بار بار غور کرو۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کون سا گوشہ ہے جس کی ساری عملی مشکلات ان تین اصلوں سے حل نہیں ہو جاتیں؟

(۳۸) آیت (۱۹۸) میں فرمایا حقیقت یہ ہے کہ تجھے دیکھتے نہیں کیونکہ اگر دیکھتے تو کبھی انکار نہ کرتے۔ سو ایک دیکھنا سلمان فارسی کا تھا جو پہلی ہی نگاہ میں پکار اٹھا: واللہ ما ھذا بوجہ کذاب! خدا کی قسم' یہ صورت جھوٹے آدمی کی نہیں ہو سکتی۔ اور ایک دیکھنا ابوجہل کا تھا کہ ما لھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰیاتُھا: 75 سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھا: 10

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ① اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ② الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ③ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ

(اے پیغمبرؐ!) لوگ تم سے پوچھتے ہیں مال غنیمت کے بارے میں کیا ہونا چاہیے؟ کہہ دو مال غنیمت دراصل اللہ اور اس کے رسول کا ہے- پس اگر تم مومن ہو تو چاہیے کہ (اس کی وجہ سے آپس میں جھگڑا نہ کرو) اللہ سے ڈرو اپنا باہمی معاملہ درست رکھو اور اس کے رسول کی اطاعت میں سرگرم ہو جاؤ- (۱)

مومنوں کی شان تو یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ ہر حال میں اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں! (۲) جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے (ایک حصہ ہماری راہ میں بھی) خرچ کرتے ہیں- (۳) بلاشبہ ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں- ان کے لیے ان کے پروردگار کے یہاں مرتبے ہیں اور بخشائش اور بڑی خوبی و عزت کی روزی! (۴)

۱ مکہ میں جب پیغمبر اسلام کی دعوت کا ظہور ہوا تو قدرتی طور پر دو گروہ پیدا ہو گئے- ایک ان لوگوں کا تھا جنہوں نے یہ دعوت قبول کی- دوسرا تمام قوم اور اس کے سرداروں کا جو اس کے مخالف تھے- غور کرو دونوں میں بنائے نزاع کیا تھی؟ پیرواں دعوت کہتے تھے انہیں حق ہے کہ جس بات کو درست سمجھیں اختیار کریں- مخالف کہتے تھے انہیں یہ حق حاصل نہیں- یعنی وہ انسان کے اعتقاد و ضمیر کی آزادی تسلیم نہیں کرتے تھے- وہ چاہتے تھے بزور شمشیر مسلمانوں کو ان کے اعتقاد سے پھرا دیں-

پیغمبر اسلام نے تیرہ برس تک ہر طرح کے مظالم برداشت کیے- آخر جب مکہ میں زندہ رہنا دشوار ہو گیا تو مدینہ چلے آئے- لیکن قریش مکہ نے یہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا- پے در پے حملے شروع کر دیے-

اب پیغمبر اسلام کے سامنے تین راہیں تھیں:

(الف) جس بات کو حق سمجھتے ہیں اس سے دست بردار ہو جائیں-

(ب) اس پر قائم رہیں مگر مسلمانوں کو قتل ہونے دیں-

(ج) ظلم و تشدد کا مردانہ وار مقابلہ کریں اور نتیجہ خدا کے ہاتھ چھوڑ دیں-

انہوں نے تیسری راہ اختیار کی اور نتیجہ وہی نکلا جو ہمیشہ نکل چکا ہے یعنی حق فتح مند ہوا اور ظالموں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا-

قرآن نے جس لڑائی کو جائز رکھا اس کی اصلیت اس سے زیادہ کچھ نہیں-

چونکہ لڑائی کی حالت پیش آ گئی تھی اس لیے اس کے ضروری احکام بیان کر دیے گئے- ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّاۗىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸ اِذْ

(اس معاملہ کو بھی ویسا ہی سمجھ) جس طرح (جنگ بدر میں) یہ بات ہوئی تھی کہ تیرے پروردگار نے سچائی کے ساتھ تجھے تیرے گھر سے باہر نکالا تھا اور یہ واقعہ ہے کہ مومنوں کا ایک گروہ اس بات سے ناخوش تھا۔ (۵)

وہ تجھ سے امر حق میں جھگڑنے لگے باوجودیکہ معاملہ واضح ہو چکا تھا۔ (وہ باہر نکل کر مقابل ہونے سے اس درجہ ناخوش تھے) گویا انہیں زبردستی موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے اور وہ (اپنی موت اپنی آنکھوں سے) دیکھ رہے ہیں! (۶) اور (مسلمانو!) جب ایسا ہوا تھا کہ اللہ نے تم سے وعدہ فرمایا۔ (دشمنوں کی) دو جماعتوں میں سے کوئی ایک تمہارے ہاتھ ضرور آئے گی۔ اور تمہارا حال یہ تھا کہ چاہتے تھے جس جماعت میں لڑائی کی طاقت نہیں (یعنی قافلہ والی) وہ ہاتھ آ جائے اور (خدا کا چاہنا دوسرا تھا) خدا چاہتا تھا اپنے وعدہ کے ذریعہ حق کو ثابت کر دے اور دشمنان حق کی جڑ بنیادیں کاٹ کر رکھ دے! (۷) (اور) یہ اس لیے تا کہ حق کو حق کر کے دکھلا دے اور باطل کو باطل کر کے۔ اگرچہ (ظلم وفساد کے) مجرم ایسا ہونا پسند نہ کریں۔ (۸) جب ایسا ہوا تھا کہ (جنگ بدر

اس سورت میں اور اس کے بعد کی سورت میں تذکیر و موعظت کا مرکز یہی حالت ہے۔

(۲) مال غنیمت جو لڑائی میں ہاتھ آئے وہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے یعنی یہ بات نہیں ہونی چاہیے کہ جو جس کے ہاتھ پڑ گیا وہ اسی کا ہو گیا بلکہ سب کچھ امام کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ وہ اسے جماعت میں تقسیم کرے گا۔

(۳) امن کی حالت ہو یا لڑائی کی لیکن مسلمانوں کو باہم دگر صلح وصفائی کے ساتھ رہنا چاہیے۔

(۴) ہر حال میں تقویٰ اور اطاعت ان کا نصب العین ہو کہ بغیر اس کے کامیابی ممکن نہیں۔

(۵) سچا مومن وہ ہے جس کی روح خدا پرستی سے معمور رہتی ہے، جس کا ایمان گھٹنے کی جگہ برابر بڑھتا رہتا ہے، جو نماز قائم رکھتا اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے کبھی نہیں تھکتا۔

(۶) یہ آیت اس باب میں قاطع ہے کہ قرآن کے نزدیک ایمان کی ہر حالت یکساں نہیں۔ وہ گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے، نفس تصدیق کے لحاظ سے سب برابر ہیں کیفیت ویقین میں تفاوت ہے۔

☆☆ (۷) عرب جاہلیت میں دستور تھا کہ لڑائی میں جو مال جس کے ہاتھ لگ جائے وہ اسی کا سمجھا جاتا تھا۔ رومیوں میں بھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝٩ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا
بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝١٠ اِذْ ع ۱۵
يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ
الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝١١ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ

کے موقع پر) تم نے اپنے پروردگار سے فریاد کی تھی کہ ہماری مدد کر اور اس نے تمہاری فریاد سن لی تھی- اس نے کہا تھا "میں ایک ہزار فرشتوں سے کہ یکے بعد دیگرے آئیں گے تمہاری مدد کروں گا"- (۹) اور اللہ نے یہ بات جو کی تو اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ (تمہارے لیے) خوشخبری ہو اور تمہارے (مضطرب دل) قرار پا جائیں- ورنہ مدد تو (ہر حال میں) اللہ کی طرف سے ہے- بلاشبہ وہ (سب پر) غالب آنے والا (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۱۰) جب ایسا ہوا تھا کہ اس نے چھا جانے والی غنودگی تم پر طاری کر دی تھی کہ یہ اس کی طرف سے تمہارے لیے تسکین و بے خوفی کا سامان تھا اور آسمان سے تم پر پانی برسا دیا تھا کہ تمہیں پاک وصاف ہونے کا موقع دے دے اور تم سے شیطان (کے وسوسوں) کی ناپاکی دور کر دے- نیز تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھ جائے اور (ریتلے میدانوں میں) قدم جما دے! (۱۱) (اے پیغمبرؐ!) یہ وہ وقت تھا کہ تیرے پروردگار نے

ایسا ہی دستور تھا اور آج کل بھی یورپ کی تمام قوموں میں ایسا ہی قانون رائج ہے- جس شہر یا قلعہ کو فوج حملہ کر کے فتح کر لیتی ہے ایک خاص وقت تک اسے لوٹنے کا حق ہوتا ہے- چنانچہ ہندوستان میں انگریزی فوج نے سرنگاپٹم' بھرت پور اور حیدر آباد سندھ کو بے دریغ لوٹا اور غدر ۱۸۵۷ء میں جب دہلی فتح ہوئی تو سات دن تک فوجیوں کو لوٹ مار کی اجازت دے دی گئی تھی- لیکن قرآن نے یہ حکم دے کر کہ مال غنیمت جو کچھ بھی ہاتھ آئے حکومت (یعنی اسٹیٹ) کا ہے نہ کہ لوٹنے والوں کا' سپاہیوں کی ذاتی طمع وحرص کے ابھرنے کی راہ روک دی-

چونکہ یہ نئی قسم کی سختی تھی اس لیے ناگزیر تھا کہ لوگوں پر شاق گزرے- پس پہلے تقویٰ اور اطاعت کی تلقین کی پھر سچے مومنوں کی شان بتلائی پھر آیت (۵) میں فرمایا اس معاملہ کو بھی ویسا ہی معاملہ سمجھو جیسا بدر میں پیش آیا تھا- لوگوں کی خواہش دوسری تھی- اللہ کے رسول کا فیصلہ دوسرا تھا- لیکن بالآخر سب نے دیکھ لیا کہ حق بات وہی تھی جو اللہ کے رسول نے چاہی تھی-

(۸) وہ معاملہ یہ تھا کہ ہجرت کے دوسرے سال جب رؤسائے مکہ نے مدینہ پر حملہ کیا تو اسی زمانہ میں ان کا ایک تجارتی قافلہ بھی شام سے مکہ آ رہا تھا اور مدینہ کے قرب و جوار سے ہو کر گزرنے والا تھا- پیغمبر اسلام ﷺ نے وحی الٰہی سے مطلع ہو کر فرمایا ایک گروہ مکہ سے آ رہا ہے- دوسرا قافلہ ہے- ان دو میں سے کسی ایک سے ضرور جنگ ہوگی' اور تم کامیاب ہو گے- چونکہ قافلہ کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی تھے اس لیے مسلمانوں کی خواہش تھی کہ اسی سے مقابلہ ہو- مکہ والی فوج سے نہ لڑیں کیونکہ خود بڑی ہی کمزوری اور بے سروسامانی کی حالت میں تھے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ
وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ
يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ

فرشتوں پر وحی کی تھی میں تمہارے ساتھ ہوں (یعنی میری مدد تمہارے ساتھ ہے) پس مومنوں کو استوار رکھو۔ عنقریب ایسا ہوگا کہ میں کافروں کے دلوں میں (مومنوں کی) دہشت ڈال دوں گا۔ سو (مسلمانو!) ان کی گردنوں پر ضرب لگاؤ! ان کے ہاتھ پاؤں کی ایک ایک انگلی پر ضرب لگاؤ! (۱۲)

اور یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا تو یاد رکھو اللہ (پاداش عمل میں) سخت سزا دینے والا ہے! (۱۳)

(اے اعدائے حق!) یہ ہے سزائے تمہارے لیے تو اس کا مزہ چکھ لو اور جان رکھو منکرین حق کو آتش دوزخ کا عذاب بھی پیش آنے والا ہے! (۱۴)

مسلمانو! جب کافروں کے لشکر سے تمہاری مٹھ بھیڑ ہو جائے (یعنی وہ تم پر ہجوم کر کے چڑھ دوڑیں اور تم مقابل ہو) تو انہیں پیٹھ نہ دکھاؤ (سینہ سپر ہو کر مقابلہ کرو) (۱۵) اور جو کوئی ایسے موقع پر پیٹھ دکھلائے گا تو سمجھ لو وہ خدا کے غضب میں آ گیا اور اس

مگر پیغمبر اسلام ﷺ نے لوگوں کے ان خیالات کی کچھ پروا نہ کی اور حملہ آوروں کے مقابلہ کا فیصلہ کر لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تین سو تیرہ بے نواؤں نے روسائے مکہ کے پورے لشکر کو شکست دے دی!

آیت (۷) میں "غیر ذات الشوکة" سے قافلہ والی جماعت مراد ہے۔ آیت (۶) میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ ایک فریق نے پیغمبر اسلام ﷺ کا فیصلہ مان لیا تھا مگر دل میں سخت ہراساں تھا۔ نکلا تو اس طرح ڈرتا ہوا نکلا گویا موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے۔

(۹) آیت (۱۰) سے واضح ہو گیا کہ فرشتوں والی بات صرف اس لیے تھی کہ کمزور مسلمانوں کے دل قرار پا جائیں۔ یہ بات نہ تھی کہ لڑائی لڑنے میں اسے کچھ دخل ہو۔ چنانچہ محققین تفسیر و حدیث اسی طرف گئے ہیں کہ فرشتوں کا نزول مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط رکھنے کے لیے ہوا تھا۔ لڑائی میں ان کی شرکت ثابت نہیں۔ نہ اس کی کوئی ضرورت پیش آئی تھی۔ اور آیت (۱۲) میں "فاضربوا" کا خطاب مسلمانوں سے ہے نہ کہ فرشتوں سے۔ مسلمانوں کے دلوں کو تھامے رکھنے کے لیے جو فرشتوں کا نزول ہوا اس کی حقیقت کیا تھی؟ تو یہ معاملہ بھی عالم غیب کے حقائق سے تعلق رکھتا ہے۔ ہم اپنے ذہن و ادراک سے اس کی حقیقت معلوم نہیں کر سکتے۔

(۱۰) بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کی حالت بڑی ہی بے بسی اور کمزوری کی تھی۔ کل تین سو تیرہ آدمی لڑنے کے قابل تھے اور ان کا بھی یہ حال تھا کہ ایک آدمی کے سوا کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا۔ پس قدرتی طور پر لوگ ہراساں ہوئے۔ اور جو دل کے کچے تھے انہیں طرح طرح کے وسوسے ستانے لگے۔ پھر بڑی مصیبت یہ ہوئی کہ پانی کی جگہ ایک ہی تھی۔ اس پر دشمن قابض ہو گیا۔ علاوہ بریں زمین ریتلی تھی۔ پاؤں ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٧﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ
مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٨﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَاۗءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ ع ۲
وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـــًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩﴾

کا ٹھکانا دوزخ ہوا (اور جس کا ٹھکانا دوزخ ہوا تو) اس کے پہنچنے کی جگہ کیا ہی بری جگہ ہے! مگر (ہاں) جو کوئی لڑائی کی مصلحت سے ہٹ جائے یا (اپنے گروہوں میں سے) کسی گروہ کے پاس جگہ لینی چاہے (اور اس لیے ایک جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ جائے) تو اس کا مضائقہ نہیں) (۱۶)

پھر کیا تم نے انہیں (جنگ میں) قتل کیا؟ نہیں خدا نے کیا (یعنی محض اس کی تائید سے ایسا ہوا) اور (اے پیغمبر!) جب تم نے (میدان جنگ میں مٹھی بھر کر خاک) پھینکی تو حقیقت یہ ہے کہ تم نے نہیں پھینکی تھی خدا نے پھینکی تھی اور یہ اس لیے ہوا تھا تا کہ اس کے ذریعہ ایمان والوں کو ایک بہتر آزمائش میں ڈال کر آزمائے۔ بلاشبہ اللہ سننے والا علم رکھنے والا ہے! (۱۷) یہ سب تو ہو چکا۔ اب سن رکھو کہ اللہ کافروں کی مخفی تدبیروں کو (جو وہ دعوت حق کے مٹانے کے لیے کر رہے ہیں) کمزور کر دینے والا ہے! (۱۸)

(اے روسائے مکہ) اگر تم فتح مندی کے ظہور کے طلبگار تھے تو دیکھ لو فتح مندی تمہارے سامنے آ گئی (یعنی جنگ بدر کے نتیجہ نے ہار جیت کا فیصلہ آشکارا کر دیا) اور اگر (آئندہ لڑائی سے) باز آ جاؤ تو تمہارے لیے بہتری کی بات یہی ہے۔ اور اگر پھر یہی چال چلے تو ہم بھی چال چلیں گے۔

⇦ دھنس دھنس جاتے تھے۔ دشمن سوار تھے۔ ان کا کچھ نہ بگڑتا۔ مسلمان پیدل تھے ان کے پاؤں نہ جمتے۔ آیت (۱۱) میں فرمایا۔ غور کرو۔ خدا کی کارسازی نے کس طرح یہ ساری مشکلیں حل کر دیں؟ اس نے دلوں کو چین دینے کے لیے تم سب پر نیند غالب کر دی۔ اٹھے تو دل کا سارا خوف و ہراس دور ہو چکا تھا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ بدر کی پہلی رات کوئی نہ تھا جو آرام سے سو نہ گیا ہو۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر عبادت کرتے رہے (بیہقی فی الدلائل) اور معلوم ہے جس کے دل میں خوف و خطر ہو وہ کبھی آرام سے سو نہیں سکتا۔ پس اس نیند کا طاری ہو جانا بے خوفی کا القا تھا۔ پھر عین موقع پر بارش ہو گئی اور افراط کے ساتھ سب کو پانی میسر آ گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ نہا دھو کر صاف ستھرے ہو گئے۔ کوئی نہ تھا جو چست و چاق اور تازہ دم نہ ہو گیا ہو۔ بارش کی وجہ سے ریت بھی جم کر سخت ہو گئی۔ پاؤں کے دھنس جانے کا اندیشہ جاتا رہا۔ اپنی کامیابی کی طرف سے بے اعتمادی و مایوسی جو دراصل شیطانی وسوسے کی ناپاکی تھی اب کسی کے دل میں باقی نہیں رہی!

آج کل فن جنگ میں جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ سپاہیوں کی اسپرٹ یعنی معنوی قوئی درست رکھے جائیں۔ یہاں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے صرف اس بات نے کہ پانی کی ضرورت باقی نہیں رہی ریت میں دھنسنے کا خطرہ جاتا رہا اور نہا دھو لینے کی وجہ سے جسم میں تازگی آ گئی لوگوں کے اندر جس درجہ خود اعتمادی اور سرگرمی پیدا کر دی ہو گی اس کا اندازہ صرف اہل نظر ہی کر سکتے ہیں۔

(۱۱) بعض اوقات قدرتی حوادث کا ایک معمولی سا واقعہ بھی فتح و شکست کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ جنگ واٹرلو کے تمام مورخین متفق ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ
قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝
وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ

اور یاد رکھو، تمہارا جتھا تمہارے کچھ کام نہ آئے گا اگرچہ بہت سے آدمی اکٹھے کرلو- یقین کرو اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے! (۱۹) مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو- اس سے روگردانی نہ کرو اور تم (صدائے حق) سن رہے ہو! (۲۰) اور دیکھو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے (زبان سے) کہا تھا ''ہم نے سنا'' اور واقعہ یہ تھا کہ وہ سنتے نہ تھے! (۲۱) یقیناً اللہ کے نزدیک سب سے بدتر حیوان وہ (انسان) ہیں جو بہرے گونگے ہو گئے جو کچھ سمجھتے نہیں! (۲۲) اور اگر اللہ دیکھتا کہ ان میں کچھ بھی بھلائی ہے (یعنی ان میں فہم وقبول حق کی کچھ بھی استعداد باقی ہے) تو ضرور انہیں سنوا دیتا' اور اگر وہ انہیں سنوائے (حالانکہ وہ جانتا ہے کہ قبولیت کی استعداد کھو چکے ہیں) تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ اس سے منہ پھیر لیں گے' اور وہ اس سے پھرے ہوئے ہیں- (۲۳)

مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو! جب وہ پکارتا ہے تاکہ تمہیں (روحانی موت کی حالت سے نکال کر) زندہ کردے اور جان لو کہ (بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ) اللہ (اپنے ٹھہرائے ہوئے قوانین واسباب کے ذریعہ) انسان اور اس کے

⇦ ہیں کہ اگر ۱۷- اور ۱۸ جون ۱۸۱۵ء کی درمیانی رات میں بارش نہ ہوئی ہوتی' تو یورپ کا نقشہ بدل گیا ہوتا- کیونکہ اس صورت میں نپولین کو زمین خشک ہونے کا بارہ بجے تک انتظار نہ کرنا پڑتا- سویرے ہی لڑائی شروع کر دیتا- نتیجہ یہ نکلتا کہ بلوشر کے پہنچنے سے پہلے ویلنگٹن کو شکست ہو جاتی-

واٹرلو میں اگر بارش نہ ہوئی ہوتی تو یورپ کا سیاسی نقشہ بدل جاتا' لیکن اگر بدر میں نہ ہوئی ہوتی تو کیا ہوتا؟ تمام کرہ ارضی کی ہدایت وسعادت کا نقشہ الٹ جاتا- اسی طرف پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی دعا میں اشارہ کیا تھا: اللھم ان تھلك ھذہ العصابة فلا تعبد فی الارض! خدایا! اگر خدام حق کی یہ چھوٹی سی جماعت آج ہلاک ہوگئی تو کرہ ارضی میں تیرا سچا عبادت گذار کوئی نہیں رہے گا!

☆☆ (۱۲) آیت (۱۵) سے جو اوپر گزر چکی ہے معلوم ہوا کہ اگر دشمن جمع ہو کر مسلمانوں پر چڑھ دوڑیں تو لڑائی سے بھاگنا مسلمانوں کے لیے سخت گناہ کی بات ہے اور اس کے لیے بڑی ہی سخت وعید آئی ہے-

لیکن اگر دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہو تو پھر کیا کرنا چاہیے؟

اسی سورت کی آیت (۶۶) سے معلوم ہوا کہ میدان جنگ میں ایک مسلمان کو کم از کم دو دشمنوں پر بھاری ہونا چاہیے- پس اگر دشمن ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ
تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ع ۳ ۹ ۷

دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور جان لو کہ (آخر کار) اسی کے حضور جمع کیے جاؤ گے! (۲۴)

اور اس فتنہ سے بچتے رہو جو اگر اٹھا تو اس کی زد صرف انہی پر نہیں پڑے گی جو تم میں ظلم کرنے والے ہیں بلکہ سبھی اس کی لپیٹ میں آ جائیں گے اور جان لو کہ اللہ (بدعملیوں کی) سزا دینے میں سخت ہے! (۲۵)

اور وہ وقت یاد کرو جب (مکہ میں) تمہاری تعداد بہت تھوڑی تھی اور تم ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے۔ تم اس وقت ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک نہ لے جائیں۔ پھر اللہ نے تمہیں (مدینہ میں) ٹھکانا دیا' اپنی مددگاری سے قوت بخشی اور اچھی چیزیں دے کر رزق کا سامان مہیا کر دیا تا کہ تم شکرگزار ہو! (۲۶)

مسلمانو! ایسا نہ کرو کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کرو اور نہ یہ کہ آپس کی امانتوں میں خیانت کرو اور تم اس بات سے ناواقف نہیں ہو۔ (۲۷)

اور یاد رکھو تمہارا مال اور تمہاری اولاد (تمہارے لیے) ایک آزمائش ہے اور یہ بھی نہ بھولو کہ اللہ ہی ہے جس کے پاس (بخشنے کے لیے) بہت بڑا اجر ہے! (۲۸)

⇦ دوگنے سے بھی زیادہ ہوں اور مسلمان لڑنے میں مصلحت نہ سمجھیں تو ایسا کر سکتے ہیں لیکن اس صورت میں بھی عزیمت یہی ہوگی کہ خدا پر بھروسہ رکھیں اور لڑنے سے منہ نہ موڑیں۔ اس حکم کو خاص جنگ بدر کے لیے سمجھنا صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ کہ خصوص سبب کا اور آیت میں یوم مند سے مراد لڑائی کا وقت ہے۔ نہ کہ جنگ بدر کا دن۔

(۱۳) آیت (۱۸) میں فرمایا: میدان جنگ کا فیصلہ تو ہو چکا۔ اب رہیں دشمنوں کی خفیہ تدبیریں تو وہ بھی سست پڑ جائیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بدر کے بعد قریش مکہ کی کوئی تدبیر بھی ان کے لیے سودمند نہ ہوئی۔

(۱۴) کفار مکہ کہا کرتے تھے۔ اگر خدا تمہیں فتح مند کرنے والا ہے تو وہ فتح مندی کہاں ہے؟ خود جنگ بدر میں ابوجہل نے دعا مانگی تھی۔ خدایا! دونوں میں سے جو دین تجھے پسند ہو اس کے ماننے والوں کو فتح مند کر! پس آیت (۱۹) میں فرمایا۔ اگر اسی بات کے طلب گار تھے تو وہ ظہور میں آ گئی اور اہل حق کو خدا نے فتح مند کر دیا۔

نیز فرمایا "اگر باز آ جاؤ" یعنی اگر اب بھی ظلم و سرکشی سے باز آ جاؤ اور محض اختلاف دین کی بنا پر مسلمانوں کی ہلاکت کے درپے نہ ہو تو تمہارے لیے سراسر بہتری ہے۔ اس سے اندازہ کرو کہ کس طرح پیغمبر اسلام ﷺ نے آخر تک جنگ و خونریزی سے بچنا چاہا اور فتح و کامرانی کے بعد بھی امن و صلح کی دعوت دیتے رہے؟ اگر جنگ بدر کے بعد قریش مکہ ظلم و عداوت سے باز آ جاتے تو ظاہر ہے بعد کی جنگوں کی نوبت ہر گز نہ آتی۔ اگرچہ نتیجہ وہی نکلتا۔ یعنی اسلام کی دعوت تمام جزیرہ عرب کو فتح کر لیتی۔

(۱۵) آیت (۲۱) میں اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے کہ تورات و انجیل سنتے تھے مگر حقیقتاً نہیں سنتے تھے کیونکہ اگر سمجھ کر سنتے تو عمل کرتے۔ ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاۗءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ

مسلمانو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو (اور اس کی نافرمانی سے بچو) تو وہ تمہارے لیے (حق و باطل میں) امتیاز کرنے والی ایک قوت پیدا کر دے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور بخش دے گا۔ اللہ تو بہت بڑا فضل کرنے والا ہے! (۲۹)

اور (اے پیغمبرؐ!) وہ وقت یاد کر جب (مکہ میں) کافر تیرے خلاف اپنی چھپی تدبیروں میں لگے تھے تاکہ تجھے گرفتار کر رکھیں یا قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کر دیں اور وہ اپنی مخفی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی مخفی تدبیریں کر رہا تھا۔ اور اللہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے! (۳۰)

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں "ہاں ہم نے سن لیا۔ اگر چاہیں تو ہم بھی اس طرح کی باتیں کہہ لیں۔ یہ اس کے سوا کیا ہے کہ جو پہلے گزر چکے ان کی لکھی ہوئی داستانیں ہیں" (۳۱)

اور (اے پیغمبرؐ!) جب ایسا ہوا تھا کہ (کفار مکہ نے) کہا تھا "خدایا! اگر یہ بات (یعنی پیغمبر اسلامؐ کی دعوت) تیری جانب

⇦ افسوس، مسلمانوں کا بھی قرآن سننا ویسا ہی سننا ہو گیا۔ وہ سمجھتے ہیں جن حرفوں کی آوازوں سے قرآن کے الفاظ بنے ہیں انہیں کسی نہ کسی طرح کان میں ڈال لینا سماعت قرآن ہے۔ اس سے زیادہ کسی بات کی ضرورت نہیں۔

(۱۶) آیت (۲۲) سے جلد نہ گزر جاؤ۔ یہ وہی بات ہے جو قرآن کے ہر صفحہ اور ہر بیان میں بار بار نمایاں ہوئی ہے۔ یعنی اس کی دعوت سراسر تعقل و تفکر کی دعوت ہے۔ جو انسان اپنے حواس و عقل سے کام نہیں لیتا وہ اس کے نزدیک انسان نہیں بدترین چارپایہ ہے۔ نیز وہ فکر و عمل کی جس حالت کو کفر کی حالت قرار دیتا ہے اس کا سرچشمہ یہی عقل و حواس کا تعطل ہے۔

(۱۷) آیت (۲۲) میں فرمایا پیغمبر اسلامؐ کی دعوت اس لیے ہے کہ تمہیں زندہ کر دے۔ یعنی وہ انسانیت اعلیٰ کے انبعاث و قیام کی دعوت ہے۔ غور کرو اس دعوت نے وقت کی تمام مردہ جماعتوں کو کس طرح قبروں سے اٹھا کر زندگی کے میدانوں میں متحرک کر دیا تھا؟ اس سے بڑھ کر مردوں کو جلانا اور کیا ہو گا کہ عرب کے ساربانوں میں ابوبکر، عمر، علی، عائشہ، خالد، ابن ابی وقاص، ابن العاص (رضی اللہ عنہم) جیسے اکابر عالم پیدا ہو گئے اور پچاس برس کے اندر کرہ ارضی کی سب سے بڑی مہذب و اشرف قوم عرب کے وحشی تھے۔

پھر فرمایا یہ بات نہ بھولو کہ انسان کے افکار و افعال میں حکمت الٰہی کا ایک خاص قانون کام کر رہا ہے۔ بسا اوقات اس کے ارادوں اور اس کے دل کے جذبوں اور انفعالوں کے درمیان اچانک کوئی غیر متوقع بات آ کر حائل ہو جاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اچانک اچھائی سے برائی میں جا پڑتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اچانک برائی سے بھلائی میں آ نکلتا ہے۔ چنانچہ کتنے ہی اچھے ارادے ہیں جن ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٢﴾ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿٣٣﴾ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ۚ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ

سے امر حق ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش برسا دے یا ہمیں (کسی دوسرے) عذاب دردناک میں مبتلا کر!" (۳۲)

اور اللہ ایسا کرنے والا نہ تھا کہ تو ان کے درمیان موجود ہو اور پھر انہیں عذاب میں ڈالے حالانکہ وہ معافی مانگ رہے ہوں (۳۳) لیکن (اب کہ تجھے مکہ چھوڑ دینے پر انہوں نے مجبور کر دیا) کون سی بات رہ گئی ہے کہ انہیں عذاب نہ دے حالانکہ وہ مسجد حرام سے مسلمانوں کو روک رہے ہیں؟ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کے متولی ہونے کے لائق نہیں۔ اس کے متولی اگر ہو سکتے ہیں تو ایسے ہی لوگ ہو سکتے ہیں جو متقی ہوں۔ (نہ کہ مفسد و ظالم) لیکن ان میں سے اکثر کو (یہ حقیقت) معلوم نہیں۔ (۳۴)

اور خانہ کعبہ میں ان کی نماز اس کے سوا کیا تھی کہ سیٹیاں بجائیں اور تالیاں پیٹیں! تو دیکھو جیسے کچھ کفر کرتے رہے ہو، اب (اس کی پاداش میں) عذاب کا مزہ چکھ لو! (۳۵) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ اپنا مال اس لیے خرچ کرتے

⇦ سے عین وقت پر ہمارے دل نے انکار کر دیا اور کتنے ہی برائی کے منصوبے ہیں جن سے اچانک ہمارے دل نے بغاوت کر دی۔ پس چاہیے کہ انسان اپنے دل کی نگرانی سے کبھی غافل نہ ہو۔

نیز کہا۔ یہ بھی نہ بھولو کہ خدا کے حضور لوٹنا ہے۔ کیونکہ جس دل میں آخرت کا یقین ہوگا وہ زندگی کی غفلتوں سے کبھی مغلوب نہیں ہو سکتا۔

(۱۸) پچھلی آیات میں انفرادی زندگی کے خطرات سے متنبہ کیا تھا۔ اب (۲۵) میں اجتماعی خطرات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان فتنوں سے بچو جنہیں سوسائٹی کا کوئی فرد یا ایک جماعت برپا کر دیتی ہے لیکن جب ان کی آگ بھڑک اٹھتی ہے تو صرف انہی کو نہیں جلاتی جنہوں نے سلگائی تھی سبھی لپیٹ میں آ جاتے ہیں اور اس لیے آ جاتے ہیں کہ کیوں آگ لگانے والے کا ہاتھ نہیں پکڑا؟ کیوں بروقت بجھانے کی کوشش نہیں کی؟

(۱۹) آیت (۲۷) میں خیانت سے مقصود وہ تمام خیانتیں ہیں جو اسلام کے احکام کی تعمیل و تبلیغ اور امت کے مصالح و مقاصد میں کی جائیں، لیکن خصوصیت کے ساتھ جس بات کی طرف اشارہ کیا وہ یہ تھی کہ اہل مکہ کے ساتھ نامہ و پیام نہ رکھو جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے اگرچہ یہ نامہ و پیام اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کے خیال ہی سے کیوں نہ ہو۔

بعض مہاجرین نے اپنے اہل و عیال کو جو مکہ میں تھے خطوط لکھے تھے۔ اس میں کچھ اشارہ جنگ کی نسبت بھی آ گیا تھا۔ فرمایا یہ اللہ کی، رسول ﷺ کی اور مسلمانوں کی خیانت ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ ع ۱۸

مال اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو خدا کی راہ سے روکیں تو یہ لوگ آئندہ بھی (اسی طرح) خرچ کریں گے لیکن پھر (وقت آئے گا کہ یہ مال خرچ کرنا) ان کے لیے سراسر پچھتاوا ہوگا اور پھر (بالآخر) مغلوب کیے جائیں گے!

اور (یاد رکھو) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی (اور آخر تک اس پر جمے رہے تو) وہ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے۔ (۳۶)

اور یہ اس لیے ہوگا کہ اللہ ناپاک (روحوں) کو پاک (روحوں سے) جدا کر دے اور جو ناپاک ہیں ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ملا دے پھر سب کو (اپنی تباہ حالیوں میں) اکٹھا کر دے پھر (قیامت کے دن) اس (جمع شدہ گروہ) کو دوزخ کے حوالے کرے۔ یہی لوگ ہیں یکسر تباہ ہو جانے والے! (۳۷)

(اے پیغمبر!) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تم ان سے کہہ دو اگر وہ (اب بھی) باز آ جائیں تو جو کچھ گزر چکا معاف کر دیا جائے گا لیکن اگر وہ پھر (ظلم و جنگ کی طرف) لوٹے تو (اس بارے میں) پچھلوں کا طور طریقہ اور اس کا نتیجہ گذر چکا ہے (اور وہی انہیں بھی پیش آ کر رہے گا!) (۳۸) اور (مسلمانو! اب تمہارے لیے صرف یہی چارہ کار رہ گیا ہے کہ) ان سے لڑتے رہو۔ یہاں تک کہ ظلم و فساد باقی نہ رہے اور دین کا سارا معاملہ اللہ ہی کے لیے ہو جائے (یعنی دین کا معاملہ خدا

اگر صرف اتنی سی بات اللہ اور رسول ﷺ کی خیانت تھی تو غور کرو ان مسلمانوں کے لیے کیا حکم ہونا چاہیے جو اپنی ساری زندگیاں اعدائے ملت کی سیاسی خدمات میں صرف کر ڈالتے ہیں اور جو ڈیڑھ سو برس سے بے شمار اسلامی حکومتوں کے زوال و افتراض کا باعث ہوئے ہیں؟

☆☆ (۲۰) آیت (۲۹) سے معلوم ہوا جو جماعت متقی ہوگی اس میں حق و باطل اور خیر و شر کے امتیاز کی ایک خاص قوت پیدا ہو جائے گی اور اس لیے کبھی باطل و شر کی طرف قدم نہیں اٹھائے گی۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اس اعتبار سے صدر اول کے مسلمانوں کا کیا حال تھا؟ عرب کے صحرانشین جن کی ساری زندگیاں اونٹ چرانے میں بسر ہوئی تھیں یکا یک ایرانیوں اور رومیوں جیسی متمدن قوموں کی قسمتوں کے مالک ہو گئے لیکن خیر و شر میں امتیاز کی ایک ایسی قوت ان کے قبضہ میں آ گئی تھی کہ جو کچھ کرتے تھے اور جس طرح کرتے تھے وہ حق و عدالت اور خیر و سعادت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا تھا!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ

اورانسان کا باہمی معاملہ ہوجائے- انسان کا ظلم اس میں مداخلت نہ کرسکے) پھر اگر ایسا ہو کہ وہ (جنگ سے) باز آجائیں تو جو کچھ وہ کرتے ہیں خدا کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں-(۳۹) اور اگر (صلح و درگزر کی اس آخری دعوت سے بھی) روگردانی کریں تو یاد رکھو اللہ تمہارا رفیق و کارساز ہے (اور جس کا رفیق اللہ ہو تو) کیا ہی اچھا رفیق ہے اور کیا ہی اچھا مددگار!(۴۰)

اور جان رکھو کہ جو کچھ تمہیں مال غنیمت میں ملے اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے' رسول کے لیے' (رسول کے) قرابت داروں کے لیے' یتیموں کے لیے' مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے نکالنا چاہیے (اور بقیہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کردیے جا سکتے ہیں) اگر تم اللہ پر اور اس (غیبی مدد) پر یقین رکھتے ہو جو ہم نے فیصلہ کردینے والے دن اپنے بندے پر نازل کی تھی جبکہ دو لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے تو چاہیے کہ اس تقسیم پر کاربند رہو- اور (یاد رکھو) اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں!(۴۱) یہ وہ دن تھا کہ تم ادھر قریب کے ناکے پر تھے' ادھر دشمن دور کے ناکے پر اور قافلہ تم سے نچلے حصے میں تھا (یعنی سمندر کے کنارے

وہ زمانہ کیا ہوا جب مری آہ میں اثر تھا یہی چشم خوں فشاں تھی' یہی دل' یہی جگر تھا!

(۲۱) آیت (۳۰) پر غور کرو- انسان اپنے جہل و غفلت کی سرشاریوں میں کیا سوچتا ہے اور حکمت الٰہی کی مخفی تدبیروں کا فیصلہ کیا ہوتا ہے؟ جب ہجرت سے پہلے قریش مکہ نے یہ منصوبے باندھے تھے تو کیا ایک لمحہ کے لیے انہیں آنے والے نتائج کا گمان ہوسکتا تھا؟ مگر کس طرح خود انہی کے ظلم و عداوت نے ان کا سارا سروسامان کردیا؟ اگر ظلم نہ ہوتا تو ہجرت بھی نہ ہوتی اور اگر ہجرت نہ ہوتی تو وہ تمام نتائج بھی ظہور میں نہ آتے جو ہجرت سے ظہور میں آئے- ایسی ہی صورت حال قانون الٰہی کی مخفی تدبیر ہے جو انسانی ظلم و فساد کی ساری تدبیریں ملیامیٹ کردیتی ہے!

(۲۲) آیت (۳۲) میں ابوجہل وغیرہ صنادید قریش کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا- خدایا! اگر قرآن واقعی تیری جانب سے ہے اور ہم اسے جھٹلانے میں سچے نہیں تو ہم پر اپنا عذاب نازل کر (بخاری)- فرمایا یہ خدا کی سنت نہیں کہ وہ ایک قوم پر عذاب نازل کرے حالانکہ داعی حق اس میں موجود ہو اور نہ اس کا عذاب ایسی حالت میں نازل ہوسکتا ہے کہ استغفار کرنے والے موجود ہوں-

پھر آیت (۳۴) میں فرمایا اب کہ پیغمبر اسلام ﷺ کو انہوں نے ہجرت پر مجبور کردیا اور ان کی سرکشی یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ خدا کے بندوں کو اس کی عبادت گاہ سے بجبر روکنے لگے تو کوئی وجہ نہیں کہ پاداش عمل کی نمود میں تاخیر ہو- چنانچہ وہ ظاہر ہوا اور قریش مکہ کے جماعتی اقبال کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا-

(۲۳) اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جو لوگ متقی نہیں وہ عبادت گاہوں کی تولیت کے حقدار نہیں-

(۲۴) آیت (۳۸) عفو و بخشش اور دعوت امن و صلح کی انتہا ہے- اس سے اندازہ کرو کہ دعوت اسلام کا اپنے دشمنوں کے ساتھ کیسا ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ
هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۴۲ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ
مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ
عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۴۳ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ
اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۴۴ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ع ۵

کنارے نکل گیا تھا) اور اگر تم نے آپس میں لڑائی کی بات ٹھہرائی ہوتی تو ضرور میعاد جنگ سے گریز کرتے (کیونکہ تمہیں دشمنوں کی کثرت سے اندیشہ تھا اور تم میں سے بہتوں کی نظر قافلہ پر تھی) لیکن اللہ نے دونوں لشکروں کو بھڑا دیا تا کہ جو بات ہونے والی تھی اسے کر دکھائے - نیز اس لیے کہ جسے ہلاک ہونا ہے اتمام حجت کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہنے والا ہے اتمام حجت کے بعد زندہ رہے اور بلاشبہ اللہ سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے! (۴۲)

(اور اے پیغمبر!) یہ وہ دن تھا کہ اللہ نے تجھے خواب میں ان کی تعداد تھوڑی کر کے دکھائی (یعنی یہ دکھلایا کہ اگر چہ بظاہر مسلمانوں سے زیادہ ہوں گے لیکن عزم وثبات میں تھوڑے ثابت ہوں گے) اور اگر انہیں بہت کر کے دکھاتا تو (مسلمانو!) تم ضرور ہمت ہار دیتے اور اس معاملہ میں جھگڑنے لگتے - اللہ نے تمہیں اس صورت حال سے بچا لیا - یقین کرو جو کچھ انسان کے سینوں میں چھپا ہوتا ہے وہ اس کے علم سے پوشیدہ نہیں! (۴۳)

اور (پھر دیکھو) جب تم دونوں فریق ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے اور اللہ نے ایسا کیا تھا کہ دشمن تمہاری نظروں میں تھوڑے دکھائی دیئے (کیونکہ تمہارے دلوں میں ایمان واستقامت کی روح پیدا ہو گئی تھی) اور ان کی نظروں میں تم تھوڑے دکھائی دیے (کیونکہ بظاہر تعداد میں وہی زیادہ تھے) اور یہ اس لیے کیا تھا تا کہ جو بات ہونے والی تھی اسے کر دکھائے اور سارے کاموں کا دارومدار اللہ ہی کی ذات پر ہے! (۴۴) مسلمانو! جب (حملہ آوروں کی) کسی جماعت

⇦ طرز عمل رہا اور کس طرح مجبور و بے بس ہو کر اسے میدان جنگ میں جمنا پڑا؟

(۲۵) سورت کے ابتدا میں فرمایا تھا کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے - یعنی حکومت کا ہے - اب آیت (۴۱) میں اس کی تقسیم کا طریقہ بتلا دیا - اللہ اور اس کے رسول کے حصہ سے مقصود یہ ہے کہ دین وملت کے مصالح کے لیے ایک خاص رقم رکھی جائے - اسی میں سے پیغمبر اسلام ﷺ کو جب تک زندہ رہیں ضروری مصارف ملیں - ان کے بعد ائمہ مسلمین رحمہم اللہ کو -

(۲۶) اس آیت اور اس کی ہم معنی آیات نے واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیک حکومت (اسٹیٹ) یتیموں، مسکینوں اور مصیبت زدوں کی خبر گیری کے لیے ذمہ دار ہے اور حکومت کے خزانہ کا ایک لازمی مصرف قوم کے ان افراد کی اعانت ہے -

☆☆ (۲۷) آیت (۴۲) میں جنگ بدر کے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا پہلے ذکر گزر چکا ہے - فرمایا خدا کی مخفی تدبیروں ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٤٥﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا
وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٤٦﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ
النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٤٧﴾ وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ
لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۖ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ

سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو لڑائی میں ثابت قدم رہو اور زیادہ سے زیادہ اللہ کو یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو! (۴۵)

اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو- ایسا کرو گے تو تمہاری طاقت سست پڑ جائے گی اور ہوا اکھڑ جائے گی اور (جیسی کچھ بھی مشکلیں مصیبتیں پیش آئیں تم) صبر کرو اللہ ان کا ساتھی ہے جو صبر کرنے والے ہیں! (۴۶)

اور (دیکھو) ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے (لڑنے کے لیے) اتراتے ہوئے اور لوگوں کی نظروں میں نمائش کرتے ہوئے نکلے اور جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کی راہ سے (اس کے بندوں کو) روکتے ہیں- اور (یاد رکھو) جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں اللہ (اپنے علم وقدرت سے) اس پر چھایا ہوا ہے! (۴۷)

اور (پھر) جب ایسا ہوا تھا کہ شیطان نے ان کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما کر کے دکھا دیے تھے اور کہا تھا آج ان لوگوں میں کوئی نہیں جو تم پر غالب آ سکے اور میں تمہارا پشت پناہ ہوں مگر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو الٹے پاؤں

⇦ کی کرشمہ سازی دیکھو- ادھر دشمنوں کا گروہ بڑھا چلا آتا تھا ادھر تم شہر سے نکل کر ایک قریبی ناکے تک پہنچے تھے اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا قافلہ تھا کہ نشیب میں گزر رہا تھا- تم اپنی کمزوری کی وجہ سے چاہتے تھے اس سے مقابلہ ہو لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا- قافلہ تو نکل گیا اور مقابلہ ہوا حملہ آوروں سے- اور تمہاری مٹھی بھر کمزور جماعت نے اسے ہرا کر بھگا دیا!

(۲۸) آیت (۴۳) میں اس خواب کی طرف اشارہ کیا ہے جو جنگ بدر سے پہلے پیغمبر اسلام نے دیکھا تھا اور جس میں دشمن ناکام اور مسلمان فتح مند دکھائے گئے تھے- یہ خواب مسلمانوں کے لیے مزید تقویت کا باعث ہوا تھا-

(۲۹) آیت (۴۵) سے (۴۷) تک ان چھ باتوں پر زور دیا ہے کہ فتح و کامرانی کا اصلی سرچشمہ ہیں:

(ا) ثابت قدم رہو- کیونکہ میدان جنگ کی ساری کامیابی اسی کے لیے ہوتی ہے جو آخر تک ثابت قدم رہے-

(ب) بہت زیادہ اللہ کو یاد کرو- کیونکہ جسم کا ثبات دل کے ثبات پر موقوف ہے اور دل اسی کا مضبوط رہے گا جو اللہ پر کامل ایمان رکھتا ہے-

(ج) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے امام و سردار کی کیونکہ بغیر اطاعت (ڈسپلن) کے کوئی جماعت کامیاب نہیں ہو سکتی-

(د) باہمی نزاع سے بچو ورنہ سست پڑ جاؤ گے اور بات بگڑ جائے گی-

(ہ) کتنی ہی مشکلیں پیش آئیں جھیلتے رہو- بالآخر جیت اسی کی ہے جو زیادہ جھیلنے والا ہوگا-

(و) کافروں کا سا چلن اختیار نہ کرو جو ایمان و راستی کی جگہ گھمنڈ اور دکھاوے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں- تمہارے کاموں کی بنا خدا پرستانہ عجز و اخلاص پر ہونی چاہیے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ اِذْ یَقُوْلُ ع ۶
الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ؕ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ
حَكِیْمٌ ﴿۴۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ
الْحَرِیْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ
وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾

واپس ہوا اور لگا کہنے "مجھے تم سے کچھ سروکار نہیں - مجھے وہ بات دکھائی دے رہی ہے جو تم نہیں دیکھتے - میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ (بدعملیوں کی پاداش میں) بہت سخت سزا دینے والا ہے -" (۴۸)

اور (پھر دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (ایمان کی کمزوری کا) روگ تھا کہنے لگے تھے "ان مسلمانوں کو تو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے" (یعنی یہ محض دین کا نشہ ہے جو انہیں مقابلے پر لے جا رہا ہے ورنہ ان کے پلے ہے کیا؟ وہ نہیں جانتے تھے کہ مسلمانوں کا بھروسہ اللہ پر ہے) اور جس کسی نے اللہ پر بھروسہ کیا تو اللہ غالب اور حکمت والا ہے! (۴۹)

اور (اے مخاطب) اگر تو (اپنی آنکھوں سے) وہ حالت دیکھے جب فرشتے (ان) کافروں کی روحیں قبض کرتے اور ان کے چہروں اور پیٹھوں پر ضربیں لگاتے ہیں اور کہتے ہیں "اب عذاب آتش کا مزہ چکھو" (تو تیرا کیا حال ہو؟) (۵۰)

(اے اعدائے حق!) یہ اس (بدعملی) کا نتیجہ ہے جو خود تمہارے ہی ہاتھوں نے پہلے سے ذخیرہ کر دیا' اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ اپنے بندوں کے لیے ظلم کرنے والا ہو! (۵۱)

جیسا کچھ دستور فرعون کے گروہ کا اور ان (سرکشوں) کا جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں رہ چکا ہے' وہی تمہارا ہوا - اللہ کی نشانیوں سے انکار کیا' تو اللہ نے ان کے گناہوں پر انہیں پکڑ لیا - بلاشبہ اللہ (پاداش عمل کی) سزا دینے میں بہت سخت ہے! (۵۲)

---

(۳۰) آیت (۴۸) میں شیطان سے مقصود سراقہ بن مالک ابن جعشم ہے جس نے مشرکین مکہ کا ساتھ دیا تھا لیکن لڑائی شروع ہوتے ہی بھاگ گیا - چنانچہ مکہ کے لوگ کہتے تھے' سراقہ نے ہمیں ہرا دیا -

☆☆ (۳۱) جب بدر میں مٹھی بھر بے سروسامان مسلمان جنگ کے لیے نکلے تو منافق اور کچے دل کے آدمی اس کی کوئی توجیہ نہیں کر سکے بجز اس کے کہ کہیں انہیں ان کے دین کے نشہ نے مغرور کر دیا ہے - بات اگرچہ بطور طعنہ کے کہی گئی تھی لیکن ایک لحاظ سے غلط بھی نہ تھی - بلاشبہ یہ دین ہی کا نشہ تھا لیکن نشہ باطل نہ تھا - یہی وجہ ہے کہ قرآن کی معجزانہ بلاغت نے آیت (۴۹) میں ان کا قول نقل کر کے رد نہیں کیا بلکہ صرف یہ کہا من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ الخ -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

(اور) یہ بات اس لیے ہوئی کہ اللہ کا مقررہ قانون ہے کہ جو نعمت وہ کسی گروہ کو عطا فرماتا ہے اسے پھر کبھی نہیں بدلتا جب تک کہ خود اسی گروہ کے افراد اپنی حالت نہ بدل لیں اور اس لیے بھی کہ اللہ (سب کی) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے! (۵۳)

جیسا کچھ دستور فرعون کے گروہ کا اور ان (سرکشوں) کا جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں رہ چکا ہے وہی تمہارا ہوا- انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیاں جھٹلائیں تو ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں ہلاک کر ڈالا- فرعون کا گروہ (سمندر میں) غرق کیا گیا تھا اور وہ سب ظلم کرنے والے تھے- (۵۴) بلاشبہ اللہ کے نزدیک بدترین چار پائے وہ (انسان) ہیں جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تو یہ وہ لوگ ہیں کہ کبھی ایمان لانے والے نہیں! (۵۵)

(اے پیغمبر!) جن لوگوں سے تم نے (صلح کا) عہد و پیمان کیا تھا پھر انہوں نے اسے توڑا اور ایسا ہوا کہ ہر مرتبہ عہد کر کے توڑتے ہی رہے اور (بدعہدی کے وبال سے) ڈرتے نہیں (۵۶) تو (اب چاہے جیسی حالت میں انہیں پاؤ اسی کے مطابق سلوک بھی کرو) اگر تم لڑائی میں انہیں موجود پاؤ تو ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کے پس پشت ہیں (یعنی مشرکین مکہ) انہیں بھاگتے دیکھ کر خود بھی بھاگ کھڑے ہوں (اور) ہو سکتا ہے کہ عبرت پکڑیں- (۵۷)

☆☆ (۳۲) آیت (۵۳) اور اس کی ہم معنی آیات نے قطعی لفظوں میں واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیک اقوام و جماعات کے عروج و زوال اور موت و حیات کا قانون کیا ہے؟ فرمایا یہ خدا کی مقررہ سنت ہے کہ جب وہ کسی گروہ کو اپنی نعمتوں سے سرفراز کرتا ہے تو اس میں کبھی تغیر نہیں کرتا جب تک کہ خود اس گروہ کے افراد خود اپنی حالت متغیر نہیں کر دیتے- چنانچہ دنیا کی پوری تاریخ ہمیں اس بارہ میں جو کچھ بتلا رہی ہے اس کی حقیقت بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے- ہر قوم خود ہی اپنی زندگی کا گہوارہ بناتی ہے اور پھر خود ہی اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر بھی کھودتی ہے-

☆☆ (۳۳) اسی سورت کی آیت (۲۲) میں فرمایا تھا کہ بدترین چار پائے وہ انسان ہیں جو اپنی عقل و حواس سے کام نہیں لیتے- یہاں آیت (۵۵) میں فرمایا- بدترین چار پائے وہ انسان ہیں جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی- اس سے معلوم ہوا قرآن کے نزدیک عقل و حواس سے ٹھیک طرح کام نہ لینا اور اندھوں کی طرح چلنا انسانیت کے درجہ سے گر جانا ہے اور وہ کہتا ہے کفر اسی اندھے پن کا نتیجہ ہے- پس ایمان کی راہ عقل و بصیرت کی راہ ہوئی اور کفر اندھے پن کا دوسرا نام ہوا-

☆☆ (۳۴) آیت (۵۶) میں مدینہ کے یہودیوں کی طرف اشارہ کیا ہے- جب پیغمبر اسلام ﷺ مدینہ آئے تو یہاں یہودیوں کی ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ۝۵۸ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝۵۹ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝۶۰ وَاِنْ

اور اگر ایک گروہ (ابھی میدان جنگ میں تو دشمنوں کے ساتھ نہیں نکلا ہے لیکن اس) سے تمہیں دغا کا اندیشہ ہے تو چاہیے ان کا عہد انہی پر الٹا دو۔ (یعنی عہد فسخ کر دو) اس طرح کہ دونوں جانب یکساں حالت میں ہو جائیں (یعنی ایسا نہ کیا جائے کہ اچانک شکست عہد کی انہیں خبر دی جائے بلکہ پہلے سے جتا دینا چاہیے۔ تاکہ دونوں فریقوں کو یکساں طور پر تیاری کی مہلت مل جائے) یاد رکھو اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا! (۵۸)

اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی وہ خیال نہ کریں کہ بازی لے گئے۔ وہ کبھی (پیروان حق کو) درماندہ نہیں کر سکتے۔ (۵۹)

اور (مسلمانو!) جہاں تک تمہارے بس میں ہے قوت پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلہ کے لیے اپنا ساز و سامان مہیا کیے رہو کہ اس طرح مستعد رہ کر تم اللہ کے (کلمہ حق کے) اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے۔ نیز ان لوگوں کے سوا اوروں پر بھی جن کی تمہیں خبر نہیں۔ اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور (یاد رکھو) اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کی تیاری میں) تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا مل جائے گا۔ ایسا نہ ہوگا کہ تمہاری حق تلفی ہو۔ (۶۰)

⇦ تین بستیاں آباد تھیں: بنی قینقاع، بنی نضیر، بنی قریظہ۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے ان سب سے صلح و امن اور باہم دگر اعانت کا معاہدہ کیا۔ معاہدہ کی ایک شرط یہ تھی کہ تمام جماعتیں ایک قوم بن کر رہیں گی، اور اگر کسی فریق پر اس کے دشمن حملہ کریں گے تو سب اس کی مدد کریں گے (ابن ہشام) لیکن ابھی معاہدہ کی سیاہی خشک بھی نہیں ہوئی تھی کہ یہودیوں نے خلاف ورزی شروع کر دی اور قریش مکہ سے مل کر مسلمانوں کی تباہی کی سازشیں کرنے لگے۔ حتی کہ خود پیغمبر اسلام ﷺ کو ہلاک کرنے کی تدبیروں میں لگ گئے۔ یہاں حکم دیا ہے کہ اب ایسے دغا باز لوگوں کے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا۔ جو کھلم کھلا لڑیں ان کا مقابلہ کرو۔ جو ایسا نہ کریں اور غدر و فریب کا ان سے اندیشہ ہو تو انہیں کھلے طور پر خبر دے دو کہ اب معاہدہ فسخ ہو گیا۔ لیکن فرمایا یہ بات اس طرح کی جائے کہ دوسرے فریق کو نقصان نہ پہنچے۔ یعنی وقت سے پہلے فسخ معاہدہ سے خبردار ہو جائے اور اگر تیاری کرنی چاہے تو ہماری طرح اسے بھی تیاری کا پورا موقع ملے۔

یہاں سے اندازہ کرو کہ قرآن نے ہر معاملہ میں حتیٰ کہ جنگ میں بھی سچائی اور دیانت کا جو معیار قائم کیا ہے وہ کس قدر بلند ہے؟ کہیں بھی اس نے کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جہاں اخلاقی کمزوری کو ابھرنے کا موقع دیا گیا ہو۔

کیا دنیا میں اس وقت تک کسی قوم نے احکام جنگ کو اس درجہ بلند اخلاقی معیار پر رکھا ہے؟

عالمگیر جنگ یورپ کی تاریخ کا ہر صفحہ اس کے جواب میں ''نہیں'' کہے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ
حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ
جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ
وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ ع
عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ

اور (دیکھو) اگر (دشمن) صلح کی طرف جھکیں تو چاہیے تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ اور (ہر حال میں) اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بلاشبہ وہی ہے جو (سب کی) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے! (۶۱)

اور (اے پیغمبر!) اگر ان کا ارادہ یہ ہوگا کہ تجھے دھوکا دیں تو (کوئی اندیشہ کی بات نہیں) اللہ کی ذات تیرے لیے کافی ہے۔ وہی ہے جس نے اپنی مددگاری سے اور مومنوں (کی جماعت) سے تیری تائید کی (۶۲) اور وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی۔ اگر تو وہ سب کچھ خرچ کر ڈالتا جو روئے زمین میں ہے جب بھی ان کے دلوں کو باہمی الفت سے نہ جوڑ سکتا۔ لیکن یہ اللہ ہے جس نے ان میں باہمی الفت پیدا کر دی۔ بلاشبہ وہ (اپنے کاموں میں) غالب اور حکمت والا ہے! (۶۳)

اے پیغمبر! اللہ تیرے لیے کفایت کرتا ہے اور ان مومنوں کو بھی جو تیرے پیچھے چلنے والے ہیں![1] (۶۴)

اے پیغمبر! مومنوں کو لڑائی کا شوق دلا۔

(مسلمانو!) اگر تم میں بیس آدمی بھی مشکلوں کو جھیل جانے والے نکل آئے تو یقین کرو وہ دو سو دشمنوں پر غالب ہو کر رہیں گے اور اگر تم میں ایسے آدمی سو ہو گئے تو سمجھ لو ہزار کافروں کو مغلوب کر کے رہیں گے۔ اور یہ اس لیے ہوگا کہ کافروں کا گروہ ایسا گروہ

☆☆ (۳۵) آیت (۶۰) میں فرمایا "جہاں تک تمہارے بس میں ہے" کیونکہ یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی جماعت اس طرح کا سروسامان جنگ مہیا کر سکے جو ہر اعتبار سے مکمل ہو۔ پس معلوم ہوا مسلمانوں کو اس بارے میں جو کچھ حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے مقدور کے مطابق جو کچھ کر سکتے ہیں کریں اور ادائے فرض کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ یہ بات نہیں ہے کہ جب تک دنیا جہان کے ہتھیار اور ہر قسم کے ساز و سامان مہیا نہ ہو جائیں اس وقت تک بے بسی کا عذر کرتے رہیں اور فرض دفاع سے بے فکر ہو جائیں۔

اگر مسلمانوں نے اس آیت کی روح کو سمجھا ہوتا تو اس اپاہج پنے میں مبتلا نہ ہوتے جو ڈیڑھ سو برس سے تمام مسلمانان عالم پر طاری ہے۔

(۳۶) چونکہ جنگ کی تیاری بغیر مال کے نہیں ہو سکتی تھی اس لیے اس کے بعد کی آیت میں انفاق فی سبیل اللہ پر زور دیا۔ اگر اس انفاق کی حقیقت آج مسلمان صحیح طور پر سمجھ لیں تو ان کی ساری مصیبتیں ختم ہو جائیں۔

(۳۷) آیت (۶۱) اور (۶۲) نے کیسے قطعی لفظوں میں قرآن کی دعوت امن کا اعلان کر دیا؟ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ ⇦

---

[1] اس آیت کا صحیح ترجمہ یہی ہے اگرچہ بصرہ کے ائمہ نحو اس کے خلاف گئے ہیں وما کان سیبویہ نبی النحو ولا معصوما.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۡ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ

ہے جس میں سمجھ بوجھ نہیں۔ (۶۵)

(مسلمانو!) اب خدا نے تم پر بوجھ ہلکا کر دیا۔ اس نے جانا کہ تم میں کمزوری ہے۔ اچھا اب اگر تم میں جھیل جانے والے سو آدمی ہوں گے تو (انہیں صرف اپنے سے دوگنی تعداد کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ یعنی) وہ دوسو دشمنوں پر غالب رہیں گے۔ اور اگر ہزار ہوں گے تو سمجھو دو ہزار دشمنوں کو مغلوب کر کے رہیں گے۔ اور (یاد رکھو) اللہ جھیل جانے والوں کا ساتھی ہے! (۶۶)

نبی کے لیے سزاوار نہیں کہ اس کے قبضہ میں قیدی ہوں جب تک کہ ملک میں غلبہ حاصل نہ کر لے[1] (مسلمانو!) تم دنیا کی متاع چاہتے ہو اور اللہ چاہتا ہے (تمہیں) آخرت (کا اجر دے) اور اللہ غالب ہے حکمت والا! (۶۷)

اگر (اس بارے میں) پہلے سے اللہ کا حکم نہ ہو گیا ہوتا تو جو کچھ تم نے (جنگ بدر میں مال غنیمت لوٹا) اس کے لیے ضرور تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔ (۶۸) بہر حال جو کچھ تمہیں غنیمت میں ہاتھ لگا ہے۔

⇦ جنگ بدر کے فیصلہ نے مسلمانوں کی فتح مندی آشکارا کر دی تھی اور تمام جزیرہ عرب ان کی طاقت سے متاثر ہونے لگا تھا' تاہم حکم ہوا جب کبھی دشمن صلح و امن کی طرف جھکے' چاہیے کہ بلا تامل تم بھی جھک جاؤ۔ اگر اس کی نیت میں فتور ہوگا تو ہوا کرے اس کی وجہ سے صلح و امن کے قیام میں ایک لمحہ کے لیے بھی دیر نہیں کرنی چاہیے!

(۳۸) دنیا میں کوئی کام انسان کے لیے اس سے زیادہ مشکل نہیں ہے کہ بکھرے ہوئے انسانی دلوں کو ایک رشتہ الفت میں پرو دے۔ اور یہ کام تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے جب معاملہ ایسے انسانوں کا ہو جو صدیوں سے باہمی جنگ و جدال کی آب و ہوا میں پرورش پاتے رہے ہوں اور جن کے نفسیاتی سانچوں میں باہمی آمیزش و ائتلاف کا کوئی ڈھنگ باقی نہ رہا ہو۔

پیغمبر اسلام ﷺ کا ظہور ایسے ہی لوگوں میں ہوا تھا۔ مگر ابھی ان کی دعوت پر دس بارہ ہی برس گزرے تھے کہ مدینہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جو اس اعتبار سے بالکل ایک نئی قسم کی مخلوق تھی۔ وہ جب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے باہمی کینہ و انتقام کے مجسمے تھے لیکن جونہی مسلمان ہوئے محبت و سازگاری کی ایسی پاکی و قدوسیت ابھر آئی کہ ان کا ہر فرد دوسرے کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لیے مستعد ہو گیا!

فی الحقیقت یہی وہ تزکیہ اخلاق کا عمل ہے جو ایک پیغمبرانہ عمل تھا اور جو پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیم و تربیت نے انجام دیا اور اسی کی طرف آیت (۶۳) میں اشارہ فرمایا ہے۔

---

[1] حتی یثخن فی الارض ای حتی یغلب فی الارض (بخاری) وقال ابن عباس حتی یظهر علی الارض؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٠﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا ع ۹

اسے حلال و پاکیزہ سمجھ کر اپنے کام میں لاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو- بلاشبہ اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے! (۶۹)

اے پیغمبر ﷺ! لڑائی کے قیدیوں میں سے جو لوگ تمہارے قبضہ میں ہیں ان سے کہہ دو "اگر اللہ نے تمہارے دلوں میں کچھ نیکی پائی تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے کہیں بہتر چیز تمہیں عطا فرمائے گا اور تمہیں بخش دے گا- وہ بڑا بخشنے والا رحمت والا ہے! (۷۰) اور اگر ان لوگوں نے چاہا تمہیں دغا دیں تو (کوئی وجہ نہیں کہ تم اس اندیشہ سے اپنا طرز عمل بدل ڈالو) یہ اس سے پہلے خود اللہ کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں اور اسی کی پاداش ہے کہ تمہیں ان پر قدرت دے دی گئی ہے اور (یاد رکھو) اللہ سب کچھ جانتا اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۷۱)

جو لوگ ایمان لائے' ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مکہ کے مہاجروں کو مدینہ میں) جگہ دی اور ان کی مدد کی تو یہی لوگ ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے کا کارساز و رفیق ہے اور جن لوگوں کا

☆☆ اس سے معلوم ہوا مسلمانوں کی باہمی الفت ایک ایسی نعمت ہے جسے خدا نے اپنا خاص انعام قرار دیا ہے- افسوس ان پر جو اس نعمت سے محرومی پر قانع ہو گئے اور اس کے لیے اپنے اندر کوئی جلن محسوس نہیں کی! آج باہمی الفت کی جگہ باہمی مخاصمت مسلمانوں کی سب سے بڑی پہچان ہو گئی ہے- اسی کو انقلاب حال کہتے ہیں!

(۳۹) آیت (۶۵) اور (۶۶) میں دو مختلف حالتوں کے لیے عزیمت و رخصت کی دو مختلف صورتیں فرمائی ہیں- ایمان کا خاصہ تو یہ ہونا چاہیے کہ ایک مسلمان دس دشمنوں پر بھاری رہے لیکن چونکہ ابھی تمہاری حالت بڑی ہی کمزوری کی حالت ہے- اس لیے کم از کم اپنے سے دوگنی تعداد کا مقابلہ کرو' قوانین حق کا فیصلہ یہ ہے کہ غالب رہو گے-

(۴۰) آیت (۶۵) میں غلبہ کی توجیہ یہ کی کہ بانهم قوم لا يفقهون تمہارے دشمنوں کا گروہ ایسا گروہ ہے جس میں سمجھ بوجھ نہیں یعنی محض اندھے پن کا تعصب ہے جس کے جوش میں لڑ رہے ہیں- علم و بصیرت' معاملہ فہمی اور صلاحیت کار سے محروم ہیں اور چونکہ محروم ہیں اس لیے کتنی ہی بڑی تعداد میں ہوں اصحاب دانش و بصیرت کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتے-

آج کل کے مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے کہ اب اصحاب دانش و بصیرت وہ ہیں یا دنیا کی دوسری قومیں؟ اگر حالات منقلب ہو گئے ہیں تو نتائج بھی کیوں منقلب نہ ہو جائیں؟

(۴۱) جنگ بدر میں جب دشمن قید ہوئے تو سوال پیدا ہوا اس بارے میں کیا کرنا چاہیے؟ چونکہ اس وقت مسلمان بڑی ہی تنگی و افلاس کی حالت میں تھے اس لیے عام رائے یہ تھی کہ قیدیوں کے لیے فدیہ مانگا جائے اور جب تک فدیہ وصول نہ ہو قیدی رہا نہ کیے جائیں- بعض صحابہؓ کی رائے ہوئی کہ انہیں قتل کر دینا چاہیے- حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی انہی میں تھے لیکن آنحضرت ﷺ ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾

حال ایسا ہوا کہ ایمان تو لائے مگر ہجرت نہیں کی تو تمہارے لیے ان کی اعانت ورفاقت میں سے کچھ نہیں ہے جب تک وہ اپنے وطن سے ہجرت نہ کریں- ہاں اگر دین کے بارے میں تم سے مدد چاہیں تو بلاشبہ تم پر ان کی مدد گاری لازم ہے- الا یہ کہ کسی ایسے گروہ کے مقابلہ میں مدد چاہی جائے جس سے تمہارا (صلح وامن کا) عہد وپیمان ہے (کہ اس صورت میں تم عہد وپیمان کے خلاف قدم نہیں اٹھا سکتے) اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں! (۷۲)

اور (دیکھو) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ بھی (راہ کفر میں) ایک دوسرے کے کارساز ورفیق ہیں- اگر تم ایسا نہ کروگے (یعنی باہمی ولایت اور بھائی چارگی کا جو حکم دیا گیا ہے اور وفائے عہد اور اعانت مسلمین کی جو تلقین کی گئی ہے اس پر کاربند نہیں رہوگے) تو ملک میں فتنہ پیدا ہو جائے گا اور بڑی ہی خرابی پھیلے گی- (۷۳)

(غرض کہ) جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین مکہ کو) پناہ دی اور مدد کی تو فی الحقیقت یہی (سچے) مومن ہیں- ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی- (۷۴)

⇦ نے عام رائے کے مطابق فیصلہ فرمایا اور قیدیوں کے لیے فدیہ طلب کیا گیا اور جن قیدیوں کے لیے فدیہ نہیں ملا وہ روک لیے گئے- اس پر آیت (۶۷) نازل ہوئی- فرمایا دنیا میں نبی علیہ السلام اس لیے نہیں آتے کہ ان کے پیرو دشمنوں کو قید رکھ کر فدیے کا روپیہ لیں بلکہ مقصود اصلی دعوت حق کا اعلان ہوتا ہے- پس نبی علیہ السلام کو سزاوار نہیں کہ جب تک اس کی دعوت ملک میں ظاہر وغالب نہ ہو جائے اسیران جنگ کو فدیہ کے لیے رو کے رکھے- تمہاری نظر متاع دنیا پر ہے اور خدا نے تمہارے لیے آخرت کا انعام پسند کیا ہے-

چنانچہ اس کے بعد آیت (۷۰) نے معاملہ بالکل صاف کر دیا- فرمایا جو قیدی فدیے کے لیے روک لیے گئے ہیں ان سے کہہ دو اگر تمہاری نیتیں صاف ہیں تو تمہارے لیے کوئی کھٹکا نہیں-

جہاں تک اسیران جنگ کا تعلق ہے سورہ محمد کی آیت (۴) نے آخری حکم دے دیا ہے فاما منًا بعد اما فداء یعنی آئندہ یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دیا کرو، یا فدیہ لے کر، جیسی مصلحت وقت ہو-

☆☆ (۴۲) آیت (۷۲) سے آخر سورت تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) اسلام کی دعوت نے باہمی الفت وسازگاری کی جو روح پھونک دی تھی اس کا ایک عجیب وغریب منظر تاریخ نے آج تک محفوظ رکھا ہے- یہ نومسلموں کا باہمی بھائی چارہ تھا جسے عربی میں مواخاۃ کہتے ہیں- یعنی اسلام کے رشتہ سے ایک نومسلم دوسرے نومسلم کا بھائی ہو جاتا تھا ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۷۵

اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا تو وہ بھی تم ہی میں داخل ہیں۔ (انہیں اپنے سے الگ نہ سمجھو) اور (باقی رہے) قرابت دار تو وہ اللہ کے حکم میں ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں (پس باہمی بھائی چارگی میں ان کے حقوق فراموش نہ کر دیے جائیں) بلاشبہ اللہ ہر بات کا علم رکھتا ہے! (۷۵)

⇦ اور پھر ساری باتوں میں دونوں ایک دوسرے کی شرکت و ملکیت کے ویسے ہی حقدار ہو جاتے جیسے حقیقی بھائی ہوتے ہیں۔ حتی کہ اگر ایک مر جائے تو دوسرا اس کا وارث ہو جاتا تھا!

یہ مواخاۃ دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مرتبہ مکہ میں اور یہ صرف مہاجرین کے درمیان ہوئی تھی دوسری مرتبہ مدینہ میں اور یہ مہاجرین اور انصار کے درمیان ہوئی تھی۔ یعنی مکہ کے جو لوگ ہجرت کر کے آئے ان میں اور مدینہ کے نو مسلموں میں۔ ایک قول کے مطابق یہ نوے آدمی تھے اور ایک قول میں سو۔

(ب) مسلمانوں کی بڑی تعداد ہجرت کر کے مدینہ چلی آئی تھی لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو موانع و مشکلات سے بے بس ہو کر مکہ ہی میں پڑے رہے۔

(ج) یہاں فرمایا جو لوگ ایمان لائے اپنا گھر بار چھوڑا جان و مال سے راہ حق میں جہاد کیا تو وہ خواہ کسی قبیلہ اور کسی حلقہ کے ہوں ایک ہی برادری کے افراد ہو گئے۔ یعنی جاں نثاران حق کی برادری کے۔ ان کا ہر فرد دوسرے فرد کا کارساز و رفیق ہے اور اسی کارسازی و رفاقت پر تمہاری ساری کامیابیوں کا دارومدار ہے۔

(د) لیکن جو ایمان تو لائے مگر ابھی تک ہجرت نہ کر سکے تو ظاہر ہے کہ اس رشتہ کے حقوق میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ہجرت کر کے تم سے آ نہ ملیں۔

(ہ) ہاں اگر وہ دین کے معاملہ میں مدد چاہیں تو تمہارا فرض ہے کہ ان کی مدد کرو۔ محض اس وجہ سے کہ ابھی تک ہجرت نہ کر سکے ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہماری مددگاری کے حق دینی سے محروم ہو جائیں۔

(و) البتہ یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ اپنے عہد و پیمان کا وفادار رہنا مسلمانوں کا سب سے پہلا فرض ہے۔ پس اگر وہ کسی ایسے غیر مسلم گروہ کے مقابلہ میں مدد چاہیں جس سے تم صلح کا عہد و پیمان کر چکے ہو تو تمہارے لیے جائز نہ ہوگا کہ ان کی مدد کے لیے عہد شکنی کرو۔ نتیجہ خواہ کچھ ہی نکلے لیکن اپنے قول و قرار پر قائم رہنا چاہیے۔

یہ اشارہ اس طرف تھا کہ مدینہ آ کر پیغمبر اسلام ﷺ نے مدینہ اور اطراف مدینہ کی مختلف جماعتوں سے باہمی صلح و سازگاری کا معاہدہ کیا تھا جو معاہدہ صحیفہ کے نام سے مشہور ہوا۔ صحیفہ کے اکثر فریق عہد شکنی کر چکے تھے لیکن ابھی تک مسلمانوں کی طرف سے انفساخ کا اعلان نہیں ہوا تھا۔ اس سے اندازہ کرو کہ قرآن نے وفائے عہد کا اگرچہ مخالفوں کے ساتھ ہو اور اگرچہ اس کی وجہ سے اپنوں کی مدد نہ کی جا سکے کس درجہ لحاظ رکھا ہے؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ز) فرمایا کہ درجہ کے لحاظ سے جو مقام دو پہلی جماعتوں کا ہے وہ دوسروں کا نہیں ہوسکتا: یعنی مکہ کے ان مہاجرین کا جنہوں نے حق کی خاطر گھر بار چھوڑا اور جان و مال سے جہاد کیا اور مدینہ کے ان انصار کا جنہوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی مددگاری کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے- **اولئك هم المومنون حقا!** چنانچہ دوسری جگہ فرمایا **والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار**.....الخ (۹:۱۰۱) اور سورہ حشر میں انہی دو جماعتوں کی طرف اشارہ کیا ہے: **للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم**- اور **والذين تبوؤ الدار والايمان من قبلهم** الخ (۵۹) نیز **والسابقون السابقون اولئك المقربون** (۵۶:۱۲) اور یہ ظاہر ہے کہ سچائی کی ہر راہ میں جو درجہ پہل کرنے والوں کا ہوتا ہے وہ دوسروں کو نصیب نہیں ہوسکتا-

(ح) اس کے بعد فرمایا جو لوگ آئندہ ایمان لائیں، ہجرت و جہاد کریں (یا جن لوگوں نے پہلی ہجرت کے بعد ایمان قبول کیا اور ہجرت کی) تو گو یہ پہلی دو جماعتوں سے پیچھے آئے لیکن انہی میں داخل سمجھے جائیں، یعنی اسی طرح مواخاۃ و اشتراک کے مستحق سمجھے جائیں-

(ط) اس کے بعد وراثت کا معاملہ صاف کر دیا- مسلمانوں میں اسلامی بھائی چارگی کا ایسا ولولہ پیدا ہو گیا تھا کہ خون کے عزیزوں سے کہیں زیادہ رشتہ حق کے ان عزیزوں کو اپنا سمجھنے لگے تھے- حتی کہ اگر ایک مر جاتا، تو رشتہ مواخاۃ کا بھائی اس کا وارث سمجھا جاتا- انہوں نے اپنے سارے پچھلے رشتے بھلا دیئے تھے- صرف ایک ہی رشتہ کی لگن باقی رہ گئی تھی یعنی سب اللہ کے رسول کے فدائی اور سب اسی کے حسن جہاں آرا پر اپنا سب کچھ نثار کر دینے والے تھے:

تو نخل خوش ثمر کیستی؟ کہ باغ و چمن
ہمہ ز خویش بریدند و در تو پیوستند!

لیکن یہاں فرمایا جو قرابت دار ہیں وہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے قرابت دار ہیں اور صلہ رحمی کا رشتہ کسی حال میں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے- پس وراثت وغیرہ کے حقوق سے وہ محروم نہیں کیے جاسکتے- یاد رہے یہاں اولوا الارحام سے مقصود اولوا الارحام مصطلحہ فرائض نہیں ہیں، بلکہ مصطلح لغت یعنی قرابت دار-

(ی) آیت (۷۳) میں فرمایا "اگر ایسا نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ اٹھے گا اور بڑی ہی خرابی پھیلے گی" یعنی دین حق کی دشمنی میں کفار ایک دوسرے کے کارساز و رفیق ہو گئے ہیں- پس چاہیے تم بھی راہ حق میں ایک دوسرے کے کارساز و رفیق رہو- نیز اپنے عہد و پیمان میں پوری طرح پکے رہو کسی حال میں اس سے باہر نہ جاؤ- اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ظلم و فساد سر اٹھائے گا اور امن و عدالت کا جو دروازہ کھل رہا ہے نہ کھل سکے گا-

جن مٹھی بھر مظلوم مسلمانوں نے دعوت حق کا بیج بویا تھا ان کا یہ حال تھا لیکن آج جب کہ روئے زمین میں چار سو ملین مسلمان موجود ہیں ان کی باہمی مواخاۃ کا کیا حال ہے؟ ہندوستان کے مسلمانوں کا کیا حال ہے جس میں ستر ملین مسلمان بستے ہیں؟

❋ ❋ ❋

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰیاتُھا: 129 سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھا: 16

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ
اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝٢ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ
اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْۗءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ
لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٣

(مسلمانو!) جن مشرکوں کے ساتھ تم نے (صلح وامن کا) معاہدہ کیا تھا اب اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بری الذمہ ہونے کا ان کے لیے اعلان ہے (۱) کہ ''چار مہینے تک ملک میں چلو پھرو (کوئی روک ٹوک نہیں- اس کے بعد جنگ کی حالت قائم ہو جائے گی) اور یاد رکھو تم کبھی اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے اور اللہ منکروں کو (پیروان حق کے ہاتھوں) ذلیل کرنے والا ہے'' (۲)

اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج کے بڑے دن عام منادی کی جاتی ہے کہ اللہ مشرکوں سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی- (یعنی اب کوئی معاہدہ اللہ کے نزدیک باقی نہیں رہا اور نہ اس کا رسول کسی معاہدہ کے لیے ذمہ دار ہے) پس اگر تم (اب بھی ظلم وشرارت سے) توبہ کر لو تو تمہارے لیے اس میں بہتری ہے اور اگر نہ مانو گے تو جان رکھو تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور (اے پیغمبر!) جو لوگ کفر کی راہ چل رہے ہیں انہیں عذاب دردناک کی خوشخبری سنا دو! (۳)

(۱) کوئی شخص کتنے ہی مخالفانہ ارادے سے مطالعہ کرے' لیکن تاریخ اسلام کے چند واقعات اس درجہ واضح اور قطعی ہیں کہ ممکن نہیں ان سے انکار کیا جا سکے- ازاں جملہ یہ کہ جو جماعتیں پیغمبر اسلام ﷺ کی مخالف تھیں ان کے تمام کام اول سے لے کر آخر تک ظلم وتشدد' دغا وفریب وحشت وخونخواری پر مبنی رہے اور پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے جو کچھ کیا اس کا ایک ایک فعل صبر وتحمل' راستی ودیانت اور عفو وبخشش کا اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ تھا- مظلومی میں صبر' مقابلہ میں عزم' معاملہ میں راست بازی' طاقت واختیار میں درگزر تاریخ انسانیت کے وہ نوادر ہیں جو کسی ایک زندگی کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے!

قریش مکہ نے جس طرح ظلم وتعدی میں کمی نہیں کی اسی طرح بدعہدی میں بھی اپنی مثال چھوڑ گئے- آخری معاملہ حدیبیہ کی صلح کا تھا- اس میں ایک طرف مسلمان اور ان کے حلیف تھے- دوسری طرف قریش اور ان کے حلیف- مسلمانوں کے ساتھ قبیلہ خزاعہ شریک ہوا- قریش کے ساتھ بنو بکر- صلح کی بنیادی شرط یہ تھی کہ دس برس تک دونوں فریق صلح وامن پر قائم رہیں گے- لیکن ابھی دو برس بھی نہیں گزرے تھے کہ بنو بکر نے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے ان کی مدد کی حتیٰ کہ خود سہیل بن عمرو حملہ میں شریک ہوا جس نے معاہدہ حدیبیہ پر دستخط کیے تھے- بنو خزاعہ نے خانہ کعبہ میں پناہ لی اور خدا کے نام پر امان مانگی تھی اس پر بھی بے دریغ قتل کیے گئے تھے- چالیس آدمی بچ کر مدینہ پہنچے اور پیغمبر اسلام کو اپنا حال زار سنایا- اب معاہدہ کی رو سے پیغمبر اسلام ﷺ کا فرض ہو گیا کہ قریش کی عہد شکنی برداشت نہ کریں- ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِلَّا الَّذِينَ عٰهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْـًٔا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ
عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٤﴾ فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ
وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا
الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ
يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾ كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ ع

ہاں، مشرکوں میں سے وہ لوگ کہ تم نے ان سے معاہدہ کیا تھا پھر انہوں نے (قول قرار نباہنے میں) کسی طرح کی کمی نہیں کی اور نہ ایسا کیا کہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی ہو، اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ پس چاہیے کہ ان کے ساتھ جتنی مدت کے لیے عہد ہوا ہے اتنی مدت تک اسے پورا کیا جائے۔ اللہ انہیں دوست رکھتا ہے جو (ہر بات میں) متقی ہوتے ہیں! (۴) پھر جب حرمت کے مہینے گزر جائیں تو (جنگ کی حالت قائم ہوگئی) مشرکوں کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو اور جہاں کہیں ملیں گرفتار کرلو۔ نیز ان کا محاصرہ کرو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر ایسا ہو کہ وہ باز آ جائیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان سے کسی طرح کا تعرض نہ کیا جائے۔ بلاشبہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا رحمت والا ہے! (۵) اور (اے پیغمبر!) اگر مشرکوں میں سے کوئی آدمی آئے اور تم سے امان مانگے تو اسے ضرور امان دو۔ یہاں تک کہ وہ (اچھی طرح) اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے (باامن) اس کے ٹھکانے پہنچا دو۔ یہ بات اس لیے ضروری ہوئی کہ یہ لوگ (دعوت حق کی حقیقت کا) علم نہیں رکھتے۔ (۶) یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ (ان) مشرکوں کا عہد اللہ

⇦ چنانچہ دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے کوچ کیا اور بغیر کسی قابل ذکر خونریزی کے مکہ کی فتح مبین ظہور میں آ گئی۔

فتح کے بعد ۹ ہجری میں اس سورت کی ابتدائی آیتیں تیس یا چالیس تک نازل ہوئیں اور پیغمبر اسلام ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو ذیقعدہ میں مکہ بھیجا کہ حج کے موقع پر بطور اعلان عام کے یہ آیات مشتہر کر دیں۔ یعنی:

(ا) جن جماعتوں نے بدعہدی کی ان کے ساتھ اب کوئی معاہدہ نہیں رہا۔ تاہم اچانک ان پر حملہ نہیں کیا جاتا۔ چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے جو حج کے دن سے شروع ہوگی اور ۱۰ ربیع الآخر کو ختم ہوگی۔ اس عرصہ میں انہیں نقل و حرکت کا پورا امن حاصل ہوگا۔ لیکن اس کے بعد جنگ کی حالت تصور کی جائے گی۔

(ب) لیکن جن جماعتوں نے بدعہدی نہیں کی، تو ان کا معاہدہ اپنی جگہ پر قائم ہے۔

(ج) حرم کعبہ اب شرک کی تمام آلودگیوں سے پاک کر دیا گیا ہے جو مشرکین عرب نے پیدا کر دی تھیں، پس آئندہ یہ عبادت گاہ صرف اہل توحید و ایمان کے لیے ہوگئی۔ کوئی مشرک آئندہ سال سے اس کا قصد نہ کرے (آیت ۲۸)

سورت کا بقیہ حصہ بھی ۹ ہجری ہی میں غزوہ تبوک کے اثنا میں اور اس کے بعد نازل ہوا تھا۔

☆☆ (۲) یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہاں لڑائی کا جو حکم دیا گیا ہے۔ اس کا تعلق صرف ان مشرک جماعتوں سے تھا جو عرب میں ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹

اوراس کے رسول کے نزدیک عہد ہو؟ ہاں جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے قریب (حدیبیہ میں) عہد و پیمان باندھا تھا (اور انہوں نے اسے نہیں توڑا) تو (ان کا عہد ضرور عہد ہے اور) جب تک وہ تمہارے ساتھ (اپنے عہد پر) قائم رہیں تم بھی ان کے ساتھ (اپنے عہد پر) قائم رہو- اللہ انہیں دوست رکھتا ہے جو (اپنے تمام کاموں میں) متقی ہوتے ہیں- (۷)

ان مشرکوں کا عہد کیونکر عہد ہوسکتا ہے جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر آج تم پر غلبہ پا جائیں تو نہ تو تمہارے لیے قرابت کا پاس کریں نہ کسی عہد و پیمان کا- وہ اپنی باتوں سے تمہیں راضی کرنا چاہتے ہیں مگر ان کے دلوں کا فیصلہ اس کے خلاف ہے اور ان میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں- (یعنی راست بازی کے تمام طریقوں اور پابندیوں سے باہر ہو چکے ہیں) (۸)

ان لوگوں نے اللہ کی آیتیں ایک بہت ہی حقیر قیمت پر بیچ ڈالیں- (یعنی ہوائے نفس کے تابع ہو گئے اور اللہ کی آیتوں پر یقین نہیں کیا) پس اس کی راہ سے لوگوں کو روکنے لگے- (افسوس ان پر!) کیا ہی برا ہے جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں! (۹)

⇦ دعوت اسلام کی پامالی کے لیے لڑ رہی تھیں نہ کہ دنیا جہاں کے تمام مشرکوں کے لیے- چنانچہ اول سے لے کر آخر تک خطاب خاص جماعتوں سے ہے اور صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے کہ ان جماعتوں نے کس طرح عہد شکنی کی اور کس طرح خود ہی جنگ کے اعادہ کا باعث ہوئے- نیز ظلم و جنگ کی ابتدا کرنے والے بھی وہی ہیں-

(۳) آیت (۵) سے یہ بات قطعی طور پر واضح ہو گئی کہ جس بات کے بعد ایک جماعت مسلمانوں کی جماعت تسلیم کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ زبان سے اسلام کا اقرار کرے اور عمل میں دو باتیں ضرور آ جائیں: نماز کی جماعت کا قیام اور زکوۃ کی ادائیگی- اگر یہ دو عملی باتیں ایک جماعت میں مفقود ہیں تو اس کا شمار مسلمانوں میں نہ ہوگا-

اس اعتبار سے ایک فرد کی حالت میں اور ایک جماعت کی حالت میں جو فرق ہے اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے- اگر ایک فرد قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوۃ میں کوتاہی کرتا ہے تو گنہگار ہے- لیکن اگر ایک جماعت نے بہ حیثیت جماعت کے ترک کر دیا تو اسلامی زندگی کی بنیادی شناخت کھو دی اور وہ مسلمان نہیں- ان چند لفظوں میں تمہیں اس تمام نزاع کا فیصلہ مل جا سکتا ہے جو تارک صلوٰۃ کے باب میں چلی آتی ہے بشرطیکہ غور و فکر سے کام لو-

(۴) غور کرو جنگ کی سخت سے سخت حالت میں بھی اصل مقصد یعنی ارشاد و موعظت کا دروازہ کس طرح کھلا رکھا؟ اور کس طرح دین و اعتقاد کے معاملہ کو جبر و اکراہ کے شبہ سے بھی بالاتر رکھا گیا؟ آیت (۶) میں فرمایا ان مشرکوں میں ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جن میں قرآن سننے اور حقیقت حال معلوم کرنے کی خلش پیدا ہو- اگر کوئی ایسا آدمی آ جائے تو عین لڑائی کی حالت میں بھی اسے بخوشی پناہ دو- جب تک رہنا چاہے رہے- ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ⑩ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑪ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ⑫ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑬

کسی مومن کے لیے نہ تو قرابت کا پاس کرتے ہیں نہ عہد و قرار کا۔ یہی لوگ ہیں کہ ظلم میں حد سے گزر گئے ہیں۔ (۱۰)

بہر حال اگر یہ باز آئیں نماز قائم کریں زکوٰۃ ادا کریں' تو (پھر ان کے خلاف تمہارا ہاتھ نہیں اٹھنا چاہیے۔ وہ) تمہارے دینی بھائی ہو گئے۔ ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔ (۱۱)

اور اگر یہ اپنے عہد و پیمان جو خود کر چکے ہیں توڑ ڈالیں اور تمہارے دین کو برا بھلا کہیں تو پھر (اس کے سوا چارہ نہیں کہ ان) کفر کے سرداروں سے جنگ کرو۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی سوگند سوگند نہیں۔ (اور تمہیں جنگ اس لیے کرنی چاہیے) تا کہ یہ (ظلم و بدعہدی سے) باز آ جائیں۔

(مسلمانو!) کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرتے جنہوں نے اپنے عہد و پیمان کی قسمیں توڑ ڈالیں' جنہوں نے اللہ کے رسول کو اس کے وطن سے نکال باہر کرنے کے منصوبے کیے اور پھر تمہارے برخلاف لڑائی میں پہل بھی انہی کی طرف سے ہوئی؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ (اگر ڈرتے ہو تو تم مومن نہیں کیونکہ) اگر مومن ہو تو اللہ اس بات کا زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا ڈر تمہارے دلوں میں بسا ہو! (۱۳)

⇦ قرآن سنے اور جب جانا چاہے تو اسے اس کے ٹھکانے بحفاظت پہنچا دیا جائے تا کہ اپنے امن کی جگہ پہنچ کر آزادی و اختیار کے ساتھ غور و فکر کرے اور جو راہ چاہے اختیار کرے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دین کے بارے میں تقلید کافی نہیں۔ فہم و اذعان ضروری ہے ورنہ قرآن کا سنانا اور پھر غور و فکر کی مہلت دینا ضروری نہ ہوتا۔ یاد رہے قرآن جس طرح اس معاملہ میں جبر کی پرچھائیں بھی دیکھنا نہیں چاہتا اسی طرح تقلیدی اعتقاد کا بھی روادار نہیں۔

☆☆ (۶) آیت (۷) سے لے کر (۱۳) تک یہ حقیقت واضح کی ہے کہ دشمنوں کی پے در پے عہد شکنیوں اور ظلم و عداوت کی انتہا نے کس طرح اس اعلان جنگ کو ناگزیر کر دیا تھا۔ فرمایا جن لوگوں نے بار بار عہد کیے اور بار بار خلاف ورزی کی اور پھر صلح حدیبیہ کا آخری عہد بھی اس ظالمانہ طریقہ پر پامال کیا اب ان کا عہد کیونکر عہد سمجھا جا سکتا ہے؟ ہاں جو فریق اس عہد پر قائم رہے تو یقیناً ان کا عہد اپنی جگہ قائم ہے۔ اسلام کسی حال میں بھی بدعہدی جائز نہیں رکھ سکتا۔

فرمایا ان کی دلی عداوت کا یہ حال ہے کہ اگر اب بھی قابو پا جائیں تو ایک مومن کو زندہ نہ چھوڑیں۔ اگر ایسے لوگوں کے خلاف اعلان جنگ نہ کیا جاتا تو نتیجہ یہ نکلتا کہ مسلمان دائمی خطرہ میں چھوڑ دیے جاتے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٤﴾
وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٥﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ
اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ
ع وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ
اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٧﴾

(مسلمانو!) ان سے (بلا تامل) جنگ کرو- اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب دے گا' انہیں رسوائی میں ڈالے گا' ان پر تمہیں فتح مند کرے گا اور جماعت مومنین کے دلوں کے سارے دکھ دور کر دے گا (۱۴) ان کے دلوں کی جلن باقی نہیں رہے گی- اور پھر جس پر چاہے گا اپنی رحمت سے لوٹ آئے گا- اللہ سب کچھ جانتا اور (اپنی ہر بات میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۱۵)

(مسلمانو!) کیا تم نے ایسا سمجھ رکھا ہے کہ تم اتنے ہی میں چھوڑ دیے جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تو اللہ نے ان لوگوں کو پوری طرح آزمائش میں ڈالا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے اور اللہ کے رسول اور مومنوں کو چھوڑ کر کسی کو اپنا پوشیدہ دوست نہیں بنایا ہے- (یاد رکھو) جیسے کچھ بھی تمہارے اعمال ہیں خدا ان سب کی خبر رکھنے والا ہے! (۱۶)

مشرکوں کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں ایسی حالت میں کہ وہ خود اپنے کفر کا اعتراف کر رہے ہیں- یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سارے عمل اکارت گئے اور وہ عذاب آتش میں ہمیشہ رہنے والے ہیں- (۱۷)

آیت (۱۳) میں فرمایا جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس کی ابتدا کس نے کی؟ کس نے مظلوموں کو جلاوطنی پر مجبور کیا اور کون فوج لے کر ان پر حملہ آور ہوا؟ یہی لوگ تھے جو یہ سب کچھ کرتے رہے- اب اگر ہم ان کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوئے ہیں تو اس کی ذمہ داری انہی پر ہے-

(۷) پھر غور کرو قرآن ہر جگہ اس جنگ کا مقصد کیا قرار دیتا ہے؟ جس کی اس نے اجازت دی تھی- آیت (۱۲) میں فرمایا لعلھم ینتھون تاکہ ظلم و بدعہدی سے باز آ جائیں- اسی طرح سورہ انفال کی آیت (۵۷) میں گزر چکا ہے لعلھم یذکرون تاکہ عبرت پذیر ہوں- یعنی یہ دفاعی جنگ بھی انتقام کے خیال سے یا دنیوی انتفاع و تغلب کے لیے نہیں ہے بلکہ محض اس لیے ہے کہ ارباب ظلم و تشدد اپنی بدکرداریوں سے باز آ جائیں- چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ناگزیر حالت سے زیادہ ایک لمحہ کے لیے قرآن نے جنگ کا قیام جائز نہیں رکھا اور پے در پے عہد شکنیوں اور سخت سے سخت مظالم کے بعد بھی دشمنوں پر دروازہ کبھی بند نہیں کیا-

(۸) آیت (۱۴) میں چھ باتیں فرمائی تھیں:

(ا) تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب ملے گا- (ب) وہ رسوا ہوں گے-

(ج) تم فتح مند رہو گے- (د) مومنوں کے دلوں میں اپنی مصیبتوں اور اندوہوں کے جتنے دکھ ہیں سب دور ہو جائیں گے-

(ہ) ان کے دلوں کی جلن نکل جائے گی- (و) جنہیں توبہ ملنی ہے وہ تائب ہوں گے-

چنانچہ غور کرو کس طرح یہ تمام باتیں حرف بحرف پوری ہوئیں- مشرکین عرب کی ہستی ہمیشہ کے لیے مٹ گئی- انہی مسلمانوں کے ہاتھوں جو بیس برس تک ان کے مظالم سہتے رہے تھے ان کی قوت کا خاتمہ ہو گیا- ان کی رسوائی اس سے زیادہ کیا ہو گی کہ تاریخ کے ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ

وقف لازم

فی الحقیقت مسجدوں کو آباد کرنے والا تو وہ ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا' نماز قائم کی' زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہ مانا - جو لوگ ایسے ہیں انہی سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ (سعادت و کامیابی کی) راہ پانے والے ثابت ہوں گے! (۱۸)

کیا تم لوگوں نے یوں ٹھہرا رکھا ہے کہ حاجیوں کے لیے سبیل لگا دینی اور مسجد حرام کو آباد رکھنا اسی درجہ کا کام ہے جیسا اس شخص کا کام جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں اور اللہ (کا قانون ہے کہ وہ) ظلم کرنے والوں پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا - (۱۹)

جو لوگ ایمان لائے' ہجرت کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو یقیناً اللہ کے نزدیک ان کا بہت بڑا درجہ ہے اور وہی ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں! (۲۰) ان کا پروردگار انہیں اپنی رحمت اور کامل خوشنودی کی بشارت دیتا ہے - نیز

⇦ صفحات پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہوگئی - اور پھر مسلمانوں کے دلوں کو مظلومیت و بے چارگی کے سارے دکھوں سے کیسی شفا کامل ملی کہ پچیس برس کے اندر وہ کرہ زمین کی سب سے اشرف و بہتر مخلوق تسلیم کر لیے گئے!

(۹) آیت (۱۷) سے سلسلہ بیان ایک دوسرے معاملہ کی طرف متوجہ ہوا ہے جس کا اس موقع پر اعلان کیا گیا تھا اور جو فی الحقیقت اس صورت حال کا لازمی نتیجہ تھا - یعنی خانہ کعبہ کی مستقل حیثیت - فرمایا یہ پرستاران توحید کی عبادت گاہ تھی اور اب آئندہ بھی انہی کے لیے مخصوص رہے گی - مشرکوں کو یہ حق نہیں کہ اسے اپنے مشرکانہ اعمال اور رسوم سے ملوث کریں - چنانچہ اوپر گزر چکا ہے کہ ۹ ہجری کے حج میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جن امور کا اعلان عام کیا' ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آئندہ سال سے کوئی مشرک خانہ کعبہ میں قدم نہ رکھ سکے گا - اور اسی حکم کی یہ تمہید ہے جو آیت مذکور سے شروع ہوئی ہے -

(۱۰) قریش مکہ کو خانہ کعبہ کی مجاوری اور حاجیوں کے کاروبار کے منصرم ہونے کا بڑا غرور تھا - اور جب ایک جماعت اعتقاد و عمل کی حقیقت سے محروم ہو جاتی ہے تو اسی طرح کے رسوم و مظاہر کو ہر طرح کی بزرگی و سعادت کا ذریعہ سمجھنے لگتی ہے - چنانچہ آج کل مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے - کسی بزرگ کی سجادہ نشینی' کسی مزار کی مجاوری' کسی زیارت گاہ کا متولی ہونا جو اثر و رسوخ رکھتا ہے وہ بڑے سے بڑے اور بہتر سے بہتر مومن و متقی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا - ایک صالح و متقی مسلمان کو کوئی نہیں پوچھے گا' لیکن ایک فاسق و فاجر مجاور یا متولی درگاہ کی ہزاروں آدمی قدم بوسی کریں گے! یہاں اسی گمراہی کا ازالہ کیا ہے - فرمایا اصلی نیکی یہ نہیں ہے کہ حاجیوں کو پانی پلانے کی سبیل لگا دی یا خانہ کعبہ میں روشنی کر دی - ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿٢١﴾ خٰلِدِيْنَ فِيهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ
فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٣﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ
وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ
مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٤﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ ع ۴

ایسے باغوں کی جہاں ان کے لیے ہمیشگی کی نعمت ہوگی (۲۱) اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے- یقیناً اللہ کے پاس (نیک کرداروں کے لیے) بہت بڑا اجر ہے! (۲۲)

مسلمانو! اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو عزیز رکھیں تو انہیں اپنا رفیق و کارساز نہ بناؤ- اور جو کوئی بنائے گا تو ایسے ہی لوگ ہیں جو (اپنے اوپر) ظلم کرنے والے ہیں! (۲۳) (اے پیغمبر!) مسلمانوں سے کہہ دے "اگر ایسا ہے کہ تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہاری برادری، تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے، تمہاری تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے ڈرتے ہو، تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں اس قدر پسند ہیں یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے، اس کے رسول سے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں تو (کلمہ حق تمہارا محتاج نہیں) انتظار کرو- یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ (کا مقررہ قانون ہے کہ وہ) فاسقوں پر (کامیابی و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا! (۲۴)

(مسلمانو!) یہ واقعہ ہے کہ اللہ بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کر چکا ہے (جبکہ تمہیں اپنی قلت و کمزوری سے کامیابی کی امید نہ تھی) - اور جنگ حنین کے موقع پر بھی جبکہ تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے (اور سمجھے تھے کہ محض اپنی کثرت سے میدان

⇦ اصلی نیکی تو اس کی ہے جو ایمان لایا اور جس نے اعمال حسنہ انجام دیے-

(۱۱) نیز یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ خدا کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمانوں کو پہنچتا ہے اور وہی اسے آباد رکھنے والے ہو سکتے ہیں- یہاں سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ فاسق و فاجر آدمی مساجد کا متولی نہیں ہو سکتا- کیونکہ دونوں میں کوئی مناسبت باقی نہیں رہتی بلکہ متضاد باتیں جمع ہو جاتی ہیں- مسجد خدا پرستی کا مقام ہے اور متولی خدا پرستی سے نفور!

(۱۲) آیت (۱۸) میں مومن صادق کی جو تعریف بیان کی اس میں ایمان باللہ اور قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ "اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ مانا" اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک اسلام کے فکری و عملی ارکان میں سے ایک رکن یہ بھی ہے اور جس دل میں ماسوا اللہ کی دہشت ہو وہ پورا مسلمان نہیں-

☆☆ (۱۳) آیت (۲۰) میں واضح کر دیا کہ اللہ کے نزدیک بزرگی و فضیلت کا معیار کیا ہے؟ فرمایا سب سے بڑا درجہ انہی کا ہے جنہوں نے سچائی کی راہ میں ہر طرح کی قربانیاں کیں اور ایمان و عمل کی آزمائش میں پورے اترے- تمہارے گھڑے ہوئے تقدس و بزرگی کے مناصب اور رواجی بڑائیاں اللہ کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتیں-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ
سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ
وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ

مارلو گے) تو دیکھو وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی ساری وسعت پر بھی تمہارے لیے تنگ ہوگئی - بالآخر ایسا ہوا کہ تم میدان کو پیٹھ دکھا کر بھاگنے لگے - (۲۵)

پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی جانب سے دل کا سکون وقرار نازل فرمایا اور ایسی فوجیں اُتار دیں جو تمہیں نظر نہیں آئی تھیں اور (اس طرح) ان لوگوں کو عذاب دیا جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی اور یہی جزا ہے ان لوگوں کی جو کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں! (یعنی ان کی بدعملی کا لازمی نتیجہ یہی ہے) (۲۶)

پھر اس کے بعد اللہ جس پر چاہے گا اپنی رحمت سے لوٹ آئے گا (یعنی توبہ قبول کرلے گا) اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا رحمت والا ہے! (۲۷)

مسلمانو! حقیقت حال اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ مشرک نجس ہیں (یعنی شرک نے ان کے دلوں کی پاکی سلب کرلی ہے) پس چاہیے کہ اب اس برس کے بعد سے (۹ ہجری کے بعد سے) مسجد حرام کے نزدیک نہ آئیں اور اگر تم کو (ان کی آمد ورفت

یہاں سے معلوم ہوا کہ آج کل مسلمانوں کی عام مذہبی ذہنیت کس درجہ اسلام سے دور ہوگئی ہے - جاہلیت عرب کی طرح وہ بھی رواجی نیکیوں کو حقیقی اسلامی نیکیوں پر ترجیح دینے لگے ہیں - اگر ایک فاسق وفاجر امیر محرم میں سبیل لگا دیتا ہے یا ربیع الاول میں دھوم دھام سے مولود کی مجلس کر دیتا ہے یا کسی مسجد اور درگاہ میں بجلی کی روشنی کرا دیتا ہے تو تمام مسلمان اس کی حمد وثنا کا غلغلہ مچا دیتے ہیں اور کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ اس کے ایمان وعمل اور ایثار فی اللہ وللہ کا کیا حال ہے - سو یاد رکھنا چاہیے کہ رواجی نیکیاں اللہ کے نزدیک نیکیاں نہیں ہیں - نیکی کا معیار صرف ایمان وعمل اور ایمان وعمل کی راہ میں ایثار ہے -

(۱۴) اوپر گذر چکا ہے کہ یہ سورت ۹ھ میں نازل ہوئی تھی اور ابتدائی آیتیں سال کے آخری مہینوں یعنی حج کے مہینوں میں اعلان عام کی غرض سے مشتہر کی گئیں - یہ وہ وقت تھا کہ مکہ فتح ہو چکا تھا' جنگ حنین نے دشمنوں کی رہی سہی قوت بھی ختم کر دی تھی' غزوہ تبوک میں تیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی تھی اور جزیرہ عرب میں مسلمانوں کے سوا اور کوئی قوت نظر نہیں آتی تھی - تاہم صورت حال کے بعض پہلو ایسے تھے جو کمزوری سے خالی نہ تھے:

(۱) مکہ کے طلقا کا ایک بڑا گروہ نیا نیا مسلمانوں میں داخل ہوا تھا - یعنی ان باشندگان مکہ کا جنہیں پیغمبر اسلام ﷺ نے عفو وبخشش کی ایک بے نظیر مثال قائم کرتے ہوئے فتح مکہ کے دن آزاد کر دیا تھا اور فرمایا تھا: انتم الطلقاء - آج تم سے کوئی باز پرس نہیں - یہ ابھی اسلامی زندگی کی پختگی کے محتاج تھے اور ان میں سے بہتوں کے عزیز واقربا دشمنوں میں ملے ہوئے تھے - جب اعلان جنگ ہوا تو انہیں اپنے قرابت داروں کی فکر ہوئی بعضوں نے جاہلیت کی نسبی اور خاندانی عصبیت کی صدا بھی بلند کی جو ابھی پوری طرح ان کے دلوں سے محو نہیں ہوئی تھی -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى ع
الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ

کے بند ہو جانے سے) فقر و فاقہ کا اندیشہ ہو (کہ وہ ہر طرح کی ضروری چیزیں باہر سے لاتے اور تجارت کرتے ہیں) تو گھبراؤ نہیں- اللہ چاہے گا تو عنقریب تمہیں اپنے فضل سے تونگر کر دے گا- اللہ سب کچھ جانتا اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۲۸)

اہل کتاب میں سے جن لوگوں کا یہ حال ہے کہ نہ تو خدا پر (سچا) ایمان رکھتے ہیں نہ آخرت کے دن پر- نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے (ان کی کتاب میں) حرام ٹھہرا دیا ہے اور نہ سچے دین ہی پر عمل پیرا ہیں تو (مسلمانو!) ان سے (بھی) جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اپنی خوشی سے جزیہ دینا قبول کر لیں اور حالت ایسی ہو جائے کہ ان کی سرکشی ٹوٹ چکی ہو- (۲۹)

اور یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے- یہ ان کی باتیں ہیں محض ان کی زبان سے نکالی ہوئی (ورنہ سمجھ بوجھ کر کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتا) ان لوگوں نے بھی انہی کی سی بات کہی جو ان سے پہلے کفر کی راہ اختیار کر چکے ہیں- ان پر اللہ کی لعنت! یہ کدھر کو بھٹکے جا رہے ہیں! (۳۰)

(ب) منافق اور کچے دل کے آدمی بھی ابھی باقی تھے- وہ کہنے لگے اب جنگ کے اعلان کی ضرورت کیا ہے؟ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا-

(ج) عام مسلمانوں میں بھی فتح و عروج کی وجہ سے کچھ نہ کچھ بے پروائی سی پیدا ہو گئی تھی- لوگ خیال کرتے ہوں گے اب تو تمام عرب کلمہ حق کے آگے جھک رہا ہے اور دشمنوں میں کچھ دم خم باقی نہیں رہا- حالانکہ مشیت الٰہی نے عروج اسلام کا جو نقشہ کھینچا تھا' وہ کچھ اور ہی تھا اور اس موقعہ پر طبیعتوں کی بے پروائی نہ صرف مستقبل کے لیے بلکہ موجودہ حالت کے لیے بھی خطرہ سے خالی نہ تھی-

پس ضروری تھا کہ مسلمانوں کو ایمان و عمل کے عزائم کی از سر نو تلقین کی جائے اور یاد دلایا جائے کہ آزمایش ابھی ختم نہیں ہوئی ہے بلکہ شروع ہوئی ہے- ازاں جملہ اس اعلان جنگ کی آزمایش ہے جسے دشمنوں کے غدر و فریب نے ناگزیر کر دیا ہے اور ملک کے امن و امان کا استحکام اس کے بغیر ممکن نہیں- چنانچہ پہلے آیت (۱۶) میں فرمایا تھا ایسا نہ سمجھو کہ تم اتنے ہی میں چھوڑ دیے جاؤ گے جتنا کچھ ہو چکا ہے بلکہ ابھی ایمان و عمل کی آزمائشیں باقی ہیں- اب یہاں سچے مومنوں کی فضیلت بیان کرنے کے بعد آیت (۲۳) میں خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی کہ ایمان کا دعویٰ اور مومنوں کے دشمنوں سے موالات ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے- اگر باپ اور بھائی بھی دشمنوں میں سے ہوں جب بھی تمہیں ان سے کوئی علاقہ نہیں رکھنا چاہیے-

(۱۵) آیت (۲۴) مہمات مواعظ میں سے ہے اور اس باب میں قطعی ہے کہ اگر حب ایمانی اور غیر ایمانی میں مقابلہ ہو جائے تو مومن وہ ہے جس کی حب ایمانی پر دنیا کی کوئی محبت اور علاقہ بھی غالب نہ آ سکے- یہاں آٹھ چیزوں کا ذکر ہے اور اگر غور کرو گے تو ایک متمدن زندگی ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٣٠﴾ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا
إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾ يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ
وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ
لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ
لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ

النصف

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علما اور مشائخ کو پروردگار بنا لیا - اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی - حالانکہ انہیں جو کچھ حکم دیا گیا تھا وہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک خدا کی بندگی کرو - کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی - اس کی پاکی ہو اس سے جو یہ اس کی ذات میں لگا رہے ہیں! (۳۱)

یہ لوگ چاہتے ہیں اللہ کی روشنی اپنی پھونکوں سے بجھا دیں حالانکہ اللہ یہ روشنی پوری کیے بغیر رہنے والا نہیں اگرچہ کافروں کو پسند نہ آئے! (۳۲)

(ہاں) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو حقیقی ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اس دین کو تمام (ٹھہرائے ہوئے) دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکوں کو ایسا ہونا پسند نہ آئے! (۳۳)

مسلمانو! یاد رکھو (یہودیوں اور عیسائیوں کے) علما اور مشائخ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال ناحق و ناروا کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے انہیں روکتے ہیں اور جو لوگ چاندی سونا اپنے ذخیروں میں ڈھیر کرتے رہتے ہیں

⇦ کے تمام علائق ان میں آ گئے ہیں نیز جس ترتیب سے ذکر کیا ہے علائق کی گیرائیوں کی قدرتی ترتیب یہی ہے - فرمایا انسان کی مدنی زندگی کی الفتوں کے بڑے رشتے یہی ہیں اور اپنی جگہ سب مطلوب و ضروری ہیں لیکن اگر محبت ایمانی میں اور ان میں مقابلہ ہو جائے تو پھر مومن وہ ہے جس پر ان تمام الفتوں میں سے کسی الفت کا بھی جادو چل نہ سکے - اور کوئی علاقہ بھی اسے اتباع حق سے روک نہ سکے!

غور کرو قرآن فطرت انسانی کی کمزوریوں کا کس طرح کھوج لگاتا ہے؟ فرمایا "اور تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تمہیں ڈر لگا رہتا ہے" یعنی عزائم و مقاصد کی راہ میں جب کبھی قدم اٹھایا جائے گا تو ناگزیر ہے کہ صورت حال میں انقلاب ہو اور جب انقلاب ہو گا خواہ جنگ کی صورت میں ہو خواہ کسی دوسری صورت میں تو عارضی طور پر کاروبار ضرور بگڑے گا مال و جائداد کے لیے خطرات ضرور پیدا ہوں گے اور یہی بات مال و دولت کے پرستاروں پر ہمیشہ شاق گزرتی ہے - وہ کہتے ہیں ہمارا کاروبار خراب ہو جائے گا اور نہیں جانتے کہ اگر راہ حق میں استقامت دکھائیں تو جو کچھ خراب ہو گا وہ بہت تھوڑا ہو گا اور پھر جو کچھ بنے گا وہ بہت زیادہ ہو گا - وان اللہ عندہ اجر عظیم!

محبت ایمانی کی اس آزمایش میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس طرح پورے اترے اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کر لی ہے اور محتاج بیان نہیں بلا شائبہ مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہو گا جیسا صحابہؓ نے اللہ کے رسول سے راہ حق میں کیا - انہوں نے اس محبت کی راہ میں سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کر سکتا ہے اور ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ
فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا
كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ
اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾

اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے' تو ایسے لوگوں کو عذاب دردناک کی خوش خبری سنا دو! (۳۴)

عذاب دردناک کا وہ دن جبکہ (ان کا جمع کیا ہوا) سونے چاندی کا ڈھیر دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کے ماتھے' ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور اس وقت کہا جائے گا:) یہ ہے جو تم نے اپنے لیے ذخیرہ کیا تھا- سو جو کچھ ذخیرہ کر کے جمع کرتے رہے اس کا مزہ آج چکھ لو! (۳۵)

اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ مہینے کی ہے- اللہ کی کتاب میں ایسا ہی لکھا گیا جس دن آسمانوں کو اور زمین کو اس نے پیدا کیا- (یعنی جب سے اجرام سماویہ بنے ہیں خدا کا ٹھہرایا ہوا حساب یہی ہے) ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت کے مہینے ہوئے (یعنی رجب' ذی قعدہ' ذی الحجہ' محرم کہ امن کے مہینے سمجھے جاتے تھے اور لڑائی ممنوع تھی) دین کی سیدھی راہ یہ ہے- پس ان حرمت کے مہینوں میں (جنگ وخوں ریزی کر کے) اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور چاہیے کہ تمام مشرکوں سے بلا استثنا جنگ کرو جس طرح وہ تم سب سے بلا استثناء جنگ کرتے ہیں اور (ساتھ ہی) یاد رکھو کہ اللہ انہی کا ساتھی ہے جو (ہر حال میں) تقویٰ والے ہیں- (۳۶)

⇦ پھر اسی کی راہ سے سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پا سکتی ہے! لیکن آج ہمارا حال کیا ہے؟ کیا ہم میں سے کسی کو جرأت ہو سکتی ہے کہ یہ آیت سامنے رکھ کر اپنے ایمان کا احتساب کرے؟

(۱۶) آیت (۲۵) میں جنگ حنین کی طرف اشارہ ہے- ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد قبیلہ ہوازن اور ثقیف نے بنی نصر اور بنی ہلال کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا تو پیغمبر اسلام ﷺ مکہ سے نکلے اور حنین نامی وادی میں مقابلہ ہوا- اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد دشمنوں سے تین گنا زیادہ تھی اس لیے لوگوں کو اپنی کثرت تعداد کا گھمنڈ ہو گیا تھا- کہتے تھے اب وہ دن نہیں رہا کہ تعداد کی کمی کی وجہ سے مغلوب ہو جائیں- نتیجہ یہ نکلا کہ وقت پر تعداد کی کثرت کچھ کام نہ آئی' اور فتح مندی ہوئی تو محض پیغمبر اسلامؐ اور ان کے ساتھ مٹھی بھر مسلمانوں کے عزم و ہمت سے-

مسلمانوں کو پہاڑ کی ایک تنگ گھاٹی سے گزرنا تھا- وہاں دشمنوں کے تیر انداز گھات لگائے بیٹھے تھے- مسلمانوں کی فوج میں دو ہزار مکہ کے نومسلم اور بعض معاہد مشرک بھی تھے- جونہی انہوں نے قدم بڑھایا دشمنوں نے تیروں پر رکھ لیا اور اچانک ان کے قدم اکھڑ گئے- انہیں بھاگتا دیکھ کر تمام لشکر نے بھی بھاگنا شروع کر دیا- قریب تھا کہ شکست ہو جائے مگر اللہ نے پیغمبر اسلامؐ کے قلب مبارک کو اپنے سکون و قرار کی روح سے معمور کر دیا- آپ نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ اصحاب سمرہ کو پکاریں- یعنی صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت رضوان کرنے والوں کو- ان کی ندا کا بلند ہونا تھا کہ ہمت و شجاعت کی نئی لہر سب کے دلوں میں دوڑ گئی اور پھر لوٹ کر اس بے جگری سے حملہ کیا کہ دشمنوں کے قدم اکھاڑ دیے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِنَّمَا النَّسِيٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوٓءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٧﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾

ع

''نسی'' (یعنی مہینے کو اس کی جگہ سے پیچھے ہٹا دینا جیسا کہ جاہلیت میں دستور ہو گیا تھا) اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کفر میں کچھ اور بڑھ جانا ہے- اس سے کافر گمراہی میں پڑتے ہیں- ایک ہی مہینے کو ایک برس حلال سمجھ لیتے ہیں (یعنی اس میں لڑائی جائز کر دیتے ہیں) اور پھر اسی کو دوسرے برس حرام کر دیتے ہیں- (یعنی اس میں لڑائی ناجائز کر دیتے ہیں) تاکہ اللہ نے حرمت کے مہینوں کی جو گنتی رکھی ہے' اسے اپنی گنتی سے مطابق کر کے اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینوں کو حلال کر لیں- ان کی نگاہوں میں ان کے برے کام خوشنما ہو کر دکھائی دیتے ہیں اور اللہ (کا قانون ہے کہ وہ) منکرین حق پر (کامیابی وسعادت کی) راہ نہیں کھولتا- (۳۷)

مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے اللہ کی راہ میں قدم اٹھاؤ تو تمہارے پاؤں بوجھل ہو کر زمین پکڑ لیتے ہیں! کیا آخرت چھوڑ کر صرف دنیا کی زندگی ہی پر ریجھ گئے ہو؟ (اگر ایسا ہی ہے) تو (یاد رکھو) دنیا کی زندگی کی متاع تو آخرت کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے مگر بہت تھوڑی! (۳۸)

یہ حادثہ فی الحقیقت اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی تادیب تھی تاکہ محض کثرت تعداد ہی کو کامیابی کی بنیاد نہ سمجھ لیں- بلاشبہ تعداد کی کثرت بھی موجب فتح میں سے ہے- لیکن صرف اسی سے فتح مندی نہیں مل سکتی- اصلی چیز دل کی استعداد ہے اور وہ موجود ہو تو مٹھی بھر انسان سیکڑوں انسانوں پر غالب آ سکتے ہیں-

فرمایا اللہ نے تمہیں بہت سی جنگوں میں نصرت دی حالانکہ تم بہت تھوڑے تھے اور ڈرتے تھے کہ کامیابی نہیں ہو گی- اور پھر حنین کے دن بھی فتح مندی دی جبکہ تمہیں اپنی کثرت تعداد کا نمرہ تھا اور کثرت تعداد نے کچھ کام نہیں دیا تھا-

(۱۷) آیت (۲۸) میں اسی حکم کا ذکر ہے جو اوپر گزر چکا ہے- یعنی آئندہ سے کوئی مشرک اس عبادت گاہ میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے خدائے واحد کی پرستش کے لیے بنائی تھی داخل نہ ہو سکے گا اور یہ مقام امت مسلمہ کے لیے مرکز ہدایت بن کر رہے گا جیسا کہ فی الحقیقت اسے ہونا تھا-

(۱۸) اس آیت میں مشرکوں کے نجس ہونے سے مقصود ان کی قلبی نجاست ہے نہ کہ جسمانی- کیونکہ اسلام کسی انسان کے جسم کو ناپاک نہیں قرار دیتا اور ہر انسان کو انسان ہونے کے لحاظ سے ایک درجہ پر رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے چھوت چھات کی ہر قسم اور ہر شکل کو ناجائز قرار دیا ہے- خود پیغمبر اسلام ﷺ کا یہودیوں اور مشرکوں سے ہر طرح کی معاشرت رکھنا' ایک ساتھ کھانا پینا' ان کی دعوتوں میں جانا اور انہیں دعوتوں میں بلانا حتی کہ انہیں مسجد کے اندر ٹھہرانا ثابت ہے-

(۱۹) بالاتفاق یہ حکم صرف خانہ کعبہ سے تعلق رکھتا ہے- عام مساجد میں غیر مسلموں کے لیے کوئی شرعی روک نہیں- چنانچہ پیغمبر اسلام ﷺ نے یمن کے عیسائیوں اور طائف کے مشرکوں کو اپنی مسجد میں ٹھہرایا تھا-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ

اگر قدم نہ اٹھاؤ گے تو یاد رکھو وہ تمہیں ایک ایسے عذاب میں ڈالے گا جو دردناک ہوگا اور تمہاری جگہ کسی دوسرے گروہ کو لا کھڑا کرے گا اور تم (دفاع سے غافل ہو کر) اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے (اپنا ہی نقصان کرو گے) اور اللہ تو ہر بات پر قادر ہے۔ (۳۹)

اگر تم اللہ کے رسول کی مدد نہیں کرو گے تو (نہ کرو) اللہ نے اس کی مدد کی ہے اور اس وقت کی ہے جب کافروں نے اسے اس حال میں گھر سے نکالا تھا کہ (صرف دو آدمی تھے اور) دو میں دوسرا (اللہ کا رسول) تھا اور دونوں غار (ثور) میں چھپے بیٹھے تھے۔ اس وقت اللہ کے رسول نے اپنے ساتھی سے کہا تھا "غمگین نہ ہو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے" (وہ دشمنوں کو ہم پر قابو پانے نہ دے گا) پس اللہ نے اپنا سکون و قرار اس پر نازل کیا اور پھر ایسی فوجوں سے مدد گاری کی جنہیں تم نہیں دیکھتے اور بالآخر کافروں کی بات پست کی اور (تم دیکھ رہے ہو کہ) اللہ ہی کی بات ہے جس کے لیے بلندی ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے! (۴۰)

(مسلمانو! ساز و سامان کے بوجھ سے) ہلکے ہو یا بوجھل جس حال میں ہو نکل کھڑے ہو (کہ دفاع کے لیے تمہیں بلایا جا رہا ہے) اور اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ اگر تم (اپنا نفع نقصان) جانتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ (۴۱)

☆☆ (۲۰) آیت (۲۹) میں مشرکین عرب کی طرح عرب کے یہودیوں اور شام کے عیسائیوں کے خلاف بھی جنگ کا حکم دیا ہے اور یہی آیت جزیہ کے باب میں اصل و بنیاد ہے۔ اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

(۲۱) چونکہ سلسلہ بیان اہل کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا تھا اس لیے آیت (۲۵) تک ان کی اعتقادی اور عملی گمراہیوں کے اصول و مبادی واضح کیے ہیں اور دعوت قرآنی کی دائمی فتح مندی کی بشارت دی ہے۔ ان کی ضروری تشریح بھی سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

(۲۲) چونکہ اب خانہ کعبہ اور حج کا معاملہ جاہلیت کی تمام آلودگیوں سے پاک ہو گیا تھا اس لیے ضروری تھا کہ جاہلیت کی اس جاہلانہ رسم کا بھی ازالہ کر دیا جاتا جس نے حج کا زمانہ مشتبہ کر دیا تھا اور مہینوں کے حساب کا عرب میں کوئی معیار قائم نہیں رہا تھا۔ آیت (۳۶) اور (۳۷) میں اسی بات کا اعلان کیا ہے۔ مزید تشریح کے لیے سورت کا آخری نوٹ دیکھو۔

☆☆ (۲۳) اوپر گذر چکا ہے کہ اس سورت کی بقیہ آیتیں غزوہ تبوک کے متعلق نازل ہوئی تھیں، چنانچہ یہاں سے لے کر آخر تک اسی غزوہ کا بیان ہے اور جا بجا موعظت و ارشاد کے مختلف اطراف و متعلقات بھی نمایاں ہوتے جاتے ہیں۔

"تبوک" مدینہ اور دمشق کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جس کا فاصلہ آج کل مدینہ سے چھ سو دس کلومیٹر حساب کیا گیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن
بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُونَ
أَنفُسَهُمْ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٤٢﴾ عَفَا اللَّهُ عَنكَ ۖ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ
الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ﴿٤٣﴾ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَن
يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿٤٤﴾ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

(اے پیغمبر!) اگر تمہارا بلاوا کسی ایسی بات کے لیے ہوتا جس میں قریبی فائدہ نظر آتا اور ایسے سفر کے لیے جو آسان ہوتا تو (یہ منافق) بلا تامل تمہارے پیچھے ہو لیتے۔ لیکن انہیں راہ دور کی دکھائی دی (اس لیے جی چرانے لگے) اور (تم دیکھو گے کہ یہ) قسمیں کھا کر (مسلمانوں سے) کہیں گے اگر ہم مقدور رکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ نکلتے۔ (افسوس ان پر!) یہ (قسمیں کھا کر) اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ قطعاً جھوٹے ہیں! (۴۲)

(اے پیغمبر!) اللہ تجھے بخشے! تو نے ایسا کیوں کیا کہ (ان کی منافقانہ عذر داریوں پر) انہیں (پیچھے رہ جانے کی) رخصت دے دی؟ اس وقت تک رخصت نہ دی ہوتی کہ تجھ پر کھل جاتا کون سچے ہیں اور تو معلوم کر لیتا کون جھوٹے ہیں؟ (۴۳)

جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ کبھی تجھ سے اجازت کے طلبگار نہ ہوں گے کہ اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے (اللہ کی راہ میں) جہاد کریں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ کون متقی ہیں۔ (۴۴) تجھ سے اجازت طلب کرنے والے تو وہی ہیں جو

۹ ہجری میں پیغمبر اسلام ﷺ کو خبر ملی کہ قیصر روم نے یعنی قسطنطنیہ کی مشرقی رومی حکومت نے مدینہ پر حملہ کا حکم دے دیا ہے اور عرب کے عیسائی قبائل بھی شامل ہو گئے ہیں۔ یہ مسلمانوں کے لیے پہلا موقع تھا کہ عرب سے باہر کی ایک سب سے بڑی طاقتور شہنشاہیت آمادۂ پیکار ہوئی تھی اس لیے ضروری تھا کہ بروقت مدافعت کا پورا سامان کیا جاتا۔ چنانچہ پیغمبر اسلام ﷺ نے تیاری اور کوچ کا اعلان کر دیا۔

لیکن اگر ایک طرف ضرورت ناگزیر تھی تو دوسری طرف وقت کی ساری باتیں ناموافق ہو رہی تھیں۔ مسلمان چند ماہ پہلے جنگ حنین وطائف کی لڑائی میں چکنا چور ہو چکے تھے اور اس سے پہلے فتح مکہ کا معاملہ پیش آ چکا تھا۔ پھر اچانک مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی اور چونکہ مالی وسائل محدود تھے اور باہمی اشتراک ومعاونت کی زندگی تھی اس لیے تنگی وعسرت سب پر چھائی ہوئی تھی۔ پھر موسم بڑی ہی گرمی کا تھا اور فصل کاٹنے کا وقت سر پر آ گیا تھا۔ نیز سفر ملک کے اندر نہ تھا۔ اس سے باہر چودہ مرحلوں کا تھا۔ ان سب باتوں نے مل جل کر مسلمانوں کے لیے بڑی مشکلیں پیدا کر دیں اور قدرتی طور پر ان کے قدم رک رک کر اٹھنے لگے۔ حالت بلاشبہ مجبوری کی تھی لیکن جب دفاع ملت کی گھڑی آ جائے تو اس طرح کی کوئی مجبوری مجبوری تسلیم نہیں کی جا سکتی اور ادائے فرض کی راہ بہرحال آسانیوں اور راحتوں کی راہ نہیں ہے۔ اس میں مشکلیں اور مصیبتیں جھیلنی ہی پڑیں گی۔ البتہ مصیبتیں عارضی ہوں گی اور نتائج کی کامرانیاں دوامی۔

چنانچہ ان آیات میں مسلمانوں کو اسی حقیقت کی تلقین کی گئی ہے۔

مومنین صادقین نے اس دعوت کا کیا جواب دیا؟ اور ساری باتوں کے ناموافق ہونے پر بھی کس جوش وسرگرمی کے ساتھ اٹھے؟ ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّ لَاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ

(فی الحقیقت) اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑ گئے ہیں تو اپنے شک کی حالت میں متردد ہو رہے ہیں۔ (۴۵)

اور اگر واقعی ان لوگوں نے نکلنے کا ارادہ کیا ہوتا تو اس کے لیے کچھ نہ کچھ سروسامان کی تیاری ضرور کرتے مگر (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ نے ان کا اٹھنا پسند ہی نہیں کیا۔ پس انہیں بوجھل کر دیا اور ان سے کہا گیا (یعنی ان کے بوجھل پنے نے کہا:) دوسرے بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ تم بھی بیٹھے رہو! (۴۶) اگر یہ تم مسلمانوں میں (گھل مل کے) نکلتے تو تمہارے اندر کچھ زیادہ نہ کرتے مگر (ہر طرح کی) خرابی اور ضرور تمہارے درمیان فتنہ انگیزی کے گھوڑے دوڑاتے (کہ ادھر کی بات ادھر لگاتے۔ ادھر کی ادھر) اور تم جانتے ہو کہ تم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ان کی بات پر کان دھرنے والے ہیں (پس ظاہر ہے کہ ان کی موجودگی سے بجز فتنہ وفساد کے کچھ حاصل نہ ہوتا) اور اللہ جانتا ہے کون ظلم کرنے والے ہیں۔ (۴۷)

(اے پیغمبر!) یہ واقعہ ہے کہ ان لوگوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ انگیزی کی کوششیں کیں اور تمہارے خلاف ہر طرح کی

⇦ اس کا جواب تاریخ سے مل سکتا ہے۔ مختصر لفظوں میں یہ ہے کہ تیس ہزار مسلمانوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ کوچ کیا تھا۔ اور انفاق مال کی فداکاریوں کا یہ حال تھا کہ اگر ایک طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نو سو اونٹ پیش کر دیے تھے تو دوسری طرف ابوعقیل انصاریؓ نے رات بھر ایک کھیت میں آب پاشی کر کے دو سیر چھوہارے مزدوری میں حاصل کیے تھے اور وہ لا کر اللہ کے رسول کے قدموں پر رکھ دیے تھے!

اسی فوجی تیاری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال ومتاع پیش کر دیا تھا۔ حتی کہ کرتے کی گھنڈیاں بھی توڑ کر شامل کر دی تھیں۔ اور جب اللہ کے رسول نے پوچھا تھا: ما ابقیت لاھلك "بیوی بچوں کے لیے کیا چھوڑ آئے؟"

تو اس پیکر صدق ووفا نے جواب دیا تھا اللہ و رسولہ.

چونکہ اس فوج کی تیاری بڑی ہی تنگی وافلاس کی حالت میں ہوئی تھی اس لیے جیش عسرت کے نام سے مشہور ہوئی۔

(۴۴) قرآن نے یہاں آیت (۳۹) میں اور نیز دیگر مقامات میں "استبدال اقوام" کا ذکر کیا ہے یعنی فرمایا ہے یاد رکھو اگر تم نے ادائے فرض میں کوتاہی کی تو خدا کا قانون اس طرح کا واقع ہوا ہے کہ تمہاری جگہ کسی دوسرے گروہ کو لا کھڑا کرے گا۔

تاریخ کا مطالعہ کرو تو اس "استبدال" کے مناظر تمہارے سامنے آ جائیں گے اور قرآن پر تدبر کرو تو اس کے سنن ونوامیس واضح ہو جائیں گے۔ حکمت الٰہی نے افراد کی طرح جماعتوں کی زندگی وقیام کے لیے بھی ایک خاص نظام مقرر کر دیا ہے اور اسی کے مطابق ایک جماعت کی جگہ دوسری جماعت سے اور ایک قوم کی زندگی دوسری قوم کی زندگی سے ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ قرآن کہتا ہے افراد کے نظام حیات کی طرح جماعات کا نظام حیات بھی جدوجہد، سعی وطلب اور فکر وعمل کی صلاحیت کا نظام ہے اور یہاں بھی "بقائے انفع" کا قانون کام کر رہا ہے۔ ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ
لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ
تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾
قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

تدبیریں الٹ پلٹ کر آزمائیں- (چنانچہ جنگ احد میں انہوں نے اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں کی تھی) یہاں تک کہ سچائی نمایاں ہو گئی اور اللہ کا حکم غالب ہوا اور ایسا ہونا ان کے لیے خوشگوار نہ تھا! (۴۸)

اور ان (منافقوں) میں کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے: ''مجھے اجازت دیجیے (کہ گھر میں بیٹھا رہوں) اور فتنہ میں نہ ڈالیے'' تو سن رکھو یہ لوگ فتنہ ہی میں گر پڑے (کہ جھوٹے بہانے بنا کر خدا کی راہ سے منہ موڑا- اور فتنہ یہی فتنہ ہے- نہ کہ وہ وہمی فتنہ جو ان کے نفاق نے گھڑ لیا ہے) اور بلاشبہ دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے- (۴۹)

(اے پیغمبر!) اگر تمہیں کوئی اچھی بات پیش آ جائے تو وہ انہیں (یعنی منافقوں کو) بری لگے اور اگر کوئی مصیبت پیش آ جائے تو کہنے لگیں: ''اسی خیال سے ہم نے پہلے ہی اپنے لیے مصلحت بینی کر لی تھی'' اور پھر گردن موڑ کے خوش خوش چل دیں! (۵۰)

کہہ دو ہمیں کچھ پیش نہیں آ سکتا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لیے (اپنی کتاب میں) لکھ دیا ہے- وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر (ہر طرح کا) بھروسہ رکھیں-

---

⇦ یعنی وہی جماعت کشمکش حیات میں باقی رہتی ہے جو دنیا کے لیے انفع ہو- جو انفع نہیں وہ چھانٹ دی جاتی ہے- پس جو جماعت اس قانون فطرت کے مطابق اپنے کو زندگی و بقا کا اہل ثابت نہیں کرے گی ضروری ہے کہ اس کی جگہ کسی دوسری جماعت کو مل جائے اور یہی ''استبدال اقوام'' ہے-

(۲۵) آیت (۴۰) میں واقعہ ہجرت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا ذکر سورہ انفال میں بھی گذر چکا ہے (دیکھو آیت ۳۰) جب مکہ میں اعدائے حق نے فیصلہ کر لیا کہ تمام قبائل کے لوگ مل کر بیک وقت پیغمبر اسلام ﷺ پر حملہ کر دیں تو آپ کو ہجرت کا حکم ہوا- آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر ثور کے غار میں پوشیدہ ہو گئے جو مکہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے- یہاں آپ نے تین راتیں بسر کیں اور پھر مدینہ روانہ ہو گئے- دشمن جو آپ کی تلاش میں تھے وہ یہاں بھی پہنچے لیکن اللہ نے آپ کی حفاظت کا ایسا سامان پیدا کر دیا تھا کہ بغیر دیکھے بھالے واپس چلے گئے-

یہ تین راتیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہ شمع نبوت کے پروانہ تھے جس عالم میں بسر کی ہوں گی اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس نے عشق و محبت کا کچھ بھی ذائقہ چکھا ہو- اللہ کا رسول غار میں پوشیدہ تھا' دشمن سراغ میں تھے- ہر لحہ اندیشہ تھا کہ کہیں سراغ نہ پا لیں- اور ایک مرتبہ ان کی صدائیں بھی کانوں میں آنے لگی تھیں- ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ ان کے دل کے حزن و اضطراب کا کیا عالم ہو گا؟ بلاشبہ انہیں یقین تھا کہ اللہ اپنے رسول (ﷺ) کا مددگار ہے- لیکن عشق و محبت کا قدرتی تقاضا ہے کہ محبوب کو خطرہ میں دیکھ کر اضطراب ہو- اس سے وہ اپنے دل ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۚ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ

(اس کے سوا بھروسے کا سہارا کوئی نہیں!) (۵۱)

(اے پیغمبر! تم ان سے) کہو: تم ہمارے لیے جس بات کا انتظار کرتے ہو (یعنی جنگ میں قتل ہو جانے کا) وہ ہمارے لیے اس کے سوا کیا ہے کہ دو خوبیوں میں سے ایک خوبی ہے (یعنی فتح اور شہادت میں سے شہادت) اور ہم تمہارے لیے جس بات کے منتظر ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ اپنے یہاں سے کوئی عذاب بھیج دے یا ہمارے ہی ہاتھوں عذاب دلائے۔ تو اب (نتیجہ کا) انتظار کرو۔ ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں! (۵۲)

(اور) کہو: تم (بظاہر) خوشی سے (راہ حق میں) خرچ کرو یا ناخوش ہو کر، تمہارا خرچ کرنا کبھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ تم ایک ایسے گروہ ہو گئے جو (احکام الٰہی سے) نافرمان ہے۔ (۵۳)

اور خرچ کرنے کی قبولیت سے وہ محروم نہیں کیے گئے مگر اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے انکار کیا (اگرچہ وہ ایمان کے دعوے میں کسی سے پیچھے نہیں) وہ نماز کے لیے نہیں آتے مگر کاہلی کے ساتھ، اور (راہ حق میں) مال خرچ نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ خرچ کرنے کی ناگواری ان کے دلوں میں بسی ہوئی ہے (۵۴)! تو (دیکھو) یہ بات کہ ان لوگوں کے پاس مال و دولت ہے

⇦ کو نہیں روک سکتے تھے۔ اگر روک سکتے تو محبت کی عدالت کا فیصلہ ان کے خلاف ہوتا! لیکن پیغمبر اسلام ﷺ کے سکون قلب کا عالم دوسرا تھا۔ ان کا رفیق غار جب جوش محبت میں مضطرب ہوتا تو تسلی دیتے اور فرماتے "غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے" خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب دشمن غار کے قریب آئے تو میں نے مضطرب ہو کر کہا ان میں سے کسی نے پاؤں اونچا کیا تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ابوبکر! تم ان دو آدمیوں کے لیے کیا خیال کرتے ہو جن کے لیے تیسرا خود اللہ ہے؟" (شیخین عن انس رضی اللہ عنہ)

یہاں فرمایا اللہ نے اپنی جانب سے اس پر سکون و قرار اتارا یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کیونکہ پیغمبر اسلام ﷺ کا قلب مبارک تو پہلے ہی سے ساکن و برقرار تھا۔

☆☆ (۲۶) آیت (۴۱) میں فرمایا خفافا و ثقالا خواہ ہلکے ہو خواہ بوجھل۔ یہاں اس سے مقصود کیا ہے؟ تو حق یہ ہے کہ استعداد اور کمی استعداد کی تمام حالتیں اس میں داخل ہیں۔ نوجوان نکل چلنے میں ہلکا ہوتا ہے، زیادہ عمر کا آدمی بوجھل ہوتا ہے۔ سرگرم آدمی فوراً اٹھ کھڑا ہو گا۔ کسلمند کے قدم بوجھل ہوں گے۔ جس کے علائق زیادہ ہیں وہ اپنے آپ کو اتنا ہلکا نہ پائے گا جتنا ایک مجرد آدمی یا کم علائق رکھنے والا۔ اسی طرح کوئی ساز و سامان سفر سے ہلکا ہو گا۔ کوئی اسلحہ جنگ سے۔ اگر قرآن کے سمجھنے میں ہمیں صحابہ و سلف کے فہم کا اعتبار کرنا چاہیے نہ کہ بعد کے منطقی اصولیوں اور جدلی فقیہوں کا تو انہوں نے اس طرح کی ساری صورتیں اس میں داخل سمجھی تھیں اور جب کبھی جنگ کا عام ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۵۵ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝۵۶ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝۵۷ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا

اور صاحب اولاد ہیں تمہیں متعجب نہ کرے- یہ تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ نے مال و اولاد ہی کی راہ سے انہیں دنیوی زندگی میں عذاب دینا چاہا ہے (کہ نفاق و بخل کی وجہ سے مال کا غم و بالِ جان ہو رہا ہے اور اولاد کو اپنے سے برگشتہ اور اسلام میں ثابت قدم دیکھ کر شب و روز جل رہے ہیں) اور (باقی رہا آخرت کا معاملہ تو) ان کی جانیں اس حالت میں نکلیں گی کہ ایمان سے محروم ہوں گے! (۵۵)

اور (دیکھو) اللہ کی قسمیں کھا کر (تمہیں) یقین دلاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں بلکہ ایک گروہ ہے ڈرا سہما ہوا! (۵۶)

(ان کے دلوں کے خوف و نفرت کا یہ حال ہے کہ) اگر انہیں پناہ کی کوئی جگہ مل جائے یا کوئی غار یا کوئی اور چھپ بیٹھنے کا سوراخ تو تم دیکھو کہ یہ فوراً اس کا رخ کریں اور حالت یہ ہو کہ گویا رسی توڑ کر بھاگے جا رہے ہیں- (۵۷)

اور ان میں کچھ ایسے ہیں کہ مال زکوٰۃ بانٹنے میں تجھ پر عیب لگاتے ہیں (کہ تو لوگوں کی رعایت کرتا ہے) پھر حالت ان

⇦ اعلان ہو جاتا' تو کسی حال میں بھی وہ اپنے کو شرکت سے معاف نہیں رکھتے تھے- الا یہ کہ قطعاً عاجز و معذور ہوں-

ابو راشد حرانی کہتے ہیں- میں نے مقداد بن اسود کو حمص میں دیکھا' جنگ کے لیے نکل رہے تھے- میں نے کہا خدا نے تو تمہیں معذور ٹھہرا دیا ہے (یعنی بوڑھے ہو) انہوں نے کہا ﴿ انفروا خفافا وثقالا ﴾ کا کیا جواب ہے؟ حیان ابن زید شرعبی سے مروی ہے کہ میں نے افسس جاتے ہوئے فوج میں ایک نہایت بوڑھے آدمی کو دیکھا جس کی بھویں آنکھوں پر آ گری تھیں- میں نے متعجب ہو کر کہا کیا خدا نے معذوروں کو معاف نہیں کر دیا؟ اس نے کہا خدا نے تو ہمیں ہر حال میں نکل کھڑے ہونے کا حکم دیا ہے: ﴿ خفافا وثقالا ﴾ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے (ابن جریر)

یہ آیت اس باب میں قطعی ہے کہ جب دفاع کے لیے امام بلائے تو بجز ان معذوروں کے جنہیں آگے چل کر آیت (۹۱) میں مستثنیٰ کر دیا ہے' ہر شخص پر واجب ہو جاتا ہے کہ جان و مال سے شریک جہاد ہو اور اس بارے میں کوئی عذر مسموع نہیں-

(۲۷) اب آیت (۴۲) سے سلسلہ بیان منافقوں کی طرف متوجہ ہوا ہے جن کے لیے غزوۂ تبوک کا معاملہ ایک آخری اور فیصلہ کن آزمائش ثابت ہوا تھا- اس نے تظاہر و نمائش کے تمام پردے چاک کر دیے- یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اس سورت کو الفاضحہ کے نام سے بھی پکارتے تھے- کیونکہ اس نے منافقوں کے بھید کھول کر ان کی فضیحت کر دی-

منافقوں کی نسبت سورۂ آل عمران کی آیت (۱۷۳) میں پڑھ چکے ہو کہ اللہ انہیں مومنوں سے ممتاز کر کے آشکارا کر دے گا- چنانچہ یکے بعد دیگرے ایسے مرحلے پیش آتے رہے جن میں نفاق کے چہروں کو بے نقاب ہونا پڑا- اس سلسلہ کا آخری مرحلہ غزوۂ تبوک تھا-

پڑھ چکے ہو کہ اس موقع پر ناموافق حالات سے عام مسلمانوں کی سرگرمیاں بھی ابتدا میں کچھ دھیمی رہی تھیں لیکن منافقوں کی ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّمَا ع ۱۷ ۱۳
الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ

کی یہ ہے کہ اگر انہیں اس میں سے دیا جائے تو خوش ہو جائیں' نہ دیا جائے تو بس اچانک بگڑ بیٹھیں! (۵۸)
اور (کیا اچھا ہوتا) اگر ایسا ہوتا کہ جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں دے دیا اس پر رضا مند ہو جاتے اور کہتے ہمارے لیے اللہ بس کرتا ہے- اللہ اپنے فضل سے ہمیں (بہت کچھ) عطا فرمائے گا اور اس کا رسول بھی (عطا و بخشش میں کمی کرنے والا نہیں) ہمارے لیے تو بس اللہ ہی غایت و مقصود ہے! (۵۹)
صدقہ کا مال (یعنی مال زکوٰۃ) تو اور کسی کے لیے نہیں ہے-
صرف فقیروں کے لیے ہے-
اور مسکینوں کے لیے ہے-
اور ان کے لیے جو اس کی وصولی کے کام پر مقرر کیے جائیں-
اور وہ کہ ان کے دلوں میں (کلمہ حق کی) الفت پیدا کرنی ہے-
اور وہ کہ ان کی گردنیں (غلامی کی زنجیروں میں) جکڑی ہیں (اور انہیں آزاد کرانا ہے)
نیز قرض داروں کے لیے (جو قرض کے بوجھ سے دب گئے ہوں- اور ادا کرنے کی طاقت نہ رکھیں)

⇦ حالت بالکل دوسری تھی- یہ حکم ان کے لیے پیام موت سے بھی زیادہ سخت ہوا- لگے حیلے بہانے کرنے- ہر شخص ایک نیا بہانہ گھڑ کر لاتا اور کہتا ویسے تو مجھے چلنے میں کوئی عذر نہیں مگر مشکل یہ ہے کہ فلاں کام ناگزیر ہو گیا ہے' فلاں بات ناقابل حل ہو رہی ہے- فلاں الجھاؤ سلجھایا نہیں جا سکتا- اب جیسا آپ کا حکم ہو- مقصود یہ تھا کہ جھوٹی سچی مجبوریاں سنائیں گے تو پیغمبر اسلام ﷺ کا اخلاق ایسا نہیں ہے کہ کسی کو مجبور کر کے لے جانا چاہیں- ان کی رحمت و رافت ہمیشہ رسی ڈھیلی چھوڑ دیتی ہے- وہ یہی کہیں گے کہ مجبور ہو تو نہ چلو-
چنانچہ ایسا ہی ہوا- پیغمبر اسلام ﷺ ان کے حیلے بہانے سنتے اور یہ دیکھ کر کہ بخوشی چلنے کے لیے تیار نہیں کہہ دیتے اچھا تمہیں رخصت ہے- ان میں سے بعضوں نے بات بنانے کے لیے یہ بھی کہا کہ مال حاضر ہے لے لیجیے' مگر نکلنا دشوار ہے-
اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انہی واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے- فرمایا اگر کوئی ایسی بات ہوتی کہ فوری فائدہ دکھائی دیتا اور سفر بھی دور کا نہ ہوتا تو ان کے نفاق کو چھپنے کی آڑ مل جاتی جیسی بار بار مل چکی ہے- یہ فوراً تیرے پیچھے قدم اٹھا دیتے ظاہر میں حکم کی تعمیل کرتے دل میں دنیا کی طمع اور مکر و عذر کی چالیں ہوتیں- چنانچہ احد وغیرہ میں ایسا ہی کیا تھا- مگر انہیں مشکل یہ آ پڑی کہ معاملہ نکل آیا عرب سے باہر دُور دراز کا اور سفر کی مشقتیں ہوئیں بڑی ہی سخت- نہ تو دنیا کے نفع قریب کی توقع نہ قرب مقام کی سہولت کا سہارا- پس بے بس ہو کر ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶۰ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ

اور اللہ کی راہ میں۔ (یعنی جہاد کے لیے اور ان تمام کاموں کے لیے جو مثل جہاد کے اعلائے کلمہ حق کے لیے ہوں)
اور مسافروں کے لیے (جو اپنے گھر نہ پہنچ سکتے ہوں اور مفلسی کی حالت میں پڑ گئے ہوں)
یہ اللہ کی طرف سے ٹھہرائی ہوئی بات ہے اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا (اپنے تمام حکموں میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۶۰)

اور انہی (منافقوں) میں (وہ لوگ بھی) ہیں جو اللہ کے نبی کو (اپنی بدگوئی سے) اذیت پہنچانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں یہ شخص تو بہت سننے والا ہے (یعنی کان کا کچا ہے۔ جو بات کسی نے کہہ دی اس نے مان لی۔ اے پیغمبر!) تم کہو ہاں وہ بہت سننے والا ہے مگر تمہاری بہتری کے لیے (کیونکہ وہ بجز حق کے کوئی بات قبول نہیں کرتا) وہ اللہ پر یقین رکھتا ہے (اس لیے اللہ جو کچھ اسے سناتا ہے اس پر اسے یقین ہے) اور وہ (سچے) مومنوں کی بات پر بھی یقین رکھتا ہے (جن کی سچائی ہر طرح کے امتحانوں میں پڑ کر کھری ثابت ہو چکی ہے) اور وہ ان لوگوں کے لیے سرتا سر رحمت ہے۔

⇦ رہ گئے اور دکھاوے کے لیے ساتھ نہ نکل سکے۔ اللہ کی طرف سے یہی فیصلہ کن آزمائش تھی جس نے سارا بھانڈا پھوڑ کر رکھ دیا اور جب کبھی راہ حق میں کوئی سخت آزمائش آ جاتی ہے تو منافقوں کے چہرے اسی طرح بے نقاب ہو جایا کرتے ہیں!

(۲۸) آیت (۴۳) کے اسلوب بیان پر غور کرو کیسے دلکش اور پر محبت انداز میں پیغمبر اسلام ﷺ کو متنبہ کیا ہے کہ رحمت و درگزر کی ایک حد ہونی چاہیے۔ اب یہ اس کے مستحق نہیں کہ رسی اتنی ڈھیلی چھوڑ دی جائے۔

فرمایا جب یہ لوگ ایک طرف تو جھوٹے عذر سناتے تھے دوسری طرف یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ جو آپ کا حکم ہو۔ تو بہتر تھا کہ تم انہیں پوری آزمائش میں ڈال دیتے۔ یعنی کہتے میرا حکم تو یہی ہے کہ چلنا چاہیے۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ کھل جاتا' کون یہ کہنے میں سچے تھے' کون ایسا کہہ دینے پر بھی نہ نکلنے والے تھے۔

(۲۹) آیت (۴۴) میں فرمایا جن کے دلوں میں ایمان کی لگن ہے بھلا وہ ایک ایسے کام میں کیوں اجازت مانگنے لگے؟ اور کیوں اس کے انتظار میں بیٹھنے لگے؟ ان کے لیے تو صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ادائے فرض کا وقت آ گیا اور جسے ایمان عزیز ہے وہ ادائے فرض کے لیے مستعد ہو جائے۔ حکم تو وہی مانگیں گے جن کے دلوں میں سچا ایمان نہیں اور جو شک کے روگی ہو رہے ہیں تا کہ کوئی نہ کوئی راہ نکل بھاگنے کی مل جائے۔

(۳۰) چونکہ مقابلہ بیزنطانی شہنشاہی سے تھا جو مشرق میں رومۃ الکبریٰ کی عظمت کی جانشین تھی اور ابھی حال میں ایران کو شکست دی چکی تھی اس لیے منافقوں کو یقین تھا مسلمانوں کے خاتمہ کے دن آ گئے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول نے جو منافقوں کا سرغنہ تھا لوگوں کو یقین دلایا تھا کہ پیغمبر اسلام اس سفر سے لوٹنے والے نہیں۔

آیت (۴۷) میں فرمایا یہ سمجھے' پیچھے رہ کر مصیبت سے بچے اور واقعہ یہ ہے کہ ان کا نہ نکلنا ہی تمہارے لیے بہتر ہوا۔ کیونکہ نکلتے تو فتنوں کے گھوڑے دوڑاتے اور کچے دل کے آدمیوں کو بہکاتے رہتے۔ اس سے پہلی آیت میں فرمایا "مگر اللہ کے حضور ان کا اٹھنا ناپسند ہوا" یعنی ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾

الحلقة

جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچانا چاہتے ہیں تو انہیں سمجھ لینا چاہیے ان کے لیے عذاب ہے عذاب دردناک! (۶۱)

(مسلمانو!) یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کرلیں- حالانکہ اگر یہ واقعی مومن ہوتے تو سمجھتے کہ اللہ اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اسے (اپنے ایمان وعمل سے) راضی رکھیں- (۶۲)

کیا (ابھی تک) انہوں نے یہ بات (بھی) نہ جانی کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے- ہمیشہ اس میں جلے گا؟ اور یہ بہت ہی بڑی رسوائی ہے (جو کسی انسان کے حصے میں آسکتی ہے؟) (۶۳)

منافق اس بات سے (بھی) ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو ان کے بارے میں کوئی سورت نازل ہو جائے اور جو کچھ ان کے دلوں میں (چھپا) ہے وہ انہیں (علانیہ) جتادے (تو اے پیغمبر!) تم ان سے کہہ دو: ''تم (اپنی عادت کے مطابق) تمسخر کرتے رہو- یقیناً اللہ اب وہ بات (پوشیدگی سے) نکال کر ظاہر کردینے والا ہے جس کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے'' (۶۴)

⇦ اللہ کے علم میں تھا کہ اب وہ نہیں نکلیں گے اور اللہ نے تمہارے لیے اسی میں بہتری دیکھی کہ نہ نکلیں-

(۳۱) اس سے معلوم ہوا کہ جماعتی زندگی کے لیے مذبذب اور کچے دل کے آدمیوں کی موجودگی ایک بڑا مہلک ہے خصوصاً جب کہ قوم موت وحیات کی جدوجہد میں مشغول ہو- یہی وجہ ہے کہ آزاد سے آزاد قومیں بھی مجبور ہوئیں کہ جنگ کے وقت حکومت کو غیر معمولی اختیارات دے دیں' اور اگر شخصی آزادی کے قوانین بھی معطل کردے تو معترض نہ ہوں- کیونکہ اس وقت ایک منافق کی شرارت پوری قوم کو خطرہ میں ڈال سکتی ہے-

ان آیات کی موعظت یہ ہے کہ حتی الامکان ایسے افراد کی موجودگی برداشت نہیں کرنی چاہیے اور ایسا خیال نہیں کرنا چاہیے کہ ان کی علیحدگی سے جو عارضی شور وشغب ہوگا وہ جماعتی مصالح کے لیے زیادہ مضر ہوگا- اگر درخت کی جڑ درست ہے تو جتنا چھانٹو گے اتنا ہی زیادہ پھلتا جائے گا اور فاسد اعضا کا الگ کردینا مضر نہیں ہوتا' چھوڑ دینا جسم کے لیے مہلک ہوتا ہے-

(۳۲) جب انسان میں سچائی باقی نہیں رہتی تو نیکی وپرہیزگاری کے خیال کو خود نیکی وپرہیزگاری ہی کے خلاف استعمال کرنے لگتا ہے اور اس سے حیلے بہانے کا کام نکالتا ہے' اور یہ نفاق کا سب سے زیادہ پرفریب حربہ ہے- بہت سے سادہ لوح دیندار اس کے دھوکے میں آجاتے ہیں-

چنانچہ آیت (۴۹) میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے- فرمایا' بعض منافق کہتے ہیں' اس سفر میں نکلنا فتنوں میں پڑنا ہے- پس ہمیں فتنہ میں نہ ڈالیے- مدینہ ہی میں بیٹھے رہنے دیجیے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ إِنْ نَعْفُ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٦٦﴾ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ ۘ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ۚ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ ۚ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٦٧﴾ ع وقف لازم

اور اگر تم ان لوگوں سے پوچھو (ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟) تو یہ ضرور جواب میں کہیں ''ہم نے تو یونہی جی بہلانے کو ایک بات چھیڑ دی تھی اور ہنسی مذاق کرتے تھے'' تم (ان سے) کہو ''کیا تم اللہ کے ساتھ' اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہو؟'' بہانے نہ بناؤ۔ حقیقت یہ ہے کہ تم نے ایمان کا اقرار کر کے پھر کفر کیا۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو (اس کے عدم اصرار اور توبہ وانابت کی وجہ سے) معاف بھی کر دیں تا ہم ایک گروہ کو ضرور عذاب دیں گے۔ اس لیے کہ (اصل میں) وہی مجرم تھے۔ (٦٦) منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے کے ہم جنس۔ برائی کا حکم دیتے ہیں' اچھی باتوں سے روکتے ہیں اور (راہ حق میں خرچ کرنے سے) اپنی مٹھیاں بند رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا' نتیجہ یہ نکلا کہ یہ بھی اللہ کے حضور بھلا دیے گے (یعنی جو اس کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے اس کے قوانین فضل وسعادت بھی اسے بھلا کر چھوڑ دیتے ہیں) بلاشبہ یہ منافق ہی ہیں جو (دائرہ حق سے) باہر ہو گئے ہیں! (٦٧)

اس فتنہ سے ان کا مقصود کیا تھا؟ اسے اس لیے بیان نہیں کیا کہ صریح قرائن واضح کر رہے ہیں' اور یہی قرآن کی معجزانہ بلاغت ہے۔ وہ یقیناً ہر طرح کے متوقع اور وہمی خطرات ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے ہوں گے' اور اسے فتنہ سے تعبیر کرتے ہوں گے۔ مثلاً اس موسم میں ہزاروں آدمیوں کو اس قدر دور کے سفر پر لے جانا جان بوجھ کر انہیں ہلاک کرنا ہے' اور یہ نیکی کا کام نہیں۔ پھر جہاں جانا ہے' وہ دوسروں کا ملک ہے۔ نہیں معلوم کن کن برائیوں میں پڑنا پڑے؟

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب پیغمبر اسلام ﷺ نے تبوک کا ارادہ کیا تو منافقوں کے ایک سردار جد بن قیس نے کہا ''عورتوں کے معاملہ میں' میں بہت کمزور ہوں۔ مجھے ڈر ہے' کہیں بنو اصفر کی عورتیں دیکھ کر مفتون نہ ہو جاؤں۔ پس مجھے رہ جانے کی اجازت دے دیجیے' اور اس فتنہ میں نہ ڈالیے'' (ابن جریر۔ بنو اصفر یعنی رومی)

اس سے معلوم ہوا' جو باتیں کہی گئی ہوں گی' وہ اسی قسم کی ہوں گی۔

فرمایا' یہ جھوٹے بہانے نکالنے کے لیے جھوٹے فتنہ کا ذکر کرتے ہیں' حالانکہ یہ کہہ کر اصلی فتنہ میں گر پڑے کہ راہ حق میں جہاد کرنے سے جی چرایا' اور اس کے لیے جھوٹی نیکی و پرہیز گاری کی آڑ پکڑی۔

غور کرو گے تو نفاق کی یہ خصلت آج بڑے بڑے مدعیان علم و مشیخت میں بولتی نظر آئے گی۔ جھوٹی دینداری اور وہمی پرہیز گاری نے سعی و عزم کی تمام راہیں ان پر بند کر دی ہیں' اور وہ ساعی ہیں کہ امت پر بھی بند کر دیں۔ ۱۹۱۴ء کی بات ہے کہ مجھے خیال ہوا' ہندوستان کے علماء مشائخ کو عزائم و مقاصد وقت پر توجہ دلاؤں۔ ممکن ہے' چند اصحاب رشد و عمل نکل آئیں۔ چنانچہ میں نے اس کی کوشش کی' لیکن ایک تنہا شخصیت کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد سب کا متفقہ جواب یہی تھا کہ یہ دعوت ایک فتنہ ہے۔ ''ائذن لی و لا تفتنی'' یہ مستثنیٰ شخصیت مولانا محمود حسن دیوبندی کی تھی' جواب رحمت الٰہی کے جوار میں پہنچ چکی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْٓا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

منافق مردوں اور منافق عورتوں کے لیے اور (کھلے) منکروں کے لیے اللہ کی طرف سے دوزخ کی آگ کا وعدہ ہے کہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور وہی انہیں بس کرتی ہے- نیز اللہ نے ان پر لعنت کی اور ان کے لیے عذاب ہے' ایسا عذاب کہ برقرار رہے گا! (۶۸)

(منافقو! تمہارا بھی وہی حال ہوا) جیسا ان لوگوں کا حال تھا کہ تم سے پہلے گزر چکے ہیں- وہ تم سے کہیں زیادہ قوت والے تھے اور مال و اولاد بھی تم سے زیادہ رکھتے تھے- پس ان کے حصے میں جو کچھ دنیا کے فوائد آئے وہ برت گئے- تم نے بھی اپنے حصہ کا فائدہ اسی طرح برت لیا جس طرح انہوں نے برتا تھا اور جس طرح (ہر طرح کی باطل پرستی کی) باتیں وہ کر گئے تم نے بھی کر لیں- (پس یہ نہ بھولو کہ) یہی لوگ تھے جن کے سارے کام دنیا و آخرت میں اکارت ہوئے اور یہی ہیں گھاٹے ٹوٹے میں رہنے والے! (۶۹)

کیا انہیں ان لوگوں کی خبر نہیں ملی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ قوم نوح' قوم عاد' قوم ثمود' قوم ابراہیم اور مدین کے لوگ اور وہ کہ ان کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں؟ ان سب کے رسول ان کے پاس روشن دلیلوں کے ساتھ آئے تھے

تم نے بعض علما کے فتوے پڑھے ہوں گے کہ مسلمانوں کو وقت کی سیاسی مجالس میں شریک نہ ہونا چاہیے' کیونکہ اس میں غیر مسلم عورتیں کھلے منہ موجود ہوتی ہیں' اور اس لیے ان کی شرکت فتنہ سے خالی نہیں! اسی طرح یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ ان کی شرکت سے نماز باجماعت فوت ہو جاتی ہے' اور یہ تقویٰ کے خلاف ہے- یاد رکھو' یہ تقویٰ اور دینداری نہیں ہے جو ان کاموں کی مخالفت پر انہیں ابھارتی ہے- یہ مرض نفاق کی قسموں میں سے ایک قسم ہے' اور قرآن کی شہادت اس کے لیے بس کرتی ہے-

(۳۳) آیت (۵۲) کا ٹھیک مطلب سمجھ لو- فرمایا' تم ہمارے لیے جس بات کے انتظار میں رہتے ہو' وہ یہ ہے کہ ہم جنگ میں مارے جائیں اور شکست ہو' لیکن ہمارے لیے تو یہ بھی ﴿ احدی الحسنیین ﴾ ہے- یعنی دو خوبیوں میں سے ایک خوبی- اور یہی مقام ہے جسے قرآن ایمان اور ایمان والوں کی خصوصیت قرار دیتا ہے' اور کہتا ہے' جو کفر کی راہ چلے' تو انہیں اس کی سمجھ نہیں-

دنیا میں جب کبھی کوئی فرد یا جماعت کسی مقصد کے لیے جدوجہد کرتی ہے' تو اس کے سامنے امید بھی ہوتی ہے مایوسی بھی- کامیابی بھی ہوتی ہے ناکامیابی بھی- لیکن قرآن کہتا ہے' مومن وہ ہے جس کی جدوجہد میں جو کچھ ہے' امید و کامرانی ہی ہے' مایوسی و ناکامی کی اس پر پرچھائیں بھی نہیں پڑ سکتی- کیونکہ وہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کے لیے کرتا ہے' اور اس کے لیے یہی بات کامیابی نہیں ہوتی کہ کسی خاص منزل تک پہنچ جائے' بلکہ اس کی راہ میں چلتے رہنا اور جدوجہد میں لگے رہنا بجائے خود بڑی سے بڑی کامیابی ہے- وہ جب اپنا سفر شروع کرتا ہے تو اس لیے نہیں کرتا کہ کسی خاص منزل تک ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾

(مگر وہ اندھے پن سے باز نہ آئے) اور ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا تھا کہ اللہ ان پر ظلم کرتا مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے! (۷۰)

اور جو مرد اور عورتیں مومن ہیں تو وہ سب ایک دوسرے کے کارساز و رفیق ہیں- نیکی کا حکم دیتے ہیں' برائی سے روکتے ہیں' نماز قائم رکھتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور (ہر حال میں) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں- سو یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحمت فرمائے گا- یقیناً اللہ سب پر غالب اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۷۱)

مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے اللہ کی طرف سے (نعیم ابدی کے) باغوں کا وعدہ ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی (اور وہ اس لیے کبھی خشک ہونے والے نہیں) وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے- نیز ان کے لیے ہمیشگی کے باغوں میں پاک مسکن ہوں گے اور ان سب سے بڑھ کر (نعمت یہ کہ) اللہ کی خوشنودیوں کا ان پر نزول ہوگا! (۷۲)

⇦ ضرور ہی پہنچ جائے بلکہ صرف اس لیے کہ کسی کی راہ میں چلتا رہے اور یہ جو کسی کی راہ میں چلتے رہنا ہے تو یہی اس کے لیے منزل مقصود ہے:

رہرواں را خستگی راہ نیست عشق ہم راہ ست و ہم خود منزل است!

دوسرے اگر جدوجہد کرتے ہوئے مر جائیں تو یہ ان کی ناکامیابی ہے- مومن اگر مر جائے تو اس کی بڑی سے بڑی فتح مندی ہے- ایسی فتح مندی جس سے بڑی فتح مندی کی وہ اپنی ذات کے لیے آرزو ہی نہیں کرسکتا!

آنانکہ غم تو برگزیدند ہمہ در کوئے شہادت آرمیدند ہمہ!

در معرکہ دو کون فتح از عشق است با آنکہ سپاہ او شہیدند ہمہ!

دوسرے اگر لڑیں اور دشمنوں پر غالب نہ آسکیں تو ان کی ہار ہوئی لیکن مومن وہ ہے جو ہار کے معنی ہی سے ناآشنا ہوتا ہے- وہ اگر کسی میدان میں غالب نہ آئے جب بھی جیت اسی کی ہے کیونکہ اس کی ہار جیت کا معیار میدان جنگ نہیں ہوتا خود اس کی طلب و سعی ہوتی ہے- اگر وہ اپنی سعی و طلب میں پورا اترا تو اس نے میدان مار لیا اگرچہ میدان جنگ میں اس کی لاش ہزاروں لاشوں کے نیچے دبی ہوئی ہو!

یہی وجہ ہے کہ اس راہ میں وہ کبھی مر نہیں سکتا- اس کی موت بھی اس کی زندگی ہوتی ہے- ﴿ ولکن لا تشعرون! ﴾

یہ جو قرآن نے جا بجا زور دیا ہے کہ مومن کا مقصد سعی صرف اللہ اور اس کی سچائی ہے اور مومن کی جہد کا نام ''جہد فی سبیل اللہ'' رکھ دیا تو اس میں یہی حقیقت پوشیدہ ہے- یعنی وہ ساری منزلوں سے جو دنیا میں پیش آسکتی ہیں بلند کر دیا گیا- اب یہاں کی کوئی منزل اس کی منزل مقصود نہیں ہوسکتی کہ اس تک نہ پہنچ سکنا اس کی ناکامیابی کا فیصلہ کر دے- اس کے لیے منزل مقصود تو صرف یہ ہے کہ حق کی راہ میں چلتا رہے اور رکے نہیں- اس کا ہر قدم جو چلتا رہا فتح مندی ہے اور ہر قدم جو رک گیا نامرادی!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۷۳
يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۷۴ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۷۵ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۷۶ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا

اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں دونوں سے جہاد کر اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آ (کیونکہ کافروں کی عہد شکنیاں اور منافقوں کا عذر وفریب اب آخری درجہ تک پہنچ چکا ہے) بالآخر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے' (اور جس کا آخری ٹھکانا دوزخ ہو تو) کیا ہی بری پہنچنے کی جگہ ہے! (۷۳)

یہ (منافق) اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے ایسا نہیں کہا اور واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے ضرور کفر کی بات کہی- وہ اسلام قبول کر کے پھر کفر کی چال چلے اور اس بات کا منصوبہ باندھا جو نہ پا سکے- انہوں نے انتقام نہیں لیا مگر اس بات کا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے (مال غنیمت دے دے کر) تونگر کر دیا ہے! بہر حال اگر یہ لوگ اب بھی باز آ جائیں تو ان کے لیے بہتر ہے اور اگر گردن موڑیں تو پھر یاد رکھیں اللہ ضرور انہیں دنیا اور آخرت میں عذاب دردناک دے گا اور روئے زمین پر ان کا نہ کوئی کارساز ہونے والا ہے نہ مددگار! (۷۴)

اور (دیکھو) ان میں (کچھ لوگ) ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہمیں (مال و دولت) عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ضرور نیکی کی زندگی بسر کریں گے- (۷۵)

پھر جب ایسا ہوا کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے (مال) عطا فرمایا تو اس میں کنجوسی کرنے لگے اور اپنے عہد سے پھر گئے اور حقیقت یہ ہے کہ (نیکی کی طرف سے) ان کے دل ہی پھرے ہوئے ہیں- (۷۶)

بہر حال یاد رہے کہ "دو خوبیوں" سے مقصود یہی حقیقت ہے- یعنی فتح مندی یا شہادت' اور شہادت بھی فتح مندی ہے- یہ مطلب نہیں ہے کہ "شہادت یا مال غنیمت" جیسا کہ بعضوں نے خیال کیا- اور حاشا کہ مال غنیمت مومن کے لیے ﴿ احدی الحسنیین ﴾ ہو-

(۳۴) آیت (۸۷) تک مدینہ کے منافقوں کے حالات و خصائل پر مزید روشنی ڈالی ہے اور ان معاملات کی طرف اشارات کیے ہیں جو غزوۂ تبوک کی ابتدا میں اور پھر سفر کے درمیان اور واپسی پر پیش آئے- اور بالآخر ان لوگوں کے لیے آخری احکام صادر کیے ہیں- ان تمام آیات کے لیے سورت کا آخری نوٹ دیکھو کیونکہ بغیر یک جائی نظر ڈالے تمام پہلو واضح نہیں ہو سکتے تھے-

(۳۵) آیت (۶۰) میں زکوٰۃ کے مصارف بیان کر دیے- توضیح کے لیے آخری نوٹ دیکھو-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۙ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ ع ۱۴
بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا

پس اس بات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دلوں میں نفاق (کا روگ) دائمی ہو گیا - اس وقت تک کے لیے کہ یہ اللہ سے ملیں (یعنی قیامت تک دور ہونے والا نہیں) اور یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اسے (جان بوجھ کر) پورا نہیں کیا اور نیز دروغ گوئی کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے ہیں - (۷۷)

(افسوس ان پر!) کیا انہوں نے نہیں جانا کہ اللہ ان کے بھیدوں اور سرگوشیوں سے واقف ہے اور یہ کہ غیب کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں؟ (۷۸)

جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ خوش دلی سے خیرات کرنے والے مومنوں پر (ریا کاری کا) عیب لگاتے ہیں اور جن مومنوں کو اپنی محنت مشقت کی کمائی کے سوا اور کچھ میسر نہیں (اور اس میں سے بھی جتنا نکال سکتے ہیں راہ حق میں خرچ کر دیتے ہیں) ان پر تمسخر کرنے لگتے ہیں تو (انہیں معلوم ہو جائے کہ) دراصل اللہ کی طرف سے خود ان پر تمسخر ہو رہا ہے (کہ ذلت و نامرادی کی زندگی بسر کر رہے ہیں) اور (آخرت میں) ان کے لیے عذاب دردناک ہے! (۷۹)

(اے پیغمبر!) تم ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو یا نہ کرو (اب ان کی بخشش ہونے والی نہیں) تم اگر ستر مرتبہ بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو (یعنی سیکڑوں مرتبہ ہی دعا کیوں نہ کرو) جب بھی اللہ انہیں کبھی نہیں بخشے گا - یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ (کا مقررہ قانون یہ ہے کہ وہ) دائرہ ہدایت سے نکل جانے والوں پر (کامیابی و سعادت کی) راہ کبھی نہیں کھولتا - (۸۰)

جو (منافق جہاد میں شریک نہیں ہوئے اور) پیچھے چھوڑ دیے گئے وہ اس بات پر خوش ہوئے کہ اللہ کے رسول کی خواہش کے خلاف اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں اور انہیں یہ بات ناگوار ہوئی کہ اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸۲ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۝۸۳ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰي قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸۴ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۸۵ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝۸۶

انہوں نے لوگوں سے کہا تھا ''اس گرمی میں (گھر کا آرام چھوڑ کر) کوچ نہ کرو''- (اے پیغمبر!) تم کہو ''دوزخ کی آگ کی گرمی تو (اس سے) کہیں زیادہ گرم ہوگی'' اگر انہوں نے سمجھا ہوتا (تو کبھی اپنی اس حالت پر خوش نہ ہوتے!) (۸۱)

اچھا یہ تھوڑا سا ہنس لیں- پھر انہیں اپنی ان بدعملیوں کی پاداش میں بہت کچھ رونا ہے جو یہ کماتے رہے ہیں! (۸۲)

تو (دیکھو) اگر اللہ نے تمہیں ان کے کسی گروہ کی طرف (صحیح سلامت) لوٹا دیا اور پھر (کسی موقع پر) انہوں نے (جہاد میں) نکلنے کی اجازت مانگی تو اس وقت تم کہہ دینا ''نہ تو تم میرے ساتھ کبھی نکلو اور نہ کبھی میرے ساتھ ہو کر دشمن سے لڑو- تم نے پہلی مرتبہ بیٹھ رہنا پسند کیا تو اب بھی پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ (گھروں میں) بیٹھے رہو!'' (۸۳)

اور (اے پیغمبر!) ان میں سے کوئی مر جائے تو تم کبھی اس کے جنازہ پر (اب) نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے رہنا- کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اس حالت میں مرے کہ (دائرۂ) ہدایت سے باہر تھے- (۸۴)

اور (دیکھو) ان کے مال اور ان کی اولاد پر تمہیں تعجب نہ ہو- یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ چاہتا ہے مال و اولاد کے ذریعہ انہیں عذاب دے (یعنی ایسے لوگوں کے لیے اس کا مقررہ قانون حیات ایسا ہی ہے) اور ان کی جان اس حالت میں نکلے کہ سچائی کے منکر ہوں- (۸۵)

اور (اے پیغمبر!) جب کوئی (قرآن کی) سورت اس بارے میں اترتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو جو لوگ ان میں مقدور والے ہیں وہی تجھ سے رخصت مانگنے لگتے ہیں کہ ''ہمیں چھوڑ دیجیے- گھر میں بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہیں'' (۸۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ
اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ وَجَاۗءَ الْمُعَذِّرُوْنَ ع ۱۷
مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاۗءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا

انہوں نے پسند کیا کہ پیچھے رہ جانے والیوں کے ساتھ رہیں- (یعنی مرد ہو کر جنگ کے وقت عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہیں) اور ان کے دلوں پر مہر لگ گئی پس یہ کچھ سمجھتے نہیں! (۸۷)

لیکن اللہ کے رسول نے اور انہوں نے جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے (راہ حق میں) جہاد کیا (اور ان کی منافقانہ چالیں کچھ بھی نہ کر سکیں) یہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے نیکیاں ہیں اور یہی ہیں کہ کامیاب ہوئے! (۸۸)

اللہ نے ان کے لیے (نعیم ابدی کے) ایسے باغ تیار کر دیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور اس لیے کبھی خشک ہونے والے نہیں) یہ ہمیشہ ان میں رہیں گے- اور یہ ہے بہت بڑی فیروزمندی (جو ان کے حصے میں آئی) (۸۹)

اور (اے پیغمبر!) اعرابیوں میں سے (یعنی عرب کے صحرائی بدووں میں سے) عذر کرنے والے تمہارے پاس آئے کہ انہیں بھی (رہ جانے کی) اجازت دی جائے اور (ان میں سے) جن لوگوں نے (اظہار اسلام کر کے) اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا وہ گھروں ہی میں بیٹھے رہے- سو معلوم ہو کہ ان میں سے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی انہیں عنقریب عذاب دردناک پیش آئے گا- (۹۰)

ناتوانوں پر بیماروں پر اور ایسے لوگوں پر جنہیں خرچ کے لیے کچھ میسر نہیں کچھ گناہ نہیں ہے (اگر وہ دفاع میں شریک نہ

☆☆ (۱) آیت (۹۰) میں سلسلہ بیان ایک دوسرے گروہ کی طرف متوجہ ہوا ہے کہ ان میں بھی ایک جماعت منافقوں کی تھی اور ایک جماعت کمزور ایمان والوں کی یعنی صحرانشین قبائل کی جن کا بقیہ آج بھی موجود ہے اور عرب کے بدو کہے جاتے ہیں- ان کا بڑا حصہ نیا نیا مسلمان ہوا تھا اور شہروں میں نہ رہنے کی وجہ سے ابھی اسلامی زندگی کی تربیت نہیں ملی تھی- غزوہ تبوک کا بلاوا ہوا تو کچھ لوگ آئے اور عذر پیش کیے- کچھ ایسے نکلے جو چپکے بیٹھے رہے- معذرت کے لیے بھی نہیں آئے- بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عذر کرنے والے عامر بن طفیل کے قبیلے کے تھے- انہوں نے کہا تھا اگر ہم آپ کے ساتھ نکلے تو قبیلہ طے کے بدو ہمارے مویشی اور اولاد پر آ پڑیں گے- (ابن جریر)

چنانچہ جو منافق تھے ان کے لیے وعید ہوئی- اور جنہوں نے کمزوری کی وجہ سے پہلوتہی کی تھی ان پر عتاب ہوا-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ
اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا
يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ
اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ

ہوں) بشرطیکہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی میں کوشاں رہیں- (کیونکہ ایسے لوگ نیک عملی کے دائرے سے الگ نہیں ہوئے اور) نیک عملوں پر الزام کی کوئی وجہ نہیں- اللہ بڑا ہی بخشنے والا رحمت والا ہے! (۹۱)

اور نہ ان لوگوں پر کچھ گناہ ہے جن کا حال یہ تھا کہ (خود سواری کی مقدرت نہیں رکھتے تھے اس لیے) تیرے پاس آئے کہ ان کے لیے سواری بہم پہنچا دے اور جب تو نے کہا میں تمہارے لیے کوئی سواری نہیں پاتا تو (بے بس ہو کر) لوٹ گئے لیکن ان کی آنکھیں اس غم میں اشکبار ہو رہی تھیں کہ افسوس ہمیں میسر نہیں کہ اس راہ میں کچھ خرچ کریں! (۹۲)

الزام تو دراصل ان پر ہے جو تجھ سے (بیٹھے رہنے کی) اجازت مانگتے ہیں حالانکہ مالدار ہیں- انہوں نے پسند کیا کہ (جب سب لوگ راہ حق میں کوچ کر رہے ہوں تو یہ) گھروں میں رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہیں! (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی' پس جانتے بوجھتے نہیں! (۹۳)

جب تم (جہاد سے لوٹ کر) ان کے پاس واپس جاؤ گے تو وہ آئیں گے اور تمہارے سامنے (طرح طرح کی) معذرتیں کریں گے- (اے پیغمبر!) تمہیں چاہیے (اس وقت) کہہ دو: ''معذرت کی باتیں نہ بناؤ- اب ہم تمہارا اعتبار

☆☆ (۲) کوئی بات دنیا میں اس سے زیادہ عجیب نہیں ہو سکتی کہ وحشی اور بہائم صفت انسان اچانک محبت و اخلاص اور ایثار و خود فروشی کے لیے فرشتے بن جائیں لیکن قرآن کی تعلیم نے ایسا ہی انقلاب پیدا کیا- اوپر گذر چکا ہے کہ غزوہ تبوک بڑے ہی ناموافق حالات میں پیش آیا تھا- حتی کہ لوگوں کی افسردگی پر اللہ کا عتاب ہوا لیکن اس پر بھی لوگوں کا کیا حال تھا؟ یہ تھا کہ شدت درد و غم سے بے اختیار ہو کر رونے لگتے تھے- کس بات پر؟ اس پر کہ عیش و راحت میں انہیں حصہ نہیں ملا؟ نہیں' اس پر کہ راہ حق کی مصیبتوں اور قربانیوں میں شریک ہونے سے رہ گئے!

آیت (۹۱) میں بتلا دیا کہ اگر دفاع کے لیے نفیر عام ہو تو کن کن لوگوں کو معذور تصور کیا جا سکتا ہے- فرمایا ناتواں آدمی یعنی جو لوگ جسمانی طور پر مجبور ہوں- مثلاً بہت بوڑھے' اندھے' اپاہج- دوسرے بیمار- تیسرے ایسے لوگ جو سفر کی لازمی ضروریات کے انتظام کی مقدرت نہ رکھتے ہوں-

اس عہد میں نہ تو سرکاری فوج وجود میں آئی تھی نہ رضا کاروں کی کوئی الگ قسم تھی نہ سپاہیوں کے مصارف کے لیے حکومت کا کوئی خزانہ تھا- سبھی رضا کار تھے اور سب کے لیے ضروری تھا کہ اپنا خرچ خود ہی اٹھائیں بلکہ بن پڑے تو دوسروں کے لیے بھی خرچ کریں- پس فرمایا جو لوگ فی الحقیقت مقدور نہیں رکھتے کوئی وجہ نہیں کہ ان پر الزام آئے- خصوصاً وہ لوگ جن کے ایمان و اخلاص کا یہ حال تھا کہ جب ان کے لیے سواری کا انتظام نہ ہو سکا اور تیرے ادب و احترام نے اس کی بھی اجازت نہ دی کہ زیادہ اصرار کریں تو خاموش اٹھ کر لوٹ گئے- لیکن آنکھیں ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۪ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ

کرنے والے نہیں - اللہ نے ہمیں پوری طرح تمہارا حال بتلا دیا ہے - اب آئندہ اللہ اور اس کا رسول دیکھے گا تمہارا عمل کیسا رہتا ہے (نفاق پر مصر رہتے ہو یا باز آتے ہو) اور پھر (بالآخر) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ظاہر و پوشیدہ ہر طرح کی باتیں جاننے والا ہے - پس وہ تمہیں بتلائے گا کہ (دنیا میں) کیا کچھ کرتے رہے ہو! (۹۴)

جب تم لوٹ کر ان سے ملو گے تو ضرور یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ ان سے درگذر کرو - سوچاہیے کہ تم ان سے درگزر ہی کرلو (یعنی رخ پھیر لو) یہ ناپاک ہیں ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اس کمائی کا نتیجہ جو یہ (اپنی بدعملیوں سے) کماتے رہے! (۹۵)

یہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ ان سے راضی ہو جاؤ' سو (یاد رکھو) اگر تم راضی بھی ہو گئے (حالانکہ تمہیں راضی نہیں ہونا چاہیے اور تم راضی نہ ہو گے) تو اللہ ان سے کبھی راضی ہونے والا نہیں جو (دائرہ ہدایت سے) باہر ہو گئے ہیں! (۹۶) اعرابی کفر اور نفاق میں سب سے زیادہ سخت ہیں اور اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کی نسبت سمجھا جائے

⇦ جو درد دل کی غماز ہیں خاموش نہ رہ سکیں - حسرت و غم کے آنسو بے اختیار بہنے لگے:

چشمم آستیں بردار و اشکم را تماشا کن!

قرآن کی معجزانہ بلاغت دیکھو - پہلے بے مقدوروں کا ذکر ہو چکا تھا لیکن خصوصیت کے ساتھ پھر ان کا ذکر کیا اور ان کی محبت ایمانی کی تصویر کھینچ دی - تاکہ نفاق کے مقابلہ میں ایمان کا بھی ایک مرقع سامنے آ جائے - یعنی یا تو وہ ہیں کہ قدرت رکھنے پر بھی حیلے بہانے نکالتے ہیں - یا یہ ہیں کہ مقدرت نہ رکھنے پر بھی دل کی لگن چین سے بیٹھنے نہیں دیتی - آنسو بن کر آنکھوں سے ٹپک رہی ہے!

غزوہ تبوک میں سواریوں کی بڑی قلت تھی - اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں ایک اونٹ آیا تھا - احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت نے جو زاد راہ کی مقدرت نہیں رکھتی تھی' پیغمبر اسلام ﷺ سے عرض کیا' ہمارے لیے سواری کا بندوبست کر دیجیے - آپ نے کہا کہاں سے کروں کوئی سامان نہیں پاتا - اس پر وہ روتے ہوئے چلے گئے اور ان کے درد و غم کا یہ حال تھا کہ البکائین کے نام سے مشہور ہو گئے تھے - یعنی بہت رونے والے - (ابن جریر)

سبحان اللہ ان چند آنسوؤں کی قدر و قیمت جو ایمان کی تپش سے بہے تھے کہ ہمیشہ کے لیے ان کا ذکر کتاب اللہ نے محفوظ کر دیا - آج بھی کہ تیرہ صدیاں گزر چکی ہیں ممکن نہیں ایک مومن یہ آیت پڑھے اور ان آنسوؤں کی یاد میں خود اس کی آنکھیں بھی اشکبار نہ ہو جائیں!

(۳) آیت (۹۳) میں فرمایا ادائے فرض کے وقت عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہنا ایک ایسی نامردی کی بات ہے جسے کوئی خود دار آدمی گوارا نہیں کر سکتا لیکن انہوں نے یہ بھی گوارا کر لیا - کیونکہ جہل و بے حسی کی انتہائی حالت ان پر طاری ہو گئی ہے - اس حالت کو جو انتہا درجہ غفلت و انکار کا لازمی نتیجہ ہے قرآن مہر لگا دینے سے تعبیر کرتا ہے - اس تعبیر کی تشریح پچھلی سورتوں میں گزر چکی ہے ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَلَا يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٨﴾ الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٨٠﴾ فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ﴿٨١﴾ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾ فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَىٰ طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ﴿٨٣﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨٤﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُو الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿٨٦﴾ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٨٧﴾ لَٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨٨﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٨٩﴾ وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٠﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٩١﴾ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ﴿٩٢﴾ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٩٣﴾ يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٤﴾ سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٥﴾ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٩٦﴾ الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٩٧﴾ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَائِرَ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٨﴾ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبَاتٍ عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٩٩﴾ وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ

ع ۱۲

دین کے ان حکموں کی انہیں خبر نہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیے ہیں۔ (کیونکہ آبادیوں میں نہ رہنے کی وجہ سے تعلیم وتربیت کا موقع انہیں حاصل نہیں) اور اللہ (سب کا حال) جاننے والا (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۹۷)

اور اعرابیوں ہی میں ایسے لوگ ہیں کہ جو کچھ (راہ حق میں) خرچ کرتے ہیں اسے (اپنے اوپر) جرمانہ سمجھتے ہیں اور منتظر ہیں کہ تم پر کوئی گردش آ جائے (تو الٹ پڑیں) حقیقت یہ ہے کہ بری گردش کے دن خود انہی پر آنے والے ہیں اور اللہ (سب کچھ) سننے والا (سب کچھ) جاننے والا ہے! (۹۸)

اور (ہاں) اعرابیوں ہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ (راہ حق میں) خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے تقرب اور رسول کی دعاؤں کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔

تو سن رکھو کہ فی الحقیقت وہ ان کے لیے موجب تقرب ہی ہے۔ اللہ انہیں اپنی رحمت کے دائرہ میں داخل کرے گا۔ بلاشبہ وہ بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے! (۹۹) اور مہاجرین اور انصار میں جو لوگ سبقت کرنے والے

⇦ خصوصاً سورہ اعراف کی آیت (۱۴۶) کے نوٹ میں۔

☆☆ (۴) یہ آیتیں سفر تبوک کے اثنا میں نازل ہوئی ہیں۔ آیت (۹۴) میں فرمایا منافق تو سمجھے ہوئے تھے تم اس سفر سے بخیر و عافیت لوٹنے والے نہیں۔ اب لوٹو گے تو حسب عادت آئیں گے اور طرح طرح کی باتیں عذر و معذرت کی کریں گے۔ پھر جب دیکھیں گے کہ بات بنتی نہیں تو قسمیں کھانی شروع کر دیں گے لیکن خواہ وہ کتنی ہی قسمیں کھائیں تمہیں ان کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ اب ان کا قول نہیں ان کا عمل دیکھا جائے گا اور اسی کے مطابق ان سے سلوک کیا جائے گا پھر بالآخر اللہ کے حضور لوٹنا اور اپنے کیے کا نتیجہ پانا ہے۔

(۵) شہریوں کے مقابلہ میں بادیہ نشین قبائل عموماً سخت طبیعت کے ہوتے ہیں کیونکہ ان میں وہ لچک اور نرمی پیدا نہیں ہو سکتی جو معاشرتی زندگی کا خاصہ ہے۔ یہی حال عرب کے بدوؤں کا تھا۔ آیت ۹۷ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۶) آیت (۹۸) میں فرمایا۔ انہی میں وہ منافق ہیں جو اگر اسلام کی راہ میں کچھ خرچ بھی کرتے ہیں تو محض اس خوف سے کہ سمجھتے ہیں بغیر اس کے چارہ نہیں اور یہ خرچ کرنا ان کے لیے ایسا ہے جیسے کوئی ناگواری سے جرمانہ بھرے۔ وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی مصیبت آ پڑے تو ان پر الٹ پڑیں۔ غزوہ تبوک کے موقع پر انہوں نے سمجھا ہو گا رومیوں کے مقابلہ میں مسلمان کب ٹھہر سکتے ہیں اب ان کے دن ختم ہوئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ
مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛۗ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ
سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ
خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾

۵ مع عند المتقدمین وقف منزل

سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کی تو اللہ ان سے خوشنود ہوا وہ اللہ سے خوشنود ہوئے - اور اللہ نے ان کے لیے (نعیم ابدی کے) باغ تیار کر دیے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور اس لیے وہ خشک ہونے والے نہیں) وہ ہمیشہ اس (نعمت و سرور کی زندگی) میں رہیں گے اور یہ ہے بہت بڑی فیروزمندی! (۱۰۰)

اور ان اعرابیوں میں جو تمہارے آس پاس بستے ہیں کچھ منافق ہیں اور خود مدینہ کے باشندوں میں بھی جو نفاق میں (رہتے رہتے) مشاق ہو گئے ہیں - (اے پیغمبر!) تم انہیں نہیں جانتے لیکن ہم جانتے ہیں - ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے - پھر اس عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے جو بہت ہی بڑا عذاب ہے! (۱۰۱)

اور دوسرے لوگ (وہ ہیں) جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا - انہوں نے ملے جلے کام کیے - کچھ اچھے کچھ برے تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ ان پر (اپنی رحمت سے) لوٹ آئے - اللہ بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے! (۱۰۲)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے یہ بنو اسد اور غطفان کے قبائل تھے - (ابن جریر)

(۷) آیت (۱۰۰) سے معلوم ہوا اس امت کے بہترین طبقے تین ہیں:

(ا) مہاجرین میں سے سابقون الاولون یعنی مکہ کے وہ حق پرست جنہوں نے دعوت حق کی قبولیت میں سبقت کی اور سب سے پہلے ایمان لائے - پھر صلح حدیبیہ سے پہلے کہ غربت و مصیبت کا زمانہ تھا اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی -

بالاتفاق سب سے پہلے ایمان لانے والی ہستی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تھی - ان کے بعد گھر کے آدمیوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ (کہ دس برس سے زیادہ عمر کے نہ تھے) اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور باہر کے آدمیوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ - حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہجرت مدینہ میں بھی اسبق ہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے -

(ب) انصار میں سے سابقون الاولون یعنی مدینہ کے وہ حق شناس جنہوں نے عین اس وقت جب کہ تمام جزیرہ عرب داعی حق کو جھٹلا رہا تھا اور خود اس کے اہل وطن اس کے قتل و ہلاکت کے درپے تھے دعوت حق قبول کی اور عقبہ اولی اور ثانیہ میں بیعت کا ہاتھ بڑھایا - پہلی بیعت میں سات آدمی تھے اور یہ اعلان نبوت سے گیارہویں برس ہوئی - دوسری میں ستر مرد تھے اور دو عورتیں اور یہ پہلی سے ایک برس بعد ہوئی - پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بیعت والوں کے ساتھ ابوزرارہ بن مصعب رضی اللہ عنہ کو بغرض تعلیم بھیج دیا تھا - کچھ لوگ ان کے جانے پر ایمان لائے اور کچھ اس وقت جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی -

(ج) وہ لوگ جو ان دونوں جماعتوں کے قدم بہ قدم چلے اور گو بعد کو آئے لیکن ان کا شمار پہلوں ہی کے ساتھ ہوا - چونکہ بعد کو ایمان لانے والوں میں بعض منافق اور کچے دل کے آدمی بھی تھے اس لیے "باحسان" کی قید لگا دی - یعنی وہ جنہوں نے راست بازی ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ

(اے پیغمبر!) ان لوگوں کے مال سے صدقات قبول کرلو- تم قبول کر کے انہیں (بخل وطمع کی برائیوں سے) پاک اور (دل کی نیکیوں کی ترقی سے) تربیت یافتہ کردو- نیز ان کے لیے دعائے خیر کرو- بلاشبہ تمہاری دعا ان کے دلوں کے لیے راحت و سکون ہے- اور اللہ (دعائیں) سننے والا اور (سب کچھ) جاننے والا ہے! (۱۰۳)

کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور جو کچھ بطور خیرات کے نکالیں اسے منظور کر لیتا ہے؟ اور یہ کہ اللہ ہی ہے زیادہ سے زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور بڑا ہی رحمت والا؟ (۱۰۴)

اور (اے پیغمبر!) تم کہو "عمل کیے جاؤ- اب اللہ دیکھے گا کہ تمہارے عمل کیسے ہوتے ہیں اور اللہ کا رسول بھی دیکھے گا اور مسلمان بھی دیکھیں گے اور (پھر) تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جس کے علم سے نہ تو کوئی ظاہر بات پوشیدہ ہے نہ کوئی چھپی بات- پس وہ تمہیں بتلائے گا کہ جو کچھ کرتے رہے ہو اس کی حقیقت کیا تھی- (۱۰۵) اور (پچھلے تائب گروہ کے علاوہ) کچھ اور لوگ ہیں- جن کا معاملہ اس انتظار میں کہ اللہ کا حکم کیا ہوتا ہے ملتوی ہو گیا ہے- وہ انہیں عذاب دے یا (اپنی رحمت سے) ان پر لوٹ آئے

⇦ کے ساتھ ان کی پیروی کی- دنیا میں جب کبھی سچائی کا ظہور ہوا ہے تو اس کا پہلا عہد ہمیشہ غربت و بے کسی کا رہا ہے اور ان ساری دنیوی ترغیبوں سے خالی رہا ہے جو کسی انسان کے دل کو مائل کر سکتی ہیں- پس جو نفوس قدسی اس وقت حق کا ساتھ دیتے ہیں ان کی حق شناسی وحق پرستی کے درجہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا کیونکہ وہ داعی حق کا پہلے پہل ساتھ دے کر خود بھی داعیان حق کے گروہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور ان کی حق پرستی دنیا کے ہر طرح کے تاثرات سے یک قلم منزہ ہوتی ہے-

تاریخ اسلام میں مہاجرین وانصار کی جماعت کا یہی مقام ہے- اسی لیے ﴿ السابقون الاولون ﴾ سے زیادہ ان کے وصف میں کچھ کہنا ضروری نہ ہوا- کیونکہ یہاں اسبقیت واولیت سے بڑھ کر اور کوئی بات نہیں ہو سکتی-

جب پیغمبر اسلام ﷺ نے پہلے پہل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دعوت دی اور اس پیکر صدق ووفا نے سنتے ہی قبول کر لی تو غور کرو اس وقت اس معاملہ کا کیا حال تھا؟ پورے کرہ ارضی میں تن تنہا دو آدمی کھڑے تھے- ایک نے بلایا تھا- دوسرا دوڑ گیا تھا- جس نے بلایا اس کے اندر وحی الٰہی کا یقین بول رہا تھا- لیکن جو دوڑا اس نے کیا دیکھا تھا کہ ایک عجیب وغریب بات سنتے ہی قبول کر لی اور بیٹھے بٹھائے تمام ملک وقوم کو اپنا دشمن جانی بنا لیا؟

یاراں خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٧﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ

(اسی کے ہاتھ ہے) اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے! (۱۰۶)

اور (منافقوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں) جنہوں نے اس غرض سے ایک مسجد بنا کر کھڑی کی کہ نقصان پہنچائیں' کفر کریں' مومنوں میں تفرقہ ڈالیں اور ان لوگوں کے لیے ایک کمیں گاہ پیدا کر دیں جو اب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکے ہیں- وہ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہمارا مطلب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بھلائی ہو' لیکن اللہ کی گواہی یہ ہے کہ وہ اپنی قسموں میں قطعاً جھوٹے ہیں! (۱۰۷) (اے پیغمبر!) تم کبھی اس مسجد میں کھڑے نہ ہونا- اس بات کی کہ تم اس میں کھڑے ہو (اور بندگان الٰہی تمہارے پیچھے نماز پڑھیں) وہی مسجد حقدار ہے جس کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے (یعنی مسجد قبا اور مسجد نبوی) اس میں ایسے لوگ (آتے) ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ پاک وصاف رہیں اور اللہ (بھی) پاک وصاف رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے! (۱۰۸) کیا وہ شخص بہتر ہے' جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف

اسی طرح غور کرو جب عقبہ اولیٰ میں مدینہ کے سات آدمی بیعت کر رہے تھے؟ تو کس سے کر رہے تھے اور کس حال میں کر رہے تھے؟ جس مظلوم کو گیارہ برس سے تمام جزیرہ عرب جھٹلا رہا تھا اور جو خود اپنی قوم و وطن میں دشمنوں سے گھرا ہوا تھا اس نے کہا مجھے قبول کر لو اور ساری دنیا کی دشمنی مول لے لو' اور ان عشاق حق نے کہا ہم نے قبول کیا اور تیرے لیے سارے جہان کی دشمنیاں اور ہر طرح کی مصیبتیں اپنے سر لے لیں!

دو عالم نقد جاں بر دست دارند
بہ بازارے کہ سودائے تو باشد!

یہی وجہ ہے کہ یہاں ان کا معاملہ ایسے پیرایہ میں بیان فرمایا جس سے بڑھ کر پیرایہ بیان عشاق حق کے لیے نہیں ہو سکتا: رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ- اللہ ان سے خوشنود ہوا' وہ اللہ سے خوشنود ہوئے- اور سورہ مائدہ میں انہی کے لیے پیشین گوئی گزر چکی ہے: ﴿ یحبھم ویحبونہ ﴾ اللہ ان سے محبت کرے گا' وہ اللہ سے محبت کریں گے! (۵ - ۵۴)

اللہ کی خوشنودی تو ظاہر ہے کہ ان کے کمال ایمان و عمل کا نتیجہ تھی لیکن خود ان کے خوشنود ہونے کا یہاں کیا مطلب ہوا؟ افسوس ہے کہ لوگ اس کی حقیقت نہیں سمجھے اور اگرچہ یہاں سمجھانے کی گنجائش نہیں مگر پھر بھی کوشش کروں گا کہ سورت کے آخری نوٹ میں اس کی تشریح بھی آ جائے-

☆☆ (۸) آیت (۱۰۱) میں منافقوں کے ایک خاص گروہ کا ذکر کیا جو اطراف مدینہ کے بدوی قبائل میں بھی تھے اور شہری باشندوں میں بھی- فرمایا ﴿ مردوا علی النفاق ﴾ یہ نفاق میں مشاق اور حاذق ہو گئے ہیں- یعنی منافقانہ زندگی میں رہتے رہتے ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ
قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ
يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ

اوراس کی خوشنودی پر رکھی (جو کبھی ہلنے والی نہیں) یا وہ جس نے ایک کھائی کے گرتے ہوئے کنارے پر اپنی عمارت کی بنیاد رکھی اور وہ مع اپنے مکین کے آتش دوزخ (کے گڑھے) میں جا گری؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ انہیں (کامیابی وسعادت کی) راہ نہیں دکھاتا جو ظلم کا شیوہ اختیار کرتے ہیں! (۱۰۹) یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے (یعنی مسجد ضرار) ہمیشہ ان کے دلوں کو شک وشبہ سے مضطرب رکھے گی۔ (یہ کانٹا نکلنے والا نہیں) مگر یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں (کیونکہ یہ ان کے نفاق کی ایک بہت بڑی شرارت تھی جو چلی نہیں اس لیے ہمیشہ اس کی وجہ سے خوف وہراس کی حالت میں رہیں گے) اور اللہ سب کا حال جاننے والا (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔ (۱۱۰) بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں بھی خرید لیں اور ان کا مال بھی۔ اور اس قیمت پر خرید لیں کہ ان کے لیے بہشت (کی جاودانی زندگی) ہو۔ وہ (کسی دنیوی مقصد کی راہ میں نہیں بلکہ) اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ پس مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہو چکا (یعنی اس نے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا) تورات، انجیل اور قرآن

⇦ اس کی ایسی مشق ومزاولت ہوگئی ہے کہ نوآموزوں کی طرح پکڑے نہیں جا سکتے۔ جو کچے اور نوآموز ہیں ان کے لیے مشکل ہے کہ اپنی دلی حالت چھپائے رکھیں۔ وہ ان کے چہروں پر ابھر ہی آتی ہے اور باتوں سے ٹپکنے ہی لگتی ہے لیکن یہ لوگ اس بناوٹ کے ایسے عادی ہو گئے ہیں کہ ممکن نہیں عام نگاہیں تاڑ سکیں۔

''ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے'' یعنی یہ اپنی دہری استعداد نفاق کی وجہ سے دہرے عذاب کے مستحق ہو گئے۔ پہلی استعداد یہ کہ منافق ہوئے دوسری یہ کہ اس میں کامل ومشاق ہو گئے۔

قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اعمال کے نتائج ٹھیک ٹھیک ان کی حالت اور درجہ کے مطابق نکلتے ہیں۔ اگر ایک شخص نے زہر کھا لیا لیکن ہلکے قسم کا تو نتیجہ بھی ہلکے قسم کی مضرت کا نکلے گا۔ لیکن اگر زہر قاتل ہے تو نتیجہ بھی قاتل ہوگا۔ ایسا ہی قانون روحانی زندگی میں بھی کام کر رہا ہے اور اچھائیوں کی طرح برائیوں کے بھی اقسام ومدارج ہیں۔

(۹) آیت (۱۰۲) سے لے کر (۱۰۶) تک ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے اگرچہ اس موقع پر کوتاہی کی تھی لیکن اس کا سبب نفاق نہ تھا۔ سستی اور کاہلی تھی۔ پیغمبر اسلام ﷺ جب سفر سے واپس آئے تو ان میں سے ہر شخص سچائی کے ساتھ اپنی غفلت پر منفعل ہوا اور کوئی نہ تھا جس کا دل حسرت وندامت کے زخموں سے چور نہ ہو رہا ہو۔ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی کیونکہ اس کی بخشش ورحمت کا دروازہ کبھی بند نہیں ہو سکتا۔ شرط صرف یہ ہے کہ خود ہم اپنے دلوں کا دروازہ اپنے ہاتھوں بند نہ کر لیں:

نہ پہنچی ضعف سے لب تک دعا ہی ورنہ سدا — درِ قبول تو اس آرزو میں باز رہا!

فرمایا انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور ان کا اعتراف دل کا اعتراف ہے پس کوئی وجہ نہیں کہ ان کی توبہ قبول نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس بارے میں اصل کارگناہوں کا سچا اعتراف ہے۔ اور جو سر اعتراف ذنوب میں جھک گیا پھر ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾
اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّاۗىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ
يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾

(تینوں کتابوں) میں (یکساں طور پر) اس کا اعلان ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون ہے جو اپنا عہد پورا کرنے والا ہو؟ پس (مسلمانو!) اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے چکایا خوشیاں مناؤ اور یہی ہے جو بڑی سے بڑی فیروزمندی ہے۔(۱۱۱)

(ان لوگوں کے اوصاف واعمال کا یہ حال ہے کہ)

(اپنی لغزشوں اور خطاؤں سے) توبہ کرنے والے۔ عبادت میں سرگرم رہنے والے۔ اللہ کی حمد وثنا کرنے والے۔ سیر وسیاحت کرنے والے۔ رکوع وسجود میں جھکنے والے۔ نیکی کا حکم دینے والے' برائی سے روکنے والے اور اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

(اے پیغمبر! یہی سچے مومن ہیں) اور مومنوں کو (کامیابی وسعادت کی) خوش خبری دے دو۔(۱۱۲)

پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں ایسا کرنا سزاوار نہیں کہ جب واضح ہو گیا یہ لوگ دوزخی ہیں' تو پھر مشرکوں کی بخشائش کے طلب گار ہوں اگرچہ وہ ان کے عزیز واقارب ہی کیوں نہ ہوں۔(۱۱۳)

⇦ اس کے لیے محرومی نہیں ہو سکتی۔

کہ مستحق کرامت گناہ گارانند

اس سے پہلے حکم گزر چکا ہے کہ منافقوں کی خیرات قبول نہ کرو اور نہ ان کی بخشش کے لیے دعا کرو۔ یہاں فرمایا جن لوگوں نے اب اپنی خطاؤں کا اقرار کر لیا اور تائب ہو گئے تو وہ جو کچھ راہ حق میں نکالیں اسے قبول کر لو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔ تمہاری دعا ان کے دلوں کے لیے کہ حسرت وندامت سے زخمی ہو رہے ہیں راحت وسکون کا مرہم ثابت ہو گی!

نیز فرمایا تم اس ذریعہ سے انہیں مطہر اور مزکی کر دو گے یعنی خیرات وزکوٰۃ کا نکالنا اور اس کا قبول ہونا ایک ایسا معاملہ ہے جو نفس کی پاکی وتربیت کا باعث ہوتا ہے۔ مزید اشارات کے لیے آخری نوٹ میں ''زکوٰۃ'' کا مبحث دیکھو۔

آیت (۱۰۶) میں فرمایا کچھ اور لوگ ہیں جو خدا کے فیصلہ کا ابھی انتظار کر رہے ہیں یعنی ان کی توبہ کی قبولیت وعدم قبولیت کا ابھی فیصلہ نہیں ہوا۔ یہ کل تین آدمی تھے: مرارہ بن الربیع' کعب بن مالک' ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم۔ انہوں نے واپسی پر کوئی معذرت نہیں کی اور کہا سچی بات یہ ہے کہ کوئی عذر نہ تھا۔ محض کاہلی اور سستی تھی جس نے نکلنے نہیں دیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ چنانچہ آگے چل کر آیت (۱۱۷) میں ان کا حکم ملے گا۔

(۱۰) آیت (۱۰۷) میں منافقوں کی ایک بہت بڑی شرارت کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے ایک مسجد بنا کر کرنی چاہی تھی اور خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا کہ اس میں مسلمانوں کے لیے عبرت وموعظت تھی۔ اس باب میں ضروری اشارات سورت کے آخری نوٹ میں ملیں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَي النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ

اور ابراہیم نے جو اپنے باپ کے لیے بخشائش کی آرزو کی تھی تو صرف اس وجہ سے کہ اپنا وعدہ پورا کر دے جو وہ اس سے کر چکا تھا (یعنی اس نے کہا تھا میرے بس میں اور تو کچھ نہیں - دعا ہے - تو اس سے باز نہیں رہوں گا) لیکن جب اس پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ (کی سچائی) کا دشمن ہے (اور کبھی حق کی راہ اختیار کرنے والا نہیں) تو اس سے بیزار ہو گیا - بلاشبہ ابراہیم بڑا ہی دردمند بڑا ہی بردبار (انسان) تھا! (۱۱۴) اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ایک گروہ کو ہدایت دے کر پھر گمراہ قرار دے تاوقتیکہ ان پر وہ ساری باتیں واضح نہ کر دے جن سے انہیں بچنا چاہیے - بلاشبہ اللہ کے علم سے کوئی بات باہر نہیں! (۱۱۵) بلاشبہ آسمان اور زمین کی (ساری) بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے - وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے - (سب کچھ اسی کے قبضہ میں ہے) اور (مسلمانو!) اس کے سوا نہ تو تمہارا کوئی رفیق و کارساز ہے نہ مددگار! (۱۱۶) یقیناً اللہ اپنی رحمت سے پیغمبر پر متوجہ ہو گیا - نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے بڑی تنگی اور بے سروسامانی کی گھڑی میں اس کے پیچھے قدم اٹھایا اور اس وقت اٹھایا جب کہ حالت ایسی ہو چکی تھی کہ قریب تھا

☆☆ (۱۱) آیت (۱۱۱) میں حب ایمانی کی حقیقت واضح کی ہے - فرمایا جو لوگ اللہ پر ایمان لائے تو ایمان کا معاملہ یوں سمجھو کہ انہوں نے اپنا سب کچھ اللہ کے ہاتھ بیچ ڈالا - جان بھی اور مال و متاع بھی - اب ان کی کوئی چیز ان کی نہیں رہی - اللہ اور اس کی سچائی کی ہو گئی -

بندگان تو کہ در عشق خداوند انند دوجہاں را بہ تمنائے تو بفروختہ اند

اور پھر اللہ کی طرف سے اس کے معاوضہ میں کیا ہوا؟ یہ ہوا کہ نعیم ابدی کی کامرانیاں انہیں عطا فرمائیں -

یہ گویا خرید و فروخت کا ایک معاملہ تھا جو اللہ میں اور عشاق حق میں طے پا گیا - اب نہ بیچنے والا اپنی متاع واپس لے سکتا ہے نہ خریدنے والا قیمت لوٹائے گا -

اثامن بالنفس النفيسة ربها فليس لها فى الخلق كلهم ثمن

اذا ذهبت نفسى بدنيا اصبتها فقد ذهبت منى وقد ذهب الثمن

اور چونکہ مقصود اللہ کے لطف و کرم کا اظہار تھا اس لیے معاملہ کو اپنی طرف سے شروع کیا - نہ کہ بیچنے والوں کی طرف سے - یعنی یہ نہیں کہا کہ مومنوں نے بیچ ڈالی بلکہ کہا اللہ نے مومنوں سے خرید لی - گویا معاملہ کا طالب وہ تھا - حالانکہ ہر طرح کی طلب و احتیاج سے وہ منزہ ہے ' اور جو متاع اس نے قبول کی وہ بھی اسی کی تھی اور جو کچھ معاوضہ میں بخشا وہ بھی اس کے سوا اور کس کا ہو سکتا ہے؟

(۱۲) آیت (۱۱۲) اس سورت کی مہمات معارف میں سے ہے - فرمایا ' سچے مومنوں کے اوصاف و مدارج یہ ہیں کہ:

(ا) التائبون - یعنی وہ جو اپنی توبہ میں سچے اور پکے ہوتے ہیں اور ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتے اور اپنی غفلتوں اور لغزشوں پر نادم رہتے ہیں -

(ب) العابدون یعنی وہ جو اللہ کی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں اور ان کی ساری بندگیاں اور نیازمندیاں صرف اسی کے لیے ہوتی ہیں -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ
الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۚ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ
وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۚ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ
الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ ع ۱۴
الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ

ان میں سے ایک گروہ کے دل ڈگمگا جائیں- پھر وہ اپنی رحمت سے ان سب پر متوجہ ہوگیا- بلاشبہ وہ شفقت رکھنے والا رحمت فرمانے والا ہے! (۱۱۷) اور (اسی طرح) ان تین شخصوں پر بھی (اس کی رحمت لوٹ آئی) جو (معلق حالت میں) چھوڑ دیے گئے تھے (اور اس وقت لوٹ آئی) جب کہ زمین اپنی ساری وسعت پر بھی ان کے لیے تنگ ہوگئی تھی اور وہ خود بھی اپنی جان سے تنگ آ گئے تھے اور انہوں نے جان لیا تھا کہ اللہ سے بھاگ کر انہیں کوئی پناہ نہیں مل سکتی مگر خود اسی کے دامن میں- پس اللہ (اپنی رحمت سے) ان پر لوٹ آیا تاکہ وہ رجوع کریں بلاشبہ اللہ ہی ہے بڑا توبہ قبول کرنے والا' بڑا ہی رحمت والا! (۱۱۸) مسلمانو! خدا کے خوف سے بے پروانہ ہو جاؤ- اور چاہیے کہ سچوں کے ساتھی بنو (کہ یہ سچائی تھی جو ان لوگوں کی بخشش کا وسیلہ ہوئی!) (۱۱۹)

مدینہ کے باشندوں کو اور ان اعرابیوں کو جو اس کے اطراف میں بستے ہیں لائق نہ تھا کہ اللہ کے رسول کا (دفاع میں) ساتھ نہ دیں اور پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ بات لائق تھی کہ اس کی جان کی پروانہ کر کے محض اپنی جانوں

عبادت سے مقصود عبادت خاص بھی ہے اور عام بھی- خاص یہ کہ خاص وقتوں اور خاص شکلوں کی عبادت جو دین حق نے قرار دے دی ہے اسے پورے اخلاص اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرے' عام یہ کہ انسان کی فکری حالت عبادت گزارانہ ہو جائے اور پھر وہ جو کچھ بھی سنے' جو کچھ بھی کہے' جو کچھ بھی کرے سب میں ایک عابدانہ روح کام کر رہی ہو-

(ج) الحامدون یعنی وہ جو اپنے فکر سے اور قول سے اللہ کی حمد وستایش کرنے والے ہیں- فکر سے حمد وستائش یہ ہوئی کہ بحکم ﴿ ویتفکرون فی خلق السماوات والارض ﴾ (۱۹۱:۳) آسمان وزمین کی خلقت میں غور وفکر کرنا' اور ان تمام کارفرمائیوں کی معرفت حاصل کرنا جو اس کی محمودیت وجمال پر دلالت کرتی ہیں- قول سے حمد وستایش اس فکری حالت کا قدرتی نتیجہ ہے- کیونکہ جس ہستی کی محمودیت دل ودماغ میں بس جائے گی ضروری ہے کہ زبان سے بھی بے اختیار اس کی حمد وثنا کے ترانے نکلنے لگیں!

(د) السائحون- وہ جو راہ حق میں سیر وسیاحت کرتے ہیں یعنی بحکم ﴿ قد خلت من قبلکم سنن فسیروا فی الارض ﴾ (۱۳۷:۳) زمین میں عبرت ونظر کے لیے گردش کرتے ہیں' علم کی ڈھونڈھ میں نکلتے ہیں' راہ حق میں جدوجہد کرتے ہوئے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ کا رخ کرتے ہیں' حج کے لیے خشکی وتری کی مسافتیں قطع کرتے رہتے ہیں-

(ہ) ﴿ الراکعون الساجدون ﴾ وہ جو اللہ کے آگے جھک جاتے ہیں اور رکوع وسجود سے کبھی نہیں تھکتے- یہ رکوع وسجود کی حالت جسم پر بھی طاری ہوتی ہے' قلب پر بھی طاری ہوتی ہے اور زبان پر بھی طاری ہوتی ہے-

(و) ﴿ الامرون بالمعروف والناھون عن المنکر ﴾ وہ جو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں- یعنی صرف اپنے ہی ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ

کی فکر میں پڑ جائیں- اس لیے کہ اللہ کی راہ میں انہیں جو مصیبت بھی پیش آتی وہ ان کے لیے ایک نیک عمل شمار کی جاتی' ہر پیاس جو وہ جھیلتے' ہر محنت جو وہ اٹھاتے' ہر مخمصہ جس میں وہ پڑتے' ہر وہ قدم جو وہاں چلتا جہاں چلنا کافروں کے لیے غیظ وغضب کا باعث ہوتا' اور ہر وہ چیز جو وہ (مال غنیمت میں) دشمنوں سے پاتے (یہ سب کچھ ان کے لیے عمل نیک ثابت ہوتا- کیونکہ) اللہ نیک کرداروں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا! (۱۲۰)

اور (اسی طرح) وہ (اللہ کی راہ میں) کوئی رقم نہیں نکالتے چھوٹی ہو یا بڑی' اور کوئی میدان طے نہیں کرتے مگر یہ کہ (اس کی نیکی) ان کے نام لکھی جاتی ہے تاکہ اللہ ان کے کاموں کا انہیں بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے! (۱۲۱)

اور (دیکھو) یہ ممکن نہ تھا کہ سب کے سب مسلمان (اپنے گھروں سے) نکل کھڑے ہوں (اور تعلیم دین کے مرکز میں آ کر علم وتربیت حاصل کریں) پس کیوں نہ ایسا کیا گیا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکل آئی ہوتی کہ دین میں دانش وفہم

⇦ نفس کی اصلاح پر قانع نہیں ہو جاتے بلکہ دوسروں کی بھی اصلاح کرتے اور دنیا میں حق وعدالت کے نشر وقیام کو اپنا فرض سمجھتے ہیں-

(ز) ﴿ الحافظون لحدود الله ﴾ یہ آخری وصف اور آخری مقام ہوا یعنی وہ جو ان تمام حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں جو اللہ نے انسان کے لیے ٹھہرا دی ہیں- قرآن کی اصطلاح یہ ہے کہ تمام واجبات وحقوق کو خواہ افراد کی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں خواہ جماعت سے' وہ حدود اللہ سے تعبیر کرتا ہے- یعنی یہ حدیں ہیں جو مقرر کر دی گئیں- ان کے ٹوٹنے میں انسانی امن وسعادت کی بنیادوں کا ٹوٹ جانا ہے-

یہ کل سات وصف ہوئے اور جس ترتیب سے بیان کیے گئے ہیں وہ قابل غور ہے- یہ گویا نفس انسانی کے تزکیہ وترقی کے سات درجے ہیں یا سات طبقے جو یکے بعد دیگرے ٹھیک اسی ترتیب سے سلوک ایمانی میں پیش آتے ہیں-

جب کوئی انسان راستی وہدایت کی راہ میں قدم اٹھائے گا تو قدرتی طور پر پہلا مقام توبہ وانابت ہی کا ہوگا- یعنی پچھلی غفلتوں اور گمراہیوں سے (خواہ وہ کفر کی ہوں خواہ نفاق کی خواہ معاصی وزلات کی) باز آئے گا اور آئندہ کے لیے ان سے بچنے کا عہد کرے گا اور اپنے سارے دل اور ساری روح سے اللہ کی طرف رجوع ہو جائے گا- اور یہی توبہ کی حقیقت ہے- پھر اگر توبہ سچی ہوگی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ کی بندگی ونیازمندی کی سرگرمی پیدا ہو جائے- پس یہ دوسری منزل ہوئی یا سلوک ایمانی کا دوسرا طبقہ- پھر چونکہ عبادت گزاری کی زندگی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ فکر اور ذکر کا مقام حاصل ہو جائے اور ﴿ ملكوت السماوات والارض ﴾ کے مشاہدہ ومعرفت کا دروازہ کھل جائے اس لیے تیسری منزل تحمید وتسبیح کی منزل ہوئی یعنی اللہ کی حمد وثنا کے جوش سے معمور ہو جانے کی منزل کہ ﴿ ربنا ما خلقت هذا باطلا! ﴾ (۳:۱۹۱) ⇦

۱ سورۂ آل عمران کی آیت (۱۹۱) کا نوٹ دیکھنا چاہیے- نیز اعراف: ۱۸۵-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ
مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ
فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ
يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

پیدا کرتی اور جب (تعلیم وتربیت کے بعد) اپنے گھروں میں واپس جاتی تو لوگوں کو (جہل وغفلت کے نتائج سے) ہوشیار کرتی - تا کہ (برائیوں سے) بچیں؟ (۱۲۲)

مسلمانو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس (پھیلے ہوئے) ہیں اور چاہیے کہ وہ (جنگ میں) تمہاری سختی محسوس کریں (کہ بغیر اس کے جنگ جنگ نہیں) اور یاد رکھو اللہ ان کا ساتھی ہے جو (ہر حال میں) متقی ہوتے ہیں! (۱۲۳)

اور جب ایسا ہوتا ہے کہ (اللہ کی طرف سے) قرآن کی کوئی سورت اترتی ہے تو ان (منافقوں) میں کچھ لوگ ہیں جو (انکار وشرارت کی راہ سے) کہتے ہیں "تم لوگوں میں سے کس کا ایمان اس نے زیادہ کر دیا؟" تو حقیقت یہ ہے کہ جو ایمان رکھتے ہیں ان کا ایمان تو ضرور زیادہ کر دیا اور وہ اس پر خوشیاں منا رہے ہیں! (۱۲۴)

لیکن (ہاں) جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے (اور ایمان کی جگہ انکار کی ناپاکی) تو بلاشبہ اس نے ان کی ناپاکی پر ایک اور ناپاکی بڑھا دی - اور (نتیجہ بھی دیکھ لو) وہ مر گئے اور اس حالت میں مرے کہ ایمان سے قطعی محروم تھے! (۱۲۵)

⇦ پھر اگر توبہ وانابت کا تنبہ عبادت کا ذوق اور تحمید وتسبیح کا عرفان کامل درجہ کا ہے تو ممکن نہیں کہ وہ مومن صادق کو گھر میں چین سے بیٹھنے دے - ضروری ہے کہ وطن ومکان کی الفت کی زنجیریں ٹوٹیں اور سیر وسیاحت میں قدم سرگرم ہو جائیں - پس یہ چوتھی منزل ہوئی اور السائحون کا طبقہ چوتھا طبقہ ہوا - ان چار منزلوں سے جو کاروان عمل گذر گیا اس نے اصلاح نفس کی مسافت طے کر لی - پس اب پانچویں منزل ﴿ الراکعون الساجدون ﴾ کی ہوئی - یعنی بندگی ونیازمندی میں پورے ہو گئے اور اللہ کے آگے سر نیاز ہمیشہ کے لیے جھک گیا - اب ﴿ امرون بالمعروف وناهون عن المنكر ﴾ کا مقام انہیں حاصل ہو جائے گا یعنی اپنی تعلیم وتربیت کا معاملہ پورا کر کے دوسروں کے لیے معلم ومربی ہو جائیں گے - چنانچہ چھٹی منزل یہی ہوئی اور اسی سے آخری منزل کے ڈانڈے مل گئے کہ ﴿ الحافظون لحدود الله ﴾ کا مقام ہے - یہاں پہنچ کر ان کے تمام اعمال حدود الٰہی کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں - وہ خود اپنے اعمال میں بھی حدود اللہ کی کامل نگہداشت رکھتے ہیں اور اپنے وجود سے باہر بھی ان کے نفاذ وقیام کی نگہبانی کرتے ہیں -

(۱۳) اس آیت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نیک مقصد سے سیر وسیاحت کرنا سچے مومنوں کا بہترین عمل ہے اور ان اعمال میں سے ہے جن کے ذریعہ وہ ایمان کے مدارج طے کرتے اور خصائص ایمانی میں کامل ہوتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ جس سرعت کے ساتھ صدر اول کے مسلمان تمام دنیا میں پھیل گئے اس کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی اور جب تک اسلام کی عملی روح زندہ رہی ان سے بڑھ کر زمین کی مسافتیں قطع کرنے والی کوئی قوم نہ تھی - وہ سیاحت کو سیاحت سمجھ کر نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ کی عبادت سمجھتے تھے - اور فی الحقیقت سیاحت نہ صرف ایک تنہا عبادت ہے بلکہ کتنی ہی عبادتوں کا مجموعہ ہے - گھر بار چھوڑنا، عزیز واقارب کی جدائی برداشت کرنی، سفر کی مشقتوں میں پڑنا، قدم قدم پر مال خرچ ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا

(افسوس ان پر) کیا یہ نہیں دیکھتے کہ کوئی برس اس سے خالی نہیں جاتا کہ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ آزمائش میں نہ ڈالے جاتے ہوں پھر بھی یہ ہیں کہ نہ تو توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت پکڑتے ہیں! (۱۲۶) اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے (جس میں منافقوں کا ذکر ہوتا ہے) تو وہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں کہ تم پر کسی کی نگاہ تو نہیں؟ (یعنی اپنا ذکر سن کر جو تم چونک اٹھے ہو تو اس پر کسی کی نگاہ تو نہیں پڑ رہی؟) پھر منہ پھیر کر چل دیتے ہیں- تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ان کے دل ہی (راست بازی سے) پھیر دیئے کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ سے کورے ہو گئے! (۱۲۷) (مسلمانو!) تمہارے پاس (اللہ کا) ایک رسول آ گیا ہے جو تم ہی میں سے ہے- تمہارا رنج و کلفت میں پڑنا اس پر بہت شاق گزرتا ہے- وہ تمہاری بھلائی کا بڑا ہی خواہشمند ہے- وہ مومنوں کے لیے شفقت رکھنے والا رحمت والا ہے! (۱۲۸) (اے پیغمبر!) اگر اس پر بھی یہ لوگ سرتابی کریں-

⇦ کرنا' آب وہوا کی ناموافقت' اجنبیوں سے صحبت و معاملت اور پھر ان تمام موانع و مشکلات میں عزم و عمل کا استوار رہنا' ایثار و تحمل کے کتنے مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں تب کہیں جا کر یہ عمل انجام پاتا ہے-

سورہ تحریم میں یہی وصف مسلمان عورتوں کے لیے بھی فرمایا: ﴿ مومنات قانتات تائبات عابدات سائحات ﴾ (۵:۶۶) اللہ کی فرمانبردار' برائیوں سے پرہیز کرنے والیاں' عبادت گزار' سیاحت میں سرگرم اور روایات سے ثابت ہے کہ نہ صرف صحابہ کرام کی بیبیاں' بلکہ خود پیغمبر اسلام کی ازواج مطہرات بھی جنگ میں نکلتی تھیں اور مجاہدین کی خدمت کرتی تھیں- بعد کو اس بارہ میں جو حال رہا وہ شرح و بیان سے مستغنی ہے-

بعضوں کو اس پر تعجب ہوا کہ سیر و سیاحت کا شمار بھی خصائص ایمانی میں ہو اس لیے السائحون اور السائحات کے لغوی اور مصطلح معنی سے گریز کرنے لگے لیکن فی الحقیقت ان کا تعجب محل تعجب ہے- قرآن نے ہجرت کو ایمان کا بہترین عمل قرار دیا ہے جو گھر بار چھوڑ کر نکلنا ہے' اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے فرمایا ﴿ انفروا خفافاً و ثقالا ﴾[1] (۴۱:۹) اور حج ہر مستطیع مسلمان پر مرد ہو یا عورت فرض کر دیا جو باشندگان مکہ کے علاوہ سب کے لیے بڑی سے بڑی سیاحت ہی ہے- یاتین من کل فج عمیق[2] (۲۷:۲۲) نیز جا بجا زور دیا کہ ملکوں کی سیر کرو' پچھلی قوموں کے آثار و باقیات سے عبرت پکڑو' ان کے عروج و زوال کے حالات و بواعث کا کھوج لگاؤ ﴿ افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلهم؟ ﴾[3] (۱۰۹:۱۲) خدا کی قدرت و حکمت کی ان نشانیوں پر غور کرو جو زمین کے چپہ چپہ میں پھیلی ہوئی ہیں: ﴿ و کاین من اية فی السموات والارض یمرون علیها وهم عنها معرضون ﴾ (۱۰۵:۱۲)[4] اور اسی سورت میں یہ حکم پڑھو گے

[1] نکل کھڑے ہو سر و سامان سے ہلکے ہو یا بوجھل-
[2] حج کی سواریاں دنیا کی ہر دور دراز مسافت طے کرتی ہوئی آئیں گی-
[3] کیا انہوں نے ملکوں کی سیر نہیں کی کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے پچھلی قوموں کا خاتمہ کس طرح ہوا اور کیسی حالتوں میں ہوا؟
[4] اور آسمان و زمین میں (قدرت الٰہی کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں کہ لوگ ان پر سے گزر جاتے ہیں اور گردن اٹھا کر دیکھتے نہیں!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

تو ان سے کہہ دو' میرے لیے اللہ کا سہارا بس کرتا ہے- کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف اسی کی ذات- میں نے اس پر بھروسہ کیا' وہ (تمام عالم ہستی کی جہانداری کے) عرش عظیم[1] کا خداوند ہے! (۱۲۹)

کہ طلب علم کے لیے گھروں سے نکلو اور علم کے مرکزوں میں پہنچو: ﴿ **فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم؟** ﴾ (۱۲۲:۹) اور تجارت کے سفر کو بھی فضل الٰہی کی جستجو سے تعبیر کیا- حتیٰ کہ حج کے موقع پر بھی اس کی اجازت دی ﴿ **ليس عليكم جناح ان تبتغوا فضلا من ربكم** ﴾ (۱۰۵:۱۲)[2] جب کہ سیر و سیاحت کے یہ صریح احکام موجود ہیں تو پھر کون سی وجہ ہے کہ یہاں اس وصف کی موجودگی موجب تعجب ہو؟

استغفار للمشرکین کی ممانعت:

(۱۴) اس عہد کے مسلمانوں نے کلمہ حق کے رشتے پر دنیا کے سارے رشتے قربان کر دیے تھے- انہیں اپنے ان عزیزوں اور رشتہ داروں سے لڑنے میں ایک لحہ کے لیے بھی تامل نہیں ہوا جنہوں نے اسلام کے خلاف تلوار اٹھائی تھی اور اس وقت حالت ہی ایسی ہو گئی تھی کہ کلمہ حق کا ساتھ دینا دنیا کے تمام رشتوں' علاقوں کو خیر باد کہہ دینا تھا- لیکن اسلام کے جو دشمن لڑتے ہوئے قتل ہو گئے یا اپنی موت مر گئے ان کی حالت زندوں سے مختلف ہو گئی تھی' کیونکہ اب وہ زندہ نہ تھے کہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے یا ان کے خلاف لڑتے- بعض لوگوں کو خیال ہوا جب اللہ کے رسول کی دعا مقبول ہے تو کیوں نہ ہم اپنے ان عزیزوں کے لیے دعائے مغفرت کی التجا کریں جو مر چکے ہیں؟ اور خود قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت نازل ہو چکا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت کی تھی حالانکہ وہ مومنوں کا مخالف تھا: ﴿ **واغفرلي لابي' انه كان من الضالين** ﴾ (۸۶:۲۶)

آیت (۱۱۳) میں اسی معاملہ کی طرف اشارہ کیا ہے- فرمایا نہ تو پیغمبر کو سزاوار ہے کہ ایسا کرے اور نہ مومنوں کو اگرچہ وہ ان کے عزیز و اقارب ہی کیوں نہ ہوں- کیونکہ جب ان پر یہ بات روشن ہو گئی کہ وہ دوزخی ہیں تو پھر انہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے فیصلہ کے خلاف زبان کھولنے کی جسارت کریں- ان پر یہ بات روشن کس طرح ہوئی تھی؟ اللہ کی وحی سے' اگر تعین کے ساتھ کسی کی نسبت نازل ہو چکی ہو یا ان کے ان اعمال سے جن پر ان کی زندگیوں کا خاتمہ ہوا- یہ ظاہر ہے کہ وہ بیس برس تک داعی حق اور دعوت حق کے جانی دشمن رہے اور کفر و جحود اور ظلم و طغیان کی کوئی شرارت ایسی نہیں ہے جو انسان کر سکتا ہو اور انہوں نے نہ کی ہو- پھر ان کی زندگی کا خاتمہ بھی اسی عالم میں ہوا اور اپنے اعمال بد پر ایک لحہ کے لیے شرمندہ نہ ہوئے- جن لوگوں کی حالت ایسی رہ چکی ہو ان کے دوزخی ہونے سے زیادہ اور کون سی بات روشن ہو سکتی ہے؟

اس کے بعد اس شبہ کا ازالہ کر دیا جو بعض طبیعتوں کو ہوا تھا- فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعائیں کی تھیں تو صرف اس لیے کہ جب تک آدمی زندہ رہتا ہے اس کی ہدایت و اصلاح سے قطعی مایوسی نہیں ہو جا سکتی اگرچہ کتنا ہی گمراہی و شقاوت میں ڈوبا ہوا ہو- کیونکہ ہو سکتا ہے مرنے سے پہلے باز آ جائے- چنانچہ جب تک ان کا باپ زندہ رہا وہ مایوس نہ ہوئے اور برابر دعائیں مانگتے رہے- یہ بات انہوں نے اپنے باپ سے کہہ دی تھی جب اس سے الگ ہوئے تھے اور وہ اپنی بات کے پکے تھے لیکن جب وہ کفر و جحود کی حالت میں مر گیا تو ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اپنی روش سے باز آنے والا نہ تھا- پس اپنی اس طلب سے دست بردار ہو گئے-

چنانچہ قرآن نے سورۂ مریم اور ممتحنہ میں ان کے اس وعدہ کا ذکر کیا ہے- مریم میں ہے کہ جب ان کے باپ نے غصہ میں آ کر انہیں

---

[1] عرش یعنی تخت شاہی- دیکھو سورۂ اعراف آیت (۵۴) کا نوٹ-

[2] اور تمہارے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں اگر تم (اس موقع پر) اللہ کا فضل بھی حاصل کرنا چاہو (یعنی تجارت کرو)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکال دیا اور کہا اگر تو اپنی روش سے باز نہ آیا تو سنگ سار کروں گا' تو انہوں نے کہا: ﴿ **سلام علیك' ساستغفر لك ربی انه كان بی حفیا** ﴾ (۱۹:۴۷) اچھا میں جاتا ہوں- تجھ پر سلامتی ہو- اب میں اپنے پروردگار سے تیرے لیے بخشش کی دعا کروں گا- وہ مجھ پر بہت مہربان ہے- اور ممتحنہ میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خاندان سے تمام تعلقات قطع کر دیے تھے مگر صرف اتنا واسطہ اپنے باپ سے رکھا کہ ﴿ **لاستغفرن لك' وما املك لك من الله من شی ء** ﴾ (۶۰:۴) میں ضرور تیری بخشش کا طلب گار رہوں گا- اس سے زیادہ تیرے لیے میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے!

اور خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی حال رہا کہ دشمنان حق کے لیے ان کی زندگی میں برابر طلب گار بخشش رہے کہ ابھی امید منقطع نہیں ہوئی تھی- جنگ احد میں جب ان کا چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا تھا تو زبان مقدس پر یہی دعا طاری تھی کہ ﴿ **رب اغفر لقومی فانهم لا یعلمون!** ﴾ خدایا! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ جانتے نہیں کہ کیا کر رہے ہیں!

یہ واضح رہے کہ قرآن نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ بات ان کے مناقب وفضائل میں شمار کی ہے اور جا بجا بطور نمونہ کے پیش کی ہے کیونکہ کتنے ہی ناموافق حالات ہوں مگر ہدایت سے مایوس نہ ہونا اور اپنے ماں باپ کے لیے ہر حال میں خیر طلب رہنا جن کی محبت و شفقت انسان کی پرورش کا ذریعہ ہوتی ہے ایمان و راستی کے بہترین اعمال میں سے ہے- چنانچہ سورۂ ابراہیم میں جہاں ان کی وہ مقبول دعائیں نقل کی ہیں جو امت مسلمہ کے ظہور اور خانہ کعبہ کی آبادی کے لیے تھیں وہاں یہ دعا بھی نقل کی ہے: ﴿ **ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنین** ﴾ (۱۴:۴۱) خدایا مجھے بخش دے اور میرے باپ کو بھی اور ان سب کو جو ایمان لائے!

یہاں ''باپ'' سے مقصود ان کا حقیقی باپ ہے یا چچا جس نے بطور باپ کے پرورش کیا تھا؟ تو زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ آزر ان کا چچا تھا' اور یہ معاملہ اسی کے ساتھ پیش آیا تھا- چنانچہ سورۂ انعام آیت (۷۴) کے حاشیہ میں اس طرف اشارہ گزر چکا ہے-

حیات وممات روحانی:

(۱۵) آیت (۱۱۶) میں فرمایا آسمان و زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے- وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے- یہاں جسمانی موت و حیات کا ذکر نہ تھا- پس مقصود یہ ہے کہ نجات و بخشش کا رشتہ اسی کے ہاتھ میں ہے اور جس طرح اجسام کی موت و حیات اس کے حکم سے ہے اسی طرح روح کی ہدایت و شقاوت کا معاملہ بھی اسی کے حکم پر موقوف ہے اور اس کے حکم سے مقصود اس کے ٹھہرائے ہوئے قوانین ہیں- ان قوانین کے مطابق کسی کی راہ سعادت کی راہ ہوتی ہے' کسی کی شقاوت کی- اور ان کے خلاف کبھی کوئی بات ظہور میں نہیں آ سکتی-

شرح وعلی الثلاثة الذین خلفوا:

(۱۶) آیت (۱۱۷) پچھلی آیتوں کے بعد نازل ہوئی ہے- اس میں ان لوگوں کو قبولیت توبہ کی بشارت دی ہے جن سے غزوۂ تبوک کی تیاریوں میں کوتاہی ہوئی تھی اور جن کی نسبت آیت (۱۰۲) میں فرمایا تھا کہ انہیں رحمت الٰہی کا امیدوار رہنا چاہیے- چونکہ قبولیت کا مقتضا یہ تھا کہ ان کے دلوں کے زخم دھوئے جائیں اور مرحمت واکرام کے مرہموں سے تسکین پائیں اس لیے پیرایۂ بیان ایسا اختیار کیا گیا کہ ان کے سارے دکھوں کا مداوا ہو گیا- انہوں نے اس لغزش کی وجہ سے اپنی اصلی جگہ کھو دی تھی- یعنی جن مقبولوں کے ساتھ ان کا شمار تھا ان کی صف سے باہر ہو گئے تھے- پس قبولیت توبہ کا مژدہ سنایا گیا تو اس طرح کہ پہلے خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آیا پھر مہاجرین و انصار کا اور پھر انہی کے ضمن میں ان لوگوں کا بھی ذکر کر دیا گیا اور رحمت الٰہی کی توجہ یکساں طور پر سب کے لیے کہی گئی تا کہ اب کوئی اس حلقہ سے باہر نہ رہے- جن سے قصور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا تھا' وہ بھی محسوس کرنے لگیں کہ رحمت وقبولیت کی ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے ہیں-

گدایاں را ازیں معنی خبر نیست
کہ سلطان جہاں با ماست امروز!

توبہ کے معنی رجوع ہونے اور لوٹنے کے ہیں- اللہ کا اپنی رحمت کے ساتھ لوٹنا کا ملوں کے لیے یہ ہے کہ مزید رحمت واکرام ہو- قصور مندوں کے لیے یہ کہ قبولیت ومغفرت ہو-

(۱۷) اس کے بعد فرمایا: ان تین آدمیوں کی بھی توبہ قبول ہوگئی جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا یعنی جن کی نسبت کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا تھا اور پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا تھا حکم الٰہی کا انتظار کرو- چنانچہ آیت (۱۰۶) میں انہی کی نسبت گزر چکا ہے کہ حکم الٰہی کے انتظار میں ہیں-

یہ تین شخص کعب بن مالک' ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم تھے- کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ان تہتر سابقین انصار میں سے ہیں جنہوں نے عقبہ ثانیہ میں بیعت کی تھی اور ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہما دونوں بدری تھے یعنی ان جاں نثاروں میں جنہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی-

ان تینوں سے بھی غزوۂ تبوک میں کوتاہی ہوئی اور شریک نہ ہوئے لیکن جب آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے اور ساتھ نہ دینے والے اپنے اپنے عذر پیش کر کے معافی مانگنے لگے تو انہوں نے کوئی خاص عذر پیش نہیں کیا اور صاف صاف تسلیم کر لیا کہ ہماری سستی اور کاہلی تھی کہ اس سعادت سے محروم رہے- یہ سن کر آپ نے فرمایا' حکم الٰہی کا انتظار کرو- پھر تمام مسلمانوں کو حتیٰ کہ ان کی بیویوں کو بھی حکم ہوا کہ ان سے ملنے جلنے کے تمام تعلقات منقطع کر لو- چنانچہ اچانک انہوں نے اپنے آپ کو اس حالت میں پایا کہ مدینہ اور اطراف مدینہ کی پوری آبادی نے ان کی طرف سے رخ پھیر لیا تھا- ان کے عزیز وقریب تک ان کے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے- آخر جب پورے پچاس دن اس حالت میں گزر گئے تو یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں قبولیت توبہ کی بشارت ملی-

ان تین صحابیوں میں سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے خود اپنی سرگزشت تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے- وہ کہتے ہیں ''تمام جنگوں میں میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت کی اور اس موقع پر بھی نکلنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن ایک کے بعد ایک دن نکلتے گئے اور میں اسی خیال میں رہا کہ اپنے معاملات نپٹا لوں تو نکلوں- یہاں تک کہ آج کل ہوتے ہوتے پورا وقت نکل گیا- اتنے میں خبر اڑی کہ آنحضرت ﷺ واپس آ رہے ہیں- تب میری آنکھیں کھلیں- لیکن اب کیا ہو سکتا تھا- آپ حسب معمول پہلے مسجد میں تشریف لائے اور جو لوگ کوچ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ آ آ کر معذرتیں کرنے لگے اور قسمیں کھا کھا کر اپنی سچائی کا یقین دلانے لگے- یہ کچھ اوپر اسی آدمی تھے- انہوں نے جو کچھ ظاہر کیا آنحضرت ﷺ نے قبول کر لیا اور ان کے دلوں کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا- جب میری طرف متوجہ ہوئے تو مجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ کوئی جھوٹی معذرت بنا کر کہہ دیتا- جو کچھ سچی بات تھی صاف صاف عرض کر دی- آپ نے سن کر فرمایا ''اچھا جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے'' میں نے لوگوں سے پوچھا اور بھی کسی کو ایسا حکم ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا' ہاں مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ کو''

''اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ کا حکم ہوا کہ ہم تینوں سے کوئی بات چیت نہ کرے تو سب نے منہ پھیر لیا- اچانک دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی- گویا کل تک جس دنیا میں تھا اب وہ دنیا ہی نہیں رہی تھی- میرے دونوں شریک ابتلا گھر میں بند ہو کر بیٹھ رہے تھے لیکن میں سخت جان تھا- اس حالت میں بھی روز گھر سے نکلتا' مسجد میں حاضری دیتا' جماعت میں شریک ہوتا اور پھر ایک گوشہ میں سب سے الگ بیٹھ جاتا-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکثر ایسا ہوتا کہ نماز کے بعد قریب جا کر سلام عرض کرتا اور پھر اپنے جی میں کہتا دیکھوں سلام کے جواب میں آپ کے لبوں کو حرکت ہوتی ہے یا نہیں؟ آپ گوشہ چشم سے کبھی کبھی دیکھ لیتے لیکن جب میری نگاہ حسرت اٹھتی تو رخ پھر جاتا:

بہر تسکین دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر
وہ جو وقت ناز کچھ جنبش ترے ابرو میں ہے!

''ایک دن شہر سے باہر نکلا تو ابوقتادہ کے باغ تک پہنچ گیا- یہ میرا چچیرا بھائی تھا اور اپنے تمام عزیزوں میں اسے زیادہ محبوب رکھتا تھا- میں نے سلام کیا مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا- میں نے کہا ابوقتادہ! کیا تم نہیں جانتے کہ میں مسلمان ہوں اور اللہ اور اس کے رسول کی اپنے دل میں محبت رکھتا ہوں؟ اس پر بھی اس نے میری طرف رخ نہیں کیا- لیکن جب میں نے یہی بات بار بار دہرائی تو صرف اتنا کہا" اللہ ورسولہ اعلم" اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے- تب مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار آنکھیں اشکبار ہو گئیں-

''وہاں سے واپس ہوا تو راستہ میں شام کا ایک نبطی مل گیا- وہ لوگوں سے کہہ رہا تھا کوئی ہے جو کعب بن مالک تک پہنچا دے لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا تو اس نے بادشاہ غسان کا ایک خط نکال کر میرے حوالہ کیا- اس میں لکھا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے تمہارے آقا نے تم پر سختی کی ہے- تم ہمارے پاس چلے آؤ ہم تمہاری قدر و منزلت کریں گے- خط پڑھ کر میں نے کہا یہ ایک اور نئی مصیبت آئی- گویا پچھلی بلائیں کافی نہ تھیں''

''جب اس حالت پر چالیس راتیں گزر چکیں تو آنحضرت ﷺ کی جانب سے ایک آدمی آیا اور کہا حکم ہوا ہے تم اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ- میں نے کہا طلاق دے دوں؟ کہا نہیں صرف علیحدگی کا حکم ہے- ہلال اور مرارہ کو بھی ایسا ہی حکم ہوا ہے- اس پر میں نے اپنی بیوی کو اس کے میکے بھجوا دیا''

''جب دس دن اور گزر گئے تو پچاسویں رات پر صبح آئی- میں اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ کر بیٹھا تھا' اور ٹھیک وہی حالت تھی جس کی تصویر اللہ کے کلام نے کھینچ دی ہے- زندگی سے تنگ آ گیا تھا اور خدا کی زمین بھی اپنی ساری پہنائیوں پر میرے لیے تنگ ہو گئی تھی- اچانک کیا سنتا ہوں' کوئی آدمی کوہ سلع پر سے پکار رہا ہے''کعب بن مالک! بشارت ہو- تمہاری توبہ قبول ہو گئی!''

چہ مبارک سحرے بود و چہ فرخندہ شبے!
آں شب قدرٗ کہ ایں تازہ براتم دادند!

''اب لوگ جوق در جوق مجھے مبارک باد دینے کے لیے دوڑے- ایک آدمی گھوڑا دوڑاتے ہوئے آیا' لیکن بشارت کی آواز اس سے بھی زیادہ تیز ثابت ہوئی تھی- میں مسجد میں حاضر ہوا تو آنحضرت ﷺ لوگوں کے حلقہ میں بیٹھے تھے- آنحضرت ﷺ کا قاعدہ تھا کہ جب خوش ہوتے تو چہرۂ مبارک چمکنے لگتا- جیسے چاند کا ٹکڑا ہو- ہم لوگوں کو یہ بات معلوم تھی- اس لیے ہمیشہ آپ کے چہرہ پر نگاہ رکھتے تھے- چنانچہ میں نے دیکھا- اس وقت بھی چہرۂ مبارک چمک رہا تھا- فرمایا کعب! تجھے آج اس دن کے ورود کی بشارت دیتا ہوں جو تیری زندگی کا سب سے بہتر دن ہے- میں نے عرض کیا یہ بات آپ کی جانب سے ہوئی یا اللہ کی وحی سے؟ فرمایا اللہ کی وحی سے''(صحیحین)

اس آیت کا نوٹ' نوٹ کے حدود سے متجاوز ہو گیا لیکن تفصیل اس لیے ضروری ہوئی کہ معاملہ اہم ہے اور اس میں مسلمانوں کے لیے بڑی ہی عبرت و موعظت ہے- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت منقول ہے کہ قرآن کی کوئی آیت انہیں اس قدر نہیں رلاتی تھی جس قدر یہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیت اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت - اس سے معلوم ہوا کہ:

(ا) خدمت حق میں تساہل ایک مومن کے لیے کیسا سخت جرم ہے کہ ایسے مخلص اور مقبول صحابی بھی اس درجہ سرزنش کے مستحق ہوئے اور تمام مسلمانوں کو ان سے قطع علائق کا حکم دیا گیا -

(ب) مسلمانوں کی اطاعت و امتثال کا کیا حال تھا کہ جونہی انقطاع علائق کا حکم ہوا تمام شہر نے بیک دفعہ رخ پھیر لیا - چوری چھپے بھی کسی نے اس حکم کی خلاف ورزی نہیں کی - حتیٰ کہ ان کے محبوب سے محبوب عزیزوں کو بھی یہ خیال نہ گزرا کہ ایک لمحہ کے لیے اس پر عمل نہ کریں یا کم از کم تعمیل میں نرمی و تساہل سے کام لیں - ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا حال خود حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی زبان سے سن چکے ہو جب انہوں نے کہا تم تو اس سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ میں سچا مسلمان ہوں - اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوں - پھر مجھ سے رخ کیوں پھیر لیا ہے؟ تو ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے صرف یہی کہا کہ اللہ و رسولہ اعلم - ان تین لفظوں میں اس عہد کے مسلمانوں کی ذہنیت کی پوری تصویر اتر آئی ہے یعنی مجھے معلوم تو سب کچھ ہے - جانتا ہوں کہ تم پکے مسلمان ہو - لیکن اپنے جاننے کو کیا کروں؟ جاننا تو اللہ اور اس کے رسول کا ہے اور اس کا حکم یہی ہے کہ تم سے کوئی واسطہ نہ رکھوں!

پھر اس اطاعت کے لیے نہ تو کوئی مادی قوت کام میں لائی گئی تھی - نہ عمال حکومت کا ڈر تھا نہ قانون و عدالت کا صرف ایک شخص کے لبوں نے حرکت کی تھی اور اتنی بات سب کو معلوم ہو گئی تھی کہ اس کی مرضی یہی ہے - بس اتنی بات کا معلوم ہو جانا اس کے لیے کافی تھا کہ سب کے دل مجسم اطاعت و امتثال بن جائیں -

(ج) پھر یہ بھی دیکھو کہ مسلمانوں کی باہمی اخوت و محبت کا کیا حال تھا؟ اس سختی کے ساتھ حکم کی تعمیل تو سب نے کی لیکن ساتھ ہی ان کی مصیبت کے غم سے کوئی دل خالی بھی نہ تھا - سب کے دلوں کو لگی تھی کہ ان کی توبہ قبول ہو جائے - جونہی قبولیت کا اعلان ہوا ایک پر ایک دوڑ نے لگا کہ ان سختی کشانِ عشق کو سب سے پہلے میری زبانی مژدۂ قبولیت ملے - کوہ سلع پر سے جس نے پکار کر سب سے پہلے بشارت سنائی تھی حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے گو اس کا نام نہیں لیا لیکن وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے -

تعلیم و تعلم کے نظام کا قیام:

(۱۸) اس سے پہلے آیت (۹۷) میں بدوی قبائل کی نسبت فرمایا تھا کہ احکام دین سے بے خبری ان سے زیادہ متوقع ہے - کیونکہ تعلیم و تربیت سے محروم رہتے ہیں - اب یہاں اشارہ کیا کہ تعلیم کا ایک عام نظم قائم کرنا چاہیے - یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام مسلمان گھر چھوڑ کر تحصیل علم کے لیے نکل کھڑے ہوں - پس ایسا کرنا چاہیے کہ ہر بستی اور ہر گروہ میں سے کچھ لوگ اس کام کے لیے وقف ہو جائیں - وہ تعلیم و تربیت کے مرکز میں (اور اس وقت مرکز مدینہ تھا) رہ کر دین میں بصیرت پیدا کریں اور پھر اپنی آبادیوں میں جا کر دوسروں کو تعلیم دیں -

قرآن کے یہی اشارات ہیں جنہوں نے مسلمانوں میں اول دن سے تحصیل علم کا عام ولولہ پیدا کر دیا تھا - حتیٰ کہ انہوں نے ایک صدی کے اندر ہی اندر اس کا ایک ایسا عالمگیر نظام قائم کر دیا جس کی نظیر دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی -

معرکہ یرموک کی پیشین گوئی:

(۱۹) آیت (۲۳) میں غالباً اس طرف اشارہ تھا کہ گو تبوک میں رومیوں سے مقابلہ نہیں ہوا کیونکہ انہوں نے حملہ کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا لیکن وہ پھر تیاریاں کرنے والے ہیں اور ضروری ہے کہ مسلمان جنگ کے لیے مستعد رہیں - اس صورت میں "الذین یلونکم" کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطلب یہ ہوگا کہ جو دشمن تمہاری سرحد سے متصل ہیں۔یعنی شام کے رومی اور عرب کے عیسائی قبائل۔چنانچہ چند سالوں کے بعد ایسا ہی ہوا' اور یرموک کا معرکہ پیش آیا۔

چونکہ رومیوں کا مقابلہ اس عہد کی سب سے زیادہ طاقتور اور متمدن شاہنشاہی کا مقابلہ تھا اس لیے فرمایا۔اس قوت سے لڑو کہ وہ تمہاری سختی محسوس کریں۔مسلمانوں نے اس حکم کی جس طرح تعمیل کی اس کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ہرقل کی فوج بالاتفاق دو لاکھ سے زیادہ تھی اور مسلمان زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار تھے لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ ہمیشہ کے لیے رومی حکومت کا شام میں خاتمہ ہوگیا۔

قانون انذار وتنبیہ:

(۲۰) آیت (۱۲۶) میں اگرچہ منافقوں کا ذکر ہے لیکن قرآن کے تمام بیانات کی طرح یہاں بھی مقصود یہ ہے کہ غفلت انسانی کی ایک عام تصویر سامنے آ جائے۔افراد کی زندگی ہو یا جماعت کی لیکن ہر ہلاکت و بربادی کے بعد تم سراغ لگاؤ گے تو پاؤ گے کہ ان کی ہلاکت اچانک ان پر نہیں آ گری تھی۔وہ مدتوں تک ان پر منڈلاتی رہی' لیکن اتری نہیں۔وہ اپنی آمد کی علامتیں بھیجتی رہی۔ان کی زندگی کا کوئی برس کوئی مہینہ بلکہ کوئی دن ان سے خالی نہیں گیا۔لیکن جب یہ ساری تنبیہیں بیکار ہوئیں اور وہ غفلت و گمراہی سے باز نہ آئے' تو پھر ان پر اتر آئی۔کیونکہ یہ ان کی ''اجل'' تھی' اور جب اجل آ جائے تو وہ ٹل نہیں سکتی۔(دیکھو ۷:۳۴)

خدا کے روحانی قوانین بھی اس کے جسمانی قوانین کی طرح ہیں۔تم بد پرہیزی کرتے ہو تو فوراً نہیں مر جاتے۔البتہ موت کے پیام آنا شروع ہو جاتے ہیں۔یہ پیام کیا ہیں؟ بیماریاں ہیں جو موت کی طرف سے آنے لگتی ہیں تاکہ تمہیں بروقت ہوشیار کر دیں۔اگر تم ہوشیار ہو گئے تو وہ رک جائے گی۔نہ ہوئے تو پھر تمہارے سرہانے آ کھڑی ہوگی۔ٹھیک ایسا ہی معاملہ جماعتوں اور قوموں کے ساتھ بھی پیش آتا ہے اور ایسا ہی معاملہ افراد کی معنوی سعادت وشقاوت کا بھی سمجھو۔جو نصیحت پکڑتے اور باز آ جاتے ہیں وہ سنت الٰہی کے مطابق ہلاکت سے بچ جاتے ہیں۔جو مصر رہتے ہیں ہلاک ہو جاتے ہیں۔یہی حقیقت ہے جسے قرآن نے جا بجا امہال' تربص اور استمتاع سے بھی تعبیر کیا ہے (تشریح کے لیے دیکھو تفسیر فاتحہ)

براءت ایک وداعی موعظت تھی:

(۲۱) امام بخاری رحمہ اللہ نے براء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آخری سورت جو نازل ہوئی براءت ہے اور حاکم وغیرہ نے ابی ابن کعب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ سب سے آخری آیات جو نازل ہوئیں براءت کی آخری دو آیتیں ہیں۔لیکن تمام روایتوں کو جمع کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے براءت سب سے آخری نہیں ہو سکتی۔کم از کم ﴿ واتقوا یوماً ترجعون فیه الی الله ﴾ (۲:۲۸۱) اور سورۂ نصر اس کے بعد ضرور نازل ہوئی ہے۔بہرحال آخری ہو یا نہ ہو لیکن باعتبار نزول کے یہ آخری کلام میں سے ضرور ہے اور اسی لیے بحیثیت مجموعی پوری سورت میں اور آخری دو آیتوں میں خصوصیت کے ساتھ اس طرح کا طرز خطاب پایا جاتا ہے جیسے امت کو آخری احکام دیے جا رہے ہوں یا آخری موعظت کا پیام ہو۔

چنانچہ آخری دو آیتوں میں عرب کی اس نسل سے خطاب ہے جو اس وقت مخاطب تھی۔فرمایا اللہ کا رسول تم میں آ گیا' اور اس نے اپنا فرض رسالت ادا کر دیا۔وہ کسی دوسری جگہ سے تم میں نہیں آ نکلا تھا۔سنت الٰہی کے مطابق خود تم ہی میں پیدا ہوا اور چونکہ وہ تم ہی میں سے ہے اس لیے اول سے لے کر آخر تک اس کی ساری باتیں تمہاری نگاہوں کے سامنے رہی ہیں۔اس کا لڑکپن بھی تم میں گذرا' اس کی جوانی کے دن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی تم میں بسر ہوئے - پھر اس نے نبوت کا اعلان کیا تو تم سے کہیں چھپ کر زندگی بسر نہیں کی - اس کی ساری باتیں تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے - پھر جو کچھ گزرنا تھا گذرا اور تم نے مظلومی و بیکسی کے اعلان بھی سن لیے - فتح و کامرانی میں ان کی تصدیق بھی کر لی - تم میں کوئی نہیں جو اس کی بے داغ زندگی کا شاہد نہ ہو اور کوئی نہیں جس نے اس کی ایک ایک بات کی سچائی آزمانہ لی ہو -

پھر ان کے ایک ایسے وصف پر زور دیا جو منصب رسالت کے لیے اور ہر اس انسان کے لیے جو قوم کی رہنمائی و قیادت کا مقام رکھتا ہو سب سے زیادہ ضروری وصف ہے یعنی ابنائے جنس کے لیے شفقت و رحمت - فرمایا اس سے زیادہ کوئی بات تمہارے لیے یقینی نہیں ہو سکتی کہ وہ سرتا پا شفقت و رحمت ہے - وہ تمہارا دکھ برداشت نہیں کر سکتا - تمہاری ہر تکلیف خواہ جسم کے لیے ہو خواہ روح کے لیے اس کے دل کا درد و غم بن جاتی ہے - وہ تمہاری بھلائی کی خواہش سے لبریز ہے - وہ اس کے لیے ایسا مضطرب قلب رکھتا ہے کہ اگر اس کی بن پڑتی تو ہدایت و سعادت کی ساری پاکیاں پہلے ہی دن گھونٹ بنا کر پلا دیتا - پھر اس کی یہ شفقت و محبت صرف تمہارے ہی لیے نہیں ہے - وہ تو تمام مومنوں کے لیے خواہ عرب کے ہوں خواہ عجم کے رؤف رحیم ہے!

''رؤف'' رأفت سے ہے اور اس کا اطلاق ایسی رحمت پر ہوتا ہے جو کسی کی کمزوری و مصیبت پر جوش میں آئے - پس رافت' رحمت کی ایک خاص صورت ہے اور رحمت عام ہے - دونوں کے جمع کر دینے سے رحمت کا مفہوم زیادہ قوت و تاثر کے ساتھ واضح ہو گیا -

خدا نے یہ دونوں وصف جا بجا اپنے لیے فرمائے ہیں اور یہاں اپنے رسول کے لیے بھی فرمائے -

اس کے بعد فرمایا کہ اگر یہ مجمع مخاطبین یہ سب کچھ دیکھ لینے اور تجربہ کر لینے کے بعد بھی ادائے فرض سے اعراض کرے تو اے پیغمبر! تم آخری اعلان کر دو کہ میرے لیے اللہ بس کرتا تھا اور اب بھی اللہ بس کرتا ہے - وہ اپنے کلمہ حق کا محافظ ہے اور اس کی مشیت نے جو کچھ فیصلہ کر دیا ہے بہر حال ہو کر رہنے والا ہے - اس کا قیام و عروج کسی خاص ملک اور قوم کی پشت پناہی پر موقوف نہیں - میرا بھروسہ اسی پر تھا اور اسی پر ہے - میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا -

یہ پیام موعظت یہاں کیوں ضروری ہوا؟ اس کے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ دو باتیں سامنے رکھ لی جائیں: سورت کے نزول کا وقت اور سورت کے مطالب - یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب تمام عرب میں کلمہ حق سربلند ہو چکا تھا اور گو قرآن نے دعوت حق کی عالمگیر فیروزمندیوں کی خبر دے دی تھی تاہم ان لوگوں کے لیے جو کل تک غربت و بیکسی کی انتہائی مصیبتوں میں رہ چکے تھے تمام عرب کا مسلمان ہو جانا بڑی سے بڑی کامرانی تھی اور اس لیے ناگزیر تھا کہ ایک طرح کی فارغ البالی اور بے پروائی طبیعتوں میں پیدا ہو جائے - غزوۂ تبوک کی تیاریوں میں جو بعضوں سے تساہل ہوا تو اس کی تہ میں بھی اس حالت کی جھلک صاف دکھائی دے رہی ہے - اور یہی وجہ ہے کہ اس سورت میں اس تفصیل اور شدت کے ساتھ استعداد کار اور عزم و ہمت کی تلقین کی گئی کہ اس کی نظیر کسی دوسری سورت میں نہیں ملتی -

پس یہاں اس آخری موعظت و اعلان کا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب پر دو باتیں واضح کر دی جائیں - ایک یہ کہ جو کچھ ہو چکا ہے یہ معاملہ کی تکمیل نہیں ہے بلکہ محض ابتدا ہے اور اس لیے ادائے فرض کا مطالبہ بدستور باقی ہے - یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ کام سے فارغ البال ہو گئے - دوسری یہ کہ کلمہ حق اپنے عروج کے لیے تمہارا محتاج نہیں - اگر آئندہ تم نے کوتاہی کی تو خود نقصان اٹھاؤ گے دعوت حق کا کچھ نہیں بگڑے گا - اس کے لیے صرف اللہ کی کہ جہانداری عالم کے عرش عظیم کا مالک ہے نصرت و حمایت کفایت کرتی ہے!

مندرجہ بالا سطور سے وہ تمام الجھاؤ دور ہو گئے جو ان دو آیتوں کے بارے میں پیدا ہو گئے تھے - چونکہ ان آیتوں میں اہل عرب سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خطاب ہے اور اعراض کی صورت میں توکل علی اللہ کی تلقین کی گئی ہے اور یہ اسلوب بیان زیادہ تر مکی سورتوں کا رہا ہے اس لیے مفسرین نے خیال کیا یہ مدنی آیتیں نہیں ہوسکتیں اور سورۂ براءت میں ان کا ہونا تعجب انگیز ہے۔ پھر اس استعجاب کو دور کرنے کے لیے طرح طرح کی توجیہیں کی گئیں لیکن مندرجہ بالا تفسیر کے بعد وہ سب غیر ضروری اور بے محل ہوگئیں۔

(۲۲) سورت کے بعض مہمات کی تشریح ابھی باقی ہے:

اہل کتاب سے قتال کا حکم کیوں دیا گیا:

(۱) آیت (۲۹) میں عرب کے ان یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی تمام معاہدات فسخ کر دینے کا حکم دیا ہے جنہوں نے یکے بعد دیگرے معاہدوں کی خلاف ورزیاں کی تھیں اور مسلمانوں کے امن و عافیت کے خلاف ایک بہت بڑا خطرہ بن گئے تھے۔ اور حکم دیا ہے کہ مشرکین عرب کی طرح ان کے خلاف بھی اب اعلان جنگ ہے۔

اسلام کا جب ظہور ہوا تو حجاز میں یہودیوں کی متعدد جماعتیں آباد تھیں لیکن عیسائیوں کی کوئی قریبی آبادی نہ تھی۔ وہ یا تو یمن میں تھے یا عرب اور شام کے سرحدی علاقے میں۔ یہودیوں کا جو طرز عمل رہا اس کی طرف اشارات گزر چکے ہیں۔ عیسائیوں کی حالت یہودیوں سے مختلف رہی۔ ان کی طبیعت میں وہ جمود اور سختی نہ تھی جو یہودیوں میں طبیعت ثانیہ ہو چکی تھی اس لیے جب انہوں نے اس دعوت کا حال سنا تو مخالفت کا جوش پیدا نہیں ہوا بلکہ اس کی طرف مائل ہونے لگے۔ چنانچہ یمن کے عیسائیوں نے ابتدا سے موافقانہ روش اختیار کی تھی اور خود اپنی خوشی سے جزیہ دینا قبول کر لیا تھا۔ پھر خود بخود اسلام نے اپنی راہ وہاں نکال لی۔ انہی کے وفد سے وہ مخاطبات ہوئے تھے جو سورۂ آل عمران میں گزر چکے ہیں۔

عرب سے باہر کے جن عیسائیوں تک اسلام کی دعوت پہلے پہل پہنچی ان کا بھی یہی حال رہا۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے جو بادشاہ مسلمان ہوا وہ حبش کا عیسائی فرمانروا نیگوش تھا جسے عرب نجاشی کہا کرتے تھے اور جس کی حق شناسی اور استعداد ایمانی کی مدح خود کلام الٰہی نے کی ہے۔ (دیکھو ۵:۸۳)

اس عہد کے یہودیوں اور عیسائیوں کے اس اختلاف حال کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے اور اس کی علت بھی واضح کر دی ہے۔ (دیکھو ۵:۸۲)

لیکن آگے چل کر جب اسلام کی دعوت زیادہ پھیل گئی تو وہ عیسائی ریاستیں جو عرب اور شام کے سرحدی علاقہ میں قائم ہوگئی تھیں اور رومی حکومت کے ماتحت تھیں اس تحریک کی ترقی گوارا نہ کر سکیں اور رومی شاہنشاہی کی پشت گرمی سے مغرور ہو کر آمادۂ پیکار ہوگئیں۔ سب سے پہلا معاملہ حضرت حارث بن عمیر کی شہادت کا پیش آیا۔ آنحضرتؐ نے انہیں دعوت اسلام کا خط دے کر موتہ بھیجا تھا جہاں کا رئیس شرحبیل بن عمرو غسانی تھا۔ اس نے انہیں بغیر کسی جرم و قصور کے قتل کرا دیا۔ اس صریح غدر و ظلم نے پیغمبر اسلام کو جنگ پر مجبور کر دیا اور ایک فوج ۸ ہجری میں روانہ کی گئی۔ اس وقت شہنشاہ قسطنطنیہ بھی شام میں مقیم تھا۔ اس سے رئیس موتہ نے مدد مانگی اور شاہی فوج بھی میدان میں آ گئی۔ تاہم فتح مسلمانوں ہی کو ہوئی۔

اس واقعہ کے بعد شام کے تمام عرب قبائل نے تہیہ کر لیا کہ مسلمانوں پر حملہ کر دیں اور شہنشاہ قسطنطنیہ نے بھی ان کی اعانت کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ شاہی فوجیں شام میں جمع ہونے لگیں اور پیغمبر اسلام ﷺ کو خود دفاع کے لیے نکلنا پڑا۔ یہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دفاعی اقدام ہے جو غزوۂ تبوک کے نام سے مشہور ہوا- لیکن جب پیغمبر اسلام تبوک پہنچے تو معلوم ہوا مسلمانوں کے اس بے باکانہ اقدام نے دشمنوں کے ارادے پست کر دیے اور اب حملہ کا ارادہ ملتوی ہو گیا ہے-

اس سورت کی یہ آیتیں اس واقعہ کے بعد ہی نازل ہوئی تھیں اور چونکہ اب مسلمانوں پر اس جانب سے سخت حملہ ہونے والا تھا اور دوسری طرف عرب کے یہودی بھی اپنی سازشوں میں سرگرم تھے اس لیے ناگزیر ہو گیا تھا کہ مشرکین عرب کی طرح ان کے خلاف بھی جنگ کا اعلان کر دیا جائے-

پس اس آیت میں ''جنگ کرو'' کے حکم سے مقصود جنگ کی یہی صورت ہے- یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا کے تمام یہودیوں اور عیسائیوں پر محض ان کے یہودی اور عیسائی ہونے کی وجہ سے حملہ کر دو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں یا جزیہ نہ دیں جیسا کہ معترضین اسلام نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے- ایسا مطلب صرف وہی قرار دے سکتا ہے جو پورے قرآن سے' پیغمبر اسلام کی زندگی سے' صحابہ کے حالات سے اور تاریخ اسلام سے یک قلم آنکھیں بند کر لے-

حکم قتال کے ساتھ یہ بات بھی واضح کر دی کہ ان جماعتوں کو دعوت حق سے کیوں بغض ہوا اور کیوں راستی و عدالت سے منہ موڑ کر مسلمانوں کی ہلاکت و بربادی کے درپے ہو گئے؟ چنانچہ پہلے اہل کتاب کا نام نہیں لیا بلکہ ان کے چار سلبی وصف بیان کیے- یعنی جن لوگوں کے اوصاف کا یہ حال ہے ان سے راستی و عدالت اور پاس عہد و قرار کی کوئی امید نہیں کی جا سکتی اور وہ پیروان حق کی عداوت سے کبھی باز آنے والے نہیں- پس اگر ان سے جنگ نہ کی جائے تو چارۂ کار کیا رہا ہے؟

فرمایا باوجود اہل کتاب ہونے کے اب ان کا حال یہ ہے کہ نہ تو اللہ پر ایمان باقی رہا ہے نہ آخرت پر- زبان سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مومن ہیں لیکن ان کا ہر عمل اعلان کرتا ہے کہ مومن نہیں- پھر اللہ اور اس کے رسول نے جو کچھ حرام کر دیا تھا اب ان کے لیے حرام نہیں رہا- کیونکہ اول تو ہوائے نفس سے حیلے نکال کر کتنی ہی حرام چیزیں حلال کر لیں پھر حلت و حرمت کا حق بھی خدا و رسول کی جگہ اپنے فقیہوں اور پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دیا- اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جس دین حق کی انہیں حضرت موسیٰ اور مسیح علیہما السلام نے تعلیم دی تھی اسے یک قلم چھوڑ چکے ہیں- یہاں اہل کتاب کے ایمان کی اسی طرح نفی کی ہے جس طرح سورۂ بقرہ میں کی ہے کہ ﴿ ومن الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الاخر وما ھم بمؤمنین ﴾ (۸:۲)

حکم جزیہ:

(ب) اس کے بعد فرمایا ﴿ حتی یعطوا الجزیہ عن ید وّھم صاغرون ﴾ یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے اٹھا کر جزیہ دے دیں اور ان کا گھمنڈ ٹوٹ چکا ہو- نہ صرف عربی زبان میں بلکہ تقریباً ہر زبان میں یہ محاورہ موجود ہے کہ کسی چیز کو خود اپنے ہاتھ سے دے دینا رضامندی سے دینا ہوتا ہے- مثلاً اردو میں کہیں گے ''تم اپنے ہاتھ سے اٹھا کر جو دے دو گے ہم لے لیں گے'' یعنی اپنی خوشی سے جو کچھ دے دو وہی ہمارے لیے بہت ہے- ٹھیک مطلب عربی میں بھی اس ترکیب کا ہوتا ہے- پس مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنی خوشی سے جزیہ دینا منظور کر لیں اور ان کا گھمنڈ اور ظلم جس نے انسان کے امن و راحت کو خطرہ میں ڈال دیا تھا باقی نہ رہے-[1]

---

[1] امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام میں تصریح کی ہے: سمعت عددا من اھل العلم یقولون الصغار ان یجری علیھم حکم الاسلام یعنی میں نے متعدد اہل علم سے سنا ہے کہ وھم صاغرون کا مطلب یہ ہے: ان پر اسلامی حکومت کے قوانین جاری ہو جائیں یعنی وہ اسلامی حکومت کے قوانین کے آگے جھک جائیں-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ج) عربی میں ''جزیہ''[۲] خراج کے معنی میں بھی بولا گیا ہے جو اراضی سے وصول کیا جاتا ہے اور ٹیکس کے لیے بھی جو اشخاص پر عائد ہوتا ہے- ایران اور روم میں اس طرح کے ٹیکس لیے جاتے تھے اور عرب کے جن حصوں نے ان کی باج گزاری منظور کر لی تھی وہ اس طرح کے ٹیکسوں سے آشنا ہو گئے تھے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ نجران (یمن) کے عیسائیوں کا جب وفد آیا تو اس نے خود یہ بات پیش کی کہ ہم مسلمان تو نہیں ہوتے لیکن اطاعت قبول کر لیتے ہیں- آپ ہم پر جزیہ مقرر کر دیں- غالباً یہ جزیہ لینے کا پہلا واقعہ ہے جو تاریخ اسلام میں پیش آیا- اس کے بعد بحرین کے یہودیوں اور مجوسیوں سے جزیہ لیا گیا-

(د) یہاں ''جزیہ'' لینے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اگرچہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ذکر میں آیا لیکن اصلاً حکم تمام غیر مسلموں کے لیے ہے جو اسلامی حکومت کے ماتحت رہنا منظور کر لیں- چنانچہ صدر اول سے لے کر آخر تک تمام اسلامی حکومتوں کا عمل اسی پر رہا- خود آنحضرت ﷺ نے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا' صحابہ نے صابیوں سے لیا اور خلفاء بنو امیہ و عباسیہ کا سندھ کے ہندوؤں اور پیروان بدھ سے لینا معلوم ہے-

البتہ عرب کے غیر مسلموں کے بارے میں اختلاف ہوا اور امام ابوحنیفہ اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما اس طرف گئے ہیں کہ ان سے جزیہ پر مصالحت نہیں ہو سکتی لیکن اس بارے میں صحیح مذہب جمہور ہی کا ہے- یعنی عرب و عجم کی کوئی تفریق نہیں کیونکہ خود آنحضرت ﷺ اور صحابہ کا عرب کے غیر مسلموں سے جزیہ لینا ایک مسلم واقعہ ہے-

باقی رہے مشرکین عرب تو ان کا سوال عملاً پیدا ہی نہیں ہوا کیونکہ سورۂ براءت کے نزول کے بعد تمام مشرکین عرب مسلمان ہو چکے تھے اور حکمت الٰہی کا فیصلہ یہی تھا کہ جاہلیت عرب کا شرک پھر یہاں سر نہ اٹھائے-

(ہ) قرآن نے غیر مسلموں سے جزیہ لینے کا حکم کیوں دیا؟ اس لیے کہ حق و انصاف کا مقتضا یہی تھا اور اس لیے کہ وہ چاہتا تھا مسلمانوں کے نظام حکومت میں غیر مسلموں پر اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے جتنا بوجھ مسلمانوں کو اٹھانا پڑے گا-

اسلام نے مسلمانوں پر جنگی خدمت فرض کر دی تھی یعنی آج کل کی اصطلاح میں فوجی قانون جبری تھا اور اس لیے ضروری تھا کہ جو غیر مسلم اسلامی حکومت کے ماتحت شہری زندگی بسر کریں وہ بھی ملک کی حفاظت کے لیے جنگ میں شریک ہوں لیکن اسلام نے اسے انصاف کے خلاف سمجھا کہ اس بارے میں غیر مسلموں پر جبر کیا جائے- اس نے یہ بات ان کی مرضی پر چھوڑ دی اور کہا اگر خود اپنی خوشی سے چاہو تو جنگی خدمات میں مسلمانوں کی طرح شریک ہو- نہ شریک ہونا چاہو تو اس کے بدلے ایک سالانہ رقم ادا کر دیا کرو- یہی رقم تھی جو غیر مسلموں کے لیے جزیہ ہوئی-

فی الحقیقت انسان کے عقائد و جذبات کی آزادی کا یہ ایسا اعتراف تھا جس کا اس عہد میں کوئی دوسری قوم تصور بھی نہیں کر سکتی تھی- جنگ کے لیے نکلنا اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ لینا ہے- مسلمان مسلمانوں کو اس کے لیے مجبور کر سکتے ہیں لیکن انہیں کیا حق ہے کہ غیر مسلموں کو اس کے لیے مجبور کریں؟

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں غیر مسلموں کو جو سرکاری فرامین دیے گئے ان میں ہم صاف صاف اس کی تصریح پاتے ہیں- جو فوج میں شریک ہو گا اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا- جو نہ ہو گا اس سے جزیہ لیا جائے گا- بعض فرمانوں میں یہاں تک سہولت دی ہے کہ اگر

---

۲ خود ''جزیہ'' کا لفظ بھی ایران کی پیداوار ہے- یعنی فارسی لفظ ''گزیت'' سے معرب ہوا ہے- اس بارے میں مولانا شبلی نعمانیؒ نے جو کچھ لکھا ہے وہ زمانہ حال کی نہایت قیمتی اسلامی تحقیقات میں سے ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عام طور پر شریک نہیں ہوتے - صرف ایک برس شریک ہو گئے تو اس برس کی رقم معاف ہو جائے گی - طبری نے تاریخ میں اور بلاذری نے فتوح البلدان میں یہ فرامین نقل کیے ہیں -

یہ تو پہلی علت ہوئی - دوسری علت کا یہ حال ہے کہ اسلام نے مسلمانوں پر کئی طرح کے ٹیکسوں کا بوجھ ڈال دیا تھا - زکوٰۃ انہیں ادا کرنی چاہیے' عام صدقات وخیرات میں انہیں حصہ لینا چاہیے' جنگ پیش آ جائے تو اس کا بوجھ بھی اٹھانا چاہیے - پس ضروری تھا کہ غیر مسلم رعایا پر بھی ایسا ہی بوجھ ڈالا جاتا کیونکہ جہاں تک آزادی وحقوق کا تعلق ہے ان میں اور مسلمانوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا گیا تھا لیکن اسلام نے ایسا نہیں کیا - غیر مسلموں کو حقوق تو مسلمانوں ہی کی طرح دیے لیکن مالی بوجھ مسلمانوں کی طرح نہیں ڈالا - ان تمام ٹیکسوں کے بدلے جو مسلمانوں پر عائد کیے تھے صرف ایک ہی ٹیکس کی ادائیگی ضروری ٹھہرائی - یعنی جزیہ کی - اور وہ بھی انہیں معاف کر دیا جو فوجی خدمت کے لیے تیار ہو جائیں - نتیجہ یہ نکلا کہ فی الحقیقت غیر مسلموں کے لیے کوئی بوجھ بھی نہ رہا اور حقوق سب کے سب رہے - یعنی اگر ایک غیر مسلم ذمی فوجی خدمت سے انکار نہ کرے (جو خود اسی کے وطن کی حفاظت کے لیے ہوگی) تو وہ اسلامی حکومت میں آزادی وحقوق کی ٹھیک ویسی ہی زندگی بسر کرے گا جیسی ایک مسلمان بسر کر سکتا ہے لیکن مسلمان کی طرح اسے کوئی ٹیکس ادا نہیں کرنا پڑے گا!

کیا اس طرز عمل کی کوئی دوسری نظیر تاریخ عالم سے پیش کی جا سکتی ہے؟

(و) جہاں تک غیر مسلموں کے مذہبی' معاشرتی اور شہری حقوق کا تعلق ہے موسیو لیبان کا یہ قول کفایت کرتا ہے کہ "اسلامی حکومت کے ماتحت غیر مسلم ذمیوں کو وہ سب کچھ حاصل تھا جو کسی قوم کو حاصل ہو سکتا ہے - البتہ صرف ایک بات کا حق نہ تھا - یعنی وہ خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے!"

(ز) آیت (۳۰) اور اس کے بعد کی آیتوں میں یہود ونصاریٰ کی ان گمراہیوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں پڑ کر وہ دین حق سے منحرف ہو گئے -

حضرت عزیر علیہ السلام کی نسبت یہودیوں کا اعتقاد:

یہاں یہودیوں کا یہ قول جو نقل کیا ہے کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں تو اس سے مقصود یہودیوں کا عام اعتقاد نہیں ہے - بلکہ صرف ان یہودیوں کا اعتقاد ہے جو یثرب میں آباد تھے - چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سلام بن مشکم' نعمان بن اوفی' ابو انس' شاش بن قیس اور مالک بن صیف کہ رؤسائے یہود میں سے تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا ہم آپ کی کس طرح پیروی کر سکتے ہیں جب کہ آپ نے ہمارا قبلہ ترک کر دیا اور عزیر کو ابن اللہ نہیں مانتے (ابن جریر)

عزیر سے مقصود عزرا ہیں - بخت نصر کے حملہ بیت المقدس میں تورات کے تمام نسخے جل گئے تھے - اس لیے جب یہودی قید بابل سے چھوٹ کر واپس آئے تو ان کے پاس تورات کا کوئی نسخہ نہ تھا اور ان کی نئی نسل عبرانی زبان سے بھی نا آشنا ہو گئی تھی - یہ حالت دیکھ کر حضرت عزرا نے کلدانی حروف میں اور ایسی عبرانی میں کہ کلدانی زبان سے مخلوط تھی از سر نو تورات کے صحائف لکھے اور یہی نسخہ اصلی نسخہ کا بدل سمجھا گیا - چونکہ حضرت عزرا نے از سر نو شریعت مرتب کی اور قید بابل کے بعد نئے دور کے بانی ہوئے اس لیے یہودیوں میں ان کی شخصیت بہت ہی مقدس مانی گئی ہے - حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم رتبہ اور شریعت کا دوسرا بانی کہا گیا - چنانچہ آج تک یہودیوں کا عام اعتقاد یہ ہے کہ اگر اس عہد میں لوگوں سے قصور نہ ہوا ہوتا تو عزرا بھی وہ سارے معجزے دکھا دیتے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دکھائے تھے -[1]

---

[1] جیوش انسائیکلوپیڈیا - اسم عزرا - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں بھی وہ مقالہ دیکھنا چاہیے جو عزرا کے حالات پر ہے -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب یہودیوں کا ان کی نسبت عام اعتقاد یہ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہود یثرب کا غلو موجب تعجب ہو۔

شرح اتخاذ اربابا من دون اللہ:

(۲۳) اس کے بعد آیت (۳۱) میں اس گمراہی کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہود و نصاریٰ کی تمام فکری و عملی گمراہیوں کا سرچشمہ تھی یعنی انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علما و مشائخ کو پروردگار بنالیا ہے' پروردگار بنالینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ انہیں رب السماوات والارض کہتے ہیں' کیونکہ اس طرح تو کبھی کسی نے کسی کو رب نہیں بنایا۔ مطلب یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے فقیہوں کو اور عیسائیوں نے اپنے پوپ اور اس کے مقرر کیے ہوئے پادریوں کو' دین کے بارے میں جو منصب دے دیا ہے' اور وہ اپنے زاہدوں اور درویشوں کی نسبت جیسا کچھ اعتقاد رکھتے ہیں' وہ فی الحقیقت انہیں مثل پروردگار کے بنالینا ہے۔

چنانچہ خود پیغمبر اسلام ﷺ نے اس کا یہی مطلب قرار دیا۔ عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ جو پہلے عیسائی تھے' کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے جب براءۃ کی یہ آیت پڑھی تو میں نے عرض کیا ''ہم انہیں پوجتے تو نہیں'' آپ نے کہا ''کیا ایسا نہیں ہے کہ جس بات کو وہ حرام ٹھہرا دیتے ہیں تم حرام سمجھ لیتے ہو' جس بات کو حلال کر دیتے ہیں حلال مان لیتے ہو؟'' عرض کیا ''ہاں'' فرمایا ''یہی انہیں پوجنا ہے'' (ترمذی و بیہقی فی السنن) اس سے معلوم ہوا کہ اپنے دینی پیشواؤں کو تشریع دینی کا حق دے دینا یعنی اس بات کا حق دے دینا کہ وہ جو کچھ اپنی خواہش اور رائے سے ٹھہرا دیں اس کی بلا چون و چرا تقلید و اطاعت کرنی چاہیے قرآن کے نزدیک انہیں رب بنالینا ہے۔ کیونکہ اس بات کا حق اللہ کے سوا اور اللہ کی وحی کے مبلغ کے سوا اور کسی کو نہیں۔ پس جب دوسروں کو بھی یہ حق دے دیا گیا تو گویا وہ خدائی میں شریک کر لیے گئے۔

عیسائیوں میں ایک انسان بھی ایسا نہیں ہوا جس نے پوپ اور اس کے مقرر کیے ہوئے فادرز کو خدا سمجھا ہو اور نہ یہودیوں نے کبھی اپنے ربیوں کو ایسا سمجھا لیکن ان کے عمل کا یہی حال رہا۔ گویا حق و باطل' حلال و حرام' عذاب و ثواب اور جنت و دوزخ کی تقسیم کا سارا اختیار انہی کے قبضہ میں ہے۔ وہ جو حلال کر دیں حلال ہے۔ جو حرام کر دیں حرام ہے۔ جسے چاہیں بخشش کا پروانہ دے دیں جسے چاہیں محروم و مردود کر دیں۔ جنت کی کنجی بھی انہی کے ہاتھ میں ہے۔ دوزخ کا داروغہ بھی انہی کے زیر حکم۔ وہ ایسے مقدس ہیں کہ کوئی بات ان کی غلط نہیں ہو سکتی۔ اور اللہ نے انہیں ایسا با اختیار کر دیا ہے کہ ان کے حکم سے کوئی بات باہر نہیں:

ما شئت لا ماشائت الاقدارُ
فاحکم' فانت الواحد القهارا!

اس گمراہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ:

اولاً: خدا کی کتاب جو اس غرض سے نازل کی گئی تھی کہ لوگ اسے پڑھیں اور اس پر عمل کریں' یک قلم بے اثر و بے کار ہو گئی۔ کیونکہ اس کی جگہ انسانوں کی رایوں اور فیصلوں نے لے لی۔

ثانیاً: ہدایت کا مرکز عملاً خدا کا حکم نہ رہا انسانوں کا حکم ہو گیا۔

ثالثاً: دینی پیشواؤں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا جو لوگوں کو اندھا بہرا بنا کر جس طرح چاہتا اپنے اغراض کے لیے کام میں لاتا۔

رابعاً: انسان کی عقلی ترقی کی تمام راہیں بند ہو گئیں۔ کیونکہ جب لوگوں نے اپنی سمجھ بوجھ سے کام لینا چھوڑ دیا اور اپنے بنائے ہوئے پیشواؤں کا حکم بلا دلیل ماننے لگے کہ یہی معنی تقلید کے ہیں تو ظاہر ہے کہ پھر عقل کی نشو و نما اور ترقی کے لیے کون سی راہ باقی رہ گئی؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خامساً: توہم پرستی اور جہل وکوری کا دروازہ کھل گیا- کیونکہ جب اعتقاد وعمل کا دارومدار چند انسانوں کی رایوں پر آ ٹھہرا اور دوسروں کو اس کا حق نہ رہا کہ اپنی عقل وبینش سے کام لیں تو ظاہر ہے کہ عقل وبینش کی جگہ جہل وتوہم ہی پھیلے گا اور جو خرافات کسی ٹھہرائے ہوئے پیشوا کی زبان سے نکل جائے گی لوگوں کے لیے دلیل وحجت کا کام دے گی-

سادساً: دینی پیشوا اچھے انسان ہونے کی جگہ بے پناہ دیوتا بن گئے- اور ان کی ساری باتوں نے تقدیس وپاکی کا جامہ پہن لیا- کیونکہ جب انہیں اپنے پیروؤں کے لیے حکم وتشریع کی غیر مشروط طاقت مل گئی اور اپنے احکام واعمال میں یک قلم غیر مسئول ہو گئے تو پھر نفس انسانی کی شرارتیں ان سے جو کچھ بھی کرائیں کم ہے-

یورپ کے اس عہد کی تاریخ پر نظر ڈالو جسے مورخ ازمنہ وسطیٰ کے نام سے پکارتے ہیں بلکہ اس عہد کی بھی' جو نشاۃ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے' تمہیں ان نتائج کی ساری نظیریں اور مثالیں قدم قدم پر ملنے لگیں گی- صرف پوپ کے منصب کی نسلاً بعد نسل تاریخ ہی دیکھ لی جائے' اس کے لیے کفایت کرے گی-

قرآن نے جس وقت یہ صدا بلند کی عیسائی دنیا تیار نہ تھی کہ اس کا جواب دیتی لیکن بالآخر اس سے اعراض نہ کر سکی' اس وقت تو قرآن کی اس دعوت حق کو عیسائیوں نے نہیں سمجھا لیکن یہ تخم ریزی برگ وبار لائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی- صلیبی لڑائیوں میں جب یورپ کے عیسائیوں کو مسلمانوں سے ملنے اور اسلام کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو اس کے اثرات کام کرنے لگے اور بالآخر لوتھر نے اصلاح کنیسہ کی دعوت بلند کی- لوتھر اور کلیسا میں بنائے نزاع یہ تھی کہ حق کا معیار کیا ہے؟ کتاب اللہ یا پوپ کا اجتہاد؟ اور خدا کی کتاب اس لیے ہے کہ پڑھی جائے اور سمجھی جائے یا اس لیے کہ سب کچھ پوپ پر چھوڑ دیا جائے؟ نزاع کی ابتدا نجات کے مسئلے سے ہوئی تھی یعنی نجات کا دارومدار ایمان پر ہے یا پوپ کی سند مغفرت پر؟ ظاہر ہے کہ یہ حرف بہ حرف اسی صدائے حق کی بازگشت تھی کہ ﴿ اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله ﴾

آج یہ واقعہ دنیا کے تاریخی حقائق میں سے سمجھا جاتا ہے کہ یورپ کی تمام ذہنی اور عملی ترقیوں کا دور اصلاح کنیسہ کی دعوت سے شروع ہوا- یہ سچ ہے لیکن اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ اصلاح کنیسہ کی بنیاد اس دن پڑی تھی جس دن اللہ کے رسول نے نجران کے بشپ کو یہ دعوت اصلاح دی تھی: ﴿ يا اهل الكتاب! تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم' الا نعبد الا الله' ولا نشرك به شيا' ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله ﴾ (۳:۶۴) اور پھر اس دن جس دن سورۂ براءت کی یہ آیت نازل ہوئی تھی![1]

اگر چھٹی صدی عیسوی کے عیسائی جہل وتعصب نے اس دعوت سے انکار نہ کیا ہوتا تو وہ تمام تاریک صدیاں ظہور میں نہ آتیں جن کی وحشت انگیز سرگزشتیں تاریخ کو قلمبند کرنی پڑیں اور ازمنہ مظلمہ کے نام سے پکاری گئیں اور یقیناً یورپ کے علم وعقلیت کی تاریخ چودھویں صدی کی جگہ ساتویں صدی سے شروع ہو جاتی!

یہ سرگزشت تو عیسائی دنیا کی ہے جسے اس دعوت حق نے مخاطب کیا تھا لیکن خود مسلمانوں کا کیا حال ہوا جنہیں اس دعوت کی تبلیغ سپرد کی گئی تھی؟ افسوس ہے کہ وہ خود بھی اس گمراہی سے بچ نہ سکے اور انہوں نے بھی تشریع دینی کا حق کتاب وسنت کی جگہ انسانوں کی رایوں کے حوالہ کر دیا- اعتقاداً نہیں' عملاً' اور سوال یہاں عمل ہی کا ہے نہ کہ اعتقاد کا- نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تمام مفاسد ظہور میں آ گئے جن کا دروازہ قرآن نے بند

---

[1] لوتھر پر پوپ کی طرف سے جو الزام لگائے تھے ان میں ایک الزام یہ بھی تھا کہ وہ اسلام کا پیرو ہو گیا ہے اور یہ کہ قرآن کے مطالعہ سے اس میں یہ گمراہی پیدا ہوئی- (اڈورڈز ہسٹری آف دی ریفارم- باب سوم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا چاہا تھا- اور سب سے بڑا فساد یہ پیدا ہوا کہ صدیوں سے ان کی عقلی ترقی یک قلم رک گئی اور تقلید نے علم و بصیرت کی راہوں سے انہیں دور کر دیا- حتیٰ کہ اب معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ ایک طرف مسلمانوں کی معاشرتی و اجتماعی زندگی مختل ہو رہی ہے کیونکہ اس کی ضرورتوں کے مطابق احکام فقہ نہیں ملتے اور شریعت کو فقہ کے مذاہب مدونہ ہی میں منحصر سمجھ لیا گیا ہے- دوسری طرف تمام اسلامی حکومتوں نے قوانین شرع پر عمل درآمد ترک کر دیا ہے اور اس کی جگہ یورپ کے دیوانی و فوجداری قوانین اختیار کرنے لگی ہیں- کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ دفاتر فقہ وقت کے انتظامی و معاشرتی مقتضیات کا ساتھ نہیں دے سکتے- اور کوئی نہیں جو انہیں بتلائے کہ اللہ کی شریعت کا دامن اس نقص سے پاک ہے اور اگر وہ کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتے تو انہیں اس زمانے کے لیے بھی ویسے اصلح و اوفق قوانین مل جاتے جس طرح پچھلے عہدوں کے لیے مل چکے ہیں- **فیالله وللمسلمین' من هذه الفاقرة التی هی اعظم فواقر الدین والرزیة التی ما رزی بمثلها سبیل المومنین!**

اکل اموال بالباطل:

(ط) چونکہ پچھلی آیت میں احبار و رہبان کا ذکر کیا گیا تھا اس لیے آیت (۳۴) میں خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو مخاطب کر کے ان کی حالت بیان فرمائی ہے تا کہ اس سے نصیحت پکڑیں-

قرآن نے یہاں اور متعدد مقامات میں یہود و نصاریٰ کے علمائے و مشائخ کی ایک بہت بڑی گمراہی یہ بتلائی ہے کہ ناجائز طریقہ پر لوگوں کا مال کھا لینے میں بے باک ہو گئے ہیں- اس لیے ضروری ہے کہ ٹھیک طور پر سمجھ لیا جائے اس سے مقصود کیا ہے؟ یہ مقصود تو ہو نہیں سکتا کہ وہ لوگوں کے مال پر علانیہ ڈاکے ڈالتے تھے- ضرور کوئی ایسی ہی بات ہو گی جو ان کی روزانہ زندگی کے اعمال میں داخل ہو گئی تھی اور جس کا نتیجہ اکل اموال بالباطل تھا-

یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہبی حلقوں اور اداروں کی تاریخ اب منضبط ہو چکی ہے- اس پر نظر ڈالی جائے تو بے شمار باتیں سامنے آئیں گی لیکن خصوصیت کے ساتھ حسب ذیل امور قابل غور ہیں:

(۱) بادشاہوں اور امیروں کی مطلب براریوں کے لیے حلال کو حرام' حرام کو حلال بنا دیتے اور اس کے فتوے دے کر انعام و اکرام لیتے- حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ شریعت کے کسی حکم سے انکار کر دیتے تھے- بلکہ یہ ہے کہ اس کے حکموں کو توڑ مروڑ کر یا طرح طرح کے حیلے بہانے نکال کر ایسی صورتیں نکال لیتے کہ امیروں کی ہوائے نفس پوری ہو جائے- مثلاً کوئی امیر اپنے دشمن سے انتقام لینا چاہتا ہے تو یہ اس کے کفر کا فتویٰ تیار کر کے دے دیتے کہ شرعاً اسے قتل کرنا جائز ہے- بیوی سے نجات حاصل کرنی چاہتا تو فتویٰ دے دیتے کہ نکاح قائم نہیں رہا- اگر کسی روپیہ پیسے والے سے کوئی ایسی بات ہو جاتی جس کی شرع میں تعزیر ہے اور وہ روپیہ دے کر بچنا چاہتا تو مسئلہ کی کوئی ایسی صورت کھینچ تان کے بنا دیتے کہ تعزیر ساقط ہو جاتی-

بادشاہوں اور امیروں کے نکاح و طلاق کے بارے میں پوپ اور کارڈینلوں کی دین فروشیاں تاریخ یورپ کے ایسے مشہور واقعات ہیں کہ محتاج بیان نہیں-

(۲) ناجائز طریقہ پر مال کھانے کی ایسی صورتیں نکالتے کہ مثلاً فلاں جماعت کافروں اور بت پرستوں کی جماعت ہے- ان کا مال دھوکے فریب سے بھی کھا لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ثواب ہے- چنانچہ علمائے یہود کا مشرکین عرب کی نسبت ایسا ہی فتویٰ تھا- سورۂ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آل عمران میں گزر چکا ہے: ﴿ ذلك بانهم قالوا "ليس علينا فى الاميين سبيل ﴾ (۳:۵۷)

(۳) معاملات وقضایا میں رشوت لے کر فیصلے کرتے۔

قرون وسطیٰ میں پوپ سے لے کر کسی گاؤں کے ایک پادری تک جس طرح بات بات میں رشوتیں لیا کرتے تھے تاریخ کے مسلمات میں سے ہے۔

(۴) راہبوں میں سے جو شخص زیادہ شہرت حاصل کر لیتا لوگ سمجھتے اسے روحانی تسلط وتصرف کا مقام حاصل ہو گیا ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ پس ہر طرح کی حاجتیں لے کر اس کے پاس آتے اور وہ ان سے طرح طرح کی نذریں لے کر انہیں یقین دلا دیتا کہ تمہاری حاجت روائی کا سامان ہو گیا۔

(۵) تمام مذہبی اعمال ورسوم کے لیے باقاعدہ قیمتیں مقرر کر دی تھیں اور اس غرض سے کہ آمدنی کے وسائل زیادہ سے زیادہ بڑھیں ہمیشہ نئی نئی رسمیں اور نئی نئی تقریبیں نکالتے رہتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مذہبی زندگی کے تمام اعمال خرید وفروخت کا معاملہ بن گئے۔ کوئی نماز پڑھے تو اس کے لیے کچھ نہ کچھ خرچ کرے، روزہ رکھے تو اس کے لیے نذرانہ نکالے، شادی غمی ہو جائے تو اس کے لیے فیس مقرر، وعظ ونصیحت کی محفل کرنی چاہے تو اس کے لیے باقاعدہ رقوم۔ حتیٰ کہ کوئی خدا سے دعا بھی نہیں کرا سکتا جب تک کہ اس کا مقررہ نذرانہ ادا نہ کر دے!

(۶) کتاب اللہ کے علم وتعلم کو صرف اپنے ہی طبقہ کے لیے مخصوص کر لیا کہ یہ عوام کے سمجھنے کی چیز نہیں۔ صرف تبرکاً سن کر ثواب کما لینے کی چیز ہے۔ اور پھر جو بہ نیت ثواب سننا چاہے اسے معاوضہ لے کر سنانے لگے۔ چنانچہ علمائے یہود نے تو رات خوانی کو پیشہ بنا لیا تھا اور رومن کیتھولک چرچ کے راہب آج تک ایک ایک گھر میں جا کر انجیل سناتے اور اس کی قیمت وصول کرتے ہیں۔

(۷) عوام میں یہ اعتقاد پیدا کر دیا کہ نجات کا سررشتہ انہی کے ہاتھ میں ہے۔ جسے چاہیں بخش دیں، جسے چاہیں نہ بخشیں اور پھر اس غرض سے اعتراف گناہ (Confession) کا طریقہ رائج کیا یعنی ہر عیسائی کے لیے ضروری ہو گیا کہ کسی پادری کے سامنے جو اس غرض سے مقرر ہو اپنے گناہوں کا اقرار کرے اور وہ اسے مسیح کے نام پر بخش دے۔ اصلاح کے بعد نئے کلیسا نے یعنی پروٹسٹنٹ نے اس سے انکار کر دیا لیکن کیتھولک کلیسا کے معتقدین میں آج تک رائج ہے۔

(۸) اس سے بھی بڑھ کر جلب زر کا یہ طریقہ نکالا گیا کہ مغفرت کے پروانے فروخت کیے جانے لگے۔ یعنی جو شخص ایک خاص مقررہ قیمت ادا کر دیتا اسے نجات کا مقدس پروانہ مل جاتا اور اس پروانہ کے حصول کا مطلب یہ سمجھا جاتا تھا کہ اب کتنے ہی معاصی وجرائم کیے جائیں آسمان میں کوئی پرسش نہ ہوگی۔ مورخین نے تصریح کی ہے کہ اس تجارت کو اس قدر فروغ ہوا تھا کہ کاروباری آدمیوں نے پوپ سے اس کی فروخت کا ٹھیکہ لینا شروع کر دیا تھا۔

لوتھر کے دل میں سب سے پہلے اسی معاملہ نے خلش پیدا کی تھی۔

(۹) طرح طرح کے تبرکات اور آثار بنائے تھے اور عوام کے دلوں میں اعتقاد پیدا کر دیا تھا کہ جس کسی نے ان کی زیارت کر لی یا انہیں چھو لیا اسے دین ودنیا کی ساری برکتیں مل گئیں۔ مثلاً لکڑی کا کوئی ٹکڑا، جس کی نسبت یقین دلایا جاتا تھا کہ یہ اسی صلیب کا ہے جس پر حضرت مسیح کو سولی دی گئی تھی یا کسی سینٹ کا ناخن یا کوئی کپڑا یا تسبیح۔ لوگ ان کی زیارت کرتے اور مقررہ نذریں ادا کرتے۔ ان تبرکات پر ہیکل بھی تعمیر کیے جاتے تھے جو آج تک موجود ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۰) اکل اموال بالباطل کا ایک بڑا ذریعہ مقابر و مشاہد کی مجاوری بھی ہوئی - چنانچہ عیسائیوں میں یہ معاملہ اس قدر بڑھا کہ حج و زیارت کا مرکز یہی مقامات بن گئے اور ایک دنیا کی دولت وہاں سمٹ آئی -

(۱۱) چونکہ دین میں اخلاص باقی نہیں رہا تھا اس لیے جب کبھی دیکھتے کہ شریعت کا کوئی حکم ان کی دنیا پرستیوں میں روک ہے تو فوراً کوئی نہ کوئی شرعی حیلہ نکال لیتے - قرآن نے اصحاب سبت کے حیلہ کا ذکر کیا ہے (۷:۱۶۳) اور اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ انہیں سود کے لین دین سے روکا گیا تھا مگر وہ بلا تامل کھانے لگے (۴:۱۶۱) اس باب میں تورات کا حکم کیا تھا اور علمائے یہود نے کس طرح یکے بعد دیگرے حیلے نکالے اس کی تشریح البیان میں ملے گی -

(۱۲) جو مر جائے اسے ثواب پہنچانے اور اس کے گناہوں کا کفارہ دلانے کے لیے مقررہ رقمیں وصول کرتے اور اس غرض سے طرح طرح کی رسمیں رائج کر دی تھیں - چنانچہ یہودیوں اور کیتھولک عیسائیوں میں آج تک رائج ہیں -

(۱۳) سب سے آخر مگر سب سے اول یہ کہ دین کی ساری باتوں کو یک قلم دکانداری اور پیشہ بنا لیا تھا اور ان کی پوری زندگی ہر معنی میں دکانداری کی زندگی ہو گئی تھی - عالم اور درویش ہونے کے معنی ہی یہ ہو گئے کہ دین اور خدا کے نام سے پیشہ کی روٹی کھانے والے - علم دین کا پڑھنا' پڑھانا' مسائل دین کی تعلیم' فتویٰ نویسی' ہدایت و وعظ' قراءت و ذکر کوئی کام ایسا نہ تھا جو بغیر دنیوی معاوضہ کے کیا جاتا ہو -

قرآن نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے ان کی اس گمراہی کی طرف اس لیے اشارہ کیا تا کہ واضح ہو جائے ان کا ایمان سے محروم ہو جانا اور دین حق کا عملاً ترک کر دینا دراصل ان کے علما و مشائخ کی ان گمراہیوں اور دنیا پرستیوں کا نتیجہ تھا -

لیکن آج مسلمان اور مسلمانوں کے علما و مشائخ اپنی حالت پر نظر ڈالیں اور غور کریں کہ کیا وہ بھی ٹھیک ٹھیک احبار و رہبان کے قدم بہ قدم نہیں چل رہے ہیں؟ اور کیا اکل اموال بالباطل کی یہ تمام صورتیں کسی نہ کسی بھیس میں یہاں بھی کام نہیں کر رہی ہیں؟ حضرت شاہ ولی اللہ نے اب سے دو سو برس پہلے فوز الکبیر میں لکھا تھا کہ اگر احبار یہود کی حالت دیکھنی چاہتے ہو تو آج کل کے علما کو دیکھ لو - اور اگر عیسائیوں کے رہبان کا نقشہ کھینچا چاہتے ہو تو آج کل کے مشائخ کے سامنے بیٹھ کر کھینچ لو -

قرآن نے اس آیت میں یہ بات تمام احبار و رہبان کی طرف منسوب نہیں کی ہے بلکہ اکثر کی طرف منسوب کی ہے اور اس طرح کے مواقع میں اس کا عام انداز یہی ہے - مثلاً اہل کتاب ہی کی نسبت دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿ وان اکثرکم فاسقون ﴾ (۵:۶۳) تم میں سے اکثر فاسق ہیں - یہ نہیں کہا کہ تم سب فاسق ہو - کیونکہ اگر ایسا کہا جاتا تو گو اس اعتبار سے حق ہوتا کہ اکثریت کا حکم کل ہی کا ہوتا ہے' لیکن پھر بھی حقیقت حال کی پوری تعبیر نہ ہوتی اور یہ مطلب نکالا جا سکتا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا ایک ایک فرد بلا استثنا اسی طرح کا ہو گیا ہے - حالانکہ ان میں خال خال ایماندار اور مخلص افراد بھی موجود تھے - یہ بات نہ تھی کہ پوری امت میں ایک فرد بھی نیک راہ پر نہ رہا ہو -

نسی کی حقیقت:

(ی) آیت (۳۶) میں ''نسی'' سے مقصود کیا ہے؟ اسے خود قرآن نے بتلا دیا ہے اور صحابہ کرام نے مزید تشریح کر دی لیکن بعد کو مفسروں کی کاوشوں نے اور خصوصاً علمائے ہیئت کی دقیقہ سنجیوں نے اسے ایک پیچیدہ سوال بنا دیا - غالباً ابو معشر فلکی پہلا شخص ہے جس کا خیال اس طرف گیا کہ یہ کبیسہ کا معاملہ تھا - پھر ابو ریحان بیرونی نے بھی اسی کی پیروی کی - گذشتہ صدی کے بعض مستشرقین یورپ کو بھی اس مسئلہ پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خصوصیت کے ساتھ توجہ ہوئی کیونکہ انہوں نے خیال کیا اس سے عرب جاہلیت کی تقویمی معلومات پر روشنی پڑے گی- چنانچہ پوکاک' دی ساسی گاسین دی پرسیول' اسپرنگر' ول ہواسن وغیرہم نے اس پر طول طویل بحثیں کی ہیں اور زمانہ حال کا ایک اطالوی مستشرق پرنس کائتانی بھی اپنی زیر تصنیف تاریخ اسلام کی پہلی جلد میں اس پر بحث کر چکا ہے- مستشرقین ہی کی صف میں محمود پاشا فلکی کو بھی شمار کرنا چاہیے جس نے کیسہ کا نظریہ تسلیم کر کے یہ کوشش کی کہ اس عہد کے شمسی مہینوں کی تقویمی حالت منضبط کی جائے-

لیکن حق یہ ہے کہ اس نظریہ کے لیے کوئی تاریخی بنیاد موجود نہیں اور صاف بات وہی معلوم ہوتی ہے جس کی طرف خود قرآن نے اشارہ کر دیا ہے اور آثار صحابہ میں اس کی تفصیل موجود ہے-

عرب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ سے یہ بات چلی آتی تھی کہ سال کے چار مہینے امن کے مہینے ہیں- ان میں لڑائی نہیں ہونی چاہیے- رجب' ذوالقعدۃ' ذوالحجۃ' محرم- اسی لیے انہیں اشہر الحرم کہتے تھے- یعنی حرمت کے مہینے- نیز قمری مہینوں کے حساب سے کہ قدرتی حساب ہے حج کا مہینہ بھی متعین تھا اور وہ اسی نام سے پکارا جاتا تھا- یعنی ذی الحجہ- اسی مہینے کی آٹھویں' نویں' دسویں' حج کے اعمال و رسوم کے دن سمجھے جاتے تھے-

ایک مدت تک یہ بات اسی طرح قائم رہی لیکن پھر لوگوں پر اس حکم کی پابندی شاق گزرنے لگی- اول تو اس لیے کہ قمری مہینوں کے حساب کی وجہ سے حج کا زمانہ ہمیشہ ایک ہی موسم میں نہ آتا- بدلتا رہتا- اور اس کی وجہ سے قریش کے سفر تجارت میں خلل پڑتا- ثانیاً امن کے مہینوں کا معاملہ بھی ان کے جنگ جویانہ مقاصد کے خلاف واقع ہوا تھا- ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ سے کتنی ہی عداوت ہو اور انتقام کا کتنا ہی موزوں موقع سامنے دیکھے لیکن اس کی جراءت نہیں کر سکتا تھا کہ ان مہینوں کی بے حرمتی کر کے اعلان جنگ کر دے- چونکہ عرب جاہلیت کی طبیعتوں کے لیے نہ تو دینی قیود تھے نہ علمی حدود اس لیے مطلب براری کا ایک ڈھنگ نکال لینے میں انہیں کوئی دقت پیش نہیں آئی- وہ ڈھنگ یہ تھا کہ امن کے مہینوں کا معاملہ ان کے قدرتی حساب پر موقوف نہیں رکھا بلکہ اس کے لیے ایک خود ساختہ اعلان ضروری ٹھہرا دیا جو حج کے موقع پر کیا جاتا تھا- اس اعلان کے ذریعہ حسب ضرورت اس کے مہینے پیچھے ڈال دیتے یا حج کا مہینہ مؤخر کر دیتے- مثلاً محرم امن کا مہینہ تھا- اعلان کر دیا جاتا کہ اس سال محرم صفر میں واقع ہوگا- نتیجہ یہ نکلتا کہ محرم کا حقیقی مہینہ حکماً معدوم ہو جاتا اور اس میں لڑائی شروع ہو جاتی پھر جب یہ فرق بہت دور تک پہنچ جاتا تو اسے لوٹانا شروع کر دیتے- یہاں تک کہ اصلی مہینوں کی ترتیب پھر قائم ہو جاتی-

چونکہ یہ طریقہ سرتا سر جہل و فساد پر مبنی تھا اور اس کی وجہ سے نہ تو تقویم کا کوئی معیار باقی رہا تھا نہ امن و جنگ کے ایام کا- اس لیے ضروری تھا کہ اس کا قطعاً انسداد کر دیا جائے اور حج کے لیے ایک معین اور قطعی زمانہ مقرر ہو جائے- اگر فی الحقیقت اس معاملہ کی بنیاد کسی حسابی قاعدہ پر ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ قرآن اسے **زیادۃ فی الکفر** سے تعبیر کرتا-

اسلام کا جب ظہور ہوا تو عرب میں قمری مہینوں کا حساب رائج تھا- اس نے بھی اپنے اعمال و عبادات کے لیے اسی حساب پر اعتماد کیا- کیونکہ انسان کے لیے مہینوں کا قدرتی حساب یہی ہے- چاند چھپتا ہے اور پھر نکلتا ہے اور ہر شخص خواہ کسی متمدن شہر میں رہتا ہو خواہ صحرا میں' معلوم کر لے سکتا ہے کہ کب مہینہ ختم ہوا اور کب شروع ہوا- اس کے لیے نہ تو علم ہیئت کی حساب دانیوں کی ضرورت ہے نہ تقویم کی جدولوں کی- علاوہ بریں موسموں اور طلوع و غروب کے وقتوں کی جو تبدیلیاں قدرتی طور پر ہوتی رہتی ہیں وہ سب اس حساب میں پیش آتی رہتی ہیں- مثلاً رمضان اور حج کا مہینہ ہمیشہ گردش میں رہتا ہے- کبھی کسی موسم میں آتا ہے' کبھی کسی موسم میں' اور اس طرح ہر انسان کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی زندگی میں پورا موقع مل جاتا ہے کہ یہ اعمال ہر طرح کے موسموں اور ان کے تاثرات کے ساتھ انجام دے جس میں بے شمار مصلحتیں ہیں اور یہ موقع تفصیل کا نہیں۔

تشریح مصارف زکوٰۃ:

(ک) آیت (۶۰) مصارف زکوٰۃ کے باب میں اصل ہے اور ضروری ہے کہ بعض مہمات واضح ہو جائیں:

(۱) ہم نے ترجمہ میں ''فقراء'' اور ''مساکین'' کے لیے دوسرے الفاظ اختیار نہیں کیے۔ کیونکہ عربی میں ''فقر'' اور ''مسکنت'' سے مقصود احتیاج کی دو مختلف حالتیں ہیں اور ضروری ہے کہ ان کی لغوی نوعیت بجنسہٖ قائم رکھی جائے۔

فقیر اور مسکین:

''فقیر'' اور ''مسکین'' دونوں سے مقصود ایسے لوگ ہیں جو محتاج ہوں' لیکن ''فقر'' عام ہے اور ''مسکنت'' کی حالت خاص ہے۔ ''فقیر'' اسے کہیں گے جس کے پاس ضروریات زندگی کے لیے کچھ بھی نہیں۔ ''مسکین'' وہ ہے جس کی احتیاج ابھی اس آخری درجہ تک تو نہیں پہنچی' مگر پہنچ جائے گی اگر خبر گیری نہ کی جائے۔ مثلاً سوسائٹی کے ایسے افراد جو مختلف اسباب سے مفلس ہو گئے ہیں یا وسائل معیشت کا اہتمام نہیں کر سکتے۔ ان کے جسم پر اجلے کپڑے ابھی باقی ہیں' گھر میں تھوڑا بہت سامان بھی نکل آئے' ممکن ہے دو چار روپے بھی جیب میں موجود ہوں۔ اگر انہیں آج کھانا نہ ملے تو بھوکے نہیں رہیں گے۔ کل نہ ملے تو برتن بیچ لیں گے۔ پرسوں نہ ملے تو کپڑے فروخت کر ڈالیں گے' لیکن پھر اس کے بعد تو کوئی وسیلہ معاش سامنے نہیں دیکھتے۔

''فقیر'' اور ''مسکین'' میں اس لحاظ سے بھی فرق ہے کہ فقیر کو سوال کرنے میں عار نہیں ہوتا' لیکن ''مسکین'' کو اس کی خودداری اور عفت نفس طلب والحاح کی اجازت نہیں دیتی۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں خود آنحضرت ﷺ نے ''مسکین'' کی یہ تعریف کی ہے کہ ((**الذی لا یجدغنی یغنیه' ولا یفطن فیتصدق علیه ' ولا یقوم فیسأل الناس**)) جسے ایسے وسائل میسر نہیں کہ تونگر کر دیں' جس کا فقر ظاہر نہیں کہ لوگ خیرات دیں' جو خود سوال کے لیے کھڑا نہیں ہوتا کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ اور پھر اسی حدیث میں سورۂ بقرہ کی آیت (۲۷۳) کی طرف اشارہ فرمایا کہ ((**یحسبهم الجاهل اغنیآء من التعفف' تعرفهم بسیماهم' لا یسئلون الناس الحافا**)) ان کی خودداری کا یہ حال ہے کہ ناواقف خیال کرے یہ تو تونگر ہیں۔ تم انہیں ان کے چہروں سے پہچان سکتے ہو مگر وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کبھی سوال نہیں کرتے۔

بلاشبہ ایسے علمائے دین جو سورۂ بقرہ کی آیت متذکرۂ صدر کے مصداق ہوں کہ ﴿ **الذین احصروا فی سبیل الله لا یستطیعون ضربا فی الارض** ﴾ (۲:۲۷۳) یعنی دین کی تعلیم وخدمت کے لیے وقف ہو گئے ہوں اور فکر معیشت کے لیے وقت نہ نکال سکیں ''مساکین'' میں داخل ہیں۔ بشرطیکہ انہوں نے تعلیم دین کو حصول زر کا پیشہ نہ بنا لیا ہو' ما یحتاج سے زیادہ نہ لیتے ہوں اور کسی حال میں خود وسائل وسعی نہ ہوتے ہوں۔ نیز وہ تمام افراد جو ان کی طرح خدمت دین وامت کے لیے وقف ہو جائیں اور معیشت کا کوئی سامان نہ رکھتے ہوں۔

قوم کے تمام ایسے افراد جن پر وسائل معیشت کی تنگی کی وجہ سے معیشت کے دروازے بند ہو رہے ہیں اور اگرچہ وہ خود پوری طرح ساعی ہیں لیکن نہ تو نوکری ہی ملتی ہے نہ کوئی اور راہ معیشت نکلتی ہے یقیناً ''مساکین'' میں داخل ہیں اور اس مد کے اولیں مستحق ہیں لیکن اس کا انتظام اس طرح ہونا چاہیے کہ ان کی خبر گیری بھی ہو جائے اور ساتھ ہی ان میں بیکاری کی عادت اور اپاہج پنا بھی پیدا نہ ہو۔ یہ بات نہ صرف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی اعانت میں بلکہ تمام مستحقین کی اعانت میں ملحوظ رہنی چاہیے۔

ایسے افراد جو خوشحال تھے لیکن کاروبار کی خرابی کی وجہ سے یا کسی اور ناگہانی مصیبت کی وجہ سے مفلس ہو گئے ہیں اگرچہ اپنی پچھلی حیثیت کی بنا پر معزز سمجھے جاتے ہیں حکماً ''مساکین'' میں داخل ہیں اور ضروری ہے کہ اس مد سے ان کی بھی خبر گیری کی جائے۔

مصارف ثمانیہ:

(۲) ان مصارف کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ہر رقم ان سب میں وجوباً تقسیم کی جائے یا یہ ہے کہ خرچ انہی میں کی جا سکتی ہے جس مصرف میں خرچ کرنا ضروری ہو اسی میں خرچ کی جائے؟ تو اس بارے میں فقہاء نے اختلاف کیا لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ تمام مصارف میں بیک وقت تقسیم کرنا ضروری نہیں۔ جس وقت جیسی حالت اور جیسی ضرورت ہو اسی کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور یہی مذہب قرآن وسنت کی تصریحات اور روح کے مطابق ہے۔ ائمہ اربعہ میں صرف امام شافعی اس کے خلاف گئے ہیں۔

(۳) یہ آٹھ مصارف جس ترتیب سے بیان کیے ہیں اگر غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ معاملہ کی قدرتی ترتیب یہی ہے۔ سب سے پہلے ان دو گروہوں کا ذکر کیا جو استحقاق میں سب سے زیادہ مقدم ہیں کیونکہ زکوٰۃ کا اولین مقصود انہی کی اعانت ہے۔ یعنی فقراء اور مساکین۔ پھر اس گروہ کا ذکر کیا جس کی موجودگی کے بغیر زکوٰۃ کا نظام قائم نہیں رہ سکتا' اور اس اعتبار سے اس کا تقدم ظاہر ہے لیکن چونکہ اس کا استحقاق بالذات نہیں تھا' اس لیے اولین جگہ نہیں دی جا سکتی تھی۔ پس دوسری جگہ پائی۔ یعنی ﴿ العاملین علیها ﴾ پھر ﴿ المولفة قلوبهم ﴾ کا درجہ ہوا کہ ان کا دل ہاتھ میں لینا ایمان کی تقویت اور حق کی اشاعت کے لیے ضروری تھا۔ پھر غلاموں کو آزاد کرانے اور قرضداروں کو بار قرض سے سبکدوش کرانے کے مقاصد نمایاں ہوئے جو نسبتاً موقت اور محدود تھے۔ پھر فی سبیل اللّٰہ کا مقصد رکھا گیا کہ اگر مستحقین کی پچھلی جماعتیں کسی وقت مفقود ہو گئی ہوں یا کم ہو گئی ہوں یا مقتضیات وقت نے ان کی اہمیت کم کر دی ہو یا مال زکوٰۃ کی مقدار بہت زیادہ ہو گئی ہو تو ایک جامع وحاوی مقصد کا دروازہ کھول دیا جائے جس میں دین وامت کے مصالح کی ساری باتیں آ جائیں۔ سب کے آخر میں ''ابن السبیل'' کی جگہ ہوئی کیونکہ تقدم میں یہ سب سے کم اور مقدار کے لحاظ سے بہت ہی محدود صورت میں پیش آنے والا مصرف تھا۔

سبیل اللہ:

(۴) قرآن کی اصطلاح میں وہ تمام کام جو براہ راست دین وملت کی حفاظت وتقویت کے لیے ہوں سبیل اللہ کے کام ہیں۔ اور چونکہ حفظ وصیانت امت کا سب سے زیادہ ضروری کام دفاع ہے اس لیے زیادہ تر اطلاق اسی پر ہوا۔ پس اگر دفاع درپیش ہے' اور امام وقت اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ مد زکوٰۃ سے مدد لی جائے تو اس میں خرچ کیا جائے گا۔ ورنہ دین وامت کے عام مصالح میں۔ مثلاً قرآن اور علوم دینیہ کی ترویج واشاعت میں۔ مدارس کے اجراء وقیام میں۔ دعاۃ ومبلغین کے قیام وترسیل میں۔ ہدایت وارشاد امت کے تمام مفید وسائل میں۔[1]

---

[1] فقہاء ومفسرین کا ایک گروہ اسی طرف گیا ہے۔ اور بعضوں نے تو اسے اس درجہ عام کر دیا کہ مسجد' کنواں' پل اور تمام اس طرح کی تعمیرات خیریہ بھی اس میں داخل کر دیں۔ وقیل ان اللفظ عام فلا یجوز قصره علی نوع خاص و یدخل فیه جمیع وجوه الخیر من تکفین الموتیٰ وبناء الجسور والحصون وعمارة المساجد غیر ذلك (نیل الاوطار) فقہائے حنفیہ میں سے صاحب فتاویٰ ظہیریہ لکھتے ہیں: المراد طلبة العلم اور صاحب بدائع کے نزدیک وہ تمام کام جو نیکی وخیرات کے لیے ہوں اس میں داخل ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکم زکوٰۃ اور اسلام کا نظام اجتماعی:

(۵) دنیا میں کوئی دین نہیں جس نے محتاجوں کی اعانت اور ابنائے جنس کی خدمت کی تلقین نہ کی ہو اور اسے عبادت یا عبادت کا لازمی جز نہ قرار دے دیا ہو لیکن یہ خصوصیت صرف اسلام کی ہے کہ وہ صرف اتنے ہی پر قانع نہیں ہوا بلکہ ہر مستطیع مسلمان پر ایک خاص ٹیکس مقرر کر دیا جو اسے اپنی تمام آمدنی کا حساب کر کے سال بہ سال ادا کرنا چاہیے اور پھر اسے اس درجہ اہمیت دی کہ اعمال میں نماز کے بعد اسی کا درجہ ہوا اور قرآن نے ہر جگہ دونوں عملوں کا ایک ساتھ ذکر کر کے یہ بات واضح کر دی کہ کسی جماعت کی اسلامی زندگی کی سب سے پہلی شناخت یہی دو عمل ہیں: نماز اور زکوٰۃ - اگر کوئی جماعت بحیثیت جماعت کے انہیں یک قلم ترک کر دے گی تو اس کا شمار مسلمانوں میں نہ ہوگا - اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ((والله لاقاتلن من فرّق بين الصلوٰة والزكوٰة)) (متفق علیہ)

بلاشبہ حضرت مسیح (علیہ السلام) کے مواعظ اس بارے میں بہت دور تک چلے گئے ہیں - انہوں نے صرف یہی نہیں کہا کہ اتنا دے دو بلکہ کہا سب کچھ دے دو - لیکن چونکہ اسلام کی طرح کوئی معین نظم قائم نہیں کیا اس لیے یہ تعلیم محض زہد و ترک دنیا کا ایک اعلیٰ مقام بن کر رہ گئی اور مسیحیت کے صدر اول کے سوا (جبکہ کلیسا کی بنیاد باہمی اخوت و اشتراک پر قائم کی گئی تھی) کوئی زمانہ ایسا ظہور میں نہ آ سکا کہ عیسائیوں میں اس تعلیم کے نتائج نے نشو و نما پایا ہو -

(۶) پھر اس باب میں اس کی ایک دوسری خصوصیت بھی ہے یعنی وہ علت جو نہ صرف زکوٰۃ کے لیے بلکہ تمام صدقات و خیرات کے لیے قرار دی گئی اور جس کی وجہ سے اس معاملہ نے بالکل ایک دوسری ہی نوعیت اختیار کر لی

﴿ كى لا يكون دولة بين الاغنياء منكم ﴾ (۵۹-۷)

تا کہ ایسا نہ ہو مال و دولت صرف دولت مندوں کے گروہ ہی میں محصور ہو کر رہ جائے -

یعنی زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ دولت سب میں پھیلے - سب میں بٹے - کسی ایک گروہ ہی کی ٹھیکہ داری نہ ہو جائے - اور اسی سورت کی آیت (۳۴) میں گزر چکا ہے: ﴿ والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها فى سبيل الله' فبشرهم بعذاب اليم ﴾ جو لوگ چاندی سونا خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کے لیے اگر کوئی بشارت ہو سکتی ہے تو یہی کہ عذاب دردناک کی بشارت دے دو! اور حدیث بعث معاذ الی الیمن میں زکوٰۃ کا مقصد یہ فرمایا کہ:

((توخذ من اغنيائهم' فترد فى فقرائهم)) (رواہ الجماعہ)

ان کے دولت مندوں سے وصول کی جائے اور پھر ان کے محتاج افراد میں لوٹائی جائے -

قرآن اور احتکار و اکتناز:

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ قرآن کی روح دولت کے احتکار و اختصاص کے خلاف ہے - یعنی وہ نہیں چاہتا کہ دولت کسی ایک گروہ کی ٹھیکیداری میں آ جائے یا سوسائٹی میں کوئی ایسا طبقہ پیدا ہو جائے جو دولت کو خزانہ بنا بنا کر جمع کرے - بلکہ وہ چاہتا ہے دولت ہمیشہ سیر و گردش میں رہے اور زیادہ سے زیادہ تمام افراد قوم میں پھیلے اور منقسم ہو - یہی وجہ ہے کہ اس نے ورثا کے لیے تقسیم و اسہام کا قانون نافذ کر دیا اور اقوام عالم کے عام قوانین کی طرح یہ نہیں کیا کہ خاندان کے ایک ہی فرد کے قبضہ میں رہے - جونہی ایک شخص کی آنکھیں بند ہوئیں اس کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دولت جو اس وقت تک تنہا ایک جگہ میں تھی' اب وارثوں میں بٹ کر کئی جگہوں میں پھیل جائے گی- اور پھر ان میں سے ہر وارث کے وارث ہوں گے- اور اسے بانٹتے اور پھیلاتے رہیں گے-

اور پھر یہی وجہ ہے کہ اس نے سود کا لین دین حرام کر دیا اور قاعدہ یہ ٹھہرایا کہ ﴿ یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات ﴾ (۲۷۶:۲) اللہ سود کا جذبہ گھٹانا چاہتا ہے- خیرات کا جذبہ بڑھانا چاہتا ہے- یعنی یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں- جس قوم میں سود کا جذبہ ابھرے گا اس کے غالب افراد شقاوت ومحرومی میں مبتلا رہیں گے- جس قوم میں خیرات کا جذبہ ابھرے گا اس کا کوئی فرد محتاج و مفلس نہیں رہے گا-

اور اسی لیے اس نے سود کے معاملہ کو اتنی اہمیت دی کہ فرمایا جو لوگ اس پر مصر رہیں گے وہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ کریں گے- ﴿ فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ ﴾ (۲۷۹:۲) کیونکہ اس معاملہ پر جماعت کی بنیادی فلاح موقوف تھی اور ضروری تھا کہ اسے ایمان وانقیاد کا معیار قرار دیا جاتا-

اور یہی وجہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں انفاق کا حکم دینے کے بعد متصلاً فرمایا: ﴿ یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا- وما یذکر الا اولوا الالباب ﴾ (۲۶۹:۲) یعنی یہ بات کہ اپنی کمائی کا ایک حصہ دوسرے افراد جماعت کو دے دینا کھونا نہیں ہے پانا ہے بہت دقیق بات ہے- اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو صاحب حکمت ہیں- اور جس کسی نے حکمت کی دولت پائی تو اس نے بڑی سے بڑی بھلائی پالی- ﴿ وما یذکر الا اولوا الالباب! ﴾[1]

(۷) قرآن وسنت کی تعلیمات اور صحابہ کرام کی عملی زندگی کے مطالعہ کے بعد مجھے اس حقیقت کا پورا اذعان ہو گیا ہے کہ اسلام کے بنائے ہوئے اجتماعی نقشہ میں دولت اور وسائل دولت کے احتکار اور اکتناز کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے- ''احتکار'' یہ کہ دولت کا کسی ایک طبقہ ہی میں محصور ہو جانا- ''اکتناز'' یہ کہ دولت کے بڑے بڑے خزانوں کا افراد کے پاس جمع ہو جانا- اس نے سوسائٹی کی نوعیت کا جو نقشہ بنایا ہے اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بن جائیں تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا ہو جائے گا جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑ پتی ہوں گے نہ مفلس ومحتاج طبقے' ایک طرح کی درمیانی حالت غالب افراد پر طاری ہو جائے گی- بلاشبہ زیادہ سے زیادہ کمانے والے افراد موجود ہوں گے- کیونکہ سعی وکسب کے بغیر کوئی مومن زندہ ہی نہیں رہ سکتا- لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا اتنا ہی زیادہ انفاق پر ور بھی ہوگا اور اس لیے افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائے گی اتنی ہی زیادہ جماعت بحیثیت جماعت کے خوشحال ہوتی جائے گی- قابل اور مستعد افراد زیادہ سے زیادہ کمائیں گے لیکن صرف اپنے ہی لیے نہیں کمائیں گے تمام افراد قوم کے لیے کمائیں گے- یہ صورت پیدا نہ ہو سکے گی کہ ایک طبقہ کی کمائی دوسرے طبقوں کے لیے محتاجی ومفلسی کا پیام ہو جائے جیسا کہ اب عام طور پر ہو رہا ہے- یہ بات کہ قرآن کی تعلیم کے مطابق

---

[1] قرآن نے زکوۃ وصدقات کے باب میں جو کچھ کہا ہے- اس کے معارف ودقائق بے شمار ہیں اور بدقسمتی سے مفسرین دوسرے گوشوں میں نکل گئے- یہاں تفصیل ممکن نہیں- اتنی باتیں بھی بلا قصد قلم سے نکل گئیں- اور پھر طبیعت نے گوارا نہیں کیا کہ قلم زد کر دی جائیں- تفصیل کے لیے البیان کا انتظار کرنا چاہیے- سورۂ توبہ کی آیت ﴿ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ﴾ کی تفسیر تمام متداول تفاسیر میں پڑھو- ''ولا ینفقونھا'' کی توجیہ میں کیا کیا مشکلیں پیدا کی گئی ہیں اور پھر کیسے دور دراز حل نکالے گئے ہیں؟ حالانکہ اگر اکتناز کے زور پر غور کیا ہوتا اور اس بارے میں قرآن وسنت کی روح پیش نظر ہوتی تو معاملہ بالکل واضح تھا- بہر حال یہ محل اطناب نہیں-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دنیا میں کس طرح کی مدنیت اور اجتماعیت پیدا ہو سکتی ہے؟ جس درجہ اہم ہے اتنی ہی زیادہ دقیق بھی ہے- البیان میں بہ ضمن تفسیر بقرہ اس کی مفصل بحث و تحقیق ملے گی-

(۸) اگر مسلمان آج اور کچھ نہ کریں صرف زکوٰۃ کا معاملہ ہی احکام قرآنی کے مطابق درست کر لیں تو بغیر کسی تامل کے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی تمام اجتماعی مشکلات و مصائب کا حل خود بخود پیدا ہو جائے گا-

(۹) لیکن مصیبت یہ ہے کہ مسلمانوں نے یا تو احکام قرآنی کی تعمیل یک قلم ترک کر دی ہے یا پھر عمل بھی کر رہے ہیں تو اس طرح کہ فی الحقیقت عمل نہیں کر رہے ہیں-

زکوٰۃ کا نظم شرعی:

قرآن نے زکوٰۃ کا معاملہ ایک خاص نظام سے وابستہ کر دیا ہے اور اسی نظام کے قیام پر اس کے تمام مقاصد و مصالح کا حصول موقوف ہے- زکوٰۃ ایک ٹیکس ہے- بالکل اسی طرح کا ٹیکس جس طرح آج کل انکم ٹیکس وصول کیا جاتا ہے- پس اس کی ادائیگی کا طریقہ یہ نہ تھا کہ ہر شخص خود ہی اپنا ٹیکس نکالے اور خود ہی خرچ بھی کر ڈالے بلکہ یہ تھا کہ حکومت اپنے کلکٹروں کے ذریعہ ہر شخص سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرے اور پھر ضروریات وقت کے مطابق جس مصرف کو مقدم دیکھے اس میں خرچ کرے- جب ایک شخص نے حکومت کے مقررہ عامل کو اپنی زکوٰۃ دے دی اس کی زکوٰۃ ادا ہو گئی- چنانچہ اسی لیے کلکٹروں اور عاملوں کی تنخواہ کا بار بھی اسی فنڈ پر ڈال دیا اور صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ ﴿ والعاملين عليها ﴾ جو کارندے وصولی کے لیے مقرر ہوں ان کے ضروری مصارف- اگر ادائیگی کے لیے یہ بات ضروری نہ ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مصارف کی مد میں مستقلاً عمال حکومت کا ذکر کیا جاتا-

اور پھر یہی وجہ ہے کہ صاف و صریح لفظوں میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اس باب میں عمال حکومت کی اطاعت کریں اور بلا عذر زکوٰۃ ان کے حوالہ کر دیں- حتیٰ کہ اگر عمال ظالم ہوں یا بیت المال کا روپیہ ٹھیک طور پر خرچ نہ ہو رہا ہو جب بھی اصلاح حال کی سعی کے ساتھ ادائیگی کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے- یہ نہیں کرنا چاہیے کہ زکوٰۃ بطور خود خرچ کر ڈالی جائے- بشیر بن خصاصہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے کہا: ﴿ ان قوما من اصحاب الصدقة يعتدون علينا ﴾ عمال کا ایک گروہ صدقہ لینے میں ہم پر زیادتیاں کرتا ہے- کیا اس کا مقابلہ کریں؟ فرمایا ''نہیں'' (ابوداؤد) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں صاف صاف موجود ہے: ((ادفعوا اليهم ما صلوا)) جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ انہیں دیتے رہو-

بنواُمیہ کے زمانہ میں جب نظام خلافت بدل گیا اور حکام ظلم و تشدد پر اتر آئے تو بعض لوگوں کو خیال ہوا ایسے لوگ ہماری زکوٰۃ کے کیوں امین سمجھے جائیں؟ لیکن تمام صحابہ نے یہی فیصلہ کیا کہ زکوٰۃ انہی کو دینی چاہیے- یہ کسی نے نہیں کہا کہ خود اپنے ہاتھ سے خرچ کر ڈالو- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا اب زکوٰۃ کسے دیں؟ کہا وقت کے حاکموں کو- اس نے کہا: اذا يتخذون بها ثياباً وطيباً- وہ تو زکوٰۃ کا روپیہ اپنے کپڑوں اور عطروں پر خرچ کر ڈالتے ہیں- فرمایا'' وان'' اگرچہ ایسا کرتے ہوں' مگر انہی کو- (ابن ابی شیبہ) کیونکہ زکوٰۃ کا معاملہ بغیر نظام کے قائم نہیں رہ سکتا-

صدر اول سے لے کر آخر عہد عباسیہ تک یہ نظام بلا استثنا قائم رہا- لیکن ساتویں صدی ہجری میں جب تاتاریوں کا سیلاب تمام اسلامی ممالک میں امنڈ آیا اور نظام خلافت معدوم ہو گیا تو سوال پیدا ہوا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ فقہائے حنفیہ کے جس قدر شروح و متون اور کتب فتاویٰ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آج کل متداول ہیں زیادہ تر اسی دور میں یا اس کے بعد لکھے گئے ہیں- اس وقت پہلے پہل اس بات کی تخم ریزی ہوئی کہ زکوٰۃ کی رقم بطور خود خرچ کر ڈالی جائے کیونکہ غیر مسلم حاکموں کو نہیں دی جا سکتی- مگر ساتھ ہی فقہاء نے اس پر بھی زور دیا کہ جن ملکوں میں اسلامی حکومت قائم نہیں رہی ہے اور اعادۂ حالت فوراً ممکن نہیں وہاں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ کسی اہل مسلمان کو اپنا امیر مقرر کر لیں- تا کہ اسلامی زندگی کا نظام قائم رہے- معدوم نہ ہو جائے-

لیکن افسوس ہے کہ بعد کو بتدریج اس نظام کی اہمیت سے مسلمان غافل ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ یہ حالت ہو گئی کہ لوگوں نے سمجھ لیا- زکوٰۃ نکالنے کا معاملہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ خود حساب کر کے ایک رقم نکال لیں اور پھر جس طرح چاہیں خود ہی خرچ کر ڈالیں- حالانکہ جس زکوٰۃ کی ادائیگی کا قرآن نے حکم دیا ہے اس کا قطعاً یہ طریقہ نہیں ہے- اور مسلمانوں کی جو جماعت اپنی زکوٰۃ کسی امین زکوٰۃ یا بیت المال کو حوالے کرنے کی جگہ خود ہی خرچ کر ڈالتی ہے وہ دیدۂ دانستہ حکم شریعت سے انحراف کرتی ہے اور یقیناً عنداللہ اس کے لیے جوابدہ ہو گی-

(۱۰) اگر کہا جائے کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت موجود نہیں- اس لیے مسلمان مجبور ہو گئے اور انفرادی طور پر خرچ کرنے لگے تو شرعاً وعقلاً یہ عذر مسموع نہیں ہو سکتا- اگر اسلامی حکومت کے فقدان سے جمعہ ترک نہیں کر دیا گیا جس کا قیام امام وسلطان کی موجودگی پر موقوف تھا تو زکوٰۃ کا نظام کیوں ترک کر دیا جائے؟ کس نے مسلمانوں کے ہاتھ اس بات سے باندھ دیے تھے کہ اپنے اسلامی معاملات کے لیے ایک امیر منتخب کر لیں یا ایک مرکزی بیت المال پر متفق ہو جائیں یا کم از کم ویسی ہی انجمنیں بنا لیں جیسی انجمنیں بے شمار غیر ضروری باتوں کے لیے بلکہ بعض حالتوں میں بدع ومحدثات کے لیے انہوں نے جا بجا بنا لی ہیں؟

(۱۱) اسلام نے اجتماعی زندگی کا ایک پورا نقشہ بنایا تھا- جہاں اس کے چند خانے بگڑے- سمجھ لو پورا نقشہ بگڑ گیا- چنانچہ اس ایک نظام کے فقدان نے مسلمانوں کی پوری اجتماعی زندگی مختل کر دی ہے- لوگ اصلاح کے لیے طرح طرح کے ہنگامے بپا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں انجمنوں اور قومی چندوں کے ذریعہ وقت کی مشکلوں اور مصیبتوں کا علاج ڈھونڈ نکالیں گے حالانکہ مسلمانوں کے لیے اصلی سوال یہ نہیں ہے کہ کوئی نیا طریقہ ڈھونڈ نکالیں- سوال یہ ہے کہ اپنے گم گشتہ طریقہ کا کھوج لگائیں!

درازیِ شب و بیداری من این ہمہ نیست
زبخت من خبر آرید تا کجا خفتست؟

اگر محض دولت مند افراد کے عطیوں اور قومی انجمنوں کے نظام سے قوم کا اقتصادی مسئلہ حل ہو سکتا تو آج یورپ اور امریکہ سے بڑھ کر کون ہے جو ان دونوں باتوں کا انتظام کر سکتا ہے؟ لیکن معلوم ہے کہ ان کا کوئی قومی فنڈ اور کوئی قومی نظام بھی نچلے طبقوں کی بیکاری اور متوسط طبقہ کا افلاس روک نہ سکا اور اب اجتماعی مسئلہ کا ہلاکت آفریں خطرہ ان کے سروں پر منڈلا رہا ہے- اصل یہ ہے کہ افراد کی وقتی فیاضیاں کتنی ہی زیادہ ہوں قوم کی اجتماعی زندگی کے قیام کے لیے کبھی کفیل نہیں ہو سکتیں- اس صورت حال کا علاج صرف وہی ہے جو اسلام نے تیرہ سو برس پہلے تجویز کیا تھا یعنی قانون سازی کے ذریعہ قوم کی پوری کمائی کا ایک خاص حصہ کمزور افراد کی خبر گیری کے لیے مخصوص کر دینا کہ ﴿ **توخذ من اغنیائهم فترد فی فقرائهم** ﴾ اور ﴿ **کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم!** ﴾

(۱۲) بہر حال یہ بات یاد رہے کہ زکوٰۃ کی نوعیت عام خیرات کی سی نہیں ہے بلکہ یہ اپنے پورے معنوں میں ایک انکم ٹیکس ہے جو اسلامی حکومت نے ہر کمانے والے فرد پر لگا دیا تھا- بشرطیکہ اس کی کمائی اس کی ذاتی ضروریات زندگی سے زیادہ ہو- موجودہ زمانے کے انکم ٹیکسوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اور اس میں صرف دو باتوں کا فرق ہے- ایک یہ کہ اپنی نوعیت میں یہ زیادہ وسیع ہے- یعنی صرف کاروبار کی گھٹتی بڑھتی آمدنی ہی پر عائد نہیں ہوتا' بلکہ اندوختہ پر بھی واجب ہو جاتا ہے اگرچہ اس سال کوئی نئی آمدنی نہ ہوئی ہو- نیز اس طرح کی تمام ملکیتیں بھی اس میں داخل ہیں جو بڑھنے کی استعداد رکھتی ہوں' مثلاً مویشی- دوسری یہ کہ مقصد کے لحاظ سے یہ ایک خاص مصرف رکھتا ہے جس کی مختلف صورتیں معین کر دی گئی ہیں- اسٹیٹ کو حق نہیں کہ ان مصارف کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں خرچ کرے-

(۱۳) قرآن نے یہودیوں کی اس گمراہی کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے احکام شرع کی تعمیل سے بچنے کے لیے شرعی حیلے نکال لیے تھے- افسوس ہے کہ مسلمانوں میں بھی اس گمراہی نے سر اٹھایا- حتیٰ کہ حیلہ کا معاملہ بعض کتب فقہ کا ایک مستقل باب بن گیا- ازاں جملہ ایک حیلہ زکوٰۃ کے باب میں بھی مشہور ہے- طریقہ اس کا یہ بتلایا جاتا ہے کہ جو شخص زکوٰۃ سے بچنا چاہے وہ کسی آدمی سے بخش دینے اور بخشوا لینے کا فرضی معاملہ کر لے اور قبل اس کے کہ برس پورا ہو اپنا تمام مال اس کے نام ہبہ کر دے- پھر وہ برس ختم ہونے سے پہلے وہی مال اس کے نام ہبہ کر دے گا- نتیجہ یہ نکلے گا کہ دونوں پر سے باوجود مالدار ہونے کے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی- مثلاً شوہر نے اپنی بیوی سے رجب کے مہینے میں کہہ دیا میں نے اپنا مال تجھے ہبہ کر دیا- اس نے کہا قبول- اب شوہر پر زکوٰۃ نہیں رہی- کیونکہ قبل اس کے کہ سال تمام ہو وہ صاحب نصاب نہ رہا- البتہ بیوی پر پڑ گئی بشرطیکہ بارہ مہینے گزر جائیں- لیکن وہ بارہ مہینے کیوں گزرنے دے گی؟ وہ جمادی الاولیٰ میں شوہر سے کہہ دے گی- میں نے تمام مال اب تمہیں ہبہ کر دیا- اس طرح اس نیک بخت پر سے بھی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی!

قصہ کوتہ گشت ورنہ درد سر بسیار بود!

لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ احکام شرع کی تعمیل میں اس طرح کی حیلہ بازیاں نکالنا فسق و ضلالت کا انتہائی مرتبہ ہے اور جو شخص اس طرح کی مکاریاں کر کے احکام الٰہی سے بچنا چاہتا ہے اس کی معصیت ان لوگوں سے بدرجہا زیادہ ہے جو سیدھی سادھی طرح ترک اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں- یہ بات کہ ایک شخص سے جرم ہو گیا محض جرم ہے مگر یہ بات کہ ایک شخص جرم کو بے جرمی و پاک عملی بنا کر کرتا ہے صرف جرم ہی نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اور صرف اس کی عملی زندگی ہی کو نہیں بلکہ ایمان و فکر کو بھی تاراج کر دینے والا ہے-

یہی وجہ ہے کہ جونہی اس طرح کے حیلوں کا چرچا پھیلا تمام سلف امت نے اس پر انکار عظیم کیا اور ائمہ و فقہاء میں کوئی نہیں جس نے انہیں جائز رکھا ہو-

(۱۴) ایک اور غلط فہمی اس باب میں یہ پھیل گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں اپنے مفلس رشتہ داروں کی خبر گیری کا یہی طریقہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقوم سے ان کی مدد کی جائے-

بلاشبہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ غیروں سے پہلے اپنے محتاج رشتہ داروں کی خبر لے اور قرآن نے صدقات و خیرات کے معاملہ میں جو اصلاحات کی ہیں من جملہ ان کے ایک بڑی اصلاح یہ ہے کہ رشتہ داروں کی اعانت کو بھی خیرات قرار دے دیا بلکہ خیرات کا سب سے پہلا اور بہتر مصرف*: ﴿ قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین ﴾ (۲:۲۱۵) لیکن زکوٰۃ جو خیرات کی ایک خاص قسم ہے اس لیے واجب نہیں کی گئی ہے کہ لوگ خیرات کی دوسری قسموں سے ہاتھ روک لیں اور اپنے محتاج رشتہ داروں کی مدد کا بوجھ بھی اسی پر ڈال دیں- زکوٰۃ وہی دے گا جو صاحب استطاعت ہو اور اگر ایک شخص خوشحال ہے اور اس کے رشتہ دار تنگی و محتاجی میں مبتلا ہو گئے ہیں تو بحیثیت مسلمان ہونے کے اس کا فرض ہے کہ ان کی خبر گیری کرے- اگر نہیں کرے گا تو یقیناً عنداللہ جواب دہ ہوگا- کیونکہ صلہ رحمی کا حق خدا کا ٹھہرایا ہوا حق

* یہی رشتہ داروں کی امداد دراصل سنت شاریوا۔ لیسئلونک ماذا ینفقون ؟ ـــــ (صفحہ ۶۵ صفحہ ۳۶۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے: ﴿ واتقوا الله الذی تساءلون به والارحام ﴾ (۴:۱) بلاشبہ اس کی یہ خبر گیری اس کے لیے خیرات کا بہترین عمل ہوگی لیکن خبر گیری ہر حال میں اس کا اسلامی فرض ہے- یہ طریقہ کسی حال میں بھی شرعی نہیں ہوسکتا کہ باوجود خوشحال ہونے کے اپنے رشتہ داروں کو فقر و فاقہ میں چھوڑ دیا جائے اور پھر اگر کچھ دیا بھی جائے تو اسے زکوٰۃ کی مد میں شمار کرلیا جائے-

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے کوئی خاص اسلامی عمل ہی ترک نہیں کر دیا ہے بلکہ ان کی پوری زندگی غیر اسلامی ہوگئی ہے- ان کی فکری حالت غیر اسلامی ہے' ان کی عملی رفتار غیر اسلامی ہے' ان کا دینی زاویہ نگاہ غیر اسلامی ہوگیا ہے- وہ اگر اسلامی احکام پر عمل بھی کرنا چاہتے ہیں تو غیر اسلامی طریقہ سے اور یہ دینی تنزل کی انتہا ہے- ﴿ فما لهؤلاء القوم لا يكادون يفقهون حديثا ﴾

(۱۵) ایک عام اور سب سے زیادہ مہلک غلط فہمی یہ پھیل گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں زکوٰۃ دے دینے کے بعد انفاق و خیرات کے اور تمام اسلامی فرائض ختم ہو جاتے ہیں- جہاں ایک شخص نے رمضان میں اٹھنیوں اور روپیوں کی پڑیاں باندھ کر تقسیم کے لیے رکھ دیں سال بھر کے لیے اسے ہر طرح کے انسانی و اسلامی تقاضوں سے چھٹی مل گئی!

حالانکہ ایسا سمجھنا یک قلم اسلام کو بھلا دینا ہے- اسلام نے مسلمانوں کو جس طرح کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کی ہے وہ محض اپنی اور اپنے بیوی بچوں کے پیٹ ہی کی زندگی نہیں ہے بلکہ منزلی' خاندانی' معاشرتی' جماعتی اور انسانی فرائض کی ادائیگی کی ایک پوری آزمائش ہے اور جب تک ایک انسان اس آزمائش میں پورا نہیں اترتا اسلامی زندگی کی لذت اس پر حرام ہے-

اس پر اس کے نفس کا حق ہے- اس کے والدین کا حق ہے- رشتہ داروں کا حق ہے- بیوی بچوں کا حق ہے- ہمسایہ کا حق ہے اور پھر تمام نوع انسانی کا حق ہے- اس کا فرض ہے کہ اپنی استطاعت اور مقدور کے مطابق یہ تمام فرائض ادا کرے اور انہی فرائض کی ادائیگی پر اس کی زندگی کی ساری دنیوی اور اخروی سعادتیں موقوف ہیں:

﴿ واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا وبالوالدين احسانا وبذى القربى واليتامى والمساكين والجار ذى القربى والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبيل وما ملكت ايمانكم ﴾ (۴:۳۶)

یہ تمام فرائض ادا نہیں کیے جاسکتے جب تک کہ انفاق و خیرات کے لیے انسان کا ہاتھ کشادہ نہ ہو جائے- یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اعمال میں سے کسی عمل پر اتنا زور نہیں دیا جس قدر نماز اور انفاق پر' اور منافقوں کی سب سے بڑی پہچان اسی سورت میں یہ بتلائی کہ ان کی مٹھیاں بند رہتی ہیں- انفاق کے لیے کھلتی نہیں: ﴿ ويقبضون ايديهم ﴾ (۹:۶۷) اور اگر کچھ دیتے بھی ہیں تو مجبور ہو کر: ﴿ ولا ينفقون الا وهم كارهون ﴾ (۹:۵۴) اور مومنوں کی نسبت فرمایا ﴿ ينفقون اموالهم بالليل والنهار سرا وعلانية ﴾ (۲:۲۷۴) مومن وہ ہیں جن کا ہاتھ ہمیشہ کھلا رہتا ہے! رات دن' پوشیدہ اور ظاہر ہر حال میں سرگرم انفاق رہتے ہیں- نیز فرمایا یہ شیطانی خیال ہے کہ خرچ کرنے سے ہم محتاج ہو جائیں گے اور اس راہ میں بخل "فحش" ہے- یعنی سخت قسم کی برائی- اور اللہ انفاق کا حکم دے کر تمہیں مغفرت اور خوشحالی کی راہوں پر لگاتا ہے: ﴿ الشيطن يعدكم الفقر ويامركم بالفحشاء والله يعدكم مغفرة منه وفضلا ﴾ (۲:۲۶۸)

پس یہ سمجھنا کہ جہاں سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ کا ٹیکس دے دیا انفاق فی سبیل اللہ کے تمام مطالبات پورے ہو گئے صریح قرآن کی تعلیم سے اعراض کرنا ہے- زکوٰۃ تو ایک خاص قسم کا ٹیکس ہے اور ایک خاص مقصد کے لیے لگایا گیا ہے جو سال میں ایک مرتبہ دینا پڑتا ہے لیکن ہماری زندگی کا ہر چوبیس گھنٹہ ہم سے انفاق کا مطالبہ کرتا ہے اور اگر ہم اسلامی زندگی کا توشہ لے کر دنیا سے جانا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسب استطاعت اس کے تمام مطالبات پورے کریں۔

قرآن اور سوشلزم:

(۱۶) دنیا میں دولت اور وسائل دولت کا احتکار اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ضروری تھا اس کا ردفعل پیدا ہو۔ چنانچہ اٹھارویں صدی میں موجودہ سوشلزم کی بنیادیں پڑیں اور اب اس نے کمیونزم کی انتہائی صورت اختیار کر لی ہے اور پندرہ برس سے روس میں اس کا ادلین تجربہ بھی ہو رہا ہے۔ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن کی تعلیم سرمایہ داری کے مفاسد مٹانا چاہتی ہے اور دولت کی تقسیم کی حامی ہے تو کیا ایسا نہیں سمجھا جا سکتا کہ اس کا رخ بھی اسی طرف ہے جس طرف سوشلزم جا رہا ہے؟ بلاشبہ سمجھا جا سکتا ہے لیکن ایک خاص درجہ تک اور اس کی حقیقت سمجھ لینی چاہیے۔

دو صورتیں ہیں اور ضروری ہے کہ دونوں کا فرق ملحوظ رکھا جائے:

ایک صورت یہ ہے کہ دولت اور وسائل دولت کا احتکار روک دیا جائے اور ہر کمانے والے فرد کو قانون سازی کے ذریعہ مجبور کیا جائے کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ کمزور افراد کے لیے نکالے۔ نیز اسٹیٹ کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے کہ کوئی فرد ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ اصل بھی تسلیم کی جائے کہ معیشت کے لحاظ سے تمام افراد طبقات کی حالت یکساں نہیں ہو سکتی اور یہ عدم یکسانیت اکثر حالتوں میں قدرتی ہے۔ کیونکہ سب کی جسمانی و دماغی استعداد یکساں نہیں اور جب استعداد یکساں نہیں تو ناگزیر ہے کہ جدوجہد معیشت کے ثمرات بھی یکساں نہ ہوں۔ بالفاظ دیگر انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کر لیا جائے کہ جو جس قدر حاصل کر سکتا ہے وہ اس کا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ صرف دولت کا احتکار ہی نہ روکا جائے بلکہ دولت کی انفرادی ملکیت بھی ختم کر دی جائے اور ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں اجباری قوانین کے ذریعہ اقتصادی اور معیشتی مساوات کی حالت پیدا کر دی جائے۔ مثلاً وسائل دولت تمام تر قومی ملکیت ہو جائیں، انفرادی قبضہ باقی نہ رہے اور جسمانی و دماغی استعداد کے اختلاف سے معیشت کا مختلف ہونا بنائے حق تسلیم نہ کیا جائے۔

قرآن نے جو صورت اختیار کی ہے وہ پہلی ہے اور سوشلزم جس بات کے لیے ساعی ہے وہ دوسری ہے۔ دونوں کا مقصد یہ ہے کہ انسانی اکثریت کی شقاوت دور کی جائے۔ دونوں نے علاج بھی ایک ہی تجویز کیا ہے یعنی دولت کا اکتناز روکا جائے لیکن دونوں کا طریق کار ایک نہیں۔ ایک اختلاف معیشت سے تعرض نہیں کرتا اور اسے قائم رکھ کر راہ نکالتا ہے۔ دوسرا اسے مٹا دینا چاہتا ہے۔

اسلام اور سوشلزم کا یہ اختلاف اگرچہ محض درجہ (ڈگری) کا اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن تہہ میں مبدء کا اختلاف بھی موجود ہے۔ سوشلزم کا نظریہ یہ ہے کہ مدارج معیشت کا اختلاف کوئی قدرتی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن قرآن میں اس طرح کے اشارات جا بجا پائے جاتے ہیں کہ یہ اختلاف قدرتی ہے اور ضروری تھا کہ ظہور میں آئے۔ وہ کہتا ہے اگر یہاں سب کی حالت یکساں ہو جاتی تو تزاحم و تنافس کی حالت پیدا نہ ہوتی اور اگر یہ حالت پیدا نہ ہوتی تو انسان کی قدرتی قوتوں کے ابھرنے اور ترقی پانے کے لیے کوئی شے محرک بھی نہ ہوتی اور اجتماعی زندگی کی وہ تمام سرگرمیاں ظہور میں نہ آتیں جن سے یہ تمام کارخانہ چل رہا ہے!

﴿ وهو الذى جعلكم خلائف الارض ورفع بعضكم فوق بعض درجت ليبلوكم فى ما اتاكم- ان ربك سريع العقاب وانه لغفور رحيم ﴾ (۶ : ۱۶۵)

اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا اور بعض کو بعض پر مرتبے دیے تا کہ جو کچھ تمہیں دیا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس میں تمہیں آزمائے- بلاشبہ تمہارا پروردگار (بدعملیوں کی) فوراً سزا دینے والا ہے اور بلاشبہ وہ بڑا ہی بخش دینے والا رحمت والا ہے!

اس آیت میں تین باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے- اولاً خدا نے انسانی زندگی کا کارخانہ کچھ اس طرح چلایا ہے کہ یہاں ہر گوشہ میں ایک طرح کی جانشینی کا سلسلہ جاری رہتا ہے یعنی ایک فرد اور گروہ جاتا ہے' دوسرا فرد اور گروہ اس کی جگہ لیتا اور اس کے ثمرات ونتائج سعی کا وارث ہوتا ہے- ثانیاً درجے کے لحاظ سے سب یکساں نہ ہوئے- بعض اوپر ہوئے' بعض ان سے نیچے- ثالثاً مدارج معیشت کی یہ بلندی وپستی اس لیے ہوئی تا کہ انسان کے عمل وتصرف کے لیے آزمائش کی حالت پیدا ہو جائے اور ہر فرد اور ہر گروہ کو موقع دیا جائے کہ اپنی سعی وکاوش سے جو درجہ حاصل کر سکتا ہے حاصل کر لے- آخر میں فرمایا خدا کا قانون جزا سست رفتار نہیں- یعنی سعی وطلب کی اسی امتحان گاہ سے جزائے عمل کا معاملہ وابستہ ہے- جیسے جس کے اعمال ہوں گے ویسے ہی نتائج اس کے حصہ میں آ جائیں گے-

اسی طرح جا بجا قرآن میں پاؤ گے: ﴿ **واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق** ﴾ (۱۶:۷۱) خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ہے- ﴿ **نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجت** ﴾ (۴۳:۳۲) دنیوی زندگی کی معیشت ہم نے لوگوں میں تقسیم کر دی اور اس کا کارخانہ ایسا بنا دیا کہ سب ایک ہی درجہ میں نہیں ہیں- کوئی کسی درجہ میں ہے کوئی کسی درجہ میں-

بہر حال قرآن نے اجتماعی مسئلہ کا جو حل تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مدارج معیشت کی مساوات قائم کرنی نہیں چاہتا لیکن حق معیشت کی مساوات ضرور قائم کرتا ہے- یعنی وہ کہتا ہے یہ بات ضروری نہیں کہ سب کو ایک ہی طرح پر سامان معیشت ملے لیکن یہ ضروری ہے کہ ملے سب کو- اور سعی وترقی کی راہ یکساں طور پر سب کے سامنے کھل جائے- اس نے ہر طرح کے نسلی' خاندانی' جغرافیائی اور طبقاتی امتیاز مٹا دیے' اس نے زندگی کے ہر میدان میں انسانی مساوات کا اعلان کر دیا' اس نے وہ تمام رکاوٹیں دور کر دیں جو سوسائٹی کے اونچے طبقوں نے کمزور افراد کی خوشحالی وترقی کی راہ میں پیدا کر دی تھیں' اس نے قانون سازی کے ذریعہ دولت کا احتکار واختصاص روک دیا' اس نے زندگی کے ہر گوشہ میں دولت کے اکتناز کی جگہ دولت کی تقسیم پر زور دیا' اس نے اس بات سے قطعاً انکار کر دیا کہ دولت مندی بجائے خود کوئی حق ہے' اس نے بے اعتدالانہ سرمایہ داری کی تمام راہیں روک دیں' اس نے سود کی ہر شکل حرام کر دی' اس نے جوئے کو کسی حال میں جائز نہ رکھا- پھر ان تمام باتوں سے بڑھ کر یہ کہ انسانی زندگی کے اعمال حق میں انفاق فی سبیل اللہ کو سب سے زیادہ نمایاں جگہ دی' اور ہر کمانے والے فرد کو سالانہ ٹیکس کے ذریعہ مجبور کر دیا کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ دوسروں کے لیے بھی نکالے- بس یہ نقشہ ہے جو اسلام نے اجتماعی نظام کا بنایا ہے-

لیکن سوشلزم صرف اتنے ہی پر قانع نہیں رہنا چاہتا' وہ آگے بڑھنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے انفرادی ملکیت کی جگہ قومی ملکیت کا نظام قائم کر دے اور مدارج معیشت کی اونچ نیچ معدوم ہو جائے- وہ یہ اصل تسلیم نہیں کرتا کہ احوال معیشت کا اختلاف قدرتی ہے اور اجتماعی زندگی کی سرگرمی وترقی کے لیے محور ومحرک وہی ہے- وہ کہتا ہے اس وقت تک حالت ایسی ہی رہی ہے لیکن اگر سوسائٹی کا نظام مساوات معیشت پر قائم کیا گیا تو دوسری طرح کی ذہنی اور معنوی محرکات پیدا ہو جائیں گی اور کارخانہ معیشت کی سرگرمی اسی طرح جاری رہے گی جس طرح اس وقت تک جاری رہی ہے-

دنیا کا اس وقت تک کا تجربہ اس کے خلاف ہے اور روس کا نیا تجربہ بھی اس وقت تک اپنے نظریوں کو عملیت کا جامہ نہیں پہنا سکا ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاہم اس میں شک نہیں کہ سوشلزم کو اس مطالبہ کا حق ہے کہ مزید تجربہ کا موقع دیا جائے۔ ﴿ ولتعلمن نباہ بعد حین! ﴾

حقیقت نفاق:

(ل) قرآن نے ''کفر'' کی طرح ''نفاق'' کا بھی جا بجا ذکر کیا ہے اور منافقوں کے اعمال وخصائل کی سب سے زیادہ تفصیل اسی سورت میں ملتی ہے۔ پس ضروری ہے کہ ٹھیک طور پر سمجھ لیا جائے نفاق کی حقیقت کیا ہے اور منافقوں کی جماعت کس طرح کی جماعت تھی؟

(۱) دنیا میں ہم دیکھتے ہیں فکر وعمل کا کوئی گوشہ ہو تین طرح کے آدمی ضرور ہوتے ہیں:

مستعد اور صالح طبیعتیں۔ یہ ہر اچھی بات کو پہچان لیتیں اور قبول کر لیتی ہیں اور پھر سرگرم عمل ہو جاتی ہیں۔

مفسد طبیعتیں۔ انہیں ہر اچھی بات سے انکار ہوتا ہے۔ کوئی سیدھی بات ان کے اندر اترتی نہیں۔

درمیانی گروہ۔ یہ ہر بات کو سن لینے اور مان لینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے لیکن فی الحقیقت اس کے اندر تیاری نہیں ہوتی۔ وہ قدم اٹھا دیتا ہے مگر چلنا نہیں چاہتا اور چلتا ہے تو پہلے ہی قدم میں لڑکھڑا جاتا ہے۔ اس میں پہلے گروہ کی مستعدی نہیں ہوتی کہ جو بات مان لی اسے ٹھیک مان لے اور عمل کرے۔ اس میں دوسرے گروہ کی بے باکی و جرأت بھی نہیں ہوتی کہ یکسو ہو کر صاف صاف انکار کر دے۔ پس گو وہ سمجھتا ہے کہ ایک راہ اختیار کر لی ہے' لیکن فی الحقیقت دونوں راہوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہوتا۔ جہاں تک اقرار کا تعلق ہے قبول کرنے والوں میں ہوتا ہے جہاں تک اذعان وعمل کا تعلق ہے منکروں کی سی حالت میں:

﴿ مذبذبین بین ذلك لا الی ھؤلاء ولا الی ھؤلاء ﴾ (۴:۱۴۳)

جزم ویقین اور عزم وعمل پہلے گروہ کا خاصہ ہے۔ انکار، جحود دوسرے کا اور شک وتذبذب اور بے عملی وتعطل تیسرے کا۔

بعینہ یہی حال ایمان وعمل کے دائرہ کا بھی ہے۔ یہاں بھی طبیعت انسانی کی یہ تینوں حالتیں ظہور میں آتی ہیں۔ مستعد طبیعتیں قبول کر لیتی اور چل کھڑی ہوتی ہیں۔ یہ مومن ہیں۔ مفسد انکار کرتے اور مخالفت میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔ یہ کافر ہیں۔ کچھ لوگ قبول کر لیتے ہیں لیکن فی الحقیقت قبولیت کی روح ان کے اندر نہیں ہوتی۔ یہ منافق ہیں۔

(۲) قرآن نے کفر کی طرح نفاق کے اعمال وخصائص بھی پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔ کیونکہ کفر کی طرح نفاق بھی محض عہد نزول ہی کی پیداوار نہ تھا۔ ہمیشہ ظہور میں آنے والی گمراہی تھی اور انسان کی گمراہیاں کسی خاص عہد ونسل کی نہیں بلکہ نوع انسانی کی گمراہیاں ہوتی ہیں۔

(۳) ایک عام غلط فہمی یہ پھیلی ہوئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں منافقوں کا گروہ کافروں کا کوئی خاص سازشی گروہ تھا جو جاسوسوں کی طرح بھیس بدل کر مسلمانوں میں رہنے لگا تھا۔ باہر نکلتا تو مسلمان بن جاتا۔ اکیلے میں ہوتا تو اپنے اصلی بھیس میں لوٹ آتا۔ حالانکہ ایسا سمجھنا قرآن واحادیث کی صاف صاف تصریحات کو جھٹلانا ہے۔ ان لوگوں نے اسلام بطور اپنے دین واعتقاد کے اسی طرح اختیار کر لیا تھا جس طرح دوسرے مسلمانوں نے' چنانچہ اسی سورت کی آیت (۷۴) میں ہے کہ: ﴿ وکفروا بعد اسلامھم ﴾ اسلام لا کر پھر کفر کی باتیں کیں۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے تھے۔ ان کی بیویاں انہیں مسلمان سمجھتی تھیں۔ ان کے بچے انہیں مسلمان سمجھتے تھے۔ ان کے گھر کا ہر فرد یقین کرتا تھا کہ ہم مسلمان ہیں۔ وہ نماز پڑھتے تھے۔ روزہ رکھتے تھے۔ اسلام کے طور طریقے پر اولاد کی پرورش کرتے تھے۔[1]

---

[1] عبداللہ بن ابی منافقوں کا سرغنہ تھا' لیکن اس کا لڑکا منافق نہ تھا' مخلص مومن تھا۔ اسی طرح تمام منافقوں کی اولاد واحفاد مخلصوں کی جماعت نکلی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک کسی دین کو بطور ایک دین کے اختیار کر لینے کا تعلق ہے کوئی بات ایسی نہ تھی جو بظاہر ان کے مسلمان ہونے کے خلاف ہو- تاہم قرآن نے فیصلہ کیا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں- کیونکہ اسلام کا گھونٹ تو انہوں نے پی لیا تھا لیکن حلق کے نیچے نہیں اترا تھا- کسی تعلیم کو اختیار کر لینے کے بعد یقین و عمل کی جو روح پیدا ہونی چاہیے اس سے یک قلم محروم تھے- اخلاص اور صداقت کے لیے ان کے دلوں میں کوئی جگہ نہیں تھی- وہ اللہ کا کلام سنتے مگر اس لیے نہیں کہ عمل کریں بلکہ اس لیے کہ محض سنتے رہیں- وہ نماز پڑھتے مگر بے دلی کے ساتھ- خیرات کرتے مگر مجبور ہو کر- ان کے دلوں میں دین سے زیادہ دنیا کا عشق تھا- اسلام کے جو احکام ان کے شخصی اغراض کے خلاف نہ ہوتے ان پر خوش خوش عمل کرتے' جو خلاف ہوتے ان سے نکل بھاگنا چاہتے- جب کبھی خوشحالیوں کا موقع ہوتا تو وہ سب سے پہلے مومن تھے- جب کبھی قربانیوں کا موقع آ جاتا تو سب سے آخری صفوں میں بھی دکھائی نہ دیتے- جہاد کے تصور سے ان کی روحیں لرز جاتیں- انفاق کا حکم ان کے لیے موت کا پیام ہوتا- اسلام کے دشمنوں سے سازگاریاں رکھنے میں انہیں کچھ تامل نہ ہوتا- وہ سمجھتے تھے دونوں طرف ملے رہنے ہی میں مصلحت ہے- اگر بازی الٹ پڑی اور دشمن فتح مند ہو گئے تو ان کے پاس بھی اپنی جگہ بنی رہے گی-

ایمان و کفر کی طرح نفاق کی تمام حالتیں بھی یکساں نہیں' اور نہیں تھیں- چونکہ اصل کے اعتبار سے یہ حالت بھی انکار ہی کی ایک اقرار نما صورت ہے اس لیے جب بڑھتی ہے تو انکار قطعی ہی کی طرف بڑھتی ہے اور اسی کے خصائص رونما ہونے لگتے ہیں- کسی میں کم کسی میں زیادہ چنانچہ اس عہد کے منافقوں کی حالت نفاق یکساں نہ تھی- عبداللہ بن ابی کا نفاق ہر منافق کا نفاق نہ تھا- خود قرآن نے اسی سورت کی آیت (۱۰۱) میں اس طرف اشارہ کیا ہے: **وممن حولکم من الاعراب منافقون ومن اهل المدينة مردوا على النفاق**- کسی کے نفاق کا رخ زیادہ تر اس طرف تھا کہ ہجرت سے جی چراتے تھے- کسی پر انفاق مال شاق تھا- کوئی جہاد سے بچنا چاہتا تھا- کسی پر نماز کا قیام سخت گزرتا تھا- کوئی ایسا بھی تھا کہ احکام الٰہی اور آیات قرآنی کی ہنسی اڑاتا تھا اور اس تاک میں تھا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت آ پڑے تو کھلم کھلا دشمنوں کے ساتھ ہو جائے- تاہم یہ قطعی ہے کہ ان سب نے اسلام بطور اپنے دین و طریقہ کے قبول کر لیا تھا اور مسلمانوں ہی میں سمجھے جاتے تھے- یہ بات نہ تھی کہ محض ایک سازشی گروہ بھیس بدل کر مسلمانوں میں آ ملا ہو اور مسلمانوں میں سے نہ ہو-

منافقوں کے اعمال و خصائص:

(ا) جب راہ حق میں جان و مال کی قربانی کا وقت آتا تو طرح طرح کے حیلے بہانے نکالتے اور کہتے ہمیں گھر بیٹھ رہنے کی اجازت مل جائے-

(ب) مسلمانوں میں ہمیشہ فتنہ پھیلاتے' کمزور اور ناسمجھ آدمیوں کو گمراہ کرتے' ادھر کی بات ادھر لگاتے-

(ج) جب کبھی جماعت کے لیے کوئی نازک وقت آ جاتا تو اس طرح کی باتیں نکالتے کہ دوسروں کے دل بھی کمزور پڑ جاتے اور کوئی نہ کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا- چنانچہ احد میں انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس موقع پر بھی کمی نہیں کی-

(د) دینداری کے بھیس میں اپنا نفاق چھپاتے اور کہتے اس کام میں ہمارے لیے فتنہ ہے- اس لیے شریک نہیں ہو سکتے-

(ہ) مسلمانوں کی مصیبت ان کے لیے مصیبت نہیں ہوتی اور نہ ان کی خوشی ان کے لیے خوشی-

(و) جب کوئی جماعتی معاملہ پیش آ جاتا تو اس کا ساتھ نہ دیتے اور طرح طرح کی فتنہ اندازیاں کرتے- پھر اگر کوئی حادثہ پیش آ جاتا تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہتے ہم نے پہلے ہی یہ بات معلوم کر لی تھی- اسی لیے ساتھ نہیں دیا تھا اور پھر بجائے اس کے کہ قوم کی مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھیں دل میں خوش ہوتے کہ چلو اچھا ہوا کامیاب نہ ہوئے!

(ز) نماز پڑھیں گے تو اس بے دلی سے کہ معلوم ہوگا ایک بوجھ آ پڑا ہے اور چاہتے ہیں کسی نہ کسی طرح پنک کر الگ ہو جائیں-

(ح) نیکی کی راہ میں خوش دلی سے کبھی خرچ نہ کریں- کنجوسی ان کی سب سے بڑی علامت ہے-

(ط) قسمیں کھا کھا کر یقین دلائیں گے کہ ہمیں مخالف نہ سمجھو حالانکہ دل میں نفاق بھرا ہوا ہے-

(ی) چونکہ دلوں میں کھوٹ ہے اس لیے ڈرے سہمے رہتے ہیں اور بہت سے کام دل کی خواہش سے نہیں بلکہ محض جماعت کے خوف سے کرتے ہیں-

(ک) چونکہ راہ حق کی آزمائشیں پیش آتی رہتی ہیں اور دل میں اخلاص و یقین نہیں ہے اس لیے بسا اوقات صورت حال سے ایسے مضطرب ہو جاتے ہیں کہ اگر چھپ بیٹھنے کی کوئی جگہ مل جائے تو فوراً رسی تڑا کر بھاگ کھڑے ہوں-

(ل) غرض کے بندے ہیں' ان کی خوشنودی اور ناراضی کا سارا دارومدار دنیا اور دنیا کا حصول ہے- اگر صدقات کی تقسیم میں انہیں بھی کچھ دے دیا جائے تو خوش رہیں گے- نہ دیا جائے تو بگڑ بیٹھیں گے-

(م) چونکہ ایمان وراثتی سے محروم ہیں اس لیے حق و ناحق کی کچھ پروا نہیں- جس طرح بھی ملے مال و دولت حاصل کرنی چاہیے- صدقات و خیرات کے مستحق نہیں لیکن اس کے حصول کے خواہش مند رہتے ہیں-

(ن) اگر ان کی ہوائے نفس کے خلاف کوئی فیصلہ ہو تو فوراً طعنہ زنی پر اتر آئیں کہ دوسروں کی طرف داری کی جاتی ہے-

(س) پیغمبر اسلام ﷺ مخلص مومنوں کا اخلاص پہچانتے اور انہیں قابل اعتماد سمجھتے تھے- یہ بات منافقوں پر شاق گذرتی حتیٰ کہ بعضوں نے کہا وہ کان کے کچے ہیں لوگوں کی باتوں میں آ جاتے ہیں-

(ع) جب دیکھتے ہیں ان کی منافقانہ روش پر عام برہمی پیدا ہو گئی تو قسمیں کھا کھا کر لوگوں کو یقین دلاتے اور انہیں اپنے سے راضی رکھنا چاہتے- قرآن کہتا ہے ان کی حق فراموشی دیکھو- انہیں خدا کی تو کچھ پروا نہیں کہ بدعملیاں کیے جاتے ہیں لیکن انسانوں کی اتنی پروا ہے کہ جونہی ان کی نگاہیں بدلی ہوئی نظر آئیں' لگے خوشامد کرنے اور جھوٹی قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے-

فی الحقیقت انسانی گمراہی کی بوالعجبیوں میں سے ایک عجیب بوالعجبی یہ ہے کہ وہ خدا پر ایمان رکھنے کا مدعی ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ اس کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں- تاہم ہر طرح کی معصیتیں کیے جائے گا اور ایک لمحہ کے لیے اسے خیال نہ ہوگا کہ میں کیا کر رہا ہوں لیکن جونہی انسانوں کی نظر میں اس کی معصیتیں نمایاں ہوئیں اس کے ہوش و حواس گم ہو جائیں گے اور ہزار طرح کے جتن کرے گا کہ کہیں وہ اسے برا نہ سمجھنے لگیں- اس سے معلوم ہوا کہ فی الحقیقت اسے خدا کی ہستی کا یقین نہیں- کیونکہ اگر یقین ہوتا- اسی درجہ کا یقین جس درجہ کا یقین انسانوں کی موجودگی پر رکھتا ہے تو ممکن نہ تھا کہ اس سے بے پروا ہو جاتا- قرآن کہتا ہے یہی حالت نفاق کی حالت ہے-

(ف) دین کے بارے میں ان کی زبانیں چھوٹ ہیں- لیکن جب پکڑے جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے بطور تفریح اور مزاح کے ایک بات کہہ دی تھی- سچ مچ کو ہمارا یہ مطلب نہ تھا- قرآن کہتا ہے یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے- کیونکہ اس سے معلوم ہوا تم اللہ کی' اس کی آیتوں کی' اس کے رسول کی ہنسی اڑاتے ہو-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ص) جس طرح مومن مرد اور عورتیں راہ حق میں ایک دوسرے کے رفیق و معاون ہیں اسی طرح منافق راہ نفاق میں ایک دوسرے کے رفیق و معاون ہیں۔

(ق) کذب گوئی ان کا شعار ہے۔ صریح ایک بات کہیں گے اور پھر انکار دیں گے۔

(ر) بعضوں کا یہ حال ہے کہ عہد کرتے ہیں۔ خدایا اگر تو ہم پر فضل کرے تو ہم تیری راہ میں خیرات کریں گے اور نیکی کی زندگی بسر کریں گے۔ لیکن جب اللہ فضل کرتا ہے تو پھر بے تامل بخیلی پر اتر آتے ہیں اور کچھ اس کی راہ میں نہیں نکالتے۔ اس کی طرف سے رخ پھیرے رہتے ہیں!

(ش) ان کا ایک وصف یہ ہے کہ خود تو کچھ کریں گے نہیں لیکن کرنے والوں کے خلاف زبان کھولنے میں ہمیشہ بے باک رہیں گے۔ مثلاً اگر خوش حال آدمیوں نے بڑی بڑی رقمیں راہ حق میں نکالیں تو کہیں گے دکھاوے کے لیے یا کسی دنیوی غرض کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ اگر کوئی غریب آدمی اپنی محنت مزدوری کی کمائی میں سے چار پیسے نکال کر رکھ دے گا تو اس کی ہنسی اڑائیں گے کہ واہ اچھی خیرات کی!

(ت) راہ حق میں محنتیں مشقتیں برداشت کرنا ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ غزوۂ تبوک کا معاملہ سخت گرمی میں پیش آیا تھا اس لیے لوگوں سے کہتے تھے۔ اس گرمی میں کہاں جاتے ہو؟

(ث) ایمان کے ضعف نے انہیں مردانگی کے احساس و غیرت سے بھی محروم کر دیا۔ جب لوگ قوم و ملت کی راہ میں جان و مال قربان کرتے ہیں تو وہ عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں اور ذرا بھی نہیں شرماتے۔

(خ) کچھ لوگ ایسے ہیں جو نفاق کی حالت میں شب و روز رہتے رہتے بڑے مشاق ہو گئے ہیں۔ دوسرے اتنے مشاق نہیں۔ جو مشاق ہیں تم انہیں تاڑ نہیں سکتے۔

(ذ) بعض لوگ دینداری کے بھیس میں ایسی راہیں نکالتے کہ مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ہو اور ان کے مقاصد کو نقصان پہنچے۔ مثلاً ایک مسجد بنائی اور پیغمبر اسلام ﷺ سے عرض کیا آپ اس میں نماز پڑھا دیں تو ہمارے لیے برکت و سعادت ہو۔ مقصود یہ تھا کہ اپنے اجتماع کے لیے ایک نیا حلقہ پیدا کریں اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ہو۔

(ض) کوئی سال نہیں گزرتا کہ ان کے لیے تنبیہ و اعتبار کی کوئی نہ کوئی بات ظہور میں نہ آ جاتی ہو لیکن غفلت کا یہ حال ہے کہ نہ تو توبہ کرتے ہیں نہ عبرت پکڑتے ہیں۔

(۵) سورۂ آل عمران، نساء، انفال، احزاب، محمد، فتح، حدید، مجادلہ اور حشر میں بھی منافقوں کے اعمال و خصائص بیان کیے گئے ہیں اور ایک پوری سورت منافقون انہی کے حالات میں ہے۔ چاہیے کہ اس موقع پر فہرست سے مدد لے کر وہ تمام مقامات بھی دیکھ لیے جائیں۔

(۶) یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سورۂ بقرہ کی آیت (۸) ﴿ ومن الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الاخر وما ھم بمومنین ﴾ میں اور اس کی بعد کی آیتوں میں جن لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے مقصود منافقوں کی یہ جماعت نہیں ہے بلکہ یہود و نصاریٰ ہیں جو ایمان باللہ کا دعویٰ کرتے تھے مگر حقیقتاً ایمان کی روح ان میں باقی نہیں رہی تھی۔ فی الحقیقت یہ حالت بھی نفاق ہی کی حالت ہے جو ایک مدت کے جمود و اعراض کے بعد پیروان مذاہب پر طاری ہو جاتی ہے لیکن مقصود اس سے مدینہ کے منافق نہیں ہیں۔

(۷) یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ ان احادیث کا مطلب کیا ہے جن میں نفاق کی خصلتیں بیان کی گئی ہیں اور فرمایا ہے جس میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ خصلت ہو تو سمجھ لو نفاق کی خصلت آ گئی - مثلاً ((اربع ، من کن فیه' کان منافقا خالصاً ، ومن کانت فیه خصلة منهن ، کانت فیه خصلة من النفاق)) (بخاری) ((ولو صلی وصام ، وزعم انه مسلم)) (مسلم) یعنی چار خصلتیں ہیں - جس میں یہ چاروں جمع ہو جائیں وہ پورا منافق ہے اور جس میں کوئی ایک خصلت پائی جائے تو سمجھ لو نفاق کی ایک خصلت پیدا ہو گئی - مسلم کے لفظ میں یہ بھی ہے ''اگر چہ وہ نماز پڑھتا ہو' روزہ رکھتا ہو اور اس زعم میں ہو کہ مسلمان ہے'' پھر وہ خصلتیں بیان کی ہیں جو سچے مومن میں نہیں ہونی چاہییں - مثلاً امانت میں خیانت' جھوٹ بولنا' وعدہ خلافی' غصہ میں آ کر بے قابو ہو جانا - تو معلوم ہوا نفاق کوئی ایسی حالت نہ تھی جو صرف آنحضرت ﷺ کے زمانہ ہی میں ظہور پذیر ہوئی ہو - اور نہ منافقوں کا گروہ کوئی ایسا گروہ تھا جو محض چھپے کافروں کا ایک سازشی گروہ ہو - یہ ایمان وعمل کی کمزوری کی ایک زیادہ سخت حالت ہے اور جس طرح اس زمانہ میں تھی اسی طرح ہر زمانے میں ہو سکتی ہے اور ہوتی رہی ہے -

اگر آج مسلمانوں کی اکثریت اپنے ایمان وعمل کا احتساب کرے تو اسے معلوم ہو جائے کہ نفاق کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے اور کسی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں - وہ اپنے ہی وجود میں اسے دیکھ لے سکتی ہے -

دقائق ہستی کے احوال ثلاثہ:

(۸) یہ جو قرآن نے انسان کے عقائد واعمال کی تین حالتیں قرار دیں: ایمان' کفر' نفاق' تو فی الحقیقت عالم ہستی کے تمام گوشوں میں اصلاً تین ہی حالتیں پائی جاتی ہیں - یا تو تکوین کی حالت ہوگی یا فساد کی حالت ہوگی یا پھر دونوں کی درمیانی حالت - خود اپنے وجود ہی کو دیکھ لو - یا زندگی ہے یا موت ہے یا بیماری - بیماری کو نہ تو زندگی کی صحیح حالت کہہ سکتے ہیں نہ موت ہی قرار دے سکتے ہیں - دونوں کے بین بین ہے لیکن رخ اس کا موت ہی کی طرف ہے - قلب وروح کا بھی یہی حال ہوا - ایمان زندگی ہے' موت کفر ہے اور نفاق بیماری -

یہ مقام مہمات معارف قرآنی میں سے ہے لیکن:

گر نویسم شرح آں بے حد شود
مثنوی ہفتاد من کاغذ شود!

مسجد ضرار:

(۹) آیت (۱۰۷) میں جس مسجد کا ذکر کیا گیا ہے اور جو تاریخ اسلام میں مسجد ضرار کے نام سے یاد کی جاتی ہے اس کا مختصراً حال یہ ہے - پیغمبر اسلام ﷺ جب مدینہ آئے تو پہلے قبا نامی مقام میں قیام فرمایا - یہاں آپ کے حکم سے ایک مسجد تعمیر ہوئی تھی جو عہد اسلام کی پہلی مسجد ہے - بعض منافقوں نے جن کی تعداد بعض روایات سے بارہ ثابت ہوتی ہے' اسی مسجد کے پاس ایک نئی مسجد تعمیر کی اور جب پیغمبر اسلام ﷺ تبوک کے لیے نکل رہے تھے تو آپ کی خدمت میں آ کر عرض کیا - ایک دن وہاں آ کر نماز پڑھا دیجیے - آپ نے فرمایا ابھی تو سفر درپیش ہے - واپسی پر دیکھا جائے گا - پھر جب آپ تبوک سے واپس ہوئے اور مدینہ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ نے بانیان مسجد کے منافقانہ مقاصد سے آپ کو مطلع کر دیا - آپ نے فوراً حکم دیا کہ یہ مسجد گرا دی جائے - چنانچہ قبل اس کے کہ مدینہ پہنچیں' مسجد منہدم کر دی گئی تھی -

اس آیت میں مسجد بنانے کے چار مقصد بیان کیے ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ا) "ضراراً" یعنی ان کا مطلب یہ ہے کہ قبا کے مخلص مومنوں کو نقصان پہنچائیں- کیونکہ مسجد قبا کی وجہ سے انہیں ایک خاص عزت حاصل ہوگئی ہے- یہ حسد وعناد سے چاہتے ہیں ان کی یہ خصوصیت باقی نہ رہے-

(ب) "وکفرا" کفر کے مقاصد پورے ہوں- یعنی اپنی الگ مسجد ہو جائے گی تو مسجد قبا میں نماز کے لیے جانے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی اور اس طرح نماز ترک کرنے کا موقع مل جائے گا- کیونکہ لوگ سمجھیں گے انہوں نے اپنی مسجد میں نماز پڑھ لی- یہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں گے- اس سے معلوم ہوا کہ ترک نماز کی حالت ایک ایسی حالت ہے جسے قرآن "کفر" کی حالت سے تعبیر کرتا ہے- نیز معلوم ہوا کہ نیک کاموں کا نیک ہونا مقصد ونیت پر موقوف ہے ورنہ مسجد بنانے جیسا نیک کام بھی کفر کے لیے ہو جا سکتا ہے-

(ج) "﴿ و تفریقا بین المومنین ﴾" مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لیے- کیونکہ قبا کی تمام آبادی ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتی تھی- اب بالکل اس کے پاس دوسری مسجد بنے گی تو جماعت بٹ جائے گی- کچھ لوگ پچھلی مسجد میں جائیں گے- کچھ نئی میں- اور جب ایک جماعت نہ رہی تو مسلمانوں کے باہمی اجتماع وتعارف کا وہ مقصد بھی فوت ہوگیا جو قیام جماعت کے اہم ترین مقاصد میں سے ہے-

اس سے معلوم ہوا کہ ایک مسجد اگر موجود ہو تو بلا ضرورت دوسری مسجد اس کے قریب تعمیر کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسا کرنا تفریقاً بین المومنین ہے- اور یہی وجہ ہے کہ تمام ائمہ اسلام نے اتفاق کیا کہ ہر شہر میں جمعہ کی جماعت ایک ہی جگہ ہونی چاہیے- اور اگر آبادی اتنی زیادہ ہو جائے کہ ایک جگہ کافی نہ ہو تو پھر بقدر ضرورت ایک سے زیادہ مساجد میں جمعہ قائم کیا جائے- یہ نہیں کرنا چاہیے کہ بلا ضرورت بہت سی مسجدیں تعمیر کر دی جائیں اور ہر مسجد میں جمعہ شروع کر دیا جائے-

افسوس ہے کہ مسلمانوں نے یہ صریح حکم قرآنی پس پشت ڈال دیا اور محض ریاکاری اور نام ونمود کے لیے یا کسی سابق مسجد اور اس کے مہتموں کو نقصان پہنچانے کے لیے بکثرت مسجدیں ہر شہر وقریہ میں تعمیر کر دیں اور روز بروز تعمیر کرتے جاتے ہیں- اگر ان کی تعمیر کے حالات و مقاصد کا جائزہ لیا جائے تو بڑی تعداد ٹھیک مسجد ضرار کی سی مسجدیں ثابت ہوں گی مگر کوئی نہیں جو اس فساد سے لوگوں کو روکے بلکہ خود علماء ومشائخ اپنے شخصی انتفاع وترفع کے لیے اس مفسدانہ فعل کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور اپنے معتقدوں کو تعمیر مسجد کے بے محل ثواب سنا سنا کر مزید ترغیبیں دیتے ہیں- چنانچہ مسلمانوں کی تفریق وانتشار کا ایک بڑا باعث مسجدوں کا وجود بھی ہوگیا ہے- ایک ہی محلہ میں چار چار پانچ پانچ جگہ جماعتیں ہوتی ہیں- ایک ہی رقبہ میں بلا ضرورت ایک سے زیادہ جگہ جمعہ پڑھا جاتا ہے- پھر صرف اتنے ہی پر قدم افساد نہیں رکا بلکہ عیدین کی جماعتیں بھی مسجدوں میں ہونے لگی ہیں حالانکہ ایسا کرنا صریح سنت مستمرہ کے خلاف ہے اور اجتماع عیدین کا مقصد عظیم ضائع کر دینا ہے-

(د) "وارصادا لمن حارب الله ورسوله من قبل" اللہ اور اس کے رسول سے جس نے جنگ کی اس کے لیے ایک کمین گاہ پیدا کر دی جائے- یا اس کے انتظار وتوقع میں پہلے سے ایک جگہ بنا دی جائے- یعنی دشمنان اسلام کے لیے جن سے یہ لوگ ساز باز رکھتے ہیں اکٹھے کی جگہ پیدا ہو جائے-

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں قبیلہ خزرج کا ایک آدمی ابو عامر راہب تھا جو ظہور اسلام سے پہلے عیسائی ہوگیا تھا- جب پیغمبر اسلام ﷺ مدینہ تشریف لائے تو کلمہ اسلام کا عروج اس پر شاق گزرا اور اسلام کے خلاف سازشوں میں سرگرم ہوگیا- پہلے قریش مکہ کا ساتھ دیا پھر شہنشاہ قسطنطنیہ کے پاس پہنچا اور اسے مسلمانوں پر حملہ کی ترغیب دی- قبا کے بعض منافقین میں اور اس میں قدیم سے رسم وراہ تھی- یہ انہیں اسلام کے خلاف اکساتا رہتا اور رومیوں کے حملہ کا یقین دلاتا- یہاں "لمن حارب الله ورسوله" میں اسی کی طرف اشارہ ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۹) اس سورت میں منافقوں کے لیے حسب ذیل احکام دیے گئے ہیں:

(ا) ایسے لوگوں کا انفاق قبول نہ کیا جائے (آیت ۵۳) اس سے معلوم ہوا کہ جو افراد جماعت کے مقاصد کو نقصان پہنچائیں امام کو چاہیے ان کی مالی اعانات قبول کرنے سے انکار کر دے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کا مال قبول کرنا انہیں بدعملیوں اور شرارتوں پر جرأت دلانا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں ہم روپیہ خرچ کر کے اپنے منافقانہ اعمال کی پردہ پوشی کرتے رہیں گے۔

(ب) صاف صاف کہہ دیا کہ یہ لوگ بھی معاندوں کی طرح نجات اخروی سے محروم رہیں گے اگرچہ اپنے کو مومن سمجھتے ہیں۔ (آیت ۶۸)

(ج) منافقوں سے بھی جہاد کرنے کا حکم دیا گیا (آیت ۷۳) اس سورت کے دوسرے احکام و مواعظ کی طرح اس حکم کا تعلق بھی آئندہ پیش آنے والے واقعات سے تھا۔ چنانچہ جب پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد فتنہ نفاق نے سر اٹھایا اور متعدد قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حکم کی تعمیل کی اور ان سے قتال کرنے پر متفق ہو گئے۔

(د) اشرار منافقین کی نسبت فرمایا جو ان میں سے بغیر توبہ کیے مر جائیں گے وہ کبھی بخشے نہیں جائیں گے اگرچہ خود پیغمبر اسلام ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں (آیت ۸۰) سورۂ منافقون میں فرمایا تھا۔ ﴿سواء علیهم' استغفرت لهم ام لم تستغفر لهم﴾ (۶۳:۶) تم ان کے لیے مغفرت طلب کرو یا نہ کرو دونوں حالتیں ان کے لیے یکساں ہیں۔ وہ بخشے جانے والے نہیں۔ یہاں یہی بات زیادہ زور دے کر کہی گئی کہ ﴿ ان تستغفر لهم سبعين مرة ﴾ تم ستر مرتبہ (یعنی سیکڑوں مرتبہ) ہی کیوں نہ دعائے مغفرت کرو مگر یہ بخشے جانے والے نہیں۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو اس کے لڑکے نے آپؐ سے درخواست کی کہ کفن کے لیے اپنا پیراہن عطا فرمائیں اور نماز جنازہ پڑھا دیں۔ اور آپ نے درخواست منظور کر لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یہ بات شاق گذری تھی' مگر آپ نے فرمایا: ((لو اعلم انی ان زدت علی السبعین غفرله' لزدت علیها)) (بخاری والجماعہ) اس حدیث اور آیت مندرجہ صدر کی تطبیق میں مفسرین کو مشکلات پیش آئی ہیں' لیکن فی الحقیقت معاملہ بالکل واضح ہے اور تشریح اس کی سورۂ منافقون کے نوٹ میں ملے گی۔

(ہ) جن منافقوں نے اس موقع پر شرکت نہ کی آئندہ اگر وہ کسی ایسے کام میں شریک ہونا چاہیں تو صاف انکار کر دیا جائے اور انہیں شریک نہ کیا جائے (آیت ۸۳)

(و) ان میں سے جو کوئی بغیر توبہ کیے مر جائے پیغمبر اسلام ﷺ اس کے جنازہ میں شریک نہ ہوں اور نہ حسب معمول دعا مانگیں (آیت ۸۴) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے یہ حکم خاص خاص منافقوں کے لیے ہوا تھا اور آنحضرت ﷺ نے ان کے نام بتلا دیے تھے۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ بارہ آدمی تھے (فتح الباری)

(ز) اگر یہ لوگ معذرت کریں تو صاف صاف کہہ دیا جائے کہ اب تمہاری زبانی معذرتیں نہیں سنی جائیں گی۔ عمل دیکھا جائے گا۔ آئندہ اگر تمہارے اعمال سے اخلاص ثابت ہوا تو سمجھا جائے گا کہ تائب ہو گئے' نہیں تو منافق متصور ہو گے۔ (آیت ۹۴)

(ح) مسلمانوں کو حکم ہوا ان سے گردن موڑ لو۔ یعنی ان سے ربط ضبط نہ رکھو (آیت ۹۵)

(۱۰) اس باب میں بے شمار امور تفصیل طلب ہیں اور مباحث تفسیر و حدیث کے متعدد مقامات ہیں جن کی وضاحت و تحقیق ضروری ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن مزید تفصیل کا یہ موقعہ نہیں- البیان کا انتظار کرنا چاہیے-

شرح مقام ورضوا عنہ:

(ل) آیت (۱۰۰) میں سابقون الاولون اور ان کے متبعین کی نسبت فرمایا: ﴿ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ﴾ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے- اس مقام کا ایک پہلو قابل غور ہے جس پر لوگوں کی نظر نہیں پڑی- یعنی ﴿ ورضوا عنہ ﴾ پر کیوں زور دیا گیا؟ اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ اللہ ان سے خوشنود ہوا- کیونکہ ان کے اعمال اللہ کی خوشنودی ہی کے لیے تھے- یہ بات خصوصیت کے ساتھ کیوں کہی گئی کہ وہ بھی اللہ سے خوشنود ہوئے؟

اس لیے کہ ان کے ایمان واخلاص کا اصلی مقام بغیر اس کے نمایاں نہیں ہوسکتا تھا-

انسان جب کبھی کسی مقصد کی راہ میں قدم اٹھاتا ہے اور مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے تو دو طرح کی حالتیں پیش آتی ہیں: کچھ لوگ جو انمرد اور باہمت ہوتے ہیں- وہ بلا تامل ہر طرح کی مصیبتیں جھیل لیتے ہیں- لیکن ان کو جھیلنا جھیل لینا ہی ہوتا ہے- یہ بات نہیں ہوتی کہ مصیبتیں ان کے لیے مصیبتیں نہ رہی ہوں- عیش وراحت ہوگئی ہوں- کیونکہ مصیبت پھر مصیبت ہے- باہمت آدمی کڑواگھونٹ بغیر کسی جھجک کے پی لے گا لیکن اس کی کڑواہٹ کی بدمزگی محسوس ضرور کرے گا- لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں صرف باہمت ہی نہیں کہنا چاہیے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ سمجھنا چاہیے- ان میں صرف ہمت وجوانمردی ہی نہیں ہوتی بلکہ عشق وشیفتگی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے- وہ مصیبتوں کو مصیبتوں کی طرح نہیں جھیلتے بلکہ عیش وراحت کی طرح ان سے لذت وسرور حاصل کرتے ہیں- راہ محبت کی ہر مصیبت ان کے لیے عیش و راحت کی ایک نئی لذت بن جاتی ہے- اگر اس راہ میں کانٹوں پر لوٹنا پڑے تو کانٹوں کی چبھن میں انہیں ایسی راحت ملے جو کسی کو پھولوں کی سیج پر لوٹ کر نہیں مل سکتی حتیٰ کہ اس راہ کی مصیبتیں جس قدر بڑھتی جاتی ہیں اتنی ہی زیادہ ان کے دل کی خوشحالیاں بھی بڑھتی جاتی ہیں- ان کے لیے صرف اس بات کا تصور کہ یہ سب کچھ کسی کی راہ میں پیش آ رہا ہے اور اس کی نگاہیں ہمارے حال سے بے خبر نہیں عیش وسرور کا ایک ایسا بے پایاں جذبہ پیدا کر دیتا ہے کہ اس کی سرشاری میں جسم کی کوئی کلفت اور ذہن کی کوئی اذیت محسوس ہی نہیں ہوتی-

یہ بات سننے میں تمہیں عجیب معلوم ہوتی ہوگی لیکن فی الحقیقت حالت میں اتنی عجیب نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کے معمولی واردات میں سے ہے- اور عشق ومحبت کا مقام تو بہت بلند ہے- بوالہوسی کا عالم بھی ان واردات سے خالی نہیں:

حریف کاوش مژگان خونریزش نہ ناصح — بہ دست آور رگِ جانے ونشتر را تماشا کن!

سابقون الاولون کی محبت ایمانی کا یہی حال تھا- ہر شخص جو ان کی زندگی کے سوانح کا مطالعہ کرے گا بے اختیار تصدیق کرے گا کہ انہوں نے راہ حق کی مصیبتیں صرف جھیلی ہی نہیں بلکہ دل کی پوری خوشحالی اور روح کے کامل سرور کے ساتھ اپنی پوری زندگیاں ان میں بسر کر ڈالیں- ان میں سے جو لوگ اول دعوت میں ایمان لائے تھے ان پر شب وروز کی جاں کاہیوں اور قربانیوں کے پورے تیئس برس گزر گئے لیکن اس تمام مدت میں کہیں سے بھی یہ بات دکھائی نہیں دیتی کہ مصیبتوں کی کڑواہٹ ان کے چہروں پر کبھی کھلی ہو- انہوں نے مال وعلائق کی ہر قربانی اس جوش ومسرت کے ساتھ کی گویا دنیا جہان کی خوشیاں اور راحتیں ان کے لیے فراہم ہوگئی ہیں- اور جان کی قربانیوں کا وقت آیا تو اس طرح خوش خوش گردنیں کٹوا دیں گویا زندگی کی سب سے بڑی خوشی زندگی میں نہیں بلکہ موت میں تھی- ان میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تھی جنہوں نے اتنی عمریں نہیں پائیں کہ اسلام کی غربت کے ساتھ اسلام کا عروج و اقبال بھی دیکھ لیتے اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی طرح کہہ سکتے "کنت فی من افتح کنوز کسریٰ"[1] تاہم جب دنیا سے گئے تو اس عالم میں گئے کہ ان سے زیادہ عیش و خوشحالی میں شاید ہی کسی نے دنیا چھوڑی ہو- بدر اور احد کے شہیدوں کے حالات پڑھو- ایمان لانے کے بعد جو کچھ بھی ان کے حصے میں آیا وہ بجز رات دن کی کاہشوں اور مصیبتوں کے اور کیا تھا؟ اور پھر قبل اس کے کہ اسلام کے فتح و اقبال کی کامرانیوں میں شریک ہونے کا موقع ملتا دشمنوں کی تیغ و سنان سے چور میدان جنگ میں دم توڑ رہے تھے- لیکن پھر بھی غور کرو ان کے دل کی شادمانیوں کا کیا حال تھا؟ اس اطمینان و سکون کے ساتھ عیش و نشاط کے بستروں پر کسی نے جان نہ دی ہوگی جس طرح انہوں نے میدان جنگ کی ریتلی زمین پر لوٹ لوٹ کر دی- جنگ احد میں سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے دیکھا زخمیوں میں پڑے سانس توڑ رہے ہیں- پوچھا کوئی وصیت کرنی ہو تو کر دو- کہا اللہ کے رسول کو میرا اسلام پہنچا دینا اور قوم سے کہنا ان کی راہ میں جانیں نثار کرتے رہیں- عمارہ بن زیاد رضی اللہ عنہ زخموں سے چور جانکنی کی حالت میں تھے کہ آنحضرت ﷺ سرہانے پہنچ گئے- فرمایا کوئی آرزو ہو تو کہہ دو- عمارہ رضی اللہ عنہ نے اپنا زخمی جسم گھسیٹ کر اور زیادہ قریب کر دیا اور اپنا سر آپ کے قدموں پر رکھ دیا کہ اگر کوئی آرزو ہو سکتی ہے تو صرف یہی ہے:

منم و ہمیں تمنا کہ بہ وقت جاں سپردن
بہ رخ تو دیدہ باشم' تو درون دیدہ باشی!

عورتوں تک کا یہ حال تھا کہ بیک وقت انہیں ان کے شوہر' بھائی اور باپ کے شہید ہو جانے کی خبر پہنچائی جاتی تھی اور وہ کہتی تھیں- یہ تو ہوا مگر بتلاؤ اللہ کے رسول کا کیا حال ہے؟ پھر جب آپ کا جمال جہاں آرا نظر آتا تو بے اختیار خوش ہو کر پکار اٹھتیں: ((کل مصیبة بعدك جلل!)) تو اگر سلامت ہے تو پھر دنیا کی ساری مصیبتیں ہمارے لیے شہد و شکر کا گھونٹ ہو گئیں:

من و دل گر فنا شدیم چہ باک
غرض اندر میان سلامت اوست!

تاریخ اسلام میں جنگ حنین پہلی جنگ ہے جس میں بکثرت مال غنیمت ہاتھ آیا- چوبیس ہزار اونٹ' چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی کا ذکر روایات میں ملتا ہے- یہ وقت تھا کہ سابقون الاولون کو مال و دولت سے حصہ وافر ملتا لیکن آنحضرت ﷺ نے ان باشندگان مکہ کو ترجیح دی جو فتح مکہ کے بعد نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور انصار مدینہ کے حصہ میں کچھ نہ آیا- کیونکہ آپ کے پیش نظر نو مسلموں کی تالیف قلب تھی- یہ حالت دیکھ کر بعض نوجوانوں کو خیال ہوا اہل مکہ سے لڑے تو ہم' لیکن آج مال غنیمت کا حصہ مل انہیں رہا ہے- بات آنحضرت ﷺ تک پہنچی تو آپ نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا ((الا ترضون ان یذهب الناس بالشاة والبعیر' وتذهبون بالنبی الی رحالکم؟)) کیا تمہاری خوشنودی کے لیے یہ بات کافی نہیں کہ لوگ یہاں سے مال غنیمت کے حصے لے کر جائیں اور تم اللہ کے نبی ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ؟ انصار بے اختیار پکار اٹھے ((رضینا یا رسول الله رضینا!)) ہم خوشنود ہیں' یا رسول اللہ! ہم

---

[1] عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا لتفتحن کنوز کسریٰ- ایسا ضرور ہونے والا ہے کہ تم کسریٰ کے خزانے فتح مندانہ کھولو گے- وکنت فی من افتح کنوز کسریٰ- یہ پیشین گوئی میں نے اپنی آنکھوں سے پوری ہوتے دیکھ لی- کیونکہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے کسریٰ کا خزانہ کھولا تھا- (بخاری)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوشنود ہیں! (صحیحین)

اور پھر غور کرو جو لوگ ﴿ واتبعوهم باحسان ﴾ میں داخل ہوئے انہیں بھی کس درجہ اس مقام سے حصہ وافر ملا تھا؟ دنیا میں شاید ہی کسی عورت کے دل میں اپنے عزیزوں کے لیے ایسی محبت پیدا ہوئی ہوگی جیسی جاہلیت کی مشہور شاعرہ خنساء کے دل میں تھی - اس نے جو مرثیے اپنے بھائی صخر کے غم میں کہے ہیں تمام دنیا کی شاعری میں اپنی نظیر نہیں رکھتے:

یذکرنی طلوع الشمس صخرا واذکرہ بکل غروب شمس[1]

لیکن ایمان لانے کے بعد اسی خنساء کی نفسیاتی حالت ایسی منقلب ہوگئی کہ جنگ یرموک میں اپنے تمام لڑکے ایک ایک کر کے کٹوا دیے اور جب آخری لڑکا بھی شہید ہو چکا تو پکار اٹھی: ((الحمد لله الذی اکرمنی بشهادتهم!))

پس ورضوا عنه میں اشارہ اسی طرف ہے کہ اللہ اور اس کے کلمہ حق کی راہ میں جو کچھ بھی پیش آیا انہوں نے اسے جھیلا ہی نہیں بلکہ کمال محبت ایمانی کی وجہ سے اس میں خوش حال و خوشنود رہے اور یہی مقام ہے جو ان کے درجہ کو تمام مدارج ایمان و عمل میں ممتاز کر دیتا ہے -

تعجب ہے کہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسروں کی نظر اس صاف اور واضح بات کی طرف نہ گئی - البیان میں مزید تفصیل ملے گی -

ترک موالات کا حکم اور اس کی حقیقت:

(م) اس سورت میں جا بجا اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ دشمنوں سے رفاقت و اعانت کے رشتے نہ رکھو اگرچہ وہ تمہارے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں اور دوسری سورتوں میں بھی ایسے ہی احکام موجود ہیں - لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ اور اس طرح کے تمام احکام احکام جنگ میں سے ہیں نہ کہ معیشت و علائق کے عام احکام اور یہ بات خود قرآن نے جا بجا اس درجہ وضاحت اور قطعیت کے ساتھ واضح کر دی ہے کہ شک و تردد کی ذرا بھی گنجائش نہیں رہی ہے -

جہاں تک ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ معاملہ کرنے کا تعلق ہے قرآن کہتا ہے اصل اس باب میں محبت و شفقت ہمدردی و سلوک اور تعاون و سازگاری ہے - اس کے سوا کوئی بات نہیں ہو سکتی - وہ کہتا ہے ہر انسان دوسرے انسان کا بھائی ہے - خواہ اس کا ہم وطن ہو یا نہ ہو ہم نسل ہو یا نہ ہو ہم عقیدہ ہو یا نہ ہو اور امتیاز و تفریق کی وہ تمام باتیں جو اس انسانی بھائی چارگی کا رشتہ قطع کرتی ہیں خدا کی طرف سے نہیں ہیں خود انسانوں کی گھڑی ہوئی معصیت اور گمراہی ہے - پیغمبر اسلام کی دعاؤں میں سب سے زیادہ اعتراف اسی حقیقت کا ہوتا تھا کہ ((انی اشهد ان العباد کلهم اخوة)) (مسلم) خدایا! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے تمام بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں!

لیکن جب تمام ملک و قوم نے اس دعوت کو بزور شمشیر نابود کر دینے کا فیصلہ کر دیا اور پیروان دعوت پر محض اختلاف عقائد کی بنا پر ظلم و ستم کرنے لگے تو قدرتی طور پر جنگ کی حالت پیدا ہوگئی - اب دو فریق ایک دوسرے کے خلاف صف آرا تھے - ایک فریق مسلمانوں کا تھا جو اپنا بچاؤ کر رہا تھا - دوسرا دشمنوں کا تھا جو حملہ آور تھا - پس ایسی حالت میں ناگزیر ہو گیا کہ دوستوں اور دشمنوں میں صاف صاف امتیاز ہو جائے - جو دوست ہیں وہ دشمنوں کے کیمپ سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھیں - جو دشمن ہیں وہ دوستوں سے کسی طرح کی سازش نہ کر سکیں - قرآن میں جس قدر احکام عدم موالات کے ہیں وہ سب اسی صورت حال سے تعلق رکھتے ہیں اور اس سورت کی آیت (۲۳) بھی اسی سے متعلق ہے -

اصل اس باب میں سورۂ ممتحنہ کی یہ آیات ہیں جو ایک ایسے ہی معاملہ کی نسبت نازل ہوئی تھیں:

---

[1] ہر صبح سورج کا نکلنا صخر کی یاد تازہ کر دیتا ہے اور کوئی شام مجھ پر ایسی نہیں آتی کہ صخر کی یاد سامنے نہ آ گئی ہو!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ﴾ (۶۰:۸،۹)

خدا تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ ان مشرکوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور انصاف کے ساتھ پیش آؤ جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے لڑائی نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا- خدا تو تمہیں صرف ان لوگوں کی رفاقت وساز گاری سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی ہے (یعنی محض اس لیے کہ تم نے ان کا دین چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے تم پر حملہ کر دیا ہے) اور (ظلم وستم کر کے) تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے- نیز تمہیں جلا وطن کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے- پس جو کوئی ایسے لوگوں سے رفاقت وساز گاری رکھے گا تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں!

اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ قرآن میں جہاں کہیں مسلمانوں کو مشرکین عرب یا یہود و نصاریٰ کی موالات سے روکا گیا ہے تو اس سے مقصود صرف وہی جماعتیں تھیں جنہوں نے مسلمانوں سے محض اختلاف دین کی بنا پر قتال کیا تھا اور جن کے ظلم وستم نے مسلمانوں کو ترک وطن پر مجبور کر دیا تھا- یہ بات نہ تھی کہ تمام مشرکین عرب سے یا یہود و نصاریٰ سے ترک علائق کا حکم دے دیا گیا ہو اور ظاہر ہے کہ قرآن کا یہ حکم کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ اس کی دعوت سرتاسر انسانی اخوت ومساوات کی دعوت اور عموم شفقت واحسان کا عالمگیر پیام ہے-

سورۂ توبہ ایک آخری اور وداعی پیام تھا:

(ن) اس سورت کے تمام مطالب اپنی اصلی حیثیت میں اس وقت تک واضح نہیں ہو سکتے جب تک یہ حقیقت پیش نظر نہ ہو کہ یہ تمام تر امت کے نام ایک وداعی پیام تھا اور احکام ومواعظ سے اصل مقصود مستقبل کے پیش آنے والے معاملات تھے نہ کہ موجودہ- مفسرین کی نظر چونکہ اس پہلو پر نہیں گئی اس لیے انہیں اکثر مقامات کی شرح وتوجیہ میں دقتیں پیش آئیں- یہ اصل پیش نظر رکھ کر سورت کے تمام مواعظ واحکام پر دوبارہ نظر ڈالو صاف واضح ہو جائے گا کہ آئندہ مرحلوں کے لیے مخاطبین کو تیار کیا جا رہا ہے- مزید تفصیل کا یہ محل نہیں-

❋ ❋ ❋

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰیَاتُهَا : 109 سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا : 11

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

المنزل ۳ وقف النبی ﷺ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۱ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ

الف-لام-را-

یہ آیتیں ہیں کتاب حکیم کی-(یعنی ایسی کتاب کی جس کی تمام باتیں حکمت کی باتیں ہیں-)(۱)

کیا لوگوں کو اس بات پر اچنبھا ہوا کہ انہی میں سے ایک آدمی پر ہم نے وحی بھیجی؟ اس بات کی وحی کہ لوگوں کو (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کرے اور ایمان والوں کو خوش خبری دے دے کہ پروردگار کے حضور ان کے لیے اچھا مقام ہے؟ کافروں نے کہا بلاشبہ یہ شخص جادوگر ہے-کھلا جادوگر!''(۲)(اے لوگو!) تمہارا پروردگار تو وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ ایام میں پیدا کیا (یعنی چھ معین زمانوں میں پیدا کیا) پھر اپنے تخت حکومت پر متمکن ہو گیا-وہی تمام کاموں کا بندوبست کر رہا ہے (یعنی کائنات ہستی پیدا بھی اسی نے کی اور فرماں روائی بھی صرف اسی کی ہوئی) اس کے حضور کوئی سفارشی نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ خود وہ اجازت دے دے اور اجازت کے بعد کوئی اس کی جرأت کرے-یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار پس اسی کی بندگی کرو-کیا تم غور و فکر سے کام نہیں لیتے؟(۳) تم سب کو بالآخر اسی کی طرف لوٹنا ہے-یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے-وہی ہے جو پیدائش شروع کرتا ہے

سورۂ انعام کی طرح اس سورت میں بھی خطاب مشرکین عرب سے ہے اور مواعظ کا مرکز دین حق کے مبادی و اساسات ہیں-یعنی توحید وحی و نبوت اور آخرت کی زندگی-سلسلہ بیان منکرین وحی کے ذکر سے شروع ہوا ہے' کیونکہ ہدایت دینی کی سب سے پہلی کڑی یہی ہے اور اسی کے اعتقاد پر اور تمام باتوں کا اعتقاد موقوف ہے-

(۱) منکرین حق ایک طرف تو وحی و نبوت سے انکار کرتے دوسری طرف یہ بھی دیکھتے تھے کہ یہ آدمی اور آدمیوں کی طرح نہیں ہے-کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے-پھر جب اس کی کوئی توجیہ بن نہ پڑتی تو کہتے ہو نہ ہو یہ جادوگری ہے-ان کا یہ قول قرآن کی حیرت انگیز تاثیر کی سب سے بڑی شہادت ہے-یعنی اس کا اثر اس درجہ نمایاں اور قطعی تھا کہ باوجود عناد و جحود کے اس سے انکار نہیں کر سکتے تھے-اسے جادوگری سے تعبیر کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے-(۲) آسمان و زمین کی چھ ایام میں خلقت سے مقصود کیا ہے؟ اس کی طرف سورۂ اعراف میں اشارہ ہو چکا ہے-مزید تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی-

(۳) توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال-یعنی جب تم مانتے ہو کہ کائنات ہستی کا پیدا کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں تو ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٤﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥﴾ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَّقُونَ ﴿٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ

اور پھر اسے دہراتا ہے (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا) تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے انہیں انصاف کے ساتھ بدلہ دے۔ باقی رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تو انہیں پاداش کفر میں کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور عذاب دردناک! - (۴) وہی ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن اور پھر چاند کی منزلوں کا اندازہ ٹھہرا دیا تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔ اللہ نے یہ سب کچھ نہیں بنایا ہے مگر حکمت و مصلحت کے ساتھ ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں، وہ (اپنی قدرت و حکمت کی) دلیلیں کھول کھول کر بیان کر دیتا ہے! - (۵) بلاشبہ اس بات میں کہ رات کے پیچھے دن اور دن کے پیچھے رات آتی ہے اور بلاشبہ ان تمام چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں میں اور زمین میں پیدا کی ہیں ان لوگوں کے لیے (قدرت و حکمت کی) نشانیاں ہیں جو متقی ہیں۔[1] (۶) جو لوگ (مرنے کے بعد) ہم سے ملنے کی توقع

⇦ پھر تدبیر و انتظام عالم کے بہت سے تخت اقتدار تم نے کیوں بنا رکھے ہیں؟ اور کیوں انہیں بندگی و نیاز کا مستحق سمجھتے ہو؟ جس طرح یہ بات ہوئی کہ پیدا کرنے والی ہستی اس کے سوا کوئی نہیں اسی طرح تدبیر و فرماں روائی کا تخت بھی صرف اسی کا تخت ہوا۔ اس میں نہ تو کسی سفارشی کی سفارش کو دخل ہے نہ کسی مقرب کے تقرب کو۔

یہی مضمون سورۂ اعراف کی آیت (۵۴) میں گذر چکا ہے ﴿ الا له الخلق و الامر ﴾

(۴) آیت (۴) میں سلسلہ بیان آخرت کی زندگی کی طرف متوجہ ہو گیا ہے جس سے مشرکین عرب کو انکار تھا۔ یہاں تین باتوں کی طرف اشارہ کیا:

(ا) وہ ہستی پیدا کرتا ہے اور پھر دہراتا ہے۔ پس اگر پہلی پیدائش پر یقین رکھتے ہو تو دوسری پیدائش پر تمہیں کیوں تعجب ہوتا ہے؟ یہ پہلی نشاۃ سے دوسری نشاۃ پر استدلال ہے۔ زیادہ تفصیل سورۂ حج کی آیت (۵) اور قیامہ کی آخری آیات میں ملے گی۔

(ب) یہ دوسری زندگی کیوں ضروری ہوئی؟ اس لیے کہ جزائے عمل کا قانون چاہتا تھا کہ جس طرح ایک زندگی آزمائش عمل کے لیے ہے اسی طرح ایک زندگی جزائے عمل کے لیے بھی ہو۔

(ج) تمام نظام خلقت اس کی شہادت دے رہا ہے کہ یہاں کوئی بات بغیر حکمت و مصلحت کے نہیں ہے۔ سورج کو دیکھو جس کی درخشندگی سے تمام ستارے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ چاند کو دیکھو جس کی گردش کی ۲۸ منزلیں مقرر کر دی ہیں اور اسی سے تم مہینے کا حساب کرتے اور برسوں کی گنتی معلوم کرتے ہو۔ اگر یہ سب کچھ بغیر مصلحت کے نہیں ہے تو کیا ممکن ہے کہ انسان کا وجود بغیر کسی غرض و مصلحت کے ⇦

[1] متقی اور تقویٰ کے لیے دیکھو سورۂ بقرہ نوٹ هدى للمتقين۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۹ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا
سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ ع
لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ

نہیں رکھتے - صرف دنیا کی زندگی ہی میں مگن ہیں اور اس حالت پر مطمئن ہو گئے ہیں - اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں (۷) تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کا (آخری) ٹھکانا دوزخ ہوگا - بسبب اس کمائی کے جو (خود اپنے ہی عملوں کے ذریعہ) کماتے رہتے ہیں! (۸)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے تو ان کے ایمان کی وجہ سے (کامیابی وسعادت کی) راہ ان کا پروردگار ان پر کھول دے گا - ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی جبکہ وہ نعمت الٰہی کے باغوں میں ہوں گے! (۹) وہاں ان کی پکار یہ ہوگی کہ "خدایا! ساری پاکیاں تیرے ہی لیے ہیں!" ان کی دعا یہ ہوگی کہ "سلامتی ہو" اور دعاؤں کا خاتمہ یہ ہوگا کہ "**الحمد لله رب العالمين!**" (۱۰)

اور (دیکھو) انسان جس طرح فائدہ کے لیے جلد باز ہوتا ہے اگر اسی طرح اللہ اسے نقصان پہنچانے میں جلد باز ہوتا (یعنی اگر اس کا قانون جزا ایسا ہوتا کہ ہر بدعملی کا برا نتیجہ فوراً کام کر جائے) تو اس کا وقت کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا (لیکن قانون جزا نے یہاں ڈھیل دے رکھی ہے) پس جو لوگ (مرنے کے بعد) ہماری ملاقات کی توقع نہیں رکھتے ہم انہیں ان کی سرکشیوں

⇦ ہو اور صرف اس لیے ہو کہ کھائے پیے اور مر کر ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائے؟ (اس استدلال کی وضاحت کے لیے دیکھو تفسیر فاتحہ)
غور کرو - اس قسم کے تمام مواعظ کا خاتمہ ہمیشہ اسی قسم کے جملوں پر ہوتا ہے کہ **لقوم يعلمون** - **لقوم يعقلون** - کیونکہ ان باتوں کو وہی سمجھ سکتا ہے جو علم و بصیرت سے محروم نہ ہو -

(۵) منازل قمر کی تقدیر سے مقصود کیا ہے؟ اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی -

(۶) سبحان اللہ! آیت (۷) کے چند گنے ہوئے لفظوں میں حقیقت حال کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ہے جس سے کوئی گوشہ بھی باہر نہیں رہا - ساتھ ہی وجود آخرت کے تمام دلائل بھی نمایاں ہو گئے - منکرین آخرت کی ذہنیت کی چار حالتیں ہیں:

(ا) ان کے اندر خدا سے ملنے کی توقع نہیں - (ب) صرف دنیوی زندگی ہی میں خوشنود ہو رہے ہیں -

(ج) اس حالت کے خلاف ان کے اندر کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی - اس پر مطمئن ہو گئے ہیں -

(د) ان کا ذہن و ادراک اس درجہ معطل ہو گیا ہے کہ قدرت کی تمام نشانیاں جو چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں انہیں بیدار نہیں کر سکتیں وہ یک قلم غافل ہو گئے ہیں -

ان میں سے ہر بات نہ صرف بیان حال ہے بلکہ بجائے خود ایک دلیل بھی ہے اور یہی قرآن کی معجزانہ بلاغت ہے - تشریح البیان میں ملے گی -

(۷) یاد رہے کہ قرآن نے ہر جگہ آخرت کے معاملہ کو "لقائے الٰہی" سے تعبیر کیا ہے اور اس تعبیر نے واضح کر دیا ہے کہ حیات آخرت کی اصل حقیقت قرآن کے نزدیک کیا ہے - مختصر تشریح آخری نوٹ میں ملے گی - (۸) آیت (۱۰) کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِىْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِىْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَىَّ ۚ اِنِّىْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّىْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

میں سرگرداں چھوڑ دیتے ہیں۔(۱۱)

اور جب کبھی انسان کو کوئی رنج پہنچتا ہے تو خواہ کسی حال میں ہو' کروٹ پر لیٹا ہو' بیٹھا ہو' کھڑا ہو ہمیں پکارنے لگے گا لیکن جب ہم اس کا رنج دور کر دیتے ہیں تو پھر اس طرح (منہ موڑے ہوئے) چل دیتا ہے گویا رنج و مصیبت میں کبھی اس نے ہمیں پکارا ہی نہیں تھا! تو دیکھو! جو حد سے گزر گئے ہیں ان کی نگاہوں میں اسی طرح ان کے کام خوش نما کر دیے گئے ہیں! (۱۲)

اور تم سے پہلے کتنی ہی امتیں گزر چکی ہیں کہ جب انہوں نے ظلم کی راہ اختیار کی تو ہم نے انہیں (پاداش عمل میں) ہلاک کر دیا۔ ان کے رسول ان کے پاس روشن دلیلوں کے ساتھ آئے تھے مگر اس پر بھی وہ آمادہ نہ ہوئے کہ ایمان لائیں۔ (تو دیکھو) مجرموں کو اسی طرح ہم ان کے جرموں کا بدلہ دیتے ہیں! (۱۳)

پھر ان امتوں کے بعد ہم نے تمہیں ان کا جانشین بنایا تا کہ دیکھیں تمہارے کام کیسے ہوتے ہیں؟ (۱۴)

اور (اے پیغمبر!) جب تم ہماری واضح آیتیں انہیں پڑھ کر سناتے ہو تو جو لوگ (مرنے کے بعد) ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے' وہ کہتے ہیں ''اس قرآن کے سوا کوئی دوسرا قرآن لا کر سناؤ' یا اسی (کے مطالب) میں ردوبدل کر دو'' تم کہو ''میرا یہ مقدور نہیں کہ اپنے جی سے اس میں ردوبدل کر دوں۔ میں تو بس اسی حکم کا تابع ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔ میں

☆☆(۹) آیت (۱۱) میں قانون امہال کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تشریح تفسیر فاتحہ میں دیکھنی چاہیے۔

☆☆(۱۰) آیت (۱۲) میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رنج و مصیبت کی حالت میں انسان کے اندر وجدانی طور پر یہ ولولہ اٹھتا ہے کہ ایک بالاتر ہستی موجود ہے جو میرا دکھ درد دور کر سکتی ہے اور اسی کو پکارنا چاہیے۔ لیکن جب مصیبت دور ہو جاتی ہے تو پھر عیش و راحت کی غفلتوں میں پڑ کر اسے بھول جاتا ہے۔ گویا کبھی اس نے کسی کو پکارا ہی نہ تھا!

قرآن نے جا بجا انسان کی اس فطری حالت سے استشہاد کیا ہے کیونکہ مصیبت اور بے بسی کی حالت میں بے اختیار اس ولولہ کا اٹھنا اس امر کا ثبوت ہے کہ انسانی فطرت اپنے اندرونی ادراک میں خدا کی ہستی کا اعتقاد رکھتی ہے اور اعراض و غفلت کی حالت وجدانی نہیں ہے خارجی اثرات کا نتیجہ ہے۔

آگے چل کر آیت (۲۲) میں بھی یہی بات ملے گی۔ لیکن ایک دوسرے اسلوب موعظت میں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ

ڈرتا ہوں اگر اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کروں تو عذاب کا ایک بہت بڑا دن آنے والا ہے''! (۱۵) اور تم کہو ''اگر اللہ چاہتا تو میں قرآن تمہیں سناتا ہی نہیں اور تمہیں اس سے خبردار ہی نہ کرتا (مگر اس کا چاہنا یہی ہوا کہ تم میں اس کا کلام نازل ہو اور تمہیں اقوام عالم کی ہدایت کا ذریعہ بنائے) پھر دیکھو یہ واقعہ ہے کہ میں اس معاملہ سے پہلے تم لوگوں کے اندر ایک پوری عمر بسر کر چکا ہوں - کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟ (۱۶)

پھر بتلاؤ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جو اپنے جی سے جھوٹ بات بنا کر اللہ پر افترا کرے اور اس آدمی سے جو اللہ کی سچی آیتیں جھٹلائے؟ یقیناً جرم کرنے والے کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے! (۱۷) اور (یہ مشرک) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ تو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ فائدہ' اور کہتے ہیں (ہم اس لیے ان کی پرستش کرتے ہیں کہ) یہ اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں - (اے پیغمبر! تم) کہہ دو ''کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دینی چاہتے ہو جو خود اسے معلوم نہیں - نہ تو آسمانوں میں اور نہ زمینوں میں؟'' پاک اور بلند ہے اس کی ذات اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں! (۱۸) اور (ابتدا میں) انسانوں کی ایک ہی امت تھی -

---

(۱۱) مشرکین عرب پیغمبر اسلام ﷺ کی صداقت وفضیلت سے انکار نہیں کر سکتے تھے اس لیے کہتے تھے ہم تمہاری بات سننے کے لیے تیار ہیں مگر تم ایسی باتیں کہتے ہو جنہیں ہم قبول نہیں کر سکتے - تم کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا اسی کے مطالب ایسے کر دو کہ ہمارے پرانے عقیدوں کے خلاف نہ ہوں - فرمایا یہ کچھ میرے جی کی من گھڑت نہیں ہے کہ تمہاری فرمائش کے مطابق بنا دوں - میں تو خود اللہ کی وحی کا تابع فرمان ہوں - جو کچھ مجھ پر وحی ہوتی ہے تمہیں سنا دیتا ہوں - اگر اس کے حکم سے نافرمانی کروں تو اس کی پکڑ سے مجھے بچانے والا کون ہے؟

(۱۲) پھر آیت (۱۶) میں صداقت نبوت کی ایک سب سے زیادہ واضح اور وجدانی دلیل بیان کی ہے - جس کی حقیقت افسوس ہے کہ مفسرین نے پوری طرح واضح نہیں کی - فرمایا ساری باتیں چھوڑ دو - صرف اسی بات پر غور کرو کہ میں تم میں کوئی نیا آدمی نہیں ہوں جس کے خصائل وحالات کی تمہیں خبر نہ ہو - تم ہی میں سے ہوں' اور اعلان وحی سے پہلے ایک پوری عمر تم میں بسر کر چکا ہوں - یعنی چالیس برس تک کی عمر کہ عمر انسانی کی پختگی کی کامل مدت ہے - اس تمام مدت میں میری زندگی تمہاری آنکھوں کے سامنے رہی - بتلاؤ اس تمام عرصہ میں کوئی ایک بات بھی تم نے سچائی اور امانت کے خلاف مجھ میں دیکھی؟ پھر اگر اس تمام مدت میں مجھ سے یہ نہ ہوسکا کہ کسی انسانی معاملہ میں جھوٹ بولوں تو کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ اب خدا پر بہتان باندھنے کے لیے تیار ہو جاؤں اور جھوٹ موٹ کہنے لگوں مجھ پر اس کا کلام نازل ہوتا ہے؟ کیا اتنی سی موٹی بات بھی تم نہیں پا سکتے؟

تمام علمائے اخلاق ونفسیات متفق ہیں کہ انسان کی عمر میں ابتدائی چالیس برس کا زمانہ اس کے اخلاق وخصائل کے ابھرنے اور بننے کا اصلی زمانہ ہوتا ہے - جو سانچا اس عرصہ میں بن گیا پھر بقیہ زندگی میں بدل نہیں سکتا - پس اگر ایک شخص چالیس برس کی عمر تک صادق وامین رہا ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ اکتالیسویں برس میں قدم رکھتے ہی ایسا کذاب اور مفتری بن جائے کہ انسانوں ہی پر نہیں بلکہ ←

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِلَّآ أُمَّةٌ وَّاحِدَةٌ فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ⑲ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ⑳ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ㉑ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ

ع ۲

پھر الگ الگ ہو گئے- اور اگر تمہارے پروردگار کی جانب سے پہلے ایک بات نہ ٹھہرا دی گئی ہوتی (یعنی لوگ الگ الگ راہوں میں چلیں گے اور اسی اختلاف میں ان کے لیے آزمائش عمل ہوگی) تو جن باتوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ کبھی کا ہو چکا ہوتا! (۱۹)

اور یہ لوگ کہتے ہیں "کیوں ایسا نہ ہوا کہ اس پر (یعنی پیغمبر اسلام ﷺ پر) اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی اترتی؟" تو (اے پیغمبر! تم) کہہ دو "غیب کا علم تو صرف اللہ ہی کے لیے ہے- پس انتظار کرو- میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں!" (۲۰)

اور جب ایسا ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کو درد دکھ کے بعد اپنی رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہماری (رحمت کی) نشانیوں میں باریک باریک حیلے نکالنا شروع کر دیتے ہیں- (اے پیغمبر!) تم کہہ دو "اللہ ان باریکیوں میں سب سے زیادہ تیز ہے- اس کے فرشتے تمہاری یہ ساری مکاریاں قلمبند کر رہے ہیں" (۲۱) وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی خشکی اور تری میں سیر و گردش کا سامان کر دیا ہے- پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ تم جہازوں میں سوار ہوتے ہو' جہاز موافق ہوا پا کر تمہیں لے اڑتے ہیں' مسافر خوش ہوتے ہیں (کہ کیا اچھی ہوا چل رہی ہے) پھر اچانک ہوائے تند کے جھونکے نمودار ہو جاتے اور ہر طرف سے موجیں ہجوم کرنے لگتی ہیں اور مسافر خیال کرتے ہیں بس اب ان میں گھر گئے (اور بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی)

⇦ فاطر السماوات والارض پر افترا کرنے لگے؟

چنانچہ اس کے بعد فرمایا دو باتوں سے تم انکار نہیں کر سکتے: جو شخص اللہ پر افتراء کرے اس سے بڑھ کر کوئی شریر نہیں' اور جو صادق کو جھٹلائے وہ بھی سب سے زیادہ شریر انسان ہے- اور شریر و مفتری کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا- اب صورت حال نے یہاں دونوں فریق پیدا کر دیے ہیں- اگر میں مفتری علی اللہ ہوں تو مجھے ناکام و نامراد ہونا پڑے گا' اگر تم سچائی کے مکذب ہو تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہے- فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے اور اس کا قانون ہے کہ مجرموں کو فلاح نہیں دیتا-

چنانچہ اللہ کا فیصلہ صادر ہو گیا- جو مکذب تھے ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا- جو صادق تھا اس کا کلمہ صدق آج تک قائم ہے اور قائم رہے گا!

سورۂ انعام کی آیات (۲۱) اور (۱۴۴) اور سورۂ اعراف کی (۳۷) میں بھی یہی استشہاد گزر چکا ہے-

☆☆ (۱۳) آیت (۱۸) میں توحید الوہیت کا بیان ہے- اس کی تفسیر سورت کے آخری نوٹ میں دیکھو-

(۱۴) آیت (۱۹) کے ہم معنی آیت بقرہ (۲۰۹) میں بھی گزر چکی ہے' اور مہمات معارف قرآنی میں سے ہے- اس کی مزید تشریح سورۂ ہود کی تشریحات میں ملے گی-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا
هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ
ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ
السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۗ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ
زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا

تو اس وقت (انہیں خدا کے سوا اور کوئی ہستی یاد نہیں آتی - وہ) دین کے اخلاص کے ساتھ خدا کو پکارنے لگتے ہیں "خدایا! اگر اس حالت سے ہمیں نجات دے دے تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہوں گے" (۲۲) پھر (دیکھو) جب اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو اچانک (اپنا عہد و پیمان بھول جاتے ہیں اور) ناحق ملک میں سرکشی و فساد کرنے لگتے ہیں - اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تو خود تمہاری ہی جانوں پر پڑنے والا ہے - یہ دنیا کی (چند روزہ) زندگی کے فائدے ہیں' سو اٹھا لو - پھر تمہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے - اس وقت ہم تمہیں بتائیں گے کہ جو کچھ دنیا میں کرتے رہے اس کی حقیقت کیا تھی! (۲۳) دنیا کی زندگی کی مثال تو بس ایسی ہے جیسے یہ معاملہ کہ آسمان سے ہم نے پانی برسایا اور زمین کی نباتات جو انسانوں اور چارپایوں کے لیے غذا کا کام دیتی ہیں اس سے شاداب ہو کر پھلی پھولیں اور باہم گرمل گئیں - پھر جب وہ وقت آیا کہ زمین نے اپنے (سبزی اور لالی کے) سارے زیور پہن لیے اور (لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور گراں بار باغوں سے) خوش نما ہو گئی اور زمین کے مالک سمجھے اب فصل ہمارے قابو میں آ گئی ہے تو اچانک ہمارا حکم دن کے وقت یا رات کے وقت نمودار ہو گیا اور ہم نے زمین کی ساری فصل اس طرح بیخ و بن سے کاٹ کے رکھ دی

☆☆ (۱۵) جب تک دنیوی اسباب و علائق کا کوئی ادنیٰ سا سہارا بھی باقی رہتا ہے انسان کا وجدان بیدار نہیں ہوتا اور ایک تنکے کا بھروسہ بھی اس کے لیے کافی ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے غافل ہو جائے - لیکن جونہی اسباب و علائق کے رشتے ٹوٹے اور یاس و قنوط کی کامل حالت طاری ہوئی اور اس نے دیکھا کہ اب دنیا کا کوئی ہاتھ اسے بچا نہیں سکتا تو اچانک اس کا سویا ہوا وجدان بیدار ہو جاتا ہے اور خدا پرستی کا جوش اپنے سارے اخلاص کے ساتھ اس کے اندر ابھر آتا ہے - اس وقت وہ خدا کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھتا - سارے رشتے' سارے بھروسے' ساری ہستیاں یک قلم نابود ہو جاتی ہیں - وہ بے اختیار خدا کو پکارنے لگتا ہے اور اس کی یہ پکار اس کے دل کے ایک ایک ریشہ کی پکار ہوتی ہے!

لیکن پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ کیا یہ حالت قائم رہتی ہے؟ نہیں جونہی اس کی ڈوبتی کشتی اچھلی اور امید و مراد کی گم شدہ صورت واپس آ گئی پھر وہی اس کی غفلتیں ہوتی ہیں اور وہی سرکشیاں!

اگر تم غور کرو گے تو اس حالت کی مثالیں خود اپنی ہی زندگی میں تمہیں مل جائیں گی - کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ تم بیمار ہوئے اور طبیبوں نے جواب دے دیا؟ یا کسی دوسری مصیبت میں پڑے اور دنیا کے سارے سہارے ہاتھ سے نکل گئے؟ اگر ایسا ہوا ہے تو یاد کرو - اس وقت تمہاری خدا پرستی اور خدا پرستی کے اخلاص کا کیا حال تھا؟ قرآن نے جا بجا اس حالت کے بیان کے لیے بحری سفر کی مثال اختیار کی ہے - کیونکہ انسان کی بے بسی اور مایوسی کے لیے اس سے بہتر مثال نہیں ہو سکتی - چنانچہ یہاں آیت (۲۲) میں اسی طرف اشارہ کیا ہے اور سورۂ عنکبوت کی آیت (۱۵) اور لقمان کی آیت (۳۲) میں بھی یہی مطلب ملے گا -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ
مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ
ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

گویا ایک دن پہلے تک ان کا نام ونشان ہی نہ تھا! اس طرح ہم (حقیقت کی) دلیلیں کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں- ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرنے والے ہیں! (۲۴)

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے (کامیابی ونجات کی) سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے- (۲۵)

(اس کا قانون تو یہ ہے کہ) جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لیے بھلائی ہی ہوگی اور (جتنی اور جیسی کچھ ان کی بھلائی تھی) اس سے بھی کچھ زیادہ- ان کے چہروں پر نہ تو (محرومی کی) کالک لگے گی نہ ذلت کا اثر نمایاں ہوگا- ایسے ہی لوگ جنتی ہیں ہمیشہ جنت میں رہنے والے! (۲۶) اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں تو برائی کا نتیجہ ویسا ہی نکلے گا جیسی کچھ برائی ہوگی- اور ان پر خواری چھا جائے گی- اللہ (کے قانون) سے انہیں بچانے والا کوئی نہ ہوگا- ان کے چہروں پر اس طرح کالک چھا جائے گی جیسے اندھیری رات کا ایک ٹکڑا چہروں پر اڑھا دیا گیا ہو! سو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں- دوزخ میں

دین حق کی تعلیم وتزکیہ کا مقصد یہی ہے کہ اس حالت سے انسان کو نجات دلا دے اور اس کا وجدان اس طرح بیدار کر دے کہ خدا پرستی کا جو اخلاص خاص خاص حالتوں میں ابھرتا ہے وہ اس کی پوری زندگی کی ایک دائم اور مستقر حالت ہو جائے- یہی وجہ ہے کہ ایمان کی حالت یہ بیان فرمائی کہ مصیبت کی گھڑی ہو یا راحت وسرور کا عالم لیکن خدا کی یاد سے دل پر غفلت طاری نہ ہو-

☆☆ (۱۶) ''بغی'' کے معنی سرکشی کے ہیں اور اس میں ہر طرح کی سرکشی داخل ہے لیکن جب '' فی الارض'' کے ساتھ کہا جائے جیسا کہ آیت (۲۳) میں ہے تو اس سے مقصود وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں دنیا کی دولت وطاقت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ اس کے گھمنڈ میں آ کر ظلم و فساد کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں- چونکہ اس سرکشی کا اصلی سرچشمہ دنیوی زندگی کے سروسامان کا غرور ہے اس لیے آیت (۲۴) میں فرمایا دنیا کی زندگی کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے کاشت کاری کا معاملہ- آسمان سے پانی برستا ہے اور تمہارے کھیت لہلہانے لگتے ہیں- پھر جب وہ وقت آتا ہے کہ تم سمجھے ہو اب فصل پک گئی اور ہماری محنت کی کمائی ہمارے قبضہ میں ہے تو اچانک کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے اور ساری فصل اس طرح تباہ ہو جاتی ہے گویا اس کا نام ونشان ہی نہیں تھا!

یعنی دنیوی زندگی کی ساری کامرانیاں اور دلفریبیاں بے ثبات اور ہنگامی ہیں- تم یہاں کی کسی چیز اور حالت پر بھروسہ نہیں کر سکتے کہ یہ ضرور ایسی ہی رہے گی- اول تو زندگی ہی چند روزہ ہے پھر اس کا بھی ٹھکانا نہیں- پھر زندگی کے عیش وتمتع کی جتنی دلفریبیاں ہیں سب کا حال یہ ہے کہ صبح ہیں تو شام نہیں- شام کو تھیں تو صبح کو نہیں- ایسی حالت میں اس سے بڑھ کر غفلت وگمراہی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ انسان حق وراستی کی راہ چھوڑ کر سرکشی پر اتر آئے اور کس چیز کے بھروسے پر؟ اس زندگی کے سروسامان اور اقتدار کے بھروسہ پر جسے چند لمحوں کے ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ
فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ
كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ
وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

النصف ع ۱۰

ہمیشہ رہنے والے! (۲۷)

اور (دیکھو) جس دن ایسا ہوگا کہ ہم ان سب کو اپنے حضور اکٹھا کریں گے اور پھر ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا ہے کہیں گے "تم اور وہ سب جنہیں تم نے شریک ٹھہرایا تھا اپنی جگہ سے نہ ہلو" (یعنی اپنے مقام میں رکے رہو- آگے نہ بڑھو) اور پھر ایسا ہوگا کہ ایک دوسرے سے انہیں الگ الگ کر دیں گے (یعنی شرک کرنے والوں میں اور ان میں جنہیں شریک بنایا گیا امتیاز پیدا ہو جائے گا) تب وہ ہستیاں جنہیں خدا کے ساتھ شریک بنایا گیا ہے کہیں گی: "یہ بات تو نہ تھی کہ تم ہماری ہی پرستش کرتے تھے- (۲۸) آج کے دن ہم میں اور تم میں اللہ کی گواہی بس کرتی ہے- (وہ جانتا ہے کہ) تمہاری پرستاریوں سے ہم یک قلم بے خبر تھے" (۲۹)

پس اس دن ہر آدمی جانچ لے گا کہ جو کچھ وہ پہلے کر چکا ہے اس کی حقیقت کیا تھی- سب اللہ کے حضور کہ ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے اور حقیقت کے خلاف جس قدر افترا پردازیاں کرتے رہے ہیں سب ان سے کھوئی جائیں گی! (۳۰)

(اے پیغمبرؐ!) ان لوگوں سے پوچھو" وہ کون ہے جو تمہیں آسمان و زمین کی بخشائشوں کے ذریعہ روزی دیتا ہے؟ وہ کون

⇦ لیے بھی قطعی اور برقرار نہیں کہہ سکتا!

لیکن انسانی غفلت کے عجائب کا یہی حال ہے- کوئی نہیں جو اس حقیقت سے بے خبر ہو مگر کوئی نہیں جو اس غرور باطل کی سرگرانیوں سے اپنی نگہداشت کر سکے!

یہی غفلت ہے جسے دین حق دور کرنا چاہتا ہے- وہ دنیا اور دنیا کی کامرانیوں سے نہیں روکتا- مگر ان کے غرور باطل اور بے اعتدالانہ انہماک کی راہیں بند کر دینی چاہتا ہے- کیونکہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے سارے فتنوں کا اصلی سرچشمہ یہی غرور باطل ہے-

(۱۷) قرآن نے ہر جگہ ایمان کو روشنی سے اور کفر کو تاریکی سے تشبیہ دی ہے- ﴿ الله ولي الذين امنوا يخرجهم من الظلمات الى النور ﴾ (۲:۲۵۷) اور مومنوں کی پہچان یہ فرمائی ہے کہ ان کے لیے سرخروئی اور شادمانی ہوگی- دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی- ﴿ وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظره ﴾ (۷۵:۲۳) ﴿ تعرف فى وجوههم نضرة النعيم ﴾ (۸۳:۲۴) ﴿ وجوه يومئذ ناعمة لسعيها راضية ﴾ (۸۸:۹) اور کفر کے لیے سیاہ روئی اور خواری ہے: ﴿ وجوه يومئذ باسرة تظن ان يفعل بها فاقرة ﴾ (۷۵:۲۵) ﴿ وجوه يومئذ خاشعة عاملة ناصبة تصلى نارا حامية ﴾ (۸۸:۴) اور آل عمران کی آیت (۱۰۶) میں گذر چکا ہے: ﴿ يوم تسود وجوه وتبيض وجوه ﴾ یہاں آیات ۲۶ اور ۲۷ میں بھی یہی بات بیان کی ہے- خوشحالی و کامرانی سے چہروں کا چمک اٹھنا اور نامرادی و خواری سے سیاہ پڑ جانا ایک طبعی حالت ہے- پس فرمایا قیامت کے دن ایک گروہ کے چہرے چمک اٹھیں گے- دوسرے کے سیاہ پڑ جائیں گے- اور سیاہ چہروں کا یہ حال ہوگا گویا پردۂ شب نے ان کے چہرے ڈھانپ لیے ہیں!

(۱۸) آیت (۲۸) میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ تم جن پیشواؤں کو اپنی حاجت روائیوں کے لیے پکارتے ہو ان تک نہ تو ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۖۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ

ہے جس کے قبضہ میں تمہارا سننا اور دیکھنا ہے؟ وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے؟ اور پھر وہ کون ہے جو تمام کارخانہ ہستی کا انتظام کر رہا ہے؟'' وہ (فوراً) بول اٹھیں گے کہ ''اللہ'' پس تم کہو' اگر ایسا ہی ہے تو پھر تم (انکار حق کے نتیجہ سے) ڈرتے نہیں؟'' (۳۱) یہی اللہ فی الحقیقت تمہارا پروردگار ہے- پھر بتلاؤ سچائی کے جان لینے کے بعد اسے نہ ماننا گمراہی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ تم (حقیقت سے) منہ پھیرے کدھر کو جا رہے ہو؟ (۳۲)

(اے پیغمبر!) اسی طرح تیرے پروردگار کا فرمودہ ان لوگوں پر صادق آ گیا جو (دائرہ ہدایت سے) باہر ہو گئے ہیں کہ وہ ایمان لانے والے نہیں! (۳۳)

(اے پیغمبر!) ان سے پوچھو'' کیا تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو خلقت کی پیدائش شروع کرے اور پھر اسے دہرائے؟ تم کہو یہ تو اللہ ہے جو ابتدا میں پیدا کرتا ہے- پھر اسے دہرائے گا- پس غور کرو تمہاری الٹی چال تمہیں کدھر کو لے جا رہی ہے؟ (۳۴)

ان سے پوچھو'' کیا تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو حق کی راہ دکھاتا ہے؟ پھر جو حق کی راہ دکھائے وہ اس کا حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود ہی راہ نہیں پاتا جب تک اسے راہ نہ دکھائی جائے؟ (افسوس تم پر!) تمہیں کیا ہو گیا

⇦ تمہاری پکار پہنچتی ہے- نہ تمہاری پرستاریوں کی انہیں کچھ خبر ہے- وہ تمہاری حاجت روائی کیا کریں گے؟ قیامت کے دن خدا مشرکوں کو اور ان کے بنائے ہوئے شریکوں کو ایک صف میں کھڑا کرے گا- کیونکہ معبودوں کو اپنے پرستاروں کے حلقے ہی میں ہونا چاہیے- لیکن وہ مشرکوں کا ساتھی ہونا پسند نہیں کریں گے- وہ کہیں گے ہمیں ان سے کوئی واسطہ نہیں- یہ گو ہمارا نام لیتے ہوں لیکن فی الحقیقت ہمیں نہیں پوجتے تھے- اپنی ہوائے نفس کے پجاری تھے- ہمیں تو ان کی پرستش کی خبر بھی نہیں!

یہ ایسی ہی بات ہے جیسی مائدہ کے آخر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت فرمائی ہے کہ قیامت کے دن عرض کریں گے میں عیسائیوں کے شرک سے بری ہوں ﴿ ما قلت لهم الا ما امرتنى به ﴾ (۵:۱۱۷) مزید تشریح کے لیے آخری نوٹ میں واردات آخرت کا مبحث دیکھو-

(۱۹) آیت (۳۱) میں برہان ربوبیت کا استدلال ہے اور توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استشہاد کیا گیا ہے (برہان ربوبیت کی تفصیل تفسیر فاتحہ میں گذر چکی ہے)

(۲۰) آیت (۳۵) قرآن کے مہمات حجج میں سے ہے مگر افسوس ہے کہ مفسرین نے اس کی حقیقت بھی اسی طرح ضائع کر دی؛ جس طرح اکثر دلائل قرآنیہ ضائع کر دی ہیں- اس کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا
يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾
بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ

ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟'' (۳۵) اور ان لوگوں میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو صرف وہم و گمان کی باتوں پر چلتے ہیں اور سچائی کی معرفت میں گمان کچھ کام نہیں دے سکتا - یہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس سے بے خبر نہیں! (۳۶)

اور اس قرآن کا معاملہ ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اپنے جی سے گھڑ لائے - وہ تو ان تمام وحیوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور کتاب اللہ کی تفصیل ہے (یعنی اللہ کی کتابوں میں جو کچھ تعلیم دی گئی ہے وہ سب اس میں کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہے) اس میں کچھ شبہ نہیں - تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے! (۳۷)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے (یعنی پیغمبر اسلام ﷺ نے) اللہ کے نام پر یہ افتراء کیا ہے؟ تم کہو 'اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو (اور ایک آدمی اپنے جی سے گھڑ کر ایسا کلام بنا سکتا ہے) تو قرآن کی مانند ایک سورت بنا کر پیش کر دو اور خدا کے سوا جن جن ہستیوں کو اپنی مدد کے لیے بلا سکتے ہو (تمہیں پوری طرح اجازت ہے) بلا لو! (۳۸)

نہیں یہ بات نہیں ہے - اصل حقیقت یہ ہے کہ جس بات پر یہ اپنے علم سے احاطہ نہ کر سکے اور جس بات کا نتیجہ ابھی پیش نہیں آیا اس کے جھٹلانے پر آمادہ ہو گئے - ٹھیک اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں - تو دیکھو ظلم کرنے والوں کا کیسا کچھ انجام ہو چکا ہے! (۳۹) اور (اے پیغمبر!) ان میں (یعنی تیری قوم میں) کچھ تو ایسے ہیں جو قرآن پر (آئندہ) ایمان لائیں گے - کچھ ایسے ہیں جو ایمان لانے والے نہیں' اور تیرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون

☆☆ (۲۱) آیت (۳۶) قرآن کے مہمات معارف میں سے ہے - اس کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی -

(۲۲) آیت (۳۷) میں فرمایا قرآن جس قسم کی چیز ہے ایسی چیز کبھی انسانی بناوٹ سے نہیں بن سکتی - پھر فرمایا وہ تمام پچھلی صداقتوں کی تصدیق کرنے والا اور تمام پچھلی کتابوں کی تعلیمات پر حاوی ہے - قرآن کا یہ وصف کیوں اس بات کی دلیل ہوا کہ وہ انسانی بناوٹ کا کام نہیں؟ اس کے جواب کے لیے تفسیر سورۂ فاتحہ دیکھو - یہ مہمات براہین قرآنیہ میں سے ہے -

☆☆ (۲۳) آیات (۳۸) اور (۳۹) اور (۴۱) کی ضروری تشریحات کے لیے آخری نوٹ دیکھنا چاہیے -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ع ۴ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـــًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾

لوگ مفسد ہیں۔(۴۰)

اور اگر یہ (اس قدر سمجھانے پر بھی) تجھے جھٹلائیں تو کہہ دے "میرے لیے میرا عمل ہے۔تمہارے لیے تمہارا۔ میں جو کچھ کرتا ہوں اس کی ذمہ داری تم پر نہیں۔تم جو کچھ کرتے ہو اس کے لیے میں ذمہ دار نہیں" (ہر شخص کے لیے اس کا عمل ہے اور عمل کے مطابق نتیجہ۔پس تم اپنی راہ چلو مجھے اپنی راہ چلنے دو اور دیکھو اللہ کا فیصلہ کیا ہوتا ہے)(۴۱)

اور (اے پیغمبر!) ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو تیری باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں (اور تو خیال کرتا ہے یہ کلام حق سن کر اس کی سچائی پالیں گے حالانکہ فی الحقیقت وہ سنتے نہیں) پھر کیا تو بہروں کو بات سنائے گا اگرچہ وہ بات نہ پا سکتے ہوں؟(۴۲)

اور ان میں کچھ ایسے ہیں جو تیری طرف تکتے ہیں (اور تو خیال کرتا ہے یہ تجھے سمجھ کر دیکھتے ہیں حالانکہ وہ دیکھتے نہیں) پھر کیا تو اندھے کو راہ دکھا دے گا اگرچہ اسے کچھ سوجھ نہ پڑتا ہو؟(۴۳)

یقیناً اللہ انسانوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا (کہ انہیں جبراً اندھا بہرا بنا دے) مگر خود انسان ہی ہے جو اپنے اوپر ظلم کرتا ہے (کہ اس کی بخشی ہوئی قوتوں سے کام نہیں لیتا اور ہٹ اور ضد میں آ کر سچائی سے انکار کر دیتا ہے)(۴۴)

اور جس دن ایسا ہوگا کہ اللہ ان سب کو اپنے حضور جمع کرے گا اس دن انہیں ایسا معلوم ہوگا گویا (دنیا میں) اس سے زیادہ نہیں ٹھہرے جیسے گھڑی بھر کو لوگ ٹھہر جائیں اور آپس میں صاحب سلامت کر لیں (تو) بلاشبہ وہ لوگ بڑے ہی گھاٹے میں رہے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کا اعتقاد جھٹلایا اور وہ کبھی (کامیابی کی) راہ پانے والے نہ تھے!(۴۵)

☆☆(۴۴) آیت (۴۲) اور اس کے بعد کی آیات میں اسی حالت کی طرف اشارہ ہے جو جا بجا قرآن میں بیان کی گئی ہے۔یعنی جہل و فساد اور تعصب و تقلید کے جمود سے ایسی حالت کا پیدا ہو جانا جو انسان کی عقل و بصیرت کو یک قلم معطل کر دیتی ہے اور وہ اس قابل نہیں رہتا کہ سچائی اور حقیقت کا ادراک کر سکے۔آیت (۴۴) میں فرمایا۔یہ حالت اس لیے پیش نہیں آتی کہ خدا نے کسی کو اس پر مجبور کر دیا ہے۔کیونکہ اگر ایسا ہو تو یہ ظلم ہے اور خدا کا یہ قانون نہیں کہ کسی جان پر ظلم ہو۔یہ تو خود انسان ہی ہے جو خدا کی دی ہوئی روشنی ضائع کر کے اندھا بہرا بن جاتا ہے!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ

اور (اے پیغمبر!) ہم نے ان لوگوں سے (یعنی منکرین عرب سے) جن جن باتوں کا وعدہ کیا ہے (یعنی دعوت حق کے پیش آنے والے نتائج کی خبر دی ہے) ان میں سے بعض باتیں تجھے (تیری زندگی میں) دکھا دیں یا (ان کے ظہور سے پہلے) تیرا وقت پورا کر دیں لیکن بہر حال انہیں ہماری ہی طرف لوٹنا ہے اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس پر شاہد ہے۔ (۴۶)

اور (یاد رکھو) ہر امت کے لیے ایک رسول ہے (جو ان میں پیدا ہوتا اور انہیں دین حق کی طرف بلاتا ہے) پھر جب کسی امت میں اس کا رسول ظاہر ہو گیا تو (ہمارا قانون یہ ہے کہ) ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ایسا نہیں ہوتا کہ ناانصافی ہو۔

اور یہ لوگ کہتے ہیں "اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ یہ بات (یعنی انکار حق کی پاداش) کب ظہور میں آئے گی؟" (۴۸) (اے پیغمبر!) تم کہہ دو (یہ معاملہ کچھ میرے اختیار میں نہیں کہ بتلا دوں کب واقع ہوگا) میں تو خود اپنی جان کا بھی نفع نقصان اپنے قبضہ میں نہیں رکھتا۔ وہی ہوتا ہے جو اللہ نے چاہا ہے۔ ہر امت کے لیے (پاداش عمل کا) ایک مقررہ وقت ہے اور جب وہ وقت آ پہنچتا

☆☆ (۴۵) آیت (۴۵) میں اس طرف اشارہ ہے کہ آخرت کی زندگی جب انسان پر طاری ہوگی تو وہ تمام مدت جو مرنے کے بعد سے لے کر نشاۃ ثانیہ تک گذرتی ہے اسے ایسی محسوس ہوگی جیسے ایک بہت ہی قلیل مدت کا درمیانی وقفہ گزرا ہو۔ اس حالت کی مثال یوں سمجھو جیسے کبھی رات بھر سو کر تم اٹھتے ہو اور اٹھنے کے بعد خیال کرتے ہو کہ بہت تھوڑی دیر نیند میں رہے۔ حالانکہ رات بھر نیند میں بسر کر چکے ہوتے ہو۔ یہ حقیقت قرآن نے مختلف تعبیرات میں بیان کی ہے اور سب کا ماحصل یہ ہے کہ وہ عظیم مدت جو انسان پر گزرے گی اس دن بہت ہی قلیل محسوس ہوگی۔ سورۂ مؤمنون آیت (۱۱۲) روم (۳۰) احقاف (۴۶) اور نازعات کی آخری آیت دیکھنی چاہیے۔

سورۂ روم کی آیت (۵۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کا احساس اگرچہ سب کو ہوگا لیکن اہل علم و ایمان جن کے دلوں میں یوم آخرت کا یقین تھا اس احساس سے مغلوب نہیں ہو جائیں گے۔ وہ پالیں گے کہ یہ تمام مدت جو گزر چکی ہے دنیوی زندگی اور اخروی زندگی کی درمیانی مدت تھی اور اب قیامت کا دن ہمارے سامنے ہے۔ ان آیات کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دنیوی زندگی اس دن اتنی حقیر و قلیل محسوس ہوگی گویا گھڑی بھر کی زندگی۔ لیکن پہلا مطلب زیادہ واضح اور موزوں ہے۔

(۴۶) آیت (۴۶) کا مطلب یہ ہے کہ دعوت حق کی فتح مندیوں اور منکروں کی نامرادیوں کی جو خبر دی گئی ہے کچھ ضروری نہیں کہ وہ سب کچھ تیری زندگی ہی میں پیش آ جائے۔ بعض باتیں تیری موجودگی میں ہو کر رہیں گی بعض بعد کو واقع ہوں گی۔ پس منکروں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس معاملہ کا سارا دارومدار اس شخص کی زندگی پر ہے۔ یہ نہ رہے گا تو کچھ نہ ہوگا۔ تو زندہ رہے یا نہ رہے لیکن احکام حق کو پورا ہو کر رہنا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

☆☆ (۴۷) آیت (۴۷) میں اللہ کے اس قانون کی طرف اشارہ ہے کہ جب کسی قوم کی ہدایت کے لیے اس کا رسول ظاہر ہوا اور ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَلَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا
يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ
قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ
اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ
لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾

ع ۵

ہے تو پھر نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے! (۴۹)

(اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو" کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ تم کیا کرو گے اگر اس کا عذاب راتوں رات نازل ہو یا دن دہاڑے تم پر مسلط ہو جائے؟ پھر کیا بات ہے جس کے لیے مجرم جلدی مچا رہے ہیں؟ (۵۰) کیا جب وہ واقع ہو جائے گا اس وقت تم یقین کرو گے؟ (لیکن اس وقت یقین کرنا کچھ سودمند نہ ہوگا - اس وقت تو کہا جائے گا) ہاں اب تم نے یقین کیا اور تم ہی تھے کہ اس کی طلب میں جلدی مچایا کرتے تھے!" (۵۱) پھر ظلم کرنے والوں سے کہا جائے گا -" اب ہمیشگی کا عذاب چکھو- تمہیں جو کچھ بدلہ مل رہا ہے یہ اس کے سوا کیا ہے کہ خود تمہارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے جو دنیا میں کماتے رہے ہو!" (۵۲)

اور تجھ سے پوچھتے ہیں" کیا یہ بات واقعی سچ ہے؟" تم (بلا تامل) کہو" ہاں میرا پروردگار اس پر شاہد ہے کہ یہ سچائی کے سوا کچھ نہیں اور تم کبھی ایسا نہیں کر سکتے کہ اسے (اس کے کاموں میں) عاجز کر دو" (۵۳)

اور (آنے والا عذاب اس درجہ ہولناک ہے اور اس کا وقوع اس درجہ قطعی ہے کہ) اگر ہر ظالم انسان کے قبضہ میں وہ سب کچھ آ جائے جو روئے زمین میں ہے تو وہ ضرور اسے اپنے فدیہ میں دے دے' اور دیکھو جب انہوں نے عذاب اپنے سامنے دیکھا تو (اپنی سرکشی و انکار یاد کر کے) دل ہی دل میں پچھتانے لگے پھر ان کے درمیان (یعنی مومنوں اور سرکشوں کے درمیان) انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ان پر کسی طرح کی زیادتی واقع ہو! (۵۴)

⇦ لوگوں نے چاہا ظلم و تشدد کے ذریعہ اس کی دعوت روک دیں تو اللہ نے ان دونوں فریقوں کے درمیان فیصلہ کر دیا- یعنی حق فتح مند ہوا' باطل نامراد- اور چونکہ یہ فیصلہ حق و عدالت کا فیصلہ ہے اس لیے جا بجا اسے "قضی بالحق" اور "قضی بالقسط" سے تعبیر کیا ہے- تفصیل تفسیر سورۂ فاتحہ میں گذر چکی ہے- (۲۸) استعجال بالعذاب (آیت ۵۰) کی تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ دیکھنی چاہیے-

☆☆ (۲۹) آیت (۵۳) میں ان لوگوں کا قول نقل کیا ہے جو منکر و جاحد نہ تھے' مگر تصدیق میں متامل تھے- وہ جب پیغمبر اسلام ﷺ کی صداقت و دیانت پر غور کرتے جو تمام قوم میں اول دن سے مسلم تھی تو ان کا دل کہتا سچے آدمی کی زبان سے جھوٹی بات نہیں نکل سکتی- لیکن پھر جب دیکھتے کہ ان کی دعوت ایسی باتوں کا یقین دلاتی ہے جن سے وہ اور ان کے آباؤ اجداد یکسر نا آشنا رہے ہیں تو طبیعت کھلتی نہیں' شک و حیرت کی حالت میں مبتلا ہو جاتے اور پوچھنے لگتے" کیا جو کچھ تم کہہ رہے ہو فی الحقیقت ایسا ہی ہے؟" فرمایا تم کہو- جب تمہیں آج تک میری سچائی میں شبہ نہیں ہوا تو آج کیوں ہو رہا ہے؟ میں جو کچھ کہتا ہوں یہ حق ہے اور اس پر میرا پروردگار شاہد ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۵۵ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۵۶ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاۗءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۵۷ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۭ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝۵۹

یاد رکھو آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لیے ہے (اس کے سوا کوئی نہیں جسے حکم وتصرف میں کچھ دخل ہو) اور یہ بات بھی نہ بھولو کہ اللہ کا وعدہ حق ہے۔ (وہ کبھی ٹل نہیں سکتا) مگر ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو یہ بات نہیں جانتے! (۵۵)

وہی جلاتا ہے۔ وہی مارتا ہے۔ اور وہی ہے جس کی طرف تم سب کو (بالآخر) لوٹنا ہے! (۵۶)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے ایک ایسی چیز آ گئی جو موعظت ہے' دل کی تمام بیماریوں کے شفا ہے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو (اس پر) یقین رکھتے ہیں! (۵۷)

(اے پیغمبر!) تم کہو یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کی رحمت ہے۔ پس چاہیے کہ اس پر خوشی منائیں اور یہ ان ساری چیزوں سے بہتر ہے جسے وہ (دنیا کی زندگی میں) جمع کرتے رہتے ہیں! (۵۸)

(اے پیغمبر!) تم ان سے کہو "کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ جو روزی اللہ نے تمہارے لیے پیدا کی ہے تم نے (محض اپنے اوہام وظنون کی بنا پر) اس میں سے بعض کو حرام ٹھہرا دیا بعض کو حلال سمجھ لیا ہے" تم پوچھو" (یہ جو تم نے حلال وحرام کا حکم لگایا تو) کیا اللہ نے اس کی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو؟" (۵۹)

☆☆ (۳۰) آیت (۵۷) میں قرآن کے چار وصف بیان کیے:

(ا) موعظت ہے۔ یعنی دل میں اتر جانے والی دلیلوں اور روح کو متاثر کرنے والے طریقوں سے ان تمام باتوں کی ترغیب دیتا ہے جو خیر وحق کی باتیں ہیں اور ان تمام باتوں سے روکتا ہے جو شر اور بطلان کی باتیں ہیں۔ کیونکہ عربی میں وعظ کا مفہوم صرف نصیحت ہی نہیں ہے بلکہ ایسی نصیحت جو مؤثر دلائل اور دلنشیں اسلوبوں کے ساتھ کی جائے۔

(ب) " شفاء لما في الصدور" دل کی تمام بیماریوں کے لیے نسخہ شفا ہے۔ جو فرد اور جو گروہ بھی اس نسخہ پر عمل کرے گا اس کے قلوب ہر طرح کے مفاسد ورذائل سے پاک ہو جائیں گے۔

یاد رہے کہ عربی میں قلب' فواد اور صدر کے الفاظ جب کبھی ایسے موقع پر بولے جائیں جیسا کہ یہ موقع ہے تو ان سے مقصود انسان کی معنوی حالت ہوتی ہے۔ یعنی ذہن وفکر کی قوت' عقلی ادراک' جذبات وعواطف' اخلاق وعادات' اندرونی حسیات۔ وہ عضو مقصود نہیں ہوتا جو فن تشریح کا دل اور سینہ ہے۔ پس دل کی شفا کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کی فکری اور اخلاقی حالت کے جس قدر مرض ہو سکتے ہیں ان سب کے لیے یہ نسخہ شفا ہے۔

(ج) یقین کرنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔

(د) یقین کرنے والوں کے لیے پیام رحمت ہے۔ یعنی ظلم وقساوت اور بغض وتنفر سے دنیا کو نجات دلاتا اور رحم ومحبت اور امن وسلامتی کی روح سے معمور کرتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۶۰ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا ع ۱۱
كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي
السَّمَاۗءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶۱ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۲ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝۶۳ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ

اور جن لوگوں کی جرأتوں کا یہ حال ہے کہ اللہ کے نام پر جھوٹ بول کر افترا پردازی کر رہے ہیں انہوں نے روز قیامت کو کیا سمجھ رکھا ہے (کیا وہ سمجھتے ہیں اللہ کی جانب سے کوئی پرسش ہونے والی نہیں؟) حقیقت یہ ہے کہ اللہ انسانوں کے لیے بڑا ہی فضل رکھتا ہے (کہ اس نے جزائے عمل کو آخرت پر اٹھا رکھا ہے اور دنیا میں سب کو مہلت عمل دے دی ہے) لیکن ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو اس کا شکر نہیں بجالاتے! (۶۰) اور (اے پیغمبر!) تم کسی حال میں ہو اور قرآن کی کوئی سی آیت بھی پڑھ کر سناتے ہو اور (اے لوگو) تم کوئی سا کام بھی کرتے ہو مگر وہ بات کرتے ہوئے ہماری نگاہوں سے غائب نہیں ہوتے اور نہ تو زمین میں نہ آسمان میں کوئی چیز تمہارے پروردگار کے علم سے غائب ہے- ذرہ بھر کوئی چیز ہو یا اس سے چھوٹی یا بڑی سب کچھ ایک کتاب واضح میں مندرج ہے! (۶۱) یاد رکھو جو اللہ کے دوست ہیں ان کے لیے نہ تو کسی طرح کا خوف ہوگا نہ کسی طرح کی غمگینی- یہ وہ لوگ ہیں کہ ایمان لائے اور زندگی ایسی بسر کی کہ برائیوں سے بچتے رہے- (۶۳) ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی (کامرانی و سعادت کی) بشارت ہے اور آخرت کی زندگی میں بھی-

☆☆ یہ محض قرآن کے اوصاف کا مدعیانہ اعلان ہی نہ تھا بلکہ اس کی صداقت کی سب سے زیادہ موثر دلیل بھی تھی- اگر ایک شخص دعویٰ کرے کہ وہ طبیب ہے تو سب سے زیادہ سہل اور قطعی طریقہ اس کے دعوے کی جانچ کا یہ ہوگا کہ دیکھا جائے اس کے علاج سے بیماروں کو شفا ملتی ہے یا نہیں؟ اگر تم دیکھو کہ موت کی آغوش میں پہنچے ہوئے بیمار اس کے شفاخانہ میں داخل ہوئے اور تندرست ہو کر نکلے تو تم یقیناً تسلیم کر لو گے کہ اپنے دعوے میں سچا ہے- قرآن نے بھی جا بجا یہی جانچ منکروں کے سامنے پیش کی ہے- اس نے کہا میں نسخہ شفا ہوں اور ثبوت میں مومنوں اور متقیوں کی جماعت پیش کر دی جو اس کے دارالشفا میں تیار ہوئی تھی کہ دیکھ لو یہ تندرست ہو گئے ہیں یا نہیں؟

آج بھی اس کی یہ دلیل اسی طرح قاطع ہے جس طرح عہد نزول میں تھی- اگر اس نے عرب جاہلیت کے مریضان روح و دل میں سے ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، خالدؓ، سلمانؓ، ابوذرؓ وغیرہم جیسی تندرست روحیں پیدا کر دی تھیں تو کیا اس کے نسخہ شفا ہونے میں شک کیا جا سکتا ہے؟

☆☆ (۳۱) مشرکین عرب نے اپنے اوہام و خرافات کی بنا پر بہت سی چیزوں کا استعمال حرام ٹھہرا لیا تھا- چنانچہ سورۂ انعام میں آیت (۱۳۸) سے (۱۵۰) تک اس کا مفصل بیان گذر چکا ہے اور یہاں آیت (۵۹) میں بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے- اس آیت سے اور اس کی ہم معنی آیات سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو گئی کہ:

(۱) قرآن کے نزدیک ان تمام چیزوں میں جو کھانے پینے کی پیدا ہوتی ہیں اصل اباحت ہے نہ کہ حرمت- یعنی جتنی چیزیں کھانے کے قابل ہیں سب حلال ہیں الا یہ کہ وحی الٰہی نے کسی چیز کو حرام ٹھہرا دیا ہو- چنانچہ قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٤﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٥﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَاۗءَ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٧﴾

وقف لازم

اللہ کے فرمان اٹل ہیں- کبھی بدلنے والے نہیں- اور یہی سب سے بڑی فیروزمندی ہے جو انسان کے حصے میں آ سکتی ہے! (۶۴)

(اور اے پیغمبر!) منکروں کی (معاندانہ) باتوں سے تم آزردہ نہ ہو- ساری عزتیں اللہ ہی کے لیے ہیں (وہ جسے چاہے عزت دے- جسے چاہے ذلت دے) وہ سننے والا جاننے والا ہے! (۶۵)

یاد رکھو- وہ تمام ہستیاں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ سب جو زمین میں ہیں اللہ ہی کے تابع فرمان ہیں- اور جو لوگ اللہ کے سوا اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو پکارتے ہیں تم جانتے ہو وہ کس بات کی پیروی کرتے ہیں؟ (کیا یقین و بصیرت کی؟ نہیں) محض وہم و گمان کی- وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ (ہر بات میں) اپنی اٹکلیں دوڑاتے ہیں! (۶۶)

وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات کا وقت بنا دیا کہ اس میں آرام پاؤ اور دن کا وقت کہ اس کی روشنی میں دیکھو بھالو- بلاشبہ اس بات میں ان لوگوں کے لیے (ربوبیت الٰہی کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں جو (کلام حق) سنتے (اور سمجھتے) ہیں! (۶۷)

⇦ اس نے صرف انہی چیزوں سے روکا ہے جو خبائث ہیں- یعنی مضر اور گندی ہیں- باقی جتنی چیزیں ہیں طیبات ہیں-

(ب) کسی چیز کو حرام ٹھہرا دینے کا حق صرف خدا کی شریعت کو ہے- پس کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ محض اپنے قیاس و رائے سے کوئی چیز حرام ٹھہرا دے-

(ج) قرآن نے جن باتوں کو افتراء علی اللہ سے تعبیر کیا ہے' یعنی خدا پر بہتان باندھنا' ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ بغیر نص قطعی کے محض اپنی رائے اور قیاس سے کوئی چیز حرام ٹھہرا لی جائے-

(د) انسان کے عقائد و اعمال کی بنیاد علم و یقین پر ہونی چاہیے- نہ کہ وہم و گمان پر- وہ مشرکوں کی بنیادی گمراہی یہی قرار دیتا ہے کہ علم و یقین کی کوئی روشنی اپنے سامنے نہیں رکھتے- محض اوہام و ظنون کے پرستار ہیں-

نزول قرآن سے پہلے اقوام عالم کی ایک عالمگیر گمراہی یہ تھی کہ کھانے پینے کے بارے میں طرح طرح کے وہمی قاعدے بنا لیے تھے حلت و حرمت کی بنیاد علم و حقیقت کی کسی روشنی پر نہ تھی- محض اوہام و خرافات پر تھی- قرآن نے نوع انسانی کو اس حالت سے نجات دلائی- اس نے اعلان کیا کہ زمین میں جتنی اچھی چیزیں خدا نے پیدا کی ہیں سب اسی لیے ہیں کہ انسان انہیں برتے اور خدا کے سوا کسی کو یہ اختیار نہیں کہ اس کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کو حرام ٹھہرا دے-

یہ آیت ان تمام فقہائے متشددین کے خلاف حجت قاطع ہے جنہوں نے محض رائے و قیاس سے بعض مباحات حرام ٹھہرا دی ہیں اور ان تمام لوگوں کے خلاف بھی جو سمجھتے ہیں مباحات کا دائرہ اپنے اوپر تنگ کر لینا تقویٰ اور تقرب الٰہی کی بات ہے-

(۳۲) قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ کسی بات کے ٹھہرا دینے اور قطعی طور پر نافذ کر دینے کے لیے ''کتابت'' کی تعبیر اختیار کرتا ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكُمْ مَّقَامِیْ وَتَذْكِیْرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَعَلَی اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَیْكُمْ غُمَّةً ع ۱۲

یہ کہتے ہیں اللہ نے اپنا ایک بیٹا بنا رکھا ہے- اس کے لیے تقدیس ہو! وہ تو (اس طرح کی تمام احتیاجوں سے) بے نیاز ہے- جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کے لیے ہے- تمہارے پاس ایسی بات کہنے کے لیے کون سی دلیل آ گئی؟ کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہنے کی جرأت کرتے ہو جس کے لیے تمہارے پاس کوئی علم نہیں؟ (۶۸)

(اے پیغمبر!) تم کہو- جو لوگ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح پانے والے نہیں! (۶۹) ان کے لیے صرف دنیا ہی کی متاع ہے- پھر (آخر کار) ہماری طرف لوٹنا ہے- تب ہم انہیں عذاب سخت کا مزہ چکھائیں گے کہ جیسی کچھ کفر کی باتیں کرتے رہے ہیں اس کا نتیجہ پالیں! (۷۰) اور (اے پیغمبر!) انہیں نوح کا حال سناؤ- جب ایسا ہوا تھا کہ اس نے اپنی قوم سے کہا تھا "اے میری قوم اگر تم پر یہ بات شاق گذرتی ہے کہ میں تم میں (دعوت و ہدایت کے لیے) کھڑا ہوں اور اللہ کی نشانیوں کے ساتھ پند و نصیحت کرتا ہوں تو میرا بھروسہ صرف اللہ پر ہے- تم میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہتے ہو اسے ٹھان لو اور اپنے شریکوں کو بھی ساتھ لے لو- پھر جو کچھ تمہارا منصوبہ ہو اسے اچھی طرح سمجھ بوجھ لو کہ کوئی پہلو نظر سے رہ نہ

⇦ ہے- یعنی کہتا ہے یہ بات لکھ دی گئی ہے- مثلاً ﴿ كتب عليكم الصيام ﴾ (۱۸۳:۲) ﴿ ان عدة الشهور عندالله اثنا عشر شهرا فی كتاب الله ﴾ (۳۶:۹) ﴿ كتب عليه انه من تولاه فانه يضله ﴾ (۴:۲۲) اسی طرح اس مطلب کے لیے کہ حکمت الٰہی نے کارخانہ ہستی کی ہر چیز کے لیے ایک قانون بنا دیا ہے اور یہاں جو کچھ ظہور میں آتا ہے وہ سب کچھ ضبط میں آ چکا ہے- "کتابت" اور "کتاب" کی تعبیر جا بجا ملتی ہے- چنانچہ یہاں بھی آیت (۶۱) میں فرمایا' آسمان و زمین میں ایک ذرہ بھی ایسا نہیں جو کتاب مبین کے انضباط سے باہر ہو- یعنی علم الٰہی سے باہر ہو یا اللہ نے جو قوانین خلقت ٹھہرا دیے ہیں ان کے احاطہ سے باہر ہو- احکام و قوانین کا شاہی فرمانوں میں لکھ دینا اور شاہی دفاتر میں درج کر دینا دنیا کی نہایت پرانی رسم ہے- اس لیے تقریباً تمام زبانوں میں کسی بات کے لکھ دینے کا مطلب یہ ہو گیا ہے کہ بات پکی ہو گئی اور اب اس میں رد و بدل کی گنجائش نہیں- باہمی عہد و پیمان بھی لکھے جاتے تھے اور جب لکھ دیے گئے تو سمجھا جاتا تھا اب ان کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی- عربی میں بھی یہ تعبیر قدیم سے موجود ہے- اور معلوم ہوتا ہے قرآن نے بھی اسی معنی میں یہ تعبیر اختیار کی ہے- البتہ یہ ظاہر ہے کہ ہم جزم و یقین کے ساتھ اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے- کیونکہ یہ معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے اور عالم غیب کے حقائق ہماری عقل کی دسترس سے باہر ہیں-

(۳۳) آیت (۶۲) کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی-

(۳۴) قرآن کا عام اسلوب خطاب یہ ہے کہ پہلے وجدانی دلائل بیان کرتا ہے پھر واقعات و ایام کے شواہد سے استدلال کرتا ہے- آیت (۶۹) میں تمام پچھلے مواعظ کا خلاصہ بیان کر دیا کہ مفتری علی اللہ فلاح نہیں پا سکتا- پھر آیت (۷۱) میں فرمایا انہیں حضرت نوح علیہ السلام کی سرگذشت سناؤ- یعنی حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا معاملہ اس حقیقت کے لیے ایک شاہد و حجت ہے- ان کا اعلان بھی ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰۗىِٕفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَاۗءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰي قُلُوْبِ

جائے پھر جو کچھ میرے خلاف کرنا ہے کر گزرو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو (اور دیکھو آخر کار کیا نتیجہ نکلتا ہے؟)'' (۷۱)

''پھر اگر (اس پر بھی تم باز نہ آئے اور) مجھ سے روگردانی کی تو (یاد رکھو اپنا ہی نقصان کرو گے) میں جو کچھ کر رہا ہوں اس کے لیے تم سے کسی مزدوری کا طلبگار نہیں ہوا تھا - میری مزدوری تو اللہ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں - مجھے (اسی کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے کہ اس کے فرمانبردار بندوں کے گروہ میں شامل رہوں!'' (۷۲)

اس پر بھی لوگوں نے اسے جھٹلایا - پس ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں سوار تھے (طوفان سے) بچا لیا - اور (غرق شدہ قوم کا) جانشین بنایا اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں ان سب کو غرق کر دیا - تو دیکھو ان لوگوں کا حشر کیسا ہوا جو (انکار و سرکشی کے نتائج سے) خبردار کر دیے گئے تھے؟ (۷۳)

پھر نوح کے بعد ہم نے (کتنے ہی) رسولوں کو ان کی قوموں میں پیدا کیا - وہ ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تھے اس پر بھی ان کی قومیں تیار نہ تھیں کہ جو بات پہلے جھٹلا چکی ہیں اسے (دلیلیں دیکھ کر) مان لیں - سو دیکھو جو لوگ (سرکشی اور فساد میں) حد سے گزر جاتے ہیں ہم اسی طرح ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں! (۷۴)

⇦ یہی تھا کہ تم میری مخالفت میں جو کچھ کر سکتے ہو کر گزرو - اگر میں صادق ہوں تو تمہاری کوئی کوشش میرے خلاف کامیاب نہیں ہو سکے گی - نتیجہ نے فیصلہ کر دیا کہ کون صادق تھا اور کون خدا کی سچائی جھٹلانے والا تھا -

☆☆ (۳۵) آیت (۷۱) جو اوپر گزر چکی ہے انبیائے کرام علیہم السلام کی صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل واضح کرتی ہے - یعنی وہ کامل یقین جو اپنے مرسل من اللہ اور صادق ہونے کا ان کے اندر موجود ہوتا ہے - حضرت نوح علیہ السلام نے کہا اگر تم پر میری دعوت و تذکیر گراں گزرتی ہے اور مجھے اپنے بیان میں جھوٹا سمجھتے ہو تو جو کچھ بھی تم میرے خلاف کر سکتے ہو زیادہ سے زیادہ کوشش اور زیادہ سے زیادہ اہتمام کے ساتھ کر گزرو - تم سب جمع ہو یا ہمدگر مشورے کرو، بہتر سے بہتر تدبیریں جو میرے مٹانے کے لیے سوچی جا سکتی ہیں سوچ لو - معاملہ کا کوئی پہلو ایسا نہ رہ جائے جس کا پہلے سے بندوبست نہ کر لیا ہو - پھر پورے عزم و ہمت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہو اور اپنے جانتے بھر ذرا بھی مہلت نہ دو - پھر یہ سب کچھ کر کے دیکھ لو - تم مجھے اور میری دعوت کو مٹا سکتے ہو یا نہیں!

کیا ممکن ہے کہ محض بناوٹ اور افترا پردازی کی زندگی سے ایسا یقین ابل سکے؟ کیا ممکن ہے کہ ایک فرد واحد پوری قوم کو اس طرح مقابلہ کی دعوت دے اور اس کے دل میں ذرا بھی کھٹک موجود ہو کہ اپنے بیان میں سچا نہیں؟

(۳۶) حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر کے بعد فرمایا ان کے بعد بہت سے رسول مختلف قوموں میں مبعوث ہوئے اور ایسا ہی معاملہ پیش آیا - پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں تفصیل کی - کیونکہ اہل عرب ان کے نام سے نا آشنا نہ تھے -

حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر میں بھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات میں بھی صرف انہی پہلوؤں پر زور دیا ہے جو سورت کی موعظت سے تعلق رکھتے ہیں - یعنی:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٧٤﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا
وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٦﴾ قَالَ مُوْسٰٓى
اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿٧٧﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا
عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٨﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ
بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ
مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨١﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ

پھر ہم نے ان رسولوں کے بعد موسیٰ اور ہارون کو بھیجا - فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف - وہ ہماری نشانیاں اپنے ساتھ رکھتے تھے - مگر فرعون اور اس کے درباریوں نے گھمنڈ کیا - ان کا گروہ مجرموں کا گروہ تھا! (۷۵)

پھر جب ہماری جانب سے سچائی ان پر نمودار ہوگئی تو کہنے لگے "یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ جادو ہے - صریح جادو" (۷۶)

موسیٰ نے کہا "تم سچائی کے حق میں جب وہ نمودار ہوگئی ایسی بات کہتے ہو؟ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر تو کبھی کامیابی نہیں پا سکتے" (۷۷)

انہوں نے (جواب میں) کہا "کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ جس راہ پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے دیکھا ہے اس سے ہمیں ہٹا دو اور ملک میں تم دونوں بھائیوں کے لیے سرداری ہو جائے؟ ہم تو تمہیں ماننے والے نہیں" (۷۸)

اور فرعون نے کہا "میری مملکت میں جتنے ماہر جادوگر ہیں سب کو میرے حضور حاضر کرو" (۷۹) جب جادوگر آ موجود ہوئے (اور مقابلہ کا میدان گرم ہوا) تو موسیٰ نے کہا "تمہیں جو کچھ میدان میں ڈالنا ہے ڈال دو" (۸۰) جب انہوں نے (اپنی جادو کی رسیاں اور لاٹھیاں) ڈال دیں تو موسیٰ نے کہا "تم جو کچھ بنا کر لائے ہو یہ جادو ہے اور یقیناً اللہ اسے ملیامیٹ کر دے گا - اللہ کا یہ قانون ہے کہ وہ مفسدوں کا کام نہیں سنوارتا - (۸۱) وہ حق کو اپنے احکام کے مطابق ضرور ثابت کر دکھائے گا -

---

(ا) مفتری علی اللہ فلاح نہیں پا سکتا -

(ب) نہ وہ جو صادق کا مقابلہ کرے - یعنی اللہ کے رسول کا مقابلہ کرے -

(ج) ہدایت ایسی چیز نہیں ہے کہ زبردستی کسی کو پلا دو - جو ماننے والے نہیں وہ کبھی نہیں مانیں گے - خواہ کتنی ہی نشانیاں دکھلاؤ - ایسا ہی ہمیشہ ہوا ہے اور اب بھی ہوگی -

(۳۷) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم حق کی نشانیوں کو جادو کہتے ہو - حالانکہ جو جادوگر ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا - کیونکہ جادو انسان کی بناوٹ اور شعبدہ طرازی ہے اور ایک انسان اپنی بناوٹوں اور کرتبوں میں کتنا ہی ہوشیار ہو لیکن حق کے مقابلہ میں کبھی نہیں ٹک سکتا -

(۳۸) الحق "حقق" سے ہے اور عربی میں "حقق" کا لغوی خاصہ ثبوت اور قیام ہے - یعنی جو بات ثابت ہو اٹل ہو انمٹ ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ
فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾
وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا
عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا

اگرچہ ان لوگوں کو جو مجرم ہیں ایسا ہونا پسند نہ آئے" (۸۲)

تو دیکھو اس پر بھی ایسا ہوا کہ موسیٰ پر کوئی ایمان نہیں لایا مگر صرف ایک گروہ جو اس کی قوم کے نوجوانوں کا گروہ تھا- وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتا ہوا کہ کہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں' اور اس میں شک نہیں کہ فرعون ملک (مصر) میں بڑا ہی سرکش (بادشاہ) تھا اور اس میں بھی شک نہیں کہ (ظلم و استبداد میں) بالکل چھوٹ تھا- (۸۳)

اور موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا "لوگو! اگر تم فی الحقیقت اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس کی فرمانبرداری کرنی چاہتے ہو تو چاہیے کہ صرف اسی پر بھروسہ کرو (اور فرعون کی طاقت سے نہ ڈرو)"- (۸۴)

انہوں نے کہا ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا (ہم دعا کرتے ہیں کہ) پروردگار! ہمیں اس ظالم گروہ کے لیے آزمایشوں کا موجب نہ بنائیو (کہ اس کے ظلم و ستم کے مقابلہ میں کمزوری دکھائیں) (۸۵) اور اپنی رحمت سے ایسا کیجیو کہ اس کافر گروہ کے پنجہ سے نجات پا جائیں!" (۸۵) اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی (ہارون) پر وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں مکان بناؤ اور اپنے

⇦ ہو' اسے "حق" کہتے ہیں- اور "باطل" ٹھیک اس کا نقیض ہے- یعنی ایسی بات جو مٹ جانے والی اور باقی نہ رہنے والی ہو- پس قرآن نے سچائی کو حق سے اور انکار کو باطل سے تعبیر کر کے یہ بات واضح کر دی ہے کہ سچائی کا خاصہ ثبوت و قیام ہے اور انکار و سرکشی کے لیے نہ ٹک سکنا اور مٹ جانا ہے- یہی وجہ ہے کہ جا بجا اس طرح کی تعبیرات ہمیں ملتی ہیں کہ خدا حق کو حق کر دے گا اور باطل کو باطل- یعنی حق ثابت و قائم رہ کر اپنی حقانیت آشکار کر دے گا اور باطل نابود ہو کر اپنے بطلان کا ثبوت دے دے گا- مثلاً سورۂ انفال کی آیت (۸) میں گزر چکا ہے- ﴿ ليحق الحق ويبطل الباطل ﴾ اور یہاں بھی آیت (۸۲) میں ایسی ہی تعبیر اختیار کی ہے- یہ تعبیر قرآن کے دقائق براہین میں سے ہے- جس کی تشریح تفسیر سورۂ فاتحہ میں دیکھنی چاہیے-

(۳۹) آیت (۸۳) میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے "ذرية من قومه" سے تعبیر فرمایا ہے- "ذرية" کے اصلی معنی کم سن اولاد کے ہیں' لیکن نسل و اولاد کے معنوں میں مطلقاً بھی بولا جاتا ہے یہاں چونکہ قوم کے ساتھ ذرية کا لفظ آیا ہے اس لیے ضروری ہے کہ لغوی معنوں ہی میں آیا ہو- یعنی قوم بنی اسرائیل کے کم سن افراد-

اس سے معلوم ہوا کہ جب کبھی مقاصد و عزائم کی راہ میں شدائد و محن کا سامان کرنا پڑتا ہے تو قوم کے بڑے بوڑھوں سے بہت کم امید کی جا سکتی ہے- زیادہ تر نئی نسل کے نوجوان ہی آگے بڑھتے ہیں- کیونکہ بڑے بوڑھوں کی ساری زندگیاں ظلم و فساد کی آب و ہوا میں بسر ہو چکتی ہیں- اور محکومی کی حالت میں رہتے رہتے عافیت کوشی کے عادی ہو جاتے ہیں- البتہ نوجوانوں میں نیا دماغ ہوتا ہے' نیا خون ہوتا ہے' نئی امنگیں ہوتی ہیں- انہیں شدائد و محن کا خوف مرعوب نہیں کر دیتا- وہی پہلے قدم اٹھاتے ہیں- پھر تمام قوم ان کے پیچھے چلنے لگتی ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۸۷ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً
وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ
فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝۸۸ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ
الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸۹ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓى اِذَآ
اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۹۰ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ
عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۹۱ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ

مکانوں کو قبلہ رخ تعمیر کرو- نیز (ان میں) نماز قائم کرو اور جو ایمان لائے ہیں' انہیں (کامیابی کی) بشارت دو- (۸۷)

اور موسیٰ نے دعا مانگی "خدایا! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو اس دنیا کی زندگی میں زیب و زینت کی چیزیں اور مال و دولت کی شوکتیں بخشی ہیں تو خدایا! کیا یہ اس لیے ہے کہ تیری راہ سے یہ لوگوں کو بھٹکائیں! خدایا! ان کی دولت زائل کر دے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دے کہ اس وقت تک یقین نہ کریں جب تک عذاب دردناک اپنے سامنے نہ دیکھ لیں!" (۸۸)

اللہ نے فرمایا "میں نے تم دونوں کی دعا قبول کی- تو اب تم (اپنی راہ میں) جم کر کھڑے ہو جاؤ اور ان لوگوں کی پیروی نہ کرو جو (میرا طریق کار) نہیں جانتے" (اور اس لیے صبر نہیں کر سکتے)- (۸۹)

اور پھر ایسا ہوا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا- یہ دیکھ کر فرعون اور اس کے لشکر نے پیچھا کیا- مقصود یہ تھا کہ ظلم و شرارت کریں- لیکن جب حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ فرعون سمندر میں غرق ہونے لگا تو اس وقت پکار اٹھا "میں یقین کرتا ہوں کہ اسی ہستی کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں اور میں بھی اسی کے فرمانبرداروں میں ہوں!" (۹۰)

(ہم نے کہا) "ہاں اب تو ایمان لایا- حالانکہ پہلے برابر نافرمانی کرتا رہا اور تو دنیا کے مفسد انسانوں میں سے ایک (بڑا ہی) مفسد تھا!" (۹۱)

پس آج ہم ایسا کریں گے کہ تیرے جسم کو (سمندر کی موجوں سے) بچا لیں گے' تاکہ ان لوگوں کے لیے جو تیرے

مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسی ہی صورت پیش آئی- فرعون کے قہر و استبداد نے بنی اسرائیل کے بڑے بوڑھوں کی ہمتیں سلب کر دی تھیں- وہ شکر گزار ہونے کی جگہ الٹی شکایتیں کرتے- لیکن نوجوانوں کا یہ حال نہ تھا- ان میں ایک گروہ نکل آیا جس نے حضرت موسیٰ کے احکام کی تعمیل کی-

☆☆ (۴۰) آیت (۹۳) کا مضمون بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے- یعنی مشیت الٰہی کا یہ فیصلہ کہ فرعون کے جسم کو غرق ہونے سے نجات ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ
الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾
فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔـلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾

بعد آنے والے ہیں (قدرت حق کی) ایک نشانی ہو اور اکثر انسان ایسے ہیں جو ہماری نشانیوں کی طرف سے یک قلم غافل رہتے ہیں! (۹۲)
اور ہم نے بنی اسرائیل کو (اپنے وعدہ کے مطابق فلسطین میں) بسنے کا بہت اچھا ٹھکانا دیا تھا اور پاکیزہ چیزوں سے ان کی روزی کا سامان کر دیا تھا۔ پھر جب کبھی انہوں نے (دین حق کے بارے میں) اختلاف کیا تو علم کی روشنی ضرور ان پر نمودار ہو گئی (یعنی ان میں یکے بعد دیگرے نبی مبعوث ہوتے رہے لیکن پھر بھی وہ حقیقت پر متفق نہ ہوئے) قیامت کے دن تمہارا پروردگار ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں باہم اختلاف کرتے رہے ہیں! (یعنی انہیں معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت حال کیا تھی)۔ (۹۳) اور اگر تمہیں اس بات میں کسی طرح کا شک ہو جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو تمہارے زمانے سے پہلے کی کتابیں پڑھتے رہتے ہیں (یعنی اہل کتاب) کہ یقیناً یہ سچائی ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر اتری ہے تو ہرگز ایسا نہ کرنا کہ شک کرنے والوں میں سے ہو جاؤ (۹۴) اور نہ ان لوگوں میں سے جنہوں نے اللہ کی نشانیاں جھٹلائیں اور نتیجہ یہ نکلا کہ نامراد ہوئے! (۹۵)

دی جائے گی تا کہ آنے والی قوموں کے لیے قدرت حق کی نشانی ہو۔ اور اسی لیے قدیم مفسرین کو حل مطلب میں مشکلات پیش آئیں' لیکن اگر دقت نظر سے کام لیا جائے تو مطلب بالکل واضح ہے۔

قدیم مصریوں میں حنوط کا طریقہ رائج تھا۔ یعنی بادشاہوں اور امیروں کی نعشیں ایک خاص طرح کا مسالا لگا کر ایک عرصہ تک کے لیے محفوظ کر دیتے تھے۔ چنانچہ اٹھارویں صدی کے اوائل سے لے کر اس وقت تک بے شمار نعشیں مصر میں نکل چکی ہیں اور دنیا کا کوئی عجائب خانہ نہیں جس کے حصے میں دو چار نعشیں نہ آئی ہوں۔ اس طرح کی نعشوں کے لیے ''ممی'' کا لفظ یونانیوں نے استعمال کیا تھا جو غالباً خود مصریوں ہی کی اصطلاح تھی۔

آیت کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرمایا۔ تو اب موت سے تو نہیں بچ سکتا' لیکن تیرا جسم سمندر کی موجوں سے بچا لیا جائے گا کہ وہ حسب معمول ممی کر کے رکھا جائے اور آنے والی نسلوں کے لیے عبرت و تذکیر کا موجب ہو۔

اگر مصریات (اجپٹالوجیا) کے بعض علماء کی یہ تحقیق درست ہے کہ یہ فرعون رعمسیس ثانی تھا تو اس کا بدن آج تک زائل نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ اس کی ممی نکل آئی ہے اور قاہرہ کے دارالآثار میں صحیح وسالم موجود ہے!

اس سلسلہ میں متعدد امور بحث طلب ہیں جن کے لیے البیان کا انتظار کرنا چاہیے۔

(۴۱) قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ مومنوں سے خطاب مقصود ہوتا ہے لیکن مخاطب پیغمبر اسلام ﷺ کو کرتا ہے۔ مثلاً ﴿ یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء ﴾ (۶۵:۱) پس یہاں بھی آیت (۹۴) میں اگرچہ خطاب پیغمبر اسلام ﷺ سے ہے مگر مقصود مومنوں کی وہ ابتدائی جماعت ہے جو آغاز دعوت کی بے چارگی و مظلومی میں ایمان لائی تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ
الْاَلِیْمَ ﴿۹۷﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْیَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِیْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ
عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِیْنٍ ﴿۹۸﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ
كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا

(اے پیغمبر!) جن لوگوں پر اللہ کا فرمان صادق آ گیا ہے (یعنی اس کا یہ قانون کہ جو آنکھیں بند کر لے گا اسے کچھ نظر نہیں آئے گا) وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ (۹۶) اگر (دنیا جہان کی) ساری نشانیاں بھی ان کے سامنے آ جائیں تب بھی نہ مانیں یہاں تک کہ عذاب دردناک اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں! (۹۷)

پھر کیوں ایسا ہوا کہ قوم یونس کی بستی کے سوا اور کوئی بستی نہ نکلی کہ (نزول عذاب سے پہلے) یقین کر لیتی اور ایمان کی برکتوں سے فائدہ اٹھاتی؟ یونس کی قوم جب ایمان لے آئی تو ہم نے رسوائی کا وہ عذاب اس پر سے ٹال دیا جو دنیا کی زندگی میں پیش آنے والا تھا اور ایک خاص مدت تک سروسامان زندگی سے بہرہ مند ہونے کی مہلت دے دی۔ (۹۸)

اور (اے پیغمبر!) اگر تیرا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے (اور دنیا میں اعتقاد و عمل کا اختلاف باقی ہی نہ رہتا لیکن تو دیکھ رہا ہے کہ اللہ نے ایسا نہیں چاہا' اس کی مشیت یہی ہوئی کہ طرح طرح کی طبیعتیں اور طرح طرح کی استعدادیں ظہور میں آئیں۔ پھر اگر لوگ نہیں مانتے تو) کیا تو ان پر جبر کرے گا کہ جب تک ایمان نہ لاؤ میں چھوڑنے والا نہیں؟ (۹۹) اور (یاد رکھو) کسی جان کے اختیار میں نہیں ہے۔ کہ (کسی بات پر) یقین لے آئے' مگر یہ کہ

☆☆ (۴۲) آیت (۹۸) میں حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کا عبرانی نام ''یوناہ'' تھا جو عربی میں ''یونس'' ہو گیا۔ یہ بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے ہیں اور عہد عتیق کے نوشتوں میں ایک نوشتہ ان کے نام سے بھی ہے۔ اس نوشتہ سے معلوم ہوتا ہے انہوں نے باشندگان نینوا کو خبر دی تھی کہ چالیس دن کے بعد شہر تباہ ہو جائے گا کیونکہ تمہارا ظلم و فساد حد سے گزر گیا ہے۔ یہ سن کر انہوں نے سرکشی نہیں کی بلکہ بادشاہ سے لے کر گدڑیے تک سب توبہ و استغفار میں لگ گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چالیس دن کی مدت گزر گئی مگر موعودہ تباہی ظہور میں نہ آئی۔

فرمایا۔ موعودہ عذاب ان پر سے اس لیے ٹل گیا کہ بات مان لی اور سرکشی نہیں کی۔ اس کے بعد فرمایا۔ ایک خاص مدت تک کے لیے انہیں مہلت دے دی گئی۔ چنانچہ حضرت یوناہ علیہ السلام کے بعد تقریباً ۶۹۰ قبل مسیح میں ان کا ظلم و فساد پھر حد سے گزر گیا اور ایک اور اسرائیلی نبی ناحوم علیہ السلام نامی نے انہیں پیش آنے والی تباہی کی خبر دی۔ اس انذار کے ستر برس بعد اہل بابل نے ان پر حملہ کیا۔ ساتھ ہی دجلہ میں اس زور کا سیلاب آیا کہ نینوا کی مشہور عالم چار دیواری جا بجا سے گر گئی اور حملہ آوروں کے لیے کوئی روک باقی نہ رہی۔ چنانچہ اشوری تمدن کا یہ مرکز اس طرح نابود ہوا کہ ۲۰۰ قبل مسیح میں اس کا جائے وقوع بھی لوگوں کو معلوم نہ تھا جیسا کہ اس عہد کے ایک یونانی مورخ نے تصریح کی ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اہل مکہ انکار و سرکشی کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تمہیں غور کرنا چاہیے کہ کتنے ہی رسول عرب کے قرب و جوار میں آئے لیکن قوم یونس کے سوا کوئی قوم نہ نکلی جس نے داعی حق کی بات فوراً مان لی ہو اور عذاب اس ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا

اللہ کے حکم سے (یعنی اللہ نے اس بارے میں جو قانون طبیعت بنا دیا ہے اس کے اندر رہ کر- اس سے باہر کوئی نہیں جا سکتا) اور (اس کا قانون ہے کہ) وہ ان لوگوں کو (محرومی وشقاوت کی) گندگی میں چھوڑ دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے! (۱۰۰)

(اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو ''جو کچھ آسمان میں (تمہارے اوپر) اور جو کچھ زمین میں (تمہارے چاروں طرف) ہے اس سب پر نظر ڈالو (اور دیکھو وہ زبان حال سے کس حقیقت کی شہادت دے رہے ہیں؟)'' لیکن جو لوگ یقین نہیں رکھتے ان کے لیے نہ تو (قدرت کی) نشانیاں ہی کچھ سودمند ہیں نہ (ہوشیار کرنے والوں کی) تنبیہیں! (۱۰۱) پھر اگر یہ لوگ منتظر ہیں تو ان کا انتظار اس بات کے سوا اور کس بات کے لیے ہو سکتا ہے کہ جیسے کچھ (عذاب کے) دن ان سے پہلے لوگوں پر گزر چکے ہیں ویسے ہی ان پر بھی آ موجود ہوں- تو تم کہہ دو ''اچھا' انتظار کرو- میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں!'' (۱۰۲) پھر (جب عذاب کی گھڑی آ جاتی ہے تو ہمارا قانون ہے کہ) اپنے رسولوں کو اور

⇦ پر سے ٹل گیا ہو- پھر اگر اکثر حالتوں میں ایسا ہی ہوا ہے تو موجودہ حالت پر تعجب و مایوسی کیوں ہو؟

(۴۳) قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ انسانی طبیعت واستعداد کا اختلاف فطری ہے اور خدا کی مشیت یہی ہوئی کہ یہ اختلاف ظہور میں آئے- اگر وہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طرح کی طبیعت' ایک ہی طرح کی استعداد' ایک ہی طرح کی فکری وعملی حالت پر مجبور کر دیتا مگر اس نے ایسا نہیں چاہا- اس کی حکمت کا یہی فیصلہ ہوا کہ انسان میں ہر طرح کی حالت پیدا کرنے کی استعداد ہو اور ہر طرح کی راہ اس کے آگے کھول دی جائے- وہ اگر اونچا ہونا چاہے تو زیادہ سے زیادہ اونچا ہو سکے- پست ہونا چاہے تو زیادہ سے زیادہ پستی میں گر سکے- اسی تنوع استعداد کا نتیجہ ہے کہ فکر وعمل کے ہر گوشے میں مختلف حالتیں پیدا ہو گئیں- ایک فرد و جماعت کا ذوق ایک طرح کا ہوا' دوسرے کا دوسری طرح کا- ایک کی سمجھ ایک طرف گئی' دوسرے کی دوسری طرف- ایک نے ایک راہ پسند کی کہ حق ہے- دوسرے نے اس سے انکار کیا کہ حق نہیں! اور پھر اسی اختلاف فکر وعمل نے ہدایت وسعادت اور ضلالت وشقاوت کی وہ کشمکش پیدا کر دی جسے قرآن ''آزمائش حیات'' سے تعبیر کرتا ہے کہ ﴿ لیبلوکم ایکم احسن عملا ﴾ (۲:۶۷) وہ تمہیں کشمکش حیات کی آزمایش میں ڈالتا ہے تا کہ کھل جائے تم میں کون ہے جس کے اعمال سب سے زیادہ بہتر ہوتے ہیں- کیونکہ اس کشمکش میں کامیاب وہی ہوگا جو اپنے عمل میں احسن وانفع ہوگا-

یہاں آیت (۹۹) میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اور غور کرو- کتنے مختصر لفظوں میں کتنی عظیم الشان بات کہہ دی ہے؟ فرمایا- فکر واستعداد کا اختلاف یہاں ناگزیر ہے اور ایمان کوئی ایسی چیز نہیں کہ زور زبردستی سے کسی کے اندر ٹھونس دی جائے- یہ تو اسی کے اندر پیدا ہوگا جس میں فہم وقبول کی استعداد ہے- پھر اگر تم پر یہ بات شاق گزر رہی ہے کہ کیوں لوگ مان نہیں لیتے تو کیا تم لوگوں پر جبر کرو گے کہ نہیں' تمہیں ضرور مان ہی لینا چاہیے؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ
اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ
مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ

ع ۱۱ ۱۵

مومنوں کو اس سے بچا لیتے ہیں- اسی طرح ہم نے اپنے اوپر ضروری ٹھہرا لیا ہے کہ مومنوں کو بچا لیا کریں! (۱۰۳)

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو "اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی طرح کے شبہ میں ہو تو میں بتلا دیتا ہوں کہ میرا طریقہ کیا ہے- تم اللہ کے سوا جن ہستیوں کی بندگی کرتے ہو میں ان کی بندگی نہیں کرتا- میں تو اللہ کی بندگی کرتا ہوں جس کے قبضہ میں تمہاری زندگی ہے اور جس کے حکم سے تم پر موت طاری ہوتی ہے- اور مجھے اسی کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ مومنوں کے زمرے میں رہوں" (۱۰۴)

"اور نیز مجھے کہا گیا ہے کہ ہر طرف سے ہٹ کر اپنا رخ اللہ کے دین کی طرف کر لے اور ایسا ہرگز نہ کیجیو کہ شرک کرنے والوں میں سے ہو جائے!" (۱۰۵)

"اور (مجھے حکم دیا ہے کہ) اللہ کے سوا کسی کو نہ پکار- اس کے سوا جو کوئی ہے وہ نہ تو فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان- اگر تو نے ایسا کیا تو پھر یقیناً تو بھی ظلم کرنے والوں میں گنا جائے گا!" (۱۰۶)

"اور اگر اللہ کے حکم سے تجھے کوئی دکھ پہنچے تو جان لے کہ اسے دور کرنے والا کوئی نہیں مگر اسی کی ذات- اگر وہ تجھے کسی طرح کی خوبی بخشنی چاہے تو جان لے کہ کوئی نہیں جو اس کا فضل روک سکے- وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل کر دے- وہ بخشنے والا رحمت والا ہے!" (۱۰۷)

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہہ دو کہ "اے لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے سچائی تمہارے پاس آ گئی ہے-

---

اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ قرآن کے نزدیک دین و ایمان کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں جبر و اکراہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا- کیونکہ جبر و اکراہ کی صورت کا ذکر ایک ان ہونی اور ناکردنی بات کی طرح کیا گیا ہے- سورۂ بقرہ کی آیت (۲۵۶) اس بارے میں قرآن کا مقررہ قانون ہے کہ ﴿ لا اكراه في الدين ﴾

(۴۴) آیت (۱۰۴) کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے میری دعوت دین کی حقیقت ٹھیک نہیں سمجھی ہے اور اس وہم میں مبتلا ہو کہ شاید تمہارے مطلب کی باتیں بھی تھوڑی بہت مان لوں تو یہ وہم اپنے دماغ سے نکال دو- میرا اعلان صاف صاف یہ ہے کہ میں تمہارے گھڑے ہوئے معبودوں کو نہیں مانتا- صرف پروردگار عالم کی عبادت کرتا اور اسی کی طرف سے دعوت دینے پر مامور ہوں- اب اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد جو کچھ تمہارے جی میں آئے کرو- میری راہ میرے لیے ہے تمہاری تمہارے لیے اور فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے!

☆☆ (۴۵) قرآن حکیم میں تم جا بجا اس طرح کا اعلان پاؤ گے جیسا کہ آیت (۱۰۸) میں ہے- اس نے پچھلے نبیوں کے جو مواعظ ⇦

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

پس جو ہدایت کی راہ اختیار کرے گا تو اپنے ہی بھلے کے لیے کرے گا اور جو بھٹکے گا تو اس کی گمراہی اسی کے آگے آئے گی- میں تم پر نگہبان نہیں ہوں (کہ زبردستی کسی راہ میں گھسیٹ لے جاؤں اور پھر اس سے نکلنے نہ دوں)'' (۱۰۸)

(اے پیغمبر!) جو کچھ تم پر وحی کی جاتی ہے اس پر چلتے رہو اور اپنی راہ میں جمے رہو- یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے! (۱۰۹)

⇦ نقل کیے ہیں ان میں بھی ہر جگہ ایسی ہی بات پائی جاتی ہے- یعنی مذہبی صداقت کی دعوت کا معاملہ سرتا سر سمجھنے بوجھنے اور سمجھ بوجھ کر اختیار کر لینے کا معاملہ ہے- اس میں نہ تو کسی طرح کی زبردستی ہے نہ کسی طرح کا لڑائی جھگڑا- تمہاری بھلائی کے لیے ایک بات کہی گئی ہے- اگر سمجھ میں آ جائے تو مان لو- نہ آئے تو نہ مانو- تمہاری راہ تمہارے لیے- ہماری راہ ہمارے لیے- اگر مان لو گے تو اپنا ہی بھلا کرو گے- نہ مانو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے- ہر شخص اپنے نفس کا مختار ہے- چاہے بھلائی کی راہ چلے اور بھلائی کمائے- چاہے برائی کی چال چلے اور برائی کمائے- اگر کوئی بھلائی کی راہ چلے گا تو کسی دوسرے کو کچھ نہیں دے دے گا کہ وہ اس کے پیچھے پڑ جائے- اگر برائی کی چال چلے گا تو کسی دوسرے کا نقصان نہیں کر دے گا کہ وہ اس سے بگڑنے لگے- اپنی اپنی راہ ہے اور اپنی اپنی کمائی: ﴿ من عمل صالحا فلنفسه ومن اساء فعليها وما ربك بظلام للعبيد ﴾ (۴۱:۴۶)

تذکیر و توکیل:

ساتھ ہی واضح کر دیا کہ داعی حق کی حیثیت کیا ہے: وما انا عليكم بوكيل - میں داعی اور مذکر ہوں- کچھ تم پر وکیل نہیں بنایا گیا ہوں- یعنی میرا کام یہ ہے کہ نصیحت کی بات سمجھا دوں- یہ نہیں ہے کہ نگہبان بن کر تم پر مسلط ہو جاؤں اور سمجھوں مجھے تمہاری ہدایت کی ٹھیکیداری مل گئی ہے- دوسری جگہ پیغمبر اسلام ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے یہی مطلب یوں ادا کیا ہے کہ ﴿ وما انت عليهم بجبار ﴾ (۵۰:۴۵) تو ان لوگوں پر ایک حاکم جابر کی طرح مسلط نہیں ہے کہ جبراً و قہراً بات منوا دے- نیز فرمایا: ﴿ لست عليهم بمصيطر ﴾ (۸۸:۲۲) تجھے ان لوگوں پر داروغہ بنا کر نہیں بٹھا دیا ہے کہ مانیں یا نہ مانیں لیکن تو انہیں راہ حق پر چلانے کا ذمہ دار ہو-

نیز جا بجا مختلف پیرایوں میں یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ پیغمبر کا مقام اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ سچائی کی پکار بلند کرنے والا ہے' پیام حق پہنچا دینے والا ہے' نصیحت کی بات سمجھا دینے والا ہے' ایمان و عمل کے نتائج کی خوش خبری دیتا اور انکار و بدعملی کے نتائج سے خبردار کر دیتا ہے- اس سے زیادہ اس کے سر کوئی ذمہ داری نہیں-

غور کرو- اس سے زیادہ صاف' بے لاگ اور امن و سلامتی کی کوئی راہ ہو سکتی ہے؟ اور اگر دنیا نے دعوت حق کی یہ روح سمجھ لی ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ کوئی انسان دوسرے انسان سے محض اختلاف اعتقاد و عمل کی بنا پر لڑتا؟ لیکن مصیبت یہ ہے کہ انسان کے ظلم و سرکشی نے کبھی اس حقیقت کا اعتراف نہیں کیا اور یہی بات ساری نزاعوں کی بنیاد بن گئی- قرآن نے پچھلی دعوتوں کی جس قدر سرگزشتیں بیان کی ہیں انہیں جا بجا پڑھو- ہر جگہ دیکھو گے کہ بنائے نزاع یہی تھی- خدا کے رسولوں کا ہمیشہ اعلان یہی ہوا کہ ہم نصیحت کرنے والے ہیں- ماننا نہ ماننا تمہارا کام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے- اگر نہیں مانتے تو تم اپنی راہ چلو- ہمیں اپنی راہ چلنے دو اور دیکھو نتیجہ کیا نکلتا ہے- لیکن ان کے منکر کہتے تھے کہ نہیں نہ تو ہم تمہاری بات مانیں گے نہ تمہیں تمہاری راہ چلنے دیں گے- سورۂ اعراف کی آیت (۸۸) میں حضرت شعیب علیہ السلام کی سرگزشت گزر چکی ہے- جب ان کی قوم کے سرکشوں نے کہا ''اگر تم اور تمہارے ساتھی ہماری ملت میں پھر لوٹ نہ آئے تو ہم ضرور تمہیں اپنی بستی سے جلا وطن کر دیں گے'' تو انہوں نے جواب میں کہا ''اولو کنا کارھین ؟'' اگر تمہارے مذہب پر ہمارا دل مطمئن نہ ہو تو کیا جبراً اسے مان لیں؟

اسلام اور اس کے منکروں میں جو نزاع شروع ہوئی وہ بھی تمام تر یہی تھی- قرآن کہتا تھا- میری راہ تبلیغ و تذکیر کی ہے- مخالف کہتے تھے- ہماری راہ جبر و تشدد کی ہے- قرآن کہتا تھا اگر میری بات سمجھ میں آئے تو مان لو- نہ سمجھ میں آئے تو ماننے والوں کو ان کی راہ چلنے دو- وہ کہتے تھے- ہماری بات تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے تمہیں ماننی ہی چاہیے- نہیں مانو گے تو جبراً منوائیں گے-

حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے اس آیت میں اور اس کی ہم معنی آیات میں جو بات کہہ دی ہے اگر دنیا اسے سمجھ لیتی تو نوع انسانی کی وہ تمام خوں ریزیاں جو فکر و عمل کے اختلاف سے پیدا ہوئیں یک قلم ختم ہو جاتیں اور آج کل بھی جس قدر جھگڑے ہو رہے ہیں وہ سب ختم ہو جائیں- غور کرو سارے جھگڑوں کی اصلی بنا کیا ہے؟ یہی ہے کہ لوگ ''تذکیر'' اور ''توکیل'' میں فرق نہیں کرتے اور قرآن کہتا ہے دونوں میں فرق کرو- تذکیر کی راہ یہ ہوئی کہ جو بات ٹھیک سمجھتے ہو اس کی دوسروں کو بھی ترغیب دو مگر صرف ترغیب دو- اس سے آگے نہ بڑھو- یعنی یہ بات نہ بھول جاؤ کہ پسند کرنے نہ کرنے کا حق دوسروں کو ہے- تم اس کے لیے ذمہ دار نہیں ہو- ''توکیل'' یہ ہوئی کہ ڈنڈا لے کر کھڑے ہو جاؤ اور جو کوئی تم سے متفق نہ ہو اس کے پیچھے پڑ جاؤ- گویا خدا نے تمہیں لوگوں کی ہدایت و گمراہی کا ٹھیکیدار بنا دیا ہے- جب قرآن صاف صاف کہتا ہے کہ خدا کے رسولوں کا منصب بھی تذکیر و تبلیغ کے اندر محدود تھا حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے مامور تھے تو پھر ظاہر ہے کسی دوسرے انسان کے لیے وہ کب گوارا کر سکتا ہے کہ وکیل مصیطر اور جبار بن جائے؟

دراصل اعمال انسانی کے تمام گوشوں میں اصلی سوال حدود ہی کا ہے اور ہر جگہ انسان نے اسی میں ٹھوکر کھائی ہے- یعنی ہر بات کی جو حد ہے اس کے اندر نہیں رہنا چاہتا- دو حق ہیں اور دونوں کو اپنی اپنی حدوں کے اندر رہنا چاہیے- ایک حق تذکیر و تبلیغ کا ہے- ایک پسند و قبولیت کا- ہر انسان کو اس کا حق ہے کہ جس بات کو درست سمجھتا ہے اسے دوسروں کو بھی سجھائے لیکن اس کا حق نہیں ہے کہ دوسروں کے حق سے انکار کر دے- یعنی یہ بات بھلا دے کہ جس طرح اسے ایک بات کے ماننے نہ ماننے کا حق ہے- ویسا ہی دوسرے کو بھی ماننے نہ ماننے کا حق ہے- اور ایک فرد دوسرے کے لیے ذمہ دار نہیں-

ہم نے یہاں جس بات کو ''حق'' سے تعبیر کیا ہے' قرآن اسے ہر انسان کا ''فرض'' قرار دیتا ہے- یعنی وہ کہتا ہے جس بات کو تم سچ سمجھتے ہو تمہارا فرض ہے کہ اسے دوسروں تک بھی پہنچاؤ- اگر اس میں کوتاہی کرو گے تو خدا کے آگے جوابدہ ہو گے- لیکن ساتھ ہی یاد رکھو کہ فرض تذکیر و تبلیغ کا ہے- توکیل و اجبار کا نہیں ہے' اور جوابدہی اس میں ہے کہ تم نے تبلیغ کی یا نہیں- اس میں نہیں ہے کہ دوسروں نے مانا یا نہیں مانا- سورۂ اعراف کی آیت (۱۶۴) میں پڑھ چکے ہو کہ جو لوگ اصحاب سبت کو نصیحت کرتے تھے انہوں نے کہا تھا ''معذرۃ الی ربکم ولعلھم یتقون'' ہم جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی سرکشی حد سے گزر چکی ہے لیکن یہ جاننے پر بھی نصیحت کیے جاتے ہیں- تاکہ خدا کے سامنے کہہ سکیں ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا اور اس خیال سے بھی کہ کون جانتا ہے؟ شاید باز آ جائیں-

غور کرو قرآن نے کس درجہ صحت و عدالت کے ساتھ معاملہ کے دونوں پہلوؤں کی حفاظت کی ہے اور پھر ان کی حد بندیوں کا خط کھینچ دیا ہے؟ اس نے ایک طرف تذکیر و دعوت پر زور دیا تاکہ حق کی طلب و قیام کی روح افسردہ نہ ہو- دوسری طرف انسان کی شخصی آزادی بھی محفوظ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دی کہ جبر و تشدد بے جا مداخلت نہ کر سکے- حد بندی کا یہی خط ہے جو یہاں صحت و اعتدال کی حالت قائم رکھتا ہے- اسے اپنی جگہ سے ادھر ادھر کر دو دونوں میں سے کوئی بات ضرور غلط ہو جائے گی- اگر دعوت و تذکیر کا قدم آگے بڑھے گا' اعتقاد و فکر کی شخصی آزادی باقی نہیں رہے گی- اگر شخصی آزادی کے مطالبہ میں بڑھ جاؤ گے- حق و عدالت کے طلب و قیام کا نظم مختل ہو جائے گا-

قرآن کی بہت سی باتوں کی طرح اس بات کے سمجھنے میں بھی دنیا نے بہت دیر لگائی اور تاریخ کو بارہ صدیوں تک اس بات کا انتظار کرنا پڑا کہ ایک انسان دوسرے انسان کو محض اختلاف عقائد کی پر ذبح نہ کرے اور اتنی بات سمجھ لے کہ ''تذکیر'' اور ''توکیل'' میں فرق ہے- اب ڈیڑھ سو برس سے یہ بات دنیا کے عقلی مسلمات میں سے سمجھی جاتی ہے لیکن اسے معلوم نہیں کہ اس کے اعلان کی تاریخ امریکہ اور فرانس کے اعلان حقوق انسانی سے شروع نہیں ہوئی ہے- اس سے بارہ سو برس پہلے شروع ہو چکی تھی-

(۵) مسلمانوں نے بھی قرآن کی یہ تعلیم پس پشت ڈال دی- اگر انہوں نے یہ بات نہ بھلائی ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ مختلف مذہبی فرقہ بندیاں پیدا ہوتیں اور ہر فرقہ دوسرے فرقہ سے محض اختلاف عقائد کی بنا پر دست و گریباں ہو جاتا-

(۴۶) اس سورت کے بعض مقامات کی ضروری تشریحات رہ گئی ہیں- وہ یہاں درج کر دی جاتی ہیں:

(۱) کائنات کا چھ ایام میں پیدا ہونا:

آیت (۳) میں فرمایا تمہارا پروردگار وہی ہے جس نے آسمان و زمین چھ ایام میں بنائے- یہی بات سورۂ اعراف کی آیت (۵۴) میں گزر چکی ہے اور اس کے نوٹ میں چھ ''ایام'' کا مطلب واضح کر دیا گیا ہے- یہاں ہم چاہتے ہیں وہ تمام اشارات جمع دیں جو آسمان و زمین کی ابتدائی پیدائش کے بارے میں جا بجا کیے گئے ہیں:

(۱) آسمان و زمین کی پیدائش ایک ایسے مادہ سے ہوئی ہے جسے قرآن ''دخان'' کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے: ﴿ ثم استوی الی السماء وھی دخان ﴾ (۴۱:۱۱) ''دخان'' کے معنی دھوئیں کے ہیں- یا ایسی بھاپ کے جو اوپر چڑھی ہوئی ہو-

(۲) یہ مادۂ دخانیہ ابتدا میں ملا ہوا تھا- الگ الگ نہ تھا- پھر اس کے مختلف حصے ایک دوسرے سے جدا کر دیے گئے اور ان سے اجرام سماویہ کی پیدائش ظہور میں آئی: ﴿ ان السماوات والارض کانتا رتقا' ففتقناھما ﴾ (۲۱:۳۰)

(۳) یہ تمام کائنات بیک دفعہ ظہور میں نہیں آ گئی- بلکہ تخلیق کے مختلف دور یکے بعد دیگرے طاری ہوئے- یہ دور چھ تھے جیسا کہ آیت زیر بحث میں ہے-

(۴) سات ستاروں کی تکمیل دو دوروں میں ہوئی: ﴿ فقضاھن سبع سماوات فی یومین (۴۱:۱۲)

(۵) زمین کی پیدائش دو دوروں میں ہوئی: قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون له اندادا' ذلك رب العالمین ﴾ (۴۱:۹)

(۶) زمین کی سطح کی درستی اور پہاڑوں کی نمود اور قوت نشوونما کی تکمیل بھی دو دوروں میں ہوئی' اور اس طرح یہ چار دور ہوئے:

﴿ وجعل فیھا رواسی من فوقھا' وبارك فیھا' و قدرفیھا اقواتھا فی اربعة ایام سواء للسائلین ﴾ (۴۱:۱۰)

(۷) تمام اجسام حیہ (یعنی نباتات و حیوانات) کی پیدائش پانی سے ہوئی: ﴿ و جعلنا من الماء کل شی حی ﴾ (۲۱:۳۰)

(۸) انسان کے وجود پر بھی یکے بعد دیگرے مختلف حالتیں گزری ہیں: ﴿ وخلقکم اطوارا ﴾ (۷۱:۱۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان تمام اشارات کا ماحصل بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں مادۂ دخانی تھا- پھر اس میں انقسام ہوا- یعنی بہت سے ٹکڑے ہو گئے- پھر ہر ٹکڑے نے ایک کرہ کی شکل اختیار کر لی اور اسی کے ایک ٹکڑے سے زمین بنی- پھر زمین میں کوئی ایسی تبدیلی واقع ہوئی کہ دخانیت نے مائیت کی شکل اختیار کر لی- یعنی پانی پیدا ہو گیا- پھر خشکی کے قطعات درست ہوئے- پھر پہاڑوں کے سلسلے نمایاں ہوئے- پھر زندگی کا نمو شروع ہوا اور نباتات ظہور میں آ گئیں-

موجودہ زمانہ میں اجرام سماویہ کی ابتدائی تخلیق اور کرۂ ارضی کی ابتدائی نشو ونما کے جو نظریے تسلیم کر لیے گئے ہیں یہ اشارات بظاہر ان کی تائید کرتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ان بنیادوں پر شرح و تفصیل کی بڑی بڑی عمارتیں اٹھا سکتے ہیں- لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا صحیح نہ ہوگا- یہ نظریے کتنے ہی مستند تسلیم کر لیے گئے ہوں لیکن پھر نظریے ہیں- اور نظریات جزم و یقین کے ساتھ حقیقت کا فیصلہ نہیں کر سکتے - پھر اس سے کیا فائدہ کہ ان کی روشنی میں قرآن کے مجمل اور محتمل اشارات کی تفسیر کی جائے- فرض کرو آج ہم نے دخان اور دخان کے انقسام کا مطلب اسی روشنی میں آراستہ کر دیا جو وقت کے نظریوں میں تسلیم کیا جاتا ہے لیکن کل کو کیا کریں گے اگر ان نظریوں کی جگہ دوسرے نظریے پیدا ہو گئے؟ صاف بات یہی ہے کہ یہ معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کی حقیقت ہم اپنے علم و ادراک کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتے اور قرآن کا مقصود ان اشارات سے تخلیق عالم کی شرح و تحقیق نہیں ہے- خدا کی قدرت و حکمت کی طرف انسان کو توجہ دلانا ہے-

یاد رہے کہ پیدائش عالم کے بارے میں مفسرین نے بہت سی روایات نقل کر دی ہیں جن کی صحت ثابت نہیں اور جو تمام تر یہودیوں کے قصص و روایات سے ماخوذ ہیں- صحیح مسلم کی حدیث "خلق الله التربة يوم السبت..... الخ" کی نسبت بھی محققین نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ اس کا رفع مشکوک ہے اور غالباً کعب احبار سے مروی ہے- حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں اقوال جمع کر دیے ہیں-

(ب) منازل قمر:

آیت (۵) میں فرمایا ﴿ وقدره منازل ﴾ یعنی چاند کے لیے یکے بعد دیگرے وارد ہونے کی منزلیں اندازہ کر کے ٹھہرا دیں- سورۂ یاسین کی آیت (۳۹) میں بھی ان منزلوں کی طرف اشارہ کیا ہے: ﴿ والقمر قدرنه منازل حتى عاد كالعرجون القديم ﴾ پس مختصراً ان منازل کا مطلب سمجھ لینا چاہیے-

چاند زمین کے گرد گردش میں رہتا ہے اور اپنی گردش کے فلک کو ۲۷ دن ۷ گھنٹوں اور ۴۳ منٹوں میں قطع کر لیتا ہے- اس دور کو علمائے ہیئت چاند کے نجومی دور سے یا نجومی مہینے سے تعبیر کرتے ہیں- کیونکہ اس دور کے ختم ہونے پر چاند پھر اسی ستارہ کے قریب دکھائی دیتا ہے جس کے پاس سے اس کی گردش شروع ہوئی تھی- نیز اپنی گردش کی ہر رات میں کسی نہ کسی ستارہ یا ستاروں کے مجموعہ کے پاس ضرور پہنچ جاتا ہے اور وہ گویا اس کی گردش کے لیے ہر روز کی ایک منزل بن گیا ہے- وہ ہمیشہ ایک خاص منزل سے سفر شروع کرتا ہے، ہر روز کی مقررہ منزل میں نمایاں ہوتا ہے اور پھر وہیں پہنچ جاتا ہے جہاں سے زمین کا طواف شروع کیا تھا-

اس طرح ۲۷ دن اور ۷ گھنٹے کی مدت نے ۲۸ منزلیں بنا دیں- جب ہم ۳۶۰ کے درجوں کو (جو کامل دور کی مقررہ مقدار ہے) ۲۸ راتوں پر تقسیم کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ چاند ہر روز تقریباً ۱۳ درجہ مسافت اپنے فلک کی طے کر لیا کرتا ہے- "تقریباً" اس لیے کہا گیا کہ حساب میں کچھ دقیقے زیادہ ہوتے ہیں-

انسان کی نگاہ کے لیے آسمان کی کوئی چیز بھی اس درجہ نمایاں اور پرکشش نہیں جس قدر سورج اور چاند کا طلوع و غروب ہے- کیونکہ انہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوستاروں نے بغیر کسی کاوش اور پیچیدگی کے اسے اوقات شماری کا راز بتلا دیا- اس نے دیکھا کہ سورج نکلتا ہے اور پھر گھٹتے گھٹتے چھپ جاتا ہے- پس اسے یہ اندازہ مقرر کر لینے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی کہ یہ ایک معین وقت ہے جس میں کبھی خلل واقع نہیں ہو سکتا اور اسے ایک دن ٹھہرا لینا چاہیے- پھر اس نے چاند کو دیکھا اور فوراً معلوم کر لیا کہ اس کے طلوع وغروب کا بھی ایک خاص اندازہ مقرر ہے' وہ ایک خاص زمانہ تک دکھائی دیتا ہے پھر غائب ہو جاتا ہے اور پھر نمایاں ہو کر بڑھنے گھٹنے لگتا ہے- پس اوقات شماری کا دوسرا اندازہ بھی اسے معلوم ہو گیا اور اس نے چاند کے چھپنے اور نکلنے کی مدت کو مہینہ ٹھہرا دیا- یہی مطالعہ جب آگے بڑھا تو معلوم ہوا ہر رات چاند آسمان کے کسی نہ کسی ستارہ کے پاس دکھائی دیتا ہے اور یہ نظارہ ایسا ہے جس میں کبھی فرق نہیں پڑتا- پس ان ستاروں سے اس کی روزانہ منزلیں بن گئیں اور ہر منزل کے لیے کسی خاص مناسبت سے ایک نام تجویز کر دیا گیا-

معلوم ہوتا ہے مطالعہ اور ضرورت کی یکساں حالت نے مختلف قوموں کو اس نتیجہ تک پہنچا دیا تھا- چنانچہ ہندوستان میں ان منازل کے لیے پنچھتر کا لفظ اختیار کیا گیا' اور ستائیس پنچھتر قرار دیے گئے جو ''اسونی'' سے شروع ہوتے اور ''ریوتی'' پر ختم ہوتے ہیں- چینیوں نے بھی اٹھائیس منزلیں بنائی تھیں اور اسے ''سیو'' [1] کہتے تھے- بابل واشور کے باشندوں نے شاید سب سے پہلے اس کا سراغ لگایا- اور مجوسیوں کی ایک مذہبی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی بھی اس سے بے خبر نہ تھے- [2]

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عرب جاہلیت نے مجاور قوموں سے یہ حساب معلوم کیا یا بطور خود اس نتیجہ تک پہنچے تھے لیکن یہ قاعدہ ان میں رائج ضرور تھا اور اسے چاند کی منزلوں سے تعبیر کرتے تھے- حکمائے اسلام نے ان منزلوں کو بطلیموس کے نقشہ مندرجہ مجسطی سے تطبیق دی تھی [3] اور علمائے یورپ نے زمانہ حال کے اسماء وعلائم سے تطبیق دی ہے- ان منزلوں کے عربی نام حسب ذیل ہیں:

الشرطان- البطین- الثریا- الدبران- الهقعه- الهنعه- الذراع- النثره- الطرف- الجبهه- الزُّهره- الصرفه- العوّاء- السماك الاعزل- الغفر- الزُّبانی- الإكليل- القلب- الشوله- النعائم- البلده- سعدُ الذابح- سعدبلع- سعدالسعود- سعدالاخبیه- الفرغ الاول- الفرغ الثانی- بطن الحوت-

الفرغ الاول اور ثانی کے لیے فرغ الدلو المقدم اور فرغ الدلو الموخر کے نام بھی ملتے ہیں' او بطن الحوت کو الرشاء بھی کہتے ہیں-

(ج) قرآن اور آخرت کی زندگی:

ادیان عالم کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی اسی دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی- اس کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور اس زندگی میں جیسے کچھ اعمال ہوں گے ویسے ہی نتائج دوسری زندگی میں پیش آئیں گے- قرآن میں بھی ایمان باللہ کا ایک بنیادی عقیدہ یہی مسئلہ ہے- البتہ اس نے جو تعبیر اختیار کی ہے وہ پیروان مذاہب کے عام تصور سے مختلف ہے- وہ اس گوشہ کو کائنات ہستی کے عالمگیر قوانین خلقت سے الگ نہیں قرار دیتا بلکہ اسی کے ماتحت لاتا ہے- وہ کہتا ہے جس طرح دنیا میں ہر چیز کے خواص اور ہر حادثہ کے نتائج ہیں- ٹھیک اسی طرح انسانی اعمال کے بھی خواص ونتائج ہیں اور یہاں مادیات کی طرح معنویات کے قوانین بھی کام کر رہے ہیں- پس اچھے عمل کا

---

[1] لاطینی حروف میں اسے یوں ادا کیا ہے: Siu [2] یعنی کتاب ''بون دہش'' جو ان کتابوں میں سے ہے جو ہندوستان کے پارسیوں سے دستیاب ہوئیں-

[3] عبدالرحمٰن الصوفی نے کتاب الکواکب والصور میں اور بیرونی نے آثار الباقیہ میں انہیں ضبط کیا ہے- قزوینی کی عجائب المخلوقات میں بھی اس کی تفصیل ملتی ہے لیکن ناقص ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نتیجہ اچھائی ہوگا - برے عمل کا نتیجہ برائی - (اس مقام کی تفصیل تفسیر سورۂ فاتحہ کے مبحث ''الدین'' میں گزر چکی ہے)-

یہ اچھے برے نتائج کس شکل میں پیش آئیں گے؟ قرآن کہتا ہے نیک عمل انسان اصحاب جنت ہیں- ان کے لیے بہشتی زندگی کی خوشحالیاں ہوں گی اور لقائے الٰہی کی دائمی نعمت- بدعمل انسان اصحاب دوزخ ہیں- ان کے لیے دوزخی زندگی کی بدحالیاں ہوں گی اور نعمت اخروی سے محرومی- پھر دونوں طرح کی زندگیوں کے احوال وواردات ہیں جنہیں جابجا مختلف اسلوبوں میں بیان کیا گیا ہے-

یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

اس بارے میں ہم اپنی عقل سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے - کیونکہ یہ عالم ہمارے ادراک کی سرحد سے باہر ہے- جس مقام کا ہم ادراک نہیں کر سکتے وہاں کے حالات کی نسبت حکم کیسے لگائیں؟ اگر لگائیں گے تو یہ ظن وگمان ہوگا اور ظن سے یقین پیدا نہیں ہو سکتا-

لیکن پھر اس پر ہم یقین کیوں کریں؟

اس لیے کہ ہم وجدانی طور پر محسوس کرتے ہیں کہ سرحد محسوسات سے ماورا بھی ایک حقیقت موجود ہے اور اگر اس حقیقت سے انکار کر دیں تو کائنات ہستی کے مسئلہ کا کوئی حل باقی نہیں رہتا اور خود ہماری عقل کہتی ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے-

ہم دیکھتے ہیں کہ اگر اللہ کی ہستی اور آخرت کی زندگی کا مبدء تسلیم نہیں کیا جاتا تو مسئلہ ہستی کے سارے سوالات لاینحل ہو جاتے ہیں لیکن جونہی یہ نقطہ تسلیم کر لیا جاتا ہے معاً سارے سوالات حل ہو جاتے ہیں اور مجہولیت کی تاریکی کی جگہ عرفان وبصیرت کی روشنی ہر طرف نمایاں ہو جاتی ہے- پس ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ نقطہ بناوٹی نہیں ہے حقیقی ہے-

البتہ ایک بات بالکل واضح ہے- جب ہم عالم آخرت کے احوال وواردات سنتے ہیں تو قدرتی طور پر ان کی وہی شکل سامنے آ جاتی ہے جو اس زندگی کی محسوسات کے لحاظ سے ہو سکتی ہے- لیکن خود قرآن وسنت کی تصریحات نے ہمیں بتلا دیا ہے کہ عالم آخرت کی باتوں کو اس دنیا کی باتوں کی طرح نہیں سمجھنا چاہیے- مثلاً جب ہم سنتے ہیں کہ جہنم میں آگ ہوگی اور بہشت سے مقصود باغ ہے تو ہمارے سامنے آگ کی وہی شکل آ جاتی ہے جو ہمارے چولھوں میں جلا کرتی ہے اور باغ کا وہی نقشہ کھنچ جاتا ہے جو اپنے مکان کے صحنوں میں اگایا کرتے ہیں- حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ عالم آخرت کی آگ اس دنیا کی آگ کی طرح نہیں ہو سکتی' اور نہ وہاں کے باغ وچمن ہمارے لگائے ہوئے باغوں کی طرح ہوں گے- سورۂ سجدہ کی آیت (۱۷) میں ہے: ﴿ فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین جزاء بما کانوا یعملون ﴾ کوئی جان نہیں جانتی کہ اس کی نیک عملیوں کی جزا میں نگاہ کا کیسا سرور پردۂ غیب میں پوشیدہ ہے! اس سے معلوم ہوا کہ جنت کی راحت وسرور کی حقیقت کا ہم اس دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتے - ایک حدیث میں پیغمبر اسلام ﷺ نے جنت کی حقیقت یہ بتلائی ہے: ((لا عین رات' ولا اذن سمعت' ولا خطر بال احد بشر)) (مسلم) نہ تو کسی آنکھ نے دیکھی' نہ کسی کان نے سنی' نہ کسی فرد بشر کے خیال میں گزری! حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنت کی نعمتیں دنیا سے کوئی مشابہت نہیں رکھتیں- بجز اس کے کہ نام میں مشارکت ہے- (ابن کثیر) باقی رہی یہ بات کہ اگر عالم آخرت کے یہ معاملات دنیا کے معاملات کے مثل نہیں ہوں گے' تو پھر ان کی حقیقت کیسی ہوگی؟ تو اس بارے میں ہماری عقلی کاوش کچھ معلوم نہیں کر سکتی-

اصل یہ ہے کہ مادی زندگی کے احساسات ومفہومات کی زنجیروں میں ہم کچھ اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ ان سے آزاد ہو کر جمال حقیقت کا تصور ہی نہیں کر سکتے - پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ جو کچھ بتلا دیا گیا ہے اس پر یقین کریں اور جو کچھ نہیں پا سکتے اس کی کاوش میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرگرداں نہ ہوں- اگر سرگرداں ہوں گے تو حقیقت کا سراغ تو نہیں ملے گا- البتہ نئے نئے وہموں اور گمانوں میں مبتلا ہو جائیں گے:

اے بروں از وہم و قال و قیل من
خاک بر فرق من و تمثیل من!

قرآن نے اسی لیے مطالب وحی کی دو قسمیں ٹھہرا دی ہیں- محکمات اور متشابہات- متشابہات کی نسبت فرمادیا ہے کہ اس کی حقیقت انسان نہیں پا سکتا: ﴿ لا یعلم تاویله الا الله ﴾ (۳:۷) یہ اور اس طرح کے تمام معاملات جو عالم غیب سے تعلق رکھتے ہیں، یعنی ماورائے محسوسات ہیں متشابہات کی قسم میں داخل ہیں- اور قرآن کہتا ہے جو علم میں کامل ہیں وہ ان کی کاوش میں نہیں پڑتے بلکہ کہتے ہیں کہ ﴿ امنا به کلٌ من عند ربنا ، وما یذکر الا اولوا الالباب! ﴾ (۳:۷)

اس سلسلہ میں چند اور امور ہیں جو سمجھ لینے چاہییں:

لقائے الٰہی:

(۱) قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے آخرت کے معاملہ کو ہر جگہ ''لقائے الٰہی'' سے تعبیر کیا ہے- یعنی اللہ کے دیدار سے- چنانچہ تم جا بجا اس طرح کی تعبیرات پاؤ گے ''جو لوگ لقائے الٰہی کی توقع رکھتے ہیں-'' یعنی آخرت کی توقع رکھتے ہیں- یا ''جن لوگوں نے لقاء الٰہی سے انکار کیا'' یعنی آخرت سے انکار کیا- وہ کہتا ہے مومن وہ ہے جو لقائے الٰہی کی طلب رکھتا ہے- کافر وہ ہے جو دنیوی زندگی ہی پر قانع ہو گیا اور لقائے الٰہی کی اس میں کوئی طلب نہیں- چنانچہ اس سورت کی آیت (۷) میں فرمایا ''جو لوگ ہماری ملاقات کے متوقع نہیں اور صرف دنیوی زندگی ہی پر راضی ہو گئے ہیں اور اس کے خلاف ان کے دل میں کوئی خلش نہیں اٹھتی اور وہ کہ ہماری نشانیوں سے یک قلم غافل ہو گئے ہیں''-

پھر جا بجا مومنوں کی نسبت فرمایا ہے کہ ان کی نگاہیں جمال الٰہی کا نظارہ کریں گی: ﴿ وجوه یومئذ ناضرة الی ربها ناظره ﴾ (۷۵:۲۳) اور کافروں کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ اس نعمت سے محروم رہیں گے: ﴿ کلا انهم عن ربهم یومئذ لمحجوبون ﴾ (۸۳:۱۵) پس ان تمام تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے آخرت کی زندگی اور اس کے نعائم کی جو حقیقت قرار دی ہے وہ کوئی ایسی بات ہے جس کا ماحصل لقائے الٰہی ہے اور عذاب آخرت کا معاملہ کوئی ایسا معاملہ ہے جسے وہ محجوب رہنے سے تعبیر کرتا ہے-

(۲) بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کی نعمتوں میں ایک نعمت تو وہ ہے جسے وہ جنت کی زندگی سے تعبیر کرتا ہے اور ایک اس کے علاوہ بھی ہے- اس دوسری نعمت کو اس نے جا بجا ''رضوان'' سے تعبیر کیا ہے اور کہا ہے یہ جنتی زندگی کی نعمت سے بھی بڑی نعمت ہو گی: ﴿ وعد الله المؤمنین والمؤمنات جنات تجری من تحتها الانهار خالدین فیها ومساکن طیبة فی جنات عدن ورضوان من الله اکبر- ذلك هو الفوز العظیم ﴾ (۹:۷۲) ''رضوان'' سے مقصود اللہ کی خوشنودی کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے وہ کوئی ایسی نعمت ہے جس کے لیے بجز اس کے اور کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی تھی کہ اللہ کی کامل ترین رضامندی کی بخشش و نوال کہی جائے-

تناسخ:

(۳) ہندوستان میں آخرت کی زندگی اور جزا کے لیے آواگون (تناسخ) کا عقیدہ پیدا ہوا- قدیم ہندو مذہب اور پیروان بدھ اور جینی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تینوں اس میں متفق ہیں-قدیم مصریوں کے عقائد میں بھی اس کا سراغ ملتا ہے اور بعض حکمائے یونان بھی اسی طرف گئے ہیں-چونکہ قرآن نے آخرت کے معاملہ کے لیے ''رجوع'' کی تعبیر اختیار کی ہے'یعنی وہ ہر جگہ کہتا ہے '' والیہ ترجعون''تم اسی طرف لوٹائے جاؤ گے اس لیے حال میں ایک تھیاسوفسٹ مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کا عقیدۂ آخرت بھی تناسخ کے مبدء پر مبنی ہے-وہ کہتے ہیں قرآن نے لوٹنے کی تعبیر اختیار کر کے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ زندگی بار بار ظہور میں آتی اور بار بار اصل مرکز کی طرف لوٹتی ہے-لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کا استنباط کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا-بلاشبہ قرآن نے آخرت کی زندگی کو لوٹنے سے تعبیر کیا ہے اور وہ اس معاملہ کو یوں قرار دیتا ہے گویا ہستی انسانی کہیں سے آئی ہے اور پھر اسی کی طرف لوٹے گی لیکن صرف اتنی ہی بات سے تناسخ ثابت نہیں ہو جاتا-فلسفیانہ تناسخ کی بنیاد روح کے رجوع پر نہیں بلکہ زندگی کے بار بار اعادۂ گردش پر ہے اور مذہبی تناسخ کی بنیاد یہ ہے کہ جزائے عمل کا معاملہ اسی اعادۂ گردش سے مرتب ہوتا ہے اور وہ ظاہر ہے کہ قرآن میں ان دونوں عقیدوں کے لیے کوئی تصریح نہیں ملتی-

ہدایت حواس وعقل اور اس سے استدلال:

(د) آیت (۳۵) میں فرمایا: ﴿ **قل هل من شركائكم من يهدى الى الحق؟قل الله يهدى للحق-افمن يهدى الى الحق احق ان يتبع امن لا يهدى الا ان يُهْدٰى؟ فما لكم كيف تحكمون!** ﴾ یعنی جن لوگوں کو تم نے خدا کا شریک ٹھہرا لیا ہے ان میں کوئی ہے جو''حق'' کی طرف''ہدایت'' کرتا ہو؟ یہ تو اللہ ہی کی ذات ہے جو حق کی راہ چلاتی ہے-اچھا تو پھر بتلاؤ' جو ہستی حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے وہ اس کی حقدار ہے کہ اس کے پیچھے چلیں یا اس کے پیچھے چلنا چاہیے جو خود اس کی محتاج ہے کہ کوئی راہ بھجائے؟

یہ مقام قرآن کے مہمات دلائل میں سے ہے اور ضروری ہے کہ اسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے-چونکہ اس آیت میں''ہدایت'' اور ''حق'' کے الفاظ آئے ہیں اس لیے مفسرین نے خیال کیا ہدایت سے مقصود ہدایت وحی ہے اور حق سے مقصود دین حق' اور فارسی واردو کے تمام مترجموں نے بھی انہی کی پیروی کی-نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کے استدلال کی ساری حقیقت مفقود ہوگئی اور آیت کا مطلب بھی کچھ سے کچھ ہوگیا-اس طرح کے تمام مقامات دیکھ کر سخت حیرانی ہوتی ہے کہ متاخرین کا معیار نظر ومطالعہ کیوں اس درجہ پست ہوگیا تھا کہ قرآن کے صاف وصریح مطالب سے بھی آشنا نہ ہو سکے؟ علاوہ بریں یہ ظاہر ہے کہ یہاں خطاب مشرکوں سے ہے جو سرے سے وحی ودین کے منکر تھے اور مقام استدلال کا ہے-پھر اگر ہدایت سے مقصود ہدایت وحی ودین ہو تو اس میں ان کے لیے دلیل کی بات کیا ہوئی؟ جب وہ وحی ودین کی ہدایت مانتے ہی نہ تھے تو پھر اسی ہدایت سے ان پر دلیل کیونکر لائی جاسکتی ہے؟ کم از کم اتنی ہی بات پر ان بزرگوں نے غور کر لیا ہوتا-

آیت کا اسلوب کہہ رہا ہے کہ یہاں پہلے ایک بات بطور ایک مسلمہ عقیدہ کے بیان کی گئی ہے جس سے مخاطب انکار نہیں کرتا یا نہیں کر سکتا-پھر جب اس کا مسلم ہونا واضح ہوگیا تو اسی کو بنا استدلال ٹھہرایا گیا-یعنی پہلے کہا گیا: ﴿ **هل من شركائكم من يهدى الى الحق** ﴾ تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو حق کی رہنمائی کرتا ہو؟ پھر کہا گیا: ﴿ **قل الله يهدى للحق** ﴾ یعنی تم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ وہ ہستی جو رہنمائے حق ہے وہ اللہ ہی کی ہستی ہے-پھر جب یہ مسلمہ واضح ہوگیا تو اس سے استدلال کیا گیا کہ ﴿ **افمن يهدى الى الحق احق ان يتبع** ﴾ پس ضروری ہے کہ یہاں ہدایت سے مقصود کوئی ایسی بات ہو جس سے مخاطبوں کو انکار کی مجال نہ تھی-اب اگر ہدایت کا مطلب ہدایت وحی ودین قرار دیا جاتا ہے تو سارا مطلب خبط ہو جاتا ہے-کیونکہ معلوم ہے کہ مخاطبوں کے لیے یہ مسلم بات نہیں ہوسکتی-وہ سرے سے وحی ہی کے منکر تھے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصل یہ ہے کہ ان بزرگوں نے یہ معلوم کرنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی کہ قرآن میں ہدایت کا لفظ کن کن معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اس کے مختلف مراتب و اشکال کیا کیا ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں ہدایت کا لفظ دیکھتے ہیں اسے ہدایت دین ہی پر محمول کر لیتے ہیں- اگر چہ مطلب ٹھیک نہ بیٹھتا ہو-

بہر حال یہاں ہدایت سے مقصود ہدایت وحی نہیں ہے بلکہ وجدان وحواس اور عقل کی ہدایت ہے- اور ''حق'' سے مقصود دین حق نہیں ہے بلکہ لغوی حق ہے- یعنی سچا راستہ- درست راستہ- قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ جس طرح اللہ کی ربوبیت نے مخلوقات کو ان کے مناسب حال وجود عطا فرمایا ہے اسی طرح زندگی ومعیشت کی راہ میں ان کی ہدایت کا قدرتی سامان بھی کر دیا ہے- یہ ہدایت کیونکر ظہور میں آئی؟ اس طرح کہ ان میں وجدان وحواس کی قوتیں رکھ دی گئیں اور انسانوں کو وجدان وحواس کے ساتھ جو ہر عقل سے بھی ممتاز کیا- چنانچہ اس مقام کی پوری تشریح تفسیر سورۂ فاتحہ کے مبحث ہدایت میں گزر چکی ہے اور ﴿ ربنا الذی اعطی کل شیء خلقه ثم هدی ﴾ (۲۰:۵۰) اور ﴿ الذی خلقنی فهو یهدین ﴾ (۲۶:۷۸) اور ﴿ الذی خلق فسوی والذی قدر فهدی ﴾ وغیرہا آیات میں ہدایت سے مقصود یہی ہدایت ہے-

پس یہاں فرمایا تم نے جن ہستیوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا لیا ہے ان میں کوئی ہے جو زندگی ومعیشت کے ٹھیک راستہ پر انسان کو چلاتا ہو؟ یعنی جو دیکھنے' سننے' سمجھنے' بوجھنے کی قوتیں بخشتا ہو؟ پھر فرمایا تم جانتے ہو کہ یہ کوئی نہیں کر سکتا- یہ صرف اللہ ہی کی کارفرمائی ہے- کیونکہ مشرکوں کو اللہ کی ہستی اور اس کے خالق کل ہونے سے انکار نہیں تھا- البتہ وہ سمجھتے تھے کہ ہمیں ان ہستیوں کی بھی پرستش کرنی چاہیے جو اللہ کے حضور مقرب ہیں اور جنہیں دنیا میں حکم وتصرف کی قوتیں حاصل ہو گئی ہیں- پھر جب یہ بات واضح ہو گئی تو فرمایا: جب تمہیں اس بات سے انکار نہیں تو غور کرو انسان کو پیروی اس کی کرنی چاہیے جو ہدایت کرنے والا ہے یا اس کی جو خود کسی دوسرے کی ہدایت کا محتاج ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟

عدم احاطہ علم اور تکذیب حقائق:

(۵) آیت (۳۹) میں منکرین قرآن کی نسبت فرمایا: ﴿ بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمه ولما یأتهم تاویله ﴾ آیت کا مطلب ترجمہ میں واضح ہو چکا ہے- یہاں دو باتوں کی مزید تشریح کر دی جاتی ہے:

اولاً' قرآن نے بیک وقت دونوں باتوں کی مذمت کی ہے- اس کی بھی کہ بغیر علم وبصیرت کے کوئی بات مان لی جائے اور اس کی بھی کہ محض عدم ادراک کی بنا پر کوئی بات جھٹلا دی جائے- چنانچہ اسی سورت کی آیت (۳۶) میں گزر چکا ہے کہ منکرین حق علم ویقین کی روشنی سے محروم ہیں- ان کا سرمایہ اعتقاد محض ظن وگمان ہے- اور پھر اس آیت میں فرمایا کہ جس بات کا وہ اپنے علم سے احاطہ نہ کر سکے اس کے جھٹلانے پر آمادہ ہو گئے- اگر چہ بظاہر یہ دو باتیں الگ الگ معلوم ہوتی ہیں لیکن فی الحقیقت ایک ہی بات ہے اور دونوں کی بنیاد اسی ایک اصل عظیم پر ہے کہ نہ تو ظن وگمان کی بنا پر تصدیق کرنی چاہیے- نہ ظن وگمان کی بنا پر تکذیب کرنی چاہیے- جو کچھ کرنا چاہیے علم وبصیرت کی بنا پر کرنا چاہیے-

منکرین قرآن نے کون سی بات جھٹلائی تھی؟ یہ کہ انہی میں سے ایک آدمی پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہو- یہ بات انہیں عجیب معلوم ہوئی- اس لیے فوراً تکذیب پر آمادہ ہو گئے- قرآن کہتا ہے تمہارے ماننے اور تمہارے جھٹلانے دونوں کا مدار ظن وگمان پر ہے- تم جو باتیں مان رہے ہو ان کے لیے بھی تمہارے پاس کوئی علم نہیں اور جس بات کے جھٹلانے میں اس قدر جلدی کی اس کے لیے بھی تمہارے پاس کوئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یقین نہیں- حالانکہ سچائی کی راہ یہ ہے کہ جو کچھ کرو علم و بصیرت کے ساتھ کرو- محض اٹکل پر نہ چلو- اگر ایک شخص علم کے ساتھ ایک بات پیش کر رہا ہے اور جتنی باتیں کسی بات کی درستی اور معقولیت کی ہو سکتی ہیں سب اس کے ساتھ ہیں اور تمہارے پاس اس کے خلاف ظن و گمان کے سوا کچھ نہیں تو تمہارے لیے کیوں کر جائز ہو سکتا ہے کہ جھٹ جھٹلانے پر آمادہ ہو جاؤ؟ اس سے پہلے آیت (۳۶) میں یہی بات کہی جا چکی ہے کہ ﴿ ان الظن لایغنی من الحق شیئًا ﴾ تم ظن کی بنا پر یقین کی دعوت جھٹلاتے ہو- حالانکہ ظن کا بھروسہ انسان کو یقین سے مستغنی نہیں کر سکتا؟

اگر تم غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ انسان کی ساری فکری گمراہیوں کا اصلی سرچشمہ یہی بات ہے- یا تو وہ عقل و بینش سے اس قدر کورا ہوتا ہے کہ ہر بات بے سمجھے بوجھے مان لیتا ہے اور ہر راہ میں آنکھیں بند کیے چلتا رہتا ہے- یا پھر سمجھ بوجھ کا اس طرح غلط استعمال کرتا ہے کہ جہاں کوئی حقیقت اس کی شخصی سمجھ سے بالاتر ہوئی' اس نے فوراً جھٹلا دی- گویا حقیقت کے اثبات و وجود کا سارا دارومدار صرف اسی بات پر ہے کہ ایک خاص فرد کی سمجھ ادراک کر سکتی ہے یا نہیں- دونوں حالتیں علم و بصیرت کے خلاف ہیں اور دونوں کا نتیجہ عقل و بینش سے محرومی اور عقلی ترقی کا فقدان ہے- جس عقل و بصیرت کا تقاضہ یہ ہوا کہ حقیقت اور وہم میں امتیاز کریں وہی متقاضی ہوئی کہ کوئی بات محض اس لیے نہ جھٹلا دیں کہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے- عقل کا پہلا تقاضہ ہمیں وہم پرستی و جہل سے روکتا ہے- دوسرا شک و الحاد سے- قرآن کہتا ہے' دونوں حالتیں یکساں طور پر جہل و کوری کی حالتیں ہیں اور اہل علم و عرفان وہ ہیں' جو نہ تو جہل و وہم کی راہ چلتے ہیں- نہ شک و الحاد کی-

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ دو صورتیں ہیں اور دونوں کا حکم ایک نہیں: ایک یہ کہ کوئی بات عقل کے خلاف ہو- ایک یہ کہ تمہاری عقل سے بالاتر ہو- بہت سی باتیں ایسی ہو سکتی ہیں جن کا تمہاری سمجھ احاطہ نہیں کر سکتی- لیکن تم یہ فیصلہ نہیں کر دے سکتے کہ وہ سرے سے خلاف عقل ہیں- اول تو تمام افراد کی عقلی قوت یکساں نہیں- ایک آدمی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتا- دوسرا باریک سے باریک نکتے حل کر لیتا ہے- ثانیاً' عقل انسانی برابر نشو و نما کی حالت میں ہے- ایک عہد کی عقل جن باتوں کا ادراک نہیں کر سکتی- دوسرے عہد کے لیے وہ عقلی مسلمات بن جاتی ہیں- ثالثاً' انسانی عقل کا ادراک ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور عقل ہی کا فیصلہ ہے کہ حقیقت اسی حد پر ختم نہیں ہو جاتی-

اچھا اب مذہب کے میدان سے باہر قدم نکالو اور غور کرو قرآن نے ان چند لفظوں کے اندر جو بات کہہ دی ہے وہ انسانی علم و عقل کی تمام ترقیوں کے لیے کس طرح اصل و اساس ثابت ہو رہی ہے؟ کون سی بات ہے جس نے علمی ترقی کے غیر محدود اور لانہایت امکانات کا دروازہ نوع انسانی کے سامنے کھول دیا اور علم و ادراک کی سیکڑوں ناممکن باتوں کو نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ بنا دیا؟ کیا یہی بات نہیں ہے کہ کسی بات کے احاطہ نہ کر سکنے سے اس کا انکار لازم نہیں آ جاتا؟ اگر اصحاب علم و انکشافات نے اس بات سے انکار کر دیا ہوتا تو کیا ممکن تھا کہ عقلی ترقیات کے قدم یہاں تک پہنچ سکتے اور آئندہ کے لیے اس قدر ممکنات سامنے آ جاتے؟ بلاشبہ علم و انکشاف کے ہر عہد میں ایسی جلد باز طبیعتیں بھی ہوئیں جنہوں نے محض عدم ادراک کی بنا پر انکار کر دیا لیکن علم نے کچھ پروا نہ کی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اس کا سفر برابر جاری رہا اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کب تک اور کہاں تک جاری رہے گا-

ایک اور بات بھی یہاں سمجھ لینی چاہیے- جہاں تک عقل اور ماورائے عقل کی نزاع کا تعلق ہے قرآن کے بعد تین دور بحث و نظر کے گزر چکے ہیں- ایک دور حکما و متکلمین اسلام کا جنہوں نے عقلی طریقہ پر مذہبی عقائد کا اثبات کرنا چاہا- دوسرا یورپ کے نشاۃ ثانیہ[1] کا جب اسی طرح مسیحی علم کلام مرتب کیا گیا- تیسرا علوم عصریہ کا جس نے بحث و نظر کے تمام گوشوں میں ایک نئی روح پیدا کر دی- تاہم یہ واقعہ ہے کہ

---

[1] Renaissa nce

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن نے یہاں سیدھے سادھے لفظوں میں جو بات کہہ دی ہے اس پر کوئی اضافہ نہ ہوسکا - بلاشبہ بحث ونظر کی کاوشیں دور دور تک گئیں لیکن ہمیشہ ناکامیاب ہوئیں اور ہمیشہ اصحاب عرفان وتحقیق کو اقرار کرنا پڑا کہ اس سے بہتر اور فیصلہ کن بات اور کوئی نہیں کہی جاسکتی -

یہ مقام مہمات معارف میں سے ہے اور تفصیل اس کی مقدمہ میں ملے گی -

(۲) حقیقت ''تاویل'' مستعملہ قرآن:

عربی میں ''تاویل'' کے معنی کسی بات کے نتیجہ اور مآل کے ہیں اور چونکہ الفاظ کے معانی بھی ان کی دلالت کا مآل ومصداق ہوتے ہیں اس لیے مطالب ومعانی پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا - لیکن قرآن نے یہ لفظ ہر جگہ لغوی معنی میں استعمال کیا ہے - چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت (۷) اور اعراف کی (۵۳) میں بھی یہ لفظ گزر چکا ہے اور اس آیت میں بھی استعمال ہوا ہے -

لیکن بعد کو جب تفسیر وکلام کے مختلف مذاہب پیدا ہوئے تو ''تاویل'' کا لفظ ایک خاص مصطلحہ معنی میں بولا جانے لگا - یعنی کسی لفظ کا ایسا مطلب ٹھہرانا جو اس کے ظاہری مدلول سے ہٹا ہوا ہو - مثلاً قرآن میں ید اللہ کا لفظ آیا ہے - یعنی خدا کا ہاتھ، اور یہ تنزیہہ کے خلاف ہے کہ خدا کا ہاتھ ہو اس لیے ہاتھ کی جگہ اس کا کوئی دوسرا مطلب لینا - پھر اس کے مختلف مراتب واقسام ٹھہرائے گئے اور مذہب تاویل وتفویض کی نزاعیں برپا ہوئیں - چونکہ متاخرین کے دماغوں میں یہ مصطلحات بسی ہوئی ہیں اس لیے قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے بھی وہ ان کے اثر سے باہر نہیں جاسکتے - چنانچہ قرآن کے لغوی ''تاویل'' کو بھی انہوں نے مصطلحات کلامیہ کا مصطلحہ ''تاویل'' سمجھ لیا اور اس پر بحث واستدلال کی عمارتیں اٹھانے لگے - تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر پڑھو اور پھر غور کرو کہ تفسیر قرآن کی راہ میں کیسے کیسے الجھاؤ ڈال دیے گئے ہیں اور اصل حقیقت کس طرح مستور ہوگئی ہے -

تفسیر لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون:

(و) قرآن نے ایمان اور اہل ایمان کی نسبت جو کچھ کہا ہے اس میں کوئی بات بھی اس قدر نمایاں نہیں ہے جس قدر یہ کہ ﴿ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون ﴾ خوف اور غم دونوں سے وہ محفوظ ہوجائیں گے - چنانچہ اس سورت کی آیت (۶۲) میں بھی یہی بات فرمائی ہے - غور کرنا چاہیے کہ قرآن نے اس وصف پر کیوں اس قدر زور دیا؟

حقیقت یہ ہے کہ انسانی زندگی کی سعادت کے لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا - اس کی شقاوت کی ساری سرگزشت انہی دو لفظوں میں سمٹی ہوئی ہے: خوف اور دکھ - جونہی ان دو باتوں سے اسے رہائی مل گئی اس کی ساری سعادتیں اس کے قبضے میں آگئیں - زندگی کے جتنے بھی کانٹے ہوسکتے ہیں سب کو ایک ایک کرکے چنو اور دیکھو، خواہ جسم میں چبھتے ہوں، خواہ دماغ میں، خواہ موجودہ زندگی کی عافیت میں خلل ڈالتے ہوں، خواہ آخرت کی تم دیکھو گے کہ ان دو باتوں سے باہر نہیں ہیں - یا خوف کا کانٹا ہے یا غم کا - قرآن کہتا ہے ایمان کی راہ سعادت کی راہ ہے - جس کے قدم اس راہ میں جم گئے اس کے لیے دونوں کانٹے بے اثر ہوجاتے ہیں - اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہوگا نہ کسی طرح کی غمگینی!

قرآن نے یہی حقیقت دوسرے پیرایوں میں بھی بیان کی ہے - مثلاً آخری پارہ میں سورۂ عصر اسی حقیقت کا اعلان ہے -

❋ ❋ ❋

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰیَاتُھَا : 123 سُوْرَۃُ ھُوْدٍ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھَا : 10

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ ① اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ ؕ اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْہُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ ② وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّیُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَہٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ کَبِیْرٍ ③ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ ۚ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ④ اَلَآ اِنَّھُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَھُمْ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْہُ ؕ

الف-لام-را-

یہ کتاب ہے جس کی آیتیں (اپنے مطالب ودلائل میں) مضبوط کی گئیں پھر کھول کھول کر واضح کر دی گئیں- یہ اس کی طرف سے ہے جو حکمت والا (اور ساتھ ہی) ساری باتوں کی خبر رکھنے والا ہے! (۱) (اس کا اعلان کیا ہے؟) یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو- یقین کرو میں اسی کی طرف سے تمہیں خبردار کرنے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں! (۲)

اور یہ کہ اپنے پروردگار سے معافی کے طلب گار ہو اور اس کی طرف لوٹ جاؤ- (ایسا کرو گے تو) وہ تمہیں ایک وقت مقرر تک زندگی کے فوائد سے بہت اچھی طرح بہرہ مند کرے گا- اور (اپنے قانون کے مطابق) ہر زیادہ (عمل) کرنے والے کو اس کی سعی مزید کا اجر بھی دے گا- لیکن اگر تم نے روگردانی کی تو میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایک بڑا دن نمودار نہ ہو جائے- (۳)

تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے- اور اس کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں! (۴)

(اے پیغمبر!) تو سن رکھ کہ یہ لوگ اپنے سینوں کو لپیٹے ہیں کہ اللہ سے چھپیں (یعنی اپنے دل کی باتیں چھپا کر رکھتے ہیں)

(۱) یہ سورت بھی مکی ہے اور گو خطاب عامہ منکرین سے ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ مشرکین عرب مخاطب ہیں-

(۲) قرآن نے گزشتہ دعوتوں' گزشتہ قوموں اور گزشتہ ایام ووقائع کا جا بجا ذکر کیا ہے اور ہر جگہ حسب مقام ایک خاص موعظت اور ایک خاص استدلال ہے- ازاں جملہ یہ سورت ہے جس میں حضرت نوح سے لے کر حضرت موسیٰ (علیہما السلام) تک تمام پچھلی دعوتوں کی سرگزشتیں بیان کی گئی ہیں- اور معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب بیان تاریخی ہے- یعنی جس دعوت کا ذکر جس دعوت کے بعد کیا گیا ہے' وہی اس کی تاریخی جگہ ہے-

اس موعظت میں سورۂ اعراف کے بعد سب سے بڑی سورت یہی ہے-

(۳) سب سے پہلے اس بات کا اعلان کیا ہے جو اول دن سے تمام دعوتوں کا عالمگیر اعلان رہا ہے یعنی:

(ا) اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو-

(ب) میں اس کی طرف سے مامور ہوں اور اس لیے مامور ہوں کہ تبشیر اور تنذیر کا فرض رسالت ادا کر دوں- یعنی انکار وسرکشی کے نتائج سے خبردار کر دوں- ایمان ونیک عملی کی کامرانیوں کی خوشخبری سنا دوں-

(ج) پس سرکشی سے باز آ جاؤ اور توبہ واستغفار کرو- اگر تم نے ایسا نہ کیا تو مجھے اندیشہ ہے تم عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ گے!

(۴) اس کے بعد فرمایا تمہارے اعمال کا ذرہ ذرہ اللہ کے سامنے ہے- اس کے علم سے جب ایک چیونٹی کا سوراخ بھی پوشیدہ نہیں' تو انسان کے افکار واعمال کیونکر پوشیدہ رہ سکتے ہیں؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۵ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاۗءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ۭ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا

الجزء ۱۲

مگر یاد رکھ (انسان کی کوئی بات بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں) یہ جب اپنے سارے کپڑے اپنے اوپر ڈال لیتے ہیں تو اس وقت بھی چھپ نہیں سکتے - جو کچھ یہ چھپا کر کریں اور جو کچھ کھلم کھلا کریں سب اللہ کو معلوم ہے - وہ تو سینوں کے اندر کا بھید جاننے والا ہے! (۵)

اور زمین میں چلنے والا کوئی جانور نہیں ہے جس کی روزی کا انتظام اللہ پر نہ ہو اور وہ نہ جانتا ہو کہ اس کا ٹھکانا کہاں ہے اور وہ جگہ کہاں ہے جہاں بالآخر اس کا وجود سونپ دیا جائے گا؟ یہ سب کچھ (علم الٰہی کی) کتاب میں مندرج ہے - (۶)

اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ ایام میں پیدا کیا اور اس کے تخت (حکومت) کی فرماں روائی پانی پر تھی - اور اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائش میں ڈالے اور یہ بات ظاہر ہو جائے کہ کون عمل میں بہتر ہے - اور (اے پیغمبر!) اگر تو ان لوگوں سے کہے "تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے" تو جو لوگ منکر ہیں وہ ضرور بول اٹھیں "یہ تو صریح جادو کی سی باتیں ہیں!" (۷)

اور اگر ان پر عذاب کا نازل کرنا ایک مقررہ مدت تک ہم تاخیر میں ڈال دیں تو یہ ضرور کہنے لگیں "کون سی بات ہے جو اسے روک رہی ہے؟" سو سن رکھو جس دن عذاب ان پر آئے گا تو پھر کسی کے ٹالے ٹلنے والا نہیں - اور جس بات کی یہ ہنسی اڑایا

(۵) غور کرو - قرآن کے ایک ایک لفظ میں کیسی دقیق مناسبتیں پوشیدہ ہوتی ہیں؟ سورت کی تمام موعظت کا مرکزی نقطہ جزا عمل کا معاملہ ہے کیونکہ تمام دعوتوں نے اس کا اعلان کیا اور تمام جماعتوں پر یہ طاری ہوا - پس پہلی آیت میں قرآن کا صرف یہی وصف بیان کیا کہ "احکمت ایاتہ" اس کے مطالب مضبوط اور ثابت ہیں - یعنی اس کی کوئی بات ایسی نہیں جو کمزور اور کچی نکلے - پھر فرمایا "من لدن حکیم خبیر" اس کی طرف سے جو حکیم اور خبیر ہے - یعنی چونکہ وہ حکیم ہے اس لیے ضروری تھا کہ جزائے عمل کا قانون ظہور میں آئے - ساتھ ہی وہ خبیر بھی ہے اس لیے ممکن نہیں کہ کوئی عمل اس سے پوشیدہ رہ جائے اور جزائے عمل کا نفاذ ٹھیک ٹھیک نہ ہو -

چنانچہ آیت (۵) میں فرمایا یہ اپنے سینوں کے بھید چھپاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اس کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں -

(۶) آیت (۷) میں فرمایا اللہ کی حکومت پانی پر نافذ تھی - دوسری جگہ فرمایا کہ ہم نے تمام زندہ اجسام پانی سے پیدا کیے (۲۱:۳۰) اس سے معلوم ہوا کہ زمین پر ایک ابتدائی دور گزر چکا ہے جب کہ پانی تھا - یا ایسی چیز تھی جسے پانی سے تعبیر کیا گیا ہے اور قوانین الٰہی اس میں کام کر رہے تھے -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿۹﴾ وَلَئِنْ
اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿۱۰﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ
صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى
اِلَيْكَ وَضَآئِقٌ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ

کرتے تھے (تم دیکھو گے کہ) وہی انہیں آ لگی! (۸)

اور اگر ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمت کا مزہ چکھائیں (یعنی اسے ایک نعمت بخشیں) اور پھر اس سے وہ ہٹالیں تو (وہ ذرا بھی صبر نہیں کرسکتا) یک قلم مایوس اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔ (۹) اور اگر اسے دکھ پہنچا ہو اور اس کے بعد راحت کا مزہ چکھا دیں تو پھر (یک قلم غافل ہو جاتا ہے اور) کہتا ہے اب تو برائیاں مجھ سے دور ہو گئیں (اب کیا غم ہے) حقیقت یہ ہے کہ انسان (ذرا سی بات میں) خوش ہو جانے والا اور ڈینگیں مارنے والا ہے! (۱۰)

مگر ہاں! جو صبر کرتے ہیں اور نیک عملی کی راہ چلتے ہیں تو ان کا حال ایسا نہیں ہوتا۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لیے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر! (۱۱)

پھر (اے پیغمبر!) کیا تو ایسا کرے گا کہ جو کچھ تجھ پر وحی کیا جاتا ہے اس میں سے کچھ باتیں چھوڑ دے گا اور اس کی وجہ سے دل تنگ رہے گا؟ اور یہ اس لیے کہ لوگ کہہ اٹھیں گے "اس آدمی پر کوئی خزانہ (آسمان سے) کیوں نہیں اتر آیا؟" یا "ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس کے ساتھ ایک فرشتہ آ کر کھڑا ہو جاتا؟" (نہیں تجھے تو دل تنگ نہیں ہونا چاہیے) تیرا مقام اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کر دینے والا ہے۔ (تجھ پر اس کی ذمہ داری نہیں کہ لوگ تیری باتیں مان بھی لیں)

(۷) آیت (۹) میں فطرت انسانی کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر مصیبت پیش آتی ہے تو فوراً مایوس ہو جاتا ہے، راحت پیش آتی ہے تو بے پروا ہو کر ڈینگیں مارنے لگتا ہے۔ پھر آیت (۱۱) میں فرمایا اس عام حالت سے وہ مستثنیٰ ہیں جن کے اندر صبر و ثبات کی روح پیدا ہو گئی ہے اور جنہوں نے نیک عملی کی راہ اختیار کی ہے۔ وہ نہ تو مصیبت میں مایوس ہونے والے ہیں اور نہ عیش و راحت میں غافل و ناشکر گزار۔

یہاں یہ بات اس لیے بیان کی گئی کہ منکرین حق عذاب کی خبر سن کر ہنسی اڑاتے تھے اور مومنوں پر مصیبت کی گھڑیاں شاق گزرتی تھیں۔ پس فرمایا منکروں کی یہ حالت کوئی غیر معمولی حالت نہیں ہے۔ انسان خوش حالیوں میں پڑ کر اسی طرح غافل ہو جاتا ہے اور ڈینگیں مارنے لگتا ہے لیکن مومنوں کو چاہیے وقت کی مصیبتوں سے دل تنگ ہو کر مایوس نہ ہو جائیں۔

(۸) دنیا میں ایک انسان کی زبان سے جتنی باتیں نکل سکتی ہیں ان میں کوئی بات بھی اس سے بڑھ کر بوجھل اور تھکا دینے والی نہیں کہ ایک آدمی ایک مطمئن اور خوش و خرم قوم کے سامنے آ کھڑا ہو اور اچانک اعلان کر دے کہ "تمہاری ہلاکت کی گھڑی سر پر آ گئی۔ اگر سرکشی سے باز نہ آؤ گے تو نیست و نابود کر دیے جاؤ گے" کتنا بڑا اور عجیب اعلان ہے؟ کتنی عظیم اس کی ذمہ داری ہے؟ اور کس درجہ مافوق انسانیت صبر و تحمل کی ضرورت ہے کہ وہ سب کچھ جھیل لیا جائے جو یہ اعلان سن کر لوگوں کی زبانوں سے نکلے گا؟

لیکن خدا کے رسولوں کو یہ بوجھ اٹھانا پڑا۔ کیونکہ وہ اس کے لیے مامور من اللہ تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿١٢﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ
وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٣﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا
اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٤﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿١٥﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي
الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ

اور ہر چیز پر اللہ ہی نگہبان ہے۔ (۱۲)

پھر کیا یہ لوگ ایسا کہتے ہیں کہ اس آدمی نے قرآن اپنے جی سے گھڑ لیا ہے؟ (اے پیغمبر!) تو کہہ دے "اگر تم اپنی اس بات میں سچے ہو تو اس طرح کی دس سورتیں گھڑی ہوئی بنا کر پیش کر دو، اور اللہ کے سوا جس کسی کو (اپنی مدد کے لیے) پکار سکتے ہو پکار لو"[1] (۱۳)

"پھر اگر (تمہارے ٹھہرائے ہوئے معبود) تمہاری پکار کا جواب نہ دیں (اور تم اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو) تو سمجھ لو کہ قرآن اللہ ہی کے علم سے اترا ہے اور یہ بات بھی سچ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اب بتلاؤ کیا تم یہ بات تسلیم کرتے ہو؟" (۱۴)

جو کوئی (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی دلفریبیاں ہی چاہتا ہے تو (ہمارا ٹھہرایا ہوا قانون یہ ہے کہ) اس کی کوشش و عمل کے نتائج یہاں پورے پورے دے دیتے ہیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ دنیا میں اس کے ساتھ کمی کی جائے۔ (۱۵) لیکن (یاد رکھو) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت (کی زندگی) میں (دوزخ کی) آگ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ جو کچھ انہوں نے یہاں بنایا ہے سب اکارت جائے گا اور جو کچھ کرتے رہے ہیں سب نابود ہونے والا ہے! (۱۶)

پھر دیکھو جو لوگ اپنے پروردگار کی جانب سے ایک روشن دلیل رکھتے ہوں (یعنی وجدان و عقل کا فیصلہ) اور اس کے ساتھ

یہی مرحلہ پیغمبر اسلام ﷺ کو بھی درپیش تھا۔ اسی لیے وحی الٰہی جا بجا اس بات پر زور دیتی ہے کہ لوگوں کی باتوں سے دل تنگ نہ ہو اور اعلان امر میں ذرا بھی تامل نہ کرو۔ چنانچہ آیت (۱۲) میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔

منکرین حق کہتے تھے۔ اگر خدا کے یہاں ایسی ہی تمہاری رسائی ہے تو کیوں نہیں کہتے "ایک خزانہ تم پر اتار دے یا فرشتے بھیج دے کہ تمہاری باتوں کی سب کے سامنے تصدیق کر دیں؟ فرمایا ان کے اس انکار و استہزا سے دل تنگ نہ ہو۔ کیونکہ تم تو صرف نذیر ہو۔ کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے ہو کہ ان کے مان لینے کے بھی ذمہ دار ہو۔

"نذیر" کی حیثیت پر زور دے کر یہ بات بھی واضح کر دی کہ پیغمبر اس لیے نہیں آتے کہ خزانے بانٹتے پھریں یا طرح طرح کے اچنبھے دکھائیں۔ ان کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ انکار و بدعلمی کے نتائج سے خبردار کر دیں اور سچائی کی راہ دکھا دیں۔

(۹) کفار پیغمبر اسلام ﷺ کے اعلانات حق کی ہنسی اڑاتے تھے، اور جب قرآن سنایا جاتا تھا تو کہتے تھے۔ یہ تو تم نے اپنے جی سے گھڑ لیا ہے۔ آیت (۱۳) میں فرمایا اگر یہ گھڑی ہوئی بات ہے تو تم بھی ایسی ہی بات گھڑ کر بنا لاؤ اور اپنے بنائے ہوئے معبودوں سے دعائیں کرو کہ اس کام میں تمہاری مدد کریں۔

---

[1] یہ بات سورۂ بقرہ اور یونس میں بھی گزر چکی ہے اور آئندہ سورتوں میں بھی آئے گی۔ اس کی تشریح سورۂ اسرا آیت (۸۸) کے نوٹ میں دیکھنی چاہیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۣ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰي رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا

ہی ایک گواہ بھی اس کی طرف سے آ گیا ہو (یعنی اللہ کی وحی) اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی پیشوائی کرتی ہوئی اور سر تا پا رحمت آ چکی ہو (اور تصدیق کر رہی ہو تو کیا ایسے لوگ انکار کر سکتے ہیں؟ - نہیں) یہ لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور (ملک کے مختلف) گروہوں میں سے جو کوئی اس سے منکر ہوا تو یقین کرو (دوزخ کی) آگ ہی وہ ٹھکانا ہے جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے- پس (اے پیغمبر!) تو اس کی نسبت کسی طرح کے شک میں نہ پڑیو (یعنی دعوت قرآن کی کامیابی کے بارے میں کسی طرح کا شک نہ کیجیو) وہ تیرے پروردگار کی جانب سے امر حق ہے- لیکن (ایسا ہی ہوتا ہے کہ) اکثر آدمی (سچائی پر) ایمان نہیں لاتے - (۱۷)

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان باندھے؟ جو ایسا کر رہے ہیں وہ اپنے پروردگار کے حضور پیش کیے جائیں گے اور اس وقت گواہ گواہی دیں گے کہ "یہ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ بولا-" (۱۸)

تو سن رکھو ان ظالموں پر اللہ کی پھٹکار جو اللہ کی راہ سے اس کے بندوں کو روکتے ہیں اور چاہتے ہیں اس میں کجی پیدا کر دیں اور جو آخرت سے بھی منکر ہوئے! (۱۹) یہ لوگ نہ تو زمین میں (اللہ کو) عاجز کر دینے والے تھے نہ اللہ کے سوا ان کا کوئی کارساز تھا- انہیں

اس کے بعد یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اگر انکار و سرکشی پر بھی انہیں دنیوی فوائد مل رہے ہیں تو صرف اتنی ہی بات دیکھ کر یہ مغرور نہ ہو جائیں اور نہ مومنوں کو چاہیے کہ اس پر متعجب ہوں- اللہ نے دنیا کے لیے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا ہے کہ انسان کا ہر عمل ایک نتیجہ رکھتا ہے اور جیسا کچھ عمل ہوتا ہے اسی کے مطابق نتیجہ بھی نکلتا ہے- اگر ایک انسان آخرت کی طرف سے غافل ہے اور صرف دنیوی زندگی ہی کا خواہشمند ہے جب بھی ایسا نہ ہوگا کہ اس کی سعی و طلب بے اثر ہو جائے- جیسی کچھ کوشش کرے گا، اس کے مطابق نتیجہ حاصل کر لے گا- اگر اچھی طرح ہل جوئے گا اور تخم ریزی کرے گا تو اچھی فصل پیدا ہو جائے گی- ادھورا کام کرے گا تو ادھورا نتیجہ نکلے گا- البتہ ایسے آدمی کے سارے کام اکارت گئے- آخرت کے لیے کچھ سودمند نہ ہوئے-

(۱۰) پھر آیت (۱۷) میں فرمایا جو لوگ اللہ کی طرف سے دلیل و حجت پر ہیں اور انہوں نے راہ حقیقت پالی ہے وہ ان مغرورین دنیا کی طرح نہیں ہو سکتے - ان کی راہ ہدایت الٰہی کی راہ ہے اور ہدایت الٰہی کی کامیابی شک و شبہ سے بالاتر ہے-

پھر آیت (۱۸) میں فرمایا اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر افتراء کرے؟ یعنی مومن تو اللہ کی دلیل و حجت پر چلے اور منکر اللہ پر افتراء کر رہے ہیں- پس دونوں کی راہ ایک دوسرے سے متضاد ہوئی اور نتائج بھی متضاد ہوں گے- پہلے نے خدا کی بخشی ہوئی عقل سے کام لیا اور اس کی وحی پر ایمان لایا- دوسرے نے عقل و بصیرت سے انکار کیا اور خدا کی وحی جھٹلائی-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقف لازم

مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا
يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ
وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۠ اِنِّىْ لَكُمْ
نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ

دوگنا عذاب ہوگا۔ (کیونکہ ان کی سرکشی اور ہٹ دھرمی ایسی تھی کہ) نہ تو حق بات سن سکتے تھے نہ (حقیقت کی روشنی پر) نظر تھی!
یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانیں تباہی میں ڈالیں اور زندگی میں جو کچھ (حق کے خلاف) افترا پردازیاں کرتے رہے وہ سب (آخرت میں) ان سے کھوئی گئیں! (۲۱)
اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی لوگ ہیں کہ آخرت میں سب سے زیادہ تباہ حال ہوں گے۔ (۲۲)
لیکن جو لوگ ایمان لائے، نیک کام کیے اور اپنے پروردگار کی طرف قرار پکڑ لیا تو وہ جنت والے ہیں۔ جنت کی (کامرانیوں) میں ہمیشہ رہنے والے! (۲۳)
ان دو فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا بہرا اور ایک دیکھنے سننے والا۔ پھر بتلاؤ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟ (۲۴)
اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا۔ اس نے کہا (لوگو!) "میں تمہیں (انکار و بدعملی کے نتائج سے) آشکارا خبردار کرنے والا ہوں۔ (۲۵) اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایک دردناک دن نہ آ جائے"۔ (۲۶)
اس پر قوم کے ان سرداروں نے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی کہا "ہم تو تم میں اس کے سوا کوئی بات نہیں دیکھتے کہ

(۱۱) اس کے بعد آیت (۲۳) تک اسی حقیقت کی وضاحت کی ہے۔ (۲۰) میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ دنیا میں کلمہ حق کی راہ نہ روک سکیں گے کیونکہ انسان کتنا ہی زور و اقتدار میں بڑھ جائے لیکن قوانین حق پر غالب نہیں آ سکتا۔ اسے مغلوب ہی ہونا پڑتا ہے۔
(۱۲) آیت (۲۴) کو تمام پچھلی موعظت کا خلاصہ سمجھو۔ فرمایا۔ دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا بہرا ہو۔ دوسرا دیکھنے سننے والا۔ پھر کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا روشنی اور اندھیاری میں کوئی فرق نہیں؟ کیا بصارت اور کوری کا ایک حکم ہے؟
اگر نہیں ہے تو ضروری ہے کہ دونوں کے احوال و نتائج ایک دوسرے سے متضاد ہوں اور دنیا میں ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہو جیسا کہ اب ہو رہا ہے۔
(۱۳) چنانچہ اس کے بعد ہی گذشتہ ایام و وقائع کا بیان شروع ہو گیا ہے جو فی الحقیقت دلائل و حجج کا ایک پورا سلسلہ ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

ہماری ہی طرح کے ایک آدمی ہو اور جو لوگ تمہارے پیچھے چلے ہیں ان میں بھی ان لوگوں کے سوا کوئی دکھائی نہیں دیتا جو ہم میں کمینے ہیں اور بے سوچے سمجھے تمہارے پیچھے ہو لیے ہیں۔ ہم تو تم لوگوں میں اپنے سے کوئی برتری نہیں پاتے۔ بلکہ سمجھتے ہیں تم جھوٹے ہو۔'' (۲۷) نوح نے کہا'' اے میری قوم کے لوگو! تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنے حضور سے ایک رحمت بھی مجھے بخش دی ہو (یعنی راہ حق دکھا دی ہو) مگر وہ تمہیں دکھائی نہ دے تو (میں اس کے سوا کیا کر سکتا ہوں جو کر رہا ہوں؟) کیا ہم جبراً تمہیں راہ دکھا دیں حالانکہ تم اس سے بے زار ہو؟'' (۲۸)

''لوگو! یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں تو اس پر مال و دولت کا تم سے طالب نہیں۔ میری خدمت کی مزدوری جو کچھ ہے صرف اللہ پر ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں (وہ تمہاری نگاہوں میں کتنے ہی ذلیل ہوں مگر) میں ایسا کرنے والا نہیں کہ اپنے پاس سے انہیں ہنکا دوں۔ انہیں بھی اپنے پروردگار سے (ایک دن) ملنا ہے۔ (اور وہ ہم سب کے اعمال کا حساب لینے والا ہے) لیکن (میں تمہیں سمجھاؤں تو کس طرح سمجھاؤں؟) میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک جماعت ہو (حقیقت سے) جاہل'' (۲۹)

(۱۲) حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: (ا) اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو۔

(ب) اگر تم سرکشی سے باز نہ آئے تو عذاب کا ایک بڑا ہی دردناک دن آنے والا ہے۔

(ج) لیکن قوم کے سرداروں اور اونچے درجہ کی جماعتوں نے انکار و سرکشی کی۔ صرف وہ لوگ ایمان لائے جو قوم میں ذلیل سمجھے جاتے تھے۔

(د) منکروں نے کہا تم بھی ہماری ہی طرح ایک آدمی ہو پھر تمہاری بات کیوں مانیں یعنی اگر تم میں کوئی ایسا اچنبھا پایا جاتا جو اور آدمیوں میں نہیں پایا جاتا۔ یا دیوتاؤں کی طرح اتر آئے ہوتے تو تمہاری تصدیق کرتے۔

(ہ) منکرین نے کہا جو ہم میں کمینے ہیں وہی بے سمجھے بوجھے تمہیں مان رہے ہیں۔ پھر کیا ان بے وقوفوں کی طرح ہم بھی مان لیں؟ علاوہ بریں ہم ایسی جماعت میں کیونکر شریک ہو سکتے ہیں جہاں رذیل و شریف میں کوئی امتیاز نہیں؟

(و) حضرت نوح علیہ السلام نے کہا۔ انسان کی ہدایت تو انسان ہی کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے اور وہ اتنا ہی کر سکتا ہے جو اس کے اختیار میں ہے۔ تم کہتے ہو میں جھوٹا ہوں لیکن بتلاؤ اگر تم مجھے سچا سمجھتے تو کیا اس بات کی توقع کرتے کہ جبراً تمہیں سچائی کی راہ دکھا دوں؟ خدا کی طرف سے کتنی ہی واضح دلیل حق مجھے مل گئی ہو لیکن تم سمجھنے سے انکار کر دو تو میں کیا کر سکتا ہوں؟

(ز) انہوں نے کہا تم جن لوگوں کو ذلیل سمجھتے ہو میں کبھی نہیں کہوں گا کہ وہ ذلیل ہیں اور انہیں خوبی و سعادت نہیں مل سکتی۔ اگر میں ایسا کروں تو خدا کے مواخذہ میں گرفتار ہو جاؤں۔

(ح) انہوں نے کہا۔ میرا دعویٰ صرف یہ ہے کہ سچائی کا پیغام بر ہوں۔ مجھے طاقت و تصرف کا دعویٰ نہیں نہ میں انسانیت سے کوئی بالاتر ہستی ہوں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْۤ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ۖ اِنِّيْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ

''اے میری قوم کے لوگو! مجھے بتلاؤ اگر میں ان لوگوں کو اپنے پاس سے نکال باہر کروں (اور اللہ کی طرف سے مواخذہ ہو جس کے نزدیک معیار قبولیت ایمان وعمل ہے- نہ کہ تمہاری گھڑی ہوئی شرافت ورذالت) تو اللہ کے مقابلہ میں کون ہے جو میری مدد کرے گا؟ (افسوس تم پر!) کیا تم غور نہیں کرتے؟'' (۳۰)

''اور دیکھو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں- نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں- نہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں فرشتہ ہوں- میں یہ بھی نہیں کہتا کہ جن لوگوں کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو اللہ انہیں کوئی بھلائی نہیں دے گا (جیسا کہ تمہارا اعتقاد ہے) اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں ہے- اگر میں (تمہاری خواہش کے مطابق) ایسا کہوں تو جونہی ایسی بات کہی میں ظالموں میں سے ہو گیا!'' (۳۱)

اس پر ان لوگوں نے کہا ''اے نوح! تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑ چکا- (اب ان باتوں سے کچھ بننے والا نہیں) اگر تو سچا ہے تو جس بات کا وعدہ کیا ہے وہ ہمیں لا دکھا'' (۳۲)

نوح نے کہا ''اگر اللہ کو منظور ہوگا تو بلاشبہ تم پر وہ بات لے آئے گا اور تمہیں یہ قدرت نہیں کہ (اسے کسی بات سے) عاجز کر دو'' (۳۳)

''اور اگر اللہ کی مشیت یہی ہے کہ تمہیں ہلاک کرے تو میں کتنا ہی نصیحت کرنا چاہوں میری نصیحت کچھ سود مند نہ ہوگی- وہی تمہارا پروردگار ہے- اسی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے'' (۳۴)

(حکم الٰہی ہوا- اے نوح!) ''کیا یہ لوگ کہتے ہیں، اس آدمی نے (یعنی نوح نے) اپنے جی سے یہ بات گھڑ لی

(ط) منکروں نے ان دلائل ومواعظ پر غور کرنے سے انکار کر دیا، وہ ان باتوں کو ''جدال'' سے تعبیر کرنے لگے اور یہاں تک سرکشی کی کہ خود عذاب کے ظہور کا مطالبہ کرنے لگے-

(ی) اس پر ارشاد الٰہی ہوا کہ کہہ دے- تم کہتے ہو کہ میں مفتری ہوں- اچھا اگر میں مفتری ہوں تو میرا گناہ مجھ پر اور اگر تم سچائی کو جھٹلا رہے ہو تو اس کی پاداش تمہیں جھیلنی ہے- میں اس سے بری ہوں- اب فیصلہ کا انتظار کرو-

(ک) حضرت نوح علیہ السلام کا وحی الٰہی سے مطلع ہونا کہ جو ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا کوئی ایمان لانے والا نہیں اور یہ کہ ملک غرق ہونے والا ہے پس ایک کشتی بنا لو-

(ل) منکروں کا اس پر تمسخر کرنا-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ع ۳ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ
قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا
وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۖ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ
قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَمْرُنَا وَفَارَ
التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ

ہے؟ تو کہہ دے "اگر میں نے یہ بات گھڑ لی ہے تو میرا اجرم مجھ پر اور تم جو جرم کر رہے ہو (اس کی پاداش تمہارے لیے) میں اس سے بری الذمہ ہوں!" (۳۵)

اور نوح پر وحی کی گئی کہ "تیری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اب کوئی ایمان لانے والا نہیں۔ پس جو کچھ یہ کر رہے ہیں اس پر (بے کار کو) غم نہ کھا۔" (۳۶)

"اور (کہا گیا کہ) ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم کے مطابق ایک کشتی بنانا شروع کر دے اور ان ظالموں کے بارے میں اب ہم سے کچھ عرض معروض نہ کر۔ یقیناً یہ لوگ غرق ہو جانے والے ہیں" (۳۷)

چنانچہ نوح کشتی بنانے لگا۔

اور جب کبھی ایسا ہوتا کہ اس کی قوم کا کوئی گروہ اس پر سے گزرتا تو (اسے کشتی بنانے میں مشغول دیکھ کر) تمسخر کرنے لگتا۔ نوح انہیں جواب دیتا کہ "اگر تم ہماری ہنسی اڑاتے ہو تو (اڑا لو) اسی طرح ہم بھی (تمہاری بے وقوفیوں پر ایک دن) ہنسیں گے۔ (۳۸) وہ وقت دور نہیں جب تمہیں معلوم ہو جائے گا کون ہے جس پر ایسا عذاب آتا ہے کہ اسے رسوا کرے اور پھر دائمی عذاب بھی اس پر نازل ہو!" (۳۹)

(یہ سب کچھ ہوتا رہا) یہاں تک کہ جب وہ وقت آ گیا کہ ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات ظہور میں آئے اور (فطرت کے) تنور نے جوش مارا تو ہم نے (نوح کو) حکم دیا "ہر قسم (کے جانوروں) کے دو دو جوڑے کشتی میں لے لو اور اپنے اہل و عیال کو بھی ساتھ لو۔ مگر اہل و عیال میں وہ لوگ داخل نہیں جن کے لیے پہلے بات کہی جا چکی ہے (یعنی کہا جا چکا ہے کہ انہیں غرق ہونا ہے) نیز ان لوگوں کو بھی

(ن) طوفان کا ظہور اور حضرت نوح علیہ السلام کا کشتی میں سوار ہونا اور ان سب کو ساتھ لے لینا جن کے ساتھ لینے کا حکم ہوا۔
(س) سیلاب نے اتنا گہرا پانی جمع کر دیا تھا اور طوفانی ہواؤں کا یہ عالم تھا کہ اونچی اونچی موجیں اٹھنے لگی تھیں۔
(ع) حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے نے ان کا ساتھ نہ دیا اور غرق ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا خدایا! وہ میرے اہل و عیال میں سے ہے۔ فرمایا نہیں وہ بد عمل ہے اور بد عمل تیرے اہل میں داخل نہیں۔
یہ آیت اس باب میں قطعی ہے کہ جسمانی رشتہ نجات کے لیے کچھ سود مند نہیں۔ جو کچھ ہے ایمان و عمل ہے۔
حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے لڑکے کے کفر کی خبر نہ تھی اس لیے عرض کیا کہ وہ میرے اہل میں سے ہے اور میرے اہل و عیال کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ
لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَنَادٰى نُوْحُ ِۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ
ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ
الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ
ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ

لے لو جو ایمان لا چکے ہیں'' اور نوح کے ساتھ ایمان نہیں لائے تھے مگر بہت تھوڑے آدمی۔ (۴۰)

اور (نوح نے ساتھیوں سے) کہا ''کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ اللہ کے نام سے اسے چلنا ہے اور اللہ ہی کے نام سے ٹھہرنا! بلا شبہ میرا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ہے!'' (۴۱)

اور (دیکھو) ایسی موجوں میں کہ پہاڑ کی طرح اٹھتی ہیں کشتی انہیں لیے جا رہی ہے۔ اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا۔ وہ کنارہ پر (کھڑا) تھا ''اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔ کافروں کے ساتھ نہ رہ'' (۴۲) اس نے کہا ''میں کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا، وہ مجھے پانی کی زد سے بچا لے گا'' نوح نے کہا ''(تو کس خیال خام میں پڑا ہے؟) آج اللہ کی (ٹھہرائی ہوئی) بات سے بچانے والا کوئی نہیں مگر ہاں وہی جس پر رحم کرے'' اور (دیکھو) دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی۔ پس وہ انہی میں ہوا جو ڈوبنے والے تھے! (۴۳)

اور (پھر اللہ کا) حکم ہوا ''اے زمین! اپنا پانی پی لے! اور اے آسمان! تھم جا!'' اور پانی کا چڑھاؤ اتر گیا اور حادثہ انجام پا گیا' اور کشتی ''جودی'' پر ٹھہر گئی' اور کہا گیا'' نامرادی اس گروہ کے لیے ہے جو ظلم کرنے والا گروہ تھا!'' (۴۴) اور نوح نے اپنے پروردگار سے دعا کی۔ اس نے کہا ''خدایا! میرا بیٹا تو میرے گھر کے لوگوں میں سے ہے۔ اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے۔ تجھ سے بہتر فیصلہ

حفاظت کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ حقیقت حال دوسری ہے اور تمہیں اس کی خبر نہیں۔ وہ تو ان میں سے ہے جن کے لیے کہا جا چکا ہے کہ ﴿ لا تخاطبنی فی الذین ظلموا ﴾ اور ﴿ الا من سبق علیه القول ﴾ جیسا کہ آیت (۳۷) اور (۴۰) میں گزر چکا۔

(ف) طوفان اور سیلاب کا تھمنا' حادثہ کا ختم ہونا اور کشتی کا جودی پہاڑ پر قرار پانا۔

سورۂ قمر کی آیت (۱۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے لگاتار بارش ہوئی تھی اور زمین کی تمام نہروں میں سیلاب آ گیا تھا۔ تورات میں بھی ایسا ہی ہے۔ لیکن اس میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ بڑے سمندر کی تمام سوتیں پھوٹ نکلی تھیں (پیدائش ۷: ۱۲)

حضرت نوح علیہ السلام کا ظہور اس سرزمین میں ہوا تھا جو دجلہ اور فرات کی وادیوں میں واقع ہے۔ دجلہ اور فرات آرمینیا کے پہاڑوں سے نکلے ہیں اور بہت دور الگ الگ بہ کر عراق زیریں میں باہم مل گئے ہیں اور پھر خلیج فارس میں سمندر سے تمام کنار ہوئے ہیں۔ آرمینیا کے یہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۫ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ
عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِىْ بِهٖ
عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِىْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ
وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ
نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۭ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ ع

کرنے والا کوئی نہیں'' (۴۵)

(خدا نے) فرمایا ''اے نوح! وہ تیرے گھر کے لوگوں میں سے نہیں- وہ تو (سرتا پا) عمل بد ہے[1] پس جس حقیقت کا تجھے علم نہیں، اس بارے میں سوال نہ کر- میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ ناواقفوں میں سے نہ ہو جانا-'' (۴۶)

(نوح نے) عرض کیا ''خدایا! میں اس بات سے تیرے حضور پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی بات کا سوال کروں جس کی حقیقت کا مجھے علم نہیں- اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور رحم نہ فرمایا تو میں ان لوگوں میں سے ہو جاؤں گا جو تباہ حال ہوئے!'' (۴۷)

حکم ہوا ''اے نوح! اب کشتی سے اتر- ہماری جانب سے تجھ پر سلامتی اور برکتیں ہوں- نیز ان جماعتوں پر جو تیرے ساتھ ہیں- اور دوسری کتنی ہی جماعتیں ہیں (بعد کو آنے والی) جنہیں ہم (زندگی کے فائدوں سے) بہرہ مند کریں گے- لیکن پھر انہیں (پاداش عمل میں) ہماری طرف سے عذاب دردناک پہنچے گا'' (۴۸)

(اے پیغمبر!) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے وحی کے ذریعہ سے تجھے بتلا رہے ہیں- اس سے پہلے نہ تو یہ باتیں تو جانتا تھا نہ تیری قوم- پس صبر کر (اور منکروں کے جہل و شرارت سے دلگیر نہ ہو) انجام کار متقیوں ہی کے لیے ہے! (۴۹)

پہاڑ ''ارارات'' کے علاقہ میں واقع ہیں- اسی لیے انہیں تورات میں ''ارارات کا پہاڑ'' کہا ہے- لیکن قرآن نے خاص اس پہاڑ کا ذکر کیا جس پر کشتی ٹھہری تھی- وہ ''جودی'' تھا-

زمانہ حال کے بعض شارحین تورات کے خیال میں ''جودی'' اس سلسلہ کوہ کا نام ہے جس نے ارارات اور جارجیا کے سلسلہ ہائے کوہ کو ملا دیا ہے- وہ کہتے ہیں- سکندر کے زمانے کی یونانی تحریرات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے- کم از کم یہ واقعہ تاریخی ہے کہ آٹھویں صدی مسیحی تک وہاں ایک معبد موجود تھا اور لوگوں نے اس کا نام ''کشتی کا معبد'' رکھ دیا تھا-

(ص) ایک ایسے طوفان و سیلاب کے بعد ملک کی جو حالت ہو گئی ہو گی اس کی ہولناکی محتاج بیان نہیں- قدرتی طور پر حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو خیال گزرا ہو گا کہ یہ سرزمین زندگی اور زندگی کے تمام سامانوں سے خالی ہو گئی ہے- اب اس وحشت کدہ میں ہم کیونکر زندگی بسر کریں گے؟ پس اللہ نے وحی کی کہ سلامتی اور برکتوں کے ساتھ زمین پر قدم رکھو- یعنی تمہارے لیے اب خوف کی کوئی بات نہ ہو گی اور سامان زندگی کی تمام برکتیں پھر ظہور میں آ جائیں گی- چنانچہ آیت (۴۸) میں کہ خاتمہ سرگزشت ہے اسی طرف اشارہ کیا ہے- ''و امم سنمتعهم'' کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے بعد جو امتیں آئیں گی انہیں اگرچہ زندگی کی ساری کامرانیاں ملیں گی، لیکن پھر پاداش عمل سے تباہی میں پڑیں گی-

---

[1] یعنی جب وہ تیری راہ نہ چلا اور بدعملوں کا ساتھی ہوا تو فی الحقیقت تیرے حلقہ قرابت سے باہر ہو گیا- اب اسے اپنا نہ سمجھ-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ يٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ

اور ہم نے (قوم) عاد کی طرف اس کے بھائی بندوں میں سے ہود کو بھیجا۔

ہود نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ یقین کرو، تم اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ (حقیقت کے خلاف) افترا پردازیاں کر رہے ہو۔" (۵۰) "اے میری قوم کے لوگو! میں اس بات کے لیے تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ تو اسی پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ پھر کیا تم (اتنی صاف بات بھی) نہیں سمجھتے؟" (۵۱)

"اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے پروردگار سے (اپنے قصوروں کی) مغفرت مانگو۔ اور (آئندہ کے لیے) اس کی جناب میں توبہ کرو۔ وہ تم پر برستے ہوئے بادل بھیجتا ہے (جس سے تمہارے کھیت اور باغ شاداب ہو جاتے ہیں) اور تمہاری قوتوں پر نئی نئی قوتیں بڑھاتا ہے (کہ روز بروز گھٹنے کی جگہ اور زیادہ بڑھتے جاتے ہو) اور (دیکھو) جرم کرتے ہوئے اس سے منہ نہ موڑو۔" (۵۲)

(ان لوگوں نے) کہا "اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی دلیل لے کر تو آیا نہیں (جسے ہم دلیل سمجھیں) اور ہم ایسا کرنے والے نہیں کہ تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ ہم تجھ پر ایمان لانے والے نہیں۔" (۵۳) "ہم جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی معبود کی تجھ پر مار پڑ گئی ہے۔" (اسی لیے اس طرح کی باتیں کرنے لگا ہے)۔

(۱۵) قوم عاد میں حضرت ہود علیہ السلام کا ظہور ہوا۔

(ا) انہوں نے کہا اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

تمہارے عقائد و اعمال حقیقت کے خلاف محض افترا ہیں۔ میں کسی معاوضہ کا طالب نہیں۔ محض ادائے فرض کا تقاضا ہے جو مجھے دعوت الی الحق پر مجبور کر رہا ہے۔

(ب) لیکن ان کی قوم نے ان مواعظ پر کان دھرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا۔ تمہارے پاس کوئی ایسی بات نہیں جو ہمارے نزدیک دلیل ہو۔ ہم تو اپنے معبودوں کی پرستش چھوڑنے والے نہیں۔ ہمارے خیال میں جو بات آتی ہے وہ تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار تمہیں لگ گئی ہے۔ اسی لیے ایسے خیالات آنے لگے ہیں۔

(ج) حضرت ہود علیہ السلام نے کہا۔ تم کہتے ہو تمہارے معبودوں کی مجھ پر مار ہے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ مجھے تمہارے معبودوں سے کوئی سروکار نہیں۔ اب تم اور تمہارے معبود جو کچھ میرے خلاف کر سکتے ہیں کر دیکھیں۔ تمہارا بھروسہ ان معبودوں پر ہے۔ میرا اللہ پر ہے جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے!

میرا کام تبلیغ حق تھا۔ میں نے کر دیا۔ اب اگر سچائی کی طرف سے تم نے رخ پھیر ہی لیا ہے تو جان لو کہ قانون الٰہی کے مطابق تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو مل جائے گی اور تم ہلاکت سے دوچار ہو گے۔

(د) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مومنوں نے نجات پائی۔ سرکش ہلاک ہوئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالَ اِنِّیۡۤ اُشۡہِدُ اللّٰہَ وَ اشۡہَدُوۡۤا اَنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِکُوۡنَ ﴿۵۴﴾ مِنۡ دُوۡنِہٖ فَکِیۡدُوۡنِیۡ جَمِیۡعًا ثُمَّ لَا
تُنۡظِرُوۡنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّیۡ تَوَکَّلۡتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیۡ وَ رَبِّکُمۡ ؕ مَا مِنۡ دَآبَّۃٍ اِلَّا ہُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِہَا ؕ اِنَّ رَبِّیۡ
عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ مَّاۤ اُرۡسِلۡتُ بِہٖۤ اِلَیۡکُمۡ ؕ وَ یَسۡتَخۡلِفُ رَبِّیۡ
قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ۚ وَ لَا تَضُرُّوۡنَہٗ شَیۡئًا ؕ اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ حَفِیۡظٌ ﴿۵۷﴾ وَ لَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا
نَجَّیۡنَا ہُوۡدًا وَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ بِرَحۡمَۃٍ مِّنَّا ۚ وَ نَجَّیۡنٰہُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِیۡظٍ ﴿۵۸﴾ وَ تِلۡکَ عَادٌ ۟ جَحَدُوۡا

ہود نے کہا "میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن ہستیوں کو تم نے اس کا شریک بنا رکھا ہے مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔ (۵۴) تم سب مل کر میرے خلاف جو کچھ تدبیریں کر سکتے ہو ضرور کرو اور مجھے (ذرا بھی) مہلت نہ دو (پھر دیکھ لو) نتیجہ کیا نکلتا ہے؟)" (۵۵)

"میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی۔ کوئی حرکت کرنے والی ہستی نہیں کہ اس کے قبضہ سے باہر ہو[1]۔ میرا پروردگار (حق وعدل کی) سیدھی راہ پر ہے" (یعنی اس کی راہ ظلم کی راہ نہیں ہو سکتی) (۵۶)

"پھر اگر (اس پر بھی) تم نے روگردانی کی تو جس بات کے لیے میں بھیجا گیا تھا وہ میں نے پہنچا دی (اس سے زیادہ میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے) اور (مجھے تو نظر آ رہا ہے کہ) میرا پروردگار کسی دوسرے گروہ کو تمہاری جگہ دے دے گا اور تم اس کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے۔ یقیناً میرا پروردگار ہر چیز کا نگران حال ہے" (۵۷)

اور (دیکھو) جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات کا وقت آ پہنچا۔ تو ہم نے اپنی رحمت سے ہود کو بچا لیا اور ان لوگوں کو بھی بچا لیا جو اس کے ساتھ (سچائی پر) ایمان لائے تھے اور ایسے عذاب سے بچایا کہ بڑا ہی سخت عذاب تھا! (۵۸) یہ ہے سرگزشت عاد کی۔

(ہ) آیت (۵۶) میں "ربی و ربکم" کا زور جس بات پر ہے اسے سمجھ لینا چاہیے۔ ان تمام مشرک قوموں کو اس بات سے انکار نہ تھا کہ ایک خالق و پروردگار ہستی موجود ہے اور اصلی طاقت اسی کی طاقت ہے۔ یعنی وہ توحید ربوبیت سے بے خبر نہ تھے لیکن ساری گمراہی یہ تھی کہ توحید الوہیت میں کھوئے گئے تھے۔ یعنی سمجھتے تھے اس پروردگار ہستی کے ماتحت دوسری ہستیاں بھی ہیں جنہیں تصرف کا اختیار مل گیا ہے اور اس لیے ہمیں ان کی پوجا کرنی چاہیے۔ پس ﴿ ربی وربکم ﴾ کا مطلب یہ ہوا کہ میرا بھروسہ تو اس پر ہے جسے میں بھی رب یقین کرتا اور تم بھی رب مانتے ہو۔

(د) آیت (۵۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد پر ظالم و سرکش پادشاہ حکمراں تھے اور فراعنہ مصر کی طرح اپنے آپ کی پوجا کرواتے تھے۔ فرمایا انہوں نے خدا کے رسولوں سے نافرمانی کی اور سرکش و ظالم حکمرانوں کا کہا مانا۔ یعنی جو حق و عدالت کی طرف بلاتے تھے ان سے تو منکر ہوئے اور جو ظلم و سرکشی کرتے تھے ان کے پیچھے چلے! ایسے گروہ کے لیے بجز ہلاکت کے اور کیا ہو سکتا ہے؟

"رسلہ" اس لیے کہا کہ گو انہوں نے انکار ایک رسول کا کیا تھا لیکن اس کی تعلیم تمام رسولوں ہی کی تعلیم تھی۔ پس ایک کو

[1] آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ "کوئی چلنے والا وجود نہیں ہے مگر یہ کہ اللہ نے اسے اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ رکھا ہے۔" یہ عربی کا محاورہ ہے اور اسی معنی میں بولا جاتا ہے جو متن میں اختیار کیے گئے ہیں ۱۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا
لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ وَاِلٰى ثَمُوْدَ
اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ
وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا يٰصٰلِحُ
قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ

انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیاں (ہٹ دھرمی اور سرکشی کرتے ہوئے) جھٹلائیں اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر متکبر و سرکش کے حکم کی پیروی کی! (۵۹)

اور ایسا ہوا کہ دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت پڑی (یعنی رحمت الٰہی کی برکتوں سے محرومی ہوئی) اور قیامت کے دن بھی۔ تو سن رکھو کہ قوم عاد نے اپنے پروردگار کی ناشکری کی! اور سن رکھو کہ عاد کے لیے محرومی کا اعلان ہوا جو ہود کی قوم تھی! (۶۰)

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف اس کے بھائی بندوں میں سے صالح کو بھیجا۔

اس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ وہی ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور پھر اسی میں تمہیں بسا دیا۔ پس چاہیے کہ اس سے بخشش مانگو اور اس کی طرف رجوع ہو کر رہو۔ یقین کرو۔ میرا پروردگار (ہر ایک کے) پاس ہے۔ اور (ہر ایک کی) دعاؤں کا جواب دینے والا ہے!" (۶۱)

لوگوں نے کہا "اے صالح پہلے تو تو ایک ایسا آدمی تھا کہ ہم سب کی امیدیں تجھ سے وابستہ تھیں پھر کیا تو ہمیں روکتا ہے کہ ان معبودوں کی پوجا نہ کریں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں؟ (یہ کیسی بات ہے؟) ہمیں تو اس بات میں بڑا ہی شک

جھٹلانا سب کو جھٹلانا ہوا۔ نیز ان کے انکار کو "جحود" سے تعبیر کیا۔ ((جحدوا بایات ربھم)) تاکہ واضح ہو جائے ان کے انکار کی نوعیت کیا تھی؟ جحود کے معنی یہ ہیں کہ جان بوجھ کر محض ہٹ اور شرارت سے انکار کرنا۔ چنانچہ تفصیل تفسیر فاتحہ میں گزر چکی ہے۔

(۱۶) قوم ثمود میں حضرت صالح (علیہ السلام) کا ظہور ہوا۔

(ا) انہوں نے کہا۔ اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

دیکھو کون ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا۔ یعنی ایسی چیز سے پیدا کیا جو زمین کی مٹی کا خمیر تھی (جیسا کہ دوسری جگہ صراحت کی ہے) اور پھر تم سے اس کی آبادی و رونق کر دی؟ کیا پروردگار عالم کے سوا کوئی ہو سکتا ہے؟ پھر کیا وہی اس کا مستحق نہیں کہ اس کی بندگی کی جائے؟ سرکشی سے باز آ جاؤ اور اس کی طرف رجوع ہو۔

(ب) قوم نے کہا۔ ہمیں تو تمہاری ذات سے بڑی بڑی امیدیں تھیں کہ ہماری سرداری اور پیشوائی کرو گے۔ یہ تمہیں کیا ہو گیا کہ ہمارے بزرگوں کے طریقہ کو برا کہتے ہو اور اس سے ہمیں ہٹانا چاہتے ہو؟

ہمیشہ یہ بات دیکھی گئی ہے اور اب بھی دیکھی جا سکتی ہے کہ جب کبھی ایک غیر معمولی قابلیت کا آدمی قوم میں پیدا ہوتا ہے تو لوگ اس کی قابلیت سراہتے ہیں اور اس سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کرتے ہیں کہ یہ ہمارا پیشوا ہو گا، باپ دادا کا نام روشن کرے گا۔ لیکن جب وہ کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے جو ان کے طور طریقہ کے خلاف ہوتی ہے تو گردن موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ یہ تو نکما نکلا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰنِيْ مِنْهُ
رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۖ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ
اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ
قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾
فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۭ

ہے جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو کہ ہمارے دل میں اترتی نہیں" (۶۲)

صالح نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت مجھے عطا فرمائی ہو تو پھر کون ہے جو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کرے گا اگر میں اس کے حکم سے سرتابی کروں؟ تم (اپنی توقع کے مطابق دعوت کا رد کر) مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے - تباہی کی طرف لے جانا چاہتے ہو" (۶۳)

"اور اے میری قوم کے لوگو! دیکھو یہ اللہ کی اونٹنی (یعنی اس کے نام پر چھوڑی ہوئی اونٹنی) تمہارے لیے ایک (فیصلہ کن) نشانی ہے - پس اسے چھوڑ دو، اللہ کی زمین میں چرتی رہے - اسے کسی طرح کی اذیت نہ پہنچانا ورنہ فوراً عذاب تمہیں آ پکڑے گا -" (۶۴)

لیکن لوگوں نے (اور زیادہ ضد میں آ کر) اسے ہلاک کر ڈالا - تب صالح نے کہا "(اب تمہیں صرف) تین دن (کی مہلت ہے -) اپنے گھروں میں کھا پی لو - یہ وعدہ ہے - جھوٹا نہ نکلے گا" (۶۵)

پھر جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات کا وقت آ پہنچا تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے

ہماری ساری امیدیں خاک میں ملا دیں - گویا بزرگی و پیشوائی کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ جو بات حق معلوم ہو اس کی لوگوں کو دعوت دی جائے - بلکہ یہ ہے کہ لوگ جسے حق سمجھتے ہوں اس کی پیروی کی جائے اور اسی کی طرف لوگوں کو بھی دعوت دی جائے!

قرآن نے یہاں قوم ثمود کا جو جواب نقل کیا ہے اس کا مطلب یہی ہے -

(ج) حضرت صالح علیہ السلام نے کہا - تم غور نہیں کرتے کہ اگر ایک شخص پر اللہ نے علم و بصیرت کی راہ کھول دی ہو اور وہ دیکھ رہا ہو کہ سچائی وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہے تو پھر کیا محض لوگوں کے پاس خاطر سے اس کا اظہار نہ کرے؟ اچھا بتلاؤ اگر وہ حکم حق سے سرتابی کرے تو کون ہے جو خدا کے مواخذہ سے اسے بچا لے گا؟ اگر میں محض اس خیال سے کہ تمہاری امیدوں کو ٹھیس نہ لگے سچائی کا اعلان نہ کروں تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اپنے آپ کو تباہی میں ڈال دوں -

(د) بہر حال انہوں نے سرکشی کی - نتیجہ یہ نکلا کہ مومنوں نے نجات پائی - سرکش ہلاک ہوئے -

اونٹنی کے معاملہ کی تشریح اعراف (۷۳) کے نوٹ میں گزر چکی ہے -

حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کی سرگزشتوں میں اختصار ملحوظ رہا - کیونکہ ان دونوں کا ظہور عرب ہی میں ہوا تھا اور مخاطبین ان سے ناآشنا نہ تھے -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٦٦﴾ وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ
جٰثِمِينَ ﴿٦٧﴾ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا إِنَّ ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ﴿٦٨﴾ وَلَقَدْ
جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَن جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ﴿٦٩﴾
فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا
إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ﴿٧٠﴾ وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِن وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ﴿٧١﴾

اپنی رحمت سے بچالیا اور اس دن کی رسوائی سے نجات دے دی- (اے پیغمبر!) بلاشبہ تیرا پروردگار وہی ہے جو قوت والا اور سب پر غالب ہے!(٦٦)

اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کا یہ حال ہوا کہ ایک زور کی کڑک نے آ لیا- جب صبح ہوئی تو سب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے-(٦٧)(وہ اس طرح اچانک مر گئے) گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے! تو سن رکھو کہ ثمود نے اپنے پروردگار کی ناشکری کی اور ہاں سن رکھو کہ ثمود کے لیے محرومی ہوئی!(٦٨)

اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے تھے-انہوں نے کہا "تم پر سلامتی ہو"-ابراہیم نے کہا "تم پر بھی سلامتی" پھر ابراہیم فوراً ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا (اور ان کے سامنے رکھ دیا کہ یہ میرے مہمان ہیں)(٦٩)

پھر جب اس نے دیکھا ان کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہیں تو ان سے بدگمان ہوا اور جی میں ڈرا (کہ یہ کیا بات ہے؟) انہوں نے کہا "خوف نہ کر-ہم تو (اللہ کی طرف سے) قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں"(٧٠)

اور اس کی بیوی (سارہ) بھی (خیمہ میں) کھڑی (سن رہی) تھی-وہ ہنس پڑی (یعنی اندیشہ کے دور ہو جانے سے خوش ہوگئی) پس ہم نے اسے (اپنے فرشتوں کے ذریعہ سے) اسحاق (کے پیدا ہونے) کی خوشخبری دی اور اس کی کہ اسحاق کے بعد یعقوب کا ظہور ہوگا-(٧١)

(١٧) حضرت لوط (علیہ السلام) کی دعوت اور باشندگان سدوم کی ہلاکت-

تورات میں ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے اور حاران کے بیٹے تھے- یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ شہر اور سے آئے اور سدوم میں مقیم ہو گئے جو دریائے یردن کی ترائی میں واقع تھا- چونکہ سدوم کی ہلاکت کی خبر پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی تھی اس لیے سرگزشت کی ابتداء انہی کے ذکر سے ہوئی-

(ا) فرشتوں نے دو باتوں کی خبر دی- ایک یہ کہ قوم لوط کی ہلاکت کا وقت آ گیا- دوسری یہ کہ سارہ علیہا السلام کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش ہوگی اور ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوں گے-

ان دونوں باتوں میں بظاہر کوئی علاقہ نظر نہیں آتا- اس لیے خیال ہوتا ہے کہ کیوں دونوں کی خبر بیک وقت دی گئی، کیوں دونوں کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا؟ لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے- دونوں باتیں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں-

حضرت ابراہیم اور حضرت لوط (علیہما السلام) جب کسدیوں کے ملک سے آ کر فلسطین میں مقیم ہوئے تو یہ ملک ان کے لیے اجنبیوں کا ملک تھا لیکن مشیت الٰہی کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ ایک دن اسی سرزمین پر ان کی نسل حکمرانی کرے گی- اس نسل کا ظہور کس سے ہوا؟ اسرائیل سے- یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام سے- وہ کس کے لڑکے تھے؟ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے- پس فرشتوں نے بیک وقت دو باتوں کی خبر دی-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ
اللّٰهِ ۭ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ
وَجَاۗءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ
عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَاۗءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾ وَلَمَّا جَاۗءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا

وہ بولی- ''افسوس مجھ پر! کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ میرے اولاد ہو حالانکہ میں بڑھیا ہوگئی ہوں اور یہ میرا شوہر بھی بوڑھا ہو چکا ہے؟ یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے!'' (۷۲)

انہوں نے کہا- '' کیا تو اللہ کے کاموں پر تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں تجھ پر ہوں اے اہل خانہ ابراہیم! (اس کے فضل وکرم سے یہ بات کچھ بعید نہیں ہے) بلاشبہ اسی کی ذات ہے جس کی ستائشیں کی جاتی ہیں اور وہی ہے جس کے لیے ہر طرح کی بڑائیاں ہیں!'' (۷۳)

پھر جب ابراہیم کے دل سے اندیشہ دور ہوگیا اور اسے خوشخبری ملی تو قوم لوط کے بارے میں ہم سے جھگڑنے لگا (یعنی ہمارے فرستادوں سے بار بار سوال وجواب کرنے لگا کہ آنے والی بلا ٹل جائے) (۷۴) حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑا ہی بردبار بڑا ہی نرم دل اور (ہر حال میں) اللہ کی طرف رجوع ہو کر رہنے والا تھا! (۷۵)

(ہمارے فرستادوں نے کہا) ''اے ابراہیم! اب اس بات کا خیال چھوڑ دے- تیرے پروردگار کی (ٹھہرائی ہوئی) بات جو تھی وہ آ پہنچی اور ان لوگوں پر عذاب آ رہا ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا'' (۷۶) اور پھر جب ایسا ہوا کہ ہمارے فرستادے لوط کے پاس پہنچے تو وہ

ایک میں ایمان و نیک عملی کی کامرانیوں کا اعلان تھا- دوسری میں انکار و بدعملی کی ہلاکتوں کا- یعنی جس دن اس بات کی خبر دی گئی کہ سدوم اور عمورہ کا علاقہ بدعملیوں کی پاداش میں ہلاک ہونے والا ہے اسی دن اس کی بھی بشارت دے دی گئی کہ نیک عملی کے نتائج ایک نئی نسل تیار کر رہے ہیں اور وہ عنقریب اس تمام ملک پر حکمرانی کرنے والی ہے!

پھر معاملہ کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے- سدوم اور عمورہ کا علاقہ فلسطین کا سب سے زیادہ شاداب علاقہ تھا- اور معلوم ہے کہ سارہ علیہا السلام تمام عمر اولاد کی تمنائیں کرتے کرتے بالآخر مایوس ہو چکی تھیں- پس قدرت الٰہی نے بیک وقت دونوں کرشمے دکھلا دیئے: جو زمین سب سے زیادہ شاداب ہے وہ بدعملیوں کی پاداش میں ایسی اجڑے گی کہ پھر کبھی سرسبز و شاداب نہ ہو سکے گی- جو شجر امید بالکل سوکھ چکا ہے وہ اچانک اس طرح سرسبز ہو جائے گا کہ صدیوں تک اس کی شاخیں بار آور رہیں گی!

چنانچہ سدوم اور عمورہ کا علاقہ آتش فشاں مادہ کے انفجار سے ایسا بنجر ہوا کہ آج تک بنجر ہے اور بشارت پر پورا سال بھی نہیں گزرا تھا کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش ظہور میں آ گئی اور پھر ان کی نسل روز بروز بڑھتی اور پھیلتی گئی-

(ہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک بیوی حضرت سارہ تھی ایک حضرت ہاجرہ- ہاجرہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے لیکن حضرت سارہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی- یہاں تک کہ وہ مایوس ہوگئیں- پھر مایوسی کے بعد یہ بشارت ملی اور حضرت اسحٰق پیدا ہوئے-

(و) تورات (پیدائش ۱۹: ۲۳) میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بار بار التجائیں کیں کہ عذاب ٹل جائے- کیوں کہ ہوسکتا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سِیۡٓءَ بِهِمۡ وَضَاقَ بِهِمۡ ذَرۡعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوۡمٌ عَصِيۡبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ قَوۡمُهٗ يُهۡرَعُوۡنَ اِلَيۡهِ ؕ وَمِنۡ
قَبۡلُ كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِىۡ هُنَّ اَطۡهَرُ لَـكُمۡ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا
تُخۡزُوۡنِ فِىۡ ضَيۡفِىۡ ؕ اَلَيۡسَ مِنۡكُمۡ رَجُلٌ رَّشِيۡدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوۡا لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا لَنَا فِىۡ بَنٰتِكَ مِنۡ
حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعۡلَمُ مَا نُرِيۡدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوۡ اَنَّ لِىۡ بِكُمۡ قُوَّةً اَوۡ اٰوِىۡۤ اِلٰى رُكۡنٍ شَدِيۡدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوۡا
يٰلُوۡطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنۡ يَّصِلُوۡۤا اِلَيۡكَ فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ وَلَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ
اِلَّا امۡرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيۡبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمۡ ؕ اِنَّ مَوۡعِدَهُمُ الصُّبۡحُ ؕ اَلَيۡسَ الصُّبۡحُ بِقَرِيۡبٍ ﴿۸۱﴾

ان کے آنے سے خوش نہیں ہوا- ان کی موجودگی نے اسے پریشان کر دیا- وہ بولا "آج کا دن تو بڑی مصیبت کا دن ہے!" (۷۷)

اور اس کی قوم کے لوگ (اجنبیوں کے آنے کی خبر سن کر) دوڑتے ہوئے آئے- وہ پہلے سے برے کاموں کے عادی ہو رہے تھے- لوط نے ان سے کہا "لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں (یعنی بستی کی عورتیں جنہیں وہ اپنی بیٹیوں کی جگہ سمجھتا تھا اور جنہیں لوگوں نے چھوڑ رکھا تھا) یہ تمہارے لیے جائز اور پاک ہیں- پس (ان کی طرف ملتفت ہو- دوسری بات کا قصد نہ کرو اور) اللہ سے ڈرو- میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو- کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں؟" (۷۸)

ان لوگوں نے کہا "تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تیری ان بیٹیوں سے ہمیں کوئی سروکار نہیں- اور تو اچھی طرح جانتا ہے، ہم کیا کرنا چاہتے ہیں" (۷۹)

لوط نے کہا "کاش تمہارے مقابلہ کی مجھے طاقت ہوتی یا کوئی سہارا ہوتا جس کا آسرا پکڑ سکتا" (۸۰)

(تب مہمانوں نے) کہا "اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے آئے ہیں- (گھبرانے کی کوئی بات نہیں) یہ لوگ کبھی تجھ پر قابو نہ پا سکیں گے- تو یوں کر کہ جب رات کا ایک حصہ گزر جائے تو اپنے گھر کے آدمیوں کو ساتھ لے کر نکل چل اور تم میں سے کوئی ادھر ادھر نہ دیکھے (یعنی اور کسی بات کی فکر نہ کرے) مگر ہاں تیری بیوی (ساتھ دینے والی نہیں- وہ پیچھے رہ جائے گی) جو کچھ ان لوگوں پر گزرنا ہے وہ اس پر بھی گزرے گا- ان لوگوں کے لیے عذاب کا مقررہ وقت صبح کا ہے اور صبح کے آنے میں کچھ دیر نہیں" (۸۱)

سدوم میں چند آدمی ہی نیک کردار باقی رہ گئے ہوں- لیکن اللہ نے فرمایا- وہاں دس آدمی بھی ایسے نہ رہے جو نیک کردار ہوں- ہو سکتا ہے کہ آیت (۷۴) میں ﴿ يجادلنا ﴾ سے مقصود یہی بات ہو- یا اسی طرح کی کوئی بات- بہر حال اللہ نے ان کی اس سعی کی مدح کی کہ یہ ان کے حلم اور رحم و شفقت کا نتیجہ تھی- پھر واضح کر دیا کہ بات ٹلنے والی نہیں تھی- وقت آ پہنچا تھا-

(ز) حضرت لوط کو مہمانوں کے آنے سے اس لیے پریشانی ہوئی کہ وہ جانتے تھے شہر کے باشندے ضرور حملہ آور ہوں گے- کیونکہ ان کا قاعدہ تھا جب کبھی کوئی اجنبی مسافر آ پھنستا تو اس پر حملہ کر دیتے اور سمجھتے ہمارے خبیثانہ افعال کے لیے ایک شکار ہاتھ آ گیا- چنانچہ ایسا ہی ہوا-

(ح) اعراف میں حضرت لوط علیہ السلام کے وعظ و نصیحت اور قوم کی سرکشی کا حال گزر چکا ہے (آیت ۸۰) یہاں اس میں تفصیل کی کہ عذاب کا ظہور کن حالات میں ہوا تھا- بہر حال نتیجہ یہی نکلا کہ قوم ہلاک ہوئی اور حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں پر کوئی آنچ نہ آئی-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً
عِنْدَ رَبِّكَ ۭ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ
عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ
اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ

پھر جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات کا وقت آ پہنچا تو (اے پیغمبر!) ہم نے اس (بستی) کی تمام بلندیاں پستی میں بدل دیں- (یعنی تمام بلند عمارتیں گرا کر زمین کے برابر کر دیں) اور اس پر آگ میں پکے ہوئے پتھر لگاتار برسائے کہ تیرے پروردگار کے حضور (اس غرض سے) نشانی کیے ہوئے تھے-[1] (۸۲)

یہ (بستی) ان ظالموں سے (یعنی اشرار مکہ سے) کچھ دور نہیں ہے (یہ اپنی سیر و سیاحت میں وہاں سے گزرتے رہتے ہیں اور اگر چاہیں تو اس سے عبرت پکڑ سکتے ہیں)- (۸۳)

اور ہم نے (قبیلہ) مدین کی طرف اس کے بھائی شعیب کو بھیجا-

اس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں- اور ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو- میں دیکھ رہا ہوں کہ تم خوشحال ہو- (یعنی خدا نے تمہیں بہت کچھ دے رکھا ہے- پس کفران نعمت سے بچو) میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایسا دن نہ آ جائے جو سب پر چھا جائے گا" (۸۴) "اور اے میری قوم کے لوگو! ماپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو- لوگوں کو ان کی چیزیں (ان کے حق سے) کم نہ دو- ملک میں شر و فساد پھیلاتے نہ پھرو- (۸۵) اگر تم میرا کہا مانو تو جو کچھ اللہ کا دیا (کاروبار میں) بچ رہے اسی میں تمہارے لیے بہتری ہے، اور دیکھو (میرا کام تو صرف نصیحت کر دینا ہے)

(۱۸) قبیلہ مدین میں حضرت شعیب (علیہ السلام) کی دعوت کا ظہور ہوا-

تورات میں ہے کہ قطورا کے بطن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چھ لڑکے ہوئے جن میں سے ایک کا نام مدیان تھا (پیدائش ۲۵:۱) یہی "مدیان" عربی میں "مدین" ہو گیا- اس کی اولاد بحر قلزم کے کنارے آباد ہو گئی تھی- جن میں حضرت شعیب علیہ السلام کا ظہور ہوا- بنی اسرائیل انہیں بنی قطورہ کہتے تھے-

(ا) حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا- اللہ کی بندگی کرو- اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں-

ناپ تول میں خیانت نہ کرو- نہ تو حق سے زیادہ لو- نہ حق سے کم دو- ملک میں شر و فساد پھیلاتے نہ پھرو یعنی لوٹ مار نہ کرو-

میں دیکھتا ہوں کہ تم خوشحال ہو لیکن میں ڈرتا ہوں کہ عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤ-

(ب) لوگوں نے کہا- تم اپنے خدا کی جتنی عبادت کرنی چاہو شوق سے کرو- لیکن کیا تمہاری نمازیں یہ بھی کہتی ہیں کہ دوسروں کو ان کی راہ سے ہٹاؤ؟ اور اس راہ سے ہٹاؤ جس پر ان کے باپ دادا چلتے آئے ہیں؟ ہم اپنے مال کے مالک مختار ہیں- جس طرح چاہیں خریدیں- تم اپنے ماپ تول کی باتیں رہنے دو- معلوم ہوتا ہے ساری دنیا میں صرف تم ہی ایک نیک اور خوش معاملہ آدمی رہ گئے ہو!

[1] دیکھو اعراف آیت (۸۰) کا نوٹ-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ
نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿٨٧﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي
بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰي مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ
اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿٨٨﴾ وَيٰقَوْمِ
لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ

میں کچھ تم پر نگہبان نہیں" (کہ جبراً اپنی راہ پر چلادوں) (۸۶)

لوگوں نے کہا- "اے شعیب! کیا تیری یہ نمازیں (جو تو اپنے خدا کے لیے پڑھتا ہے) تجھے یہ حکم دیتی ہیں کہ ہمیں آ کر کہے: ان معبودوں کو چھوڑ دو جنہیں تمہارے باپ دادا پوجتے رہے ہیں- یا یہ کہ تمہیں اختیار نہیں کہ اپنے مال میں جس طرح کا تصرف کرنا چاہو، کرو؟ بس تم ہی ایک نرم دل اور راست باز آدمی رہ گئے ہو!" (۸۷)

شعیب نے کہا- "اے میری قوم کے لوگو! کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل روشن رکھتا ہوں اور (اس کے فضل و کرم کا یہ حال ہو کہ) اچھی (سے اچھی) روزی عطا فرما رہا ہو (تو پھر بھی میں چپ رہوں اور تمہیں راہ حق کی طرف نہ بلاؤں؟) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جس بات سے تمہیں روکتا ہوں اس سے تمہیں تو روکوں اور خود اس کے خلاف چلوں- (میں تمہیں جو کچھ کہتا ہوں اسی پر عمل بھی کرتا ہوں) میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ جہاں تک میرے بس میں ہے اصلاح حال کی کوشش کروں- میرا کام بننا ہے تو اللہ ہی کی مدد سے بننا ہے- میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع ہوں!" (۸۸) "اور اے میری قوم کے لوگو! میری ضد میں آ کر کہیں ایسی بات نہ کر بیٹھنا کہ تمہیں بھی ویسا ہی معاملہ پیش آ جائے جیسا قوم نوح کو یا قوم ہود کو یا قوم صالح

(ج) حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا- اگر اللہ نے مجھ پر علم و بصیرت کی راہ کھول دی ہو اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ہلاکت کی طرف جا رہے ہو تو بتلاؤ کیا میرا فرض نہیں ہے کہ تمہیں سلامتی کی راہ دکھاؤں؟ اس نے اپنے فضل و کرم سے مجھے رزق و دولت کی فراوانی عطا فرمائی ہے پھر کیا یہ کفران نعمت نہ ہوگا کہ ادائے فرض میں کوتاہی کروں؟

اور پھر تم میری ضد میں آ کر کیوں حق سے منہ موڑو؟ میں ایسا تو نہیں کرتا کہ تمہیں ایک بات سے روکوں اور پھر خود وہی کرنے لگوں- میں وہی بات کہتا ہوں جس پر خود عامل ہوں-

اور تم میری تبلیغ سے بگڑتے کیوں ہو؟ میں کچھ تم پر نگہبان بن کر تو نہیں کھڑا ہو گیا ہوں کہ مجبور کروں- میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں- جہاں تک میرے بس میں ہے- اور میرے کاموں کو بننا ہے تو اللہ ہی کی مدد سے بننا ہے- میرا بھروسہ صرف اسی پر ہے!

(د) بحر قلزم کی جو شاخ عرب اور جزیرہ نمائے سینا کے درمیان گزری ہے اسی کے کنارے مدین کا قبیلہ آباد تھا- چونکہ یہ جگہ شام، افریقہ اور عرب کے تجارتی قافلوں کا نقطہ اتصال تھی، اس لیے اشیائے تجارت کے مبادلہ کی بڑی منڈی بن گئی تھی اور لوگ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٩﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿٩١﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٩٢﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ

کو پیش آ چکا ہے اور قوم لوط (کا معاملہ) تم سے کچھ دور نہیں[1] (۸۹) ''اور دیکھو اللہ سے (اپنے گناہوں کی) معافی مانگو اور اس کی طرف لوٹ جاؤ - میرا پروردگار بڑا ہی رحمت والا، بڑا ہی محبت والا ہے!'' (۹۰)

لوگوں نے کہا ''اے شعیب! تم جو کچھ کہتے ہو اس میں سے اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہم لوگوں میں ایک کمزور آدمی ہو - اگر (تمہارے ساتھ) تمہاری برادری کے آدمی نہ ہوتے تو ہم ضرور تمہیں سنگ سار کر دیتے - تمہاری ہمارے سامنے کوئی ہستی نہیں'' (۹۱)

شعیب نے کہا ''اے میری قوم کے لوگو! کیا اللہ سے بڑھ کر تم پر میری برادری کا دباؤ ہوا؟ اور اللہ تمہارے لیے کچھ نہ ہوا کہ اسے پیچھے ڈال دیا؟ (اچھا) جو کچھ تم کرتے ہو میرے پروردگار کے احاطہ (علم) سے باہر نہیں'' (۹۲)

''اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ - میں بھی (اپنی جگہ) سرگرم عمل ہوں - بہت جلد معلوم کر لو گے کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے گا اور کون فی الحقیقت جھوٹا ہے - انتظار کرو - میں بھی تمہارے ساتھ

خوشحال ہو گئے تھے - اسی لیے حضرت شعیب نے کہا: ﴿ انی ارکم بخیر ﴾ (۸۴) میں تمہیں خوشحال پاتا ہوں -

لیکن جب لوگوں کے اخلاق فاسد ہو گئے تو کاروبار میں خیانت کرنے لگے اور ماپ تول کے انصاف سے ناآشنا ہو گئے - یہی وجہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ اس معصیت سے روکا -

(ہ) جو مکالمہ گزر چکا ہے اس پر اچھی طرح غور کرو - لوگوں نے کہا تم نماز پڑھتے ہو لیکن تمہارے نماز پڑھنے کا نتیجہ یہ کیوں نکلے کہ ہم لوگوں کو بھی اپنی راہ چلنے کی دعوت دو؟ یعنی بنائے نزاع خود تمہارا عمل نہیں ہے یہ ہے کہ دوسروں کو کیوں دعوت دیتے ہو؟ حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا یہی تو میرا اصلی کام ہے اسے کیسے چھوڑ دوں؟ سچائی کی روشنی میرے سامنے آ گئی ہے اور جب آ گئی ہے تو اس کے اعلان سے باز نہیں رہ سکتا - البتہ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے مجھے حق نہیں کہ کسی پر جبر کروں - اس سے معلوم ہوا، اتباع حق کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ آدمی خود متبع ہو جائے بلکہ ضروری ہے کہ دوسروں کو بھی اس کی دعوت دے -

(و) اتباع حق کی راہ میں ذاتی خصومت اور شخصی حسد سے بڑھ کر کوئی روک نہیں - مکالمہ سے یہ بات ٹپکتی ہے کہ قبیلہ کے سرداروں کو حضرت شعیب علیہ السلام سے ذاتی خصومت ہو گئی تھی - یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کہا - ایسا نہ کرو کہ میری ضد میں آ کر پیام حق کے مخالف ہو جاؤ اور خدا کے مواخذہ میں گرفتار ہو -

(ز) انسان انسانوں کا پاس کرتا ہے لیکن سچائی کا پاس نہیں کرتا - وہ انسانوں کے خیال سے ایک بات چھوڑ دے گا لیکن خدا کے خیال سے نہیں چھوڑے گا - چنانچہ منکروں نے کہا - ہم تجھے سنگ سار کر دیتے لیکن تیرے کنبہ کے خیال سے ایسا نہیں کرتے -

---

[1] یعنی ان کا معاملہ کچھ بہت پرانے زمانے کی بات نہیں - قریبی زمانہ کی بات ہے -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَقِيبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا
الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ
ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ ع ۱۲
فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ
الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ

انتظار کرتا ہوں'' (۹۳)

اور پھر جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات کا وقت آ پہنچا تو ایسا ہوا کہ ہم نے شعیب کو اور ان کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچالیا اور جو لوگ ظالم تھے انہیں ایک سخت آواز نے آ پکڑا - پس جب صبح ہوئی تو اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے! (۹۴)

(وہ اس طرح اچانک ہلاک ہوگئے) گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہیں تھے!

تو سن رکھو کہ قبیلہ مدین کے لیے بھی محرومی ہوئی جس طرح قوم ثمود کے لیے محرومی ہوئی تھی! (۹۵)

اور (یہ بھی ہو چکا ہے کہ) ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح سند کے ساتھ بھیجا تھا - (۹۶) فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف - مگر وہ فرعون کی بات پر چلے اور فرعون کی بات راست بازی کی بات نہ تھی - (۹۷)

قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا (جس طرح دنیا میں گمراہی کے لیے ہوا) اور انہیں دوزخ میں پہنچائے گا - تو دیکھو کیا ہی پہنچنے کی بری جگہ ہے جہاں وہ پہنچ کر رہے! (۹۸)

اور اس دنیا میں لعنت ان کے پیچھے لگی (کہ ان کا ذکر پسندیدگی کے ساتھ نہیں کیا جاتا) اور قیامت میں بھی (کہ عذاب آخرت کے مستحق ہوئے) تو دیکھو کیا ہی برا صلہ ہے جو ان کے حصے میں آیا! (۹۹)

حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا - افسوس تم پر - تمہیں میرے کنبہ کا تو پاس ہوا لیکن خدا کا نہ ہوا - خدا کی بات تو تمہارے خیال میں کوئی بات ہی نہیں ہے -

(ح) حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا - اچھا تم اپنی راہ چلو - میں اپنی راہ چل رہا ہوں - اور نتیجہ کا انتظار کرو - چنانچہ نتیجہ ظاہر ہوگیا - اہل ایمان محفوظ رہے - سرکش ہلاک ہوگئے!

(۱۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور اس کے نتائج کی طرف اشارہ اور استدلال کی موعظت کا اختتام -

(۲۰) سورت کی ابتدا میں قوم کو اتباع حق کی دعوت دی تھی اور سرکشی وفساد کے نتیجہ سے خبردار کیا تھا - نیز واضح کیا تھا کہ اس باب میں بنیادی امور کیا کیا ہیں - پھر آیت (۲۴) میں ان سب کا خلاصہ بیان کیا تھا کہ یہاں راہیں دو ہیں - ایک علم وبصیرت کی - ایک اندھے پن کی - اور ضروری ہے کہ دونوں کے چلنے والے اپنی حالت اور اپنے نتیجہ میں ایک ہی طرح کے نہ ہوں - پھر اس حقیقت پر دلیل پیش کی تھی - یہ گزشتہ ایام و وقائع کا بیان تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کے تذکرہ سے شروع ہوا اور حضرت موسیٰ کے تذکرہ پر ختم ہوگیا - اب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ
عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ
تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾
وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾

(اے پیغمبر!) یہ (پچھلی) آبادیوں کی خبروں میں سے چند کا بیان ہے جو ہم تجھے سنا رہے ہیں- ان میں سے کچھ تو اس وقت قائم ہیں، کچھ بالکل اجڑ گئیں- (۱۰۰) اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا- بلکہ خود انہوں نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا- تو دیکھ جب تیرے پروردگار کی (ٹھہرائی ہوئی بات) آ پہنچی تو ان کے وہ معبود کچھ بھی کام نہ آئے جنہیں اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے- انہوں نے کچھ فائدہ نہ پہنچایا بجز اس کے کہ ہلاکی کا باعث ہوئے! (۱۰۱)

اور تیرے پروردگار کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے جب وہ انسانی آبادیوں کو ظلم کرتے ہوئے پکڑتا ہے- یقیناً اس کی پکڑ بڑی ہی دردناک بڑی ہی سخت ہے! (۱۰۲)

(اور) اس بات میں اس کے لیے بڑی ہی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب کا خوف رکھتا ہو!

یہ (آخرت کا دن) وہ دن ہے جب تمام انسان اکٹھے کیے جائیں گے اور یہ وہ دن ہے جس کا نظارہ کیا جائے گا- (۱۰۳)

اور ہم نے اس دن کو پیچھے نہیں ڈالا ہے مگر صرف اس لیے کہ ایک مقررہ وقت پر اس کا ظہور ہو- (۱۰۴)

جب وہ دن آ پہنچے گا تو کسی جان کی مجال نہ ہوگی کہ بغیر اللہ کی اجازت کے زبان کھولے- پھر (اس دن انسانوں کی دو قسمیں ہوں گی) کچھ ایسے ہوں گے جن کے لیے محرومی ہے اور کچھ ایسے جن کے لیے سعادت- (۱۰۵)

آیت (۱۰۰) سے لے کر آخر سورت تک ان نتیجوں اور عبرتوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو اس سلسلہ استدلال سے واضح ہوتی ہیں:

(ا) ان قوموں کو جو کچھ پیش آیا تو اس لیے نہیں پیش آیا کہ اللہ نے ان پر زیادتی کی ہو- اس کا قانون جزاء تو سرتاسر عدل و رحمت ہے- بلکہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کرنا چاہا اور نجات کی راہ سے منہ موڑ کر ہلاکت کی طرف چلنے لگے-

(ب) اس باب میں اللہ کا قانون ایسا ہی ہے- اس کی رحمت نے مہلتوں پر مہلتیں دی ہیں اور روشنی کو تاریکی سے بالکل الگ کر دیا ہے لیکن اگر ایک قوم روشنی سے یک قلم منہ موڑ لے تو پھر نتائج و عواقب کا ظہور کبھی نہیں رک سکتا- ان کے ظہور کی دردناکی و شدت کبھی دور نہیں ہو سکتی-

(ج) ہر اس انسان کے لیے جو آخرت کے خیال سے بے خوف نہ ہو اس بات میں حقیقت کی بڑی ہی نشانی ہے- کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جزائے عمل کا قانون یہاں نافذ ہے اور خدا کے رسولوں کا پیام جھوٹا نہیں-

(د) اللہ کے یہاں ہر بات کے لیے ایک حساب ہے اور ہر معاملہ کے لیے ایک مقررہ میعاد- جب تک وہ وقت نہ آئے اس بات کا ظہور نہیں ہو سکتا- آخرت کا دن بھی اسی لیے پیچھے ڈال دیا گیا کہ اپنے مقررہ وقت پر ظاہر ہو-

(ہ) اس دن جو شقی نکلیں گے ان کے لیے شقاوت ہوگی- جو سعید نکلیں گے ان کے لیے سعادت-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ
وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا
تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ
نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ ع ۱۱
سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا

تو جو لوگ محروم ہوئے وہ دوزخ میں ہوں گے۔ ان کے لیے وہاں چیخنا چلانا ہوگا۔ (۱۰۶) وہ اسی میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں۔

(اور اس کے خلاف کچھ نہ ہوگا) مگر ہاں اس صورت میں کہ تیرا پروردگار چاہے۔ (اور) بلاشبہ تیرا پروردگار اپنے کاموں میں مختار ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے! (۱۰۷)

اور جن لوگوں نے سعادت پائی تو وہ بہشت میں ہوں گے۔ اور اسی میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں۔ (اس کے خلاف کچھ ہونے والا نہیں) مگر ہاں اس صورت میں کہ تیرا پروردگار چاہے۔ یہ (سعیدوں کے لیے) بخشش ہے ہمیشہ جاری رہنے والی! (۱۰۸)

پس (اے پیغمبر!) یہ لوگ جو (خدا کے سوا دوسری ہستیوں کی) پرستش کرتے ہیں تو اس بارے میں تجھے کوئی شبہ نہ ہو۔ (یعنی اس بارے میں کہ ان کا کیا حشر ہونے والا ہے؟) یہ اسی طرح پرستش کر رہے ہیں جس طرح ان سے پہلے ان کے باپ دادا کرتے رہے ہیں۔ ایسا ضرور ہونے والا ہے کہ ہم ان (کے اعمال کے نتائج) کا حصہ انہیں پورا پورا دیں گے۔ بغیر کسی کمی کے۔ (۱۰۹)

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی۔ پھر اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر تیرے پروردگار نے پہلے سے ایک بات نہ ٹھہرا دی ہوتی (یعنی یہ کہ دنیا میں ہر انسان کو اس کی مرضی کے مطابق مہلت عمل ملنی ہے) تو البتہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور ان لوگوں کو اس کی نسبت شبہ ہے کہ حیرانی میں پڑے ہیں۔ (۱۱۰) اور (یقین کر) سب کے لیے یہی ہونا ہے کہ جب

(و) آیت (۱۰۹) میں پیغمبر اسلام ﷺ سے خطاب ہے: تمہیں یہ خیال نہ ہو کہ مشرکین عرب کیوں شرک سے باز نہیں آتے؟ اور کیوں انہیں مہلت مل رہی ہے؟ وہ تو اسی راہ چل رہے ہیں جس پر ان کے باپ دادا چلے اور انہیں ان کی سرکشیوں کا نتیجہ پورا پورا ملنے والا ہے۔

پھر فرمایا تم سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی کتاب دی گئی تھی لیکن لوگ اختلاف میں پڑ گئے اور حکمت الٰہی کا فیصلہ یہی ہے کہ یہاں اختلاف عمل دور نہیں ہو سکتا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ ڰ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

وقت آئے گا تو تیرا پروردگار ان کے عمل انہیں پورے پورے دے گا (یعنی جیسے ان کے عمل ہوں گے ویسے ہی ان کے نتائج بھی پورے پورے مل جائیں گے) جو کچھ لوگ کر رہے ہیں وہ اس کی پوری خبر رکھنے والا ہے! (۱۱۱)

پس چاہیے کہ جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے تم اور وہ سب جو توبہ کر کے تمہارے ساتھ ہو لیے ہیں (اپنی راہ میں) استوار ہو جاؤ اور حد سے نہ بڑھو۔ یقین کرو تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے! (۱۱۲)

اور ایسا بھی نہ کرنا کہ ظالموں کی طرف جھک پڑو اور (قریب ہونے کی وجہ سے) آگ تمہیں بھی چھو جائے۔ اللہ کے سوا تمہارا کوئی رفیق نہیں۔ پھر (اگر اس سے بچھڑے تو) کہیں مدد نہ پاؤ گے۔ (۱۱۳)

اور نماز قائم کرو۔ اس وقت جب دن شروع ہونے کو ہو اور اس وقت جب ختم ہونے کو ہو۔ نیز اس وقت جب رات کا ابتدائی حصہ گزر رہا ہو۔ یاد رکھو۔ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جو نصیحت پذیر ہیں! (۱۱۴)

اور صبر کرو (یعنی راہ حق کی تمام مشکلیں جھیلتے رہو) کیونکہ اللہ نیک عملوں کا اجر ضائع نہیں کرتا! (۱۱۵)

(۲۱) پھر آیت (۱۱۲) میں پیغمبر اسلام کو اور ان کے ان ساتھیوں کو جو ابتدائے عہد کی بے سروسامانیوں اور مظلومیوں میں ایمان لائے تھے مخاطب کیا ہے اور حسب ذیل امور کی تلقین کی ہے۔ یہ ان کے لیے اس سورت کی موعظت کا خلاصہ ہے:

(ا) جو راہ بتلا دی گئی ہے اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو اور اپنا کام کیے جاؤ۔

(ب) اپنی حد سے تجاوز نہ کرو۔ یعنی استقامت کار کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ مخالفوں پر کسی طرح کی زیادتی کرنے کا خیال کرنے لگو۔ یا لڑنے جھگڑنے لگو۔ اپنے دائرہ کے اندر رہو۔ مگر اپنے طریقہ پر قائم رہو۔

(ج) لیکن یہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ مخالفوں کی طرف جھک پڑو اور نتیجہ یہ نکلے کہ ان کی گمراہی کی چھینٹ تم پر بھی پڑ جائے۔

(د) نماز کو اس کی ساری حقیقتوں کے ساتھ اس کے تمام وقتوں میں ادا کرو۔ تمہاری طاقت کا اصلی سرچشمہ یہی ہے۔ یہ بڑی نیک عملی ہے اور نیک عملی برائیاں دور کر دیتی ہے۔

(ہ) صبر کرو۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ نیک کرداروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ یعنی ضروری ہے کہ آخر کار کامیابی انہی کے حصہ میں آئے۔

(و) یہ پچھلی قومیں جو یک سر ہلاک ہو گئیں تو اس لیے ہوئیں کہ ان میں اہل خیر و صلاح معدوم ہو گئے تھے۔ کوئی نہیں رہا تھا جو شر و فساد سے روکے۔ اگر ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے موجود ہوتے تو کبھی اس نتیجہ سے دوچار نہ ہوتے۔ کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک بستی پر عذاب آئے اور اس کے باشندے مصلح ہوں۔

اس بات میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تم اپنی راہ میں مستقیم رہے اور ایک گروہ داعیان حق کا پیدا ہو گیا تو یہ سرزمین عذاب استیصال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ

پھر (دیکھو) ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جو عہد تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان میں اہل خیر باقی رہے ہوتے اور لوگوں کو ملک میں شر و فساد کرنے سے روکتے؟ ایسا نہیں ہوا مگر بہت تھوڑے عہدوں میں جنہیں ہم نے نجات دی۔ ظلم کرنے والے تو اسی راہ پر چلے جس میں انہوں نے (اپنی نفس پرستیوں کی) آسودگی پائی تھی۔ اور (وہ سب احکام حق کے) مجرم تھے۔ (۱۱۶)

اور (یاد رکھو) ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ تمہارا پروردگار آبادیوں کو ناحق ہلاک کر دے اور اس کے باشندے سنوارنے والے ہوں! (۱۱۷)

اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک امت بنا دیتا (یعنی سب ایک ہی راہ چلتے لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ایسا نہیں چاہا اور یہاں الگ الگ گروہ اور الگ الگ راہیں ہوئیں) اور لوگ ایسے ہی رہیں گے کہ مختلف ہوں۔ (۱۱۸) مگر ہاں جس پر تیرے پروردگار نے رحم فرمایا (تو وہ حقیقت پالے گا اور اس بارے میں اختلاف نہیں کرے گا) اور اسی لیے انہیں پیدا کیا ہے۔ اور (پھر دیکھو اسی اختلاف فکر و عمل کا نتیجہ ہے کہ) تمہارے پروردگار کی (ٹھہرائی ہوئی) بات پوری ہو کر رہی کہ البتہ ایسا ہوگا کہ میں جہنم کو کیا جن اور کیا انسان سب سے بھر پور کر دوں! (۱۱۹)

اور (اے پیغمبر!) رسولوں کی سرگزشتوں میں سے جو جو قصے ہم تجھے سناتے ہیں (یعنی جن جن اسلوبوں سے ہم سناتے ہیں) تو ان سب میں یہی بات ہے کہ تیرے دل کو تسکین دے دیں۔ اور پھر ان کے اندر تجھے امر حق مل گیا

سے محفوظ رہے گی۔ یعنی ایسے عذاب سے جو یک قلم نابود کر دینے والا ہو جیسا کہ پچھلی قوموں پر آ چکا ہے۔

(ز) یاد رکھو دنیا میں اختلاف فکر و عمل ناگزیر ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ سب ایک ہی راہ چلنے والے ہو جائیں اور حق و باطل کی کشمکش باقی نہ رہے۔ پس اس بات سے مایوس نہ ہو کہ تمام آدمی کیوں دعوت حق قبول نہیں کر لیتے؟ نہ تو پہلے ایسا ہوا نہ اب اس کی توقع رکھنی چاہیے۔ بہت سے مانیں گے۔ بہت سے نہیں مانیں گے۔ تم اپنے کام میں سرگرم رہو۔

(۲۲) یہاں آیت (۱۲۰) میں واضح کر دیا کہ گزشتہ رسولوں کی سرگزشتیں جو مختلف مقامات میں اور مختلف اسلوبوں میں بیان کی گئی ہیں ان سے قرآن کا مقصد کیا ہے:

(۱) تاکہ تیرے دل کو تسکین ہو یعنی قوم کو اعراض و سرکشی کی حالت میں دیکھ کر تیرا دل بے قرار ہے۔ دعوت کا ولولہ اور اصلاح

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى
مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ ع

(یعنی سچائی کی دلیلیں مل گئیں) اور موعظت (کہ نصیحت پکڑنے والے نصیحت پکڑیں گے) اور یاد دہانی ہوئی مومنوں کے لیے!(۱۲۰)

اور (اے پیغمبر!) جو لوگ ایمان نہیں لاتے (اور دعوت حق کا مقابلہ کر رہے ہیں) ان سے کہہ دے ''تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ- ہم بھی (اپنی جگہ) سرگرم عمل ہیں-(۱۲۱) اور (نتیجہ کے) منتظر رہو- ہم بھی منتظر ہیں''(۱۲۳)

اور (یاد رکھو) اللہ ہی کے لیے آسمان و زمین کی چھپی باتوں کا علم ہے اور سارے کام اسی کے آگے رجوع ہوتے ہیں- پس اس کی بندگی میں لگا رہ اور اس پر بھروسہ کر- تیرا پروردگار اس سے غافل نہیں ہے جو کچھ لوگ کر رہے ہیں!(۱۲۳)

کا عشق تجھے مضطرب رکھتا ہے: ﴿ لعلك باخع نفسك الا يكونوا مومنين ﴾ (۲۶:۳) تو ان سرگزشتوں کا تفکر موجب تسکین ہوگا کہ تجھ سے پہلے بھی ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے بلکہ اعراض و سرکشی کے اس سے بھی زیادہ سخت مظاہرے ہو چکے ہیں-

(ب) یہ سرگزشتیں حق کو واضح کر دیتی ہیں- یعنی ان میں حقیقت کی دلیلیں اور روشنیاں ہیں- یہ بتلاتی ہیں کہ اس بارے میں اللہ کا ایک مقررہ قانون ہے اور اس میں کبھی تبدیلی ہونے والی نہیں-

(ج) ان میں موعظت ہے- یعنی ایسی باتیں ہیں جو سننے والوں کو عبرت دلاتی ہیں نصیحت و پند کرتی ہیں غرور و نادانی سے بیدار کر دیتی ہیں-

(د) مومنوں کے لیے تذکیر ہے یعنی سچائی کی یاد دلاتی ہیں غفلت سے روکتی ہیں-

اوائل حال کی ایک غفلت یہ بھی تھی کہ کمزور و بے سروسامان تھے اور تمام ملک دشمنی پر تل گیا تھا- اس لیے کبھی کبھی مایوسی کے خیال آنے لگتے تھے-

اب یہ چار باتیں سامنے رکھ کر قرآن کے قصص و قائع کا مطالعہ کرو- وہ تمام قفل کھل جائیں گے جنہیں ہمارے منطقی مفسروں کی دس دس جلدیں بھی نہ کھول سکیں-

(۲۳) سورت کی ابتداء جس اعلان حق سے ہوئی تھی اور پھر واضح کیا تھا کہ تمام پچھلی دعوتوں کا بھی یہی اعلان رہ چکا ہے اسی پر اب سورت ختم ہوتی ہے- چنانچہ آخری تین آیتیں خاتمہ موعظت ہیں:

(ا) منکروں سے وہی بات کہہ دو جو ہمیشہ کہی گئی ہے- یعنی تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ- ہم اپنی جگہ کر رہے ہیں- تم بھی نتیجہ کا انتظار کرو- ہم بھی منتظر ہیں- نتیجہ فیصلہ کر دے گا- جس طرح ہمیشہ کر چکا ہے-

(ب) اللہ ہی جانتا ہے کہ پردہ غیب میں کیا چھپا ہے اور سارے کام اسی کے ہاتھ میں ہیں-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ج) اور تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو کیا کرنا چاہیے؟ ﴿ فاعبده وتوكل عليه! ﴾ اس کی عبادت میں لگے رہو اور اس پر بھروسہ رکھو!

قرآن کے قصص اور ان کا حجت و برہان ہونا

(۲۴) یہ سورت بھی من جملہ ان سورتوں کے ہے جن میں گزشتہ دعوتوں کے وقائع سے استشہاد کیا گیا ہے اور گو سورۂ اعراف کے ایک نوٹ میں اس طرف اشارات کیے جا چکے ہیں' لیکن ضروری ہے کہ یہاں مزید وضاحت کر دی جائے تا کہ آئندہ جہاں کہیں یہ بات آئے ذہن فہم و تدبر کے لیے مستعد رہے!

(ا) قرآن نے تذکیر و موعظت کے لیے جو باتیں بطور دلائل کے اختیار کی ہیں اور جنہیں وہ جا بجا حجج' براہین' بینات اور بصائر سے تعبیر کرتا ہے ان میں ایک نمایاں استدلال ایام و وقائع کا استدلال ہے- اس نے جہاں کہیں گزشتہ قوموں کے حالات بیان کیے ہیں وہاں یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ اس بیان سے اس کا مقصود کیا ہے؟ جیسا کہ اسی سورت کی آیت (۱۲۰) میں گزر چکا ہے-- اور جب ہم اس پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ مقصود یہ نہیں ہے کہ تورات کی طرح دنیا کی تاریخ بیان کی جائے بلکہ کچھ باتیں ہیں جن کا وہ دلوں میں اذعان پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہ سرگزشتیں اس کے لیے دلیلیں ہیں' حجتیں ہیں' براہین ہیں- پس سمجھ لینا چاہیے کہ کیونکر یہ سرگزشتیں دلیلیں ہوئیں- بات بالکل صاف تھی کیونکہ خود قرآن نے کھول کھول کر ہر جگہ بتلا دی ہے لیکن منطقی استدلال کے انہماک نے مفسروں کو سمجھنے کی مہلت نہ دی-

وحدت قوانین فطرت:

(ب) اس سلسلے میں سب سے پہلے دو باتیں ذہن نشین کر لینی چاہییں:

اولاً' قرآن کہتا ہے کہ کائنات ہستی کے جس گوشہ پر بھی نظر ڈالو گے تمہیں ایک حقیقت ابھری ہوئی دکھائی دے گی- بشرطیکہ دیکھنے سے انکار نہ کرد- وہ کیا ہے؟ قوانین فطرت کی وحدت- یعنی یہاں ہر جگہ ایک ہی قانون ایک ہی طرح پر کام کر رہا ہے- کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اپنے قانون خلقت و فعل میں دوسروں سے ذرا بھی الگ ہو- بلاشبہ بھیس بہت سے ہو گئے ہیں، اور نام بھی یکساں نہیں- مگر حقیقت ایک ہی ہے اور جونہی سامنے کے پردے ہٹاتے ہو، اصلیت کی بے لاگ وحدت آ کھڑی ہوتی ہے- مثلاً تم کہتے ہو کہ حیوان کے لیے موت و حیات ہے- پھولوں کے لیے کھلنا اور مرجھا جانا ہے- پتھروں کے لیے بننا اور پامال ہونا ہے- اجزاء کے لیے ملنا اور بکھر جانا ہے- بھیس بہت سے ہو گئے مگر کیا صورتیں بھی بہت ہوئیں؟ نام کئی ہو گئے مگر کیا حقیقت بھی متعدد ہوئی؟ وہی قانون جو حیوانات میں موت و حیات تھا' نباتات میں کھلنا اور مرجھانا ہوا' جمادات میں بننا اور پامال ہونا، اجزاء میں ملنا اور بکھرنا- الفاظ بدلتے جاؤ- معنی نہیں بدل سکتے!

عباراتنا شتیٰ و حسنك واحد
وكل الى ذاك الجمال يشير!

وہ کہتا ہے جب کائنات ہستی کے ہر گوشہ میں وحدت قانون کی بنیادی اصل کام کر رہی ہے' تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ اعمال انسانی کا گوشہ اس سے باہر ہو؟ اور وہاں بھی کوئی قانون کام نہ کر رہا ہو؟ اور وہ وہی اور ویسا ہی نہ ہو جیسا تمام گوشوں میں ہے؟ وہ کہتا ہے کہ یہ گوشہ بھی دوسرے گوشوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے- ٹھیک اسی طرح جس طرح یہاں کا ہر گوشہ دوسرے گوشے سے مربوط ہے- یہاں بھی وہی قانون کام کر رہا ہے جو عالم مادی کے تمام گوشوں میں کارفرما ہے- اور یہاں کے بھی وہی احکام و نتائج ہیں جو دوسرے گوشوں میں نظر آ رہے ہیں- مثلاً اگر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عالم مادی میں تم دیکھتے ہو کہ آگ کا خاصہ جلانا ہے اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ آگ روشن ہو اور اس کے شعلوں سے ٹھنڈک نکلے تو تمہیں اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے کہ یہاں بھی کوئی بات آگ کی طرح ہوسکتی ہے اور جب وہ ظہور میں آجائے تو اس سے گرمی ہی نکلے گی۔ ٹھنڈک نہیں نکل سکتی۔ یعنی مادیات کے خواص کی طرح معنویات کے بھی خواص ہیں اور خواص ونتائج کا ایک ہی عالمگیر قانون یکساں طور پر دونوں جگہ کام کر رہا ہے۔ (مزید تشریح کے لیے تفسیر سورہ فاتحہ اور مقدمہ دیکھنا چاہیے)

ثانیاً وہ کہتا ہے۔ جس طرح یہاں ہر بات کے لیے فطرت کے مقررہ قوانین ہوئے اسی طرح قوموں اور جماعتوں کی سعادت وشقاوت اور حیات وممات کا بھی ایک قانون ہوا اور جس طرح فطرت کے تمام قوانین یکساں ہیں، عالمگیر ہیں، غیر مبدل ہیں، اسی طرح یہ قانون بھی ہمیشہ ایک ہی طرح رہا ہے اور ہمیشہ ایک ہی طرح کے احکام ونتائج ظاہر ہوئے ہیں۔ زمانوں اور قوموں کے اختلاف سے اس کی تاثیر مختلف نہیں ہوسکتی۔ جس طرح سنکھیا کا خاصہ ہلاکت ہی ہے۔ خواہ کسی ملک اور کسی عہد میں کھائی جائے اسی طرح اس قانون کے احکام ونتائج بھی یکساں ہی ہوں گے خواہ کسی ملک اور کسی عہد میں پیش آئیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اب سے ہزار برس پہلے تو سنکھیا کا خاصہ ہلاکت رہا ہو اور اب زندگی ہو جائے۔ پس جو کچھ ماضی میں پیش آچکا ہے ضروری ہے کہ مستقبل میں بھی پیش آئے۔ اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ فطرت کے قوانین میں تبدیلی نہیں۔

اس نے جابجا اس قانون کو "سنت اللہ" سے تعبیر کیا ہے:

﴿ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴾ (۳۳:۶۲)

جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے لیے اللہ کی سنت یہی رہی ہے (یعنی اللہ کے قانون کا دستور یہی رہا ہے) اور اللہ کی سنت میں تم کبھی ردوبدل نہیں پاؤ گے!

﴿ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴾ (۳۵:۴۳)

پھر یہ لوگ کس بات کی راہ تک رہے ہیں؟ کیا اس بات کی کہ جو کچھ اگلے لوگوں کے لیے سنت رہ چکی ہے ان کے لیے بھی ظہور میں آجائے؟ تو یاد رکھو۔ تم اللہ کی سنت کو کبھی بدلتا ہوا نہیں پاؤ گے اور نہ کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ اس کی سنت کے احکام پھیر دیے جائیں۔

﴿ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴾ (۱۷:۷۷)

(اے پیغمبر!) تجھ سے پہلے جن رسولوں کو ہم نے بھیجا ہے ان کے لیے ہماری سنت یہی رہی ہے اور ہماری سنت کبھی ٹلنے والی نہیں!

استقراء کا یقین فطری ہے:

قرآن کا یہ استدلال فی الحقیقت طبیعت انسانی کا وجدانی اذعان ہے۔ انسان کی ذہنی فطرت کا مطالعہ کرو۔ تم دیکھو گے کہ وہ حوادث سے بالطبع متاثر ہوتی ہے اور اس کے اندر کوئی چیز ہے جو اسے بتلا دیتی ہے کہ یہاں ایک مرتبہ کا حادثہ ایک ہی مرتبہ کا حادثہ نہیں ہے، خواص ونتائج دائمی ہیں۔ یعنی جو بات یہاں ایک مرتبہ ظہور میں آتی ہے وہ ہمیشہ ظہور میں آئے گی یا ہمیشہ ظہور میں آسکتی ہے۔ اور جس چیز کا جو خاصہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک مرتبہ ظاہر ہوا' وہی خاصہ ہمیشہ ظہور میں آئے گا- چنانچہ بچوں کو دیکھو کس طرح یہ وجدانی علم ان کے اندر بول رہا ہے؟ ایک بچہ پہلی مرتبہ آگ میں انگلی ڈالتا ہے اور انگلی جلنے لگتی ہے- پھر جب کبھی آگ اس کے سامنے آتی ہے خود بخود ہاتھ کھینچ لیتا ہے- کیوں؟ اسی لیے کہ اس کے اندر کوئی چیز ہے جو اسے بتلا دیتی ہے کہ جس چیز نے ایک مرتبہ جلایا وہ ہمیشہ جلائے گی- یہ اعتقاد کہ ''آگ ہمیشہ جلاتی ہے'' اسے صرف اتنی بات سے حاصل ہو گیا کہ ''آگ نے ایک مرتبہ جلایا تھا!''

طبیعت انسانی کا یہی وجدانی تاثر ہے جس نے ہمارے ذہن میں استقراء کا اعتقاد پیدا کیا- یعنی جزئیات کا تجربہ کرنا اور اس کے ذریعہ سے کلیات تک پہنچنا- اب ہمارے تمام علوم و معارف کا سنگ بنیاد یہی ہے-

بہرحال قرآن کہتا ہے اگر تم وجدانی طور پر یہ بات محسوس کرتے ہو کہ خواص و نتائج کا تسلسل و اجراء ایک حقیقت ہے- یعنی اگر ایک چیز سے بار بار ایک ہی طرح کا نتیجہ نکلا ہے تو یہ اس کا خاصہ ہے اور اس میں تبدیلی ممکن نہیں تو پھر تم کیسے انکار کر دیتے ہو کہ اعمال انسانی کے لیے یہ حقیقت معطل ہو گئی اور یہاں ایسا ہونا ضروری نہیں؟ اگر تم کہتے ہو کہ فلاں بات سے ایسا نتیجہ ضرور نکلے گا کیونکہ بار بار ایسا ہی ہو چکا ہے تو پھر اس بات سے کیوں انکار کر دیتے ہو کہ فلاں قسم کے اعمال کا نتیجہ یقیناً ہلاکت ہے کیونکہ بار بار ایسا ہی ہو چکا ہے؟ چنانچہ یہی بات ہے کہ وہ جا بجا کہتا ہے- تم ہی دنیا میں پہلی قوم نہیں ہو- تم سے پہلے بھی بے شمار قومیں اسی زمین میں گزر چکی ہیں- ان کی بھی آبادیاں تھیں' قوتیں اور شوکتیں تھیں' سر بہ فلک عمارتیں تھیں' فکر و عمل کی سرگرمیاں تھیں- پس دنیا کی سیر کرو' گزری ہوئی سرگزشتیں سنو' مٹی ہوئی نشانیوں کا کھوج لگاؤ اور پھر دیکھو سعادت و شقاوت کے قانون کا کیسا عمل درآمد رہ چکا ہے؟ اور اگر ہمیشہ ایسا ہی ہو چکا ہے تو کیا تم سمجھتے ہو خدا تمہارے لیے اپنا قانون ہستی معطل کر دے گا؟ یا اس طرح بدل دے گا کہ جو چیز کل تک سنکھیارہ چکی ہے تمہارے لیے شہد ہو جائے؟

﴿ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ (۳: ۱۳۷)

تم سے پہلے بھی (دنیا میں خدا کے) احکام و قوانین کے نتائج گزر چکے ہیں- پس ملکوں کی سیر کرو- پھر دیکھو ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جنہوں نے خدا کی نشانیاں جھٹلائی تھیں؟

﴿ اَوَلَمْ يَسِيرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ﴾ (۳۵: ۴۴)

کیا یہ لوگ ملکوں میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا کیسا انجام ہو چکا ہے جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں اور جو ان لوگوں سے قوت میں کہیں زیادہ تھے؟

قرآن کی موعظت کا ایک خاص دائرہ ہے اور وہ جو کچھ کہتا ہے اسی کے اندر رہ کر کہتا ہے- پس ضروری ہے کہ اس استدلال کو بھی اسی کے اندر رہ کر دیکھیں- اس سے باہر جانے کی کوشش نہ کریں- تاہم ایک بات ایسی ہے جو بغیر کسی تکلف کے خود بخود سامنے آ جاتی ہے اور ہم اپنے ذہن کو اس طرف جانے سے روک نہیں سکتے- یعنی قرآن کے اس طرز استدلال نے ایک زیادہ عام حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے- اور وہ یہ ہے کہ تاریخ کا صحیح استعمال کیا ہونا چاہیے؟ قرآن کی ان تصریحات سے معلوم ہو گیا کہ گزشتہ کا مطالعہ اس لیے کرنا چاہیے کہ آئندہ کے لیے عبرت حاصل کی جائے- یعنی جو کچھ گزر چکا ہے وہ آئندہ کے لیے ذخیرۂ بصیرت ہے اور ماضی کے آئینہ میں مستقبل کی صورت دیکھی جا سکتی ہے- یہ کہنا ضروری نہیں کہ اس باب میں علم و نظر کی کاوشیں جس قدر بھی سراغ لگا سکی ہیں وہ زیادہ سے زیادہ یہی ہے- تاریخ میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن خلدون پہلا شخص تھا جس نے تاریخ کو اسی روشنی میں دیکھنا چاہا اور اب فلسفۂ تاریخ کی ساری بنیادیں اسی اصل پر چنی گئی ہیں- البتہ اس وقت تک معاملہ ابتدائی حالت سے آگے نہیں بڑھ سکا- اگر بڑھتا تو ہم تاریخ کی ہر داستان میں مستقبل کی ایک نئی داستان پڑھ لیا کرتے-

(ج) اب یہ دو اصل سامنے رکھ کر قرآن کے ان تمام مقامات کا مطالعہ کرو جہاں گزشتہ ایام و وقائع کا ذکر کیا گیا ہے- تم دیکھو گے کہ ہر جگہ یہی استدلال کام کر رہا ہے اور جونہی یہ بات سامنے رکھ لی جائے تمام وجوہ و روابط واضح ہو جاتے ہیں- البتہ ہر مقام پر ایک ہی طرح کا بیان نہیں ہے اور نہ ایک ہی پہلو پر زور دیا گیا ہے- کسی مقام پر شخصیتوں کا ذکر کیا گیا ہے- کیونکہ وہاں اسی کی ضرورت تھی- کہیں قوموں کا ذکر کیا ہے کیونکہ وہاں کا مقتضا یہی تھا- کہیں وقائع کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ وہاں کے لیے اسی قدر کافی تھا- اور پھر کہیں ایسا ہے کہ سرگزشتیں ایک ہی مقام پر جمع کر دی ہیں اور ان سب سے بحیثیت مجموعی استدلال کیا ہے- تاکہ استدلال کے تمام پہلو آشکارا ہو جائیں-

سورۂ ہود اور استقراء تاریخی:

(د) چنانچہ یہ سورت بھی من جملہ ان سورتوں کے ہے جن میں آخری صورت اختیار کی گئی ہے اور اس لیے اس استدلال کے جامع و مفصل مقامات میں سے ہے- وہ کہتا ہے- گزرے ہوئے عہدوں کی طرف مڑ کے دیکھو- تم دیکھو گے کہ دنیا کی کوئی آبادی ایسی نہیں ہے جہاں ایک خاص طرح کا معاملہ پیش نہ آیا ہو اور خاص طرح کے نتائج پیدا نہ ہوئے ہوں- ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ قوموں میں ایک خاص طرح کی شخصیتیں پیدا ہوئیں، ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ انہوں نے خاص طرح کی صدائیں بلند کیں، ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ ان کے اور ان کی قوم کے درمیان خاص طرح کے معاملات پیش آئے اور پھر ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ ان کا خاتمہ ایک خاص طرح کے نتیجہ پر ضرور ہوا اور اس نتیجہ نے تمام قضیہ کا فیصلہ کر دیا- تم یہ بھی دیکھو گے کہ یہ سارا معاملہ اپنی ساری باتوں میں کچھ اس طرح کا یکساں اور ہم رنگ واقع ہوا ہے کہ معلوم ہوتا ہے ایک ہی حقیقت ہے جو بار بار ابھرتی اور اپنے آپ کو دہراتی رہی ہے یا ایک ہی زنجیر ہے جس کی مختلف کڑیاں یکے بعد دیگرے نمایاں ہوئی ہیں اور اس کی کوئی کڑی دوسری کڑی سے الگ نہیں- پھر کیا یہ بات کہ ہمیشہ اور ہر جگہ ایک ہی طرح کی بات پیش آئی اور ایک ہی طرح کا نتیجہ نکلا، اس یقین کے لیے کافی نہیں کہ یہ ملکوں اور قوموں کی سعادت و شقاوت کا ایک الٰہی قانون ہے، اور چونکہ ہمیشہ کام کرتا رہا ہے، اس لیے اب بھی کام کرے گا؟

(ہ) اب ان تمام سرگزشتوں پر نظر ڈالو جو اس سورت میں بیان کی گئی ہیں اور اعراف میں گزر چکی ہیں اور آئندہ سورتوں میں بھی آئیں گی- یہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت سے شروع ہوتی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر ختم کر دی جاتی ہیں- غور کرو- کس طرح ان تمام دعوتوں کے ظہور میں، اعلانات میں، تذکیر و موعظت میں، احوال و ظروف میں، رد و قبول میں، نوعیت و حیثیت میں اور پھر آخری نتیجہ میں کامل یکسانی پائی جاتی ہے؟ اور کس طرح ان کی ہم آہنگی کے تمام نقطے صاف صاف ابھرے ہوئے ہیں؟ ساتھ ہی کس طرح قدم قدم پر بتلایا جا رہا ہے کہ ہدایت وحی کے ظہور کے عام قوانین کیا کیا ہیں؟ اور کس طرح دعوت وحی کا ہر چہرہ اپنے خال و خط میں قطعی اور آشکارا نظر آ رہا ہے کہ شک و اشتباہ کی پرچھائیں بھی اسے چھونے کی جرأت نہیں کر سکتی؟

(و) سورۂ اعراف کے ایک نوٹ میں اشارات گزر چکے ہیں- اور اس سورت میں ہر دعوت کے وقائع کا خلاصہ بالمقابل نوٹوں میں پڑھ چکے ہو- ان سب پر مکرر نظر ڈالو اور غور کرو- جتنے رسول پیدا ہوئے وہ کیسے وقتوں میں پیدا ہوئے؟ اور کن لوگوں میں پیدا ہوئے؟ ان کی پکار کیا تھی؟ اور پکار کی نوعیت کیا تھی؟ ان کی دلیلیں کیا تھیں جن پر انہوں نے زور دیا؟ ان کا طریق کار کیا تھا جس پر وہ برابر کاربند رہے؟ انہوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اپنے قدم جہاں ٹکائے تھے وہ جگہ کون سی تھی؟ اور سہارے کے لیے جس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا وہ کون تھا؟ پھر ان میں اور ان کی قوموں میں جو معاملات پیش آئے وہ کس قسم کے تھے؟ اور ان معاملات میں ان کا جو قول و فعل رہا، وہ کس قسم کا تھا؟ تم دیکھو گے کہ ان ساری باتوں میں ہر رسول دوسرے رسول کی تصویر تھا اور ہر دعوت دوسری دعوت کا عکس تھی۔ کسی بات میں بھی تم ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے۔ سب اسی حال میں پیدا ہوئے کہ دنیوی طاقتوں اور حکمرانیوں میں سے کچھ نہیں رکھتے تھے۔ سب کا ظہور ایسے ہی وقتوں میں ہوا جب خدا پرستی اور نیک عملی کی روشنی بجھ چکی تھی۔ سب انہی قوموں میں پیدا ہوئے جن قوموں کو انہوں نے مخاطب کیا تھا۔ سب کی زبانوں سے ایک ہی پکار نکلی۔ سب نے ایک ہی طرح پر لوگوں کو بلایا۔ سب نے کہا اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ سب نے کہا ظلم و بدعملی سے باز آ جاؤ۔ اس کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ سب نے کہا۔ ہماری جدوجہد ادائے فرض ہے۔ مزدوری کی طلب نہیں۔ سب نے کہا۔ ہمارے پاس علم و یقین ہے۔ ہم تمہیں ظن و جہل سے نجات دلانا چاہتے ہیں۔ سب نے کہا۔ ہمارا دعویٰ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایمان و نیک عملی کے نتائج کی بشارت دینے والے ہیں۔ انکار و بدعملی کے نتائج سے متنبہ کر دینے والے۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ سب نے کہا۔ تمہارا بھروسہ اپنی طاقتوں پر ہے۔ ہمارا پروردگار عالم پر۔ تم جو کچھ کر سکتے ہو کر دیکھو۔ ہم اپنے کام سے باز آنے والے نہیں۔ سب نے کہا۔ اگر مانتے نہیں تو کم از کم حق کے مقابلہ میں سرکشی کرنا چھوڑ دو۔ کیونکہ سرکشی کا نتیجہ عذاب ہے۔ اور پھر سب نے کہا کہ تمہاری راہ تمہارے لیے ہے۔ ہماری راہ ہمارے لیے۔ فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ تم بھی انتظار کرو!

پھر ان قوموں کی طرف نظر اٹھاؤ جن میں ان تمام دعوتوں کا ظہور ہوا تھا۔ کس طرح یہاں بھی ہر قوم اپنے طرز عمل میں ٹھیک ٹھیک دوسری قوم کی شبیہ ہے؟ اور کس طرح گمراہی کا چہرہ ہمیشہ ایک ہی طرح کا رہا، جس طرح ہدایت کا چہرہ ایک ہی طرح کا رہا ہے؟ غور کرو۔ کوئی بات بھی ایسی دکھائی دیتی ہے جس میں ظلم و فساد کی ایک نمود، ظلم و فساد کی دوسری نمود سے ہم رنگ نہ رہی ہو؟ سب نے اپنی اپنی باری وہی سب کچھ کیا جو ان میں سے کسی ایک نے کیا تھا۔ سب نے دعوت سے انکار کیا۔ سب نے دعوت کی ہنسی اڑائی۔ سب نے دلیلوں سے منہ موڑا۔ سب نے روشنیوں سے آنکھیں بند کر لیں۔ سب سرکشی اور گھمنڈ کی چال چلے۔ سب نے جبر و تشدد سے راہ روکنی چاہی۔ سب نے موعظت و دلائل کا جواب ظلم و تعدی سے دیا۔ سب کی زبانوں سے ایک ہی طرح کی صدائیں نکلیں۔ سب کے اعراض و انکار کا مزاج ایک ہی طرح کا مزاج رہا۔ اور پھر سب کو غرور و طغیان نے آخر وقت تک اس کی مہلت نہ دی کہ روشنی و تاریکی میں امتیاز کرتے!

پھر اگر انہیں مانا تو کن لوگوں نے مانا اور کتنوں نے مانا؟ تو یہاں بھی ہر دعوت کا معاملہ دوسری دعوت کے معاملہ سے بالکل ہم آہنگ رہا ہے۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوا کہ بے نواؤں اور درماندوں نے قبول کیا اور سرداروں اور رئیسوں نے مقاومت کی۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوا کہ جنہوں نے مانا وہ تھوڑے تھے، جنہوں نے انکار کیا وہ بہت تھے!

پھر دیکھو، نتیجہ بھی کس طرح ہمیشہ ایک ہی رہا اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس ایک کے خلاف ہوا ہو؟ ہمیشہ خدا کے فیصلہ کا انتظار کیا گیا اور ہمیشہ فیصلہ یہی ہوا کہ مومنوں نے نجات پائی۔ سرکشوں کے لیے ہلاکت ہوئی۔ یہ گویا اس معاملہ کا ایک قدرتی خاصہ تھا اور خاصہ کبھی بدل نہیں سکتا۔ یہ آگ کے لیے گرمی تھی۔ برف کے لیے ٹھنڈک تھی۔ سنکھیا کے لیے ہلاکت تھی۔ اور آگ جب سلگے گی گرمی ہی نکلے گی۔ برف جب کبھی جمے گی ٹھنڈک ہی ہوگی۔ سنکھیا جب کبھی کھائی جائے گی ہلاکت ہی لائے گی: ﴿ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴾

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ز) قرآن کے اس استدلال کی ہم نے جو کچھ تشریح کی ہے یہ کوئی دور کا مفسرانہ استنباط نہیں ہے بلکہ خود قرآن نے صاف صاف لفظوں میں یہ ساری باتیں واضح کر دی ہیں۔ضرورت صرف تدبر وبصیرت کی ہے۔قرآن کے ان بے شمار مقامات کا مطالعہ کرو جہاں گزشتہ رسولوں یا گزشتہ قوموں کی الگ الگ سرگزشتیں نہیں بیان کی ہیں بلکہ محض اجمالی اشارہ کر دیا ہے اور پھر یکے بعد دیگرے ان عبرتوں پر توجہ دلائی ہے جو ان سب کی سرگزشتوں سے مجموعی طور پر نکلتی ہیں۔مثلاً سورۂ ابراہیم کی آیت (۹) میں فرمایا کیا ان قوموں کی خبریں تم تک نہیں پہنچیں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں؟ پھر ان قوموں کی طرف اشارہ کیا ہے ''قوم نوح' قوم عاد' قوم ثمود اور وہ قومیں جو ان کے بعد ظہور میں آئیں اور جن کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے'' پھر اس کے بعد ان سب کے ایام ووقائع کی متفقہ اور مشترکہ عبرتیں بیان کی ہیں۔اور صاف طور پر واضح کر دیا ہے کہ تمام رسولوں کی صدائیں ایک ہی طرح کی رہیں اور تمام قوموں کے انکار وسرکشی کا عنوان بھی ایک ہی رہا۔پھر جو نتیجہ پیش آیا وہ بھی سب کے لیے یکساں تھا اور ایک ہی تھا ﴿ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَ خَافَ وَعِيْدِ ﴾ (۱۴: ۱۳،۱۴)

ایام اللہ:

(ح) عربی میں ایسے واقعات کو جو بڑے اہم اور فیصلہ کن ہوتے ہیں اور قومی روایات کی حیثیت حاصل کر لیتے ہیں یوں تعبیر کیا جاتا ہے کہ فلاں واقعہ کا دن۔مثلاً یوم بدر' یوم احد' یوم قادسیہ اور اسی سے قومی معرکوں کے لیے ''ایام'' کی تعبیر پیدا ہو گئی ہے۔چونکہ فیصلہ نتائج کے یہ دن جو تمام قوموں کو پیش آئے اللہ کے قانون حق کے نفاذ کے دن تھے اور حق وباطل کی معرکہ آرائی تھی' اس لیے قرآن نے انہیں ''ایام اللہ'' سے تعبیر کیا ہے۔﴿ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴾ (۱۴:۵)

قصص قرآن ومبادی سبعہ:

(ط) اس سورت میں بیان قصص کے بعد فرمایا ہے:﴿ وجاءك فی هذه الحق و موعظة وذكرى للمومنين ﴾ (۱۲۰) ان سرگزشتوں نے تم پر حقیقت کھول دی اور وہ سرتاپا موعظت وتذکیر ہیں۔نیز بے شمار مقامات میں تصریح کی کہ ان سرگزشتوں میں حقیقت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔بڑی بڑی دلیلیں ہیں۔تو اب غور کرو ''ایام اللہ'' کے اس استدلال سے کس طرح حقائق وحی کی تمام مہمات واضح ہو جاتے ہیں؟ اور کس طرح ہر حقیقت کے لیے موعظت وتذکیر مل جاتی ہے؟ تشریح کا یہ محل نہیں۔مقصود اشارات ہیں تاکہ تمہارے سامنے تدبر کی راہیں خود بخود کھل جائیں مثلاً بنائے استدلال معاملات کی وحدت اور ان کا عالمگیر تسلسل ہے۔تو اب غور کرو۔یہ وحدت کس طرح ہر گوشہ میں علم ویقین کا اجالا پیدا کر رہی ہے؟

اولاً' وحدت انبعاث' یعنی معلوم ہو گیا' ایک خاص معاملہ کے لحاظ سے تمام ملکوں اور قوموں کی حالت یکساں رہی ہے۔کوئی ملک وقوم ہو لیکن سراغ ملتا ہے کہ وہاں کچھ لوگ ایسے ضرور پیدا ہوئے جنہوں نے ابنائے جنس کو ایک خاص طرح کی تعلیم دی۔

ثانیاً، وحدت دعوت' یعنی یہ تعلیم اگرچہ مختلف وقتوں' مختلف ملکوں' مختلف پیرایوں' مختلف زبانوں میں دی گئی لیکن ان اختلافات سے تعلیم مختلف نہیں ہو گئی۔وہ ہمیشہ ایک ہی رہی۔گویا ایک ہی پیغام تھا جو کسی نے بہت سے پیام بروں کو دے کر بھیج دیا ہو۔اور زبانیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت سی ہوگئی ہوں مگر بات ایک ہی رہی ہو۔

ثالثاً' وحدت تذکیر وموعظت یعنی تمام دعوتوں کی صرف تعلیم ہی یکساں نہ رہی۔ بلکہ تذکیر وموعظت کے اصول بھی ہمیشہ ایک ہی رہے۔

رابعاً' وحدت شئون ووقائع۔ یعنی اگر چہ زمانے مختلف ہوئے' ملک مختلف ہوئے' قومیں مختلف ہوئیں' احوال وظروف مختلف ہوئے' مگر جو معاملات پیش آئے وہ اپنی نوعیت میں ہمیشہ ایک ہی طرح کے ہوئے۔

خامساً' وحدت تصدیق وانکار۔ یعنی دعوت کے ماننے نہ ماننے کے لحاظ سے بھی حالت ہمیشہ یکساں رہی۔

سادساً' وحدت ہدایت وضلالت فکر۔ یعنی ہمیشہ ماننے والوں کی فکری حالت بھی ایک ہی طرح کی رہی اور نہ ماننے والوں کی فکری حالت بھی ایک ہی طرح کی رہی۔ جنہوں نے مانا ہمیشہ ایک ہی طرح پر مانا۔ جنہوں نے نہ مانا ایک ہی طرح پر نہ مانا۔ حتی کہ تصدیق ویقین کی جتنی صدائیں اٹھیں ہمیشہ ایک ہی طرح کی اٹھیں اور انکار وشک کی جتنی باتیں کہی گئیں ہمیشہ ایک ہی طرح کی کہی گئیں۔

سابعاً' وحدت ظہور نتائج۔ یعنی پھر نتیجہ بھی ہمیشہ ایک ہی نکلا۔ ایک سے دو نہ ہوا۔

قرآن کہتا ہے۔ جب صورت حال یہ ہے تو کیا ایسی باتیں اصلیت سے خالی ہوسکتی ہیں؟ کیا ان کی قدامت' ان کی عالمگیری' ان کا دائمی تسلسل' ان کا غیر منقطع اعادہ' ان کی بے داغ وحدت' ان کی فطری صداقت کا اعلان نہیں کر رہی ﴿ مَالَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴾

پس معلوم ہوا یہاں کی تمام فطری اور عالمگیر حقیقتوں کی طرح ہدایت وحی کی بھی ایک حقیقت ہے۔ جو ہمیشہ ظہور میں آئی۔ ایمان اور عمل صالح کے قانون کی بھی ایک حقیقت ہے جس کی ہمیشہ تعلیم دی گئی۔ ہدایت اور ضلالت کی کشمکش کی بھی ایک حقیقت ہے جو ہمیشہ نمودار ہوئی۔ تصدیق رسل کے نتائج کی بھی ایک حقیقت ہے جو ہمیشہ ظہور میں آئی اور انکار وسرکشی کے نتائج بھی دنیا کی ایک ثابت شدہ حقیقت ہیں کیونکہ ان میں کبھی تغیر نہیں ہوا۔[1]

قرآن نے صرف چند دعوتوں کا کیوں ذکر کیا؟:

(ی) اس سلسلہ میں یہ بات پیش نظر رہے کہ قرآن نے اگر چہ یہاں اور دیگر مقامات میں چند خاص خاص دعوتوں اور قوموں ہی کا ذکر کیا ہے' لیکن اس کا دعوی عام ہے اور اسی پر یہ استدلال مبنی ہے۔ اس نے جا بجا یہ بات واضح کر دی ہے کہ ہدایت وحی کا ظہور جمعیت بشری کا عالمگیر واقعہ ہے اور کوئی قوم نہیں جس میں اللہ کے کسی رسول کا ظہور نہ ہوا ہو۔ نیز یہ کہ بے شمار قومیں دنیا میں گزر چکی ہیں جن کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔ چنانچہ سورہ یونس کی آیت (۴۷) میں گزر چکا ہے

﴿ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾

اور دوسرے مقامات میں فرمایا:

﴿ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴾(۱۳: ۷) ﴿ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾(۱۶: ۳۶) ﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴾(۳۵: ۲۴) ﴿ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا

---

[1] مطالب قرآنی کا یہ مقام نہایت وسیع ہے، اور اس قدر تفصیل کے بعد بھی بے شمار اطراف بحث تشنہ رہ گئے ہیں، لیکن اس کے سوا چارہ نہیں کہ تکمیل بحث کے لیے مقدمہ کا انتظار کیا جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ (۱۴: ۹)

لیکن ساتھ ہی اس نے یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ قرآن میں تمام رسولوں کا ذکر نہیں کیا گیا - صرف چند کا ذکر کیا گیا ہے:

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ﴾ (۴۰: ۷۸)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی رسول مبعوث کیے - ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے حالات تمہیں سنائے ہیں - اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات نہیں سنائے -

یہ ظاہر ہے کہ قومیں بے شمار گزر چکی ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حسب تصریح قرآن ہر قوم میں دعوت حق کا ظہور ہوا ہے - پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ بے شمار قومیں اور بے شمار دعوتیں ہوئیں جن میں سے صرف چند ہی کا قرآن نے ذکر کیا - باقی کا نہیں کیا -

قرآن نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس کا سبب بالکل واضح ہے - قرآن کا مقصود ان سرگزشتوں کے بیان سے یہ نہیں تھا کہ تاریخ کی طرح تمام واقعات کا استقصاء کیا جائے - بلکہ صرف تذکیر و موعظت تھا' اور تذکیر و موعظت کے لیے اس قدر کافی تھا کہ چند دعوتوں اور قوموں کی سرگزشتیں بیان کر دی جائیں اور باقی کے لیے کہہ دیا جائے کہ ان کا حال بھی انہی پر قیاس کر لو - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس بارے میں اس کا اسلوب بیان ہر جگہ عام ہے - جا بجا اس طرح کی تعبیرات پائی جاتی ہیں کہ پچھلے قرنوں میں ایسا ہوا - پچھلی قوموں میں ایسا ہوا - پچھلی آبادیوں میں ایسا ہوا - پچھلے رسولوں کے ساتھ اس طرح کے معاملات پیش آئے - البتہ جہاں کہیں تخصیص کے ساتھ ذکر کیا ہے وہاں صرف چند قوموں ہی کی سرگزشتیں بیان کی ہیں - جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ یہ چند سرگزشتیں پچھلی قوموں کے ایام و وقائع کا نمونہ سمجھی جائیں اور ان سے اندازہ کر لیا جائے کہ اس بارہ میں تمام اقوام عالم کی روداد یں کیسی رہ چکی ہیں؟

البتہ کہا جا سکتا ہے کہ کیوں خصوصیت کے ساتھ ان چند قوموں ہی کا ذکر کیا گیا جو ایک خاص خطہ ارضی میں گزر چکی تھیں - دوسرے خطوں کی اقوام میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا؟

تو اس کے وجوہ بھی بالکل واضح ہیں اگر تھوڑی سی دقت نظر کام میں لائی جائے - یہ ظاہر ہے کہ ایام و وقائع کے ذکر سے مقصود بعض مقاصد کے لیے استشہاد تھا اور یہ استشہاد جب ہی موثر ہو سکتا تھا کہ جن ایام و وقائع کا ذکر کیا جائے ان کے وقوع سے مخاطب بے خبر نہ ہوں - کم از کم ان کی بھنک کانوں میں پڑ چکی ہو - یا نہ پڑی ہو تو اپنے پاس کے آدمیوں سے حال پوچھ لے سکتے ہوں - ورنہ ظاہر ہے کہ لوگ کہہ دیتے پہلے ان وقائع کا وقوع ثابت کرو' پھر ان سے ہمیں عبرت دلانا - اور اس طرح عبرت و تذکیر کا سارا مقصد ہی فوت ہو جاتا - اب دیکھو قرآن نے جن ایام و وقائع کا ذکر کیا ہے وہ تمام تر کن خطوں میں واقع ہوئے تھے؟ یعنی ان کی جغرافیائی حدود کیا ہیں؟ یہ تمام وقائع یا تو خود عرب میں ہوئے یا سرزمین دجلہ و فرات میں یا پھر فلسطین اور مصر میں' اور یہ تمام خطے ایک دوسرے سے متصل تھے تجارتی قافلوں کی شاہراہوں سے باہم گرپیوستہ تھے آمد و رفت کے علائق کا قدیمی سلسلہ رکھتے تھے اور نسلی و لسانی تعلقات کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے جیسا کہ آگے چل کر تمہیں معلوم ہوگا - پس قرآن نے انہی خطوں کا ذکر کیا جو فی الحقیقت تاریخ اقوام کا ایک ہی وسیع خطہ رہ چکا ہے دوسرے خطوں سے تعرض نہیں کیا کیونکہ مخاطبین کے لیے ان خطوں کا ذکر ان کی شب و روز کی باتوں کا ذکر تھا اور وہ جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے - عرب خود ان کا ملک تھا - عراق سے ان کے تعلقات تھے - فلسطین کے کھنڈروں پر ہر سال گزرتے رہتے - مصر ان کے تجارتی قافلوں کی منڈی تھی - ان ملکوں کا نام سننا گویا اپنے چاروں طرف نظر اٹھا کر دیکھ لینا تھا -

پھر جن قوموں کا ذکر کیا گیا ان کے ناموں سے بھی وہ ناآشنا نہ تھے - قوم تبع اور اصحاب اخدود یمن سے تعلق رکھتے تھے اور یمن عرب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہے- عاد اور ثمود کی بستیاں بھی عرب ہی کے حدود میں تھیں-قبیلہ مدین بالکل عرب کے پڑوس میں تھا-قوم لوط کے کھنڈران میں سے سیکڑوں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے-سرزمین دجلہ وفرات کی قوموں اوران کی روایتوں سے بھی ناآشنا نہیں ہوسکتے تھے-مصر میں گو مصر کے فرعون اب نہیں رہے تھے' لیکن مصر میں برابر آتے جاتے رہتے تھے-فراعنہ کے نام ان کے لیے اجنبی نام نہیں ہوسکتے تھے-

علاوہ بریں یہودی اور عیسائی خود ان کے اندر بسے ہوئے تھے-انبیائے بنی اسرائیل کے نام ان لوگوں کی زبانوں پر تھے' تفصیلات ربیوں اور راہبوں کو معلوم تھیں-یہ ان سے پوچھ سکتے تھے اور پوچھا کرتے تھے-

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ایام ووقائع کے بیان واستدلال میں جابجا اس طرح کا اسلوب اختیار کیا ہے جیسے ایک جانی بوجھی ہوئی بات کی طرف اشارہ کیا جائے-مثلاً جابجا فرمایا: ﴿ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ (۹:۱۴) جو قومیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں کیا تم تک ان کی خبریں نہیں پہنچ چکی ہیں؟ یا مثلاً جابجا اس طرح کی تعبیرات پاؤ گے: ﴿ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ (۴۴:۳۵) کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے پچھلی قوموں کا کیا انجام ہو چکا ہے؟ کیونکہ واقعہ یہ تھا کہ وہ برابر چلتے پھرتے رہتے تھے-یعنی ہر موسم میں تجارت کے لیے نکلتے تھے اور اثنائے سفر میں کتنی ہی اجڑی ہوئی بستیاں' مٹتے ہوئے نشان اور سنسان کھنڈران کی نظروں سے گزرتے تھے بلکہ بسا اوقات انہی میں منزل کرتے اور انہی کے سایوں میں دوپہر کاٹتے تھے اور پھر جابجا اس طرح کی بھی تصریحات ہیں کہ یہ مقامات تم سے دور نہیں کہ بعد کی وجہ سے بالکل بے خبر رہے ہو-اور یہ بھی کہا ہے کہ کیا علمائے بنی اسرائیل سے یہ سرگزشتیں نہیں سنیں؟ اور اگر بے خبر ہو تو علم والوں سے یعنی علمائے اہل کتاب سے دریافت کرلو جو تم ہی میں بسے ہوئے ہیں-

اور پھر بعض مقامات میں عرب کے حوالی واطراف کی تصریح بھی کردی ہے-جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیان وقائع میں قصداً یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ سرزمین عرب اور اس کے اطراف وجوانب ہی کے وقائع ہوں-مثلاً سورۂ احقاف کی آیت (۲۷) میں قوم عاد کے ذکر کے بعد فرمایا ﴿ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾

البتہ یہ ظاہر ومعلوم ہے کہ ان واقعات کی تفصیلات سے لوگ ناآشنا تھے-اور بعض وقائع ایسے تھے جن کی صرف کانوں میں بھنک پڑ چکی تھی لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ معاملہ کس طرح پیش آیا اور صحیح سرگزشت کیا ہے؟ نہ صرف عرب میں بلکہ ان خطوں میں بھی جہاں وہ پیش آئے تھے-جن وقائع کا ذکر تورات میں موجود تھا ان کی بھی بعض حقیقتیں محرف ہوگئی تھیں' یا بھلا دی گئی تھیں اور خود اہل کتاب کو بھی خبر نہ تھی کہ اصلیت کیا رہ چکی ہے-پس قرآن نے ان کی حقیقت ٹھیک ٹھیک واضح کردی-ہر معاملہ اپنی اصلی صورت میں نمایاں ہوگیا-بعض وقائع کی نسبت تصریح کر دی کہ اس سے باشندگان عرب بالکل ناآشنا تھے-یعنی نام تو سن لیا تھا لیکن اس کی یہ تفصیلات اور جزئیات کسی کو معلوم نہ تھیں' مثلاً اسی سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کی سرگزشت بیان کرکے آیت (۴۹) میں تصریح کردی کہ یہ باتیں نہ تو تجھے معلوم تھیں نہ تیری قوم کو-

جدید اثری تحقیقات اور اقوام متذکرۂ قرآن:

پھر فہم وتدبر کا ایک اور نقطہ بھی ہے اور اس سطر ف بھی اشارہ کردینا ضروری ہے-قرآن نے جن خطوں کی اقوام کا ذکر کیا ہے دنیا کو ان کی قدیم تاریخ بہت کم معلوم تھی-اور خود عرب اور عربی نسل کی ابتدائی سرگزشتیں بھی پردۂ خفا میں مستور تھیں-لیکن اٹھارویں صدی سے آثار قدیمہ کی تحقیقات کا نیا سلسلہ شروع ہوا اور پھر انیسویں صدی میں نئے نئے پردے اٹھے اور اب بیسویں صدی کے اثری انکشافات روز بروز ایک خاص رخ پر جارہے ہیں-ان سب سے عرب' عراق' فلسطین' شام اور مصر کی قدیم قوموں اور تمدنوں کے جو حالات منکشف ہوئے ہیں انہوں نے ان خطوں کی قدیم تاریخ کو بالکل ایک نئی شکل دے دی ہے اور روز بروز نئی نئی حقیقتیں ابھرتی جاتی ہیں-سب سے زیادہ عجیب بات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ معلوم ہوتی ہے کہ عربی نسل اور عربی زبان کے صرف اتنے ہی معنی نہیں ہیں جتنے آج تک سمجھے گئے ہیں بلکہ یہ قوموں اور نسلوں کی ایک نہایت قدیم اور وسیع داستان ہے اور وہ دنیا کے ابتدائی تمدنوں میں عظیم الشان حصہ لے چکے ہیں۔

ان تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عربی زبان اور اس کی ابتدائی شکلوں کے بولنے والوں کو ایک خاص نسل تسلیم کر لیا جائے تو یہ در اصل بہت سے گروہوں اور قبیلوں کا ایک مجموعہ تھا اور عرب، فلسطین، شام، مصر اور عراق کے خطوں میں پھیلا ہوا تھا۔ اس نے دنیا کے ابتدائی تمدن کی تعمیر میں بڑے بڑے حصے لیے۔ ان ملکوں کی وہ تمام قدیم قومیں جو آج تک ایک دوسرے سے بالکل الگ سمجھی جاتی تھیں مثلاً اشوری، سریانی، فینیقی، مصری، آرامی وغیرہم، فی الحقیقت الگ نہ تھیں اور عربی زبان کا ابتدائی مواد اور عربی رسم الخط کے ابتدائی نقوش ان سب میں مشترک تھے۔ حتیٰ کہ انہی گروہوں نے مصر کے تخت عظمت و جبروت پر عرصہ تک شہنشاہی کی اور اپنی زبان وقت کی تمام متمدن قوموں کو مستعار دے دی۔ چنانچہ دارا کے کتبوں اور مصر کے ہیلو غلیفی نقوش میں عربی الفاظ آج تک پڑھے جا سکتے ہیں اور یہ بات تو ایک تاریخی حقیقت کی طرح مان لی گئی ہے کہ یونانیوں نے فن کتابت کا پہلا سبق انہی اقوام سے حاصل کیا تھا!

کون کہہ سکتا ہے کہ آئندہ اس سلسلہ میں کیا کیا انکشافات ہونے والے ہیں؟ تاہم جس قدر انکشافات ہو چکے ہیں ان سے ایک بات واضح ہو گئی ہے۔ یعنی ایک زمانہ میں یہ تمام خطے ایک خاص نسل کے عروج و انشعاب کے مختلف میدان تھے اور یہی نسل عربی قبائل کی ابتدائی نسل تھی۔ پس اگر قرآن نے صرف انہی خطوں کی اقوام کا ذکر کیا ہے، کوئی دوسری قوم اس دائرہ میں داخل نہیں ہو سکی ہے تو بہت ممکن ہے اس کی علت اس سے کہیں زیادہ گہری ہو جس قدر اس وقت تک ہم سمجھتے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں چار باتیں نمایاں طور پر سامنے آ جاتی ہیں:

اولاً، جن اقوام کا ذکر کیا گیا ہے ان کی خصوصیت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ بعض سرزمین حجاز کے قرب و جوار میں گزری تھیں اور بعض سے اہل کتاب واقف تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ کوئی گہری بات ہے۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے یہ تمام قومیں اصلاً ایک ہی نسلی حلقہ کی ہیں۔ حتیٰ کہ اگر مصریوں کا ذکر کیا گیا ہے تو مصری بھی اس میں داخل ہیں۔

ثانیاً، ان انکشافات کی روشنی میں ایک اور مسئلہ بھی بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ قرآن نے جہاں کہیں ترتیب ظہور کے ساتھ دعوتوں کا ذکر کیا ہے وہاں قوم نوح کے بعد قوم عاد اور عاد کے بعد قوم ثمود نمایاں ہوئی ہے اور ان تینوں قوموں کو ایک دوسرے کا جانشین کہا ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف کی آیت (۶۹) میں ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا خدا کی یہ نعمت یاد کرو کہ اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد اس کا جانشین بنایا۔ اور آیت (۷۴) میں ہے کہ اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا۔ تم قوم عاد کے بعد اس کے جانشین بنائے گئے۔ چونکہ ان تینوں قوموں کا جغرافیائی محل ایک دوسرے سے الگ تھا اس لیے یہ بات واضح نہیں ہوتی تھی کہ اس خطاب کا صحیح مطلب کیا ہے؟ لیکن اب بالکل واضح ہو گئی اور ان توجیہوں کی ضرورت نہ رہی جو مفسرین نے اختیار کی ہیں۔

ثالثاً، اس سوال پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ قرآن نے ہر جگہ یہ تذکرہ حضرت نوح علیہ السلام ہی سے کیوں شروع کیا ہے؟ اس کے متعدد وجوہ سامنے آتے تھے لیکن ان انکشافات کی روشنی نے ایک نیا پہلو واضح کر دیا ہے۔ یعنی حضرت نوح کی دعوت غالباً اس قدیم نسل میں پہلی دعوت تھی، اور چونکہ پہلی دعوت تھی اس لیے ناگزیر تھا کہ اس کی دعوتوں کا تذکرہ اسی سے شروع ہو۔

رابعاً، تورات کی بنا پر سامی نسلوں اور زبانوں کی جو تقسیم کی گئی تھی اور جو اٹھارویں اور انیسویں صدی کے علمائے انساب والسنہ کے نزدیک بنیادی تقسیم رہی ہے اب متزلزل ہو رہی ہے اور معلوم ہوتا ہے از سر نو نئی تقسیمیں کرنی پڑیں گی۔ ﴿ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴾ (۳۸: ۸۸)

(۲۵) اس سورت کی تصریحات میں ایک معاملہ اور تشریح طلب رہ گیا ہے اور ضروری ہے کہ اس طرف بھی اشارہ کر دیا جائے۔ قرآن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے جس طرح دوسری قوموں کے عذاب کا ذکر کیا ہے اسی طرح قوم نوح کے عذاب کا بھی ذکر کیا ہے اور اگر دوسری قوموں کا عذاب صرف انہی قوموں کے لیے تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ قوم نوح کا عذاب یعنی طوفان عالمگیر تصور کیا جائے لیکن چونکہ تورات کی کتاب پیدائش میں اس طرح کی تصریحات موجود ہیں کہ طوفان عام تھا اور یہودیوں اور عیسائیوں کا ایسا ہی اعتقاد رہا ہے اس لیے مسلمانوں میں بھی یہ خیال پھیل گیا اور اس طرح کی تفسیر کی جانے لگی جو طوفان کے عموم پر مبنی تھی - بہر حال دو باتیں یاد رکھنی چاہییں - ایک یہ کہ قرآن میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے طوفان نوح عام ثابت ہوتا ہو - دوسری یہ کہ تورات کے بقیہ اجزا کے بارے میں کچھ ہی کہا جائے لیکن موجودہ زمانہ میں علم و تحقیق کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے کہ کتاب پیدائش لائق اعتماد نہیں - خصوصاً اس کا ابتدائی حصہ - تفصیل اس کی مقدمہ میں ملے گی -

انیسویں صدی کی اثری تحقیقات اور وقائع بنی اسرائیل:

(۲۶) انیسویں صدی کی اثری تحقیقات نے ایک نیا سوال بھی پیدا کر دیا ہے - یعنی تورات اور قرآن میں حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ (علیہما السلام) کی جو سرگزشتیں بیان کی گئی ہیں مصر کے تاریخی آثار میں ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا - حتی کہ بنی اسرائیل کے توطن مصر اور خروج کا پورا واقعہ اشریات مصر کی تاریخ میں ایک غیر معلوم واقعہ ہے -

دنیا کی کسی پرانی قوم نے اپنی تاریخ کی کتابت و حفاظت کا ایسا انتظام نہیں کیا جیسا کہ قدیم مصریوں نے کیا تھا - جس وقت تک پیپرس (قدیم مصری کاغذ) ایجاد نہیں ہوا تھا' شاہی محلوں' مندروں اور مقبروں کی دیواروں پر ہر عہد کے حالات مسلسل نقش کیے جاتے رہے اور جب پیپرس رائج ہو گیا' تو باقاعدہ دفاتر مدون ہونے لگے - علاوہ بریں ہر بادشاہ اور امیر کی وفات کے بعد اس کی نعش حنوط (ممی) کر کے اس کے خاص مقبرہ میں رکھی جاتی تھی اور نقش کے ساتھ اس کی زندگی کے وقائع بھی رکھ دیے جاتے تھے - اب یہ تمام آثار روشنی میں آ گئے ہیں اور ان کی معلومات نے ایک مرتب تاریخ کی شکل اختیار کر لی ہے -

ان معلومات نے ہمیں پانچ ہزار برس پیشتر کے واقعات تک پہنچا دیا ہے - بعد کے واقعات کے لیے یونانی نوشتے موجود ہیں - دونوں یکجا کر دیے جائیں تو یہ تین ہزار سال قبل از مسیح سے لے کر عہد سکندر تک کی ایک مسلسل تاریخ ہے - اس تمام عرصے میں اکتیس شاہی خاندانوں نے مصر پر حکومت کی - آخری خاندان فارس کی شہنشاہی کا تھا جس کے بعد ۳۳۲ قبل از مسیح میں سکندر اعظم کا تسلط قائم ہوا - ان اکتیس خاندانوں کے اکثر افراد روشنی میں آ گئے ہیں اور ان کے ناموں کی فہرستیں مرتب کر لی گئی ہیں -

علمائے آثار کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا معاملہ ایک نہایت غیر معمولی نوعیت کا معاملہ تھا - پھر ان کے خاندان کا مصر آنا اور بس جانا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور اور فرعون سے مقابلہ تمام تر ایسے واقعات ہیں جو نہایت اہمیت رکھتے ہیں - ضروری تھا کہ آثار مصر میں ان کا ذکر آتا - لیکن کسی طرح کا بھی تذکرہ نہیں ملتا - تورات کی سنین کے مطابق حضرت یوسف کا زمانہ مصر کے ہیکسس (عمالقہ) فرمانرواؤں کا زمانہ ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ بیسویں حکمراں خاندان کا زمانہ ہونا چاہیے جس میں رعمیس سوم سے لے کر رعمیس یازدہم تک کے فراعنہ گزرے ہیں لیکن ان تمام بادشاہوں کے جس قدر حالات معلوم ہوئے ہیں ان میں کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جو حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ (علیہما السلام) کی سرگزشتوں کی خبر دیتا ہو -

اسی بنا پر بیسویں صدی کے علمائے تاریخ کا عام رجحان اس طرف ہے کہ دونوں واقعوں کی تاریخی حیثیت قابل تسلیم نہیں -

لیکن کیا آثار مصر کا سکوت اس کے لیے کافی ہے کہ اسے تاریخ کی منفی شہادت تسلیم کر لیا جائے؟ اور کیا فی الحقیقت آثار مصر میں ان واقعات کے لیے کوئی روشنی نہیں؟ یہ ضروری سوالات ہیں جنہیں حل کرنا چاہیے - لیکن اس کا محل البیان ہے' ترجمان القرآن نہیں -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰیَاتُهَا : 111 سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا : 12

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۱ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۲ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝۳ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝۴ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵

الف-لام-را-

یہ آیتیں ہیں روشن وواضح کتاب کی!(۱)

ہم نے اسے اس شکل میں اتارا کہ عربی زبان کا قرآن ہے-تاکہ تم سمجھو بوجھو-(۲)

(اے پیغمبر!) اس قرآن کی وحی کر کے ہم تجھے بہتر سے بہتر طریقہ پر (پچھلی) سرگزشتیں سناتے ہیں اور یقیناً قرآن کے نازل ہونے سے پہلے تو انہی لوگوں میں سے تھا جو (ان سرگزشتوں سے) بے خبر تھے-(۳)

اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ یوسف نے اپنے باپ سے کہا تھا ''اے میرے باپ! میں نے (خواب میں) دیکھا کہ گیارہ ستارے ہیں اور سورج اور چاند اور دیکھا کہ یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں!''(۴)

(باپ نے) کہا ''اے میرے بیٹے! اپنے اس خواب کا حال اپنے بھائیوں سے نہ کہہ دینا کہ وہ تیرے خلاف کسی منصوبہ کی تدبیریں کرنے لگیں-یاد رکھ! شیطان انسان کا صریح دشمن ہے''(۵)

(۱) یہ سورت بھی ان سورتوں میں سے ہے جو اوائل دعوت میں نازل ہوئیں-اس میں اول سے لے کر آخر تک ایک ہی سرگزشت بیان کی گئی ہے اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سرگزشت ہے-

(۲) گزشتہ سورت میں گزر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی گئی تھی کہ ایک لڑکا پیدا ہوگا اور پھر اس سے ایک لڑکا ہوگا اور اس کی اولاد میں خدا برکت دے گا-(آیت ۷۱) چنانچہ حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کی اولاد میں حضرت یعقوب علیہ السلام ہوئے-

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ لڑکے تھے:

چھ لیاہ سے: روبن' شمعون' لاوی' یہوداہ' اشکار' زبلون-

دو بلہا سے: دان' نفتالی

دو زلفہ سے: جد' آشر-دو راخل سے: یوسف-بن یمین-

یوسف علیہ السلام اور بن یمین سب سے چھوٹے تھے-اور بن یمین کی پیدائش کے بعد ماں کا انتقال ہوگیا-پس گھرانے میں چودہ آدمی رہ گئے تھے-بارہ لڑکے' باپ اور ان کی ایک بیوی-

(۳) تورات میں ہے کہ لیاہ اور راخل میں سخت رقابت تھی اور اس کا اثر ان کی اولاد میں بھی پوری طرح نمایاں تھا-حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کو سب سے زیادہ چاہتے تھے اور یہ بات سوتیلے بھائیوں پر بہت شاق تھی-(پیدائش ۳۷:۴) اسی لیے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ
كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۶ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ ع ۱۱
وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۷ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۸ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا
صٰلِحِيْنَ ۹ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ

''اور (اے میرے بیٹے! جس طرح تو نے دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج چاند تیرے آگے جھکے تو) اسی طرح تیرا پروردگار تجھے برگزیدہ کرنے والا ہے اور یہ بات سکھلانے والا ہے کہ باتوں کا نتیجہ و مطلب کیونکر ٹھہرایا جائے۔ نیز جس طرح وہ اب سے پہلے تیرے بزرگوں ابراہیم اور اسحاق پر اپنی نعمت پوری کر چکا ہے اسی طرح تجھ پر اور یعقوب کے گھرانے پر بھی پوری کرے گا۔ بلاشبہ تیرا پروردگار (سب کچھ) جاننے والا اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت والا ہے!'' (۶)

جو لوگ (حقیقت حال) پوچھنے والے ہیں (اگر وہ سمجھیں تو) ان کے لیے یوسف اور اس کے بھائیوں کے معاملہ میں (موعظت و عبرت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں! (۷)

اور جب ایسا ہوا تھا کہ (یوسف کے سوتیلے بھائی آپس میں) کہنے لگے۔ ''ہمارے باپ کو یوسف اور اس کا بھائی (بن یمین) ہم سب سے بہت زیادہ پیارا ہے حالانکہ ہم ایک پوری جماعت ہیں (یعنی ہماری اتنی بڑی تعداد ہے) اور یقیناً ہمارا باپ صریح غلطی پر ہے'' (۸)

''پس (بہتر یہ ہے کہ) یوسف کو مار ڈالیں۔ یا کسی جگہ پھینک آئیں۔ تاکہ ہمارے باپ کی توجہ ہماری ہی طرف رہے اور اس کے نکل جانے کے بعد ہمارے سارے کام سدھر جائیں'' (۹)

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا۔ ''نہیں یوسف کو قتل مت کرو۔ اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو کسی اندھے کنوے میں

حضرت یعقوب علیہ السلام نے روکا تھا کہ اپنا خواب بھائیوں سے نہ کہو۔

(۴) تورات میں ہے کہ یوسف علیہ السلام کی عمر سترہ برس کی تھی جب خواب کا معاملہ پیش آیا (پیدائش ۳۷:۲)

(۵) خواب میں گیارہ ستاروں سے مقصود یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی تھے اور سورج چاند سے باپ اور (سوتیلی) ماں۔ تورات میں ہے کہ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے خواب کہہ دیا تھا اور انہیں یہ بات بھی معلوم ہو گئی تھی کہ اس کی تعبیر کیا ہے۔ (پیدائش ۳۷:۱۱) غالباً حضرت یوسف علیہ السلام باپ کی ممانعت سے پہلے یہ بات ظاہر کر چکے تھے۔

(۶) بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کے بارے میں مشورہ کرنا اور اس پر متفق ہونا کہ اسے ایک اندھے کنویں میں ڈال دیا جائے اور باپ سے اجازت مانگی کہ یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ جنگل میں لے جائیں جہاں وہ روز مویشی چرانے جایا کرتے تھے۔

تورات میں ہے کہ جب بھائیوں نے مشورہ کیا تو روبن نے کہا قتل نہ کرو کنویں میں ڈال دو (پیدائش ۳۷:۲۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰى يُوۡسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾ اَرۡسِلۡهُ
مَعَنَا غَدًا يَّرۡتَعۡ وَيَلۡعَبۡ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّىۡ لَيَحۡزُنُنِىۡۤ اَنۡ تَذۡهَبُوۡا بِهٖ وَاَخَافُ اَنۡ
يَّاۡكُلَهُ الذِّئۡبُ وَاَنۡتُمۡ عَنۡهُ غٰفِلُوۡنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوۡا لَئِنۡ اَكَلَهُ الذِّئۡبُ وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا
لَّخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوۡا بِهٖ وَاَجۡمَعُوۡۤا اَنۡ يَّجۡعَلُوۡهُ فِىۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ‌ۚ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ
لَتُنَبِّئَنَّهُمۡ بِاَمۡرِهِمۡ هٰذَا وَهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوۡۤ اَبَاهُمۡ عِشَآءً يَّبۡكُوۡنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوۡا
يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبۡنَا نَسۡتَبِقُ وَتَرَكۡنَا يُوۡسُفَ عِنۡدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئۡبُ‌ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ بِمُؤۡمِنٍ

ڈال دو- (گزرنے والے قافلوں میں سے) کوئی قافلہ (اس پر گزرے گا اور) اسے نکال لے گا-" (۱۰)

(تب سب مل کر باپ کے پاس آئے اور) انہوں نے کہا "اے ہمارے باپ! کیوں آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے؟ (اور ہمارے ساتھ کہیں جانے نہیں دیتے؟) حالانکہ ہم تو اس کے دل سے خیر خواہ ہیں- (۱۱) کل ہمارے ساتھ اسے (جنگل میں) جانے دیجیے کہ کھائے پیے' کھیلے کودے- ہم اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں" (۱۲)

(باپ نے) کہا "یہ بات مجھے غم میں ڈالتی ہے کہ تم اسے اپنے ہمراہ لے جاؤ- اور میں ڈرتا ہوں' کہیں ایسا نہ ہو بھیڑیا کھا لے اور تم اس سے غافل ہو" (۱۳)

انہوں نے کہا "بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بھیڑیا اسے کھا لے اور ہمارا ایک پورا جتھا موجود ہو- اگر ایسا ہو تو پھر ہم نرے نکمے ہی نکلے!" (۱۴)

پھر جب یہ لوگ (باپ سے رخصت لے کر) یوسف کو ساتھ لے گئے اور سب نے اس پر اتفاق کر لیا کہ اندھے کنویں میں ڈال دیں (اور ایسا ہی کر گزرے) تو ہم نے یوسف پر وحی بھیجی کہ (مایوس نہ ہو) ایک دن ضرور آنے والا ہے جب ان کا یہ معاملہ تو انہیں جتائے گا اور وہ نہیں جانتے (کہ کیا کچھ ہونے والا ہے)- (۱۵) اور وہ اپنے باپ کے پاس شام کو روتے پیٹتے آئے- (۱۶) انہوں نے کہا "اے ہمارے باپ! ہم ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کے لیے دوڑ میں لگ گئے تھے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا- پس ایسا ہوا کہ بھیڑیا آ نکلا اور یوسف کو (مار کر) کھا لیا- اور ہم جانتے ہیں کہ آپ ہماری بات کا یقین

---

(۷) حضرت یعقوب علیہ السلام کا اندیشہ ظاہر کرنا اور پھر اجازت دے دینا-

اس زمانہ میں قبائل کی دولت و ثروت کا بڑا دارومدار مویشیوں پر تھا- مرد دن بھر چراتے تھے- شام کو خیموں میں آ کر آرام کرتے تھے- ایسی ہی زندگی حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھرانے کی بھی تھی- بھیڑیے مویشی کے دشمن ہوتے ہیں- ہمیشہ کوئی نہ کوئی حادثہ ہوتا رہتا تھا- اس لیے بے اختیار حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان سے نکل گیا کہیں ایسا ہی حادثہ یوسف علیہ السلام کو پیش نہ آ جائے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہی بات پکڑ لی اور اسی کا جھوٹا قصہ بنا کر سنا دیا-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الثلثة

لَنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ
جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ
يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ

کرنے والے نہیں - اگرچہ ہم کتنے ہی سچے ہوں'' (۱۷)

اور وہ یوسف کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون لگا لائے تھے - باپ نے (اسے دیکھتے ہی) کہا ''نہیں (میں یہ نہیں مان سکتا) یہ تو ایک بات ہے جو تمہارے نفس نے گھڑ کر تمہیں خوشنما دکھاوی ہے (اور تم سمجھتے ہو چل جائے گی) خیر میرے لیے اب صبر کرنا ہے (اور) صبر (بھی ایسا کہ) پسندیدہ (ہو) اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگنی ہے!'' (۱۸)

اور (دیکھو) ایک قافلہ کا اس پر گزر ہوا - (یعنی اس کنویں پر جس میں یوسف کو ڈالا تھا) اور قافلہ والوں نے پانی کے لیے اپنا سقہ بھیجا - پھر جونہی اس نے اپنا ڈول لٹکایا (اور یہ سمجھ کر کہ پانی سے بوجھل ہو چکا ہے اوپر کھینچا) تو (کیا دیکھتا ہے ایک جیتا جاگتا لڑکا اس میں بیٹھا ہے! - وہ) پکار اٹھا ''کیا خوشی کی بات ہے! یہ تو ایک لڑکا ہے!'' اور (پھر) قافلہ والوں نے اسے اپنا سرمایہ تجارت سمجھ کر چھپا رکھا (کہ کوئی دعویدار نہ نکل آئے) اور وہ جو کچھ کر رہے تھے اللہ کے علم سے پوشیدہ نہ تھا! (۱۹)

اور (پھر) انہوں نے یوسف کو بہت کم داموں پر کہ گنتی کے چند درہم تھے (بازار مصر میں) فروخت کر دیا

---

(۷) یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال دینا' بھیڑیے کے حملے کا جھوٹا قصہ بنانا' حضرت یعقوب علیہ السلام کا ان کے کذب پر مطلع ہو جانا' مگر صبر جمیل کا شیوہ اختیار کرنا -

''صبر کے معنی شدائد جھیلنے کے ہیں - ''جمیل'' ایسی بات جو پسندیدہ ہو - پس ''صبر جمیل'' ایسا صبر ہوا جو بڑے ہی پسندیدہ طریقہ پر ہو - یعنی نہ صرف یہ کہ شدائد کا شکوہ نہ ہو بلکہ بڑی خوبی کے ساتھ جھیلے جائیں - شدائد کا شکوہ نہ ہو - درد والم کی شکایت زبان پر نہ آئے - چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو فراست نبوت سے یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ پچھلی بشارتیں یوسف علیہ السلام ہی کے ذریعہ سے پوری ہونے والی ہیں اس لیے وہ کبھی باور نہیں کر سکتے تھے کہ اس طرح اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا - پس فرمایا فصبر جمیل یعنی اس معاملہ میں حکمت الٰہی کا ہاتھ صاف نظر آ رہا ہے - پس میرے لیے اس کے سوا چارہ نہیں کہ بغیر شکوہ وشکایت کے درد فراق جھیلتا رہوں اور اس کی کار فرمائیوں کے ظہور کا انتظار کروں - ﴿ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴾

آیت (۱۸) میں خون آلود کرنے کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا کیونکہ اسی سے ان کا سارا جھوٹ کھل گیا تھا - انہوں نے اپنے خیال میں یہ بڑی ہوشیاری کی بات کی تھی کہ یوسف کے کرتے پر بکری کا خون لگا کر بطور شہادت کے لے آئے لیکن یہ نہ سمجھے کہ اگر بھیڑیے نے حملہ کیا تھا تو کرتا کیسے بچ رہا؟ اس کے تو پرزے پرزے ہو جانے تھے - حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب کرتا دیکھا تو انہیں پورا یقین ہو گیا کہ ساری کہانی من گھڑت ہے -

قرآن کی معجزانہ بلاغت دیکھو - حضرت یعقوب علیہ السلام نے صرف اتنا کہہ کر کہ ﴿ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ﴾ کس طرح ساری باتیں کہہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ع ۲ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا

اور وہ اس معاملہ میں (اچھی قیمت لینے کے) چنداں خواہشمند بھی نہ تھے (یعنی چونکہ لڑکا مفت مل گیا تھا یا بہت کم داموں خریدا تھا، اس لیے بڑی قیمت کے چنداں خواہش مند نہ تھے۔ (۲۰)

اور اہل مصر میں سے جس شخص نے یوسف کو قافلہ والوں سے مول لیا تھا وہ (اسے لے کر اپنے گھر آیا اور) اپنی بیوی سے بولا ''اسے عزت کے ساتھ رکھو۔ عجب نہیں یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں''

اور (دیکھو) اس طرح ہم نے یوسف کا سرزمین مصر میں قدم جما دیا اور مقصود یہ تھا کہ اسے باتوں کا نتیجہ و مطلب نکالنا سکھا دیں۔ اور اللہ کو جو معاملہ کرنا ہوتا ہے وہ کر کے رہتا ہے لیکن اکثر آدمی ایسے ہیں جو نہیں جانتے! (۲۱)

اور پھر جب ایسا ہوا کہ یوسف اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے کارفرمائی کی قوت اور علم کی فراوانی بخشی۔ ہم نیک عملوں کو ایسا ہی (ان کی نیک عملی کا) بدلہ عطا فرماتے ہیں! (۲۲) اور (پھر ایسا ہوا کہ) جس عورت کے گھر میں یوسف

دیں جو اس معاملہ کے لیے کہی جا سکتی تھیں؟ یعنی ان کا حسد کرنا' سازش کرنی' معاملہ کی ایک پوری صورت بنا لینی اور پھر سمجھنا اس طرح ہم کامیاب بھی ہو جائیں گے اور ہمارا جھوٹ بھی نہیں کھلے گا۔ سب کی طرف اس میں اشارے ہو گئے۔

(۹) ایک عرب قافلہ کا کنویں پر سے گزرنا' حضرت یوسف علیہ السلام کا ڈول میں بیٹھ کر نکل آنا اور فروخت ہونا۔

تورات میں ہے کہ قافلہ اسماعیلیوں کا تھا جو گرم مسالے' بلسان اور مر مصر لے جا رہا تھا اور اس وقت پہنچا تھا جب یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنا کام پورا کر کے روٹی کھانے بیٹھے تھے۔ تب یہودا نے کہا۔ بہتر ہے ہم یوسف کو ان لوگوں کے ہاتھ بیچ ڈالیں۔ اس کے مار ڈالنے سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے بیس سکوں پر بیچ ڈالا (پیدائش ۳۷: ۲۵)

اسماعیلی یعنی حجاز کے عرب جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے۔

اگر یہ معاملہ واقعی پیش آیا تھا تو قرآن نے اسے حذف کر دیا کیونکہ ضروری نہ تھا۔ اور آیت (۲۰) میں وہ واقعہ بیان کر دیا جو مصر پہنچنے کا ذریعہ ہوا۔

ڈول کھینچنے والے نے اظہار تعجب کی جگہ اظہار مسرت اس لیے کیا کہ غلامی کا رواج عام تھا اور کم سن اور خوبصورت لڑکا ہاتھ لگ جاتا تو ایک قیمتی متاع سمجھی جاتی اور معقول قیمت وصول ہو جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ فرمایا: ﴿ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ﴾

تورات میں ہے کہ یہ کنواں بیابان میں تھا اور اس میں ایک بوند پانی نہ تھا (پیدائش ۳۷: ۲۲ و ۲۴) پس حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں پڑے رہے۔ جب قافلہ کے آدمی نے ڈول لٹکایا تو سمجھے شاید کوئی آدمی مجھے نکالنے آیا ہے اور ڈول میں بیٹھ گئے۔ اس طرح ان کی رہائی کا خود بخود سامان ہو گیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ يُّسْجَنَ

رہتا تھا (یعنی عزیز کی بیوی) وہ اس پر (ریجھ گئی اور) ڈورے ڈالنے لگی کہ بے قابو ہو کر بات مان جائے- اس نے (ایک دن) دروازے بند کر دیے اور بولی "لو آؤ" یوسف نے کہا "معاذ اللہ! (مجھ سے ایسی بات کبھی نہیں ہو سکتی) تیرا شوہر میرا آقا ہے- اس نے مجھے عزت کے ساتھ (گھر میں) جگہ دی ہے (میں اس کی امانت میں خیانت نہیں کروں گا) اور حد سے گزرنے والے کبھی فلاح نہیں پا سکتے!" (۲۳)

اور حقیقت یہ ہے کہ عورت یوسف کے پیچھے پڑ چکی تھی اور (حالت ایسی ہو گئی تھی کہ بے قابو ہو کر) یوسف بھی اس کی طرف متوجہ ہو جاتا اگر اس کے پروردگار کی دلیل اس کے سامنے نہ آ گئی ہوتی- (تو دیکھو) اس طرح (ہم نے نفس انسانی کی اس سخت آزمائش میں بھی اسے دلیل حق کے ذریعہ سے ہوشیار رکھا) تاکہ برائی اور بے حیائی کی باتیں اس سے دور رکھیں- بلاشبہ وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو برگزیدگی کے لیے چن لیے گئے! (۲۴)

اور (ایسا ہوا کہ دونوں دروازہ کی طرف دوڑے اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتا تھا (یوسف اس لیے کہ عورت سے بھاگ نکلے- عورت اس لیے کہ اسے نکل بھاگنے سے روکے) اور عورت نے یوسف کا کرتا پیچھے سے کھینچا اور دو ٹکڑے کر دیا- اور (پھر اچانک) دونوں نے دیکھا کہ عورت کا خاوند دروازے کے پاس کھڑا ہے- تب عورت نے (اپنا جرم چھپانے کے لیے فوراً بات بنالی اور) کہا "جو آدمی تیرے اہل خانہ کے ساتھ بری بات کا ارادہ کرے- اس کی سزا کیا ہونی چاہیے؟ کیا یہی نہیں ہونی چاہیے کہ اسے قید میں ڈالا جائے یا (کوئی اور) دردناک سزا دی جائے؟" (۲۵)

---

(۱۰) مصر کے ایک سردار کا حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنا اور ان کے اخلاق و خصائل سے اس درجہ متاثر ہونا کہ اپنا سب کچھ ان کے سپرد کر دینا-

تورات میں ہے کہ جس مصری نے خریدا تھا اس کا نام فوطی فار تھا اور وہ فرعون کا ایک امیر اور سردار فوج تھا (پیدائش ۳۷:۳۶) قرآن نے بھی آگے چل کر اسے "عزیز" کہا ہے- یعنی ایسا آدمی جو ملک میں بڑی جگہ رکھتا تھا-

عزیز مصر نے پہلے تو خوبصورت غلام دیکھ کر خرید لیا تھا- لیکن جب تھوڑے ہی دنوں کے اندر اس پر حضرت یوسف علیہ السلام کے جوہر کھل گئے تو ان کی راست بازی، نیک عملی اور پاکی نفس سے اس درجہ متاثر ہوا کہ اپنے سارے گھر بار اور علاقہ کا مختار کل بنا دیا- تورات میں ہے کہ یوسف کے حسن انتظام سے فوطی فار کی آمدنی دوگنی ہو گئی تھی (پیدائش ۳۹:۴)

غور کرو قرآن نے یہ سارا معاملہ ایک چھوٹی سی آیت میں بیان کر دیا- یعنی آیت (۲۱) میں- عزیز کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ اسے عزت کے ساتھ گھر میں رکھو اسی طرف اشارہ ہے-

(۱۱) حضرت یوسف علیہ السلام کی مصری زندگی اور مصری کامرانیوں کی ابتداء-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ

(اس پر) یوسف نے کہا "خود اسی نے مجھ پر ڈورے ڈالے اور مجبور کیا کہ پھسل پڑوں" (میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا) اور (پھر ایسا ہوا کہ) اس عورت کے کنبہ والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی' اس نے کہا- یوسف کا کرتا (دیکھا جائے) اگر آگے سے دو ٹکڑے ہوا ہے تو عورت سچی ہے- یوسف جھوٹا ہے-(۲۶) اگر پیچھے سے دو ٹکڑے ہوا ہے تو عورت نے جھوٹ بولا- یوسف سچا ہے(۲۷) پس جب عورت کے خاوند نے دیکھا کہ یوسف کا کرتا پیچھے سے دو ٹکڑے ہوا ہے تو (اصلیت پا گیا اور) عورت سے کہا" کچھ شک نہیں یہ تم

جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تو گویا حضرت یوسف علیہ السلام کی مصری کامرانیوں کی بنیاد پڑ گئی اور وہ میدان پیدا ہو گیا جہاں ان کے جوہر کھلنے والے اور بتدریج تخت مصر تک پہنچانے والے تھے- پس فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ﴾ اس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کے مصر میں قدم جما دیے کہ غلام ہو کر بکا تھا لیکن معزز و محترم ہو کر زندگی بسر کرنے لگا- نیز اس میں یہ مصلحت بھی تھی کہ اس پر "تاویل الاحادیث" کے علم کی راہ کھول دیں جس کی خبر ستاروں والے خواب میں دی جا چکی تھی (تاویل الاحادیث کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی-)

پھر فرمایا! واللہ غالب علی امرہ- دیکھو خدا جو کچھ چاہتا ہے کس طرح کر کے رہتا ہے؟ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو نامراد کرنا چاہا تھا لیکن انہوں نے جو کچھ کیا وہی اس کی فتح و فیروزی کا ذریعہ بن گیا!

(۱۲) حضرت یوسف علیہ السلام کا بلوغ کو پہنچنا اور دانش حکومت اور فضیلت علم کی تکمیل-

اوپر تورات کی تصریح گزر چکی ہے کہ باپ سے علیحدگی کے وقت ان کی عمر سترہ برس کی تھی- پس آیت (۲۲) میں فرمایا عزیز کے یہاں کئی سال رہنے کے بعد جب وہ جوان ہو گئے تو حکمرانی کی دانش اور علم کی فضیلت مرتبہ کمال کو پہنچ گئی اور قانون الٰہی یہ ہے کہ نیک کرداروں کو اسی طرح ان کے حسن عمل کے نتائج ملا کرتے ہیں!

(۱۳) عزیز کی بیوی کا حضرت یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہونا اور ایک سخت ترین آزمائشی حالت میں ڈالنا پھر ناکام رہ کر جھوٹا الزام لگانا' مگر ان کا معصیت سے بچے رہنا اور حیرت انگیز طریقہ پر الزام کا بھی جھوٹا ثابت ہونا-

آیت (۲۳) سے اس واقعہ کا بیان شروع ہوتا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کا سب سے زیادہ عظیم واقعہ ہے- تشریح اس کی آخری نوٹ میں ملے گی-

تورات میں ہے کہ یوسف علیہ السلام خوبصورت اور نور پیکر تھے (پیدائش ۶:۳۹) پس جب جوانی کو پہنچے تو اس کی بیوی ان پر فریفتہ ہو گئی اور جب دیکھا دوسری طرف سے جواب نہیں ملتا تو جیسا کہ قاعدہ ہے ملتفت کرنے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کام میں لائی- پھر جب اس پر بھی وہ نہ پھسلے تو ایک دن جوش فریفتگی میں وہ بات کر بیٹھی جو اس معاملہ کی انتہائی حد ہے- یعنی ہر طرح کے موانع جو کسی انسان کو ضبط نفس پر مجبور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ
الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ ع ۴
اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ
كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ

عورتوں کی مکاریوں میں سے ایک مکاری ہے اور تم عورتوں کی مکاریاں بڑی ہی سخت مکاریاں ہیں!''(۲۸)

(پھر اس نے کہا) اے یوسف! اس (معاملہ) سے درگزر کر (یعنی جو کچھ ہوا اسے بھلا دے) اور (بیوی سے کہا) ''اپنے گناہ کی معافی مانگ- بلاشبہ تو ہی خطاوار ہے''(۲۹)

اور (پھر جب اس معاملہ کا چرچا پھیلا) تو شہر کی بعض عورتیں کہنے لگیں ''دیکھو عزیز کی بیوی اپنے غلام پر ڈورے ڈالنے لگی کہ اسے رجھالے- وہ اس کی چاہت میں دل ہار گئی- ہمارے خیال میں تو وہ صریح بدچلنی میں پڑ گئی ہے''(۳۰)

جب عزیز کی بیوی نے مکاری کی یہ باتیں سنیں تو انہیں بلوا بھیجا اور ان کے لیے مسندیں آراستہ کیں اور (دستور کے مطابق) ہر ایک کو ایک ایک چھری پیش کر دی (کہ کھانے میں کام آئے) پھر (جب یہ سب کچھ ہو چکا تو) یوسف سے کہا ان سب کے سامنے نکل آؤ- جب یوسف (نکل آیا اور) ان عورتوں نے اسے دیکھا تو (ایسا پایا کہ) اس کی بڑائی کی قائل ہو گئیں- انہوں

کر سکتے ہیں راہ سے دور کر دیے اور کھلے لفظوں میں طالب و مطلوب ہوئی- غور کرو- آیت کے ابتدائی جملہ نے ان ساری باتوں کی طرف کس طرح صاف صاف اشارات کر دیے ہیں؟

جس شخص نے انکشاف حقیقت کا طریقہ بتلایا اسے ''شاہد'' کہا- کیونکہ اس نے کرتا دیکھ کر اصلیت پالی تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکی کی شہادت دی تھی اور پھر ثبوت میں کہا تھا کہ تم خود بھی دیکھ لو ان کے کرتے کا کیا حال ہے؟

یہ کون شخص تھا؟ خود اس عورت کے عزیزوں میں سے تھا- اس سے زیادہ قرآن نے تصریح نہیں کی- کیونکہ جو بات واضح کرنی تھی وہ صرف یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکی و راست بازی نے گھر کے تمام افراد کو ان کا معتقد بنا دیا تھا حتیٰ کہ خود عورت کے ایک رشتہ دار نے اپنی رشتہ داری کا لحاظ نہیں کیا، یوسف علیہ السلام کی حمایت میں سچائی ظاہر کر دی-

(۱۴) شہر کی ہم درجہ عورتوں میں اس بات کا چرچا ہونا' عورتوں کا بناوٹ اور ریاکاری سے طعن تشنیع کرنا' عزیز کی بیوی کا سننا اور ضیافت کی محفل کا سامان کرنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت و پاکی کا اس آزمائش میں بھی بے داغ نکلنا-

آیت (۳۰) میں جس واقعہ کا ذکر کیا ہے، یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جمال سیرت کا ایک دوسرا مظاہرہ ہے اور پہلے سے بھی زیادہ عظیم ہے- ضروری تشریح آخری نوٹ میں ملے گی-

ضمناً یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اس زمانہ کی مصری معاشرت کس درجہ شائستہ ہو چکی تھی؟ ضیافت کی مجلسیں خاص طور پر آراستہ کی جاتی تھیں- نشست کے لیے مسندیں لگائی جاتی تھیں کھانے کے لیے ہر شخص کے سامنے چھری رکھی جاتی تھی- مسندوں کے اہتمام کا حال اس سے معلوم ہو گیا کہ ﴿ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً ﴾ مصر کے آثار قدیمہ اور یونانی مؤرخوں کی شہادت سے جو حالات روشنی میں آئے ہیں ان سے بھی اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ
لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ
لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ
وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ
عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ

نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور (بے اختیار) پکار اٹھیں "سبحان اللہ! یہ تو انسان نہیں ہے۔ ضرور ایک فرشتہ ہے۔ بڑے مرتبے والا فرشتہ!" (۳۱)

تب (عزیز کی بیوی) بولی "تم نے دیکھا؟ یہ ہے وہ آدمی جس کے بارے میں تم نے مجھے طعنے دیے تھے۔ ہاں بیشک میں نے اس کا دل اپنے قابو میں لینا چاہا تھا مگر وہ بے قابو نہ ہوا۔ اور (اب اسے سنا کے کہے دیتی ہوں کہ) اگر اس نے میرا کہا نہ مانا (اور اپنی ضد پر اڑا رہا) تو ضرور ایسا ہوگا کہ قید کیا جائے اور بے عزتی میں پڑے" (۳۲)

یوسف نے (یہ سن کر) اللہ کے حضور دعا کی "خدایا! مجھے قید میں رہنا اس بات سے کہیں زیادہ پسند ہے جس کی طرف یہ عورتیں بلا رہی ہیں۔ اگر تو نے (میری مدد نہ کی اور) ان کی مکاریوں کے دام سے نہ بچایا تو عجب نہیں میں ان کی طرف جھک پڑوں اور ان لوگوں میں سے ہو جاؤں جو ناشناس ہیں!" (۳۳)

تو (دیکھو) اس کے پروردگار نے اس کی دعا قبول کر لی اور اس سے عورتوں کی مکاریاں دفع کر دیں۔ بلاشبہ وہی ہے (دعاؤں کا) سننے والا (سب کچھ) جاننے والا! (۳۴)

پھر (ایسا ہوا کہ) اگرچہ وہ لوگ (یعنی عزیز اور اس کے خاندان کے آدمی) نشانیاں دیکھ چکے تھے (یعنی یوسف کی

متمدن معاشرت کی تصدیق ہوتی ہے۔ خصوصاً ان نقوش سے جن میں امراء کی مجلسوں کا مرقع دکھایا گیا ہے اور جو قرآن کے ان اشارات کی پوری تفسیر ہیں۔

(۱۵) عزیز کی بیوی کا دھمکی دینا کہ اگر کہا نہ مانو گے تو قید میں ڈالے جاؤ گے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا معصیت پر قید کو ترجیح دینا اور قید خانہ میں بھی تبلیغ حق سے غافل نہ ہونا۔

عزیز پر حضرت یوسف علیہ السلام کی سچائی ظاہر ہو گئی تھی اس لیے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی تھی لیکن اس کی بیوی کا عشق ایسا نہ تھا جو اس ناکامی سے سرد پڑ جاتا۔ وہ اور زیادہ بڑھ گیا۔ اور جب دیکھا کہ طلب والحاح سے کسی طرح کام نہیں بنتا تو سختی پر اتر آئی اور یوسف علیہ السلام سے کہا یا تو میرا کہا مانو۔ نہیں تو قیدی ہونے کی ذلت و رسوائی گوارا کرو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا قید خانہ مجھے پسند ہے لیکن راستی سے منحرف ہونا پسند نہیں!

تورات میں ہے کہ "جب یوسف قید خانے میں ڈالا گیا تو قید خانے کا داروغہ اس پر مہربان ہو گیا اور تمام قیدیوں کا انتظام اس کے سپرد کر دیا۔ وہ قید خانہ کا بالکل مختار ہو گیا تھا اور خداوند نے وہاں بھی اسے اس کے تمام کاموں میں اقبال مند کیا"۔ (پیدائش ۳۹: ۲۲)

قرآن کی آیت (۳۶) میں بھی اس کے اشارات موجود ہیں۔ اول تو دو قیدیوں کا خواب کی تعبیر پوچھنا ہی اس کی دلیل ہے کہ انہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ
وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا
نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ
يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ
هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ
بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾

ع ۴ ۱۴

پاک دامنی کی نشانیاں) پھر بھی انہیں یہی بات ٹھیک دکھائی دی کہ ایک خاص وقت تک کے لیے یوسف کو قید میں ڈال دیں۔(۳۵)
اور (دیکھو) ایسا ہوا کہ یوسف کے ساتھ دو جوان آدمی اور بھی قید خانے میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے (یوسف سے) کہا۔ مجھے (خواب میں) ایسا دکھائی دیا کہ میں شراب (بنانے) کے لیے (انگور کا عرق) نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا۔ مجھے ایسا دکھائی دیا ہے کہ سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں اور پرند اسے کھا رہے ہیں۔ (اور دونوں نے درخواست کی کہ) ''ہمیں بتلا دو اس بات کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ تم بڑے نیک آدمی ہو''(۳۶)
یوسف نے کہا (گھبراؤ نہیں) ''قبل اس کے کہ تمہارا مقررہ کھانا تم تک پہنچے، میں تمہارے خوابوں کا مآل تمہیں بتلا دوں گا۔ اس بات کا علم بھی من جملہ ان باتوں کے ہے جو مجھے میرے پروردگار نے تعلیم فرمائی ہیں۔ میں نے ان لوگوں کی ملت ترک کی جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں۔(۳۷) میں نے اپنے باپ دادوں یعنی ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کی ملت کی پیروی کی۔ ہم (اولاد ابراہیم) ایسا نہیں کر سکتے کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک ٹھہرائیں۔ یہ (ملت) اللہ کا ایک فضل ہے جو اس نے ہم پر اور لوگوں پر کیا ہے لیکن اکثر آدمی ہیں جو (اس نعمت کا) شکر نہیں بجالاتے!''(۳۸)

غیر معمولی علم وفضیلت کا آدمی سمجھا جاتا تھا۔ پھر ان دونوں کا یہ کہنا کہ ''ہم دیکھتے ہیں تم بڑے نیک آدمی ہو'' صاف طور پر واضح کر دیتا ہے کہ قید خانے میں ان کا تقدس عام طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔

تورات میں ہے کہ ان قیدیوں میں ایک بادشاہ کے ساتھیوں کا سردار تھا۔ دوسرا روٹی پکانے والوں کا۔ بادشاہ ان پر ناراض ہوا اور قید خانے میں بھیج دیا۔

یوسف ہر روز قیدیوں کا معائنہ کیا کرتا تھا۔ ایک دن انہیں دیکھا کہ بہت اداس بیٹھے ہیں۔ سبب پوچھا تو انہوں نے کہا۔ ہم نے آج رات کو ایسی ایسی باتیں خواب میں دیکھی ہیں۔ (پیدائش ۴۰:۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ
دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ
اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾
يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ
رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ
رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع ۵ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْۤ اَرٰى

''اے یاران مجلس! (تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ) جدا جدا معبودوں کا ہونا بہتر ہے یا اللہ کا جو یگانہ اور سب پر غالب ہے؟ (۳۹) تم اس کے سوا جن ہستیوں کی بندگی کرتے ہو ان کی حقیقت اس سے زیادہ کیا ہے کہ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں- اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نہیں اتاری- حکومت تو اللہ ہی کے لیے ہے- اس کا فرمان یہ ہے کہ صرف اسی کی بندگی کرو، اور کسی کی نہ کرو- یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر آدمی ایسے ہیں جو نہیں جانتے!'' (۴۰)

''اے یاران مجلس! (اب اپنے اپنے خوابوں کا مطلب سن لو) تم میں ایک آدمی (وہ ہے جس نے دیکھا کہ انگور نچوڑ رہا ہے) تو وہ (قید سے چھوٹ جائے گا اور بدستور سابق) اپنے آقا کو شراب پلائے گا- اور دوسرا آدمی (وہ ہے جس نے دیکھا اس کے سر پر روٹی ہے اور پرند روٹی کھا رہے ہیں) تو وہ سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرند اس کا سر (نوچ نوچ کر) کھائیں گے- جس بات کے بارے میں تم سوال کرتے ہو وہ فیصل ہو چکی- اور فیصلہ یہی ہے'' (۴۱)

اور یوسف نے جس آدمی کی نسبت سمجھا تھا کہ نجات پائے گا اس سے کہا ''اپنے آقا کے پاس جب جاؤ تو مجھے یاد رکھنا'' (یعنی میرا حال اس سے ضرور کہہ دینا) لیکن (جب تعبیر کے مطابق اس نے نجات پائی تو) شیطان نے یہ بات بھلا دی کہ اپنے آقا کے حضور پہنچ کر اسے یاد کرتا- پس یوسف کئی برس تک قید خانہ میں رہا- (۴۲)

اور پھر ایسا ہوا کہ (ایک دن) بادشاہ نے (اپنے تمام درباریوں کو جمع کر کے) کہا ''میں (خواب میں) کیا دیکھتا

(۱۶) حضرت یوسف علیہ السلام کا دو قیدیوں کو ان کے خواب کی تعبیر بتلانا اور اسی کے مطابق ظہور میں آنا، پھر بادشاہ مصر کا ایک عجیب و غریب خواب دیکھنا اور مصر کے تمام دانشمندوں اور جادوگروں کا تعبیر سے عاجز ہونا اور بالآخر حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ سے طلب کرنا-

تورات میں ہے کہ یوسف (علیہ السلام) نے ساقیوں کے سردار کو اس کے خواب کی تعبیر یہ بتلائی تھی کہ تین دن کے اندر فرعون تجھے تیرے منصب پر بحال کر دے گا- اور آگے کی طرح تو اس کے ہاتھ میں شراب کا جام دے گا- اور کہا تھا جب تو خوش حال ہو تو مجھے یاد رکھیو اور فرعون سے میرا ذکر کیجیو کہ لوگ عبرانیوں کے ملک سے مجھے چرا لائے اور یہاں بھی بغیر کسی قصور کے قید خانے میں ڈال دیا- اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

ہوں کہ سات گائیں ہیں موٹی تازی - انہیں سات دبلی گائیں نگل رہی ہیں - اور سات بالیں ہری ہیں اور سات دوسری سوکھی - اے اہل دربار! اگر تم خواب کا مطلب حل کرلیا کرتے ہو تو بتلاؤ میرے خواب کا حل کیا ہے؟'' (۴۳)

درباریوں نے (غور وفکر کے بعد) کہا یہ ''پریشان خواب وخیالات ہیں (کوئی ایسی بات نہیں جس کا کوئی خاص مطلب ہو) ہم سچے خوابوں کا مطلب تو حل کر سکتے ہیں - لیکن) پریشان خوابوں کا حل نہیں جانتے'' (۴۴)

اور جس آدمی نے (ان) دو قیدیوں میں سے نجات پائی تھی اور جسے ایک عرصہ کے بعد (یوسف کی) بات یاد آئی وہ (خواب کا معاملہ سن کر) بول اٹھا ''میں اس خواب کا نتیجہ تمہیں بتلا دوں گا - تم مجھے (ایک جگہ) جانے دو'' (۴۵)

(چنانچہ وہ قید خانے میں آیا اور کہا:) ''اے یوسف! اے کہ مجسم سچائی ہے! اس (خواب) کا ہمیں حل بتا کہ سات موٹی تازی گایوں کو سات دبلی پتلی گائیں نگل رہی ہیں، اور سات بالیں ہری ہیں سات سوکھی - تا کہ (ان) لوگوں کے پاس واپس جا سکوں (جنہوں نے مجھے بھیجا ہے) کیا عجب ہے وہ (تمہاری قدر ومنزلت) معلوم کرلیں'' (۴۶)

نان پزوں کے سردار سے کہا تھا کہ تین دن کے اندر تیری موت کا فیصلہ ہو جائے گا اور تیری لاش درخت پر لٹکائی جائے گی - چنانچہ ایسا ہی ہوا - تیسرے دن فرعون کی سالگرہ کا دن تھا - اس دن سردار ساقی بحال کر دیا گیا مگر نان پزوں کے سردار کو سزا ہوئی - لیکن سردار ساقی نے بحال ہو کر یوسف کو یاد نہ رکھا - وہ یہ معاملہ بھول گیا (پیدائش ۴۰'۱۲'۲۰)

چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی - وہ کئی سال تک قید خانہ میں پڑے رہے -

اس کے بعد وہ معاملہ پیش آیا جس کی طرف آیت (۴۳) میں اشارہ کیا ہے - یعنی بادشاہ مصر نے ایک عجیب طرح کا خواب دیکھا اور جب دربار کے دانشمندوں سے تعبیر دریافت کی تو کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے - تورات میں ہے کہ بادشاہ نے مصر کے تمام حکیموں اور جادوگروں کو جمع کیا تھا - مگر کوئی اس کی تعبیر بتلا نہ سکا - (پیدائش ۴۱:۸)

یہاں قرآن نے درباریوں کا جو جواب نقل کیا ہے اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی تشفی بخش بات معلوم نہ کر سکے تو کوشش کی کہ بادشاہ کے دل سے اس خواب کی اہمیت کا خیال نکال دیں - پس انہوں نے کہا - یہ کوئی روحانی بات نہیں ہے - ویسے ہی پریشان خیالی سے طرح طرح کی باتیں سوتے میں نظر آ گئی ہیں - لیکن سردار ساقی کو خواب کی بات سن کر اپنے خواب کا معاملہ یاد آ گیا اور ساتھ ہی یہ بات بھی یاد آ گئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کیا کہا تھا؟ تب اس نے اپنا واقعہ بادشاہ کے گوش گزار کیا - اور قید خانہ میں جا کر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملا - حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا - سات گایوں سے مقصود زراعت کے سات برس ہیں - آئندہ سات برس تک بہت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ
عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ
اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۚ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ

یوسف نے کہا (''اس خواب کی تعبیر اور اس کی بنا پر تمہیں جو کچھ کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ) سات برس تک تم لگاتار کھیتی کرتے رہو گے- (ان برسوں میں خوب بڑھنی ہوگی) پس (جب فصل کاٹنے کا وقت آیا کرے تو) جو کچھ کاٹو اسے اس کی بالوں ہی میں رہنے دو (تاکہ اناج سڑنے گلنے نہیں) اور صرف اتنی مقدار الگ کر لیا کرو جو تمہارے کھانے کے لیے (ضروری) ہو- پھر اس کے بعد سات بڑے سخت مصیبت کے برس آئیں گے جو وہ سب ذخیرہ کھا جائیں گے جو تم نے (اس طرح) پہلے سے جمع کر رکھا ہو گا- مگر ہاں تھوڑا سا جو تم روک رکھو گے بچ رہے گا- (۴۸) پھر اس کے بعد ایک برس ایسا آئے گا کہ لوگوں پر خوب بارش بھیجی جائے گی- لوگ اس میں (پھلوں اور دانوں سے) عرق اور تیل خوب نکالیں گے'' (۴۹)

(جب اس آدمی نے یہ بات بادشاہ تک پہنچائی تو) بادشاہ نے کہا ''یوسف کو (فوراً) میرے پاس لاؤ لیکن جب (بادشاہ) کا پیام بر یوسف کے پاس پہنچا تو اس نے کہا (''میں یوں نہیں جاؤں گا) تم اپنے آقا کے پاس جاؤ اور (میری طرف سے) دریافت کرو- ان عورتوں کا معاملہ کیا تھا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے؟ (میں چاہتا ہوں پہلے اس کا فیصلہ ہو جائے) جیسی کچھ مکاریاں انہوں نے کی تھیں میرا پروردگار اسے خوب جانتا ہے'' (۵۰)

(اس پر) بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلایا اور) کہا ''صاف صاف بتلا دو- تمہیں کیا معاملہ پیش آیا تھا

اچھی فصلیں ہوں گی- یہ گویا سات موٹی گائیں ہوئیں- اس کے بعد سات برس تک متواتر قحط رہے گا- یہ سات دبلی گائیں ہوئیں- انہوں نے موٹی گائیں نگل لیں یعنی فراوانی کو قحط نے نابود کر دیا- سات ہری بالوں اور سات سوکھی بالوں میں بھی یہی بات واضح کی گئی ہے- پھر فرمایا- اس آنے والی مصیبت سے ملک کو کیونکر بچایا جا سکتا ہے؟ اس کی تدبیر یہ ہے کہ بڑھتی کے سات برسوں میں قحط کے لیے اناج ذخیرہ کیا جائے اور اسے اس طرح محفوظ رکھا جائے کہ آنے والے سات برسوں میں ملک کے لیے کفایت کرے-

یہ قرآن کے ایجاز بلاغت میں سے ہے کہ تعبیر اور تدبیر کو الگ الگ بیان نہیں کیا- ایک ساتھ ہی بیان کر دیا- تاکہ تکرار بیان کی حاجت نہ رہے-

جب سردار ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب بادشاہ کو سنایا تو تعبیر اس درجہ واضح اور چسپاں تھی کہ اس نے سنتے ہی اس کی تصدیق کی اور ان کی ملاقات کا مشتاق ہو گیا- چنانچہ حکم دیا- فوراً انہیں قید خانے سے نکالا جائے اور دربار میں لایا جائے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِذْ رَاوَدتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ ۖ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوءٍ ۖ قَالَتِ امْرَأَتُ
الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٥١﴾ ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ
أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ﴿٥٢﴾ وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ
لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥٣﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ

جب تم نے یوسف پر ڈورے ڈالے تھے کہ اسے اپنی طرف مائل کرلو؟ وہ بولیں ''حاشاللہ! ہم نے اس میں برائی کی کوئی بات نہیں پائی'' (یہ سن کر) عزیز کی بیوی بھی (بے اختیار) بول اٹھی ''جو حقیقت تھی وہ اب ظاہر ہوگئی- ہاں، وہ میں ہی تھی جس نے یوسف پر ڈورے ڈالے کہ اپنا دل ہار بیٹھے- بلاشبہ وہ (اپنے بیان میں) بالکل سچا ہے''- (۵۱)

''یہ میں نے اس لیے کہا کہ اسے معلوم ہوجائے (یعنی یوسف کو معلوم ہوجائے) میں نے اس کے پیٹھ پیچھے اس کے معاملہ میں خیانت نہیں کی- نیز اس لیے کہ (واضح ہوجائے) اللہ خیانت کرنے والوں کی تدبیروں پر کبھی (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا- (۵۲) میں اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہیں کرتی- آدمی کا نفس تو برائی کے لیے بڑا ہی ابھارنے والا ہے (اس کے غلبہ سے بچنا آسان نہیں) مگر ہاں اسی حال میں کہ میرا پروردگار رحم کرے- بلاشبہ میرا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحم کرنے والا ہے!'' (۵۳)

اور (پھر) بادشاہ نے حکم دیا ''یوسف کو میرے پاس لاؤ کہ اسے خاص اپنے (کاموں کے) لیے مقرر کروں'' پھر

(۱۷) حضرت یوسف علیہ السلام کا مژدہ رہائی سننا مگر قید خانہ چھوڑنے سے انکار کردینا اور بادشاہ سے کہلانا کہ پہلے میرے قضیہ کی تحقیقات کرلی جائے، بادشاہ کا تحقیق کرنا اور ان کی پاکی و راستی کا آشکارا ہوجانا اور عزیز کی بیوی کا اعلان کرنا کہ وہ سچا ہے- سارا قصور میرا تھا!

تعبیر سن کر بادشاہ کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کا اس درجہ احترام پیدا ہوگیا کہ اس نے ایک خاص پیام بران کے لانے کے لیے بھیجا جسے آیت (۵۰) میں ''رسول'' سے تعبیر کیا ہے- لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے تعمیل حکم سے انکار کردیا- انہوں نے کہا- میں اس طرح رہا ہونا پسند نہیں کرتا- پہلے میرے معاملہ کی تحقیقات کرلی جائے کہ مجھے قید میں کیوں ڈالا گیا؟ اگر میں مجرم ہوں تو رہائی کا مستحق نہیں- اگر مجرم نہیں ہوں تو بلاشبہ مجھے رہا ہونا چاہیے-

اس سلسلہ میں انہوں نے عزیز کی بیوی کی جگہ ان عورتوں کا ذکر کیوں کیا جنہوں نے مکاری سے ہاتھ کاٹ لیے تھے؟ اس لیے کہ:

(ا) قید کے معاملہ میں ان عورتوں کا بھی ہاتھ تھا- انہوں نے اپنی ناکامیابی کی ذلت مٹانے کے لیے جھوٹے الزام تراش لیے ہوں گے- یہی وجہ ہے کہ قید کا معاملہ ان کے معاملہ کے بعد ظہور میں آیا-

(ب) عزیز کی بیوی نے ان سب کے سامنے ان کی بے گناہی اور اپنی طلب و سعی کا اعتراف کیا تھا جیسا کہ آیت (۳۲) میں گزر چکا ہے- پس یہ سب اس بات کی گواہ تھیں کہ عزیز کی بیوی کے معاملہ میں ان کا دامن بے داغ ہے-

(ج) ان سب کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا تھا خود اس سے بھی عزیز کی بیوی کا الزام بے اصل ثابت ہوتا تھا- کیونکہ جس شخص کی پاکی طبع کا یہ حال ہو کہ ان تمام فتنہ گران شہر اور خوب رُویان عہد کا متفقہ اظہار عشق بھی اسے مسخر نہ کرسکا، کیونکر باور کیا جاسکتا ہے کہ ایسا آدمی اپنے آقا کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی
خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا
حَیْثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ ع ۴
لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ جَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَیْهِ فَعَرَفَهُمْ وَ هُمْ لَهٗ
مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِیْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِیْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْۤ اُوْفِی

(وہ آیا تو بادشاہ نے) کہا ''آج کے دن تو ہماری نگاہوں میں بڑا صاحب اقتدار اور امانت دار انسان ہے!'' (۵۴)

یوسف نے کہا ''مملکت کے خزانوں پر مجھے مختار کر دیجیے- میں حفاظت کر سکتا ہوں، اور میں اس کام کا جاننے والا ہوں'' (چنانچہ بادشاہ نے اسے مملکت کا مختار کر دیا) (۵۵)

اور (دیکھو) اس طرح ہم نے سرزمین مصر میں یوسف کے قدم جما دیے کہ جس جگہ سے چاہے حسب مرضی رہنے سہنے کا کام لے- ہم جسے چاہتے ہیں (اسی طرح) اپنی رحمت سے فیض یاب کر دیتے ہیں- اور نیک عملوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے! (۵۶)

اور جو لوگ (اللہ پر) ایمان لائے اور (بدعملیوں سے) بچتے رہے ان کے لیے تو آخرت کا اجر اس سے کہیں بہتر ہے! اور (پھر قحط کے سالوں میں) ایسا ہوا کہ یوسف کے بھائی (کنعان سے غلہ خریدنے مصر) آئے- یوسف نے انہیں (دیکھتے ہی) پہچان لیا لیکن انہوں نے نہیں پہچانا- (۵۸) اور جب یوسف نے ان کا سامان مہیا کر دیا تو (جاتے وقت) کہا- ''اب کے آنا تو اپنے سوتیلے بھائی (بن یمین) کو بھی ساتھ لانا- تم نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ میں تمہیں پوری تول (غلہ) دیتا ہوں

بیوی پر ہاتھ ڈالے اور ایسی حالت میں ہاتھ ڈالے کہ وہ متنفر اور گریزاں ہو؟

اس معاملہ میں ایک اور دقیق نکتہ بھی ہے- آیت (۲۹) میں گزر چکا ہے کہ جب عزیز پر اپنی بیوی کا قصور ثابت ہو گیا تھا تو اس نے کہا تھا ﴿ یوسف اعرض عن هذا ﴾ یوسف! اس بات سے درگزر کر- یعنی جو ہوا سو ہوا- اب اس کا چرچا نہ کیجیو کہ اس میں میری بدنامی ہے- بعد کو اگرچہ عزیز اپنی بات پر نہ رہا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو قید میں ڈال دیا، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کا اخلاق ایسا نہ تھا کہ یہ بات بھول جاتے- عزیز نے انہیں غلام کی حیثیت سے خریدا تھا اور پھر اپنے عزیزوں کی طرح عزت و آرام کے ساتھ رکھا تھا- وہ اس کا یہ احسان نہیں بھول سکتے تھے پس ان کی طبیعت نے گوارا نہیں کیا کہ اس موقع پر اس کی بیوی کا ذکر کر کے اس کی رسوائی کا باعث ہوں- صرف ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کا ذکر کر دیا کہ ان میں کوئی نہ کوئی ضرور نکل آئے گی جو سچائی کے اظہار سے باز نہیں رہے گی-

لیکن عزیز کی بیوی اب وہ عورت نہیں رہی تھی جو چند سال پہلے تھی- اب وہ ہوس کی خام کاریوں سے نکل کر عشق کی پختگی و کمال تک پہنچ چکی تھی- اب ممکن نہ تھا کہ اپنی رسوائی کے خیال سے اپنے محبوب کے سر الٹا الزام لگائے- جب عورتوں نے یوسف علیہ السلام کی پاکی کا اقرار کیا- تو اس نے بھی خود بخود اعلان کر دیا- سارا قصور میرا تھا- وہ بے جرم اور راست باز ہے!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾
قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ
لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ
قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ
هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ

اور (باہر سے آنے والوں کے لیے) بہتر مہمان نواز ہوں۔ (۵۹) لیکن اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو پھر یاد رکھو، نہ تو تمہارے لیے میرے پاس کچھ خرید و فروخت ہوگی نہ تم میرے نزدیک جگہ پاؤ گے'' (۶۰)

انہوں نے کہا ''ہم اس کے باپ کو اس بات کی ترغیب دیں گے اور ہم ضرور ایسا کریں گے'' (۶۱)

اور یوسف نے اپنے خدمتگاروں کو حکم دیا ''ان لوگوں کی پونجی (جس کے بدلے میں انہوں نے غلہ مول لیا ہے) انہی کی بوریوں میں رکھ دو۔ جب یہ لوگ اپنے گھر کی طرف لوٹیں گے تو بہت ممکن ہے اپنی پونجی دیکھ کر پہچان لیں (کہ لوٹا دی گئی) اور پھر عجب نہیں کہ دوبارہ آئیں'' (۶۲)

پھر جب یہ لوگ اپنے باپ کے پاس لوٹ کر گئے تو کہا ''اے ہمارے باپ! آئندہ کو غلہ کی فروخت ہم پر بند کر دی گئی ہے۔ پس ہمارے بھائی (بن یمین) کو ہمارے ساتھ بھیج دے کہ غلہ خرید لائیں اور ہم اس کے نگہبان ہیں'' (۶۳)

باپ نے (یہ سن کر) کہا ''کیا میں اس کے لیے اسی طرح تمہارا اعتبار کروں جس طرح پہلے اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں کر چکا ہوں؟ سو خدا ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور اس سے بڑھ کر

(۱۸) حضرت یوسف علیہ السلام کا بادشاہ سے ملنا، تمام مملکت کے انتظام کا ذمہ دار قرار پانا، پھر تعبیر کے مطابق قحط کے سالوں کا نمودار ہونا، بھائیوں کا غلہ کی طلب میں مصر آنا اور بن یمین کا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچ جانا۔

(ا) جب تحقیقات کا نتیجہ آشکارا ہو گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ سے ملنے کے لیے تیار ہو گئے کیونکہ اب ان کی رہائی بادشاہ کی بخشش نہ رہی، ان کا حق ہو گئی۔

(ب) اس معاملہ نے بادشاہ کا اشتیاق اور زیادہ کر دیا۔ اس نے خیال کیا جس شخص کی راست بازی، امانت داری اور وفائے عہد کا یہ حال ہے اس سے بڑھ کر مملکت کے کاموں کے لیے کون موزوں ہو سکتا ہے؟ پس کہا۔ فوراً میرے پاس لاؤ۔ میں اسے اپنے کاموں کے لیے خاص کر لوں گا۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام آئے اور پہلی ہی ملاقات میں اس درجہ مسخر ہوا کہ بول اٹھا۔ مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔ تم میری نگاہ میں بڑا مقام رکھتے ہو۔ مجھے بتلاؤ اس آنے والی مصیبت سے جس کی خبر خواب میں دی گئی ہے مملکت کیونکر بچائی جا سکتی ہے؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا۔ اس طرح کہ ملک کی آمدنی کے تمام وسائل میرے ماتحت کر دیے جائیں۔ میں علم و بصیرت کے ساتھ اس کی حفاظت کر سکتا ہوں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا، اور جب وہ دربار سے نکلے تو تمام مملکت مصر کے حکمران و مختار تھے!

(ج) تورات میں ہے کہ فرعون نے یوسف کی باتیں سن کر درباریوں سے کہا۔ ہم ایسا آدمی کہاں پا سکتے ہیں جیسا یہ ہے اور جس میں خدا کی روح بول رہی ہے؟ پھر یوسف سے کہا۔ دیکھ، میں نے ساری زمین مصر پر تجھے حکومت بخشی، فقط ایک تخت نشینی ہی میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۶۴﴾ وَلَمَّا فَتَحُوۡا مَتَاعَهُمۡ وَجَدُوۡا بِضَاعَتَهُمۡ رُدَّتۡ اِلَیۡهِمۡ ؕ قَالُوۡا یٰۤاَبَانَا
مَا نَبۡغِیۡ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتۡ اِلَیۡنَا ۚ وَنَمِیۡرُ اَهۡلَنَا وَنَحۡفَظُ اَخَانَا وَنَزۡدَادُ كَیۡلَ بَعِیۡرٍ ؕ
ذٰلِكَ كَیۡلٌ یَّسِیۡرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنۡ اُرۡسِلَهٗ مَعَكُمۡ حَتّٰی تُؤۡتُوۡنِ مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاۡتُنَّنِیۡ بِهٖۤ
اِلَّاۤ اَنۡ یُّحَاطَ بِكُمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوۡهُ مَوۡثِقَهُمۡ قَالَ اللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوۡلُ وَكِیۡلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ یٰبَنِیَّ

رحم کرنے والا کوئی نہیں!'' (۶۴)

اور جب ان لوگوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کی کی پونجی انہی کو لوٹا دی گئی ہے- تب انہوں نے (اپنے باپ سے کہا) ''اے ہمارے باپ! اس سے زیادہ' یں اور کیا چاہیے؟ دیکھ یہ ہماری پونجی ہے جو ہمیں لوٹا دی گئی ہے- (ہمیں غلہ بھی اس نے دے دیا اور قیمت بھی واپس کردی- پس ہمیں اجازت دے کہ بن یمین کو ساتھ لے کر پھر جائیں) اور اپنے گھرانے کے لیے رسد لے آئیں- ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ اور زیادہ لے لیں گے- یہ غلہ (جو اس مرتبہ لائے ہیں) بہت تھوڑا ہے'' (۶۵)

باپ نے کہا ''میں کبھی اسے تمہارے ساتھ بھیجنے والا نہیں جب تک کہ اللہ کے نام پر مجھ سے عہد نہ کرو- (تم عہد کرو کہ) بجز اس صورت کے کہ ہم خود گھیر لیے جائیں (اور بے بس ہو جائیں) ہم ضرور اسے تیرے پاس واپس لے آئیں گے'' جب انہوں نے باپ کو (اس کے کہنے کے مطابق) اپنا پکا قول دے دیا تو اس نے کہا ''ہم نے جو قول وقرار کیا اس پر اللہ نگہبان ہو'' (۶۶) اور باپ نے انہیں (چلتے وقت) کہا- ''اے میرے بیٹو! دیکھو (جب مصر پہنچو تو شہر کے)

تجھ سے اوپر رہوں گا- اور اس نے اپنی انگوٹھی اتار کر یوسف کو پہنا دی اور گلے میں سونے کا طوق ڈالا اور کتان کا لباس عطا کیا اور اپنی رتھ سواری کو دی کہ شاہی رتھوں میں دوسری رتھ تھی- پھر جب وہ نکلا تو اس کے آگے آگے نقیب پکارتے تھے ''سب ادب سے رہو'' اور فرعون نے حکم دیا یوسف کو صاحب مملکت کے لقب سے پکارا جائے (پیدائش ۴۱:۴۳)

(د) حضرت یوسف علیہ السلام کی مصری زندگی کے دو انقلاب انگیز نقطے تھے- ایک وہ جب غلام ہو کر بکے اور پھر عزیز کی نظروں میں ایسے معزز ہوئے کہ اس کے علاقہ کے مختار ہو گئے- دوسرا یہ کہ قید خانے سے نکلے اور نکلتے ہی وہاں پہنچ گئے کہ حکمرانی کی مسند اجلال پر جلوہ آرا نظر آئے! پس جب پہلے انقلاب تک سرگزشت پہنچی تھی تو آیت (۲۱) میں حکمت الٰہی کی کرشمہ سنجیوں پر توجہ دلائی تھی کہ ﴿ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوۡسُفَ فِی الۡاَرۡضِ ﴾ اور اب کہ دوسرا انقلاب پیش آیا تو اسی طرح آیت (۵۶) میں فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوۡسُفَ فِی الۡاَرۡضِ ﴾ وہاں چونکہ معاملہ مصر کی ابتدا ہوئی تھی اور ابھی حضرت یوسف علیہ السلام کو حکمرانی کی دانش سیکھنی باقی تھی اس لیے فرمایا تھا: ﴿ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤی اَمۡرِهٖ ﴾ یہاں چونکہ تکمیل کار کے بعد اس کا نتیجہ ظاہر ہو گیا تھا اس لیے فرمایا: ﴿ لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴾ یہ اس لیے ہوا کہ ہمارا قانون ہے- نیک عملی کا بیج کبھی ضائع نہیں ہوتا- ضروری ہے کہ پھل لائے!

(ہ) تورات میں ہے کہ جب یوسف بادشاہ کے پاس آیا تو اس کی عمر تیس برس کی تھی (پیدائش ۴۱:۴۶)

(و) اس کے بعد جو حالات پیش آئے قرآن نے ان کی تصریح نہیں کی- کیونکہ خواب کی تعبیر میں ان کا بیان آ چکا تھا اور چونکہ تعبیر سچی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ
اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ
اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ
وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ ع ۱۱

ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا- جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا- میں تمہیں کسی ایسی بات سے نہیں بچا سکتا جو اللہ کے حکم سے ہونے والی ہو (لیکن اپنی طرف سے حتی المقدور احتیاط کی ساری تدبیریں کرنی چاہییں) فرماں روائی کسی کے لیے نہیں ہے مگر اللہ کے لیے- (دنیا کے سارے حکمرانوں کی طاقت اس کے آگے ہیچ ہے) میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہی ہے جس پر تمام بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے!'' (۶۷)

(پھر) جب یہ لوگ (مصر میں) داخل ہوئے، اسی طرح جس طرح باپ نے حکم دیا تھا تو (دیکھو) یہ بات اللہ (کی مشیت) کے مقابلہ میں کچھ بھی کام آنے والی نہ تھی مگر ہاں یعقوب کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا تھا جسے اس نے پورا کر دیا- بلاشبہ وہ صاحب علم تھا کہ ہم نے اس پر علم کی راہ کھول دی تھی- لیکن اکثر آدمی (اس بات کی حقیقت) نہیں جانتے! (۶۸)

اور جب ایسا ہوا کہ یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی (بن یمین) کو اپنے پاس بٹھا لیا اور اسے (پوشیدگی

تھی اس لیے ظاہر تھا کہ ویسے ہی حالات پیش آئے ہوں گے، اور یہ ایجاز بلاغت کی انتہا ہے-

چنانچہ پہلے سات برس بڑھتی کے گزرے اور جو تدبیر تجویز کی تھی اسی کے مطابق انہوں نے غلہ کے ذخیرے جمع کر لیے- پھر جب قحط کے سال شروع ہوئے تو وہی ذخیرے کام میں لائے گئے اور حکومت کی جانب سے غلہ تقسیم ہونے لگا-

تورات میں ہے کہ تمام روئے زمین پر کال تھا (پیدائش ۴۱:۵۶) تمام روئے زمین کا مطلب یہ ہوگا کہ مصر کے اطراف و جوانب میں بھی کال تھا اور وہاں کے باشندے بھی مصر آ کر حضرت یوسف علیہ السلام کی بخشش سے فائدہ اٹھاتے تھے- کیونکہ یقیناً اس بات کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا ہوگا کہ مصر میں غلہ کے وافر ذخیرے موجود ہیں-

(ز) اسی زمانے کی بات ہے کہ کنعان سے یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی غلہ مول لینے مصر آئے اور اس طرح اس سرگزشت کا آخری باب اپنی عجیب و غریب موعظتوں اور عبرتوں کے ساتھ ظہور میں آنا شروع ہو گیا- آیت (۵۸) سے اسی کا بیان شروع ہوتا ہے-

(ح) حضرت یوسف علیہ السلام انہیں دیکھتے ہی پہچان گئے- لیکن وہ کیونکر پہچان سکتے تھے؟ اول تو یوسف علیہ السلام جب گھر سے جدا ہوئے سترہ برس کے لڑکے تھے اور اب چالیس کے لگ بھگ عمر تھی- پھر اس بات کا کسے گمان ہو سکتا تھا کہ چند سکوں کا بکا ہوا، غلام مصر کا حکمراں ہوگا؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب انہیں دیکھا تو باپ کی اور اپنے ماں جائے بھائی بن یمین کی صورتیں سامنے آ گئیں- ان سے کھود کھود کر گھر کے حالات پوچھے اور چلتے وقت کہا- تمہارے یہاں قحط چھایا ہوا ہے- تم غلہ لینے پھر آؤ گے- لیکن یاد رکھو- اب کے میں غلہ جبھی دوں گا کہ اپنے بھائی بن یمین کو بھی ساتھ لاؤ-

(ط) تورات میں ہے کہ یہ صورت اس طرح پیش آئی کہ یوسف علیہ السلام نے انہیں جاسوس کہا تھا- جب انہوں نے اپنی بریت میں اپنے گھرانے کے حالات سنائے تو ان کی بات پکڑ لی اور کہا- تم کہتے ہو تمہارا ایک بھائی اور بھی ہے؟ اچھا اسے بھی اپنے ساتھ لاؤ تا کہ تمہارے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰوٰۤی اِلَیۡہِ اَخَاہُ قَالَ اِنِّیۡۤ اَنَا اَخُوۡکَ فَلَا تَبۡتَئِسۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَہَّزَہُمۡ
بِجَہَازِہِمۡ جَعَلَ السِّقَایَۃَ فِیۡ رَحۡلِ اَخِیۡہِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُہَا الۡعِیۡرُ اِنَّکُمۡ لَسٰرِقُوۡنَ ﴿۷۰﴾
قَالُوۡا وَ اَقۡبَلُوۡا عَلَیۡہِمۡ مَّاذَا تَفۡقِدُوۡنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوۡا نَفۡقِدُ صُوَاعَ الۡمَلِکِ وَ لِمَنۡ جَآءَ بِہٖ حِمۡلُ بَعِیۡرٍ
وَّ اَنَا بِہٖ زَعِیۡمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوۡا تَاللّٰہِ لَقَدۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا جِئۡنَا لِنُفۡسِدَ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا کُنَّا سٰرِقِیۡنَ ﴿۷۳﴾

میں) اشارہ کر دیا کہ میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں پس جو (بدسلوکی یہ لوگ تیرے ساتھ) کرتے آئے ہیں اس پر غمگین نہ ہو" (اور خوش ہو جا کہ اب زمانہ پلٹ گیا) (۶۹)

پھر جب یوسف نے ان لوگوں کا سامان ان کی روانگی کے لیے مہیا کیا تو اپنے بھائی (بن یمین کی بوری میں اپنا کٹورا رکھ دیا (تا کہ بطور نشانی کے اس کے پاس رہے) پھر ایسا ہوا کہ (جب یہ لوگ روانہ ہو گئے اور شاہی کارندوں نے پیالہ ڈھونڈا اور نہ پایا تو ان پر شبہ ہوا اور) ایک پکارنے والے نے (ان کے پیچھے) پکارا "اے قافلہ والو! (ٹھہرو) ہو نہ ہو، تم ہی چور ہو۔" (۷۰)

وہ پکارنے والے کی طرف پھرے اور پوچھا "تمہاری کون سی چیز کھو گئی ہے؟" (۷۱)

(شاہی کارندوں نے) کہا "ہمیں شاہی پیمانہ نہیں ملتا۔ جو شخص اسے لا دے اس کے لیے ایک بار شتر (غلہ) انعام ہے اور (کارندوں کے سردار نے کہا) میں اس بات کا ضامن ہوں" (۷۲)

انہوں نے کہا "اللہ جانتا ہے ہم اس لیے یہاں نہیں آئے کہ ملک میں شرارت کریں اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو (کہ پہلے بھی ایک مرتبہ آ چکے ہیں) اور ہمارا کبھی یہ شیوہ نہیں رہا کہ چوری کریں" (۷۳)

بیان کی تصدیق ہو جائے اور اس وقت تک کے لیے ایک آدمی یہاں چھوڑ جاؤ۔ (پیدائش ۴۲:۱۰)

معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں پر جاسوسی کا شبہ ضرور کیا گیا تھا اگرچہ خود حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے نہ ہوا ہو۔ اسی لیے حضرت یعقوب علیہ السلام جب مجبور ہوئے کہ بن یمین کو ان کے ساتھ بھیج دیں تو نصیحت کی کہ ایک دروازہ سے شہر میں داخل نہ ہونا کہ کنعانیوں کا ایک پورا جتھا دیکھ کر مصریوں کو شبہ ہو گا۔ الگ الگ دروازوں سے ایک ایک دو دو کر کے داخل ہونا۔ نیز فرمایا: ﴿ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ﴾ اصلی فرماں روائی تو اللہ کے لیے ہے۔ وہ نہ چاہے تو مصر کا حکمراں کیا کر سکتا ہے؟ پس جو کچھ بھروسہ ہے اسی پر ہے۔ البتہ اپنی طرف سے تدبیر و احتیاط ضرور کرنی چاہیے۔ لیکن جو کچھ پیش آنے والا تھا وہ دوسرا ہی معاملہ تھا۔ جاسوسی کی بنا پر نہیں بلکہ ایک دوسری مصلحت کی بنا پر بن یمین کو روک لیا گیا اور جس بات کی احتیاط کی تھی وہی پیش آ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ آیت (۶۸) میں فرمایا۔ یہ احتیاط کچھ کام نہ دے سکی۔ ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک خطرہ محسوس کیا تھا سو اپنی جگہ اس کی پیش بندی کر لی۔ پھر ان کے علم و دانش مندی کا بھی اظہار کر دیا۔ تا کہ واضح ہو جائے، انہوں نے جو احتیاط کی تھی وہ گو کام نہ دے سکی، لیکن یہ قصور علم کی وجہ سے نہیں ہوا۔ علم کا مقتضا تو یہی تھا کہ تدبیر و احتیاط میں کمی نہ کرتے اور پھر سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیتے جیسا کہ فی الحقیقت انہوں نے کیا۔

(ی) بہر حال بن یمین کو لے کر جب دوبارہ گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس پر اپنی حقیقت ظاہر کر دی اور چونکہ جانتے تھے سوتیلے بھائی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ
جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا
مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ
اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾ قَالُوْٓا

(کارندوں نے) کہا "اچھا اگر تم جھوٹے نکلے تو بتلاؤ چور کی سزا کیا ہونی چاہیے؟" (۷۴)

انہوں نے کہا "چور کی سزا یہ کہ جس کی بوری میں چوری کا مال نکلے وہ آپ اپنی سزا (یعنی اپنے جرم کی پاداش میں پکڑا جائے) ہم زیادتی کرنے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں" (۷۵)

پس (کارندوں کے سردار نے) ان کی بوریوں کی تلاشی کی - قبل اس کے کہ یوسف کے بھائی (بن یمین) کی بوری کی تلاشی لیتے، اور کچھ نہ پایا) پھر یوسف کے بھائی کی بوری (دیکھی اور اس میں) سے پیالہ نکال لیا - (تو دیکھو) اس طرح ہم نے یوسف کے لیے (بن یمین کو پاس رکھنے کی) تدبیر کر دی - وہ بادشاہ (مصر) کے قانون کی رو سے ایسا نہیں کر سکتا تھا کہ اپنے بھائی کو روک لے (اگرچہ ایسا کرنے کے لیے اس کا دل بے قرار تھا) مگر ہاں اسی صورت میں کہ اللہ کو (اس کی راہ نکال دینا) منظور ہوتا (سو اس نے غیبی سامان کر کے راہ نکال دی) ہم جسے چاہتے ہیں مرتبوں میں بلند کر دیتے ہیں اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والی ہستی ہے (جس کا علم سب کو احاطہ کیے ہوئے ہے - یعنی اللہ کی ہستی) (۷۶) (جب بن یمین کی بوری سے کٹورا نکل آیا تو) بھائیوں نے کہا

ضرور اس کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوں گے اس لیے کہا - اب دن پھرنے والے ہیں اس لیے آزردہ خاطر نہ ہو -

(۱۹) حضرت یوسف علیہ السلام کا چاہنا کہ بن یمین کو اپنے پاس رکھ لیں لیکن اس کی کوئی راہ نہ پانا اور رخصت کر دینا لیکن حکمت الٰہی سے ایک عجیب و غریب حادثہ کا پیش آ جانا اور بن یمین کا ان کے پاس رہ جانا -

(۱) بن یمین حضرت یوسف علیہ السلام کا حقیقی بھائی تھا - اتنی مدت کے بعد دیکھا تو کسی طرح دل نہیں مانتا تھا کہ اسے جدا ہونے دیں، لیکن مشکل یہ آ پڑی کہ روک بھی نہیں سکتے تھے - اس بارے میں مصر کا قانون بہت سخت تھا - بلا وجہ کسی آدمی کو خصوصاً اجنبی کو روک لینا جائز نہ تھا - اور ابھی اس کا وقت بھی نہیں آیا تھا کہ اپنی شخصیت بھائیوں پر ظاہر کریں - مجبور ہو کر رخصت کر دیا اور اس غرض سے کہ اپنی ایک نشانی اسے دے دیں، اس کے سامان میں اپنا چاندی کا کٹورا رکھ دیا - چونکہ بھائیوں پر اس بات کا اظہار خلاف مصلحت تھا اس لیے یہ بات پوری پوشیدگی کے ساتھ عمل میں آئی -

لیکن جب یہ لوگ روانہ ہو گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے محل کے کارندوں نے پیالہ ڈھونڈا اور جب نہ ملا تو ان لوگوں کے تعاقب میں نکلے - انہیں پیالہ کا حال معلوم نہ تھا، اور چونکہ ان لوگوں کے سوا کوئی اور آدمی محل میں ٹھہرا نہیں تھا اس لیے سمجھے - ہو نہ ہو - انہی اجنبیوں کی کارستانی ہے - پھر جب کارندوں کے سردار نے تلاشی لی (جس کی موجودگی کا پتہ آیت (۷۲) کے اس جملہ سے ملتا ہے کہ ﴿ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴾)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنۡ يَّسۡرِقۡ فَقَدۡ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوۡسُفُ فِىۡ نَفۡسِهٖ وَلَمۡ يُبۡدِهَا لَهُمۡ ۚ قَالَ اَنۡتُمۡ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا تَصِفُوۡنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوۡا يٰۤاَيُّهَا الۡعَزِيۡزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيۡخًا كَبِيۡرًا فَخُذۡ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنۡ نَّاۡخُذَ اِلَّا مَنۡ وَّجَدۡنَا مَتَاعَنَا عِنۡدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوۡنَ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا اسۡتَيۡـَٔسُوۡا مِنۡهُ خَلَصُوۡا نَجِيًّا ؕ قَالَ ع ۹

''اگر اس نے چوری کی تو یہ کوئی عجیب بات نہیں- اس سے پہلے اس کا (حقیقی) بھائی بھی چوری کر چکا ہے'' تب یوسف نے (جس کے سامنے اب معاملہ پیش آیا تھا) یہ بات اپنے دل میں رکھ لی- ان پر ظاہر نہ کی (کہ میرے منہ پر مجھے چور بنا رہے ہو) اور (صرف اتنا) کہا کہ ''سب سے بری جگہ تمہاری ہوئی (کہ اپنے بھائی پر جھوٹا الزام لگا رہے ہو) اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اللہ اسے بہتر جاننے والا ہے'' (۷۷)

انہوں نے کہا ''اے عزیز! اس کا باپ بہت بوڑھا آدمی ہے (اور اس سے بہت محبت رکھتا ہے) پس اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے (مگر اسے نہ روکیے) ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو احسان کرنے والے ہیں'' (۷۸)

یوسف نے کہا ''اس بات سے اللہ کی پناہ کہ ہم اس آدمی کو چھوڑ کر جس کے پاس ہمارا سامان نکلا کسی دوسرے کو پکڑیں- اگر ایسا کریں تو ہم ظالم ٹھہریں'' (۷۹) پھر جب وہ یوسف سے مایوس ہو گئے (کہ یہ ماننے والا نہیں) تو مشورہ کے لیے (ایک جگہ) اکیلے میں بیٹھ گئے- جو اُن میں بڑا تھا اس نے کہا ''تم جانتے ہو کہ باپ نے (بن یمین کے بارے میں)

تو بن یمین کی خرجی سے پیالہ نکل آیا- اب کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کے چور ہونے میں انہیں شبہ ہوتا- وہ ان سب کو لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے-

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ معاملہ سنا تو سمجھ گئے اس حادثہ میں خدا کا ہاتھ کام کر رہا ہے اور اس نے بن یمین کو روک لینے کا خود بخود سامان پیدا کر دیا ہے- وہ خاموش ہو رہے اور کہا تو صرف یہی کہا کہ ہم اور کسی کو روک نہیں سکتے اسی کو روکیں گے جس کے پاس ہماری چیز نکلی- یہ دراصل وہی بات تھی جو خود ان لوگوں کی زبان سے نکل چکی تھی- ان سے جب کارندوں نے پوچھا تھا- اگر مال نکل آیا تو چور کی کیا سزا ہے؟ تو انہوں نے کہا تھا- جس کے پاس سے نکلے وہ خود اپنی سزا ہو- یعنی بطور قیدی کے یا غلام کے اسے صاحب مال رکھ لے-

یہی وجہ ہے کہ آیت (۷۶) میں اس معاملہ کے ذکر کے بعد ہی فرمایا- ﴿ كَذٰلِكَ كِدۡنَا لِيُوۡسُفَ ﴾ یوسف علیہ السلام ملک کے قانون کے مطابق بن یمین کو نہیں روک سکتا تھا' اور اس نے روکنا چاہا بھی نہیں' اگرچہ دل اس کے لیے بے قرار تھا لیکن حکمت الٰہی نے ایک مخفی اور دقیق تدبیر پیدا کر دی- جو انسان کے کیے نہیں ہو سکتی تھی- اور ''کید'' کے معنی مخفی اور دقیق تدبیر ہی کے ہیں-

(ک) جھوٹوں کا قاعدہ ہے کوئی موقع کوئی بات ہو جھوٹ بولنے سے نہیں رکتے- اگر مدح کا موقع ہو تو جھوٹی مدح کر دیں گے- مذمت کا موقع ہو تو کوئی جھوٹا الزام لگا دیں گے- جب بن یمین کی خرجی میں سے پیالہ نکل آیا تو بھائیوں کا سوتیلے پن کا حسد جوش میں آ گیا- جھٹ بول اٹھے- اگر اس نے چوری کی تو کوئی عجیب بات نہیں- اس کا بھائی یوسف بھی چور تھا- پس یہ بغض و حسد کی ایک بات تھی اس کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ
يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾
اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا
لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا
لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ
جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ

اللہ کو شاہد ٹھہرا کر تم سے عہد لیا ہے اور اس سے پہلے یوسف کے معاملہ میں بڑی تقصیر ہو چکی ہے- پس میں تو اب اس ملک سے ٹلنے والا نہیں جب تک خود باپ مجھے حکم نہ دے یا پھر اللہ میرے لیے کوئی دوسرا فیصلہ کر دے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے'' (۸۰)

''تم لوگ باپ کی طرف لوٹ جاؤ اور اس سے جا کر کہو ''اے ہمارے باپ! (ہم کیا کریں) تیرے بیٹے نے (پرائے ملک میں) چوری کی- جو بات ہمارے جاننے میں آئی وہی ہم نے ٹھیک ٹھیک کہہ دی اور ہم غیب کی باتوں کی خبر رکھنے والے نہ تھے'' (کہ پہلے سے جان لیتے، بن یمین سے ایسی بات سرزد ہونے والی ہے) (۸۱)

''اور (یہ بھی کہہ دینا کہ) آپ اس بستی سے دریافت کر لیں جہاں ہم ٹھہرے تھے اور اس قافلہ کے آدمیوں سے پوچھ لیں جس میں ہم آئے ہیں- ہم (اپنے بیان میں) بالکل سچے ہیں'' (۸۲)

(چنانچہ بھائیوں نے ایسا ہی کیا اور کنعان آ کر یہ ساری باتیں باپ سے کہہ دیں) اس نے (سن کر) کہا ''نہیں یہ تو ایک بات ہے جو تمہارے جی نے تمہیں سجھا دی ہے (یعنی بن یمین کا چوری کرنا) خیر! میرے لیے صبر کے سوا چارہ نہیں- ایسا صبر کہ خوبی کا صبر ہو- اللہ (کے فضل) سے کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ (ایک دن) ان سب کو میرے پاس جمع کر دے- وہی ہے جو (سب کچھ) جاننے والا (اور اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!'' (۸۳) اور اس نے ان لوگوں کی طرف سے رخ پھیر لیا اور (چونکہ اس نئے زخم کی خلش نے پچھلا زخم تازہ کر دیا تھا اس لیے) پکار اٹھا ''آہ یوسف کا درد فراق! اور شدت غم سے (روتے روتے) اس کی

مطلب یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ واقعی کوئی ایسی بات ہوئی بھی تھی- قرآن نے خصوصیت کے ساتھ ان کی یہ بات اس لیے نقل کی کہ واضح ہو جائے- بغض وحسد انسان کو کیسی کیسی غلط بیانیوں کا عادی بنا دیتا ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٨٤﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ
الْهٰلِكِيْنَ ﴿٨٥﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾ يٰبَنِيَّ
اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ
رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٧﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا
الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى

آنکھیں سفید پڑ گئیں اور اس کا سینہ غم سے لبریز تھا! (۸۴)

(باپ کا یہ حال دیکھ کر بیٹے) کہنے لگے "بخدا تم تو ہمیشہ ایسے ہی رہو گے کہ یوسف کی یاد میں لگے رہو- یہاں تک کہ (اسی غم میں) گھل جاؤ یا اپنے کو ہلاک کر دو" (۸۵)

باپ نے کہا "میں تو اپنی حاجت اور اپنا غم اللہ کی جناب میں عرض کرتا ہوں (کچھ تمہارا شکوہ نہیں کرتا) میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں" (۸۶)

(پھر انہوں نے کہا) "اے میرے بیٹو! (ایک بار پھر مصر) جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ- اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو- اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جو منکر ہیں" (۸۷) پھر جب (باپ کے حکم کی تعمیل میں یہ لوگ مصر پہنچے اور) یوسف کے پاس گئے تو (اپنے پھر آنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے) کہا "اے عزیز ہم پر اور ہمارے گھر کے آدمیوں پر بڑی سختی کے دن گزر رہے ہیں- پس (مجبور ہو کر غلہ کی طلب میں ہمیں پھر نکلنا پڑا) ہم تھوڑی سی پونجی لے کر آئے ہیں- اسے قبول کر لیجیے- اور غلہ کی پوری تول عنایت کیجیے اور (اسے خرید و فروخت کا معاملہ نہ سمجھیے بلکہ) ہمیں (محتاج سمجھ کر) خیرات دے دیجیے- اللہ خیرات کرنے والوں

---

(۲۰) حضرت یعقوب علیہ السلام کا بن یمین کی گم گشتگی میں بازیافتگی کی ایک نئی امید محسوس کرنا اور بیٹوں کو جستجوئے مقصود میں روانہ کرنا' بالآخر پردۂ راز کا ہٹنا اور کرشمہ حقیقت کا سامنے آ جانا!

(ا) اب یہ سرگزشت عبرت اپنی آخری منزل سے قریب ہو رہی ہے- جب یوسف علیہ السلام کے بھائی بن یمین کے معاملہ میں مایوس ہو گئے تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے- تورات میں ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام راضی نہیں ہوتے تھے کہ بن یمین کو جدا کریں تو روبن نے خصوصیت کے ساتھ اس کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا (پیدائش ۴۲: ۳۸) اور روبن ہی ان سب میں بڑا تھا- پس اس نے کہا- یوسف کے معاملہ میں ہم سے جو بدعہدی ہو چکی ہے اس کا داغ اب تک باپ کے دل سے مٹا نہیں- اب بن یمین کے لیے ہم نے قول و قرار کیا تھا اس کا نتیجہ یہ نکلا- میری ہمت تو پڑتی نہیں کہ باپ کو جا کر منہ دکھاؤں، تم جاؤ اور جو کچھ گزرا ہے بے کم و کاست سنا دو- چنانچہ بھائیوں نے ایسا ہی کیا اور گھر آ کر تمام سرگزشت باپ کو سنا دی-

(ب) غور کرو، قرآن واقعہ کی جزئیات نقل کرتے ہوئے کس طرح دقیق سے دقیق پہلو فطرت انسانی کے ملحوظ رکھتا ہے؟ بن یمین ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾
قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ
مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ
عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ

کوان کا اجر دیتا ہے!''(۸۸)

(یہ حال سن کر) یوسف (کا دل بھر آیا- اس) نے کہا''تمہیں یاد ہے تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جبکہ تمہیں سمجھ بوجھ نہ تھی؟''(۸۹)

(یہ سن کر بھائی چونک اٹھے اور اب جو عزیز کی صورت اور آواز پر غور کیا تو ایک نیا خیال ان کے اندر پیدا ہو گیا) انہوں نے کہا''کیا فی الحقیقت تم ہی یوسف ہو؟''

یوسف نے کہا''ہاں میں یوسف ہوں اور یہ (بن یمین) میرا بھائی ہے- اللہ نے ہم پر احسان کیا- اور حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی (برائیوں سے) بچتا اور (مصیبتوں میں) ثابت قدم رہتا ہے تو اللہ (کا قانون یہ ہے کہ وہ) نیک عملوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا!''(۹۰) (یہ سن کر بھائیوں کے سر شرم وندامت سے جھک گئے) انہوں نے کہا''بخدا اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ نے تجھے ہم پر برتری دی اور بلاشبہ ہم سرتا سر قصور وار تھے''(۹۱) یوسف نے کہا''آج کے دن (میری جانب سے) تم پر کوئی سرزنش نہیں- (جو ہونا تھا وہ ہو چکا) اللہ تمہارا قصور بخش دے- اور وہ تمام رحم کرنے والوں سے

سب کا بھائی تھا- ماں ایک نہ سہی مگر باپ تو ایک ہی تھا- لیکن انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہمارے بھائی نے چوری کی- بلکہ کہا''تیرے لڑکے نے چوری کی''اس ایک بات میں کتنی باتیں چھپی ہوئی ہیں؟ اس میں طعن ہے، تحقیر ہے، ملامت ہے، اپنی بڑائی ہے، مغرورانہ بریت ہے اور پھر حد درجہ کی سنگ دلی کہ ایسے موقع پر بھی جب کہ بوڑھے باپ کے دل پر ایک نیا زخم لگنے والا تھا طعن تشنیع سے باز نہ رہ سکے اور کہا یہ ہے تیرا چہیتا بیٹا جس نے چوری کا ارتکاب کیا اور ہم سب کو مصیبت میں ڈالا-

(ج) معلوم ہوتا ہے حضرت یعقوب نے بن یمین کی گم گشتگی میں یوسف علیہ السلام کی بازگشت کی جھلک دیکھ لی تھی اور یہ ان کی فراست نبوت کا کرشمہ تھا- اسی لیے فرمایا ﴿ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ﴾ اور یہ قرب وصال کے تصور کا نتیجہ تھا کہ درد فراق کی شدتیں بڑھ گئیں اور بے اختیار ﴿ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ ﴾ کی صدا نکل گئی- اور اسی لیے آخر میں اشارہ کیا کہ ﴿ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾

(د) اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کا کہنا کہ مایوس ہو کر نہ بیٹھ رہو، جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ، واضح کر دیتا ہے کہ وحی الٰہی کا اشارہ ہو چکا تھا اور وہ سمجھ چکے تھے کہ شمیم یوسف اسی رخ سے آنے والی ہے- ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ یوسف کا نام ان کی زبان سے نکلتا- کیونکہ جو معاملہ پیش آیا تھا بن یمین کا تھا- یوسف (علیہ السلام) کا نہ تھا-

چنانچہ آگے چل کر آیت (۹۶) سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے- جب حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتا اور پیام پہنچا تو انہوں نے کہا: ﴿ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾

(ہ) ایک طرف تو یہ حالات پیش آ رہے تھے- دوسری طرف قحط کی شدتیں بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھیں- پس بھائیوں نے مصر آ کر جو کچھ حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا وہ اپنے دوبارہ آنے کا بہانہ نہ تھا بلکہ واقعی مصیبت کی سچی داستان تھی- جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ حالات سنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۹۲﴾ اِذۡهَبُوۡا بِقَمِیۡصِیۡ هٰذَا فَاَلۡقُوۡهُ عَلٰی وَجۡهِ اَبِیۡ یَاۡتِ بَصِیۡرًا ۚ وَاۡتُوۡنِیۡ بِاَهۡلِکُمۡ
اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الۡعِیۡرُ قَالَ اَبُوۡهُمۡ اِنِّیۡ لَاَجِدُ رِیۡحَ یُوۡسُفَ لَوۡلَاۤ اَنۡ تُفَنِّدُوۡنِ ﴿۹۴﴾
قَالُوۡا تَاللّٰهِ اِنَّکَ لَفِیۡ ضَلٰلِکَ الۡقَدِیۡمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّاۤ اَنۡ جَآءَ الۡبَشِیۡرُ اَلۡقٰىهُ عَلٰی وَجۡهِهٖ فَارۡتَدَّ
بَصِیۡرًا ۚ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ ۚ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوۡا یٰۤاَبَانَا اسۡتَغۡفِرۡ لَنَا

بڑھ کر رحم کرنے والا ہے!'' (۹۲)

''اب تم یوں کرو کہ میرا یہ کرتا (بطور علامت کے) اپنے ساتھ لے جاؤ اور میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو کہ اس کی آنکھیں روشن ہو جائیں۔ اور (پھر) اپنے گھرانے کے تمام آدمیوں کو لے کر میرے پاس آ جاؤ'' (۹۳)

اور پھر جب (یہ لوگ یوسف کے حکم کے مطابق کرتا لے کر روانہ ہوئے اور) قافلہ نے مصر کی سرزمین چھوڑی تو (ادھر کنعان میں) ان کا باپ کہنے لگا۔ ''اگر تم لوگ یہ نہ کہنے لگو کہ بڑھاپے سے اس کی عقل ماری گئی تو میں کہوں گا مجھے یوسف کی مہک آ رہی ہے'' (اور مجھے اس کا یقین ہے) (۹۴) سننے والوں نے کہا ''بخدا تم تو اب تک اپنے (اسی) پرانے خبط میں پڑے ہو'' (یعنی یوسف کا تو نام و نشان بھی نہ رہا، اور تمہیں اس کی واپسی کے خواب آ رہے ہیں!) (۹۵)

لیکن پھر جب (قافلہ کنعان پہنچ گیا اور) خوش خبری سنانے والا (دوڑتا ہوا) آیا تو اس نے (آتے ہی) یوسف کا کرتا یعقوب کے چہرے پر ڈال دیا اور اس کی آنکھیں پھر سے روشن ہو گئیں۔ تب اس نے کہا ''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں؟'' (۹۶)

وہ (شرم و ندامت میں ڈوب کر) بولے ''اے ہمارے باپ! ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لیے (اللہ کے حضور)

اور دیکھا کہ ان کے بھائی ان کے سامنے کھڑے خیرات کی بھیک مانگ رہے ہیں تو جوش رحم و محبت سے بے اختیار ہو گئے اور اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔ جب انہوں نے کہا۔ تمہیں یاد ہے تم نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا کیا تھا؟ تو بھائی چونک اٹھے کہ عزیز مصر یوسف علیہ السلام کا ذکر اس طرح کیوں کر رہا ہے؟ اور اب جو اس کی صورت اور آواز پر غور کیا تو صاف نظر آ گیا کہ یہ تو بالکل یوسف علیہ السلام کی سی ہے۔ پس حیران ہو کر بول اٹھے: ﴿ اِنَّکَ لَاَنۡتَ یُوۡسُفُ ؟ ﴾

قرآن نے اس موقعہ کا سارا مکالمہ صرف دو جملوں میں بیان کر دیا ہے۔ ایک حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے۔ دوسرا بھائیوں کا، لیکن غور کرو۔ موقعہ کی طبیعت حال کا کونسا پہلو ہے جو ان دو جملوں کے اسلوب بیان اور لب و لہجہ میں نہیں آ گیا؟ بھائیوں نے یہ نہیں کہا کہ ''کیا تم یوسف علیہ السلام ہو؟'' بلکہ کہا ''انک'' اور ''لانت یوسف'' یعنی کیا فی الحقیقت تم ہی یوسف ہو؟ اس اسلوب استفہام نے وہ ساری حالتیں واضح کر دیں جو ان کے ذہن و فکر پر اس وقت طاری ہو گئی تھیں اور اس طرح کے موقعہ میں قدرتی طور پر طاری ہوا کرتی ہیں۔

(د) جب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کی خبر باپ کو سنائی تھی تو خون آلود کرتا جا کر دکھایا تھا۔ اب وقت آیا کہ زندگی و اقبال کی خوش خبری سنائی جائے تو اس کے لیے بھی کرتے ہی نے نشانی کا کام دیا۔ وہی چیز جو کبھی فراق کا پیام لائی تھی اب وصال کی بشارت بن گئی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾
فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾
وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ
قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ

دعا کر- فی الحقیقت ہم سے سراسر قصور ہی ہوتے رہے!'' (۹۷)

باپ نے کہا'' وہ وقت دور نہیں کہ میں اپنے پروردگار سے تمہارے لیے دعائے مغفرت کروں- وہ بڑا بخشنے والا بڑی ہی رحمت والا ہے!'' (۹۸)

پھر جب (ایسا ہوا کہ یوسف کی خواہش کے مطابق) یہ لوگ (کنعان سے روانہ ہو گئے اور شہر کے باہر) یوسف سے ملے' تو اس نے اپنے باپ اور ماں کو (عزت واحترام سے) اپنے پاس جگہ دی اور کہا- اب شہر میں چلو- خدا نے چاہا تو تمہارے لیے ہر طرح کی سلامتی ہے!'' (۹۹)

اور (جب شہر میں داخل ہوئے تو) اس نے اپنے والدین کو تخت پر اونچا بٹھایا (باقی سب کے لیے نیچے نشستیں رکھیں) اور (دیکھو) اس وقت ایسا ہوا کہ سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑے (اور مصر کے دستور کے مطابق اس کے منصب حکومت کی تعظیم بجالائے) اس وقت (اسے بچپنے کا خواب یاد آ گیا اور بے اختیار) پکار اٹھا'' اے باپ! یہ ہے تعبیر اس خواب کی جو مدت ہوئی میں نے دیکھا تھا- میرے پروردگار نے اسے سچا ثابت کر دیا- یہ اسی کا احسان ہے کہ مجھے قید سے رہائی دی، تم سب

(۲۱) حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان کا مصر پہنچنا' خواب کی تعبیر کا ظہور میں آنا اور سرگزشت کا خاتمہ-

(ا) ادھر کاروان بشارت نے کوچ کیا اور ادھر کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہنا شروع کر دیا: ﴿ انی لاجد ریح یوسف ﴾ مجھے یوسف کی مہک آ رہی ہے!

ولقد تهب لی الصبا من ارضها
فیلذ مس هبوبها و یطیب!

اس سے معلوم ہوا کہ وحی الٰہی نے انہیں مطلع کر دیا تھا کہ اب ایام فراق قریب الاختتام ہیں اور مژدۂ وصال جلد پہنچنے والا ہے-

(ب) جب بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے آگے عجز و اعتراف کا سر جھکایا تو انہوں نے بلا تامل کہہ دیا- ﴿ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ لیکن جب حضرت یعقوب علیہ السلام سے دعائے مغفرت کے طلب گار ہوئے تو کہا: ﴿ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ﴾ میں عنقریب تمہارے لیے دعائے مغفرت کروں گا- یعنی طلب مغفرت کی دعا کو کسی آئندہ وقت پر ملتوی کر دیا- یہ اختلاف حال غالباً اس بات کا نتیجہ ہے کہ بھائیوں نے جو کچھ ظلم کیا تھا وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ذات خاص پر کیا تھا- اس لیے انہیں عفو و درگزر میں تامل نہیں ہوا- کیونکہ معاملہ خود ان کا معاملہ تھا- لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کو تامل ہوا کیونکہ معاملہ صرف انہی کا نہیں بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا بھی تھا- پس فرمایا میں عنقریب ایسا کروں گا- یعنی عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ سب یکجا ہوں گے اور عفو و بخش کا آخری فیصلہ ہو جائے گا- پھر میری دعائیں ہوں گی اور تم ہو گے-

(ج) تورات میں ہے کہ جب یوسف نے اپنے بھائیوں پر اپنے آپ کو ظاہر کر دیا تو وہ گھبرا گئے لیکن یوسف نے انہیں تسلی دی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ
الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ
الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ

کوصحرا سے نکال کر میرے پاس پہنچا دیا اور یہ سب کچھ اس واقعہ کے بعد ہوا کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف ڈال دیا تھا! بلاشبہ میرا پروردگار ان باتوں کے لیے جو کرنی چاہے بہتر تدبیر کرنے والا ہے- بلاشبہ وہی ہے کہ (سب کچھ) جاننے والا (اور اپنے سارے کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!'' (۱۰۰)

(پھر یوسف نے دعا کی) ''پروردگار! تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی اور باتوں کا مطلب اور نتیجہ نکالنا تعلیم فرمایا اے آسمان وزمین کے بنانے والے تو ہی میرا کارساز ہے- دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی- تو (اپنے فضل وکرم سے) ایسا کیجیو کہ دنیا سے جاؤں تو تیری فرماں برداری کی حالت میں جاؤں- اور ان لوگوں میں داخل ہو جاؤں جو تیرے نیک بندے ہیں!'' (۱۰۱)

(اے پیغمبر!) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی تجھ پر وحی کر رہے ہیں- ورنہ (ظاہر ہے کہ) جس وقت یوسف کے بھائی سازش میں مصمم ہو گئے تھے اور پوشیدہ تدبیریں کر رہے تھے تو تم اس وقت کچھ ان کے پاس کھڑے نہ تھے (کہ سب کچھ دیکھ سن لیا ہو) (۱۰۲) اور (اس پر بھی یاد رکھو) اکثر آدمیوں کا حال یہ ہے کہ تم کتنا ہی چاہو (اور کتنی ہی

اور کہا اپنے دلوں میں پریشان نہ ہو، یہ خدا کی مصلحت تھی کہ اس نے مجھے تم لوگوں سے پہلے اس سرزمین میں بھیج دیا- دو برس سے زمین پر کال ہے اور ابھی پانچ برس اور کال رہے گا- پس خدا نے مجھے اس لیے مصر کا حاکم بنا دیا کہ تمہاری اولاد باقی رہے اور تمہیں غموں سے نجات ملے- تم اب فوراً میرے باپ کے پاس جاؤ اور اسے مع اپنے پورے گھرانے کے میرے پاس لے آؤ- میں اسے جشن کی زمین میں رکھوں گا- (پیدائش ۴۵:۴)

تورات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب فرعون کو معلوم ہوا، یوسف کے بھائی آئے ہیں تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے یوسف (علیہ السلام) کو کہا اپنے بھائیوں سے کہہ- اپنے باپ اور اپنے گھرانے کو میرے پاس لے آئیں- میں انہیں مصر کی ساری اچھی چیزیں دوں گا- نیز حکم دیا کہ ان کے لانے کے لیے مصر کے رتھ اپنے ساتھ لے جائیں اور جو اسباب وہاں چھوٹ جائے اس کا افسوس نہ کریں- مصر کی ساری خوشیاں ان کے لیے ہوں گی (۴۵:۱۶)

(د) چنانچہ کنعان سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا گھرانہ روانہ ہو گیا- تورات میں ہے کہ وہ سب ۶۷ تھے، اور اگر یوسف اور اس کے لڑکوں کو جو مصر میں پیدا ہوئے تھے ملا لیا جائے تو خاندان کی پوری تعداد ستر ہو جاتی ہے (پیدائش ۴۶:۲۷)

(ہ) جب قافلہ مصر کے قریب پہنچا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کا استقبال کیا- اس زمانہ میں مصر کا دارالحکومت رعمسیس تھا اور اسے جشن کا شہر کہتے تھے- کیونکہ سالانہ جشن وہیں ہوا کرتا تھا- پس یہ لوگ دارالحکومت میں آئے جہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے دربار منعقد کیا اور اپنے والدین کے لیے بلند مسند بچھائی- اب وہ وقت آ گیا تھا جس کا مرقع سالہا سال پہلے حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا- جونہی حضرت یوسف علیہ السلام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَاَيِّنْ
مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ
اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ
تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا

وقف النبی علیہ السلام

دلیلیں پیش کرو) کبھی ایمان لانے والے نہیں! (۱۰۳)

حالانکہ تم ان سے اس بات کے لیے کوئی مزدوری نہیں مانگتے - یہ تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام جہان کے لیے پند و وعظ ہے! (۱۰۴)

اور (دیکھو!) آسمانوں میں اور زمین میں (اللہ کی قدرت و حکمت کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے لوگ گزر جاتے ہیں اور نظر اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں! (۱۰۵) اور ان میں سے اکثروں کا حال یہ ہے کہ اللہ پر یقین لاتے ہیں تو اس حال میں لاتے ہیں کہ اس کے ساتھ شریک بھی ٹھہرائے جاتے ہیں! (۱۰۶)

پھر کیا یہ لوگ اس بات سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ اللہ کے عذاب میں سے کوئی آفت ان پر آئے اور چھا جائے؟ یا اچانک قیامت آ جائے اور وہ بے خبری میں پڑے ہوں؟ (۱۰۷)

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو "میری راہ تو یہ ہے - میں اس روشنی کی بنا پر جو میرے سامنے ہے، اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور (اس راہ میں) جن لوگوں نے میرے پیچھے قدم اٹھایا ہے وہ بھی (اسی طرح) بلاتے ہیں - اللہ کے لیے پاکی ہو - میں شرک کرنے والوں

دربار میں نمودار ہوئے تمام درباریوں نے مصر کے دستور کے مطابق تعظیم دی اور تعظیم یہ تھی کہ سجدے میں گر پڑے - جب حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں نے یہ دیکھا تو وہ بھی سجدے میں جھک گئے اور درباریوں کا ساتھ دیا - تب حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے خواب کی بات یاد آ گئی - وہ بے اختیار پکار اٹھے! ﴿ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ﴾ انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ سورج چاند اور گیارہ ستارے ان کے آگے جھکے ہوئے ہیں - تو سورج اور چاند ان کے والدین تھے اور گیارہ ستارے گیارہ بھائی - آج یہ سب ان کی عظمت و جلال کے آگے جھک گئے اور وقت کی سب سے بڑی مملکت کے اوج و اقبال نے اپنا تخت ان کے لیے خالی کر دیا!

(د) حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کا یہ سجدہ تعظیم کا سجدہ تھا - دنیا میں قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ حکمرانوں اور پیشواؤں کے آگے سجدے کرتے ہیں اور اسے تعظیم و احترام کی خاص علامت سمجھتے ہیں - مصر، بابل، ایران، ہندوستان اور سلاطین بنی اسرائیل سب کے یہاں تعظیم و احترام کا یہی طریقہ رائج تھا اور ہندوستان میں اب تک رائج ہے - لیکن قرآن نے توحید کے اعتقاد و عمل کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا وہ اس طرح کے رسوم و اشکال کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا - اس نے سجدہ کی ہر قسم اور ہر صورت صرف اللہ ہی کی عبادت کے لیے مخصوص کر دی اور کسی حال میں جائز نہ رکھا کہ کسی دوسری ہستی کے لیے سر نیاز جھکایا جائے - اس نے صرف سجدہ ہی کو نہیں روکا جو پیشانی کے زمین پر رکھنے کا نام ہے بلکہ یہ بھی جائز نہ رکھا کہ کوئی انسان کسی دوسری ہستی کے آگے اپنا جسم دہرا کرے - ہر جھکاؤ، ہر خمیدگی، ہر رکوع، جو کسی قامت پر طاری ہو سکتا ہے، وہ کہتا ہے صرف اللہ ہی کے لیے ہے - اور کوئی دوسری ہستی اس میں شریک نہیں ہو سکتی!

پس یاد رہے کہ یہاں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ محض ایک گزشتہ واقعہ کی حکایت ہے - اسلامی احکام کی تشریح نہیں ہے -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ
اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی ؕ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰۤی اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ
قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدْ كَانَ

میں نہیں ہوں!'' (۱۰۸)

اور (اے پیغمبر! ہم نے تم سے پہلے کسی رسول کو نہیں بھیجا ہے مگر اسی طرح کہ وہ باشندگان شہر ہی میں سے ایک آدمی تھا اور ہم نے اس پر وحی اتاری تھی (ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آسمان سے فرشتے اترے ہوں) پھر کیا یہ لوگ (جو تمہارے اعلان رسالت پر متعجب ہو رہے ہیں) زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہو چکا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں؟ اور جو لوگ (برائیوں سے) بچتے ہیں تو یقیناً آخرت کا گھر ان کے لیے کہیں بہتر ہے۔ پھر (اے گروہ مخاطب!) کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟ (۱۰۹)

(اور ان گزری ہوئی قوموں پر فوراً عذاب نہیں آ گیا تھا۔ انہیں مہلت ملتی رہی) یہاں تک کہ جب اللہ کے رسول (ان کے ایمان لانے سے) مایوس ہو گئے اور لوگوں نے خیال کیا ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا تو (پھر اچانک) ہماری مدد ان کے پاس آ پہنچی، پس ہم نے جسے بچانا چاہا بچا لیا اور (جو مجرم تھے تو) ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ مجرموں سے ہمارا عذاب ٹل جائے! (۱۱۰) یقیناً ان لوگوں

(ز) اس طرح یہ سرگزشت جس خواب کے ذکر سے شروع ہوئی تھی اسی کی تعبیر کے ظہور پر ختم ہو گئی!

(ح) حضرت یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر جو کچھ فرمایا اور اس کے بعد جو دعا فرمائی وہ ان کی سیرت مطہرہ کا سب سے زیادہ اہم مقام ہے اور اس کی مختصر تشریح آگے آئے گی۔

(۲۲) سورت کا خاتمہ۔

سرگزشت ختم ہو گئی۔ اب آیت (۱۰۲) سے خطاب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہے اور دعوت حق کی بعض مہمات واضح کی ہیں:

(ا) اس سرگزشت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، یہ سرتا سر غیب کی باتیں ہیں۔ اگر وحی الٰہی کا فیضان نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس واقعہ کی ایک ایک جزئیات پر تم مطلع ہوتے اور دنیا کے آگے اس طرح پیش کر دیتے۔ یہ ظاہر ہے کہ واقعہ تم سے دو ہزار سال پہلے کا ہے اور دنیا میں گزشتہ واقعات کے علم و سماعت کے جتنے وسائل ہو سکتے ہیں ان میں سے کوئی وسیلہ بھی تمہارے لیے موجود نہیں اور اگر موجود بھی ہو تو یہ قطعی ہے کہ اس باب میں کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔

(ب) لیکن کیا منکرین حق تمہاری سچائی کی یہ دلیل واضح دیکھ کر ایمان لے آئیں گے؟ نہیں، تم کتنا ہی چاہو، جو ماننے والے نہیں ہیں وہ کبھی ماننے والے نہیں۔

(ج) خدا کی کائنات تو سرتا سر حقیقت کی نشانی ہے۔ آسمان و زمین کا کون سا گوشہ ہے جو اس کی نشانیوں سے خالی ہے اور شب و روز انسان کو دعوت فکر و عبرت نہیں دے رہا ہے؟ بایں ہمہ بندگان غفلت کا کیا حال ہے؟ یہ ہے کہ ان پر سے گزر جاتے ہیں اور نگاہ اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں!

قرآن نے یہاں اور دوسرے مقامات میں آسمان و زمین کی نشانیوں پر توجہ دلائی ہے اور ان کے مطالعہ و تفکر کو معرفت حق کا سرچشمہ ٹھہرایا ہے اور یہی بات اس کے تمام استدلال کا مبدء و اساس ہے۔ چنانچہ پچھلی سورتوں کے نوٹوں میں اس طرف اشارات گزر چکے ہیں اور تفصیل کے لیے تفسیر فاتحہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

کے قصہ میں دانشمندوں کے لیے بڑی ہی عبرت ہے- یہ کوئی جی سے گھڑی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ اس کتاب کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے آ چکی ہے- نیز ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں (ہدایت کی) ساری باتوں کی تفصیل ہے (یعنی الگ الگ کر کے واضح کر دینا ہے) اور رہنمائی ہے اور رحمت ہے! (۱۱۱)

(د) آیت (۱۰۶) کے پانچ چھ لفظوں میں وہ سب کچھ بیان کر دیا جو باب توحید میں دعوت قرآنی کا ماحصل ہے- فرمایا- اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ خدا کی ہستی پر یقین بھی رکھتے ہیں اور ساتھ ہی دوسروں کو اس کا شریک بھی ٹھہراتے ہیں- یعنی ان کا خدا کو ماننا ایسا ماننا نہیں ہے جو شرک سے انہیں باز رکھے-

دنیا کی تمام قوموں کی دینی ذہنیت کی یہ کیسی مکمل تعبیر ہے- جو چند لفظوں کے اندر بیان کر دی گئی ہے؟ نزول قرآن کے وقت دنیا کی تمام خدا پرست جماعتوں کی خدا پرستی کا یہی حال تھا- اور اب بھی دیکھ لو یہی حال ہے- وہ خدا پر ایمان رکھتے تھے لیکن ان کا ایمان طرح طرح کے مشرکانہ عقائد و اعمال سے آلودہ ہو گیا تھا- وہ نہیں سمجھتے تھے کہ ایمان صحیح کے ساتھ شرک جمع نہیں ہو سکتا- عرب کے بت پرستوں کو بھی اس سے انکار نہ تھا کہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں: ﴿ وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ (۲۹:۶۱) لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ کیوں صرف اسی کی ایک ہستی ہر طرح کی بندگیوں کی مستحق سمجھ لی جائے؟ کیوں دوسری ہستیوں کی بھی بندگی نہ کی جائے؟ کیوں خدا اور بندے کے درمیان کوئی درمیانی قوت وسیلہ تقرب و تزلف نہ ہو؟

قرآن کی دعوت توحید:

لیکن قرآن کی دعوت توحید یہ تھی کہ اس طرح کی خدا پرستی سچی خدا پرستی نہیں ہے- خدا پرستی یہ ہے کہ نہ صرف اسے مانا جائے بلکہ جو کچھ اس کے لیے مانا جائے اس میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کیا جائے- اس نے کہا ہر طرح کی بندگی و نیاز کی مستحق صرف اسی کی ذات ہے- پس اگر تم نے عابدانہ عجز و نیاز کے ساتھ کسی دوسری ہستی کے سامنے سر جھکایا تو سچی خدا پرستی باقی نہ رہی- اس نے کہا- دعا' استعانت' رکوع و سجود' عجز و نیاز' اعتماد و توکل اور اسی طرح کے تمام عبادت گزارانہ اور نیاز مندانہ اعمال وہ اعمال ہیں جو خدا اور اس کے بندوں کا باہمی رشتہ قائم کرتے ہیں- پس اگر ان اعمال میں دوسروں کو بھی شریک کر لیا تو خدا کے رشتہ عبودیت کی یگانگت باقی نہ رہی، اور جب یگانگت باقی نہ رہی تو سچی خدا پرستی بھی نہ ہوئی- اسی طرح عظمتوں' کبریائیوں' کارسازیوں اور بے نیازیوں کا جو تصور تمہارے اندر خدا کا اعتقاد پیدا کرتا ہے وہ صرف خدا ہی کے لیے مخصوص ہونا چاہیے- اگر تم نے ویسا ہی اعتقاد کسی دوسری ہستی کے لیے پیدا کر لیا تو تم نے اسے خدا کا شریک بنا دیا، اور جب شریک بنا دیا تو صرف اسی کو نہیں مانا دوسروں کو بھی مان لیا! حالانکہ اس کے ماننے کے معنی تو یہ تھے کہ صرف اسی کو مانا جائے!

دعوت وحی علم و بصیرت ہے:

(ہ) آیت (۱۰۸) میں جو بات کہی گئی ہے قرآن کے مہمات معارف میں سے ہے- فرمایا- تم اعلان کر دو میری راہ یہ ہے کہ علم و یقین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی بنا پر خدا پرستی کی دعوت دیتا ہوں اور کہتا ہوں میری راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہیں ہے- برخلاف اس کے تمہارا حال یہ ہے کہ شرک کے داعی ہو اور بنیاد دعوت علم و یقین نہیں ہے- جہل و ظن ہے- اب فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے اور ایسے ہی فیصلے پچھلی قوموں کے لیے بھی ہو چکے ہیں-

یہاں ''بصیرۃ'' کا لفظ فرمایا- بصیرۃ کے معنی علم' معرفت اور یقین کے ہیں اور اسی لیے دلیل و حجت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے- پس قرآن کہتا ہے میں جس راہ کی طرف بلاتا ہوں اس کے لیے میرے سامنے علم و یقین ہے- پھر کیا تمہارے پاس بھی علم و یقین میں سے کچھ ہے؟ اگر نہیں ہے تو اتباع یقین و عرفان کا کرنا چاہیے یا جہل و کوری اور شک و گمان کا؟ اس مقام کی تشریح پچھلی سورتوں کی تشریحات میں بار بار گزر چکی ہے-

قرآن کے اوصاف اربعہ:

(و) آخری آیت میں فرمایا- قرآن انسان کی بناوٹ نہیں ہے بلکہ وحی الٰہی کی سچائی ہے، اور پھر اس کے چار وصف بیان کیے ہیں جو کبھی کذب و افتراء کے اوصاف نہیں ہو سکتے:

اولاً: وہ پچھلی صداقتوں کی تصدیق ہے- اگر بناوٹ ہوتی تو پچھلی کڑیوں کے ساتھ اس طرح نہ جڑ جاتی گویا ایک زنجیر کی مختلف قدرتی کڑیاں ہیں اور ہر کڑی دوسری کڑی کو سہارا دے رہی ہے-

ثانیاً: ارباب یقین کے لیے اس میں دین کی ساری باتوں کی تفصیل ہے- یعنی ہر بات اس طرح الگ الگ کر کے بیان کر دی گئی ہے کہ شبہ و التباس کی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے-

ثالثاً: ارباب یقین کے لیے سرتا سر رہنمائی ہے- یعنی انسان کو کامیابی و سعادت کی منزلوں تک پہنچاتی اور ہر طرح کی گمراہیوں سے بچاتی ہے-

رابعاً: ارباب یقین کے لیے رحمت ہے- یعنی ہر طرح کی شقاوتوں اور نامرادیوں سے نجات دلانے والی ہے-

سورۂ یوسف کے مواعظ و حکم:

(۲۳) سورت کی ضروری تشریحات ختم ہو چکیں لیکن ضروری ہے کہ اب حضرت یوسف علیہ السلام کی سرگزشت پر بحیثیت مجموعی ایک نظر ڈال لی جائے تا کہ اس کی موعظتیں اور عبرتیں پوری وضاحت کے ساتھ واضح ہو جائیں- اس سلسلہ میں حسب ذیل امور قابل غور ہیں:

مصری تمدن کا عروج:

(ا) حضرت مسیح (علیہ السلام) سے تقریباً دو ہزار سال پہلے دنیا کے نقشہ کا یہ حال تھا کہ سرزمین مصر وقت کے تہذیب و تمدن کا مرکز بن چکی تھی لیکن اس کے اطراف و جوانب کی قومیں ابھی تمدن و حضارۃ سے آشنا نہیں ہوئی تھیں اور صحرانشینی و بدویت کی زندگی بسر کر رہی تھیں- مصر سے ایک قریب تر علاقہ وہ تھا جو آگے چل کر فلسطین کے نام سے مشہور ہوا اور جسے خاکنائے سینا نے سرزمین افریقہ سے ملا دیا ہے- اس علاقہ کی تمام پچھلی آبادیاں مٹ چکی تھیں- اب محض ایک صحرائی علاقہ تھا جو مویشی کے لیے چراگاہوں کا کام دیتا تھا اور مختلف بدوی قبائل وہاں بود و باش رکھتے تھے- انہی قبائل میں ایک چھوٹا سا قبیلہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے خاندان کا بھی تھا-

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبیلہ اور عہد الٰہی:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ظہور تمدن قدیم کے ایک دوسرے مرکز یعنی سرزمین دجلہ و فرات میں ہوا تھا- انہوں نے وہاں سے ہجرت کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور کنعان میں مقیم ہو گئے- کنعان سے مقصود وہ علاقہ ہے جو بحر میت کی مغربی جانب واقع ہے اور دریائے یردن سے سیراب ہوتا ہے- تورات میں ہے کہ انہوں نے یہ علاقہ وحی الٰہی سے منتخب کیا تھا اور اللہ نے فرمایا تھا ''تو جس جگہ کھڑا ہے اس کے چاروں طرف دیکھ- یہ تمام ملک میں تجھے اور تیری نسل کو دوں گا اور تیری نسل کو میں خاک کے ذروں کی مانند بنادوں گا- اگر کوئی خاک کے ذروں کو گن سکتا ہے تو تیری نسل بھی گن لی جائے گی'' (پیدائش ۱۳:۱۵) قرآن نے بھی جابجا اس بشارت کی طرف اشارہ کیا ہے-

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں مقیم ہو گئے تو وقتاً فوقتاً انہیں اور بشارتیں بھی ملتی رہیں- ان تمام بشارتوں کا ماحصل یہ تھا کہ اللہ نے انہیں امتوں کا پیشوا' نسلوں کا مورث اور بادشاہوں کا جد بنایا ہے اور ان کی نسل کو اپنی برکتوں کے لیے چن لیا ہے- جب تک ان کی نسل ظلم و ضلالت سے آلودہ نہ ہوگی وعدہ کی برکتوں کی مستحق رہے گی- یہ بشارتیں اس خاندان میں اللہ کا ''عہد'' سمجھی جاتی تھیں- یعنی اللہ کا وعدہ جو کبھی ٹل نہیں سکتا- خاندان کا ہر بزرگ اسے محفوظ رکھتا اور پھر اپنے وارث کو اس کی وصیت کرتا- یہ ''عہد'' دو باتوں پر مشتمل تھا- ایک یہ کہ نسل ابراہیمی اللہ کے دین پر قائم رہے گی اور اس کی دعوت دے گی- دوسری یہ کہ اللہ اسے برکت دے گا اور اس کی دعوت کامیاب ہوگی- قرآن نے ان تمام بشارتوں کا جابجا ذکر کیا ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیت (۱۲۴) اور ہود کی آیت (۷۱) میں دو بشارتیں گزر چکی ہیں-

تورات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ایک موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک خاص واقعہ کی خبر دی گئی تھی یعنی یہ کہ تیری اولاد ایک ایسے ملک میں جائے گی جو ان کا ملک نہ ہوگا- وہاں لوگ اسے غلام بنالیں گے اور وہ چار سو برس تک وہاں رہے گی'' (پیدائش ۱۵:۱۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق علیہما السلام پیدا ہوئے- حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حجاز میں بس گئے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کنعان میں خاندان کے جانشین ہوئے- حضرت اسحاق علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے- یہ پہلے حاران گئے تا کہ اپنی خالہ زاد بہن سے نکاح کریں- پھر بیس برس کے بعد کنعان واپس آئے اور وہیں مقیم ہو گئے- تورات میں ہے کہ اللہ نے نسل ابراہیمی کا ''عہد'' ان سے تازہ کیا تھا اور قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے-

فلسطین کے تمام علاقہ کی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان کی زندگی بھی بالکل بدویانہ زندگی تھی- مویشی چراتے تھے اور ان کے گوشت' اون اور دودھ پر گزران کرتے تھے-

مصریوں کا غرور تمدن:

لیکن اس علاقہ سے تھوڑے فاصلہ پر مصر کی سرزمین تمدن و حضارۃ میں شہرۂ آفاق ہو رہی تھی اور ایک بڑی مملکت کی پائے گاہ تھی- اس کا دارالحکومت رعمسیس وقت کے علوم و صنائع کا مرکز تھا اور وہاں کے باشندوں میں شہریت و امارت کی خصوصیتیں نشو و نما پا چکی تھیں- جیسا کہ قاعدہ ہے مصر کے لوگ اپنے آپ کو متمدن اور ترقی یافتہ سمجھتے اور اطراف و جوانب کے بدویوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے- خصوصاً کنعانی اور عبرانی ان کی نگاہوں میں بڑے ہی ذلیل تھے- وہ انہیں ''چرواہا'' کہہ کر پکارتے اور اس قابل نہ سمجھتے کہ اپنی مجلسوں میں جگہ دیں- یہ بات بھی ان میں عام تھی کہ کوئی مصری کنعانی کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا نہ کھاتا (پیدائش ۴۳:۳۲) اور مصر کے دیہاتی بھی انہیں اس درجہ برا سمجھتے کہ اپنی آبادیوں میں ان کا بسنا گوارا نہ کرتے (پیدائش ۴۶:۳۴)

قدرت الٰہی کی کرشمہ سازی:

(ب) لیکن قدرت الٰہی سے ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا- کنعان کے اس بدوی قبیلہ کا ایک کم سن لڑکا بغیر اپنی خواہش اور مرضی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مصر پہنچ گیا اور کچھ عرصہ کے بعد دنیا نے دیکھا کہ اس عظیم الشان مملکت کی حکومت کی باگ اسی کنعانی کے ہاتھوں میں ہے اور بادشاہ سے لے کر مصر کی ادنیٰ رعایا تک سب اس کی عظمت وفضیلت کے آگے جھکے ہوئے ہیں! گویا وقت کی سب سے بڑی پرشوکت' سب سے بڑی متمدن' سب سے بڑی مغرور مملکت کے تخت حکمرانی پر اچانک کون پہنچ گیا؟ اسی بدوی قبیلہ کا ایک چرواہا جسے اس متمدن آبادی کا ہر فرد نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا!

اور پھر یہ عجیب وغریب معاملہ کن حالات میں ظہور پذیر ہوا؟ ایسے حالات میں جو اصل معاملہ سے بھی کہیں زیادہ عجیب وغریب تھے!

اسے سوتیلے بھائیوں نے ہلاک کرنے کے لیے کنویں میں ڈال دیا- کنواں خشک تھا اور شاہراہ سے الگ- اس لیے انہیں یقین تھا کہ کوئی انسان وہاں نہیں پہنچ سکے گا- لیکن اتفاق سے ایک قافلہ راہ بھول کر وہاں آ نکلتا ہے اور پانی کے لیے ڈول ڈالتا ہے- لڑکا سمجھتا ہے، میرے بھائیوں کو رحم آ گیا- اب مجھے نکالنے کے لیے ڈول ڈال رہے ہیں- وہ اس میں بیٹھ جاتا ہے اور اس طرح اس کی رہائی کا سامان ہو جاتا ہے!

کنعانی غلام:

لیکن کیسی رہائی؟ ایسی رہائی جس میں ایک ہلاکت سے جو تھوڑی دیر کی تھی نجات مل گئی لیکن دوسری ہلاکت جو عمر بھر جاری رہنے والی ہلاکت تھی نمودار ہو گئی- یعنی بھائیوں نے اسے اپنا بھاگا ہوا غلام ظاہر کر کے قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ ڈالا- وہ اسے کسی دوسرے گاہک کے ہاتھ بیچنے کے لیے مصر لے آئے-

اس طرح مصر میں اس کا داخلہ ایک غلام کا داخلہ تھا، اور غلام بھی ایسا جو کم سے کم قیمت میں خریدا گیا اور اب کم سے کم قیمت پر فروخت کیا جا رہا ہے- نہ تو بیچنے والے اس کی قدر و قیمت بڑھانے کے خواہشمند تھے- نہ اب بازار مصر میں اس جنس کی گرانی کا کوئی سامان ہے!

لے جایئے دکھلانے اُسے مصر کا بازار
خواہاں نہیں پر کوئی وہاں جنس گراں کا!

غلامی کا خواجگی و آقائی ہو جانا:

بہر حال ایک خریدار کی نظر پڑ جاتی ہے- یہ اس کے گھر میں ایک نوخرید غلام کی حیثیت سے داخل ہوتا ہے مگر اپنے حسن عمل سے خواجگی و آقائی کا درجہ حاصل کر لیتا ہے- یہ انقلاب حال بجائے خود عجیب وغریب تھا لیکن اس سے بھی عجیب تر معاملہ وہ تھا جب اس زرخرید غلام کے سامنے بیک وقت دو باتیں پیش کی گئیں کہ دونوں میں سے جسے چاہے اپنے لیے پسند کر لے: ﴿ وَ لَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَ لَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴾ (۳۲)

امتحانِ عصمت:

نفسانی زندگی کی سب سے بڑی عشرت وکامرانی اور انسانی زندگی کی سب سے بڑی محرومی وناکامی- پہلی میں نفس کی عشرت مگر حق کی معصیت تھی- دوسری میں نفس کی محرومی مگر حق کی اطاعت تھی- وہ پہلی سے بھاگتا ہے اور دوسری کے لیے آرزوئیں کرتا ہے- پہلی سے اس طرح بھاگتا ہے گویا اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں، دوسری کے لیے اس طرح التجائیں کرتا ہے گویا اس سے بڑھ کر کوئی محبوب شے نہیں:

﴿ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ﴾ (۳۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمنت سلیمی ان نموت بحبها
و اهون شی عندنا ما تمنت!

مصر میں کسی انسان کی ذلت و نامرادی کے جتنے سامان ہو سکتے تھے اب وہ سب جمع ہو گئے- اول تو عبرانی قبیلہ کا ایک فرد- پھر کیسا فرد؟ زرخرید غلام- کیسا غلام؟ جسے اس کے آقا نے ایک بڑے جرم کا مرتکب پایا اور سزا کا مستحق تصور کیا- کیسی سزا؟ قید خانے میں ڈالے جانے کی سزا جو ذلت و خواری اور تعذیب و عقوبت کی بڑی سے بڑی سزا سمجھی جاتی تھی- اب وہ مصریوں کی نگاہ میں قابل نفرت عبرانی بھی ہے، غلام بھی ہے، مجرم بھی ہے، اور قیدی بھی-

قید خانہ اور تختِ مصر:

لیکن پھر غور کرو دنیا کی کون سی بات اس سے زیادہ عجیب ہو سکتی ہے کہ اسی قیدی کے لیے اچانک قید خانے کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اور کھولنے والا کون ہوتا ہے؟ خود مصر کا بادشاہ- اور پھر کیوں کھولتا ہے؟ اس لیے کہ ایک عبرانی قیدی کو قید خانہ سے نکالے اور مصر کے تخت فرماں روائی پر بٹھا دے- گویا مصر کے قید خانے اور مصر کے تخت حکومت کا درمیانی فاصلہ ایک قدم سے زیادہ نہ تھا- اس نے قید خانہ سے قدم اٹھایا اور اس نے تخت فرماں روائی پر قدم رکھ دیا-

طے می شود ایں رہ بہ درخشیدن برقے
ما بے خبراں منتظر شمع و چراغیم!

پھر اس عجیب و غریب انقلاب کا نتیجہ کیا نکلا؟ ایسا کہ ان ساری باتوں سے بھی زیادہ عجیب ہے اور جسے قرآن کی ایجاز بلاغت نے صرف ایک جملہ میں واضح کر دیا ہے: ﴿ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ﴾ (۵۶) اللہ نے سرزمین مصر میں اس کے قدم اس طرح جما دیے کہ اس کے جس حصے کو چاہے اپنے کام میں لائے- چنانچہ اس نے اپنے تمام خاندان کو کنعان سے مصر بلا لیا اور عین دارالحکومت میں کہ جشن کی سرزمین تھی عزت و احترام کے ساتھ وہ بسائے گئے- اب وہی صحرا کے بدوی جو مصر میں قابل نفرت سمجھے جاتے تھے مصری دارالحکومت کے معزز باشندے ہو گئے اور وہاں ان کی نسل میں اس درجہ برکت ہوئی کہ جب چار سو برس کے بعد مصر سے نکلے تو کئی لاکھ تک تعداد پہنچ چکی تھی!

کئی لاکھ انسانوں کی یہ قوم جو مصر سے نکلی، کن لوگوں کی نسل سے بنی تھی؟ اسی لڑکے کی نسل سے جو غلام بن کر آیا تھا اور فرماں روا بن کر چکا تھا، اور اس کے گیارہ بھائیوں کی نسل سے جنہوں نے اسے ہلاک کرنا چاہا تھا، لیکن اس نے انہیں زندگی اور زندگی کی کامرانیاں بخش دیں-

(ج) اس طرح اس ''عہد'' کی کرشمہ سازیوں کا ظہور شروع ہو گیا جس کی بشارتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی تھیں اور پھر حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہما السلام سے بھی ان کی تجدید ہوئی تھی-

روحانی صداقت اور مادی ترقیات کا مقابلہ:

(د) سب سے پہلی بات جو اس سلسلہ میں سامنے آتی ہے وہ روحانی صداقت اور مادی ترقیات کا مقابلہ ہے-

حضرت یعقوب علیہ السلام کا گھرانا دین حق کی امانت رکھتا تھا- وحی الٰہی کی برکتوں سے فیض یاب تھا لیکن مادی ترقیوں اور دنیوی شوکتوں میں سے کوئی بات بھی اسے میسر نہ تھی حتی کہ شہری زندگی کی ابتدائی خصوصیات سے بھی آشنا نہیں ہوا تھا- اس کے تمام افراد صحرا میں رہتے تھے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مویشی چراتے تھے اور قدرتی زندگی کی سادگی پر قانع تھے۔

لیکن مصر کی حالت بالکل اس سے مختلف تھی۔ وہ دین حق کے علم و عمل اور وحی الٰہی کے فیضان سے محروم تھا لیکن وقت کی تمام مادی ترقیوں کا سرمایہ دار تھا۔ اس کے دارالحکومت کے لوگ لکھنے پڑھنے میں ماہر تھے، اس کے امراء و اشراف حکمرانی و دانشوری میں ترقی یافتہ تھے۔ اس کے مندروں کے کاہن حقائق اشیاء کے بھید جاننے والے تھے اور اس کے حکیم علوم و صنائع کے عجائب و غرائب سکھلانے والے تھے۔ آج اثریات مصر نے ایک مدوّن علم کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کا فرعون غالباً وہ شخص تھا جسے آثار مصر میں "آبوفی" کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اس کے عہد میں مصری تمدن پوری طرح ترقی کر چکا تھا۔

لیکن جب عجیب و غریب اتفاقات نے اس صحرائی گھرانے کے ایک فرد کو مصر پہنچا دیا اور ایسی حالتوں میں پہنچایا جو کسی حال میں بھی عزت و کامرانی کا ذریعہ نہیں ہو سکتی تھیں تو پھر کیا نتیجہ نکلا؟ یہ نکلا کہ دونوں قوتوں میں مقابلہ ہوا اور بالآخر دین حق کے علم و عمل اور وحی الٰہی کے فیضان نے وقت کی تمام مادی فضیلتوں کو مسخر کر لیا!

حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس دین حق کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ مصریوں کے پاس دین حق کے سوا اور سب کچھ تھا۔ یہ صرف دین حق کی فضیلت سے آراستہ تھے۔ وہ ہر طرح کی مادی فضیلتوں میں تفوق رکھتے تھے۔ بایں ہمہ ہر مقابلہ میں فتح مندی حضرت یوسف علیہ السلام ہی کی سیرت و عمل کو ہوئی اور قدم قدم پر مادی فضیلتوں کو اپنے تفوق سے دست بردار ہونا پڑا۔ حتیٰ کہ جب مملکت کی سلامتی خطرہ میں پڑ گئی تو اس کی نجات کے لیے مادی فضائل کی کوئی پیداوار بھی کام نہ دے سکی۔ اسی عبرانی نوجوان کے آگے مصر کو جھکنا پڑا کہ اس کی سلامتی کی راہ نکال دے!

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے کہا تھا: ﴿ اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم ﴾ (۵۵) تو فی الحقیقت یہ دین حق اور فیضان وحی کا ایک اعلان تھا جو وقت کے سب سے بڑے مرکز تمدن کے مقابلہ میں کیا گیا تھا یعنی آج مملکت کی نجات کے لیے ایسے شخص کی ضرورت ہے جو علم و کاردانی کے ساتھ حفاظت کرنے والا ہو۔ لیکن ایسا شخص پیش کرنے سے مصر کی پوری مدنیت عاجز ہو گئی۔ اس کا عظیم الشان دارالحکومت، جو کارفرماؤں، دانشمندوں اور کاہنوں سے بھرا ہوا ہے ایک فرد بھی پیش نہ کر سکا جو یہ بوجھ اٹھانے کا اہل ہو، لیکن میں تیار ہوں کہ یہ بوجھ اٹھا لوں۔ میں دنیا کی سب سے بڑی مملکت کو اس کی ہلاکت کی گھڑیوں میں بچا لوں گا۔ کیونکہ میں حفاظت کرنے والا، علم رکھنے والا ہوں!

متمدن مصر نے کنعان کے صحرائی کا یہ اعلان سنا اور اس کے آگے سر نیاز خم کر دیا! یہی معنی ہیں اس آیت کے، کہ ﴿ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ (۵۷)

قوانین عمل و نتائج عمل:

(۵) لیکن یہ معاملہ کتنا ہی عجیب معلوم ہوتا ہو اور کیسی ہی عجیب حالتوں میں پیش آیا ہو، قرآن کہتا ہے کہ قوانین الٰہی کے قدرتی نتائج کا ظہور تھا اور حقیقت شناسوں کے لیے اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ یہ سب کچھ ٹھیک اسی طرح ہوا جس طرح آگ کے جلانے سے گرمی نکلے یا پانی پینے سے پیاس بجھ جائے۔ کیونکہ اللہ نے اشیاء کی طرح اعمال کے بھی خواص و نتائج ٹھہرا دیے ہیں اور جب کبھی ایک خاص طرح کا عمل وجود میں آتا ہے ایک خاص طرح کا نتیجہ بھی ضرور ظہور میں آ جاتا ہے۔ یہاں ہر گوشے میں علت کے ساتھ معلول کا دامن باندھ دیا گیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے- بھائیوں نے جو کچھ یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ کیا وہ اس کے سوا کیا تھا کہ ایک خاص طرح کا انسانی عمل تھا، اور جب خاص طرح کا عمل تھا تو خاص طرح کا نتیجہ نکلنا ہی تھا اور نتیجہ نکلا- حضرت یوسف علیہ السلام زندگی کی مختلف آزمائشوں میں جو کچھ کرتے رہے اس کی حقیقت بھی اس کے سوا کیا تھی کہ ایک خاص سیرت کے خاص اعمال تھے، اور جب اعمال تھے تو ضروری تھا کہ جیسے کچھ اعمال ہوں ویسا ہی نتیجہ بھی نکلے اور ویسا ہی نتیجہ نکلتا رہا- اسی طرح سرگزشت کی تمام سیرتوں پر نظر ڈالو- ہر سیرت ایک خاص طرح کے عمل میں لگی ہوئی ہے اور ہر عمل ایک خاص طرح کا نتیجہ تیار کر رہا ہے- سب نے اپنے اپنے بیج بوئے تھے اس لیے سب کو اپنے اپنے پھل ملنے تھے اور سب نے اپنے اپنے پھل پا لیے- پس جہاں تک اعمال و نتائج کا تعلق ہے یہ تاریخ انسانیت کا کوئی مستثنیٰ حادثہ نہ تھا بلکہ سنت الٰہی کی وہی کارفرمائی تھی جو ہمیشہ سے کارفرما ہے اور ہمیشہ کارفرما رہے گی جب کبھی ایسے احوال و ظروف میں ایسے اعمال ظہور پذیر ہوں گے، ضروری ہے کہ اسی طرح کے نتائج بھی ظہور میں آئیں:

﴿ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴾ (۳۳:۶۲)

بلاشبہ حوادث کی نوعیت عجیب تھی اور نتائج بھی عجیب طرح کے نکلے لیکن سنت الٰہی کی کرشمہ سازیوں کا تو ہمیشہ ایسا ہی حال رہتا ہے- وہ اپنی کس بات میں عجیب نہیں؟ وہ تو سرتا سر معجزہ ہے- تم جب چاہو اپنے حسن عمل کی قوت سے ہر طرح کے کرشمے اور اچنبھے پیدا کر دے سکتے ہو لیکن مشکل یہ ہے کہ تم چاہتے ہی نہیں اور اسی لیے قانون عمل کے کرشمے تم پر کھلتے بھی نہیں- دنیا میں یوسف علیہ السلام کی سرگزشت ایک ہی مرتبہ گزری لیکن یوسف علیہ السلام کے حسن عمل کی سرگزشت ایک ہی مرتبہ کے لیے نہ تھی- بلاشبہ مصر کا بازار اب باقی نہیں رہا لیکن دنیا کا بازار کس نے بند کیا ہے؟ آج بھی جس کا جی چاہے شان یوسفیت پیدا کر کے دیکھ لے- دنیا کے تخت عظمت و اجلال اس کا استقبال کرتے ہیں یا نہیں!

ہر کس نہ شناسندہ رازست وگرنہ ایں ہا ہمہ رازست کہ معلوم عوام است!

یہی وجہ ہے کہ سورت میں جا بجا اس حقیقت کی طرف اشارات کیے گئے کہ ارباب دانش کے لیے اس میں عبرتیں ہیں، موعظتیں ہیں، نشانیاں ہیں- سرگزشت کی ابتدا ہی اس اعلان سے ہوتی ہے کہ ﴿ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴾ (۷) پھر خاتمہ بھی اسی پر ہوتا ہے کہ ﴿ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴾ (۱۱۱) نیز جا بجا اہم واقعات کے ظہور کے بعد وضاحت کر دی ہے کہ ﴿ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (۲۲) ﴿ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ (۲۳) ﴿ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (۹۰) یعنی یہ سب کچھ جو ظہور میں آیا، عمل کا نتیجہ ہے، بدلہ ہے، مکافات ہے- اور جب نتیجہ ہے تو ضروری ہے کہ ہمیشہ ظہور میں آئے- جب بدلہ ہے تو ضروری ہے کہ ہمیشہ کام کرنے والوں کو ملے!

حسد و بغض کا نتیجہ وہی ہے جو بھائیوں نے پایا- راست بازی اور نیک عملی کا نتیجہ وہی ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو ملا- صبر جمیل کبھی اس نتیجہ سے محروم نہیں رہ سکتا جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے حصے میں آیا تھا- معصیت کے بیج سے ہمیشہ وہی پھل پیدا ہوگا جو امرأۃ العزیز کو نصیب ہوا تھا- جھوٹ کتنا ہی سوچ سمجھ کر بنایا گیا ہو سچ نہیں ہو جا سکتا- سچ کتنے ہی ناموافق حالات میں اپنے کو پائے لیکن جھوٹ نہیں ہو جا سکتا- علم و فضیلت ہر حال میں ایک حکمراں قوت ہے- سب کو اس کے آگے جھکنا پڑے گا- حسن عمل ہر حال میں ایک فتح مند حقیقت ہے- سب کو اس کا لوہا ماننا پڑے گا!

سرگزشت کی شخصیتیں اور ان کی سیرت:

(د) سرگزشت کی اصلی عبرت اس کی خاص خاص شخصیتیں ہیں اور ضروری ہے انہیں اچھی طرح پہچان لیا جائے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب سے پہلے حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے- اس میں درد وغم کی انتہا ہے مگر ساتھ ہی صبر اور یقین کی روح بھی چھائی ہوئی ہے اور اس طرح چھائی ہوئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے درد وغم کے طوفان اٹھ رہے ہیں' لیکن صبر و یقین سے ٹکرا کر رہ جاتے ہیں، اس پر غالب نہیں آ سکتے - اور یہی صورت حال اس سیرت مقدس کا اسوۂ حسنہ ہے-

حضرت یعقوب علیہ السلام:

قرآن کی معجزانہ بلاغت یہ ہے کہ وہ داستان سرائی نہیں کرتا - ایک دو لفظوں کے اندر سب کچھ کہہ دیا کرتا ہے- پس غور کرو، صورت حال کے یہ تینوں عنصر کس طرح اپنی انتہائی اور کامل صورتوں میں نمایاں ہوئے ہیں؟ درد وغم کی شدت جب نمایاں ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے- آتش فراق کے شعلوں کا دھواں آنکھوں سے بے اختیار بہ رہا ہے اور جسم کا ایک ایک ریشہ اس طرح گھل گیا ہے گویا سرتا پا جاں گدازی و ہلاکت کی تصویر ہے: ﴿ وَ تَوَلّٰی عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰۤاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ وَ ابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیْمٌ ﴾ (۸۴) اور یہ حالت ایک دن کی حالت نہ تھی بلکہ اس مدت فراق کی ہر صبح اور ہر شام اسی عالم میں بسر ہوئی تھی: ﴿ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ یُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِیْنَ ﴾ (۸۵)

یذکرنی طلوع الشمس صخرا!
واذکرہ بکل غروب شمس

لیکن پھر جب یقین کی روشنی چمکتی ہے تو اس کی نمود کا یہ حال ہے کہ دنیا کے سارے سہارے جواب دے چکے ہیں، امید کے سارے رشتے یک قلم ٹوٹ چکے ہیں، ہر طرف سے صدا اٹھ رہی ہے کہ یوسف کی اب کوئی امید نہیں' لیکن ان کے دل کے ایک ایک ریشے کی صدا یہ ہے کہ ﴿ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْۤ اِلَى اللّٰهِ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (۸۶) اور ﴿ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَ اَخِیْهِ وَ لَا تَایْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا یَایْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ﴾ (۸۷) حتی کہ ہر زبان جھٹلا رہی ہے اور ہر نگاہ دیوانہ سمجھ رہی ہے' لیکن ان کی زبان سے بے اختیار نکل رہا ہے): ﴿ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ ﴾ (۹۴) مجھے یوسف کی مہک آ رہی ہے!

تفاوت است میان شنیدن من و تو
تو بستن در و من فتح باب می شنوم!

پھر دیکھو- جب صبر کا مقام نمایاں ہوتا ہے تو اس کی مضبوطی کیسی غیر متزلزل' کیسی اٹل ہے؟ جب یوسف علیہ السلام کے فراق کا داغ لگا تو اس وقت بھی زبان سے یہی نکلا کہ ﴿ ﴿ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴾ (۱۸) اور پھر جب بن یمین کی جدائی کی خبر سنی تو اس وقت بھی اس کے سوا کچھ زبان سے نہ نکلا کہ ﴿ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴾ (۸۳) پھر باد جو یکہ بے خبر نہ تھے- علم و یقین کے ساتھ سمجھ چکے تھے کہ یوسف کے خلاف سازش کی گئی ہے لیکن پوری سرگزشت میں کہیں کوئی اشارہ اس کا نہیں ملتا کہ دو باتوں سے زیادہ اس باب میں کچھ زبان سے نکلا ہو- ایک تو یہ کہ ﴿ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ﴾ اور دوسرا وہ جو اس وقت زبان سے نکل گیا' جب بھائیوں نے بن یمین کو ساتھ لے جانا چاہا- ﴿ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَیْهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنْتُكُمْ عَلٰۤى اَخِیْهِ مِنْ قَبْلُ ﴾ (۶۴) اور ان دونوں جملوں میں بھی نہ تو ملامت کی سختی ہے نہ شکایت کی تیزی- بلکہ صورت حال کی ایسی تعبیر ہے' جس سے زیادہ نرم اور دھیمی تعبیر ہو ہی نہیں سکتی- پہلے جملہ میں صرف اس کا اظہار تھا کہ جو بات کہہ رہے ہو اصلیت اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے خلاف ہے- لیکن خیر، صبر کے سوا چارہ نہیں- دوسرے میں صرف پہلے واقعہ کا نتیجہ یاد دلایا ہے- کسی طرح کا الزام نہیں دیا ہے- یعنی مجھے بھروسہ کرنے کے لیے کہتے ہو لیکن اگر بھروسہ کروں تو کیا اسی طرح کروں جس طرح پہلے کر چکا ہوں اور اس کا جو نتیجہ نکل چکا ہے تمہیں معلوم ہے؟

اتنا ہی نہیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو پہلے جملہ کا اسلوب ایسا واقع ہوا ہے کہ سرزنش سے کہیں زیادہ رحم و تاسف پر مبنی ہے اور مخاطبوں کے لیے ایک طرح کی معذرت کا پہلو پیدا کر رہا ہے- یعنی یہ نہیں فرمایا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو- یا تم نے یوسف کے خلاف سازش کی ہے- بلکہ کہا: تمہارے جی نے تمہارے لیے ایک بات بنا دی ہے اور اسے تمہارے خیال میں خوشنما دکھا دیا ہے- کیونکہ ''تسویل'' کے معنی یہ ہیں کہ کسی بات کا جما دینا' خوشنما بنا کر دکھا دینا اور اس کے لیے طمع و خواہش کا پیدا ہو جانا- پس گویا یہ ایک ہمدرد دل کا تاسف تھا کہ افسوس، تم نفس کے دام میں پھنس گئے اور اس کے دھوکے سے بچ نہ سکے- پھر ساتھ ہی ان کے اس طرز عمل کے لیے معذرت کے پہلو کا بھی اعتراف ہے کہ طمع نفس میں آ کر ایسا کر بیٹھے ہو اور انسان نفس کے ہاتھوں بے بس ہو جاتا ہے!

ایک ایسے صدمہ جانکاہ میں جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ناگہاں پہنچا تھا، اور کسی طرح کی بات کا زبان پر نہ آنا، صرف اسی جملہ کا نکلنا صبر کا کیسا عظیم الشان مظاہرہ ہے؟ یہ ممکن ہے کہ صدمہ کے فوری تاثر کے بعد ایک ضابط اور متحمل آدمی اپنے دل و زبان کی نگرانی کر لے لیکن عین اس وقت جب صدمہ کی پہلی چوٹ لگ رہی ہو اور دل کی بے تابیاں بے اختیار زبان کی طرف اٹھنے لگی ہوں، ممکن نہیں کہ دل و زبان کی نگہداشت کی جا سکے- ضابط سے ضابط دل بھی اس عالم میں چیخ اٹھتا ہے- مضبوط سے مضبوط طبیعتیں بھی بے اختیار متزلزل ہو جاتی ہیں- لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کا مقام صبر ایسا نہ تھا جو کسی حال میں بھی متزلزل ہو سکے- اس عالم میں بھی زبان کھلتی ہے تو ایسا سنبھلا ہوا جملہ نکلتا ہے گویا بے حالی و جانکاہی کا کوئی معاملہ پیش ہی نہیں آیا ہے!

یہی وہ صبر ہے جسے ''صبر جمیل'' فرمایا-

بظاہر خیال ہوتا ہے کہ یہ تینوں باتیں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتیں- اگر صبر کامل ہے تو پھر درد و غم کی شدتیں کیوں ہوں؟ اور اگر یقین موجود تھا تو درد و غم کو محو ہو جانا چاہیے تھا- یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین نے اس مقام میں مشکلات محسوس کیں اور طرح طرح کی توجیہوں کی جستجو میں نکلے- لیکن اگر دقت نظر سے کام لیا جائے تو معاملہ بالکل واضح ہے اور کسی ایسی توجیہ کی ضرورت نہیں جو بہ تکلف پیدا کی جائے- یہ ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مقام، صبر کا مقام تھا اور صبر جب ہی صبر ہو سکتا ہے جب بے صبری کے اسباب موجود ہوں اور زیادہ سے زیادہ موجود ہوں- اگر درد و غم کی ٹیس نہیں اٹھ رہی ہے تو تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ جھیلنے اور اف نہ کرنے کی حالت موجود ہے؟ جھیلنا تو اسی کا جھیلنا ہو گا جو برابر آگ کی جلن محسوس کر رہا ہو، لیکن پھر بھی زبان سے اف نہ نکالے- اگر حضرت یعقوب علیہ السلام کا درد و غم اس طرح محو ہو جاتا کہ اس کی جلن باقی ہی نہ رہتی یا رہتی تو بہت دبی دبائی رہتی تو یہ مقام صبر کا مقام نہ ہوتا- موجبات غم سے متاثر نہ ہونے کا مقام ہوتا- اور ایسی حالت یا تو فرشتوں کی سی مخلوق کی ہو سکتی ہے، یا ایسے انسان کی جس کے احساسات معطل ہو چکے ہیں- لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام انسان تھے، فرشتہ نہ تھے اور اسی حیثیت سے قرآن نے ان کا اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے- ان کی روح صبر و یقین سے معمور تھی- وہ یوسف (علیہ السلام) کے خواب میں اس کا مستقبل دیکھ چکے تھے- وہ جانتے تھے کہ کسی نہ کسی دن یہ جدائی ختم ہونے والی ہے- تاہم دل کے ہاتھوں مجبور تھے- جس کی جدائی ایک گھڑی کے لیے شاق تھی وہ برسوں کے لیے ان سے جدا ہو گیا تھا- یہ جاننے پر بھی کہ وہ زندہ و سلامت موجود ہے، اس کے فراق کا زخم بھر نہیں سکتا تھا- بلکہ اس بات کے تصور نے کہ وہ زندہ موجود ہے مگر مجھ سے دور ہے، درد فراق کی چبھن اور زیادہ کر دی تھی:

بلائے ہجر دارد انتظارِ پیر کنعانی کسے داند کہ چوں یوسف عزیزے در سفر دارد!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فی الحقیقت اس صورت حال کی ساری عظمت اسی میں ہے کہ یہ ایک ماورائے انسانیت سیرت نمودار نہیں کرتی بلکہ ایسی حالتوں میں ایک کامل صابر و مومن کی زندگی کی جو تصویر ہو سکتی ہے وہ سامنے آ گئی ہے- دل آتش فراق میں پھنکا جا رہا ہے اور ہزار کوشش کی جائے لیکن یہ آگ اس طرح بجھنے والی نہیں- لیکن ساتھ ہی روح ایمان و یقین سے معمور ہے اور دماغ صبر جمیل کا عزم کر چکا ہے- پس غم کو دیکھا جائے تو وہ اپنی جگہ ہے- صبر و یقین کو دیکھا جائے تو وہ اپنی جگہ ہے- اگر دل اپنی بے قراریوں میں کبھی کمی نہیں کرتا تو دماغ بھی اپنے شیوہ صبر و رضا میں کبھی متزلزل نہیں ہو سکتا- کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دل کی بے تابیاں حد سے گزر جاتی ہیں اور "یاأسفی علی یوسف" بے اختیار زبان سے نکل جاتا ہے- لیکن یہ بھی نکلتا ہے تو کس کے آگے نکلتا ہے؟ اس کے آگے جس کے آگے اپنا درد و غم پیش نہ کیجیے تو یہ بھی شان عبودیت کے خلاف ہے! ﴿ اِنَّمَآ اَشۡكُوۡا بَثِّىۡ وَ حُزۡنِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ وَ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴾ (۸۶)

مکن تعافل ازیں بیشتر کہ ی ترسم
گماں برند کہ ایں بندہ بے خداوندست!

یوسف علیہ السلام:

پھر حضرت یعقوب کے بعد حضرت یوسف () کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے اور یہی سرگزشت کی اصلی شخصیت ہے- یہاں پہنچتے ہی ایک خاص حقیقت کی جلوہ نمائی شروع ہو جاتی ہے اور جس جس رخ سے دیکھیے اور جہاں کہیں دیکھیے، اسی کی نمود سامنے آتی رہتی ہے- یعنی انسان کی سیرت (کیریکٹر) کی فضیلت اور اس فضیلت کی اٹل کامرانیاں- ان کی سیرت کا مطالعہ ہمیں بتلاتا ہے کہ انسانی زندگی کی سب سے بڑی قوت اس کی سیرت کی فضیلت ہے اور اگر یہ فضیلت موجود ہو تو پھر اس کے لیے فتح و کامرانی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا- دنیا کی ساری رکاوٹیں اس کی راہ روک لیں جب بھی وہ اپنی راہ نکال لے گا- دنیا کے سارے سمندر اور پہاڑ اس کی راہ میں حائل ہو جائیں جب بھی اس کی رفتار نہیں رکے گی- حوادث و وقائع اس پر قابو نہیں پا سکتے- احوال و ظروف اس پر غالب نہیں آ سکتے- افراد و جماعات کی کوششیں اسے مسخر نہیں کر سکتیں- اس کے لیے ہر حال میں کامرانی ہے- اس کے لیے ہر گوشہ میں فتح مندی ہے- اس کے لیے ہر طاقت پر فرماں روائی ہے- وہ اعمال و نتائج کی اس امتحان گاہ میں صرف اسی لیے ہے کہ سربلند ہو- عجز و درماندگی کی آلودگی کبھی اسے چھو نہیں سکتی!

سترہ برس کا ایک کم سن لڑکا باپ کی آغوش محبت سے جبراً چھین لیا جاتا ہے اور اچانک اپنے آپ کو کن لوگوں میں پاتا ہے؟ ان میں جو چند سکوں کے بدلے اسے غلام بنا کر بیچ رہے ہیں- دنیا کی ایک لاکھ انسانی طبیعتیں ایسی حالت میں کیا کرتیں؟ مگر غور کرو- اس نے کیا کیا؟ اچانک ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک تجربہ کار دانشمند کی طرح اس نے صورت حال کا پورا جائزہ لے لیا ہو اور پھر فیصلہ کر لیا ہو کہ جو حالت بھی پیش آ جائے اسے صبر و سکون کے ساتھ جھیل لینا چاہیے اور اسی کے مطابق کام کیے جانا چاہیے- قافلہ والوں نے انہیں غلام کی حیثیت میں پیش کیا- وہ ایک غلام کی طرح پیش ہو گئے- عزیز مصر نے غلام کی طرح خرید لیا- انہوں نے غلام کی طرح خدمت شروع کر دی اور اس کے ساتھ اسی طرح پیش آئے جس طرح ایک طاعت شعار اور وفادار غلام کو اپنے آقا کے ساتھ پیش آنا چاہیے- کہیں سے بھی کوئی ایسی بات مترشح نہیں ہوتی کہ ایسا کرنے میں انہیں کوئی تامل ہوا ہو- گویا یہ ناگہانی مصیبت جو ہزاروں لاکھوں انسانوں کے لیے پوری زندگی کی سوگواری بن جاتی ان کے لیے کوئی مصیبت ہی نہ تھی- باپ کے آغوش محبت سے نکل کر اچانک ایک اجنبی ملک میں ایک اجنبی کا غلام بن جانا ان کے لیے ایسی ہی بات ہوئی جیسے اپنی مرضی سے زندگی کا ایک عیش چھوڑ کر دوسرا عیش اختیار کر لینا- نہ پچھلی حالت کا ماتم ہے- نہ موجودہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالت سے جھجک - نہ گذشتہ کی یاد میں سوگواری ہوئی - نہ آیندہ کے اندیشہ میں بدحالی - اس عازم اور بے پرواملاح کی طرح جسے نہ تو کنارہ چھوٹنے کا غم ستاتا ہے نہ آنے والے طوفان کا اندیشہ - اس نے اپنی کشتی چلانی شروع کر دی اور دیکھو بالآخر ساحل مقصود تک پہنچ کر رہی - حوادث وانقلاب کے ترکش میں اس سے بڑھ کر اور کون سا تیر ہوسکتا ہے جو اس پر چلایا گیا تھا؟ لیکن اس کے صبر وعزم نے اسے پرکاہ کے برابر بھی نہ سمجھا اور اس طرح بے داغ نکل گیا گویا گردش حوادث کا ہاتھ اس کے خلاف اٹھا ہی نہ تھا:

چیں بر جبیں ز جنبش ہر خس نمی رسد

دریا دلاں چو موج گہرا آرمیدہ اند!

غور کرو - ہر اس انسان کے لیے جو دنیا کی مصیبتوں اور ناموافقتوں میں اپنی راہ نکالنی چاہتا ہو اس معاملہ میں کیسی عظیم الشان عبرت ہے؟ اگر حضرت یوسف علیہ السلام نے مصائب ومحن کی پہلی ہی منزل میں صبر، عزم، اعتماد نفس اور توکل علی اللہ کی یہ روح عظیم اپنے اندر نہ پیدا کر لی ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ اس منزل مقصود تک پہنچ سکتے جو بالآخران کی منزل مقصود ثابت ہوئی؟

پھر دیکھو - زمانہ کی گردشیں کس طرح آزمائشوں پر آزمائشیں پیدا کرتی رہیں اور ان کی غیر متزلزل اور بے داغ سیرت کس طرح فتح مندیاں حاصل کرتی گئی؟

سب سے پہلے عزیز مصر کے ساتھ ان کا معاملہ سامنے آتا ہے - اس نے بحیثیت غلام کے انہیں خریدا تھا، اور مصر کے آثار ونقوش ہمیں بتلا رہے ہیں کہ مصریوں کا سلوک غلاموں کے ساتھ کیسا ہوا کرتا تھا - وہ غلاموں کے لیے اتنے ہی سنگدل تھے جتنی سنگ دل دنیا کی تمام پرانی قومیں رہ چکی ہیں - تاہم انہوں نے تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اپنے حسن سیرت سے اس کا دل ایسا مسخر کر لیا کہ غلامی کی جگہ آقائی کرنے لگے اور اس نے اپنی بیوی سے کہا ﴿ اکرمی مثواہ عسی ان ینفعنا او نتخذہ ولدا ﴾ (۲۱)

غور کرو - یہ انقلاب حال کیونکر پیدا ہوا ہوگا؟ وہ کیسی وفاداری ودیانت اور راست بازی وامانت شعاری ہوگی جس نے ایک مصری امیر کو اس درجہ متاثر کر دیا کہ ایک عبرانی غلام کو اپنے فرزند کی طرح چاہنے لگا اور اپنے تمام گھربار اور علاقہ کا مختار کل بنا دیا؟

پھر امرأۃ العزیز کا معاملہ رونما ہوتا ہے - پچھلی آزمائش ذہن ودماغ کی آزمائش تھی - یہ جذبات کی تھی اور انسان کے لیے سب سے بڑی آزمائش جذبات ہی کی آزمائش ہوتی ہے - وہ سمندر کی موجوں سے ہراساں نہیں ہوتا، پہاڑ کی چٹانوں سے نہیں گھبراتا، آسمان کی بجلیوں سے نہیں لرزتا، درندوں کے مقابلہ سے منہ نہیں موڑتا، تلواروں کے سایے میں کھیلنے لگتا ہے، لیکن نفس کی ایک چھوٹی سی ترغیب اور جذبات کی ایک ادنیٰ سی کشش کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت کی چٹان یہاں بھی متزلزل نہ ہوسکی - ان کی بے داغ فضیلت پر نفس انسانی کا سب سے بڑا فتنہ بھی دھبہ نہ لگا سکا -

قرآن کی معجزانہ بلاغت نے چند لفظوں کے اندر صورت حال کی پوری تصویر کھینچ دی ہے اور اگر ان اشاروں کو تشریح وبیان کا پورا جامہ پہنایا جائے تو کئی صفحوں کی داستان بن جائے - تم چشم تصور سے کام لو اور دیکھو تر غیبات کی قہر وسلطانی کا کیا حال تھا اور عیش نفس کی یہ دعوت کیسے شکیب آزما سامانوں اور صبر ربا حالتوں کے ساتھ پیش آئی تھی؟ عمر عین عروج شباب کی عمر اور معاملہ محبت کا نہیں محبوبیت کا، طلب کا نہیں مطلوبیت کا - پھر طلب بھی ہوئی تو کیسی طلب؟ دیوانگی کی طلب اور دل باختگی کا تعاقب - پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ موانع بہ کلی مرتفع ہو گئے - کوئی انسانی آنکھ دیکھنے والی نہیں - کوئی پردۂ حجاب حائل ہونے والا نہیں - کون ہے جو ایسی حالت میں بھی اپنے آپ کو قابو میں رکھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکتا ہے؟ عفت و پاکی کا کون سا پہاڑ ہے جو ان بجلیوں کی تاب لا سکتا ہے؟ لیکن ایک پہاڑ تھا جسے یہ بجلیاں بھی جنبش میں نہ لا سکیں- یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت تھی جو کسی حال میں بھی متزلزل نہیں ہو سکتی تھی- خود امرأۃ العزیز کے لفظوں میں (اور اس سے بڑھ کر اس معاملہ کا کون شاہد ہو سکتا ہے) ﴿ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ﴾ (۳۲) وہ اس حال میں بھی اپنی جگہ سے بے جگہ نہ ہوا- اس کو وہ عصمت کے لیے ذرا سی بھی جنبش نہ تھی!

پھر دیکھو- امرأۃ العزیز کی دعوت عیش کے جواب میں جو کچھ ان کی زبان سے نکلا وہ کیا تھا؟ ﴿ معاذ الله انه ربی احسن مثوای ﴾ (۲۳) تیرا شوہر میرا آقا ہے- اس نے مجھ پر اعتماد کیا- عزت و احترام کے ساتھ رکھا- پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے حسن سلوک کا بدلہ میں یہ دوں کہ اس کی امانت میں خیانت کرنے لگوں؟ غور کرو- یہ برائی ایسی برائی تھی کہ اسے برائی دکھلانے کے لیے کتنی ہی باتیں کہی جا سکتی تھیں- لیکن ان کا ذہن اسی بات کی طرف گیا اور اسی کو قرآن نے نمایاں کر کے دکھایا- اس سے معلوم ہوا کہ ان کی سیرت کا اصلی جوہر یہیں ڈھونڈنا چاہیے- امانت داری، راست بازی اور ادائے فرض کی روح اس طرح ان پر چھائی ہوئی تھی کہ ہر موقع پر سب سے پہلے وہی سامنے آتی تھی-

پھر اس کے بعد لائمات کا معاملہ پیش آتا ہے- اب صرف ایک امرأۃ العزیز ہی کا فتنہ نہ تھا- دارالحکومت مصر کے تمام فتنہ گرانِ حسن جمع ہو گئے تھے کہ ان کی متاع ضبط و تحمل کی غارتگریوں میں حصہ لیں:

وائے بر صید کہ یک باشد وصیادے چند!

مگر یہاں بھی کیا نتیجہ نکلا؟ ﴿ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴾ (۳۱)

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو، آئے، کرے شکار مجھے!

پھر دیکھو- راست بازی و حق پرستی کی آزمائش نے اچانک کیسی صورت اختیار کر لی؟ دنیا میں انسانوں کو سزائیں اس لیے بھگتنی پڑتی ہیں کہ جرم و معصیت سے اپنے کو نہیں روک سکتے لیکن اب حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے قید کی سزا اس لیے لائی جا رہی ہے کہ جرم و معصیت سے کیوں اپنے آپ کو روک رہے ہیں! لوگوں کو قید و بند کی معصیت اس لیے برداشت کرنی پڑتی ہے کہ عیش حیات ڈھونڈتے ہیں اور جب نہیں ملتا تو جبراً لینا چاہتے ہیں- لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کو اس لیے قید خانے کی دھمکی دی جا رہی ہے کہ عیش حیات نے اپنی ساری دلفریبیوں اور رعنائیوں کے ساتھ انہیں دعوت دی اور انہوں نے اس سے منہ موڑ لیا!

یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت کا سب سے زیادہ عظیم مظاہرہ ہے- یہ عشق حق کا نمونہ ہے- یہ پرستاری صدق کا دستور العمل ہے- یہ ایمان کامل کا معیار ہے- جب ان کے سامنے دو باتیں پیش کی گئیں: زندگی کا عیش مگر معصیت حق کی راہ میں- زندگی کے شدائد مگر راست بازی کی راہ میں، تو ان کا فیصلہ قطعی اور بغیر کسی تامل کے یہ تھا کہ ﴿ اَلسِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ﴾ (۳۳) قید خانہ مجھے محبوب ہے مگر وہ بات نہیں جس کی مجھے دعوت دی جا رہی ہے!

ہمارے مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بدشگونی تھی کہ خود قید خانہ کی بات بول اٹھے- اگر جلدی میں آ کر ایسا نہ کہہ دیتے تو یہ ابتلا پیش نہ آتی- افسوس کس درجہ حقیقت فراموشی ہے! حضرت یوسف علیہ السلام کی جو بات ان کی پاکی و عظمت کا سب سے بڑا جوہر تھی وہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان حقیقت نا آشناؤں کی نظر میں ان کی لغزش ہوگئی- گویا حضرت یوسف علیہ السلام کا قید خانہ کو معصیت پر ترجیح دینا' اور اسے خوشی خوشی اختیار کر لینا کوئی ایسی بات تھی جو نہ ہونی چاہیے تھی اور صرف اس لیے ہوگئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بدشگونی کی بات کہہ دی تھی! غور کرو- قرآن کہاں ہے اور اس کے شارح کہاں پہنچ گئے ہیں!

نزلوا بمكة فی قبائل هاشم
و نزلت بالبيداء ابعد منزل!

پھر دیکھو- حضرت یوسف علیہ السلام کی یہی سیرت ہے جو قید خانہ کی تنگ و تاریک کوٹھری کو بھی اسی طرح روشن کر دیتی ہے جس طرح عزیز مصر کے ایوان عزت و اقبال کو اس نے روشن کر دیا تھا کیونکہ چراغ جہاں کہیں بھی رکھ دیا جائے روشنی ہی دے گا اور ہیرے کی چمک اس سے کم نہیں ہو جائے گی کہ جواہر خانہ شاہی میں رہنے کی جگہ کوڑے کرکٹ میں ڈال دیا گیا- تورات کی تصریح پڑھ چکے ہو کہ قید خانہ کا افسران کا معتقد ہو گیا تھا اور قید خانہ میں انہی کی افسری قائم ہوگئی تھی-

پھر دیکھو- عین قید خانہ کی زندگی میں دعوت حق کا داعیہ ان کے قلب مبارک میں اٹھتا ہے- اس وقت تک انہوں نے مصر میں دین حق کی تبلیغ نہیں کی تھی اگرچہ خود اسی پر قائم تھے- لیکن اب وقت آ گیا تھا کہ خاندانی نبوت کا ان میں ظہور ہو- چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اب یکا یک اپنے قلب کو ولولہ تبلیغ سے معمور پایا- لیکن یہاں کون تھا جو اس تبلیغ کا مخاطب ہوتا؟ صرف قید خانہ کے چند ساتھی تھے جو طرح طرح کے جرموں کی پاداش میں یہاں پہنچا دیے گئے تھے- مگر غور کرو انہوں نے رہائی کا انتظار نہیں کیا- انہی قیدیوں میں تبلیغ حق شروع کر دی اور اب مصر کا قید خانہ دعوت حق کی تعلیم و تربیت کی ایک درس گاہ بن گیا!

پھر دیکھو- تبلیغ حق کے جوش و طلب کا کیا حال ہے؟ دو نئے قیدی آتے ہیں جو بادشاہ کے خاص پیش خدمتوں میں سے تھے اور اپنا اپنا خواب بیان کرتے ہیں- خواب سن کر حضرت یوسف علیہ السلام معلوم کر لیتے ہیں کہ ایک کی رہائی قریب ہے- دوسرے کی موت قریب ہے- پس چاہتے ہیں کہ فرصت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں اور تعلیم حق سے انہیں آشنا کر دیں- ممکن ہے کہ جو رہا ہونے والا ہے وہ حق کا بیج اپنے ساتھ لے جائے اور دربار شاہی میں تخم ریزی کر سکے- جس کی موت قریب ہے- ممکن ہے کہ سچائی قبول کر لے اور دنیا سے جائے تو راہ حق پر جائے- چنانچہ ہم دیکھتے ہیں انہوں نے خواب سنتے ہی اس کی تعبیر نہیں بتلا دی بلکہ ان کی توجہ ورجوع سے فائدہ اٹھا کر ایک دوسرا ہی بیان شروع کر دیا:

﴿ انی ترکت ملة قوم لا یومنون بالله و هم بالاخرة هم کافرون ﴾ (۳۷)

ان کی سیرت کے اس مقام سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ دعوت حق کا فریضہ کیونکر ادا کرنا چاہیے اور داعی حق کے جوش و طلب دعوت کا کیا حال ہوتا ہے؟ قید خانے کی زندگی بھی ادائے فرض دعوت سے مانع نہ ہوئی- اس حالت میں بھی فکر اس کی نہ تھی کہ میں کیونکر قید سے رہائی پاؤں- بلکہ تمام تر اس کی تھی کہ خدا کے بندے جہل و گمراہی سے کیونکر نجات پائیں؟ مہلت جب کبھی ملی اور جس حال میں ملی معاً اسی مقصد کے لیے کام میں لائی گئی اور جس طرح اس آدمی کی ہدایت میں جلدی کی جو بھی مدتوں زندہ رہنے والا تھا اسی طرح اس کی ہدایت کے لیے بھی صبر نہ کر سکے جس کے سر پر اجل کی تلوار لٹک رہی تھی- کیونکہ ہدایت پانا ہر انسان کا قدرتی حق ہے اور زندہ رہنے والا ہو یا مر رہا ہو اسے اس کا حق فوراً ملنا چاہیے!

پھر دیکھو- معاملہ صرف اتنے ہی پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ حتی الوسع کوشش کرتے ہیں کہ جہاں تک پہنچا سکتے ہیں پہنچا دیں- جونہی یہ بات معلوم ہوئی کہ ان میں ایک آدمی بادشاہ کے ساتھیوں کا سردار ہے اور پھر اسی منصب پر مامور ہونے والا ہے- معاً ان کا ذہن اس طرف چلا گیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ایسے آدمی کو جو خلوت وجلوت میں بادشاہ کے حضور رہنے والا ہے کتنا اچھا موقع حاصل ہوگا کہ پیام حق پادشاہ کے کانوں تک پہنچا دے؟ چنانچہ تعبیر بیان کرنے کے بعد اس سے فرمایا: ﴿ اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ﴾ (۴۲) اپنے آقا کے پاس جائیو تو مجھے یاد رکھیو۔ یعنی میری یہ تعلیم ودعوت یاد رکھیو اور اپنے آقا سے بعنوان مناسب اس کا تذکرہ کر دیجیو۔ ممکن ہے کہ پیام حق کام کر جائے۔

عام طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قول کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی رہائی کے لیے کہا تھا۔ یعنی اپنے آقا سے میری سفارش کیجیو۔ لیکن جس محل میں یہ بات کہی گئی ہے اس سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ قیدیوں سے جو کچھ بھی ان کی گفتگو ہوتی ہے، یا تو تعبیر کے بارے میں ہے یا دین حق کے بارے میں ہے۔ اس کا کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا کہ انہوں نے اپنے قید ومحن کے مصائب کا کوئی ذکر کیا ہو۔ پس اس بات کا وہی مطلب موزوں معلوم ہوتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔

یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ قیدیوں کا خواب سن کر آپ نے تعبیر فوراً کیوں بیان نہیں کر دی تھی۔ مفسرین کہتے ہیں تاخیر اس لیے کی کہ وحی کا انتظار تھا۔ لیکن اگر آپ انتظار کی حالت میں ہوتے تو اس وثوق کے ساتھ کیونکر وعدہ کر لیتے کہ ﴿ لَا يَأْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ ﴾ (۳۷) اور فیضان وحی سے تو آپ کا قلب معمور ہو رہا تھا۔ تعبیر کے لیے انتظار کرنے کی کیوں ضرورت پیش آتی؟ صاف بات یہی ہے کہ تاخیر قصداً کی تھی اور اس خیال سے کی تھی کہ تعبیر کی احتیاج نے ان دونوں کو میری طرف متوجہ کر دیا ہے۔ چاہیے کہ اس توجہ سے فوراً فائدہ اٹھایا جائے اور دین حق کی دعوت چھیڑ دی جائے۔ چنانچہ اس کا ذکر اس مناسبت سے شروع کر دیا کہ: ﴿ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴾ (۳۷) یعنی خواب کی تعبیر میں بہت جلد بتلا دوں گا۔ کیونکہ میرے پروردگار نے مجھے اس کا علم دیا ہے۔ لیکن میرے علم کو اس طرح کا علم نہ سمجھنا جس طرح اپنے کاہنوں اور جادوگروں کا سمجھا کرتے ہو۔ میری راہ دوسری ہے۔ میں تمہارے طریقہ پر کاربند نہیں۔ پھر اس طرح بات میں سے بات نکالتے ہوئے دین حق کی دعوت شروع کر دی کہ ﴿ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾ (۳۹)

پھر دیکھو۔ اس سیرت کی فضیلت کا کیسا عجیب منظر سامنے آ جاتا ہے جب بادشاہ مصر خواب دیکھتا ہے اور سردار ساقی آ کر یہ معاملہ انہیں سناتا ہے۔ دنیا کا ہر انسان ایسے موقع پر کیا کرتا؟ دنیا کا ہر وہ قیدی کیا کرتا جسے بغیر کسی جرم وگناہ کے قید خانے میں ڈال دیا گیا ہو اور سالہا سال سے اس حالت میں بے یار ومددگار پڑا ہو؟ یقیناً اسے تائید غیبی سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا اور کہتا۔ میں یہ مشکل حل کر سکتا ہوں۔ مجھے یہاں سے نکلنے اور بادشاہ کے حضور حاضر ہونے کا موقع دیا جائے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی جانب سے کوئی اس طرح کی خواہش ظاہر نہیں ہوئی۔ انہوں نے خواب سنتے ہی اس کی تعبیر بیان کر دی۔ اس کا خیال بھی انہیں نہیں گزرا کہ اپنی مطلب براری کی یہ نہایت قیمتی بات تھوڑی دیر کے لیے بھی روک لوں۔ پھر صاف اتنا ہی نہیں کیا کہ جتنی بات پوچھی گئی تھی بتلا دی بلکہ اس سے بھی زیادہ علم وفضل کی بخشش سائل کے دامن میں ڈال دی۔ یعنی خواب میں ایک آنے والی ہولناکی کی خبر دی گئی تھی۔ انہوں نے تعبیر کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ اس ہولناک مصیبت سے بچنے کی سبیل کیا ہو سکتی ہے۔ سوال بادشاہ کی طرف سے تھا۔ لیکن دیکھو جس نے جواب دیا وہ قید خانہ کی کوٹھری میں بیٹھا ہوا اپنے علم وفضیلت کی بخشش میں بادشاہوں سے بھی زیادہ فیاض تھا:

عدیل ہمت ساقی ست فطرت عرفی
کہ حاتم دگران و گدائے خویشتن ست!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت یوسف علیہ السلام نے ایسا کیوں کیا؟ اس لیے کہ دنیا نے ان کے ساتھ کچھ ہی کیا ہو وہ دنیا کی خدمت و ہدایت کے سوا اور کوئی شے اپنے سامنے نہیں رکھ سکتے تھے- جب انہوں نے خواب سنا اور خواب کا حل ان کے علم و بصیرت نے معلوم کر لیا تھا تو وہ ایک لمحہ کے لیے بھی علم و ہدایت کا فیضان انسانوں پر نہیں روک سکتے تھے- ان کا فرض تھا کہ جب کبھی طلب اعانت کا ہاتھ ان کے آگے بڑھے وہ اس کی دستگیری کریں- اور انہوں نے دستگیری کی- اگر نہ کرتے تو داعی حق نہ ہوتے- ان کا بے لوث جذبہ خدمت اس خود غرضانہ مطلب براری کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک انسان کی مشکل اور احتیاج کو اپنی رہائی کا ذریعہ بنائیں-

پھر جب بادشاہ ملاقات کا مشتاق ہوا اور اپنا پیام بر بھیجا تو چاہیے تھا کہ جوش مسرت سے اس پیام کا استقبال کرتے کیونکہ اب خود بخود رہائی سامنے آ گئی تھی اور ایسی حالت میں آئی تھی کہ بادشاہ وقت مشتاق زیارت ہو رہا تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نگاہوں میں معاملہ نے دوسری ہی شکل اختیار کی- انہوں نے قید خانہ چھوڑنے اور بادشاہ کی ملاقات سے انکار کر دیا اور کہلایا کہ پہلے میرے معاملہ کی تحقیقات کر لی جائے-

اب یہاں پھر بے اختیار یہی سوال سامنے آ جاتا ہے کہ دنیا کا ہر مظلوم قیدی ایسی حالت میں کیا کرتا اور اس پیکر صدق و صفا نے کیا کیا؟ غور کرو- ان کی سیرت کیسے جوہروں سے گوندھی گئی تھی اور کس طرح صبر و ضبط کی عدیم النظیر قوتوں کے ساتھ خودداری اور عزت نفس کی روح اس کے ایک ایک ذرہ میں رچی ہوئی تھی؟ حضرت یوسف علیہ السلام کے اس انکار و انتظار میں ان کی اخلاقی ذہنیت کی ایک پوری دنیا پوشیدہ ہے- گویا وہ زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ قید سے رہائی بلاشبہ ایک خوشخبری ہے لیکن ایسی رہائی مجھے کیا خوش کر سکتی ہے جو میری بے جرمی کی وجہ سے ظہور میں نہ آ رہی ہو بلکہ محض بادشاہ کا ایک عطیہ اور بخشش ہو؟ میں تھا تو مجرم، لیکن چونکہ بادشاہ نے خواب دیکھا، کسی سے تعبیر بن نہ آئی، میں نے بتلا دی، اس لیے خوش ہو کر بادشاہ نے رہا کر دیا- پس یہ بادشاہ کا احسان ہوا- حق و انصاف کا فیصلہ نہ ہوا- نہیں میں اپنی رہائی بطور ایک احسان کے قبول نہیں کر سکتا- اگر میں مجرم ہوں تو سزا کا سزاوار ہوں- کیوں مجھے کوئی بخشے؟ اگر مجرم نہیں ہوں تو میری بے جرمی کا اعتراف کرنا چاہیے اور اس لیے رہا کرنا چاہیے کہ سزا کا مستحق نہ تھا- اس لیے نہیں کہ کسی نے بخش دیا-

عزت نفس اور استقامت حق کا کیسا بلند مقام ہے؟ اور اخلاقی سیرت کی کیسی عجیب مضبوطی ہے- جس میں کہیں سے بھی کوئی لچک پڑتی دکھائی نہیں دیتی؟ جس رخ سے دیکھو اور جہاں کہیں دیکھو اس کی بے داغ خصوصیتیں یکساں طور پر نمایاں ہیں اور اس سورج کی روشنی کبھی مدھم نہیں پڑ سکتی!

کانه علم؛ فی راسه نار!

فی الحقیقت جمال یوسف کی یہی رعنائیاں تھیں جنہوں نے ایک ہی نظارہ میں بادشاہ کا دل مسخر کر لیا تھا ﴿ انك اليوم لدينا مكين امين! ﴾ (۵۴)

پھر سب سے آخر میں اس موقع کا مطالعہ کرو جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں- کون بھائی؟ جنہوں نے قتل کا سامان کیا اور پھر غلام بنا کر اجنبیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا- کس کے سامنے؟ اسی مظلوم کے سامنے جو آج مظلوم نہیں ہے بلکہ وقت کی سب سے بڑی مملکت کا مالک اور قحط سالی کی سب سے بڑی مصیبت میں سامان زندگی کا بخشنے والا ہے- کیسا عجیب موقع تھا اور نفس انسانی کے لیے ولولہ انتقام کی کیسی صبر آزما آزمائش؟ تاہم غور کرو- اول سے لے کر آخر تک حضرت یوسف علیہ السلام کا طرز عمل کیسا رہتا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے؟ کہیں بھی کوئی بات ایسی دکھائی دیتی ہے کہ کہہ سکو، بغض وانتقام کے جذبہ کی کوئی ہلکی سی بھی پرچھائیں پڑ رہی ہے؟ اتنا ہی نہیں بلکہ وہ تو ان کے لیے سرتاپا شفقت ورحمت ہو گئے تھے- انتقام وسرزنش کا کیا ذکر ہے- ان کی زبان سے تو ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکلا جس سے بھائیوں کے دلوں کو ذرا سی بھی ٹھیس لگتی- صاف نظر آ رہا ہے کہ ان کی شرمندگی وپشیمانی کا زخم ان سے کہیں زیادہ خود ان کے دل پر لگ رہا ہے اور اب فکر ہے تو اس بات کی کہ کس طرح ان کے دلوں کے لیے تسکین خاطر کے سامان پیدا کر دیں!

جب تیسری مرتبہ بھائی آئے اور اپنی مصیبتوں کی داستان سنائی: ﴿ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّر ﴾ اور پھر دست سوال بڑھایا کہ ﴿ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴾ (۸۸) تو جوش محبت سے بے قرار ہو گئے- اس وقت ان کے سامنے اور کوئی بات نہ تھی- صرف یہ تھی کہ میرے بھائی فقر وفاقہ میں مبتلا ہیں- میں مسند عزت پر بیٹھا ہوں اور وہ دریوزہ گروں کی طرح دست سوال دراز کیے ہوئے ہیں- بے اختیار ان کا جی چاہا کہ اپنے آپ کو ظاہر کر دیں- ﴿ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ ﴾ تمہیں وہ بات بھی یاد ہے جو یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کی تھی؟ کہنے کو تو یہ کہہ گئے اور یہ کہے بغیر چارہ بھی نہ تھا، کیونکہ یاد دلانا تھا کہ میں مصر کیونکر پہنچا، لیکن معاً خیال ہوا کہ اس معاملہ کی یاد میں ان کے لیے سرتاسر سرزنش وخجالت ہے- اس لیے فوراً ایک ایسی بات بھی کہہ دی کہ ان کے لیے ایک معذرت کا پہلو نکل آئے اور شرمندگی کا بوجھ محسوس نہ کریں: ﴿ اِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُوْنَ ﴾ (۸۹) یہ اس وقت کی بات ہے جب تمہاری نادانیوں کا زمانہ تھا- یعنی اس معاملہ پر شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں- کیونکہ نادانیوں کے زمانے کی ایک بات ہے اور دنیا میں کون ہے جس پر کوئی نہ کوئی زمانہ نادانیوں کا نہ گزرا ہو؟

یہ سنتے ہی جب انہوں نے پہچان لیا اور عجز وندامت کا سر جھکا کر بولے- ﴿ تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴾ (۹۱) تو بلا تامل جواب ملا: ﴿ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ (۹۲) نہیں آج کا دن بچھڑے ہوؤں کے ملنے اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کے جڑنے کا دن ہے- ملامت والزام کی باتوں کا یہاں گزر نہیں- میرا دل تو ہر طرح کی رنجشوں سے صاف ہے- باقی رہا خدا کا معاملہ تو اس کے لیے بھی میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں- وہ تمہارے سارے قصور بخش دے- اور وہ ضرور بخش دے گا کیونکہ اس سے بڑھ کر رحم کرنے والا اور کون ہے!

پھر آگے چل کر جب وقت آیا کہ اللہ کے فضل وکرم کا شکر ادا کرتے ہوئے گزرے ہوئے واقعات کی طرف اشارہ کریں تو دیکھو اس معاملہ کی طرف کیونکر اشارہ کرتے ہیں؟ ﴿ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِىْ وَ بَيْنَ اِخْوَتِىْ ﴾ (۱۰۰) جب ایسا ہوا تھا کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف ڈال دیا تھا- یعنی اول تو اس معاملہ کو شیطان کی طرف منسوب کر دیا کہ بھائیوں پر اس کا بوجھ نہ پڑے- گویا یہ شیطان کا ایک فتنہ تھا ورنہ میرے بھائی ایسا کیوں کرتے- پھر سارے معاملہ کو محض ایک طرح کے اختلاف سے تعبیر کیا تا کہ اصل واقعہ کی شناعت کم ہو جائے- پھر جتنا کچھ بھی ہونا ظاہر کیا، وہ اس طریقہ پر کیا کہ ''مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف پڑ گیا تھا'' گویا یہ بھائیوں کا بلاوجہ جور وستم نہ تھا، کوئی ایسی بات تھی جیسے بھائیوں میں باہم دگر پیش آ جایا کرتی ہے اور دونوں جانبوں کو اختلاف کے وجوہ میں دخل ہوتا ہے- یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کسی ایک ہی جانب کا قصور تھا-

غور کرو- عفو وبخشش کا وہ کیسا مقام ہے، ہمت کا وہ کیسا علو ہے، ظرف کی وہ کیسی پہنائی ہے؟ خلق کی وہ کیسی عظمت ہے جو دشمنی کرنے والوں کے ساتھ ایسا سلوک کر سکتی ہے؟ اور جس سیرت کا یہ حال ہو اس کے لیے فضیلت کی اور کون سی بات باقی رہ گئی؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شنیدم کہ مردان راہ خدا — دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام — کہ بادوستانت خلاف است اُو جنگ

مظلومی و بے چارگی کی حالت میں صبر کر لینا بلاشبہ ایک بڑائی ہے لیکن طاقت و اختیار کی حالت میں بدلہ نہ لینا اور بخش دینا سب سے بڑی بڑائی ہے: ﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ (۴۲:۴۳) اور اس سیرت کی عظمت میں دونوں مقام جمع ہو گئے - جب بے چارگی تھی تو اف تک نہ کی - جب طاقت ملی تو انتقام کا وہم و گمان بھی نہ گزرا، اور بلاشبہ یہ اس زندگی کا سب سے بڑا اسوۂ حسنہ ہے!

سب سے آخر میں ان کی دعا نمایاں ہوتی ہے اور یہ فی الحقیقت ایک مرقع ہے جس میں ان کی سیرت کا ایک ایک خال و خط دیکھا جا سکتا ہے - عظمت و کامرانی کے اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد بھی جو صدا ان کے دل و دماغ سے نکل سکتی تھی وہ یہی تھی کہ ﴿ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴾ (۱۰۱) یعنی زندگی کی ساری کامرانیوں کا آخری ماحصل جس کی طلب و آرزو سے کبھی دل خالی نہیں ہو سکتا یہی ہے کہ اطاعت حق پر خاتمہ ہو اور الحاق ان کے ساتھ ہو جو تیرے صالح بندے ہیں!

امرأۃ العزیز:

حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد سرگزشت کی نمایاں شخصیت امرأۃ العزیز کی شخصیت ہے - کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی مصری زندگی کے حوادث میں بڑا حصہ اسی کا ہے - اس شخصیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ عشق و ہوس کے مختلف مراتب یکے بعد دیگرے نمایاں ہوئے ہیں اور قرآن حکیم نے ایک عجیب اسلوب بلاغت کے ساتھ انہیں ہر جگہ ابھارا ہے اور ہر مرتبہ کی خصوصیت واضح کر دی ہے -

سب سے پہلے وہ موقع سامنے آتا ہے جب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دعوت عیش دی اور ناکام رہی - ﴿ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ﴾ (۲۴) اور جب پردہ فاش ہو گیا اور شوہر سامنے کھڑا نظر آیا تو اپنی ذلت و رسوائی برداشت نہ کر سکی - جھٹ اپنا جرم دوسرے کے سر ڈال دیا، اور پھر کس دوسرے کے سر؟ اسی کے سر جس کی محبت و شیفتگی کی مدعی بنی تھی: ﴿ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ (۲۵) اس سے معلوم ہوا کہ محبت میں ابھی کچی تھی - اور ہوس سے معاملہ آگے نہیں بڑھا تھا - کیونکہ اگر محبت کامل ہوتی تو محبت کی راہ میں ذلت و رسوائی سے نہ ڈرتی اور خود اپنے محبوب کے سر جھوٹا الزام نہ لگاتی -

لیکن پھر جب کچھ دن گزر گئے تو معلوم ہوتا ہے اس حالت نے دوسرا رنگ اختیار کیا - اب اسے لائمات کے سامنے تو اقرار محبت میں عار نہ آیا - لیکن دنیا کے آگے اقرار نہ کر سکی: ﴿ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ﴾ (۳۲) ساتھ ہی محبت ابھی اس درجہ تک نہیں پہنچی تھی کہ اپنے نفس کی کامجوئیوں پر محبوب کی مرضی کو ترجیح دیتی!

قبول خاطر معشوق شرط دیدار است
بہ حکم شوق تماشا مکن کہ بے ادبی است!

اس لیے دھمکیاں دے کر رام کرنا چاہا: ﴿ وَ لَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَ لَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴾ (۳۲)

لیکن پھر جب وہ وقت آیا کہ عشق کی خامیاں پختگی و کمال تک پہنچ گئیں تو اب نہ تو ننگ و ناموس کی جھجک باقی رہی تھی نہ زور و طاقت سے کام نکالنے کا گھمنڈ - جونہی سنا کہ یوسف (علیہ السلام) کے معاملہ کی پوچھ گچھ ہو رہی ہے بے پردہ اور صریح اعلان کر دیا: ﴿ اَلْئٰنَ حَصْحَصَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾[1] (۵۱) وہ تو سرتا سر سچا ہے جو کچھ بھی قصور تھا میرا تھا:

ہاں بانگ بلندست ایں ، پوشیدہ نمی گویم

اب اقرار محبت میں نہ تو کسی طرح کا عار محسوس ہوتا تھا- نہ عشق کی ذلت ورسوائی ذلت ورسوائی رہی تھی- اب تو ہر بات جو محبوب کی راہ میں پیش آئے محبوب ہی کی طرح محبوب ہوگئی تھی:

اجد الملامة في هواك لذيذة حبا لذكرك فليلمني اللوم

محبت کی خامی وپختگی کے یہ مراتب قدرتی ہیں اور عام ہیں جب کبھی اور جہاں کہیں بھی آئیں گے ان تین حالتوں میں سے کوئی حالت ضرور ہوگی:

خام بودم ، پختہ شدم ، سوختم!

تاویل الاحادیث:

(ل) حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات میں جا بجا ''تاویل الاحادیث'' کا لفظ آیا ہے اور اس طرح آیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے یہ ایک علم تھا جو اللہ نے انہیں سکھا دیا تھا- پس معلوم ہونا چاہیے کہ اس علم سے مقصود کون سا علم ہے؟

عربی میں تاویل کے معنی کسی بات کے نتیجہ اور مآل کار کے ہیں اور باتوں کے مطلب ومقصد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے- چنانچہ سورۂ یونس کی آیت (۳۹) کے نوٹ میں اس کی تشریح گزر چکی ہے- ''احادیث'' یعنی باتیں- پس تاویل الاحادیث کا مطلب یہ ہوا کہ باتوں کا مطلب، نتیجہ اور مآل، بوجھ لینے کا علم یعنی انسان میں علم وبصیرت کی ایسی قوت کا پیدا ہو جانا کہ ہر بات کے مطلب اور مآل کا شناسا ہو جائے- معاملات کی تہ تک پہنچ جانا، امور ومہمات کے بھیدوں کا رمز شناس ہو جانا، ہر بات کی نبض پہچان لینی، ہر واقعہ کا مطلب پا لینا' کوئی بات کتنی ہی الجھی ہوئی ہو لیکن اس طرح سلجھا لینا کہ ساری باتوں کی کل ٹھیک بیٹھ جائے-

حضرت یوسف علیہ السلام کا ظہور کنعان کے صحرا میں ہوا تھا اور ایک ایسے خاندان میں جو پشت ہا پشت سے صحرا کی بدویانہ زندگی بسر کر رہا تھا- پیدائش سے لے کر عنفوان شباب تک اسی عالم میں زندگی بسر ہوئی- نہ تو کسی طرح کی خارجی تعلیم وتربیت کا موقع ملا، نہ شہری زندگی کے رسم وراہ سے آشنا ہو سکے- جب شہری زندگی ہی سے آشنا نہ تھے تو ظاہر ہے اجتماعی زندگی کی تمدنی خصوصیات سے کیونکر باخبر ہو سکتے تھے؟ ملکی معاملات اور انتظامی مہمات کی تو ان کے کانوں میں بھنک بھی نہ پڑی ہوگی-

بسا اوقات خاندان کے موروثی اثرات خارجی اثرات سے بے نیاز کر دیتے ہیں لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کا خاندانی ورثہ نبوت تھا- شہریاری وملک داری نہ تھی- اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے تو طن کنعان کے بعد سے تو شہری زندگی کا علاقہ بھی یک قلم مفقود ہو گیا تھا-

بایں ہمہ جب گردش حوادث نے انہیں مصر جیسی متمدن سرزمین میں پہنچا دیا تو وہ نہ صرف اس کے نظم ونسق کے لیے سب سے بہتر حکمراں ثابت ہوئے بلکہ ان کی کاردانی وحقائق فہمی نے مملکت کو اس کی سب سے بڑی ہولناک بربادی سے بچا لیا اور ان کے فضل وکمال کے

---

[1] اس آیت کے بعد کی آیت ﴿ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ ﴾..... الخ اور ﴿ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ﴾ الخ امرأ العزیز کے قول کا بقیہ حصہ بھی ہو سکتا ہے، اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قول بھی ہو سکتا ہے- سیاق بیان پہلی بات کے حق میں ہے، اور بعض وجوہ قرائن دوسری کے حق میں- عام طور پر مفسرین نے دوسری صورت اختیار کی ہے- لیکن ہم نے پہلی کو ترجیح دی کیونکہ ظاہر سیاق یہی ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آ گے سب نے سر جھکایا- خود پادشاہ وقت کو اپنے عجز و درماندگی کا اعتراف کرنا پڑا- ایک ایسے شخص میں جو ابھی چند سال ہوئے، صحرا کے ویرانوں سے نکل کر آیا تھا یہ قوت علمی کیسے پیدا ہو گئی کہ تمام باتوں کا نبض شناس اور تمام معاملات و مہمات کی کل بٹھانے والا ہو گیا؟ یقیناً مبدء فیاض کے کرشمہ فیضان سے- لیکن اس کرشمہ فیضان کا نام کیا ہے- علم ''تاویل الاحادیث'' کا سکھا دینا- اب جبکہ صناعی علوم کی تدوین اور فنی مصطلحات کی بناوٹوں نے ہمیں طرح طرح کی تعبیرات سکھا دی ہیں، ہم اس طرح کے علم و بصیرت کے لیے بہت سے مصطلحہ الفاظ بولیں گے- لیکن قرآن کی زبان صناعی مصطلحات کی زبان نہیں ہے- نہ علمی مصطلحات سے اس وقت عربی زبان آشنا ہوئی تھی- اس نے ان ساری باتوں کے لیے ایک ایسی ترکیب استعمال کی جو ادائے مطلب کا قدرتی اور سیدھا سادھا اسلوب ہو سکتا ہے- یعنی باتوں کے مطلب اور مآل پالینے کا علم- تعلیم کی ساری کاوشیں، ترتیب ذہنی کی ساری محنتیں، تجربہ و اختیار کی ساری کوششیں کس غرض سے ہوتی ہیں؟ اسی لیے کہ باتوں کا مطلب و مآل بوجھ لینے کی استعداد پیدا ہو جائے- علم و دانش کا تمام تر حاصل و مقصود کیا ہے؟ یہی کہ باتوں کی کل بٹھانی آ جائے- جس کے لیے ہم نے بے شمار علمی اصطلاحیں بنالی ہیں قرآن نے اسی کو بغیر کسی پیچ و خم کے اس طرح کہہ دیا جو ادائے مطلب کا ایک صاف اور قدرتی طریقہ ہو سکتا ہے اور یہ اس کی بلاغت کی معجزانہ خصوصیت ہے-

چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیریں بتلائی تھیں اس لیے مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ خواب کی سچی تعبیر معلوم کر لینے کا علم تھا- بلاشبہ خواب کی بات بھی احادیث میں داخل ہے اور اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ایک گوشہ اس کا یہ بھی تھا- لیکن یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی کہ براہ راست علم تعبیر منام پر اس کا اطلاق ہوا ہو- یہ ظاہر ہے کہ خواب کی سچی تعبیر معلوم کر لینا نبوت کے عام خصائص میں سے ہے اور ہر نبی وحی الٰہی سے مطلع ہو کر خواب کی حقیقت معلوم کر لیتا ہے- خود حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب سنتے ہی حقیقت معلوم کر لی تھی اور حضرت دانیال اور عزرا علیہما السلام وغیرہما کی سرگزشتیں ہمیں معلوم ہیں- پس اگر یہی بات مقصود ہوتی تو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ خصوصیت کے ساتھ تاویل الاحادیث کا ذکر کیا جاتا- یہ نبوت کے اعمال و خصائص میں سے تھی اور جب نبوت کا مقام مل رہا تھا تو لازمی طور پر اس طرح کی تمام باتوں کی قابلیت بھی مل رہی تھی- لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب سن کر کہا: ﴿ وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ عَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ ﴾ (۶) یعنی اللہ تجھے برگزیدگی عطا فرمائے گا تاویل الاحادیث کا علم سکھائے گا اور جس طرح تیرے بزرگوں پر اپنی نعمتیں پوری کر چکا ہے اسی طرح تجھ پر اور آل یعقوب پر بھی کرے گا- اس بیان میں برگزیدگی سے مقصود امتیاز اور تفوق ہے اور اتمام نعمت سے مقصود نبوت ہے- پس تاویل الاحادیث کی تعلیم سے مقصود کوئی تیسری چیز ہونی چاہیے- اگر تعبیر خواب ہی کی بات ہوتی تو وہ حصول نبوت کی بشارت میں آ گئی تھی- خصوصیت کے ساتھ الگ کر کے نہ دکھائی جاتی-

علاوہ بریں ایک نبی کے لیے تعبیر خواب کا ملکہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں کہ خصوصیت کے ساتھ اسے اللہ کا ایک خاص عطیہ قرار دیا جاتا- پھر اگر ان تینوں مقامات پر غور کیا جائے جہاں تاویل احادیث کا ذکر کیا گیا ہے تو یہ حقیقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے لیکن اس کی تفصیل البیان میں ملے گی-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عزیز مصر کا اپنی بیوی کے ساتھ معاملہ:

(م) عزیز مصر کا اپنی بیوی کے ساتھ معاملہ مفسرین کے لیے ایک حیرت انگیز معاملہ رہا ہے اور بعض مجبور ہوئے ہیں کہ طرح طرح کی دور از کار توجیہیں کریں- وہ کہتے ہیں اس پر اپنی بیوی کی بدچلنی بالکل واضح ہو گئی تھی- اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ﴿ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴾ (۲۸) لیکن پھر بھی ہم دیکھتے ہیں اس نے اس معاملہ کو زیادہ اہمیت نہ دی کہ بیوی سے کہا: ﴿ اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴾ (۲۹) اور پھر اسی طرح مختار و آزاد چھوڑ دیا جس طرح پہلے تھی- چنانچہ شہر کی عورتوں کی دعوت، مجلس طرب کی آراستگی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی طلبی سب بعد کے واقعات ہیں- نیز اس کا اختیار و تصرف اس سے ظاہر ہے کہ قید کرنے کی دھمکی دیتی ہے اور اسے پورا کر کے دکھا دیتی ہے- گویا بیوی کی بدچلنی کوئی ایسی بات نہ تھی جو عزیز کو ﴿ اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ﴾ کہنے سے زیادہ کسی سرزنش اور مخالفانہ اقدام پر آمادہ کرتی- کیونکر ممکن ہے کہ ایک شریف اور معزز آدمی اس بارے میں اس قدر بے حس اور بے پرواواقع ہو؟

لیکن اگر مفسرین کے سامنے اس عہد کی مصری معاشرت کی تفصیلات ہوتیں تو اس معاملہ پر انہیں ذرا بھی استغراب نہ ہوتا- انہوں نے دو ڈھائی ہزار پیشتر کی مصری معاشرت اور اس کے اخلاقی احساسات کو اپنے وقتوں کی معاشرت و احساسات پر قیاس کیا اور اسی کے مطابق توجیہات کے جامے تراشنے لگے-

اس بارے میں ہمارے پاس معلومات حاصل کرنے کے دو ذریعے ہیں، ایک براہ راست اسی زمانے سے تعلق رکھتا ہے- دوسرا بعد کے عہدوں سے- پہلا اثریات مصر (ایپٹالوجیا) سے ماخوذ ہے- دوسرا بعض یونانی تحریرات سے جو سنہ مسیحی سے کچھ عرصہ بیشتر لکھی گئی ہیں- اور یہ دونوں ذریعے اس بارے میں متفق ہیں کہ اس عہد کی مصری معاشرت کی حالت ٹھیک ٹھیک ویسی ہی تھی جس کی تصویر اس موقع پر قرآن نے کھینچ دی ہے- یعنی امراء کے طبقہ کی معاشرتی اور ازدواجی حالت عامۃ الناس سے بالکل مختلف تھی- ان کی عورتیں اپنے اعمال و تصرف میں بالکل آزاد تھیں- مردوں کے دباؤ میں رہنا پسند نہیں کرتی تھیں- ازدواجی زندگی میں پلہ انہی کا بھاری رہتا- اخلاقی حیثیت سے معاملہ نے ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ عصمت و بے عصمتی کا معاملہ عملاً غیر اہم ہو گیا تھا- لوگ سب کچھ جانتے تھے اور پھر اسے ناگزیر حالت سمجھ کر برداشت کر لیا کرتے تھے- گویا اس اعتبار سے پندرہ سو سال قبل مسیح مصری سوسائٹی کا حال ٹھیک ٹھیک ویسا ہی تھا جیسا ایک ہزار سال بعد رومۃ الکبریٰ کے دارالحکومت میں ہمیں دکھائی دیتا ہے اور جس کا نمونہ خود جولیس سیزر کی بیویوں کی زندگی میں ہم دیکھ سکتے ہیں- انہیں شک و شبہ سے اس لیے بالاتر کہا گیا تھا کہ شک و شبہ کا سب سے بڑا محل انہی کی زندگی تھی! دراصل یونان اور روم کا تمدن اور بہت سی باتوں کی طرح اس بات میں بھی بابل اور مصر ہی کے نقش قدم پر چلا تھا-

مصر کی یہ حالت برابر رہی- امرأۃ العزیز کے عہد سے لے کر کلیوپیٹرا تک وہ صرف نسوانی حسن و جمال ہی میں نہیں بلکہ ازدواجی زندگی کی بے باکیوں اور مطلق العنانیوں میں بھی شہرۂ آفاق رہا-

خود اس سرگزشت میں بھی اس کی اندرونی شہادت موجود ہے- عزیز پر جب معاملہ کھل گیا تو جو بات اس کی زبان پر بے اختیار آ گئی غور کرو، وہ کیا تھی؟ ﴿ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴾ (۲۸) ہاں معلوم ہو گیا یہ تم عورتوں کا چرتر ہے- تم لوگوں کے چرتر بڑے ہی چرتر ہوتے ہیں! اس سے معلوم ہو گیا کہ اس وقت عورتوں کی نسبت سوسائٹی کے عام خیالات کیا تھے اور کس طرح یہ بات دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی کہ مکر و فریب میں طاق ہیں- ان کے فریب سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں- اگر ایسا نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس موقع پر اس طرح کی بات بے اختیار عزیز کی زبان سے نکل جاتی- چرتر جو کچھ بھی کیا تھا اس کی بیوی نے کیا تھا- تمام عورتوں نے نہیں کیا تھا- لیکن چونکہ وقت کی معاشرتی زندگی عام طور پر ایسی ہی ہو رہی تھی اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے جب ایک عورت کا معاملہ سامنے آیا تو بے اختیار زبان سے نکل گیا ''تم سب کا یہی حال ہے۔تمہارے مکر وفریب سے خدا کی پناہ!''

پھر بعد کو جو معاملہ پیش آیا اس سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس بارے میں وقت کے نسوانی اخلاق کا معیار کیا تھا؟ شہر کی امیر زادیوں نے جونہی یہ خبر سنی کہ ایک عبرانی غلام ایسا طرحدار ہے کہ امراۃ العزیز جان دینے لگی ہے اور وہ قابو میں نہیں آتا تو بے اختیار اس سے ملنے کی مشتاق ہو گئیں اور پھر جب مجلس ضیافت آراستہ ہوئی اور یوسف علیہ السلام بلائے گئے تو کوئی نہ تھا جس نے اپنی دلربائیوں اور عشوہ طرازیوں کے بے باکانہ تیروں سے انہیں چھلنی نہ کرنا چاہا ہو۔ ظاہر ہے کہ سوسائٹی کی عورتوں کا اس طرح بے حجابانہ کھل کھیلنا اور بغیر کسی جھجک کے ایک پورے مجمع کا اظہار عشق کرنا جبھی ہو سکتا ہے جب کہ لکھنو کی اصطلاح میں ''شوقینی'' وقت کا فیشن ہو گئی ہو اور شوقین عورتیں پوری طرح آزاد ہوں۔

پس عزیز کے طرز عمل کے لیے اس کے سوا اور کسی توجیہ کی ضرورت نہیں کہ مصر کے ایک امیر کا طرز عمل تھا اور اسے ایسا ہی ہونا تھا۔اس نے بیوی کو ملامت کر دی کہ قصور تیرا ہی ہے۔یوسف علیہ السلام سے کہا اس بات کو اور آگے نہ بڑھانا اور معاملہ ختم ہو گیا۔اس سے زیادہ نہ تو وہ کچھ کر سکتا تھا اور نہ وقت کے احساسات متقاضی تھے کہ کرے۔

تفسیر ''ان کیدکن عظیم'':

(ن) عزیز کے اس قول میں کہ ''ان کید کن عظیم'' (۲۸) جو رائے ظاہر کی گئی ہے وہ ظاہر ہے کہ اپنے وقت اور اپنے شہر کی عورتوں کی نسبت ہے۔نہ کہ دنیا جہان کی تمام عورتوں کے لیے۔اور پھر جو کچھ بھی ہے عزیز کا قول ہے۔خود قرآن کا حکم نہیں ہے۔لیکن افسوس ہے کہ لوگوں نے اس مقولہ کا اس طرح استعمال شروع کر دیا' گویا عورتوں کے جنسی اخلاق کے لیے یہ قرآن کا فیصلہ ہے اور اس کے نزدیک عورتوں کی جنس مردوں کے مقابلہ میں زیادہ مکار اور بے عصمتی کی گھاتیں نکالنے میں زیادہ ہوشیار ہے۔چنانچہ عام طور پر ہمارے مفسروں نے اس کا ایسا ہی مطلب قرار دیا ہے اور پھر حسب عادت وجوہ ومباحث کی دور دراز وادیوں میں گم ہو گئے ہیں۔ پہلے اسے عورتوں کی جنس کی نسبت قرآن کا عام ومطلق حکم قرار دیتے ہیں۔ پھر حیرانی میں پڑتے ہیں کہ شیطان کے کید کو تو ضعیف کہا ہے: ﴿ ان کید الشیطان کان ضعیفا ﴾ عورتوں کا کید کیسے ''عظیم'' ہو گیا؟ پھر تو جیہوں کی وادیوں میں قدم اٹھاتے ہیں اور جہاں تک نکل سکتے ہیں نکل جاتے ہیں۔ بعضوں کو مان لینا پڑتا ہے کہ شیطان کے کید سے بھی عورتوں کا کید بڑا ہے۔کیونکہ آیت اس بارے میں نص قطعی ہے! بعضوں کی دقیقہ سنجی اس پر مطمئن نہیں ہوتی۔وہ کہتے ہیں۔نہیں علی الاطلاق نہیں ہو سکتا۔صرف جنسی تعلقات کے معاملہ میں ہے۔اس میدان میں مرد ان سے بازی نہیں لے جا سکتے! حالانکہ نہ تو قرآن کا یہ حکم ہے۔نہ عزیز کا قول ایسے محل میں ہے کہ اطلاق وعموم کے یہ سوالات پیدا ہوں۔بحث وتفسیر کی یہ پوری عمارت بنیاد سے لے کر چوٹی تک بالکل بے اصل ہے۔

بلاشبہ مردوں نے اپنی ظالمانہ خود غرضیوں سے عورتوں کے بارے میں ہمیشہ ایسے ہی فیصلے کیے ہیں لیکن قرآن کا یہ فیصلہ نہیں ہے۔اس نے ہر جگہ مرد اور عورت دونوں کا مساویانہ حیثیت سے ذکر کیا ہے اور فضائل وخصائل کے لحاظ سے وہ دونوں میں کسی طرح کی بھی تفریق نہیں کرتا۔سورہ نساء میں جہاں ازدواجی زندگی کے احکام کی تشریح ہے وہاں صاف صاف تصریح کر دی ہے کہ فضائل ومحاسن کے لحاظ سے دونوں یکساں طور پر اپنی اپنی راہیں رکھتے ہیں اور دونوں کے لیے ایک ہی طرح پر فضیلتوں کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَ لِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴾ (۴:۳۲) چنانچہ جس طرح وہ نیک مردوں کے فضائل ومدارج بتلاتا ہے اسی طرح نیک عورتوں کے بھی بتلاتا ہے اور جس طرح بدعمل مردوں کی برائیاں بتلائی ہیں اسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح بدعمل عورتوں کی بھی بتلائی ہیں- کہیں بھی دونوں میں کسی طرح کا امتیاز اس نے جائز نہیں رکھا ہے- مردوں کے لیے اگر فرمایا: ﴿ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ﴾ (۹:۱۱۲) تو عورتوں کے لیے بھی فرمایا: ﴿ مُسْلِمَاتٍ مُّؤْمِنَاتٍ قٰنِتَاتٍ تَآئِبَاتٍ عٰبِدَاتٍ سَآئِحَاتٍ ﴾ (۶۶:۵) منافقوں کا ذکر کیا تو صرف مردوں ہی کا نہیں کیا' دونوں جنسوں کا کیا: ﴿ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ يَّاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ ﴾ (۹:۶۷) مومنوں کا ذکر کیا تو صرف مردوں ہی کا نہیں کیا' دونوں کا کیا: ﴿ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَّاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (۹:۷۱) مردوں اور عورتوں کی یہ اخلاقی مساوات اس کا عام اسلوب ہے- ہر جگہ تم دیکھو گے کہ وہ دونوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کرتا، ایک ہی درجہ میں رکھتا اور ایک ہی طرح پر ذکر و خطاب کرتا ہے: ﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ (۳۳:۳۵) یعنی جس طرح مردوں میں مسلم و مومن ہیں اسی طرح عورتوں میں بھی مسلمہ و مومنہ ہیں- جس طرح مردوں میں قانت مرد ہیں اسی طرح عورتوں میں بھی قانتہ عورتیں ہیں- جس طرح مردوں میں صادق مرد ہیں اسی طرح عورتوں میں بھی صادقہ عورتیں ہیں- جس طرح مردوں میں اللہ کا خوف رکھنے والے اور بکثرت اس کا ذکر کرنے والے ہیں اسی طرح عورتوں میں بھی اللہ کا خوف رکھنے والیاں اور بکثرت ذکر کرنے والیاں ہیں، اور پھر جس طرح مردوں میں ایسے پاکباز ہیں کہ نفسانی خواہشوں کے غلبہ سے اپنی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح عورتوں میں بھی ایسی پاکباز ہستیاں ہیں جو اپنی حفاظت سے کبھی غافل نہیں ہوتیں- غور کرو- کسی وصف میں بھی تفریق نہیں، کسی فضیلت میں بھی امتیاز نہیں، کسی بڑائی میں بھی عدم مساوات نہیں- پھر کیا ممکن ہے کہ جس قرآن نے مردوں اور عورتوں کی اخلاقی مساوات اس درجہ ملحوظ رکھی ہو اسی قرآن کا یہ فیصلہ ہو کہ عورتوں کی جنس مردوں کے مقابلہ میں زیادہ بداخلاق ہے؟ اور مرد بڑے پاکباز ہوتے ہیں مگر بدبخت عورتیں ہیں جو نفس پرست اور مکار ہیں؟ تفسیر قرآن کی تاریخ کی یہ کیسی بوالعجبی ہے کہ ایک مصری بت پرست کے قول کو اللہ کا فرمان سمجھ لیا گیا اور اس سے اس طرح استدلال کیا جا رہا ہے گویا عورتوں کی جنسی پستی و بداخلاقی کے لیے کتاب اللہ کا قطعی فیصلہ موجود ہے!

حقیقت یہ ہے کہ اگر پاکبازی و عصمت کے لحاظ سے دونوں جنسوں میں تفریق ہی کرنی ہو تو ہر طرح کی نفس پرستیوں اور مکاریوں کی حیوانیت مرد کے حصہ میں آئے گی اور ہر طرح کی پاکیوں اور عفتوں کی فرشتگی عورت کے لیے ثابت ہوگی- یہ مرد ہی ہے جس کی حیوانیت پر عورت کی فرشتگی شاق گزرتی ہے- وہ چاہتا ہے اسے بھی اپنی ہی طرح کا حیوان بنا دے- اس لیے اپنے کید عظیم کے سارے فتنے کام میں لاتا اور برائیوں کی ایک ایک راہ سے اسے آشنا کر کے چھوڑتا ہے- پھر جب وہ اس کے پیچھے قدم اٹھا دیتی ہے تو اس سے گرون موڑ لیتا ہے اور کہنے لگتا ہے اس کا کید تو سب سے بڑا کید اور اس کی برائی تو سب سے بڑی برائی ہے! فی الحقیقت سب سے بڑا کید تو مرد ہی کا کید ہے جو پہلے اسے اپنی کامجوئیوں کا آلہ بناتا ہے اور جب بن جاتی ہے تو خود پاک بنتا اور ساری ناپاکیوں کا بوجھ اس معصوم کے سر ڈال دیتا ہے!

دنیا میں کوئی عورت بری نہ ہوتی اگر مرد اسے برا بننے پر مجبور نہ کرتا- عورت کی برائی کتنی ہی سخت اور مکروہ صورت میں نمایاں ہوتی ہو، لیکن اگر جستجو کرو گے تو تہ میں ہمیشہ مرد ہی کا ہاتھ دکھائی دے گا اور اگر اس کا ہاتھ نظر نہ آئے تو ان برائیوں کا ہاتھ ضرور نظر آئے گا جو کسی نہ کسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شکل میں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔

تورات میں ہے کہ شجر ممنوعہ کے پھل کھانے کی ترغیب آدم علیہ السلام کو حوا نے دی تھی اس لیے نافرمانی کا پہلا قدم جو انسان نے اٹھایا وہ عورت کا تھا۔اسی بنا پر یہودیوں اور عیسائیوں میں یہ اعتقاد پیدا ہو گیا کہ عورت کی خلقت میں مرد سے زیادہ برائی اور نافرمانی ہے اور وہی مرد کو سیدھی راہ سے بھٹکانے والی ہے۔لیکن قرآن نے اس قصہ کی کہیں بھی تصدیق نہیں کی بلکہ ہر جگہ اس معاملہ کو آدم اور حوا دونوں کی طرف منسوب کیا۔ انہیں جو حکم دیا گیا تھا وہ بھی یکساں طور پر دونوں کے لیے تھا: ﴿وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (۳۵:۲) اور لغزش بھی ہوئی تو ایک ہی طرح دونوں سے ہوئی: ﴿فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ﴾ (۳۶:۲) شیطان نے دونوں کے قدم ڈگمگا دیے اور دونوں کے نکلنے کا باعث ہوا۔یعنی جو لغزش ہوئی اس میں یکساں طور پر دونوں کا حصہ تھا۔یہ بات نہ تھی کہ کسی ایک پر دوسرے سے زیادہ ذمہ داری ہو۔

بہر حال یہ بات یاد رہے کہ سورہ یوسف کی اس آیت سے جو استدلال کیا جا رہا ہے وہ قطعاً بے اصل ہے اور جہاں تک عورتوں کے جنسی اخلاق کا تعلق ہے قرآن میں کہیں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس سے مترشح ہوتا ہو کہ عورت کی جنس مرد سے فروتر ہے یا بے عصمتی کی راہوں میں زیادہ مکار اور شاطر ہے۔

امراۃ العزیز کا نام:

(ن) تورات میں ہے کہ مصر کے جس امیر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا اس کا نام فوطی فار تھا (پیدائش ۳۷:۳۶) لیکن اس کی بیوی کا نام نہیں لکھا ہے۔نہیں معلوم ہمارے مفسرین نے کہاں سے یہ بات معلوم کر لی کہ اس کا نام زلیخا تھا؟ بہر حال اس کی کوئی قابل اعتنا اصلیت پائی نہیں جاتی۔البتہ مفسرین کا یہ بیان بالکل صحیح ہے کہ اس وقت مصر کا حکمراں خاندان عمالقہ میں سے تھا۔یہ عمالقہ وہی ہیں جنہیں مصر کی تاریخ میں ہیکسوس کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اور جن کی اصلیت یہ بتائی گئی ہے کہ چرواہوں کی ایک قوم تھی۔یہ چرواہوں کی قوم مصر میں کہاں سے آئی تھی؟ جدید تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب سے آئی تھی اور یہ دراصل عربی قبائل عاربہ ہی کی ایک شاخ تھی۔قدیم قبطی اور عربی زبان کی مشابہت ان کے عرب ہونے کی ایک مزید دلیل ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا انتقال:

(س) تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندگی بھر مصر کے حکمران و مختار رہے اور جب ان کا آخری وقت آیا تو اپنے بھائیوں اور اپنی اولاد سے کہا "ایک وقت آئے گا جب خدا تمہیں پھر اسی زمین کنعان میں لے جائے گا' جس کا ابراہیم' اسحاق اور یعقوب علیہم السلام سے اس نے وعدہ کیا ہے، تو جب وہ وقت آئے تم میری ہڈیاں اپنے ساتھ لے جانا اور میرے بزرگوں کے پاس دفن کر دینا۔" چنانچہ ان کے خاندان کے لوگوں نے ان کی نعش میں خوشبو بھری اور ایک صندوق میں محفوظ کر دی (پیدائش ۵۰:۲۴)

خوشبو بھرنے کا غالباً مطلب یہ ہے کہ مصریوں کے طریقہ کے مطابق ممی کر کے رکھی گئی تھی۔جب چار سو برس بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا اور وہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکلے تو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش بھی اپنے ساتھ لے لی تھی۔ اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت کی تعمیل ظہور میں آ گئی۔

(ع) سورۂ یوسف کے بصائر و حکم کی طرح اس کے مباحث و مسائل کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے۔لیکن مزید تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰیاتُھا : 43 | سُوْرَۃُ الرَّعْدِ مَدَنِیَّۃٌ | رُکُوْعَاتُھا : 6

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۭ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ② وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ

الف۔لام۔را۔

(اے پیغمبر!) یہ الکتاب (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں اور جو کچھ تیرے پروردگار کی جانب سے تجھ پر نازل ہوا ہے وہ امر حق ہے (اس کے سوا کچھ نہیں) مگر اکثر آدمی ایسے ہیں کہ (اس پر) ایمان نہیں لاتے۔(۱)

یہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو بلند کر دیا اور تم دیکھ رہے ہو کہ کوئی ستون انہیں تھامے ہوئے نہیں ہے۔ پھر وہ اپنے تخت (حکومت) پر نمودار ہوا (یعنی مخلوقات میں اس کے احکام جاری ہو گئے) اور سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا کہ ہر ایک اپنی ٹھہرائی ہوئی میعاد تک (اپنی اپنی راہ) چلا جا رہا ہے۔ وہی (اس تمام کارخانہ خلقت کا) انتظام کر رہا ہے اور (اپنی قدرت و حکمت کی) نشانیاں الگ الگ کر کے بیان کر دیتا ہے تاکہ تمہیں یقین ہو جائے کہ (ایک دن) اپنے پروردگار سے ملنا ہے!(۲)

اور (دیکھو) وہی ہے جس نے زمین کی سطح پھیلا دی اس میں پہاڑ بنا دیے نہریں جاری کر دیں اور ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے دو دو قسموں کے اگا دیے۔ اس نے رات اور دن (کے بتدریج ظاہر ہونے) کا ایسا قاعدہ بنا دیا کہ

یہ سورت بھی مکی ہے اور خطاب مشرکین مکہ سے ہے۔

(۱) تمام مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی دین حق کے بنیادی عقائد کا بیان ہے۔ یعنی توحید، رسالت، وحی اور جزائے عمل لیکن خصوصیت کے ساتھ جس بات پر زور دیا گیا ہے اور جو سورت کی تمام موعظت و تدبیر کے لیے مرکز بیان و خطاب ہے، وہ ''حق'' اور ''باطل'' کی حقیقت اور ان کی باہمی آویزش کا قانون ہے۔ چنانچہ سورت کی ابتداء بھی اسی اعلان سے ہوئی ہے کہ ﴿ وَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ ﴾ (۱) اور خاتمہ بھی اسی پر ہوا ہے کہ ﴿ فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ ﴾ (۴۰)

حق و باطل کے امتیاز کا یہی عالمگیر اور فیصلہ کن قانون ہے جو دعوت قرآنی کی حقانیت اور عدم حقانیت کا فیصلہ کر دے گا۔ اگر پیغمبر اسلام ﷺ کا اعلان رسالت ''حق'' ہے، تو ''حق'' کا خاصہ یہی ہے کہ باقی رہے اور فتح مند ہو۔ اگر ''باطل'' ہے تو بلاشبہ ''باطل'' کے لیے مٹ جانا اور نامراد ہونا ہے۔ یہی اللہ کی شہادت ہے جس سے بڑھ کر کوئی فیصلہ کن شہادت نہیں ہو سکتی اور اب اس شہادت کے ظہور کا انتظار کرنا چاہیے۔

(۲) سورت کی ابتداء اس اعلان سے ہوئی ہے کہ قرآن فکر انسانی کی بناوٹ نہیں ہے اللہ کی جانب سے نازل ہوا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ
مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ ۣ
وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنْ
تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

دن کی روشنی کو رات کی تاریکی ڈھانپ لیا کرتی ہے- یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لیے کتنی ہی نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرنے والے ہیں! (۳)

اور دیکھو- زمین میں (طرح طرح کے) ٹکڑے ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے- ان میں انگور کے باغ ہیں، (غلہ کی) کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں- باہم دگر ملتے جلتے ہوئے اور بعض ایسے کہ ملتے جلتے ہوئے نہیں ہیں- سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں مگر ہم بعض پھلوں کو بعض پر مزہ میں برتری دے دیتے ہیں- یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں! (۴)

اور (اے مخاطب!) اگر تو عجیب بات دیکھنی چاہتا ہے تو (سب سے زیادہ) عجیب بات ان منکروں کا یہ قول ہے کہ ''جب ہم (مرنے کے بعد گل سڑ کر) مٹی ہو گئے تو پھر کیا ہم پر ایک نئی پیدائش طاری ہوگی؟'' (یہ بات تو سمجھ میں آتی نہیں!) تو یقین کرو یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار سے انکار کیا اور یہی ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے اور یہی ہیں کہ

اور امر حق ہے لیکن مخاطبین دعوت میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اسے نہیں مانتے، پس ضروری ہے کہ ان کے مقابلہ میں اس کی حقانیت آشکارا ہو جائے-

پھر اللہ کی ہستی اور آخرت کی زندگی پر برہان حکمت و ربوبیت کا استدلال کیا ہے- اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ آسمان وزمین کی ہر چیز کسی ایسی ہستی کی موجودگی کی شہادت دے رہی ہے جس نے جو کچھ بنایا ہے مصلحتوں اور حکمتوں کے ساتھ بنایا ہے اور یہاں کا ذرہ ذرہ اسی کی تدبیر وانتظام سے چل رہا ہے- پھر فرمایا ان نشانیوں کا تفکر دلوں میں یقین پیدا کر دیتا ہے کہ انسانی زندگی صرف اتنے ہی کے لیے نہیں ہو سکتی جتنی حیات دنیوی میں نظر آ رہی ہے- ضروری ہے کہ کوئی دوسرا مرحلہ بھی پیش آنے والا ہو اور وہ ایسا ہو کہ مخلوق کو خالق کے حضور پیش کر دے!

اس آیت میں قدرت وحکمت الٰہی کے تین مرتبے بیان کیے ہیں:

(ز) سب سے پہلے یہ کہ اجرام سماویہ کو پیدا کیا اور فضا میں پھیلا دیا- وہ بلند ہیں لیکن کوئی سہارا نہیں جو انہیں تھامے ہوئے ہو- محض جذب وانجذاب کا قانون ہے جس کے توازن نے انہیں اپنی اپنی جگہ معلق وقائم رکھا ہے-

(ب) یہ ان کی پیدائش تھی لیکن اب ان کے قیام واجراء کے لیے ضروری تھا کہ احکام وقوانین ہوں اور نافذ ہو جائیں پس اس تمام کائنات ہستی پر اللہ کی فرمانروائی نافذ ہو گئی یعنی اس کا تخت حکومت بچھ گیا- اس کے احکام کے آگے سب جھک گئے-

(ج) یہ احکام وقوانین کس طرح نافذ ہوئے؟ اس طرح کہ سورج اور چاند کو دیکھو، احکام الٰہی نے کس طرح انہیں مسخر کر رکھا ہے؟ بال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۗ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٦ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝٧ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝٨ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

دوزخی ہوئے ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے!(۵)

اور (اے پیغمبر!) یہ تم سے برائی کے لیے جلدی مچاتے ہیں۔قبل اس کے کہ بھلائی کے لیے خواستگار ہوں۔ حالانکہ ان سے پہلے ایسی سرگزشتیں گزر چکی ہیں جن کی (دنیا میں) کہاوتیں بن گئیں۔ (مگر یہ ہیں کہ عبرت نہیں پکڑتے) تو اس میں شک نہیں کہ تیرا پروردگار لوگوں کے ظلم سے بڑا ہی درگزر کرنے والا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ تیرا پروردگار سزا دینے میں بڑا ہی سخت ہے!(۶)

اور جن لوگوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں ''اس آدمی پر اس کے پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری؟'' حالانکہ تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کر دینے والا ایک رہنما ہے اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما ہوا ہے۔(۷) (اللہ کے علم کا تو یہ حال ہے کہ وہ) جانتا ہے ہر مادہ کے پیٹ میں کیا ہے (یعنی کیسا بچہ ہے) اور کیوں پیٹ گھٹتے ہیں اور کیوں بڑھتے ہیں (یعنی درجہ بدرجہ شکم مادر میں کیسی کیسی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں) اس کے یہاں ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھہرایا ہوا ہے۔(۸) وہ غیب اور شہادت (یعنی محسوس اور غیر محسوس

برابران کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ان کی سیر و گردش کے لیے جو میعادیں ٹھہرادی گئی ہیں ٹھیک ٹھیک اس کے مطابق چل رہے ہیں۔

پھر اس کے بعد اس معاملہ کی وضاحت کر دی کہ "یدبر الامر" اور یہاں یہی بات بنائے استدلال ہے۔یعنی یہ سب کچھ جو ہوا اور ہو رہا ہے اس حقیقت کی شہادت ہے کہ یہاں تدبیر امور کرنے والا ایک ہاتھ موجود ہے ورنہ ممکن نہ تھا کہ یہ سب کچھ ظہور میں آ جاتا اور قائم و جاری رہتا اور اگر تدبیر امور کی قوت کام کر رہی ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ اعمال انسانی کے لیے اس نے کوئی انتظام نہ کیا ہو اور انسانی زندگی ایک فعل عبث کی طرح رائگاں جائے؟

(۳) آیت (۲) میں عالم سماوی کا ذکر کیا تھا۔آیت (۳) میں فرمایا زمین کو دیکھو۔وہ ایک گیند کی طرح مدوّر اور گول ہے لیکن اس کی سطح کا ہر حصہ ایسا واقع ہوا ہے کہ گولائی محسوس ہی نہیں ہوتی۔ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے ایک مسطح فرش بچھا ہوا ہو۔پھر اس میں پہاڑ پیدا کر دیے گئے جن کی چوٹیوں پر برف جمتی اور پگھلتی رہتی ہے اور اس طرح ان نہروں کی روانی کا سامان ہوتا رہتا ہے جو میدانی زمینوں سے گزرتی ہیں اور انہیں سیراب کرتی رہتی ہیں!

پھر زمین میں روئیدگی کی کیسی عجیب و غریب قوت پیدا کر دی کہ اس کی تمام سطح طرح طرح کی خوش ذائقہ غذاؤں کا خوان نعمت بن گئی ہے؟ ہر طرح کے پھلوں کے درخت ہیں، ہر طرح کے دانوں کی فصلیں ہیں۔سب میں دو دو قسموں اور جوڑوں کا قانون کام کر رہا ہے۔اس اعتبار سے بھی کہ نباتات کی کوئی قسم نہیں جس میں حیوانات کی طرح نر اور مادہ کی جنسی تقسیم نہ ہو اور اس اعتبار سے بھی کہ ہر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝۹ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ
بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝۱۰ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ
لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝۱۱ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ
السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝۱۲ۚ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ

دونوں کا) جاننے والا ہے- سب سے بڑا بلند مرتبہ! (۹)

تم میں کوئی چپکے سے کوئی بات کہے یا پکار کے کہے، رات کی تاریکی میں چھپا ہو یا دن کی روشنی میں راہ چل رہا ہو، ساری حالتیں اس کے لیے یکساں ہیں (اس کے علم سے کوئی بات مخفی نہیں)- (۱۰)

انسان کے آگے اور پیچھے ایک کے بعد ایک آنے والی (قوتیں) ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتی ہیں- اللہ کبھی اس حالت کو نہیں بدلتا جو کسی گروہ کو حاصل ہوتی ہے جب تک کہ وہ خود ہی اپنی صلاحیت نہ بدل ڈالے- اور (پھر) جب اللہ چاہتا ہے کسی گروہ کو (اس کی تغیر صلاحیت کی پاداش میں مصیبت پہنچے تو مصیبت پہنچ ہی کر رہتی ہے- وہ) کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اس کا کارساز ہو- (۱۱)

وہی ہے جو تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے- وہ دلوں میں ہراس بھی پیدا کر دیتی ہے اور امید بھی- اور وہی ہے جو بادلوں کو (پانی سے) بوجھل کر دیتا ہے (۱۲) اور بادلوں کی گرج اس کی ستائش کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کی دہشت سے سرگرم ستائش رہتے

درخت کے پھل دو قسموں کے ضرور ہوتے ہیں- مثلاً کھٹے اور میٹھے- خوش ذائقہ اور بد ذائقہ- اچھی قسم کے اور گری ہوئی قسم کے- پھر اس کی حکمت فرمائی کا یہ کرشمہ دیکھو کہ رات دن کا دائمی انقلاب طاری ہوتا رہتا ہے جو نباتات کی روئیدگی اور پختگی کے لیے ضروری تھا- جب دن کی تپش انہیں خوب اچھی طرح گرم کر دیتی ہے، تو رات آتی ہے اور زمین کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس کی چادر کے تلے وہ خنکی و برودت کی مطلوبہ مقدار حاصل کر لیتے ہیں!

پھر ربوبیت الٰہی کی یہ کارفرمائی دیکھو کہ زمین کی سطح ایک ہے مگر اس کے مختلف قطعات یکساں نہیں- سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں لیکن اپنی روئیدگی اور پیداوار کی مختلف خدمتیں انجام دے رہے ہیں- ایک قطعہ میں باغ ہیں' ایک میں کھیت ہیں' ایک میں نخلستان ہیں- پھر اگرچہ زمین ایک ہے اور ایک ہی پانی سے ہر قطعہ سیراب ہوتا ہے لیکن ہر درخت کا پھل یکساں نہیں- کسی کا مزہ کچھ ہوتا ہے- کسی کا کچھ-

کائنات ہستی کے ان تمام کارخانوں کا اس نگرانی اور دقیقہ سنجی کے ساتھ نافع و کارآمد ہونا اور مخلوقات کی ضروریات زندگی کا اس عجیب و غریب کارفرمائی کے ساتھ انتظام پانا کیا اس حقیقت کا اعلان نہیں ہے کہ ایک پرورش کنندہ اور مدبر ہستی موجود ہے اور یہاں جو کچھ ہو رہا ہے کسی مقصد اور منتہی کے لیے ہو رہا ہے؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

ع ۱

ہیں- وہ بجلیاں گراتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان کی زد میں لے آتا ہے لیکن یہ منکر ہیں کہ (اللہ کی قدرت وحکمت کی ان ساری نشانیوں سے آنکھیں بند کیے ہوئے) اس (کی ہستی ویگانگت) کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں- حالانکہ وہ (اپنی قدرت میں) بڑا ہی سخت اور اٹل ہے! (۱۳)

اسی کو پکارنا سچا پکارنا ہے- جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ پکارنے والوں کی کچھ نہیں سنتے- ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی (پیاس کی شدت میں) دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے کہ بس (اس طرح کرنے سے) پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے گا حالانکہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں-[1] اور (یقین کرو) منکرین حق کی پکار اس کے سوا کچھ نہیں کہ ٹیڑھے رستوں میں بھٹکتے پھرنا! (۱۴)

اور آسمانوں میں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے اللہ ہی کے آگے سجدہ میں گرا ہوا ہے (یعنی اللہ کے احکام وقوانین کے آگے جھکے بغیر اسے چارہ نہیں) خوشی سے ہو یا مجبوری سے- اور (دیکھو) ان کے سایے صبح وشام (کس طرح گھٹتے بڑھتے اور کبھی ادھر کبھی

(۴) آیت (۵) میں فرمایا کائنات ہستی کی ہر بات یقین دلا رہی ہے کہ یہ کارخانہ تدبیر وحکمت بغیر کسی مصلحت ومقصد کے نہیں ہوسکتا اور ضروری ہے کہ انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہ ہو کہ پیدا ہوا' کھایا پیا اور فنا ہو گیا بلکہ اس کے بعد بھی کچھ نہ کچھ ہونے والا ہو- ورنہ تدبیر و مصلحت کا سارا کارخانہ باطل ہو جاتا ہے- لیکن اگر اس پر بھی لوگوں کی غفلت کا یہ حال ہے کہ حیات آخرت کی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تو اس سے زیادہ کون سی بات عجیب ہوسکتی ہے؟

عجب بات یہ نہیں ہے کہ مرنے کے بعد پھر انسان پر ایک دوسری زندگی طاری ہوگی کیونکہ اس کی شہادت تو دنیا کی ہر چیز دے رہی ہے- عجیب بات یہ ہے کہ انسان صرف حیات دنیوی پر قانع ومطمئن ہو جائے اور سمجھ لے اس کی پیدائش سے جو کچھ مقصود تھا وہ صرف اتنا ہی تھا کہ ایک مرتبہ پیدا ہوا اور کچھ دنوں کھا پی کر مر گیا!

عقل وبینش کا مقتضا تو یہ تھا کہ اگر کہا جاتا، یہ زندگی صرف دنیا ہی کی زندگی ہے تو طبیعتیں کسی طرح مطمئن نہ ہوتیں اور شک وشبہ میں پڑ

[1] پانی کو مٹھی میں لینا چاہو تو وہ کسی جمی ہوئی چیز کی طرح کبھی مٹھی میں نہیں آئے گا- اس لیے عربی میں کہتے ہیں- فلاں آدمی قبض علی الماء کی کوشش کرتا ہے- یعنی ایسی بات کے درپے ہے جو ملنے والی نہیں- اردو میں بھی کہتے ہیں- پانی مٹھی میں بند کرنا چاہتا ہے- پس یہاں فرمایا- جو لوگ اپنے بنائے ہوئے معبودوں کو پکارتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پیاسا مٹھی میں پانی بند کرنا چاہے' حالانکہ یہ بات ہونے والی نہیں- وہ کتنی ہی مرتبہ پانی کو مٹھی میں لے گا' پانی ٹکے گا نہیں' اور اس کے لب تشنہ کے تشنہ ہی رہ جائیں گے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا

ادھر ہو جایا کرتے ہیں)-(۱۵)

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے پوچھو "آسمانوں کا اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ تم کہو "اللہ ہے اس کے سوا کوئی نہیں" پھر ان سے کہو "جب وہی پروردگار ہے تو پھر یہ کیا ہے کہ تم نے اس کے سوا دوسروں کو اپنا کارساز بنا رکھا ہے جو خود اپنی جانوں کا نفع نقصان بھی اپنے اختیار میں نہیں رکھتے؟" نیز ان سے کہو "کیا اندھا اور دیکھنے والا دونوں برابر ہیں؟ یا ایسا ہو سکتا ہے کہ اندھیرا اور اجالا برابر ہو جائے؟

یا پھر یہ بات ہے کہ ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے بھی اسی طرح مخلوقات پیدا کی جس طرح اللہ نے پیدا کی ہے اور اس لیے پیدا کرنے کا معاملہ ان پر مشتبہ ہو گیا (کہ صرف اللہ ہی کے لیے نہیں ہے- دوسروں کے لیے بھی ہو سکتا ہے؟) تم ان سے کہو "اللہ ہی ہے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ (اپنی باتوں میں) یگانہ ہے' سب کو مغلوب رکھنے والا!"-(۱۶)

اس نے آسمان سے پانی برسایا تو اپنی سمائی کے مطابق وادیاں بہ نکلیں اور میل کچیل سے جھاگ بن بن کر پانی کی سطح پر اٹھا تو سیلاب کی رو اسے بہا لے گئی- اور دیکھو اسی طرح کا جھاگ (میل کچیل سے) اس وقت بھی اٹھتا ہے جب لوگ زیور یا کوئی

جاتیں کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ لیکن منکرین حشر کی عقل و بینش کا یہ حال ہے کہ انہیں کہا جا رہا ہے، زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے اور وہ ہیں کہ حیران ہو کر کہتے ہیں- جب مر گئے اور گل سڑ کر مٹی ہو گئے تو کیا پھر ہمیں زندگی کا ایک نیا جامہ مل جائے گا؟

(۵) آیت (۶) میں انکار و جحود کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انسان بھلائی کی جگہ برائی کے لیے جلدی مچانے لگتا ہے- یعنی کہنے لگتا ہے اگر انکار و بدعملی کا برا نتیجہ نکلنے والا ہے تو وہ نتیجہ کہاں ہے؟ کیوں پیش نہیں آ جاتا؟ فرمایا اس لیے کہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور درگزر کرنے والا ہے پس فوراً نتیجہ بد ہی پیش نہیں آ جاتا- مہلتوں پر مہلتیں دی جاتی ہیں لیکن جب وقت آ جائے تو وہ شدید العقاب بھی ہے- کیونکہ پاداش عمل کبھی ٹلنے والی نہیں اور نہ کسی طرح کی نرمی کرنے والی ہے-

(۶) انسان کی ایک عالمگیر گمراہی یہ رہی ہے کہ وہ سچائی کو سچائی میں نہیں ڈھونڈتا بلکہ دوسری چیزوں میں تلاش کرتا ہے- ازاں جملہ یہ کہ اچنبھوں اور عجائب کاریوں کو سچائی کی دلیل سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے سب سے زیادہ سچا انسان وہ ہے جو سب سے زیادہ عجیب و غریب ہو!

قرآن نے جن بنیادی گمراہیوں کا ازالہ کیا' من جملہ ان کے ایک گمراہی یہ ہے- اس نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ دعوت حق کی شناخت خود دعوت ہے نہ کہ عجائب و غرائب کا ظہور جسے لوگوں نے دلیل صداقت سمجھ رکھا تھا-

آیت (۷) میں فرمایا- یہ لوگ کہتے ہیں عجیب و غریب قسم کی نشانیاں اس شخص کے لیے کیوں ظاہر نہیں ہوتیں؟ لیکن وہ نہیں جانتے کہ انبیاء کا ظہور عجائب نمائیوں کے لیے نہیں ہوتا- ہدایت خلق کے لیے ہوتا ہے- جس طرح دنیا کی ہر قوم میں ایک ہدایت کرنے والا انسان پیدا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ
وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ
كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۚ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا
لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ
الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

اور چیز بنانے کے لیے (دھاتوں کو) آگ میں تپاتے ہیں۔حق اور باطل کے معاملہ کی مثال ایسی ہی سمجھو جو اللہ بیان کر دیتا ہے۔ پس (میل کچیل کا) جھاگ (جو کسی کام کا نہ تھا) رائگاں گیا اور جس چیز میں انسان کے لیے نفع تھا وہ زمین میں رہ گئی۔اسی طرح اللہ (لوگوں کی سمجھ بوجھ کے لیے) مثالیں بیان کر دیتا ہے! (۱۷)

جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا حکم قبول کیا تو ان کے لیے سرتاسر خوبی ہے۔جنہوں نے قبول نہیں کیا (ان کے تمام اعمال رائگاں جائیں گے۔وہ نامرادی و بدحالی سے کسی طرح بچ نہیں سکتے) اگر کرۂ ارضی کی تمام دولت ان کے اختیار میں آ جائے اور اسے دوگنا کر دیا جائے تو یہ لوگ اپنے بدلہ میں ضرور اسے بطور فدیہ کے دے دیں (کہ کسی طرح عذاب نامرادی سے بچاؤ عمل جائے مگر انہیں ملنے والا نہیں) یہی لوگ ہیں جن کے لیے حساب کی سختی ہے اور ٹھکانا جہنم، اور (جس کا ٹھکانا جہنم ہو تو) کیا ہی برا ٹھکانا ہے! (۱۸)

(اے پیغمبر!) کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ دونوں آدمی برابر ہو جائیں؟ وہ، جو یہ بات جان گیا ہے کہ جو بات تجھ پر تیرے پروردگار کی

ہو چکا ہے۔اسی طرح تم بھی ہدایت کے لیے ظاہر ہوئے ہو۔تمہارا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ میں اچنبھے دکھانے کے لیے آیا ہوں۔دعویٰ یہ ہے کہ ہدایت کی راہ دکھانے آیا ہوں۔پس طالب حق کو دیکھنا چاہیے کہ تمہاری زندگی، تمہاری تعلیم، تمہارا طور طریقہ واقعی ہدایت کا ہے یا نہیں ہے؟

یہی بات آگے چل کر آیت (۲۷) میں بھی فرمائی ہے اور وہاں زیادہ وضاحت ہو گئی ہے۔فرمایا ﴿ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ جو ایمان لائے ہیں وہ تو اس طرح لائے ہیں کہ ذکر الٰہی سے ان کے دلوں کو قرار مل گیا۔تمام شکوک دور ہو گئے۔انہیں اس کی ضرورت نہ ہوئی کہ اچنبھوں کی فرمائش کرتے۔

پھر آیت (۸) میں فرمایا اللہ کے علم سے کوئی بات اور کوئی حالت پوشیدہ نہیں اور اس نے ہر بات کے لیے ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے۔اس سے باہر کوئی بات نہیں جا سکتی پس وہ تمہاری نیتوں اور خیالوں سے بے خبر نہیں۔اس نے ہدایت و شقاوت کے معاملہ کے لیے بھی اندازے ٹھہرا دیے ہیں۔جو ہدایت پائے گا اسی کے مطابق پائے گا، جو نہیں پائے گا اسی کے مطابق نہیں پائے گا۔

(۷) ہدایت و شقاوت کا یہ اندازہ یعنی مقررہ قانون کیا ہے؟ آیت (۱۱) میں فرمایا عمل اور صلاحیت عمل کا قانون ہے۔یہی ایک کے بعد ایک آنے والی قوتیں ہیں جو حکم الٰہی سے انسان کی حفاظت کرتی ہیں۔یہ اس کے گزشتہ اعمال ہیں جن سے اس کا حال پیدا ہوتا ہے اور حال کے اعمال ہیں جو اس کا مستقبل بناتے ہیں۔

پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدل ڈالے۔یعنی اصل اس بارے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا
يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ
سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ
عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ

جانب سے اتری ہے، حق ہے اور وہ جو (اس حقیقت کے مشاہدہ سے) اندھا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ وہی لوگ سمجھتے بوجھتے ہیں جو دانشمند ہیں! (۱۹)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ کے ساتھ اپنا عہد (عبودیت) پورا کرتے ہیں- اپنا قول وقرار توڑنے والے نہیں! (۲۰)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے جن رشتوں کے جوڑنے کا حکم دیا انہیں جوڑے رکھتے ہیں، اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، حساب کی سختی کے خیال سے اندیشہ ناک رہتے ہیں! (۲۱) اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے محبت کرتے ہوئے (ہر طرح کی ناگواریوں اور سختیوں میں) صبر کیا' نماز قائم کی' جو کچھ روزی انہیں دے رکھی ہے اس میں سے خرچ کرتے رہے' پوشیدگی میں بھی اور کھلے طور پر بھی- انہوں نے برائی کے مقابلہ میں برائی نہیں کی- جب پیش آئے اچھائی ہی سے پیش آئے- تو (بلاشبہ) یہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے عاقبت کا گھر ہے- (۲۲) ہمیشگی کے باغ جن میں وہ خود بھی داخل ہوں گے اور ان کے آباو اجداد' بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک کردار ہوں گے وہ بھی جگہ پائیں گے اور (وہاں کی زندگی ایسی ہوگی کہ) ہر دروازہ سے

میں خود انسان کا عمل ہے- وہ جیسی حالت چاہے اپنے عمل اور صلاحیت عمل سے حاصل کر لے سکتا ہے- اگر ایک قوم بدحال ہے اور وہ اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کر لیتی ہے جس سے خوشحالی پیدا ہو سکتی ہے تو خدا کا قانون یہ ہے کہ یہ تبدیلی فوراً اس کی حالت بدل دے گی- اور بدحالی کی جگہ خوشحالی آ جائے گی- اسی طرح خوشحالی سے بدحالی کا تغیر بھی سمجھ لو-

پھر فرمایا جب ایک قوم نے اپنی عملی صلاحیت کھو دی اور اس طرح تبدیل حالت کی مستحق ہو گئی تو ضروری ہے کہ اسے برائی پہنچے- یہ برائی کبھی ٹل سکتی نہیں کیونکہ یہ خود خدا کی جانب سے ہوتی ہے- یعنی اس کے ٹھہرائے ہوئے قانون کا نفاذ ہوتا ہے اور خدا کے قانون کا نفاذ کون ہے جو روک سکے اور کون ہے جو کسی کو اس کی زد سے بچا سکے؟

(۸) لیکن یہ برائی جو پہنچتی ہے تو کیا اس لیے پہنچتی ہے کہ اس نے برائیوں کا سامان کر دیا ہے؟ آیت (۱۲) میں فرمایا کہ نہیں، اس نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ بجز اچھائی اور خوبی کے اور کچھ نہیں ہے- لیکن اچھائی اور خوبی کی بڑی سے بڑی بات بھی تمہاری عاجز اور درماندہ نگاہوں کے لیے خوف و دہشت کی ہولناکی بن جاتی ہے- تم اپنی حالت اور اضافت کے لحاظ سے سمجھنے لگتے ہو کہ برائی ہے اور تمہارے لیے برائی ہو بھی جاتی ہے لیکن اس لیے نہیں کہ وہ فی نفسہ برائی ہے بلکہ اس لیے کہ تمہاری حالت اور اضافت کے لحاظ سے برائی ہو گئی:

کفر ہم نسبت بہ خالق حکمت ست
چوں بہ ما نسبت کنی کفر آفت ست

یہ مقام تشریح طلب ہے اور تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کا مبحث ''برہان رحمت'' دیکھنا چاہیے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ
عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ
اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا
بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿٢٦﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ع ۹
لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿٢٧﴾

فرشتے ان پر آئیں گے اور کہیں گے (۲۳) ''یہ جو تم نے (دنیا کی زندگی میں) صبر کیا تو اس کی وجہ سے (آج) تم پر سلامتی ہو'' پھر کیا ہی اچھا عاقبت کا ٹھکانا ہے جو ان لوگوں کے حصہ میں آیا؟ (۲۴)

اور جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کا عہد مضبوط کرنے کے بعد پھر اسے توڑ دیتے ہیں اور جن رشتوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں قطع کر ڈالتے ہیں اور ملک میں شر و فساد بپا کرتے ہیں تو ایسے ہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے برا ٹھکانا! (۲۵)

اللہ جس کی روزی چاہتا ہے' فراخ کر دیتا ہے۔ (جس کی چاہتا ہے) نپی تلی کر دیتا ہے۔ لوگ دنیا کی (چند روزہ) زندگی (اور اس کے عارضی فوائد) پر شادمانیاں کرتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کی زندگی تو آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ محض تھوڑا سا برت لینا ہے! (۲۶)

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ کہتے ہیں ''ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس شخص پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی (عجیب و غریب) نشانی اترتی؟'' (اے پیغمبر ﷺ!) تم کہہ دو ''اللہ جسے چاہتا ہے (کامیابی و سعادت کی) راہ میں گم کر دیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع ہوتا ہے تو اسے اپنی طرف سے بڑھنے کی راہ دکھا دیتا ہے'' (۲۷)

چنانچہ اس حقیقت کی وضاحت کے لیے ایک ایسی مثال بیان کی جو ہر انسان کے علم و مشاہدہ میں ہمیشہ آتی رہتی ہے۔ فرمایا بجلی کا چمکنا مایوسیوں کے لیے پیام امید ہوتا ہے۔ اگر نہ چمکے تو باران رحمت کے ظہور کا پیام بھی نہ ملے۔ لیکن تمہارے لیے یہ معاملہ خوف و امید کا معاملہ بن گیا۔ بارش کی امید سے خوش ہوتے ہو۔ لیکن ساتھ ہی بجلی کی تیزی سے ڈرنے بھی لگتے ہو۔ پھر وہی بجلی جو زمین کے لیے زندگیوں کا پیام ہے جب کسی انسان پر گرتی ہے تو اس کے لیے موت کا پیام بن جاتی ہے۔ اسی طرح بادل کا گرجنا تمہارے لیے سرتاسر دہشت و ہولناکی ہے حالانکہ وہ فی الحقیقت ہولناکی نہیں ہے۔ سرتاسر خدا کی محمودیت کا اعلان ہے۔ وہ گرج گرج کر اس کی ستائشوں کا اعلان کرتا، اس کی تقدیس و تسبیح میں رطب اللسان ہوتا ہے۔ فرشتے اس کے خوف سے نہیں ڈرتے' خدا کے خوف سے ترساں رہتے ہیں۔ مگر تمہارے لیے وہ کائنات جو کی سب سے بڑی ہولناکی ہو گئی ہے!

''وھم یجادلون فی اللہ'' یعنی اللہ کی قدرت و حکمت کی یہ نشانیاں ہمیشہ انسان کے علم و مشاہدہ میں آتی رہتی ہیں۔ اس پر بھی اس کی غفلت کا یہ حال ہے کہ اللہ کی ہستی اور اس کی یگانگت کے بارے میں ہمیشہ جھگڑتا رہتا ہے گویا یہ حقیقتیں ثابت نہیں، یہ نشانیاں کبھی ظہور ہی میں نہیں آئیں!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ
اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ

(جو اس کی طرف رجوع ہوئے تو یہ) وہ لوگ (ہیں) کہ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو گئے- اور یاد رکھو یہ اللہ کا ذکر ہی ہے جس سے دلوں کو چین اور قرار ملتا ہے (اور شک و شبہ اور خوف و غم کے سارے کانٹے نکل جاتے ہیں!)(۲۸)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے تو ان کے لیے خوش حالیاں ہیں اور (بالآخر) بہت اچھا ٹھکانا!(۲۹)

اور (اے پیغمبر!) اسی طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے تجھے ایک امت کی طرف بھیجا جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں (اور ان سب میں سچائی کے پیغامبر اپنے اپنے وقتوں میں ظاہر ہو چکے ہیں) اور اس لیے بھیجا کہ جو بات تجھ پر اتاری ہے وہ ان لوگوں کو پڑھ کر سنا دے اور ان کا حال یہ ہے کہ سرے سے خدائے رحمٰن ہی کے قائل نہیں- تم (ان سے) کہہ دو "وہی میرا پروردگار ہے، کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی- اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع ہوتا ہوں!"(۳۰)

اور (دیکھو) اگر ایسا ہو سکتا کہ کسی قرآن سے پہاڑ چلنے لگتے یا زمین کی (بڑی بڑی) مسافتیں طے ہو

(۹) قرآن کا عام اسلوب بیان یہ ہے کہ توحید ربوبیت و خالقیت سے توحید الوہیت پر استدلال کرتا ہے چنانچہ یہاں بھی آیت (۱۴) سے سلسلہ بیان اسی طرف پھر گیا ہے- فرمایا عبودیت کی سچی پکار وہی ہے جس کا خطاب اللہ سے ہو- جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مٹھی میں پانی بند کرنا چاہے اور اسے اپنے تشنہ لبوں تک لے جانا چاہے- معلوم ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کبھی کامیاب نہ ہوگا، اس کی کوششیں بھٹک بھٹک کر رہ جائیں گی-

آیت (۱۵) میں فرمایا- تمام مخلوقات اسی کے آگے چار و ناچار جھکی ہوئی ہے- کوئی مانے یا نہ مانے لیکن ہر آنکھ دیکھ سکتی ہے کہ حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں- تم جو احکام الٰہی سے سرتابی کرنی چاہتے ہو خود اپنے سایے کو دیکھ لو- جو اندازہ اس بارے میں بنا دیا گیا ہے اس سے کبھی وہ باہر نہیں جا سکتا- صبح کو چڑھتی دھوپ میں اس کا ایک خاص ڈھنگ ہوتا ہے، شام کو ڈھلتی دھوپ میں ایک خاص ڈھنگ- اگر غور کرو تو قدرت الٰہی کے احکام و قوانین کے آگے ٹھیک اسی طرح تمہاری ہستیاں بھی مسخر ہیں- خواہ تمہیں اقرار ہو خواہ انکار-

(۱۰) آیت (۱۷) مہمات معارف میں سے ہے اور سورت کے تمام مواعظ کے لیے مرکزی موعظت ہے- فرمایا- یہ جو کچھ بھی ہے "حق" اور "باطل" کی آویزش ہے- لیکن "حق" اور "باطل" کی حقیقت کیا ہے؟ کون سا قانون الٰہی ہے جو اس کے اندر کام کر رہا ہے؟ یہاں واضح کیا ہے کہ یہ "بقائے انفع" کا قانون ہے یعنی اللہ نے کائنات ہستی کے قیام و اصلاح کے لیے یہ قانون ٹھہرا دیا ہے کہ یہاں وہی چیز باقی رہ سکتی ہے جس میں نفع ہو- جس میں نفع نہیں وہ ٹھہر نہیں سکتی- اسے نابود ہو جانا ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَوْكُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۡ ع

جاتیں یا مردے بول اٹھتے (تو ضرور اس قرآن سے بھی ایسا ہی ہوتا) مگر نہیں، ساری باتوں کا اختیار اللہ ہی کو ہے (اور اس کی یہ سنت نہیں کہ ایسا کرے- وہ اپنا کلام ارشاد و ہدایت کے لیے نازل کرتا ہے- نہ کہ عجائب آفرینیوں کے لیے) پھر جو لوگ ایمان لائے ہیں کیا وہ (اس بات سے) مایوس نہیں ہو گئے کہ (نہ ماننے والے کبھی ماننے والے نہیں؟ کیا انہوں نے یہ بات نہیں پالی کہ) اگر اللہ چاہتا تو تمام انسانوں کو (ایک ہی) راہ حق دکھا دیتا؟ (مگر اس نے ایسا نہیں چاہا- اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ یہاں استعداد و عمل کی آزمائشیں ہوں) اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے (وہ یوں ماننے والے نہیں) انہیں ان کے کرتوتوں کی پاداش میں کوئی نہ کوئی سخت عقوبت پہنچتی ہی رہے گی یا ایسا ہوگا کہ ان کے ٹھکانے کے قریب ہی آ نازل ہوگی یہاں تک کہ وہ وقت آ جائے جب اللہ کا وعدہ ظہور میں آنے والا ہے- بلاشبہ (اس کا وعدہ سچا ہے) وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا! (۳۱) اور (اے پیغمبر!) تجھ سے پہلے بھی ایسا ہی ہو چکا ہے کہ پیغمبروں کی ہنسی اڑائی گئی اور ہم نے (اپنے مقررہ قانون کے مطابق) پہلے انہیں ڈھیل دی، پھر گرفتار کر لیا-

اس نازک اور دقیق حقیقت کے لیے کیسی صاف اور عامۃ الورود مثال بیان کر دی جس کے معاینہ سے کوئی انسانی نگاہ بھی محروم نہیں ہو سکتی؟ فرمایا- جب پانی برستا ہے اور زمین کے لیے شادابی و گل ریزی کا سامان مہیا ہونے لگتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ تمام وادیاں نہروں کی طرح رواں ہو جاتی ہیں لیکن پھر کیا تمام پانی رک جاتا ہے؟ کیا میل کچیل اور کوڑا کرکٹ اپنی اپنی جگہ تھمے رہتے ہیں؟ کیا زمین کی گودان کی حفاظت کرتی رہتی ہے؟ نہیں زمین کو اپنی نشو و نما کے لیے جس قدر پانی کی ضرورت ہوتی ہے وہ جذب کر لیتی ہے، ندی نالوں میں جس قدر سمائی ہوتی ہے اتنا پانی وہ روک لیتے ہیں، باقی پانی جس تیزی کے ساتھ گرا تھا ویسی ہی تیزی سے بہ بھی جاتا ہے- میل کچیل کوڑا کرکٹ جھاگ بن بن کر سمٹتا اور ابھرتا ہے- پھر پانی کی روانی اسے اس طرح اٹھا کر لے جاتی ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد وادی کا ایک ایک گوشہ دیکھ جاؤ- کہیں ان کا نام و نشان بھی نہیں ملے گا!

اسی طرح جب چاندی، سونا یا اور کسی طرح کی دھات آگ پر تپاتے ہو تو کھوٹ الگ ہو جاتا ہے، خالص دھات الگ نکل آتی ہے- کھوٹ کے لیے نابود ہو جانا ہے- خالص دھات کے لیے باقی رہنا!

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لیے کہ یہاں بقائے انفع کا قانون کام کر رہا ہے- یہاں باقی رہنا اسی کے لیے ہے جو نافع ہو- جو نافع نہیں وہ چھانٹ دیا جائے گا- یہی حقیقت ''حق'' اور ''باطل'' کی ہے- ''حق'' وہ بات ہے جس میں نفع ہے پس وہ کبھی ٹلنے والی نہیں- ٹکنا، ثابت ہونا، باقی رہنا اس کا قدرتی خاصہ ہے اور ''حقق'' کے معنی ہی قیام و ثبات کے ہیں- لیکن باطل وہ ہے جو نافع نہیں اس لیے اس کا قدرتی خاصہ ہی یہ ہوا ہے کہ مٹ جائے، محو ہو جائے، ٹل جائے- ﴿ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا! ﴾

اسی حقیقت کا ایک گوشہ ہے جسے ہم نے ''بقائے اصلح'' کی شکل میں دیکھا ہے- لیکن قرآن نے ''اصلح'' نہیں کہا ''انفع'' کہا- کیونکہ صالح

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٣٢﴾ أَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَآءَ ۚ قُلْ
سَمُّوهُمْ ۚ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۚ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا
مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾ لَّهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ ۖ وَمَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ﴿٣٤﴾ مَّثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ

تو دیکھو ہمارا ٹھہرایا ہوا بدلہ کیسا تھا اور کس طرح ظہور میں آیا؟ (۳۲)

پھر جس ہستی کے علم واحاطہ کا یہ حال ہے کہ ہر جان پر نگاہ رکھتی ہے کہ اس نے اپنے عملوں سے کیسی کمائی کی؟ (وہ کیا ان ہستیوں کی طرح سمجھ لی جاسکتی ہے جنہیں ان لوگوں نے معبود بنا رکھا ہے؟) اور انہوں نے اللہ کے لیے شریک ٹھہرا رکھے ہیں- (اے پیغمبر!) ان سے پوچھ "وہ کون ہیں؟ ان کے اوصاف بیان کرو- یا پھر تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دینی چاہتے ہو جو خود اسے بھی معلوم نہیں کہ زمین میں کہاں ہے؟ یا پھر محض ایک دکھاوے کی بات ہے جس کی تہ میں کوئی اصلیت نہیں؟" اصل یہ ہے کہ منکروں کی نگاہوں میں ان کی مکاریاں خوشنما بن گئیں اور راہ حق میں قدم اٹھانے سے رک گئے اور جس پر اللہ (کامیابی کی) راہ بند کر دے تو کون ہے جو اسے راہ دکھانے والا ہو سکتا ہے؟ (۳۳)

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے اور آخرت میں بھی، اور آخرت کا عذاب یقیناً بہت زیادہ سخت ہوگا- اور کوئی نہیں جو انہیں اللہ (کے قوانین کی پکڑ) سے بچا سکے! (۳۴) متقی انسانوں کے لیے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے

وہی ہے جو نافع ہو- کارخانہ ہستی کی فطرت میں بناوٹ اور تکمیل ہے اور تکمیل جب ہی ہو سکتی ہے جب کہ صرف نافع اشیاء ہی باقی رکھی جائیں- غیر نافع چھانٹ دی جائیں-

یہی حقیقت ہے جسے قرآن نے جابجا "قضاء بالحق" سے بھی تعبیر کیا ہے- یعنی حق کا فیصلہ- مزید تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کا مطالعہ کرنا چاہیے-

پھر آیت (۱۸) میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا- اسی قانون کا یہ نتیجہ ہے کہ جو لوگ احکام حق قبول کرتے ہیں ان کے لیے خوبی ہوتی ہے- جو نہیں کرتے ان کے لیے محرومی ہوتی ہے- کیونکہ جنہوں نے قبول کیا ان کے اعمال نافع ہو گئے- اب نافع عمل مٹ نہیں سکتا جنہوں نے انکار کیا وہ غیر نافع ہو گئے- غیر نافع باقی نہیں رہ سکتا!

(۱۱) آیت (۱۹) میں فرمایا: جسے حق کا علم وعرفان حاصل ہو گیا اور جس نے جان لیا کہ یہ بات سچائی ہے یہ سچائی نہیں، کیا اس کا اور اس آدمی کا ایک ہی حکم ہو سکتا ہے جو تاریکی میں ہے اور حق کے مشاہدہ سے اندھا ہو رہا ہے؟ یعنی پہلا تو علم وبصیرت پیش کر رہا ہے- دوسرے کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں کہ کہتا ہے مجھے دکھائی نہیں دیتا- پس پہلے کی جگہ علم کی ہوئی- دوسرے کی جہل وکوری کی ہوئی- دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ ﴿ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴾ نصیحت پذیر وہی ہو سکتے ہیں جو اصحاب دانش ہیں- جنہوں نے دانش وفہم سے منہ موڑ لیا ان سے کوئی توقع نہیں-

(۱۲) اس کے بعد ان لوگوں کے اعمال گنائے ہیں جنہوں نے احکام حق قبول کیے اور دنیا کے لیے نافع ہو گئے- یہ اعمال کیا کیا ہیں؟

(ا) اللہ کی بندگی کا عہد پورا کرتے ہیں- اپنی عبودیت میں سچے اور کامل ہیں-

(ب) اللہ نے جو رشتے جوڑ دیے ہیں انہیں ظلم وناانصافی سے توڑتے نہیں بلکہ ہر رشتہ کا پاس کرتے اور ہر علاقہ کا حق ادا کرتے ہیں-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۠ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝۳۵ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝۳۶ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝۳۷ ع

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک باغ ہے اور اس کے تلے نہریں رواں ہیں (جن کی آبیاری اسے ہمیشہ سرسبز و شاداب رکھتی ہے) اس کے پھل دائمی ہیں (کبھی ختم ہونے والے نہیں) اس کے درختوں کی چھاؤں بھی ہمیشگی کی (کبھی بدلنے والی نہیں) یہ ہے ان لوگوں کا انجام جنہوں نے تقویٰ کی راہ اختیار کی اور کافروں کا انجام آگ ہے! (۳۵)

اور (اے پیغمبر!) جن لوگوں کو ہم نے کتاب (ہدایت) دی ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ اس بات سے خوش ہوتے ہیں جو تجھ پر اتاری گئی ہے اور ان جماعتوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں اس کی بعض باتوں سے انکار ہے، تو تم کہہ دو "مجھے تو بس یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی بندگی کروں اور کسی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں - اسی کی طرف تمہیں بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا رخ ہے! (۳۶)

اور اسی طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے اسے (یعنی قرآن کو) ایک عربی فرمان کی شکل میں اتارا (یعنی عربی زبان میں اتارا) اگر حصول علم کے بعد تو نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی تو سمجھ لے کہ پھر اللہ کے مقابلہ میں نہ تو تیرا کوئی کارساز ہوگا نہ بچانے والا! (۳۷)

اس عمل میں تمام حقوق العباد آ گئے جس طرح پہلی بات میں حقوق اللہ آ گئے ہیں -

(ج) آخرت کی فکر سے بے پروا نہیں ہوتے - جو کچھ کرتے ہیں، اس میں خوف آخرت کی کھٹک موجود ہوتی ہے - وہ یقین رکھتے ہیں کہ کسی کے آگے ایک دن حساب دینا ہے اور حساب کی سختی پیش آنے والی ہے -

(د) اللہ کی محبت میں ہر طرح کی ناگوار حالتیں صبر و ثبات کے ساتھ جھیل لیتے ہیں - شدتوں اور محنتوں سے منہ نہیں موڑتے - آزمائشوں کو پیٹھ نہیں دکھاتے -

(ہ) نماز اس کی ساری شرطوں کے ساتھ قائم رکھتے ہیں -

(و) جو کچھ کماتے ہیں اسے صرف اپنے نفس ہی پر خرچ نہیں کرتے - دوسروں پر بھی خرچ کرتے ہیں - اور ہر حال میں خرچ کرتے ہیں - کھلے طور پر بھی، پوشیدہ طور پر بھی -

(ز) بدی کے بدلے بدی کرنا ان کا شیوہ نہیں - کوئی ان کے ساتھ کتنی ہی برائی کرے یہ بھلائی ہی سے پیش آئیں گے!

(۱۳) آیت (۳۱) میں یہ حقیقت واضح کی کہ اللہ کی کتاب ہدایت خلق کے لیے نازل ہوتی ہے - عجائب آفرینیوں کے لیے نازل نہیں ہوئی - اگر کوئی کتاب اس لیے نازل ہوئی ہوتی کہ پہاڑوں کو چلا دے اور مردوں سے صدائیں نکال دے تو تم پر بھی ایسی ہی چیز اترتی، لیکن نہ ایسا ہوا ہے نہ اب ہوگا - اس طرح کی عجائب آفرینیوں کی فرمائش اس بات کی دلیل ہے کہ دلوں میں سچائی کی طلب نہیں - اگر طلب ہوتی تو پہاڑوں کے چلنے کا انتظار نہ کرتے - یہ دیکھتے کہ انسانوں کے دلوں کو کس راہ چلاتی ہے اور مردہ جسموں کی جگہ مردہ روحوں کو کس طرح زندہ کر دیتی ہے؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے تجھ سے پہلے بھی (بے شمار) پیغمبر قوموں میں پیدا کیے اور (وہ تیری ہی طرح انسان تھے) ہم نے انہیں بیویاں بھی دی تھیں اور اولاد بھی، اور کسی پیغمبر کے لیے یہ بات نہ ہوئی کہ وہ (خود) کوئی نشانی لا دکھاتا مگر اسی وقت کہ اللہ کا حکم ہوا ہو- ہر وقت کے لیے ایک کتاب ہے- (۳۸) اللہ جو بات چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، جو چاہتا ہے نقش کر دیتا ہے- اور کتاب کی اصل و بنیاد اسی کے پاس ہے! (۳۹)

اور ہم نے ان لوگوں سے (یعنی کفار مکہ سے ظہور نتائج کے) جو وعدے کیے ہیں (کچھ ضرور نہیں کہ بیک دفعہ سب ظہور میں آ جائیں) ہوسکتا ہے کہ ان میں سے بعض باتیں ہم تجھے تیری زندگی ہی میں دکھا دیں- ہوسکتا ہے کہ ان سے پہلے تیرا وقت پورا کر دیں- بہر حال جو کچھ تیرے ذمہ ہے وہ یہی ہے کہ پیام حق پہنچا دینا- ان سے (ان کے کاموں کا) حساب لینا ہمارا کام ہے- تیرا کام نہیں- (۴۰)

پھر کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم اس سرزمین کا قصد کر رہے ہیں؟ اسے اطراف سے گھٹاتے ہوئے (اور ظالموں پر عرصہ حیات تنگ کرتے ہوئے؟) اور اللہ ہے جو فیصلہ کرتا ہے- کوئی نہیں جو اس کا فیصلہ ٹال سکے- وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے! (۴۱)

(۱۴) آیت (۳۸) میں فرمایا: ﴿ لکل اجل کتاب ﴾ اس کا ایک مطلب تو وہ ہے جو ہم نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے- دوسرا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہر بات کے مقررہ وقت کے لیے ایک نوشتہ ہے- یعنی طے شدہ میعاد ہے اور وہ اس سے پہلے ظہور میں نہیں آ سکتی-

(۱۵) آیت (۴۰) سے آخر سورت تک سورت کے تمام مواعظ کا خلاصہ ہے- فرمایا- تمہارے ذمے جو کچھ ہے وہ تو یہ ہے کہ پیام حق پہنچا دو- محاسبہ اللہ کا کام ہے اور وہ حساب لے کر رہے گا- ہوسکتا ہے کہ جن جن باتوں کا وعدہ کیا گیا ہے تمہاری زندگی ہی میں ظاہر ہو جائیں- ہوسکتا ہے کہ تمہارے بعد ظہور میں آئیں- یہ بات کہ ان نتائج و عواقب کا ظہور تمہارے سامنے نہ ہوا، مواعید الٰہی کی صداقت پر کچھ اثر نہیں ڈال سکتی-

یہ بات مختلف سورتوں میں بار بار کہی گئی ہے- معلوم ہوتا ہے اس سے مقصود صرف یہی نہیں تھا کہ مستقبل کی خبر دے دی جائے بلکہ یہ حقیقت بھی واضح کرنی تھی کہ کوئی شخصیت کتنی ہی اہم ہو لیکن پھر شخصیت ہے اور کار و بار حق کا معاملہ اس کی موجودگی و عدم موجودگی پر موقوف نہیں- جو کچھ ہونا چاہیے اور جو کچھ ہونے والا ہے بہر حال ہو کر رہے گا- خواہ پیغمبر اپنی زندگی میں اس کا ظہور دیکھ لے یا نہ دیکھ سکے-

پھر غور کرو، نتائج کا ظہور بھی ٹھیک ٹھیک اسی طرح ہوا- جن باتوں کی خبر دی گئی تھی ان کا بڑا حصہ تو خود پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی ہی میں ظاہر ہو گیا یعنی انہوں نے دنیا چھوڑنے سے پہلے تمام جزیرہ عرب کو حلقہ بگوش اسلام پایا- البتہ بعض باتوں کا ظہور آپ کے بعد ہوا- مثلاً منافقوں کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ ع ۱۳

اور جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں انہوں نے بھی (دعوت حق کے مقابلہ میں) مخفی تدبیریں کی تھیں، سو (یاد رکھو) ہر طرح کی تدبیریں اللہ ہی کے لیے ہیں- وہ جانتا ہے کہ ہر انسان کیا کمائی کر رہا ہے- اور وہ وقت دور نہیں کہ کافروں کو معلوم ہو جائے گا کس کا انجام بہ خیر ہونے والا ہے! (۴۲)

(اے پیغمبر!) منکرین حق کہتے ہیں: تو خدا کا بھیجا ہوا نہیں- تو کہہ دے میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی بس کرتی ہے اور اس کی جس کے پاس کتاب کا علم ہے! (۴۳)

استیصال بیرونی فتوحات کا حصول اور خلافت ارضی کے وعدہ کی تکمیل-

آیت (۴۱) میں خبر دی گئی ہے کہ وہ سریع الحساب ہے اس لیے ظہور نتائج کا وقت دور نہیں- نیز یہ کہ دعوت حق کی فتح مندی اس طرح ظہور میں آئے گی کہ بتدریج مکہ کے اطراف و جوانب قریش مکہ کے تسلط سے کٹتے جائیں گے اور بالآخر مکہ بھی فتح ہو جائے گا-

آخری آیت میں واضح کر دیا کہ حق و باطل کی موجودہ آویزش کا نقطہ نزاع کیا ہے؟ فرمایا- تمہارا دعویٰ ہے کہ اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہو- منکر کہتے ہیں نہیں، تم بھیجے ہوئے نہیں- اب قانون قضاء بالحق کے مطابق فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے اور اس کی شہادت بس کرتی ہے-

اللہ کی شہادت سے مقصود بھی قضاء بالحق اور بقائے انفع کے قانون کا نفاذ ہے جو ظاہر ہو کر بتلا دیتا ہے کہ حق کس کے ساتھ تھا اور باطل کا کون پرستار تھا- مزید تشریح کے لیے تفسیر سورہ فاتحہ کا مطالعہ کرو-

❋ ❋ ❋

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰیَاتُهَا : 52 سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا : 7

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝١ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ وَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۝٢ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝٣ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٤ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى

الف-لام-را

یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تجھ پر اتاری ہے تا کہ لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم کی تعمیل میں تاریکیوں سے نکالے اور روشنی میں لائے کہ غالب اور ستودہ خدا کی راہ ہے۔(۱) وہ اللہ کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے (اور سب اسی کے احکام کے آگے جھکے ہوئے ہیں) اور عذاب سخت کی خرابی ہے ان منکروں کے لیے (۲) جنہوں نے آخرت چھوڑ کر دنیا کی زندگی پسند کر لی۔ جو اللہ کی راہ سے انسانوں کو روکتے ہیں اور چاہتے ہیں اس میں کجی ڈالیں۔ یہی لوگ ہیں کہ بڑی گہری گمراہی میں جا پڑے۔(۳)

اور ہم نے کوئی پیغمبر دنیا میں نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ اپنی قوم ہی کی زبان میں پیام حق پہنچانے والا تھا تا کہ لوگوں پر مطلب واضح کر دے۔ پس اللہ جس پر چاہتا ہے (کامیابی کی) راہ گم کر دیتا ہے، جس پر چاہتا ہے کھول دیتا ہے۔ وہ غالب ہے حکمت والا!(۴)

اور دیکھو یہ واقعہ ہے کہ ہم نے اپنی نشانیوں کے ساتھ موسیٰ کو بھیجا تھا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکالے

---

(۱) اس سورت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انبیاء کے ظہور اور اس کے احوال وظروف اور نتائج کو مجموعی طور پر پیش کیا گیا ہے۔ بیان حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی ہے۔ یعنی اس باب میں ان کی موعظت نقل کی گئی ہے۔ پھر سلسلہ بیان دعوت قرآن کے ظہور پر متوجہ ہو گیا ہے اور واضح کیا ہے کہ جو نتائج ہمیشہ نکل چکے ہیں ویسے ہی نتائج اب بھی نکلیں گے۔

آخر میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ دعوت قرآن دراصل دعوت ابراہیمی کی تجدید ہے اور اسی عہد الٰہی کا ظہور ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا گیا تھا۔

ایک خاص بات یہ بھی نمایاں ہے کہ خطاب کا رخ زیادہ تر روسائے قریش کی طرف ہے جن کے ہاتھ میں ملک کی ریاست و پیشوائی کی باگ تھی۔

(۲) ہدایت روشنی ہے اور ضلالت تاریکی' سنت الٰہی یہ ہے کہ جب تاریکی پھیل جاتی ہے تو وہ ہدایت وحی کے ذریعہ سے انسانوں کو تاریکی سے نکالتا اور روشنی میں لاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کا ظہور اسی روشنی کا پیام ہے اور ایسا ہی پیام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی دیا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ ع ۱۳

اور روشنی میں لائے - نیز یہ کہ اللہ کے (فیصلہ کن) واقعات کا تذکرہ کر کے وعظ و نصیحت کرے - کیونکہ ہر اس انسان کے لیے جو صبر و شکر کرنے والا ہے اس تذکرہ میں (عبرت و موعظت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں! (۵)

اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ موسیٰ نے اپنی قوم کو (وعظ و نصیحت کرتے ہوئے) کہا تھا: ''اللہ نے تم پر جو احسان کیے ہیں انہیں نہ بھولو - اس نے تمہیں خاندان فرعون (کی غلامی) سے نجات دی (اور یہ اس کا کتنا بڑا احسان ہے؟) وہ تمہیں کیسے جانکاہ عذابوں میں ڈالتے تھے؟ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے (تاکہ تمہاری تعداد بڑھنے نہ پائے) تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے (کہ ان کی باندیاں بن کر زندگی بسر کریں) دیکھو اس صورت حال میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لیے کیسی سخت آزمائش تھی؟'' (۶)

''اور کیا وہ وقت بھول گئے جب تمہارے پروردگار نے (اپنے اس قانون کا) اعلان کیا تھا ''اگر تم نے شکر کیا تو میں تمہیں اور زیادہ نعمتیں بخشوں گا اور اگر ناشکری کی تو پھر یاد رکھو میرا عذاب بھی بڑا سخت عذاب ہے!'' (۷)

(۳) سورۂ ہود کے آخری نوٹ میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ کیوں گذشتہ اقوام کے وقائع و ایام کو ''ایام اللہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے - یہاں فرمایا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی الٰہی سے ایسا ہوا تھا کہ اپنی قوم کو ''ایام اللہ'' کی عبرتیں اور بصیرتیں یاد دلائیں - کیونکہ ان میں صبر و شکر کرنے والوں کے لیے فتح و کامرانی کی بڑی بڑی نشانیاں پوشیدہ ہیں -

بنی اسرائیل مصر میں عرصہ تک مظلومی و مقہوری کی زندگی بسر کر چکے تھے - اس لیے طبیعتوں میں مایوسی و بے ہمتی سرایت کر گئی تھی - مستقبل کے فتح و اقبال کی بشارتیں سنتے مگر اپنے دل میں عزم و ثبات کے ولولے نہیں پاتے تھے - پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ انہیں ''ایام اللہ'' کے تذکرے سناؤ - ان تذکروں میں قوانین حق کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں - یعنی بڑی بڑی دلیلیں ہیں - یہ دلیلیں واضح کر دیں گی کہ جو لوگ مصائب و محن کے مقابلہ میں ہمت نہیں ہار دیتے، سچائی کی راہ میں جمے رہتے ہیں اور سعی و عمل سے گھبراتے نہیں - ان کی کامیابی قطعی اور اٹل ہوتی ہے اور ہمیشہ ایسے ہی لوگ فتح و مراد سے ہم آغوش ہوتے ہیں!

یہی وجہ ہے کہ آیت (۵) میں فرمایا - اس تذکرہ میں صبر و شکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں -

(۴) ''صبر'' کے معنی یہ ہیں کہ مشکلوں مصیبتوں کے مقابلہ میں جمے رہنا - ''شکر'' کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی بخشی ہوئی قوتوں کی قدر کرنا اور انہیں ٹھیک ٹھیک کام میں لانا - آیت (۷) میں فرمایا - خدا کا یہ مقررہ قانون ہے کہ جو قوم شکر کرتی ہے - یعنی خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کی قدر بجا لاتی ہے اور انہیں ٹھیک طور پر کام میں لاتی ہے خدا اسے اور زیادہ نعمتیں عطا فرماتا ہے لیکن جو کفران نعمت کرتی ہے یعنی قدر شناسی نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۭ جَاۗءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا
تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ
لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا
عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

اور موسیٰ نے کہا ''اگر تم اور وہ سب جو زمین میں بستے ہیں کفران نعمت کریں تو (اللہ کو اس کی کیا پروا ہو سکتی ہے؟) اللہ کی ذات تو بے نیاز اور ستودہ ہے (لیکن محرومی و ہلاکت خود تمہارے لیے ہوگی)'' (۸)

''پھر کیا تم تک ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں؟ قوم نوح' قوم عاد' قوم ثمود اور وہ قومیں جو ان کے بعد ہوئیں اور جن کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے؟ ان تمام قوموں کے پاس ان کے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ آئے تھے لیکن انہوں نے ان کی باتیں انہی پر لوٹا دیں اور کان دھرنے سے انکار کر دیا - انہوں نے کہا - جو بات لے کر تم آئے ہو ہمیں اس سے انکار ہے اور جس بات کی طرف تم بلاتے ہو ہمیں اس پر یقین نہیں - ہم شک و شبہ میں پڑ گئے ہیں'' (۹)

ان رسولوں نے کہا ''کیا تمہیں اللہ کے بارے میں شک ہے؟ وہ اللہ کہ آسمان و زمین کا بنانے والا ہے؟ وہ تمہیں بلا رہا ہے کہ تمہارے گناہ بخش دے اور ایک مقررہ وقت تک (زندگی و کامرانی کی) مہلتیں دے''

اس پر قوموں نے کہا ''تم اس کے سوا کیا ہو کہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی ہو - اور پھر چاہتے ہو جن معبودوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ان کی پوجا کرنے سے ہمیں روک دو - اچھا، (اگر ایسا ہی ہے تو) کوئی واضح دلیل پیش کرو'' (۱۰)

ان کے رسولوں نے جواب میں کہا ''ہاں ہم اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ تمہاری ہی طرح آدمی ہیں

کرتی' وہ محرومی و نامرادی کے عذاب میں گرفتار ہو جاتی ہے اور یہ اللہ کا سخت عذاب ہے، جو کسی انسانی گروہ کے حصے میں آتا ہے -

غور کرو حقیقت حال کی کتنی سچی تعبیر ہے؟ جو فرد یا گروہ خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کی قدر کرتا ہے - مثلاً خدا نے اسے فتح مندی و کامرانی عطا فرمائی ہے وہ اس نعمت کو پہچانتا، اسے ٹھیک طور پر کام میں لاتا اور اس کی حفاظت سے غافل نہیں ہوتا - وہ اور زیادہ نعمتوں کے حصول کا مستحق ہو جاتا ہے یا نہیں؟ جو ایسا نہیں کرتا کیا اس کی نامرادی و تباہی میں کوئی شک ہو سکتا ہے؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰي مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ⑫ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ⑬ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ⑭ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ⑮ ع ۱۴

لیکن اللہ جس بندہ کو چاہتا ہے اپنے فضل و احسان کے لیے چن لیتا ہے- اور یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں کہ تمہیں کوئی سند لا دکھائیں مگر ہاں یہ کہ اللہ کے حکم سے ہو، اور اللہ ہی ہے جس پر ایمان رکھنے والوں کا بھروسہ ہے!''

''اور ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ پر بھروسہ نہ کریں؟ حالانکہ اسی نے ہماری (زندگی و معیشت کی) راہوں میں ہماری رہنمائی کی ہے- ہم ان ایذاؤں پر صبر کریں گے جو تم ہمیں دے رہے ہو، بس اللہ ہی ہے جس پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے!'' (۱۲)

اور منکروں نے اپنے رسولوں سے کہا ''ہم تمہیں اپنے ملک سے ضرور نکال باہر کریں گے یا پھر تم ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ'' (جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا) تو ہم نے رسولوں پر وحی بھیجی: ''اب ایسا ضرور ہو گا کہ ہم ان ظالموں کو ہلاک کر ڈالیں (۱۳) اور ان کے بعد تمہیں اس سرزمین میں جگہ دیں'' یہ ہے نتیجہ اس کے لیے جو ہماری (حکومت و عدالت کی) جگہ سے ڈرا- نیز (پاداش عمل کی) تنبیہ سے! (۱۴)

غرض کہ پیغمبروں علیہم السلام نے فتح مندی طلب کی اور ہر سرکش ضدی (جس نے حق کا مقابلہ کیا تھا) نامراد ہوا- (۱۵)

---

(۵) سورۂ ہود کے آخری نوٹ میں ایام و وقائع کا مبحث گزر چکا ہے- اسے پیش نظر رکھو اور دیکھو، یہاں تمام ایام و وقائع کے مجموعی نتائج و سنن کس طرح بیان کیے جا رہے ہیں اور کس طرح ان کے جزئیات کو ایک کلی حقیقت کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے- یعنی سب کا ظہور ایک ہی طرح ہوا تھا سب کے ساتھ ان کی قوموں نے ایک ہی طرح کا سلوک کیا تھا، سب کی دعوت ایک ہی تھی، سب کو جوابات ایک ہی طرح کے ملے تھے اور پھر نتیجہ بھی ہر واقعہ میں ایک ہی طرح کا نکلا- ہر رسول اور اس کے ساتھی کامیاب ہوئے، ہر سرکش اور مقابل نامراد ہوا-

قرآن کے یہی مقامات ہیں جنہوں نے ایام و وقائع کے سنن و بصائر صاف واضح کر دیے ہیں اور اس باب میں ہم نے جو مبادی و اصول مرتب کیے ہیں وہ تمام تر انہی تصریحات سے ماخوذ ہیں-

(۶) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا- کیا پچھلی قوموں کے ایام و وقائع تم تک نہیں پہنچے؟ یعنی تم نہیں سن چکے ہو؟ پھر تین قوموں کا ذکر کیا جن کے حالات سے نہ تو بنی اسرائیل بے خبر تھے نہ مصر کے باشندے بے خبر ہو سکتے تھے جہاں ان کی نشو و نما ہوئی تھی- بقیہ قوموں کا حال چونکہ اس درجہ مشہور نہ تھا اس لیے صرف اشارہ کر کے چھوڑ دیا ﴿ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ میں یہ پہلو بھی موجود ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِّنْ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿١٦﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿١٧﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿١٨﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿١٩﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿٢٠﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ

اس کے پیچھے دوزخ ہے (یعنی دنیا کی نامرادی کے بعد آخرت کی نامرادی پیش آنے والی ہے) وہاں خون اور پیپ کا پانی پلایا جائے گا-(۱۶) وہ ایک ایک گھونٹ کر کے منہ میں لے گا اور گلے سے اتار نہ سکے گا- ہر طرف سے اس پر موت آئے گی مگر مرے گا نہیں- اس کے پیچھے ایک سخت عذاب لگا ہوا ہے!(۱۷)

جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا تو ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ کا ڈھیر کہ آندھی کے دن ہوا لے اڑے- جو کچھ انہوں نے (اپنے اعمال کے ذریعہ سے) کمایا ہے اس میں سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہ آئے گا- یہی گمراہی کی حالت ہے جو بڑی ہی گہری گمراہی ہے!(۱۸)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو ایک فعل عبث کی طرح نہیں بنا دیا ہے، کسی مصلحت سے بنایا ہے- اگر وہ چاہے تو تم سب کو ہٹا دے اور ایک نئی پیدائش نمودار کر دے-(۱۹) ایسا کرنا اس پر کچھ دشوار نہیں!(۲۰)

اور (دیکھو قیامت کے دن) سب لوگ اللہ کے روبرو حاضر ہو گئے- پس ناتوانوں نے سرکشوں سے کہا ''ہم (دنیا میں) تمہارے پیچھے چلنے والے تھے، پھر کیا آج تم ایسا کر سکتے ہو کہ اللہ کے عذاب سے کچھ بچاؤ کر دو؟''

کہ بہت سی قومیں تھیں جن کا شمار اللہ ہی کو معلوم ہے- تم ان کا احاطہ نہیں کر سکتے-

(۷) آیت (۱۰) پر غور کرو- قوموں کا ہمیشہ یہی جواب رہا کہ ہمیں تمہاری دعوت کی سچائی میں شک ہے، ہم نہیں مانتے لیکن پیغمبروں کی پکار بھی یہی رہی کہ ﴿ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ کس بارے میں تمہیں شک ہو رہا ہے؟ اللہ کے بارے میں جو آسمان و زمین کا بنانے والا ہے؟ یعنی اس ہستی کے بارے میں جس کا اعتقاد تمہاری فطرت کے خمیر میں موجود ہے اور تمہارے دل کا ایک ایک ریشہ کہہ رہا ہے کہ ایک ﴿ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ ہستی موجود ہے؟ دنیا کی ہر بات میں تم شک کر سکتے ہو لیکن اس بارے میں تم شک نہیں کر سکتے- تم کیونکر جرات کر سکتے ہو کہ اپنے دل کے یقین سے انکار کر دو، اپنی روح کے اعتقاد سے منکر ہو جاؤ' خود اپنی نسبت شک کرنے لگو؟

یہ قرآن کی معجزانہ بلاغت ہے کہ صرف ایک چھوٹے سے جملے اور استفہام تقریری میں وہ سب کچھ بیان کر دیا جو زیادہ سے زیادہ اس بارہ میں کہا جا سکتا ہے اور جو استدلال کی انتہا، اثبات کی تکمیل اور سارے برہانوں اور حجتوں کا جامع و مانع خلاصہ ہے- یعنی ﴿ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ (تفصیل کے لیے دیکھو تفسیر سورۂ فاتحہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ
شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ ع ۱۵
وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا
كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ
مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ

انہوں نے کہا "اگر اللہ ہم پر بچاؤ کی کوئی راہ کھولتا تو ہم بھی تمہیں کوئی راہ دکھاتے - (ہم تو خود بھی عذاب میں پڑے ہوئے ہیں) خواہ جھیل لیں، خواہ روئیں پیٹیں، ہمارے لیے دونوں حالتیں برابر ہوگئیں - ہمارے لیے آج کسی طرح چھٹکارا نہیں" (۲۱)

اور (دیکھو) جب فیصلہ ہو چکا تو شیطان بولا "بلاشبہ اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا - سچا وعدہ - (اور وہ پورا ہو کر رہا) اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا مگر اسے پورا نہ کیا - مجھے تم پر کسی طرح کا تسلط نہ تھا (کہ تم میری پیروی پر مجبور ہو گئے ہو) جو کچھ پیش آیا وہ صرف یہ ہے کہ میں نے تمہیں بلایا اور تم نے میرا بلاوا قبول کر لیا پس اب مجھے ملامت نہ کرو - خود اپنے آپ کو ملامت کرو - آج کے دن نہ تو میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو - تم نے اب سے پہلے (دنیا میں) جو مجھے (اللہ کا) شریک ٹھہرا لیا تھا (کہ اس کے احکام کی طرح میرے حکموں کی بھی اطاعت کرنے لگے تھے) تو میں اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں - بلاشبہ ظلم کرنے والوں کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب ہے!" (۲۲) اور (دیکھو) جو لوگ ایمان لائے تھے اور جنہوں نے

(۸) آیت (۱۲) میں پیغمبروں کا قول نقل کیا ہے کہ ﴿ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ﴾ اس آیت میں "ہدایت" اور "سبیل" سے مقصود ہدایت وحی اور سبیل دین نہیں ہے جیسا کہ مفسروں اور مترجموں نے سمجھا ہے بلکہ ہدایت ربوبیت کا عام فیضان ہے اور اسی میں اسلوب خطاب کا استدلال پوشیدہ ہے - یعنی ہم تمہارے ظلم و تشدد سے کیوں ہراساں ہوں؟ کیوں اللہ کی تائید و نصرت پر بھروسہ نہ کریں؟ جس ہستی نے زندگی و معیشت کی تمام راہوں میں ہماری رہنمائی کا سامان کر دیا ہے، کیا حق و باطل کی اس آویزش میں ہم پر راہ نجات نہ کھول دے گی؟ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد کہا: ﴿ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ﴾ ہم ضرور صبر کریں گے اور ضرور ایسا ہوگا کہ صبر کا نتیجہ ہمارے حصہ میں آئے -

اگر یہاں "ہدایت" کو "ہدایت وحی" سمجھا جائے تو خطاب کا سارا زور اور استدلال مفقود ہو جاتا ہے -

(۹) آیت (۱۸) پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وعظ اور ایام اللہ کا تذکرہ ختم ہو گیا - آیت (۱۹) سے نیا خطاب شروع ہوتا ہے - البتہ یہ خطاب بھی پچھلے بیان ہی کا تتمہ ہے - فرمایا کیا تم تخلیق بالحق کی حقیقت پر غور نہیں کرتے؟ یعنی اس بات پر غور نہیں کرتے کہ کائنات ہستی کی ہر چیز اس طرح واقع ہوئی ہے کہ صاف نظر آتا ہے یہ سب کچھ کسی خاص مصلحت و مقصد سے بنایا گیا ہے - ایسا نہیں ہے کہ بغیر کسی سوچے ہوئے مقصد اور ٹھہرائی ہوئی مصلحت کے ویسے ہی ظہور میں آ گیا ہو - پھر اگر تم دیکھ رہے ہو کہ آسمان و زمین کی ہر چیز کسی مصلحت کے ساتھ بنائی گئی ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ خود تمہاری ہستی کی پیدائش میں کوئی خاص مصلحت پوشیدہ نہ ہو اور کرہ ارضی کی یہ سب سے بڑی اور اشرف مخلوق محض بے کار و عبث بنا دی گئی ہو؟

اگر وہ چاہے تو تمہیں چھانٹ دے اور ایک نئی قوم کی تخلیق کا سامان کر دے کیونکہ اس کا ٹھہرایا ہوا قانون یہی ہے کہ جو جماعت غیر نافع ہو جائے اسے مٹ جانا ہے اور اس کی جگہ نافع و اصلح جماعت کو ظہور میں آنا ہے - ﴿ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴾

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَ اُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ
ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ
اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ
كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ

نیک کام کیے تھے وہ (نعیم ابدی کے) باغوں میں داخل ہوگئے، ان کے تلے نہریں بہ رہی ہیں- اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ انہی میں رہیں گے (ان کی راحتوں کے لیے کبھی زوال نہیں)- وہاں ان کے لیے (ہر طرف سے) دعاؤں کی پکار یہی ہے کہ تم پر سلامتی ہو!" (۲۳)

کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے کس طرح ایک مثال بیان کی؟ ایک اچھی بات کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھا درخت- جڑ اس کی جمی ہوئی اور ٹہنیاں آسمان میں پھیلی ہوئیں- (۲۴) اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل پیدا کرتا رہتا ہے- (اس کی ٹہنیاں کبھی بغیر پھل کے نہیں رہ سکتیں) اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ سوچیں سمجھیں! (۲۵)

اور نکمّی بات کی مثال کیا ہے؟ جیسے ایک نکما درخت- زمین کی سطح پر اس کی جڑ کھوکھلی- جب چاہا اکھاڑ پھینکا- اس کے لیے جماؤ نہیں- (۲۶) اللہ ایمان والوں کو جمنے اور مضبوط رہنے والی بات کے ذریعہ سے جماؤ اور مضبوطی دیتا ہے- دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی- اور نافرمانوں پر (جماؤ اور مضبوطی کی) راہ گم کر دیتا ہے-

(۱۰) آیت (۲۱) میں جماعتوں کی گمراہی کی ایک سب سے بڑی علت کی طرف اشارہ کیا ہے- یعنی اپنے گمراہ سرداروں امیروں بادشاہوں اور پیشواؤں کی اندھی تقلید واطاعت کرنا اور خود اپنی عقل وبصیرت سے کام نہ لینا- فرمایا- کیا تمہارے یہ پیشوا تمہیں نتائج اعمال کی گرفت سے بچا سکتے ہیں؟ قیامت کے دن جماعتوں کے کمزور افراد یعنی عوام اپنے اپنے پیشواؤں اور سرداروں سے کہیں گے- دنیا میں ہم نے تمہاری پیروی کی تھی- آج عذاب الٰہی کی پکڑ سے ہمارا بچاؤ کر دو- وہ کہیں گے ہم خود اپنے کو نہیں بچا سکتے- تمہیں کس طرح بچائیں؟

آیت میں قریش مکہ کی طرف اشارہ ہے جو قوم کے سردار و پیشوا تھے- اور نہ صرف قبائل حجاز بلکہ تمام باشندگان عرب ان کے طور طریقہ کی پیروی کرتے تھے- جب انہوں نے دعوت اسلام کی مخالفت میں قدم اٹھایا تو تمام قبائل عرب نے ان کی پیروی کی-

(۱۱) قرآن نے ہر جگہ ایمان کی خصوصیت یہ بتلائی ہے کہ سرتاسر سلامتی ہے- اور کفر کی پہچان یہ بتلائی ہے کہ سرتاسر اضطراب ومحرومی ہے- یہی وجہ ہے کہ جنت کی زندگی کے مرقع میں بھی سب سے زیادہ نمایاں بات یہی نظر آتی ہے- وہ سلامتی کی زندگی ہوگی اور وہاں ہر طرف سے سلامتی ہی کی پکاریں سنائی دیں گی-

(۱۲) آیت (۲۴) قرآن کے مہمات معارف میں سے ہے- لیکن افسوس ہے ہمارے مفسروں کو اس کی مہلت نہ ملی کہ اس کے حقائق کی وسعت کا مشاہدہ کر سکتے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ع ۱۲

وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ
الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ
قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰهُ

اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے (اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ ایسا کرے!) (۲۷)

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جنہیں اللہ نے نعمت عطا فرمائی تھی مگر انہوں نے کفران نعمت سے اسے بدل ڈالا اور اپنے گروہ کو ہلاکت کے گھر میں جا اتارا؟ (۲۸) یعنی دوزخ میں جا اتارا جس میں وہ داخل ہوں گے؟ (پھر جس کا ٹھکانا دوزخ ہوا تو) کیا ہی برا ٹھکانا ہے! (۲۹)

اور انہوں نے اللہ کے لیے اس کے ہم درجہ بنائے کہ لوگوں کو اس کی راہ سے بھٹکائیں۔

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو "اچھا" (زندگی کے چند روزہ) فائدے برت لو۔ پھر بالآخر تمہاری راہ آتش دوزخ ہی کی طرف ہے!" (۳۰)

(اے پیغمبر!) میرے بندوں کو جو ایمان لائے ہیں یہ پیام پہنچا دو "اس سے پہلے کہ وہ (ہولناک) دن آ نمودار ہو جب کہ (نجات کے لیے) نہ تو کسی طرح کا لین دین کام دے گا نہ کسی طرح کی دوستی (اپنے لیے نجات کا سامان کر لیں یعنی) نماز قائم کریں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ظاہر و پوشیدہ خرچ کرتے رہیں۔" (۳۱)

فرمایا۔ عجائب آباد ہستی کا کوئی گوشہ دیکھو۔ تمہیں دو طرح کی باتیں نظر آئیں گی۔ ایک کو قرار ہے۔ دوسری کو قرار نہیں۔ ایک میں جماؤ ہے۔ دوسری میں جماؤ نہیں۔ ایک اس لیے ہے کہ پھلے پھولے۔ دوسری اس لیے ہے کہ پامال ہو۔ پہلی کلمہ طیبہ ہے۔ دوسری کلمہ خبیثہ ہے۔ یعنی پہلی اچھائی ہے، پاکیزگی ہے، نفع و فیضان ہے۔ دوسری برائی ہے، گندگی ہے، ضرر و نقصان ہے۔

پہلی کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھا درخت، اچھے درخت کی خصوصیات کیا ہوتی ہیں؟ جڑ کی مضبوطی کہ اکھڑنے والی نہیں۔ شاخوں کی بلندی کہ جھکنے والی نہیں۔

دوسری کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نکما درخت زمین میں جگہ پکڑ نہیں سکتا۔ ٹہنیاں معدوم، پھل نابود، جب چاہو پکڑ کے کھینچ لو، جڑ سمیت اکھڑ آئے۔

اس کے بعد فرمایا۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو ایمان لاتے ہیں وہ انہیں جمنے والی اور مضبوط باتوں کے ساتھ جماؤ دے دیتا ہے۔ ان کی یہ خصوصیت دنیا کی زندگی میں بھی نمایاں ہوتی ہے اور آخرت میں بھی نمایاں ہوگی۔ لیکن جو لوگ ظلم و نافرمانی کی راہ اختیار کرتے ہیں انہیں یہ بات نہیں مل سکتی۔ ان پر جماؤ اور استقرار کی راہ بند ہو جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی ساری باتیں جماؤ اور مضبوطی کی باتیں ہوتی ہیں۔ ٹلنے والی، اکھڑ جانے والی اور اپنی جگہ سے ہل جانے والی نہیں ہوتیں۔ ان کا اعتقاد، ان کا عمل، ان کا طور طریقہ، ان کے دلائل و شواہد، ان کے تمام کام القول الثابت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ ع ۴

یہ اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور (زمین پر) اوپر سے پانی برسایا جس کی آبیاری سے طرح طرح کے پھل پیدا ہوتے ہیں کہ تمہارے لیے غذا کا سامان ہیں، اور جہاز تمہارے لیے مسخر کر دیے کہ اس کے حکم سے (یعنی اس کے ٹھہرائے ہوئے قانون کے ماتحت) سمندر میں چلنے لگیں۔ نیز دریا بھی تمہارے لیے مسخر کر دیے۔ (۳۲) اسی طرح سورج اور چاند بھی مسخر کر دیے ہیں کہ ایک خاص دستور پر برابر چلے جا رہے ہیں اور رات اور دن کا ظہور بھی مسخر ہے۔ (۳۳) غرض کہ تمہیں (اپنی زندگی کی کاربراریوں اور کامرانیوں کے لیے) جو کچھ مطلوب تھا سب اس نے عطا فرما دیا۔ اگر تم اللہ کی نعمتیں گننی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی ان کا احاطہ نہ کر سکو۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ناانصاف بڑا ہی ناشکرا ہے! (۳۴)

اور (یاد کرو) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے دعا مانگی تھی ''اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن کی جگہ بنا دیجیو' اور مجھے اور میری نسل کو اس بات سے دور رکھیو کہ بتوں کی پوجا کرنے لگیں'' (۳۵) ''پروردگار! ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو راہ حق سے بھٹکا دیا ہے۔ تو جو میرے پیچھے چلا (اور بت پرستی کی گمراہی میں نہ پڑا) وہ میرا ہوا'

ہوتے ہیں اور ان کی مثال شجرۂ طیبہ کی ہوتی ہے لیکن جو لوگ ایمان حق سے محروم ہیں ان کی کوئی بات بھی القول الثابت کی بات نہیں ہو سکتی۔ ان کی مثال شجرہ خبیثہ کی ہوتی ہے کہ ﴿ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴾

(۱۳) اس کے بعد آیت (۲۸) میں قریش مکہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ملک کی ریاست و پیشوائی کی باگ انہی کے ہاتھ میں تھی اور عامۃ الناس انہی کے پیچھے چلتے تھے۔ فرمایا ان کی محرومی دیکھو کہ کس طرح اللہ کی نعمت کی ناشکری کر رہے ہیں۔ اور کلمہ طیبہ کی جگہ کلمہ خبیثہ کو اپنا شعار بنا لیا ہے؟ اللہ نے انہیں قوم کی پیشوائی دی تھی۔ پس ان کا فرض تھا کہ دعوت حق کی قبولیت میں سب سے آگے ہوتے اور قوم کی سچی رہنمائی کرتے مگر انہوں نے استبدال نعمت کی راہ پسند کی۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور اپنی قوم کو بھی گمراہی میں دھکیل دیا۔

قریش مکہ کے کفران نعمت کے ذکر کے بعد ہی روئے سخن مومنوں کی طرف متوجہ ہو گیا ہے۔ آیت (۳۱) میں فرمایا۔ انہیں چاہیے نعمت الٰہی کی قدر بجا لائیں اور ناشکری سے بچیں۔ اس شکرگزاری نعمت کے سب سے بڑے اعمال کون سے ہیں؟ فرمایا۔ قیام صلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ۔ ان دو عملوں میں سرگرم رہیں۔

(۱۴) آیت (۳۲) میں برہان ربوبیت کا استدلال ہے۔ فرمایا۔ اپنی زندگی کی احتیاجوں کو دیکھو اور پھر ربوبیت الٰہی کی بخششوں اور کارفرمائیوں پر نظر ڈالو۔ زندگی کی کوئی قدرتی احتیاج ایسی نہیں ہے جس کا قدرتی انتظام نہ کر دیا گیا ہو اور کارخانہ عالم کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَاۤ اِنِّیْۤ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ
ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْىِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْۤ اِلَیْهِمْ
وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا یَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ
مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ

جس نے میرے طریقہ سے نافرمانی کی (اس سے میرا کوئی رشتہ نہیں اور) تو بخشنے والا رحمت فرمانے والا ہے!(۳۶) اے ہم سب کے پروردگار! (تو دیکھ رہا ہے کہ) ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام ونشان نہیں میں نے اپنی بعض اولاد تیرے محترم گھر کے پاس لاکر بسائی ہے، اور خدایا! اس لیے بسائی ہے کہ نماز قائم رکھیں (تاکہ یہ محترم گھر عبادت گزاران توحید سے خالی نہ رہے) پس تو (اپنے فضل وکرم سے) ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہو جائیں اور ان کے لیے زمین کی پیداوار سے سامان رزق مہیا کر دے تاکہ (بے آب وگیاہ ریگستان میں رہ کر بھی ضرورت معیشت سے محروم نہ رہیں اور) تیرے شکر گزار ہوں!''(۳۷)

''اے ہمارے پروردگار! ہم جو کچھ چھپاتے ہیں وہ بھی تو جانتا ہے- جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ بھی تیرے علم میں ہے- آسمان اور زمین کی کوئی چیز نہیں جو تجھ سے پوشیدہ ہو''(۳۸)

(اور ابراہیم نے کہا)''ساری ستائش اللہ کے لیے ہے جس نے باوجود بڑھاپے کے مجھے اسماعیل اور اسحاق

کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو تمہارے لیے افادہ وفیضان نہ رکھتا ہو- حتی کہ معلوم ہوتا ہے دنیا کی ہر چیز صرف اسی لیے بنی ہے کہ تمہاری کوئی نہ کوئی ضرورت پوری کر دے اور کسی نہ کسی شکل میں خدمت ونفع رسانی کا ذریعہ ہو- پھر کیا ممکن ہے کہ یہ سب کچھ بغیر کسی ارادہ کے ظہور میں آ گیا ہو اور کوئی ربوبیت رکھنے والی ہستی موجود نہ ہو؟ اور اگر ایک ایسی ہستی موجود ہے تو ہر طرح کی عبادتوں کی مستحق اس کی ذات ہے یا ان کی جو اپنی احتیاجوں میں خود کسی پروردگار کی پروردگاریوں کے محتاج ہیں؟

اس مقام میں ﴿ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ﴾ کہہ کر جس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ نہایت اہم اور تشریح طلب ہے- تشریح اس کی سورۂ فاتحہ میں ملے گی-

(۵) پچھلی آیت میں انسان کی اس غفلت کا ذکر کیا تھا کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر گزار نہیں- اور یہی گمراہی اس کی تمام محرومیوں کا سرچشمہ ہے: ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴾ اب آیت (۳۵) میں اس ناشکری کی ایک مناسب مقام مثال بیان کر دی- فرمایا- اس سے بڑھ کر ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے جو قریش مکہ نے کی ہے؟ وہ دنیا کے ایک ایسے گوشہ میں سکونت رکھتے ہیں جو انسانی آبادی کے لیے زیادہ سے زیادہ ناموزوں مقام تھا- کہ ایک بے آب وگیاہ ریگستان' جہاں درندے بھی بھٹ نہ بنائیں اور پرند بھی ہوا میں اڑنا پسند نہ کریں لیکن اللہ نے اپنے فضل وکرم سے اسے ایسا دلچسپ اور معمور مقام بنا دیا کہ انسانی گروہوں کے دل بے اختیار اس کی طرف کھنچنے لگے اور زمین کی ساری پیداواریں جو کسی سرسبز وشاداب ملک میں مل سکتی ہیں اس بنجر سرزمین میں مہیا ہو گئیں- یہ انقلاب حال کیونکر ظہور میں آیا؟ اس طرح کہ حضرت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ
وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۚ اِنَّمَا ع ۶
يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَ
اَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى
اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۭ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾

(دوفرزند) عطا فرمائے - بلاشبہ میرا پروردگار (اپنے بندوں کی) دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے!" (۳۹)

"خدایا! مجھے توفیق دے کہ میں نماز قائم کروں اور میری نسل کو بھی اس کی توفیق ملے! پروردگار میری یہ دعا تیرے حضور قبول ہو!" (۴۰)

"پروردگار! جس دن اعمال کا حساب لیا جائے گا تو مجھے اور میرے ماں باپ کو اور ان سب کو جو ایمان لائے (اپنے فضل و کرم سے) بخش دیجیو (اور حساب کی سختی میں نہ ڈالیو!)" (۴۱)

اور (اے پیغمبر!) ایسا خیال نہ کرنا کہ اللہ ان ظالموں کے کاموں سے غافل ہے (یعنی رؤسائے مکہ کے کاموں سے) دراصل اللہ نے ان کا معاملہ اس دن تک کے لیے پیچھے ڈال دیا ہے جب (نتائج عمل کی ہلاکتیں ظہور میں آئیں گی - اس دن ان لوگوں کا یہ حال ہوگا کہ شدت خوف و حیرت سے) آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی - (۴۲) حیران سراسیمہ نظریں اٹھائے ہوئے دوڑ رہے ہوں گے - نگاہیں ہیں کہ لوٹ کر آنے والی نہیں اور دل ہیں کہ (خوف و حیرانی کے سوا ہر خیال سے) خالی ہو رہے ہیں! (۴۳)

اور (اے پیغمبر!) لوگوں کو اس دن کی آمد سے خبردار کر دو جب کہ ان پر عذاب نمودار ہو جائے گا - اس دن ظلم کرنے والے کہیں گے "پروردگار! تھوڑی سی مدت کے لیے ہمیں مہلت دے دے - ہم (اب ہرگز انکار و سرکشی نہیں کریں گے اور) تیری پکار کا جواب دیں گے اور پیغمبروں کی پیروی کریں گے" (لیکن انہیں جواب ملے گا:) "کیا تم وہی نہیں ہو کہ اب سے پہلے قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے ہمیں کسی طرح کا زوال نہ ہوگا؟ (۴۴)

ابراہیم علیہ السلام نے یہاں دین حق کی عبادت گاہ بنائی اور اس کی پاسبانی اپنی اولاد کے سپرد کی - انہوں نے دعا مانگی تھی کہ خدایا! اس ویرانے کو آباد کر دیجیو - چنانچہ ان کی دعا مقبول ہوئی اور یہ ویرانہ اس طرح آباد ہو گیا کہ تمام عرب و اطراف عرب کے سالانہ اجتماع کا مرکز بن گیا -

رؤسائے قریش انہی کی نسل سے ہیں اور انہی کی برکتوں کا ظہور ہیں لیکن انہوں نے اس نعمت کا حق کس طرح ادا کیا؟ یوں ادا کیا کہ ملت ابراہیمی سے منحرف ہو گئے، ظلم و گمراہی کو اپنا شیوہ بنا لیا وہ دین حق جس کے قیام کے لیے یہ عبادت گاہ بنائی گئی تھی اصنام پرستی سے بدل گیا اور اب اپنی تمام طاقتیں اس دعوت کی مخالفت میں خرچ کر رہے ہیں جو اسی ملت ابراہیمی کی تجدید ہے -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

ع ۱۱ ۱۹

تم انہی لوگوں کی بستیوں میں بسے تھے جنہوں نے اپنی جانوں کے ساتھ ناانصافی کی تھی اور تم پر اچھی طرح واضح ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا نیز تمہیں سمجھانے کے لیے طرح طرح کی مثالیں بھی ہم نے بیان کر دیں (پھر بھی تم سرکشی سے باز نہ آئے) (۴۵) ان لوگوں نے اپنی ساری تدبیریں کر ڈالی تھیں اور اگرچہ ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ پہاڑوں کو جگہ سے ہلا دیں مگر اللہ کے پاس ان کی ساری تدبیروں کا جواب تھا" - (ان کی کوئی تدبیر بھی ظہور نتائج کو نہ روک سکی!) (۴۶)

پس ایسا خیال نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے جو وعدہ کر چکا ہے اس کے خلاف کرے گا (ایسا ہونا ممکن نہیں) وہ (سب پر) غالب ہے اور (اعمال بد کی) سزا دینے والا ہے! (۴۷)

وہ دن کہ جب یہ زمین بدل کر ایک دوسری ہی زمین ہو جائے گی اور آسمان بھی بدل جائیں گے اور سب لوگ خدائے یگانہ و غالب کے حضور حاضر ہوں گے! (۴۸)

تم اس دن مجرموں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں - (۴۹) ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے اور چہرے آگ کے شعلوں سے ڈھپے ہوئے - یہ اس لیے ہوگا کہ اللہ ہر جان کو اس کی کمائی کے مطابق بدلہ دے دے - بلاشبہ وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے! (۵۱)

یہ انسانوں کے لیے ایک پیام ہے اور اس لیے بھیجا گیا ہے کہ لوگوں کو خبردار کیا جائے اور وہ معلوم کر لیں کہ ان کا معبود ایک ہی معبود ہے - نیز اس لیے کہ سمجھ بوجھ والے اس سے نصیحت پکڑیں! (۵۲)

(۱۶) آیت (۴۸) سے معلوم ہوا کہ جس حادثہ کو قرآن نے قیامت سے تعبیر کیا ہے وہ اجرام سماویہ کا کوئی ایسا حادثہ ہوگا جو کرۂ ارضی کو بالکل بدل دے گا - نہ تو زمین وہ زمین رہے گی جیسی کہ اب ہے - نہ آسمان ویسا آسمان ہوگا جیسا اب نظر آ رہا ہے -

(۱۷) آخری آیت میں فرمایا - یہ سورت ایک پیام حق ہے اور یہ پیام اس لیے بھیجا گیا ہے کہ:

(ا) لوگ فساد و بدعملی کے نتائج سے متنبہ کیے جائیں -

(ب) یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں -

(ج) ارباب فہم و دانش کے لیے سرمایہ نصیحت ہو -

اب سورت کے تمام مطالب پر از سر نو نظر ڈالو اور دیکھو ان تینوں مقاصد پر وہ مشتمل ہے یا نہیں؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰیاتُھَا : 99 | سُوْرَۃُ الْحِجْرِ مَکِّیَّۃٌ | رُکُوْعَاتُھَا : 6

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ① رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ② ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ③ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَ لَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ④ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ⑤

الف-لام-را-

یہ آیتیں ہیں الکتاب کی اور قرآن کی جو (اپنی ساری باتوں میں) واضح اور روشن ہے! (۱)

جن لوگوں نے (اس کتاب کی سچائی سے) انکار کیا ہے ایک وقت آنے والا ہے کہ آرزوئیں کریں گے، کاش ہم ماننے والوں میں ہوتے! (۲)

(اے پیغمبر!) انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو- کھائیں پئیں، عیش و آرام کریں، (باطل) امیدوں پر بھولے رہیں- لیکن وہ وقت دور نہیں کہ انہیں معلوم ہو جائے گا (وہ کیسے دھوکے میں پڑے ہوئے تھے!) (۳)

ہم نے کبھی کسی بستی کے باشندوں کو ہلاک نہیں کیا مگر اسی طرح کہ اس کے لیے ایک ٹھہرائی ہوئی بات تھی (یعنی ایک مقررہ قانون تھا کہ جب کوئی حالت اس طرح کی ہوگی اور اس مقدار میں ہوگی تو ایسا نتیجہ ضرور نکلے گا) (۴) کوئی امت نہ تو اپنے وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے، نہ پیچھے رہ سکتی ہے! (۵)

---

(۱) قرآن نے جابجا اپنے اس وصف پر زور دیا ہے کہ وہ "مبین" ہے- یعنی ظاہر ہے، نمایاں ہے، روشن ہے-

لیکن کس بات میں؟

اپنے مطالب میں، اپنی دعوت میں، اپنے دلائل و آیات میں- یعنی اس کی کوئی بات نہیں جو الجھی ہوئی ہو، مشکل ہو، نا قابل فہم ہو- ہر ذہن اسے بوجھ لے سکتا ہے، ہر دل اسے قبول کر لے سکتا ہے، ہر روح اس پر مطمئن ہو جا سکتی ہے- وہ زیادہ سے زیادہ سیدھی سادھی بات ہے جو انسان کے دل و دماغ کے لیے ہو سکتی ہے- کیونکہ وہ سچائی ہے اور سچائی کی کوئی بات مشکل اور الجھی ہوئی نہیں ہو سکتی!

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اپنے آپ کو "النور" بھی کہا ہے- یعنی روشنی- روشنی کا خاصہ ہے کہ ہر بات کو نمایاں کر دیتی ہے- کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی- اگر وضاحت اور نمود نہیں ہے تو پھر اجالا بھی نہیں- اجالا جب کبھی ہوگا نمود و وضاحت اپنے ساتھ لائے گا!

(۲) جن لوگوں نے اس کے خلاف انکار و سرکشی کی راہ اختیار کی ہے وہ اپنی ہلاکت کا اپنے ہاتھوں سامان کر رہے ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں- ایک دن آنے والا ہے جب وہ حسرت و ندامت کے ساتھ کہیں گے- کاش ہم نے انکار نہ کیا ہوتا!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۷ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝۸ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا
الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۰ وَ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ
رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۲ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ
وَ قَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳ وَ لَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝۱۴
لَقَالُوْۤا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝۱۵ وَ لَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں نے تم سے کہا ''اے وہ آدمی کہ تجھ پر نصیحت اتری ہے تو (ہمارے خیال میں) یقیناً دیوانہ ہے۔(۶)

اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ایسا کیوں نہیں کرتا کہ فرشتے اتار کر ہمیں دکھا دے؟''(۷)

ہم فرشتے بے کار کو نہیں اتارا کرتے۔ جبھی اتارتے ہیں کہ کوئی مصلحت ہوتی ہے اور (جب فرشتے اتریں گے) تو اس وقت انہیں مہلت عمل نہیں ملے گی (وہ تو فیصلہ عمل کا دن ہوگا)(۸)

بلاشبہ خود ہم نے الذکر (یعنی قرآن کہ سرتا پا نصیحت ہے) اتارا ہے اور بلاشبہ خود ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔(۹)

اور (اے پیغمبر!) یہ وہ واقعہ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے بھی پچھلے گروہوں میں پیغمبر بھیجے۔(۱۰) لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی گروہ میں کوئی پیغمبر آیا ہو اور لوگوں نے اس کی ہنسی نہ اڑائی ہو (یہ پہلے سے ہوتا آیا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے)۔(۱۱)

تو دیکھو اس طرح ہم مجرموں کے دلوں میں کلام حق کی مخالفت بٹھا دیتے ہیں (یعنی ہمارا ٹھہرایا ہوا قانون ایسا ہی ہے(۱۲) کہ جن دلوں میں جرم ہوتا ہے ان میں حق کی مخالفت بھی جم جاتی ہے) وہ اس پر ایمان لانے والے نہیں اور جو پہلے گزر چکے ہیں ان کا بھی ایسا ہی دستور رہ چکا ہے۔(۱۳)

اگر ہم ان پر آسمان کا ایک دروازہ کھول دیں اور یہ دن دہاڑے اس پر چڑھنے لگیں،(۱۴) جب بھی نہیں مانیں گے۔ یہ کہنے لگیں گے ''ضرور ہماری آنکھیں متوالی ہوگئی ہیں یا ہم پر جادو کر دیا گیا ہے''(۱۵)

اور (دیکھو) یہ ہماری ہی کارفرمائی ہے کہ آسمان میں برج بنا دیے (یعنی روشن کواکب پیدا کر دیے)

(۳) یہاں آیت (۱۶) میں، نیز دو اور مقامات میں بھی قرآن نے ''برج'' کا لفظ استعمال کیا ہے: ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَ اَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ

اور اسے دیکھنے والوں کے لیے خوشنما کر دیا۔(۱۶) نیز ہر پھٹکارے ہوئے شیطان سے اس کی حفاظت کر دی۔(۱۷) الا یہ کہ کوئی گن سن لینا چاہے تو پھر ایک چمکتا ہوا شعلہ ہے جو اس کا تعاقب کرتا ہے۔(۱۸)

اور (دیکھو) ہم نے زمین (کی سطح) پھیلا دی (یعنی ایسی بنا دی کہ تمہارے لیے بچھے ہوئے فرش کی طرح ہو گئی) اور اس میں پہاڑ گاڑ دیے۔ نیز جتنی چیزیں اس میں اگائیں، سب وزن کی ہوئی اگائیں (۱۹) اور تمہارے لیے معیشت کا سارا سامان مہیا کر دیا اور ان مخلوقات کے لیے بھی کر دیا جن کے لیے تم روزی مہیا کرنے والے نہیں ہو! (۲۰)

اور (دیکھو) کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ اس کے ذخیرے ہمارے پاس نہ ہوں مگر ہم انہیں ایک ٹھہرائے ہوئے اندازہ کے مطابق ہی بھیجتے ہیں۔(۲۱)

اور (دیکھو) ہم نے ہوائیں چلائیں کہ (پانی کے ذروں سے) بار دار تھیں۔ پھر آسمان سے پانی برسایا اور وہ تمہارے پینے کے کام آیا اور تم نے اسے ذخیرہ کر کے نہیں رکھا تھا۔(۲۲)

بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴾ (۲۵:۶۱) ﴿ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴾ (۸۵:۱) چونکہ بعد کو عربی زبان میں ''برج'' کا لفظ ستاروں کی ان بارہ فرضی اشکال کے لیے مستعمل ہو گیا جو قدماء نے دورۂ شمسی کے انضباط کے لیے قرار دی تھیں اس لیے سوال پیدا ہوا کہ قرآن میں بھی یہ لفظ اسی مصطلح معنی میں بولا گیا ہے اور مقصود بارہ برج ہیں؟ یا لغوی معنی میں مستعمل ہوا ہے اور مقصود بڑے بڑے روشن ستارے ہیں جو بحر و بر کی ظلمتوں میں مسافروں کی رہنمائی کرتے ہیں!

بارہ برجوں کی تقسیم سب سے پہلے اہل بابل نے کی، پھر سریانی اقوام ان سے آشنا ہوئیں اور بالآخر یونانیوں نے اختیار کر لیا۔ عربی زبان اپنی ابتدائی شکلوں میں عراق، مصر اور شام کی حکمراں زبان رہ چکی ہے اور ان ممالک کے ساتھ عربوں کے قدیم تجارتی تعلقات بھی معلوم و مسلم ہیں۔ پس اگر چاند کی منزلوں کی طرح سورج کے بارہ برجوں سے بھی عربی زبان آشنا ہو چکی ہو تو یہ کوئی عجیب بات نہ ہو گی لیکن اس میں شک نہیں کہ عرب جاہلیت کے کلام سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ عبدالرحمٰن بن عمر الصوفی نے الکواکب والصور میں ان تمام کواکب کے نام جمع کر دیے ہیں جو عرب جاہلیت میں مشہور تھے اور جن کی تعداد ڈھائی سو کے قریب ہے لیکن ان میں بارہ برجوں کی صورتوں کا کوئی ذکر نہیں ہے اور تبریزی نے ابوالعلاء کا قول نقل کیا ہے ''لم تكن العرب تعرفها في القديم''[1]

---

[1] شرح التبریزی علی الحماسہ جلد ۳، صفحہ ۱۳۵۔ طبع مصر۔ قس بن ساعدۃ الایادی کی طرف جو خطبہ منسوب ہے اس میں بلاشبہ ''برج'' کا لفظ آیا ہے: لیل داج و سماء ذات ابراج۔ لیکن اول تو اس کی صحت بہت مشکوک ہے، ثانیاً اس میں بھی برج کا استعمال لغوی معنی میں ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ مصطلح فلکیین ہو۔ عربی میں ''برج'' کے اصلی معنی ظہور و نمائش کے ہیں اور اسی سے ''تبرج'' ہے۔ یعنی زینت کی نمائش کرنا۔ پھر اس کا اطلاق قصر، محل، منزل اور شاہراہ پر بھی ہونے لگا کہ یہ تمام چیزیں ظاہر و نمایاں ہوتی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَ مَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَ نَحْنُ
الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَ اِنَّ
رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ
مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ
خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا

ع ۲

اور یہ ہم ہی ہیں کہ زندہ کرتے ہیں اور موت طاری کرتے ہیں اور ہمارے ہی قبضہ میں سب کی کمائی آتی ہے۔(۲۳)
اور بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کو بھی جانا جو تم میں پہلے آنے والے تھے اور انہیں بھی جو پیچھے آنے والے ہیں!(۲۴)
اور (اے پیغمبر!) یہ تیرا پروردگار ہی ہے جو ان سب کو (قیامت کے دن اپنے سامنے) جمع کرے گا۔ وہ حکمت والا، علم والا ہے!(۲۵)

اور بلاشبہ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو خمیر اٹھے ہوئے گارے سے بنایا جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے(۲۶) اور ہم ''جان'' کو اس سے پہلے جلتی ہوئی ہوا کی گرمی سے پیدا کر چکے تھے۔(۲۷)

اور (اے پیغمبر!) جب ایسا ہوا تھا کہ تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا ''میں خمیر اٹھے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں (یعنی نوع انسانی پیدا کرنے والا ہوں) (۲۸) تو جب ایسا ہو کہ میں اسے درست کر دوں (یعنی وہ وجود تکمیل کو پہنچ جائے) اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو چاہیے کہ تم سب

پس زیادہ صاف بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہاں برج سے مقصود روشن کواکب ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسی ہی تفسیر منقول ہے اور ترجمہ میں ہم نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

(۴) اس آیت میں فرمایا۔ ﴿ وَزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴾ ہم نے اس فضا کو جو تمہارے اوپر پھیلی ہوئی ہے اس طرح بنا دیا کہ دیکھنے والوں کے لیے اس میں خوشنمائی پیدا ہو گئی۔ یہ مقام بھی من جملہ ان مقامات کے ہے جہاں قرآن نے جمال فطرت سے استدلال کیا ہے۔ یعنی اس بات سے استدلال کیا ہے کہ کائنات ہستی کے تمام مظاہر اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ ان میں حسن و جمال کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اور یہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ رحمت و فیضان کا کوئی ارادہ یہاں ضرور کام کر رہا ہے جو چاہتا ہے کہ جو کچھ بنے حسن و خوبی کے ساتھ بنے اور اس میں روحوں کے لیے سرور اور نگاہوں کے لیے عیش و نشاط ہو!

اگر ایک صاحب رحمت ہستی کی یہ کارفرمائی نہیں ہے تو پھر کس کی ہے؟ نہیں، تمہاری فطرت کہہ رہی ہے کہ یہ سب کچھ کسی ایسی ہستی کی کاریگری ہے جو حسن و جمال ہے اور جس نے چاہا ہے کہ حسن و جمال کا فیضان ہو!

یہاں فرمایا کہ آسمان کو دیکھو۔ عربی میں ''سماء'' کے معنی بلندی کے ہیں۔ مکان کے لیے اس کی چھت اس کی ''سماء'' ہوتی ہے۔ پس یہ جو بلندی تمہیں نظر آ رہی ہے کس طرح دیکھنے والوں کے لیے حسین و جمیل بنا دی گئی ہے؟ چاندنی راتوں میں چاند کی شب افروزیاں دیکھو۔ اندھیری راتوں میں ستاروں کی جلوہ ریزیوں کا نظارہ کرو۔ صبح جب اپنی ساری دلفریبیوں کے ساتھ آتی ہے، شام جب اپنی ساری رعنائیوں کے ساتھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ
السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ
لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ
عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ
الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي
الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ

اس کے آگے سر بہ سجود ہو جاؤ'' (۲۹) چنانچہ جتنے فرشتے تھے سب اس کے آگے سر بہ سجود ہو گئے- (۳۰) مگر ایک ابلیس- اس پر یہ بات شاق گزری کہ سجدہ کرنے والوں میں سے ہو- (۳۱)

اللہ نے فرمایا: ''اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟'' (۳۲)

کہا ''مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے خمیر اٹھے ہوئے گارے سے بنایا ہے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے'' (۳۳)

حکم ہوا ''اگر ایسا ہے تو یہاں سے نکل جا کہ تو راندہ ہوا (۳۴) اور جزاء کے دن تک تجھ پر لعنت ہوئی'' (۳۵)

اس نے کہا ''خدایا! مجھے اس دن تک مہلت دے جب انسان (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے-'' (۳۶)

فرمایا ''اس مقررہ وقت کے دن تک تجھے مہلت دی گئی'' (۳۷-۳۸)

اس نے کہا ''خدایا! چونکہ تو نے مجھ پر (نجات وسعادت کی) راہ بند کر دی تو اب میں ضرور ایسا کروں گا کہ زمین میں ان کے لیے (جھوٹی) خوشنمائیاں بنا دوں اور (راہ حق سے) گمراہ کروں- (۳۹) ہاں ان میں جو تیرے مخلص بندے ہوں گے (میں جانتا ہوں) میرے بہکانے میں آنے والے نہیں'' (۴۰)

فرمایا ''بس یہی سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والی ہے- (۴۱)، جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا

چھپتی ہے' گرمیوں میں صاف وشفاف آسمان کا نکھرنا' بارش میں بادلوں کا ہر طرف سے امنڈ نا شفق کی لالہ گونی' قوس قزح کی بوقلمونی' سورج کی زرافشانی' غرض کہ آسمان کا کون سا منظر ہے جس میں نگاہوں کے لیے زینت نہیں؟ جس میں دلوں کے لیے راحت وسکون نہیں؟

یہ استدلال مہمات دلائل قرآنی میں سے ہے اور ضروری ہے کہ تفسیر سورۂ فاتحہ کے مبحث ''برہان فضل ورحمت'' کا مطالعہ کر لیا جائے-

(۵) آیت (۱۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ اجرام سماوی کی حفاظت کا سامان نہ کر دیا گیا ہوتا تو ایسی شیطانی قوتیں تھیں جو ان کے اعمال میں خلل انداز ہوتیں- نیز یہ کہ جب کوئی ایسی قوت ٹوہ لگانا چاہتی ہے تو شعلے بھڑ کتے ہیں اور انہیں قریب نہیں آنے دیتے-

آیت میں ''شہاب مبین'' کا لفظ آیا ہے- شہاب شعلہ کو کہتے ہیں- لیکن چونکہ اس کا اطلاق اس ستارے پر بھی ہوتا ہے جو راتوں کو ٹوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے اس لیے مفسرین نے خیال کیا یہاں شہاب سے مقصود وہی ستاروں کا ٹوٹنا ہے لیکن قرآن میں کوئی ایسی تفصیل نہیں جس سے یہ بات متعین کی جا سکے- صرف ''شہاب'' کا لفظ ہے اور اس کے معنی شعلے کے ہیں- باقی رہی اس معاملہ کی حقیقت تو یہ عالم غیب کے معاملات میں سے ہے جسے ہم اپنے وسائل علم وادراک سے معلوم نہیں کر سکتے- وحی الٰہی نے جس قدر تصریح کر دی ہے اس پر یقین کرنا چاہیے اور مزید

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ
لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ
جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى
سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ وَ نَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾

کچھ زور نہیں چلے گا - صرف انہی پر چلے گا جو (بندگی کی) راہ سے بھٹک گئے (۴۲) اور ان سب کے لیے جہنم کے عذاب کا وعدہ ہے (۴۳) (جو کبھی ٹلنے والا نہیں) اس کے سات دروازے ہیں - ان کی ہر ٹولی کے حصہ میں ایک دروازہ آئے گا جس سے جہنم میں داخل ہوں گے -'' (۴۴)

بلاشبہ متقی انسان (اس دن) باغوں اور چشموں (کے عیش و راحت) میں ہوں گے - (۴۵) (انہیں کہا جائے گا) سلامتی کے ساتھ اطمینان ان باغوں میں داخل ہو جاؤ (۴۶) ان کے دلوں میں جو کچھ (باہمی) رنجشیں تھیں سب ہم نے نکال دیں - وہ بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے - (۴۷) وہاں کسی طرح کا صدمہ انہیں چھو نہیں سکے گا نہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے - (۴۸)

(اے پیغمبر!) میرے بندوں کو آگاہ کر دے کہ بلاشبہ میں ہی ہوں کہ بخشنے والا رحمت والا ہوں (۴۹) اور بلاشبہ میرا عذاب بڑا دردناک عذاب ہوتا ہے! (۵۰) اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا معاملہ بھی سنا دو - (۵۱)

کاوش میں نہیں پڑنا چاہیے -

(۶) زمین گیند کی طرح گول ہے لیکن حکمت الٰہی نے اس کی کرویت کا نشیب و فراز اس طرح پھیلا دیا ہے کہ کوئی آنکھ اونچ نیچ محسوس نہیں کر سکتی اور اس کا ہر گوشہ اپنی جگہ ایک بچھے ہوئے فرش کی طرح مسطح ہے - اگر سطحیت کی یہ حالت پیدا نہ ہوتی تو وہ تمام ارضی خصوصیات بھی ظہور میں نہ آتیں جنہوں نے زمین کو زندگی کی معیشت کے لیے خوشگوار بنا دیا ہے -

یہی وجہ ہے کہ قرآن جا بجا اس کی سطح کے پھیلاؤ پر زور دیتا ہے اور کہتا ہے خدا نے اسے فرش کی طرح بچھا دیا - یہاں بھی آیت (۱۹) میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے -

لیکن زمین کے قابل معیشت و سکون ہونے کے لیے صرف اسی قدر کافی نہ تھا - اس کی بھی ضرورت تھی کہ اس میں جا بجا ایسی بلندیاں ہوتیں جو پانی کے خزانے جمع کرتیں اور پھر بلندی سے اس طرح گراتیں کہ سیکڑوں کوسوں تک بہتا ہوا چلا جاتا اور میدانی علاقوں کو سرسبز و شاداب کر دیتا' پس فرمایا: ﴿ والقينا فيها رواسي ﴾ ہم نے اس کی سطح پھیلا دی، پھر اس میں پہاڑ پیدا کر دیے جو اس لحاظ سے بھی کہ طرح طرح کی معدنیات کا سرچشمہ ہیں' اور اس لحاظ سے بھی کہ دریاؤں کی روانی کا منبع ہیں زمین کی افادی نوعیت کے لیے ایک ضروری عنصر تھے -

(۷) آیت (۱۹) میں زمین کی نسبت تین باتیں ہیں - پہلی یہ کہ بچھی ہوئی ہے - دوسری یہ کہ پہاڑوں کی بلندیاں ہیں - تیسری یہ کہ جتنی چیزیں اس میں اگتی ہیں سب موزوں ہیں - ''موزوں'' یعنی وزن کی ہوئی - اگر کسی چیز کو ٹھیک ٹھیک کسی خاص

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ
عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ
مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا
الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ

جب یہ مہمان اس کے پاس آئے تو کہا ''تم پر سلامتی ہو''
ابراہیم نے کہا ''ہمیں تم سے اندیشہ ہے'' (کہ تم کون لوگ ہو؟) (۵۲)
انہوں نے کہا ''ڈرو مت۔ ہم تو تمہیں ایک علم والے فرزند کی پیدائش کی خوش خبری سناتے ہیں'' (۵۳)
ابراہیم نے کہا ''تم مجھے اس بات کی خوشخبری دیتے ہو حالانکہ مجھ پر بڑھاپا طاری ہو گیا ہے، کون سی امید اب رہ گئی ہے کہ یہ خوشخبری مجھے سناؤ'' (۵۴)
انہوں نے کہا ''ہم نے تمہیں سچائی کے ساتھ خوشخبری سنائی۔ پس تمہیں ناامید نہ ہونا چاہیے'' (۵۵)
ابراہیم نے کہا ''نہیں، میں اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوں۔ کیونکہ گمراہوں کے سوا کون ہے جو اپنے پروردگار کی رحمت سے مایوس ہو سکتا ہے؟ (۵۶)
پھر اس نے پوچھا ''تم لوگ جو بھیجے ہوئے آئے ہو تو تمہیں (اور) کون سی مہم درپیش ہے؟'' (۵۷)
انہوں نے کہا ''ہم ایک مجرم گروہ کی طرف بھیجے گئے ہیں (کہ ہلاک ہونے والا ہے) (۵۸)
مگر (ہاں) ایک خاندان وہاں لوط کا ہے۔ اس کے تمام افراد کو ہم بچا لیں گے۔ البتہ اس کی بیوی نہیں بچے گی۔ (۵۹)

اندازہ پر رکھنا ہوتا ہے تو اسے کانٹے میں تول لیا کرتے ہیں کہ رتی بھر بھی ادھر ادھر نہ ہو جائے۔ پس ہر چیز کے موزوں ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ زمین میں جتنی نباتات اگتی ہیں سب کے لیے حکمت الٰہی نے ایک خاص اندازہ ٹھہرا دیا ہے۔ ہر چیز اپنی نوعیت، اپنی کمیت، اپنی کیفیت میں ایک جچی تلی حالت رکھتی ہے جس سے کبھی باہر نہیں جا سکتی۔ ممکن نہیں کہ گھاس کی ایک شاخ بھی ایسی اگ آئے جو گھاس کے مقررہ اندازہ اور تناسب کے خلاف ہو۔

طرح طرح کے غلے، طرح طرح کے پھول، طرح طرح کے پھل، طرح طرح کی سبزیاں، طرح طرح کے درخت، طرح طرح کی گھاسیں ہر طرف اگ رہی ہیں اور نہیں معلوم کب سے اگ رہی ہیں لیکن کوئی چیز بھی ان میں ایسی ہے جس کی شکل، ڈیل ڈول، رنگت، خوشبو، مزہ اور خاصہ ایک خاص مقررہ اندازہ پر نہ ہو؟ اور ٹھیک ٹھیک کانٹے کی تول نہ ہو؟ گیہوں کا ایک دانہ اٹھاؤ، پھول کی ایک کلی توڑ لو، گھاس کی ایک پتی سامنے رکھ لو اور دیکھو ان کی ساری باتیں کس طرح تلی ہوئی اور کس دقیقہ سنجی کے ساتھ سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں؟ اگر جسم ہے تو اس کا ایک مقررہ اندازہ ہے۔ لاکھ مرتبہ بوؤ۔ کروڑ مرتبہ بوؤ۔ اس اندازہ میں فرق آنے والا نہیں۔ اگر شکل ہے تو اس کا ایک خاص اندازہ ہے۔ وہ چیز جب اگے گی اسی شکل میں اگے گی۔ اگر رنگت ہے، خوشبو ہے، مزہ ہے، خاصہ ہے، گو سب کا ایک مقررہ اندازہ ہے اور یہ اندازہ قطعی ہے، دائمی ہے، اٹل ہے، انمٹ ہے اور ہمیشہ اس یکسانی کے ساتھ ظہور میں آتا ہے گویا مٹی کے ایک ایک ذرہ میں ایک ایک ترازو رکھ دیا گیا ہے اور وہ ایک ایک دانے، ایک ایک پتی، ایک ایک پھل کو تول تول کر بانٹ رہا ہے۔ ممکن نہیں اس تول میں کبھی خرابی پڑے!

''موزوں'' میں تناسب و اعتدال کا مفہوم بھی داخل ہے۔ یعنی جتنی چیزیں اگتی ہیں اپنی ساری باتوں میں تناسب و اعتدال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿٦٢﴾
قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَ اَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَاَسْرِ
بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَ اتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّ امْضُوْا حَيْثُ
تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَ قَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَ جَآءَ

اس کے لیے ہمارا اندازہ ہو چکا- وہ پیچھے رہ جانے والوں کا ساتھ دے گی-" (۶۰)

پھر جب ایسا ہوا کہ یہ بھیجے ہوئے (فرشتے) خاندان لوط کے پاس پہنچے (۶۱) تو اس نے کہا "تم لوگ اجنبی آدمی معلوم ہوتے ہو" (۶۲)

انہوں نے کہا "نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ ہم تمہارے پاس وہ بات لے کر آئے ہیں جس میں لوگ شک کیا کرتے تھے (یعنی ہلاکت کے ظہور کی خبر جس کا لوگوں کو یقین نہ تھا) (۶۳) ہمارا آنا ایک امر حق کے لیے ہے اور اپنے بیان میں سچے ہیں- (۶۴) پس چاہیے کہ کچھ رات رہے اپنے گھر کے لوگوں کو لے کر نکل جاؤ اور ان کے پیچھے قدم اٹھاؤ اور اس بات کا خیال رکھو کہ کوئی پیچھے مڑ کے نہ دیکھے- جہاں جانے کا حکم دے دیا گیا ہے (اسی طرف رخ کیے) چلے جائیں" (۶۵)

غرض کہ ہم نے لوط پر حقیقت حال واضح کر دی کہ ہلاکت کا ظہور ہونے والا ہے اور باشندگان شہر کی بیخ و بنیاد صبح ہوتے ہوتے اکھڑ جانے والی ہے- (۶۶) اور (اس اثناء میں ایسا ہوا کہ) شہر کے لوگ خوشیاں

کی حالت رکھتی ہیں- کوئی شے نہیں جو اپنی کمیت و کیفیت میں غیر متناسب اور غیر معتدل ہو-

(۸) تفسیر سورۂ فاتحہ میں "نظام ربوبیت" کی بحث گزر چکی ہے- آیت (۲۰) کا اسی روشنی میں مطالعہ کرو اور دیکھو کتنے مختصر اور کیسے سیدھے سادھے لفظوں میں کتنی بڑی حقیقت بیان کر دی گئی؟ فرمایا- ﴿ جعلنا لكم فيها معايش ﴾ ہم نے زمین میں تمہارے لیے زندگی و معیشت کے سارے سروسامان مہیا کر دیے- لیکن کس طرح مہیا کیے؟ اس طرح کہ اگرچہ ہر چیز کے ہمارے پاس ذخیرے ہیں لیکن ان کی بخشش ایک مقررہ اندازے ہی کے ساتھ ہوتی ہے- ایسا نہیں ہوتا کہ بغیر کسی اندازہ اور نظام کے تمام چیزیں بکھیر دی ہوں- اور یہ جو ایک مقررہ اندازہ کا نظام ہے- یعنی تقدیر اشیاء کا، تو یہی ہے جو بتلا رہا ہے کہ یہاں کوئی اندازہ مقرر کرنے والی اور اسے قائم رکھنے والی ہستی ضرور ہے- کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس اندازہ شناسی اور انضباط کے ساتھ ہر ضروری چیز کی بخشش کا نظام قائم ہو جاتا-

پھر اس کے بعد بارش کی مثال دے کر مزید وضاحت فرما دی- فرمایا بارش زمین کی شادابی اور روئیدگی کا ذریعہ ہے- اگر یہ نہ ہو تو زمین کی روئیدگی بھی نہ ہو- لیکن دیکھو- کس طرح یہ معاملہ ظہور میں آتا ہے اور کس طرح مقررہ اندازوں اور پیمانوں کا ایک پورا نظام کام کر رہا ہے؟ پہلے سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے- وہ پانی کے ذروں سے بار دار ہو کر (یعنی انہیں اپنے اندر لے کر) بلندی کی طرف چڑھتی ہے- پھر بلندی میں ابر کی چادریں بنتی ہیں اور چادریں فضا میں پھیل جاتی ہیں- پھر وہی چادریں بارش کے قطرے بن کر گرنے لگتی ہیں اور زمین کے ایک ایک ذرے کو شاداب کر دیتی ہیں- تم نے پانی کے ذخیرے جمع کر کے نہیں رکھے تھے لیکن آسمان جمع کرتا رہتا ہے اور پھر ٹھیک ٹھیک تمہاری احتیاج کے مطابق مطلوبہ مقدار تمہیں بخش دیتا ہے!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿٦٨﴾ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ ﴿٦٩﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٧١﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿٧٤﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿٧٥﴾

منا تے ہوئے آ پہنچے- (۶۷) لوط نے کہا ''دیکھو یہ (نئے آدمی) میرے مہمان ہیں تو میری فضیحت نہ کرو- (۶۸) اللہ سے ڈرو-تم میری رسوائی کے کیوں درپے ہو گئے ہو؟'' (۶۹)

انہوں نے کہا ''کیا ہم نے تجھے اس بات سے نہیں روک دیا تھا کہ کسی قوم کا آدمی ہو لیکن اپنے یہاں نہ ٹھہراؤ'' (اگر ٹھہراؤ گے تو پھر جو کچھ ہمارے جی میں آئے گا کر گزریں گے)-(۷۰)

لوط نے کہا ''اگر ایسا ہی ہے تو دیکھو یہ میری بیٹیاں (کھڑی) ہیں (یعنی باشندگان شہر کی بیویاں جن کی طرف وہ ملتفت نہیں ہوتے تھے) ان کی طرف ملتفت ہو-'' (۷۱)

(تب فرشتوں نے لوط سے کہا) ''تمہاری زندگی کی قسم یہ لوگ تو اپنی بدمستیوں میں کھوئے گئے ہیں'' (تمہاری باتیں ماننے والے نہیں)-(۷۲)

غرض کہ سورج نکلتے نکلتے ایک ہولناک آواز نے انہیں آ لیا-(۷۳) پس ہم نے وہ بستی زیروزبر کر ڈالی اور پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی ان پر بارش کی-(۷۴) بلاشبہ اس واقعہ میں ان لوگوں کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو (حقیقت کی) پہچان رکھنے والے ہیں! (۷۵)

یہ بات کہ پانی کے جمع ہونے اور ایک خاص ترتیب اور اندازہ کے ساتھ برستے رہنے کا ایک پورا کارخانہ بنا ہوا ہے اور وہ زمین کی احتیاج کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہے، یہاں استدلال کا اصلی نقطہ ہے- کیونکہ تقدیر و نظم کی یہ حالت بغیر اس کے نہیں ہو سکتی کہ ربوبیت کا کوئی ارادہ پس پردہ کام کر رہا ہو- اسی حقیقت کو ہم نے تفسیر سورۂ فاتحہ میں ''نظام ربوبیت'' سے تعبیر کیا ہے اور ضروری ہے کہ اس پر نظر ڈال لی جائے-

اس کے بعد فرمایا- ہم ہی ہیں کہ جلاتے ہیں اور موت طاری کرتے ہیں اور اس کا علم رکھتے ہیں کہ کون پہلے آنے والوں میں ہوئے، کون پیچھے آنے والوں میں- یعنی جس طرح ہم نے تمام چیزوں کی تقدیر کر دی ہے یعنی مقررہ اندازہ ٹھہرا دیا ہے، اسی طرح موت و حیات کا بھی ایک خاص اندازہ ٹھہرا دیا ہے اور قوموں کے تقدم و تاخر کے لیے بھی مقررہ اندازہ ہے- ہر ہستی جو پیدا ہوتی ہے اپنے مقررہ اندازہ کے مطابق پیدا ہوتی ہے اور ہستی جو مرتی ہے مقررہ اندازہ کے مطابق مرتی ہے- تقدیر اشیاء و اجسام کا قانون عالمگیر قانون ہے- ہستی کا کوئی گوشہ نہیں جو اس سے باہر ہو- یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قرآن میں ''قدر'' اور ''تقدیر'' کا مطلب کیا ہے؟ نیز ان تمام غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گیا جو اس بارہ میں پھیلی ہوئی ہیں-

(۹) اس کے بعد آیت (۲۵) میں فرمایا: ﴿ وَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾ یعنی ایسا ضرور ہونے والا ہے کہ تمہارا پروردگار جزائے عمل کے لیے انہیں اپنے حضور جمع کرے کیونکہ تمام باتوں کی طرح اس بات کے لیے بھی اس نے ایک اندازہ ٹھہرا دیا ہے- وہ حکیم و علیم ہے اور جب وہ حکیم ہے تو ممکن نہیں کہ اس نے انسان کے اعمال کے لیے کوئی اندازہ نہ ٹھہرا دیا ہو اور جب وہ علیم ہے تو ممکن نہیں کہ انسان کے اعمال اس کی نظر سے پوشیدہ رہ سکیں-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ اِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَ اِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ
لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَ اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ وَ لَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَ اٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ كَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ
بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾

وقف لازم

اور (قوم لوط کی) یہ بستی (کسی غیر معروف گوشہ میں نہ تھی، وہ) ایسی راہ پر واقع ہے جہاں آمد و رفت کا (اب بھی) سلسلہ قائم ہے (اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو) (۷۶) بلاشبہ اس (بستی کی حالت) میں ایمان رکھنے والوں کے لیے ایک بڑی نشانی ہے! (۷۷)
اور (اسی طرح) گھنے جنگل کے باشندے بڑے ظالم تھے (یعنی قبیلہ مدین کے لوگ) (۷۸) انہیں بھی ہم نے ظلم و سرکشی کی) سزا دی اور یہ دونوں بستیاں (یعنی قوم لوط کی اور قبیلہ مدین کی) شارع عام پر سب کو دکھائی دیتی ہیں۔ (۷۹)
اور (دیکھو) حجر کے لوگوں نے بھی رسولوں کی بات جھٹلائی۔ (۸۰) ہم نے اپنی نشانیاں انہیں دکھائیں مگر وہ روگردانی ہی کرتے رہے۔ (۸۱) وہ پہاڑ تراش کے گھر بناتے تھے کہ محفوظ رہیں۔ لیکن (یہ حفاظتیں کچھ بھی کام نہ آئیں) (۸۲) ایک دن صبح کو اٹھے تو ایک ہولناک آواز نے آ پکڑا تھا (۸۳) اور جو کچھ انہوں نے اپنی سعی و عمل سے کمایا تھا وہ کچھ بھی ان کے کام نہ آیا۔ (۸۴)

(۱۰) اس کے بعد یہ حقیقت واضح کی کہ قدرت الٰہی نے کس طرح ایک حقیر ترین چیز سے جو ہمیشہ تمہارے قدموں سے پامال ہوتی رہتی ہے تمہاری ہستی پیدا کی اور اسے اس درجہ تک بلند کیا کہ ملائکہ کی مسجود ہو گئی اور دنیا کی تمام قوتیں اس کے اعتبار و تصرف میں دے دی گئیں البتہ ایک قوت تمہارے آگے نہیں جھکی۔ وہ ابلیس کی تھی۔ یہ تمہارے آگے جھکتی نہیں بلکہ تمہیں اپنے آگے جھکانا چاہتی ہے۔ فرمایا جو انسان اس سے مغلوب ہو گیا اس نے راہ سعادت گم کر دی، جو مغلوب نہیں ہوا بلکہ اسے اپنے سے مغلوب رکھا وہ اللہ کا سچا بندہ ہوا۔ یعنی اس نے انسانیت کا وہ بلند ترین مقام پا لیا جو حکمت الٰہی نے اسے عطا فرمایا ہے۔
نیز فرمایا۔ جو اللہ کے مخلص بندے ہیں۔ ان پر ابلیس کا داؤ چلنے والا نہیں۔ مغلوب وہی ہوتے ہیں جو راہ عبودیت سے بھٹک گئے۔
قرآن حکیم نے مختلف سورتوں میں نوع انسانی کی پیدائش کا ذکر کیا ہے۔ ضروری ہے کہ ان تمام مقامات پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے اور معلوم کیا جائے کہ اس بارے میں قرآن کی تصریحات کیا کیا ہیں۔ چونکہ آگے چل کر سورۂ ص میں یہ بیان پھر آنے والا ہے اس لیے یہاں صرف ربط مطالب کی تشریح پر اکتفا کرتے ہیں۔ باقی تمام تشریحات سورۂ مذکورہ کے تشریحی نوٹ میں ملیں گی۔
اس آیت میں ''جان'' کی پیدائش کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ''جان'' اور ''جن'' کے لیے سورۂ جن کا نوٹ دیکھنا چاہیے۔
(۱۱) پھر آیت (۴۹) میں واضح کر دیا کہ اس بارے میں قانون الٰہی کیا ہے؟ فرمایا۔ بخشش اور رحمت ہے، لیکن جو لوگ اس سے فائدہ نہ اٹھائیں تو ان کے لیے عذاب بھی ہے اور یہ عذاب بڑا ہی دردناک ہوتا ہے۔
اس کے بعد گزشتہ قوموں کے ایام و وقائع کی طرف توجہ دلائی ہے کہ انکار و بدعملی اور شرارت و سرکشی کا نتیجہ کیسے دردناک عذابوں کی شکل میں ظاہر ہوا؟ اس سلسلہ میں صرف تین قوموں کا ذکر کیا ہے جن کی آبادیوں پر سے عرب کے قافلے گزرتے رہتے تھے اور ان کی ہولناک ہلاکتوں کے مناظر ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ تھے۔ یعنی قوم لوط جس کی بستیاں عرب اور فلسطین کے درمیان شاہراہ عام پر واقع تھیں، قبیلہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَ قُلْ اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾

ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے کسی مصلحت ہی سے بنایا ہے (بے کار کو نہیں بنایا ہے) اور یقیناً مقررہ وقت آنے والا ہے- پس (اے پیغمبر!) چاہیے کہ حسن وخوبی کے ساتھ (مخالفوں کی مخالفتوں سے) درگزر کرو-(۸۵) تمہارا پروردگار ہی ہے جو (سب کا) پیدا کرنے والا اور (سب کی حالت) جاننے والا ہے!(۸۶)

اور بلاشبہ ہم نے تمہیں دہرائی جانے والی آیتوں میں سے سات آیتوں کی سورت عطا فرمائی ہے (یعنی سورۂ فاتحہ) اور قرآن عظیم (اور اس کا دہرا دہرا کر نماز میں پڑھنا تمہارے لیے کفایت کرتا ہے)(۸۷)

(اور) یہ جو ہم نے ان میں سے کئی قسم کے لوگوں کو (فوائد زندگی سے) بہرہ مند کر دیا ہے تو تم (رشک کی نظر سے انہیں نہ دیکھو اور نہ ایسا ہو کہ ان کی حالت پر بے کار کو غم کھانے لگو- تم مومنوں کے لیے اپنے بازو پھیلا دو (یعنی انہی کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاؤ)(۸۸) اور اعلان کر دو کہ میں (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کرنے والا ہوں، آشکارا-(۸۹)

مدین جس کی بستی بحر قلزم کے کنارے تھی اور حجاز سے فلسطین کی طرف جائیں خواہ مصر کی طرف، ان کے کھنڈر راہ میں ضرور پڑتے تھے' شہر حجر میں بسنے والی قوم یعنی قوم ثمود جس کا مقام بھی اسی شاہراہ پر واقع تھا- یعنی حجاز اور شام کی شاہراہ پر-

(۱۲) قرآن میں "الساعة" کا لفظ کہیں تو روز قیامت کے لیے بولا گیا ہے کہیں ایک ایسے فیصلہ کن دن کے لیے جو دعوت حق اور اس کے مخالفوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا- آیت (۸۵) میں "الساعة" سے مقصود ایسا ہی دن ہے- قیامت کا دن نہیں ہے جیسا کہ اکثر مفسروں اور مترجموں نے قرار دیا ہے- مطلب یہ ہے کہ جس طرح پچھلے رسولوں سے مقابلہ کرنے والے ناکام رہے، اسی طرح اب بھی مخالف و سرکش ناکام رہیں گے اور وہ دن دور نہیں جب حق و باطل کی اس کشمکش کا فیصلہ ہو جائے گا-

اس کے بعد فرمایا: ﴿ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ ﴾ یعنی جب صورت حال ایسی ہے تو چاہیے کہ لوگوں کی سرکشی و شرارت سے آزردہ خاطر نہ ہو اور حسن وخوبی کے ساتھ درگزر کرتے رہو- اللہ سب کا پیدا کرنے والا اور سب کی حالت جاننے والا ہے- پس اس کے بندوں کا معاملہ اسی پر چھوڑ دینا چاہیے-

کسی بات سے درگزر کرنے کی ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ آدمی بے بس ہوتا ہے اس لیے مجبور ہو کر بدلہ نہیں لیتا- درگزر کر دیتا ہے لیکن دل نفرت و انتقام سے لبریز رہتا ہے- یہ "صفح" ہے- مگر "صفح جمیل" نہیں ہے-

"صفح جمیل" یہ ہے کہ مجبور ہو کر نہیں بلکہ خود اپنی مرضی اور خواہش سے درگزر لیا جائے اور نفرت و انتقام کا کوئی جذبہ دل میں نہ اٹھے- اگر اٹھے تو غالب نہ آ سکے- مغلوب ہو کر رہ جائے- پس فرمایا تمہیں مخالفوں کے ساتھ "صفح جمیل" کرنا چاہیے-

(۱۳) آیت (۸۷) سے آخر تک سورت کا خاتمہ ہے اور اس کی تمام موعظت و ارشاد کا خلاصہ- خطاب اگرچہ پیغمبر اسلام ﷺ سے ہے مگر فی الحقیقت مومنوں کی وہ ابتدائی جماعت مخاطب ہے جو مکہ میں ایمان لائی تھی اور مظلومی و بے سروسامانی کی زندگی بسر کر رہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَ رَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا
كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

(اے پیغمبر! ہم نے اسی طرح یہ کلام تم پر نازل کیا ہے) جس طرح ان لوگوں پر نازل کیا تھا جنہوں نے (دین حق کے) ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں (۹۰) اور (اپنے) قرآن کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ (۹۱) تو دیکھو تمہارا پروردگار شاہد ہے کہ ان سب سے ضرور ان کے کاموں کی باز پرس ہوگی۔ (۹۲)

پس جو کچھ تمہیں حکم دیا گیا ہے لوگوں پر آشکارا کرو اور مشرکوں کی کچھ پروانہ کرو۔ (۹۳-۹۴) ان ہنسی اڑانے والوں کے لیے ہم تمہاری طرف سے بس کرتے ہیں۔ (۹۵) (یہ ہنسی اڑانے والے) جو اللہ کے ساتھ دوسری ہستیوں کو بھی معبود بناتے ہیں عنقریب معلوم کر لیں گے کہ حقیقت حال کیا تھی؟ (۹۶)

تھی۔ فرمایا تم دیکھتے ہو کہ مخالفوں کے پاس ہر طرح کی دنیوی آسائشیں اور دنیوی طاقتیں ہیں۔ تمہارے پاس ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں، لیکن تم بھولتے ہو۔ تمہارے پاس بھی ایک چیز ہے جس سے تمہارے مخالف یک قلم تہی دست ہیں۔ اور وہ اللہ کا کلام ہے: ﴿ وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴾ اور اگر یہ نعمت تمہارے پاس موجود ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم مخالفوں کی موجودہ خوشحالیوں کو حسرت و رشک کی نظر سے دیکھو۔ یہی ایک نعمت تمہیں دین و دنیا کی تمام نعمتوں سے سرفراز کر دینے والی ہے۔

احادیث سے ثابت ہے کہ یہاں ﴿ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ ﴾ سے مقصود سورۂ فاتحہ ہے۔

یہاں خصوصیت کے ساتھ سورۂ فاتحہ کا اس لیے ذکر کیا کہ وہ قرآن کی تمام تعلیم کا خلاصہ اور ایمان و عمل کی زندگی کا روزانہ دستور العمل ہے اور جس فرد اور جماعت کی زندگی ان سات آیتوں کی ورد و مداومت میں بسر ہو رہی ہو ممکن نہیں کہ وہ دینی و دنیوی سعادتوں سے محروم رہے۔

نیز اس کے اس وصف پر زور دیا کہ وہ دہرائی جانے والی چیز ہے۔ یعنی ایک مومن زندگی کے لیے شب و روز کا دردِ اسی میں ہے۔ وہ ہر روز اپنی نمازوں میں اور نماز کی ہر رکعت میں اسے دہراتا رہتا ہے۔ اس پر صبح آتی ہے تو اسی کی صدائیں چھیڑتی ہے، شام ہوتی ہے تو اسی کی صدائیں اٹھتی ہیں۔ اس کی دوپہر کا نغمہ بھی یہی ہوتا ہے اور اس کی راتوں کا ترانہ بھی اس کے سوا کوئی نہیں:

جز نغمہ محبت سازم نوا نہ دارد!

اس آیت سے سورۂ فاتحہ کی بڑی ہی خصوصیت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن تشریح کی یہاں ضرورت نہیں کیونکہ یہ مبحث تفسیر فاتحہ میں گزر چکا ہے۔

(۱۴) اس آیت سے یہ بات بھی متحقق ہو گئی کہ سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں اور اس کے کلمات کی کوئی ایسی تقسیم صحیح نہیں ہو سکتی جس سے آیتوں کی یہ تعداد گھٹ جائے یا بڑھ جائے۔ چنانچہ جب اس اعتبار سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے یا تو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بھی اس میں شامل ہے، یعنی اس کی پہلی آیت ہے یا پھر ﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾ اور ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ دو آیتیں ہیں، ایک آیت نہیں ہے۔ کیونکہ بغیر اس کے سات آیتوں کی تعداد بنتی نہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ و تابعین کی ایک بڑی جماعت اس طرف گئی ہے کہ بسم اللہ اس کی پہلی آیت ہے۔ مفصل بحث البیان میں ملے گی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿٩٩﴾

ہم اس سے بے خبر نہیں کہ ان لوگوں کی باتوں سے تمہارا دل رکنے لگتا ہے۔(۹۷) سوچاہیے کہ اپنے پروردگار کی ستائش کو (شب و روز) وردِ زبان کرلو، اس کے حضور سجدے میں گرے رہو۔(۹۸) اس کی بندگی میں لگے رہو۔ یہاں تک کہ یقین تمہارے سامنے آجائے!(۹۹)

اور پھر یہی وجہ ہے کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سورۂ فاتحہ ہمیشہ سات وقفوں کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور ہر آیت کا آخری لفظ کسی قدر کھینچ کر ختم کرتے تھے جو اختتام صوت کی قدرتی صورت ہے۔ ایسا نہیں کرتے تھے کہ صرف تین وقفوں میں پوری سورت ختم کردیں۔ یعنی **الحمد** سے لے کر **یوم الدین** تک ایک سانس میں اور پھر **اھدنا الصراط المستقیم** سے لے کر **ولا الضالین** تک ایک سانس میں۔ جیسا کہ آج کل قراءت کا عام طریقہ اختیار کرلیا گیا ہے۔ راوی نے صرف اتنی ہی تصریح پر قناعت نہیں کی ہے بلکہ آیتیں پڑھ کر بتلا بھی دیا ہے کہ آپ اس طرح ہر آیت الگ الگ کرکے پڑھتے تھے اور اس طرح ہر آیت پر وقفہ کرتے تھے۔ یعنی **الحمدللہ رب العلمین** (وقف) **الرحمن الرحیم** (وقف) **مالک یوم الدین** (وقف) **ایاک نعبدو ایاک نستعین** (وقف) **اھدنا الصراط المستقیم** (وقف)

اور فی الحقیقت سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کا قدرتی اور صحیح طریقہ یہی ہوسکتا ہے۔ سورۂ فاتحہ ایک دعا ہے اور اس کی ہر آیت سائل کی زبان سے نکلی ہوئی طلب والحاح کی ایک صدا کا حکم رکھتی ہیں۔ جب ایک سائل کسی کے آگے کھڑا ہوتا ہے اور اس کی مدح وثنا کرکے حرف مطلب زبان پر لاتا ہے تو ایسا نہیں کرتا کہ ایک خطیب کی طرح مسلسل تقریر کرنا شروع کردے اور ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ جائے بلکہ طلب و نیاز کے لہجہ میں ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک بات کہے گا۔ طلب و نیاز اور عجز والحاح کی حالت اسے مہلت ہی نہ دے گی کہ ایک مرتبہ میں سب کچھ کہہ جائے مثلاً کہے گا۔ آپ فیاض ہیں۔ آپ کریم ہیں۔ آپ کی جود وسخا کی دھوم ہے۔ اگر آپ سے نہ مانگوں تو کس سے مانگوں؟ اور ان میں سے ہر بول دوسرے بول سے ملا کر نہیں کہے گا الگ الگ کرکے اور ٹھہر ٹھہر کر کہے گا۔ بلاشبہ ان میں سے ہر جملہ باعتبار مطلب کے دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ بات ایک ہی جملہ میں پوری نہیں ہوجاتی۔ لیکن وقف واتصال کے لیے صرف اتنی ہی بات کافی نہیں ہے۔ طریق خطاب و کلام کا اداشناس جانتا ہے کہ زور کلام اور حسن خطاب کے لیے کہاں وقفہ کرنا چاہیے۔ کہاں نہیں کرنا چاہیے۔

یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہوجاتی ہے جب قرآن کے ان تمام مقامات پر نظر ڈالی جائے جہاں آنحضرت (ﷺ) کا وقف کرنا روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ ان میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں متاخرین قراء کے نزدیک وقف نہیں ہونا چاہیے لیکن آنحضرت ﷺ کا وقف کرنا ثابت ہے اور اگر مقام کی نوعیت پر غور کروگے تو واضح ہوجائے گا کہ طریق کلام کا خطیبانہ اسلوب یہی چاہتا ہے کہ یہاں وقفہ ہو۔ بغیر اس کے زور کلام ابھرتا نہیں۔ اور گو آیت میں بات پوری نہیں ہوئی ہے لیکن موقع کا قدرتی اسلوب خطاب یہی ہے کہ وقفہ کیا جائے۔ اتصال صوت نہ ہو۔

❋ ❋ ❋

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰیَاتُھَا : 128 سُوْرَۃُ النَّحْلِ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھَا : 16

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَتٰٓی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ ؕ سُبْحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ① یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ③ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ فَاِذَا ھُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ④ وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَھَا ۚ لَکُمْ

اللہ کا حکم آ پہنچا- پس اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ (اور انتظار کرو) (اے مخاطب!) اس کی ذات پاک اور بلند ہے جو یہ لوگ شرک کی باتیں کر رہے ہیں!(۱)

وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس غرض سے چن لیتا ہے کہ اپنے حکم سے فرشتے الروح کے ساتھ اس پر بھیجے (یعنی وحی کے ساتھ بھیجے) اور اسے حکم دے کہ لوگوں کو اس حقیقت سے خبردار کر دو- ''میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس مجھ سے ڈرو'' (اور انکار و بدعملی سے باز آ جاؤ)(۲)

اس نے آسمان و زمین کا یہ تمام کارخانہ تدبیر و مصلحت سے پیدا کیا ہے- (بے کار کو نہیں بنایا) اس کی ذات اس بات سے (پاک و) بلند ہے جو لوگ شرک کی بات کر رہے ہیں!(۳) اس نے انسان کو نطفہ (کے ایک قطرہ) سے پیدا کیا- پھر دیکھو وہ ایک جھگڑنے والا اور ابھرنے والا وجود ہو گیا!(۴) اور دیکھو- اس نے چار پائے پیدا کیے-

---

☆☆(۱) یہ سورت من جملہ ان سورتوں کے ہے جو مکی عہد کے آخری ایام میں نازل ہوئیں-

''امر اللہ'' سے مقصود اللہ کی یہ ٹھہرائی ہوئی بات ہے کہ دعوت وحی کامیاب ہوتی ہے اور اس کی مخالف قوتیں ناکام رہتی ہیں- اسی حقیقت کو قرآن نے قضاء بالحق اور شہادت الٰہی سے بھی تعبیر کیا ہے- منکر اس بات کی ہنسی اڑاتے تھے اور کہتے تھے اگر سچ مچ کو ایسا ہونے والا ہے تو کیوں نہیں ہو چکتا؟ یعنی کیوں اللہ کا حکم ظہور میں نہیں آ جاتا؟ ابتدائی عہد کی سورتوں میں کہا گیا تھا کہ قانون حق نے ہر بات کے لیے ایک وقت ٹھہرا دیا ہے اور وہ اپنے وقت ہی پر ظاہر ہوتی ہے- اس سورت میں فرمایا- وہ وقت آ گیا ہے- یعنی اب بالکل قریب ہے- کیونکہ اب مخالفوں کا ظلم و تشدد انتہائی حد تک پہنچ چکا تھا، مومنوں پر زندگی دشوار ہو گئی تھی، عنقریب ہجرت مدینہ کا معاملہ ظہور میں آنے والا تھا اور اس کا ظہور فیصلہ امر کا اعلان تھا-

(۲) قرآن نے جا بجا وحی الٰہی کو ''الروح'' سے تعبیر کیا ہے- یہاں آیت (۲) میں بھی ''الروح'' سے مقصود وحی ہے اور ظاہر ہے کہ وحی کے لیے اس سے بہتر تعبیر نہیں ہو سکتی- وہ نظر نہیں آتی لیکن جس جسم پر اترتی ہے وہ اس سے معمور ہو جاتا ہے اور اس کے اندر سے اس کی صدائیں اٹھنے لگتی ہیں- نیز اس اعتبار سے بھی وہ الروح ہے کہ انسانی سعادت کی زندگی اسی سے قائم ہے- ﴿ اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ ﴾ (۸:۲۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵ وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶ وَ تَحْمِلُ
اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۷ وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ
الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً ؕ وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸ وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوْ شَآءَ

ان میں (یعنی ان کی کھال اوراون میں) تمہارے لیے گرم کرنے والی پوشش ہے- نیز طرح طرح کے فائدے- اورانہی میں ایسے جانور بھی ہیں جن کا تم گوشت کھاتے ہو-(۵)

اور دیکھو(انہیں کس طرح پیدا کیا کہ)ان میں تمہاری نگاہوں کے لیے خوش نمائی پیدا ہوگئی ہے- جب تم شام کے وقت انہیں (میدانوں سے چراکر) واپس لاتے ہواور جب صبح کو(میدانوں میں) چھوڑ دیتے ہو(تو اس وقت ان کا منظر کیسا خوش نما ہوتا ہے؟)(۶)

اور (پھر دیکھو) یہی جانور ہیں جو تمہارا بوجھ اٹھا کر ایسے (دور دراز) شہروں تک لے جاتے ہیں کہ تم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے مگر بڑی ہی جانکاہی کے ساتھ- بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا ہی شفقت رکھنے والا بڑا ہی رحمت رکھنے والا ہے!(۷)

اور (دیکھو) گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کر دیے ہیں کہ تم ان سے سواری کا کام لو اور ویسے ان میں خوشنمائی اور رونق بھی ہے- وہ اور بہت سی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے جن کی تمہیں خبر نہیں-(۸) اور یہ اللہ کا کام ہے کہ راہ حق واضح کر دے- اور راہوں میں ٹیڑھی راہیں بھی ہیں- وہ اگر چاہتا تو تم سب کو(ایک ہی) راہ دکھا دیتا (اور مختلف راہیں یہاں پیدا ہی نہ ہوتیں، لیکن تم دیکھ رہے ہو

حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی حقیقت کو ''روح القدس'' سے تعبیر کیا ہے اور حواریوں نے بھی اسی معنی میں اسے استعمال کیا ہے- اگرچہ بعد میں اس کی حقیقت عیسائیوں پر مشتبہ ہوگئی-

(۳) آیت (۲) میں فرمایا تھا کہ یہ اللہ کی مقررہ سنت ہے کہ وہ ہدایت خلق کے لیے کسی بندہ کو چن لیتا ہے اور اسے وحی کی روح سے معمور کر دیتا ہے- اور اس ہدایت وحی کی دعوت کیا ہوتی ہے؟ توحید الٰہی کی تلقین یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں پس صرف اسی کی بندگی کرو-

اب آیت (۳) سے توحید الٰہی کے دلائل کا بیان شروع ہوتا ہے- مبدء استدلال ''تخلیق بالحق'' کی حقیقت ہے جس کی تشریح پہلے گزر چکی اور مزید تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ دیکھنی چاہیے-

(۴) آیت (۴) میں قدرت الٰہی کی اس کرشمہ سازی پر توجہ دلائی ہے کہ نطفہ کے ایک قطرۂ حقیر سے ایک ایسا عقیل و مفکر وجود پیدا ہو جاتا ہے جس میں بحث و نزاع کی قوت ہوتی ہے اور جو بال کی کھال اتارنے لگتا ہے- پس یہاں ''فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ'' سے مقصود بیان واقعہ ہے نہ کہ مذمت و ملامت جیسا کہ بعض دوسرے مقامات میں ہے-

(۵) پہلے تخلیق بالحق کی حقیقت پر توجہ دلائی کہ کارخانہ ہستی کی ہر چیز کسی سوچی سمجھی ہوئی مصلحت سے بنائی گئی ہے- بے کار و عبث نہیں بنی ہے- اس کے بعد فرمایا- انسان خود اپنی ہستی کو دیکھے اور اپنے چاروں طرف نظر ڈالے- کس طرح ہر شے بول رہی ہے کہ مجھے کسی رب و

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَهٗ لَكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ
فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝۱۰ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ النَّخِيْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ
كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۱ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ۙ وَ
الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۱۲
وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳ وَهُوَ الَّذِيْ
سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ

کہ مختلف راہیں اور اس کی حکمت کا ایسا ہی فیصلہ ہوا)۔(۹)

وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا۔ اس میں سے کچھ تو تمہارے پینے کے کام آتا ہے۔ کچھ زمین کو سیراب کرتا ہے۔ اس سے درختوں کے جنگل پیدا ہو جاتے ہیں اور تم اپنے مویشی ان میں چراتے ہو!(۱۰)

اسی پانی سے وہ تمہارے لیے (ہر طرح کے غلوں کی) کھیتیاں بھی پیدا کر دیتا ہے۔ نیز زیتون، کھجور، انگور اور ہر طرح کے پھل۔ یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لیے ایک بڑی نشانی ہے جو غور و فکر کرنے والے ہیں!(۱۱)

اور (دیکھو) اس نے تمہارے لیے رات، دن، سورج اور چاند مسخر کر دیے (تمہاری کار براریوں کے لیے کام کر رہے ہیں) اور اسی طرح ستارے بھی اس کے حکم سے تمہارے لیے مسخر ہو گئے ہیں۔ یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں!(۱۲)

اور زمین کی سطح پر طرح طرح کے رنگوں کی پیداوار جو تمہارے لیے پیدا کر دی ہیں (ان پر غور کرو)۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے ایک نشانی ہے جو سوچنے سمجھنے والے ہیں!(۱۳)

اور (دیکھو) وہی ہے جس نے سمندر تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ اس سے تر و تازہ گوشت نکالو اور کھاؤ، اور زیور کی (قیمتی اور خوشنما) چیزیں نکالو جنہیں آرائش کے لیے پہنتے ہو۔ نیز تم دیکھتے ہو کہ جہاز پانی چیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اس کا فضل تلاش کرو (یعنی جہازوں کے ذریعہ سے تجارت کرو) اور (اس کی نعمتوں کی قدر بجالا کر) شکر گزار رہو!(۱۴)

رحیم ہستی نے بنایا ہے جو پرورش کرنا چاہتی ہے، فائدہ پہنچانا چاہتی ہے، ساری احتیاجیں اور ضرورتیں پوری کر رہی ہے اور سرتاسر بخشش، فضل، احسان اور رحمت ہے؟

پھر ایک ایسی ربوبیت و رحمت رکھنے والی ہستی موجود ہے تو ہر طرح کی پرستاریوں کا مستحق اسے ہونا چاہیے یا انہیں جو خود اپنی پرورش کے لیے اس کی پروردگاری کے محتاج ہیں؟ اور اگر وہ پروردگار ہستی تمہاری تمام جسمانی ضرورتوں اور آسائشوں کا انتظام کر رہی ہے تو کیا ضروری نہ تھا کہ تمہاری روحانی سعادت و زندگی کا بھی سروسامان کر دیتی؟ یہی سروسامان ہے جو ہدایت وحی اور ترسیل رسل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ پھر کیوں تمہیں اس پر انکار و تعجب ہو؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَوَاخِرَ فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ
اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾
اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ
اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ
يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ ع ۱۴

اور (دیکھو) اسی نے زمین میں پہاڑ قائم کر دیے کہ وہ تمہیں لے کر (کسی طرف کو) جھک نہ پڑے۔ اور اس نے نہریں رواں کر دیں اور راستے نکال دیے تاکہ تم (تری اور خشکی کی راہیں قطع کر کے) اپنی منزل مقصود تک پہنچو۔ (۱۵)

اور دیکھو، اس نے (قطع مسافت کے لیے طرح طرح کی) علامتیں پیدا کر دیں اور ستاروں سے لوگ رہنمائی پاتے ہیں۔ (۱۶)

پھر بتلاؤ کیا دونوں ہستیاں برابر ہو گئیں؟ وہ جو پیدا کرتی ہے (یعنی جس نے ربوبیت و فیضان کا یہ تمام کارخانہ بنا دیا ہے) اور وہ جو کچھ پیدا نہیں کرتی (بلکہ خود اپنی ہستی کے لیے پروردگار عالم کی ربوبیت کی محتاج ہے؟) پھر کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟ (۱۷)

اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گننی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی گن نہ سکو۔ بلاشبہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحمت والا ہے! (۱۸)

اور اللہ سب کچھ جانتا ہے، جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو، کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں! (۱۹)

اور اللہ کے سوا جن ہستیوں کو یہ پکارتے ہیں ان کا تو حال یہ ہے کہ وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے۔ خود کسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ (۲۰)

وہ مردے ہیں نہ کہ زندگی رکھنے والے۔ انہیں اس کی بھی خبر نہیں کہ کب (موت سے) اٹھائے جائیں گے! (۲۱)

تمہارا معبود تو ایک ہی معبود ہے (اس کے سوا کوئی نہیں) پھر جو لوگ آخرت کی زندگی پر یقین نہیں رکھتے، تو ضرور ان کے دل انکار میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

(۶) آیت (۲۰) اور اس کے بعد کی آیتوں میں دلائل سے نتیجہ نکلا ہے۔ ایسا نتیجہ جو خود بخود ابھر رہا اور ہر نگاہ کے سامنے آ رہا تھا۔ یعنی جس پروردگار نے اپنی پروردگاریوں کا یہ تمام کارخانہ پیدا کر دیا ہے کیا کوئی دوسری ہستی اس کے برابر ہو سکتی ہے؟ کیا وہ ہستی جو یہ سب کچھ پیدا کر رہی ہے اور وہ جو پیدا نہیں کر سکتی، دونوں برابر ہو سکتی ہیں؟ اگر نہیں ہو سکتیں تو اس سے بڑھ کر عقل کی کوری اور روح کی موت کیا ہو سکتی ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوْۤا
اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا
يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ ع
السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ

وہ (سچائی کے مقابلہ میں) گھمنڈ کر رہے ہیں۔ (۲۲)

یقیناً (اللہ ان کے حال سے بے خبر نہیں) یہ جو کچھ (اپنے دل میں) چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ (زبان پر) ظاہر کرتے ہیں سب اس کے علم میں ہے۔ وہ گھمنڈ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۲۳)

اور جب ان لوگوں سے پوچھا جاتا ہے "وہ کیا بات ہے جو تمہارے پروردگار نے اتاری ہے؟" تو کہتے ہیں "کچھ نہیں، محض اگلے وقتوں کے افسانے ہیں" (۲۴) (ان کے اس کہنے کا نتیجہ کیا ہے؟) یہ کہ قیامت کے دن پورا پورا (اپنے گناہوں کا) بوجھ اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھ کا بھی ایک حصہ جنہیں (اس طرح کی باتیں کہہ کہہ کر) یہ بغیر علم و روشنی کے گمراہ کر رہے ہیں۔ تو دیکھو، کیا ہی برا بوجھ ہے جو یہ اپنے اوپر لادے چلے جا رہے ہیں! (۲۵)

ان سے پہلے جو گزر چکے ہیں، انہوں نے بھی (دعوت حق کے خلاف) تدبیریں کی تھیں لیکن (کیا نتیجہ نکلا؟) انہوں نے اپنی تدبیروں کی جو عمارت بنائی تھی اللہ نے اس کی بنیاد کی اینٹیں تک ہلا دیں۔ پس ان کے اوپر (انہی کی بنائی ہوئی) چھت آ گری، اور ایسی راہ سے عذاب نمودار ہوا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا! (۲۶)

پھر (اس کے بعد) قیامت کا دن (پیش آنے والا) ہے جب وہ انہیں رسوائی میں ڈالے گا اور

کہ تم دوسری ہستیوں کو بھی پروردگار عالم کے ساتھ معبودیت میں شریک کر رہے ہو؟

آیت (۱۸) میں فرمایا۔ ان چند اشیاء کی پیدائش ہی پر موقوف نہیں۔ اس کی نعمتیں تو اتنی ہیں کہ اگر گننا چاہو تو تمہاری طاقت سے باہر ہے کہ گن سکو۔ تمہاری زندگی کا ہر سانس اس کی کسی نہ کسی نعمت کا رہین منت ہے۔ کارخانہ ہستی کا ہر ذرہ کسی نہ کسی بخشش و کرم کی نشانی ہے۔

درختوں کا ہر پھول، دھوپ کی ہر کرن، ہوا کا ہر جھونکا، بارش کا ہر قطرہ، چاند کی ہر نمود، ستاروں کی ہر چمک، پرندوں کی ہر چہچہاہٹ اس کی ربوبیت کی ایک پروردگاری اور اس کی رحمت کی ایک چارہ سازی ہے۔ تم اگر درختوں کے سبز پتے، پھولوں کے رنگین ورق اور سورج کی سنہری کرنیں گن سکتے ہو تو اس کی نعمتیں بھی گن لو۔ تم درختوں کے ہر پتے سے پوچھو، بارش کے ہر قطرہ سے سوال کرو، سورج کی ہر کرن کا منہ دیکھو، تمہیں یہی جواب ملے گا کہ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ جس نے یہ سب کچھ بنایا ہے وہ بڑا ہی بخشنے والا بڑی ہی رحمت والا ہے!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَ السُّوْۗءَ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۷ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۸ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۲۹ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۰ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا

پوچھے گا "بتلاؤ آج وہ ہستیاں کہاں گئیں جنہیں تم نے میرا شریک بنایا تھا اور جن کے بارے میں تم (اہل حق سے) لڑا کرتے تھے؟" اس وقت وہ لوگ جنہیں (حقیقت کا) علم دیا گیا تھا پکار اٹھیں گے "بے شک آج کے دن کی رسوائی اور خرابی سرتاسر کافروں کے لیے ہے- ان کافروں کے لیے کہ فرشتوں نے جب ان کی روحیں قبض کی تھیں تو اپنی جانوں پر خود اپنے ہاتھوں ظلم کر رہے تھے" (۲۷)

تب وہ اطاعت کا اظہار کریں گے اور کہیں گے "ہم نے تو (اپنی دانست میں) کوئی برائی کی بات نہیں کی تھی-" (لیکن اہل علم جواب دیں گے) "ہاں، تم نے ضرور کی اور تم جو کچھ کرتے رہے ہو اللہ اس سے اچھی طرح واقف ہے!" (۲۸)

"پس اب تمہارے لیے یہی ہے کہ جہنم کے دروازوں میں (گروہ گروہ ہو کر) داخل ہو جاؤ- تمہیں ہمیشہ کے لیے اسی میں رہنا ہے" تو دیکھو (حق کے مقابلہ میں) گھمنڈ کرنے والوں کا کیا ہی برا ٹھکانا ہوا! (۲۹)

اور (جب) متقیوں سے پوچھا گیا "وہ کیا بات ہے جو تمہارے پروردگار نے نازل کی ہے؟" تو انہوں نے کہا "سرتاسر خیر و برکت کی بات" سو (دیکھو) جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھائی کی ان کے لیے اچھائی ہی ہے اور یقیناً (ان کے لیے) آخرت کا گھر بھی خیر و برکت ہی کا گھر ہے- پس متقیوں کا ٹھکانا کیا ہی اچھا ٹھکانا ہوا! (۳۰) دائمی (راحت و سرور کے) باغ جن میں وہ داخل ہوں گے-

---

(۷) برائی اور معصیت کرنے کو ہر جگہ قرآن نے ﴿ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ اور ﴿ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ﴾ سے تعبیر کیا ہے- یعنی انہوں نے اپنی جانوں کے ساتھ ناانصافی کی اور اپنی جانوں پر زیادتی کی- یہاں بھی آیت (۲۸) میں ایسی ہی تعبیر ہے- اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک کفر و بدعملی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ خود اپنے ہاتھوں اپنی جانوں کو نقصان و ہلاکت میں ڈالنا ہے-

اس بات کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی آدمی کو ہم سنکھیا کھاتے دیکھتے ہیں تو بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں کہ کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو؟ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہو؟ قرآن کے نزدیک کفر و معصیت بھی ایسی ہی چیز ہے- یہ دودھ پینے کی جگہ سنکھیا کھانا ہے اور جو کھاتا ہے وہ خود ہی اپنی جان کے ساتھ ناانصافی کرتا ہے اور خود اپنے اوپر زیادتی کرنے والا ہوتا ہے-

(۸) آیت (۲۴) سے آیت (۳۲) تک دو گروہوں کی دو متضاد حالتیں اور متضاد نتیجے بیان کیے ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ
الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ ۙ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ
تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا
اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ ع

ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (اس لیے کبھی خشک ہونے والے نہیں) جو کچھ چاہیں گے وہاں ان کے لیے مہیا ہو جائے گا- اسی طرح اللہ متقیوں کو (ان کی نیک عملی کا) بدلہ دیتا ہے! (۳۱)

وہ (متقی) جنہیں فرشتے اس حال میں وفات دیتے ہیں کہ (دل کے اطمینان اور ایمان کے یقین کی وجہ سے) خوشحال ہوتے ہیں- فرشتے انہیں کہتے ہیں "تم پر سلامتی ہو! جنت میں داخل ہو جاؤ، یہ نتیجہ ہے ان کاموں کا جو تم کرتے رہے ہو!" (۳۲)

(اے پیغمبر!) یہ لوگ جو انتظار کر رہے ہیں تو اس بات کے سوا اور کون سی بات اب باقی رہ گئی ہے کہ فرشتے ان پر اتر آئیں یا تیرے پروردگار کا (مقررہ) حکم ظہور میں آ جائے؟ ایسا ہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں (کہ سرکشی و فساد سے باز نہ آئے یہاں تک (حکم الٰہی ظہور میں آ گیا) اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے! (۳۳)

اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ جیسے کچھ ان کے کام تھے ویسے ہی برے نتیجے بھی ملے اور جس بات کی ہنسی اڑایا کرتے تھے وہی انہیں آ لگی! (۳۴)

ایک گروہ منکروں کا ہے- ایک متقی انسانوں کا-

منکروں کے نزدیک وحی الٰہی کی حقیقت کیا ہے؟ ﴿ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴾ یہ تو وہی اگلوں کے افسانے ہیں- اس کے سوا کچھ نہیں- لیکن جو لوگ متقی ہیں ان کے نزدیک اس کی حقیقت کیا ہے؟ قالوا خیرا- سرتا سر خیر و برکت!

پہلے گروہ پر جب موت آتی ہے تو اس حال میں آتی ہے کہ برائیوں میں سرگرم ہوتے ہیں: ﴿ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ﴾ لیکن دوسرے گروہ پر جب آتی ہے تو وہ ایمان و یقین اور پاکی عمل کی روح سے خوش حال ہوتے ہیں

﴿ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ ۙ ﴾

جزاء عمل کے لحاظ سے بھی دونوں کی حالتیں متضاد ہوئیں- پہلے گروہ کو کہا جائے گا: ﴿ ادْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ ﴾ دوسرے سے کہا جائے گا: ﴿ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ ﴾-

پہلے کے لیے خواری و عذاب کا پیام ہوگا: ﴿ اِنَّ الْخِزْیَ الْیَوْمَ وَ السُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴾ دوسرے کے لیے سلامتی کا پیام: ﴿ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ: ﴾

پہلے نے گھمنڈ کیا تھا تو گھمنڈ کرنے والوں کا کیا ہی برا ٹھکانا ہوا: ﴿ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ ﴾ دوسرے نے تقویٰ کی روش اختیار کی تھی تو تقویٰ کی راہ چلنے والوں کا کیا ہی اچھا ٹھکانا ہوا! ﴿ وَ لَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ ۙ ﴾

پہلے کے لیے عذاب دائمی ہوا: ﴿ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ﴾ دوسرے کے لیے نعیم و سرور کی زندگی دائمی ہوئی: ﴿ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا ۙ ﴾

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَ لَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ

اور مشرکوں نے کہا "اگر اللہ چاہتا تو کبھی ایسا نہ ہوتا کہ ہم یا ہمارے باپ دادا اس کے سوا دوسری ہستیوں کی پوجا کرتے اور نہ ایسا ہوتا کہ بغیر اس کے حکم کے کسی چیز کو (اپنے جی سے) حرام ٹھہرا لیتے" ایسی ہی روش ان لوگوں نے بھی اختیار کی تھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ پھر (بتلاؤ) پیغمبروں کے ذمے اس کے سوا اور کیا ہے کہ صاف صاف پیام حق پہنچا دیں؟ (۳۵)

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے (دنیا کی) ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول ضرور پیدا کیا (تا کہ اس پیام حق کا اعلان کر دے) کہ اللہ کی بندگی کرو۔ اور سرکش قوتوں سے بچو۔ پھر ان امتوں میں سے بعض ایسی تھیں جن پر اللہ نے (کامیابی کی) راہ کھول دی۔ بعض ایسی تھیں جن پر گمراہی ثابت ہو گئی۔ پس ملکوں کی سیر کرو اور دیکھو جو قومیں (سچائی کو) جھٹلانے والی تھیں انہیں بالآخر کیسا انجام پیش آیا؟ (۳۶)

(اے پیغمبر!) تم ان لوگوں کے ہدایت پانے کے کتنے ہی خواہشمند ہو لیکن (یہ راہ پانے والے نہیں۔ کیونکہ) اللہ اس آدمی پر (کامیابی کی) راہ کبھی نہیں کھولتا جس پر (اس کے انکار و سرکشی کی وجہ سے) راہ گم کر دیتا ہے اور ایسے لوگوں کے لیے

---

(۹) قرآن نے جا بجا مشرکوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "اگر شرک برائی ہے تو خدا کیوں ہمیں برائی کرنے دیتا ہے؟ اگر وہ چاہتا کہ اس کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کی جائے تو کبھی ایسا نہ ہو سکتا کہ ہم اور ہمارے آباؤ اجداد ایسی بات کر سکتے۔ اگر وہ چاہے تو اب بھی ہمیں روک دے سکتا ہے۔ اس شور و ہنگامہ کی جگہ جو تم نے بپا کر رکھا ہے کیوں خدا سے نہیں کہتے کہ ہمیں روک دے؟" چنانچہ یہاں بھی آیت (۳۵) میں ان کا یہی قول نقل کیا ہے اور پھر اس کا جواب دیا ہے۔

فرمایا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو انہوں نے کہہ دی۔ پہلے بھی لوگ ایسی ہی روش اختیار کر چکے ہیں۔ لیکن یہ روش گمراہی اور ہٹ دھرمی کی روش ہے۔ اللہ کے رسول اس لیے نہیں آتے کہ لوگوں سے برائی کرنے کی طاقت سلب کر لیں اور انہیں ایسا بنا دیں کہ برائی کر ہی نہ سکیں۔ وہ تو پیام حق پہنچانے والے ہیں اور پیام پہنچانے والے کا کام صرف یہ ہے کہ صاف صاف اور روشن طریقہ پر پیام پہنچا دے۔ اب اسے ماننا یا نہ ماننا یہ سننے والوں کا کام ہے۔ پیام پہنچانے والا اس کے لیے ذمہ دار نہیں۔

اور جب اللہ کی مشیت یہی ہوئی کہ انسان کو کسی ایک حالت پر مجبور نہ کر دیا جائے بلکہ ہر طرح کی حالت اختیار کرنے کی قدرت دی جائے تو اللہ کے رسولوں سے کیوں اس کی توقع کی جائے کہ لوگوں سے یہ قدرت سلب کر لیں؟

پھر فرمایا۔ دنیا کی کوئی امت نہیں جس میں اللہ کا رسول نہ آیا ہو اور اس نے توحید و خدا پرستی کی تعلیم نہ دی ہو۔ پھر کسی نے مانا اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَنْ يُّضِلُّ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ
يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ
يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ
اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي
الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ

ع ۵

مددگار بھی نہیں ہوتا (کہ انہیں نتائج عمل سے بچالے)-(۳۷)

اور (دیکھو) ان لوگوں نے اللہ کی سخت سے سخت قسمیں کھائیں کہ "جو مرجاتا ہے اسے اللہ کبھی دوبارہ نہیں اٹھائے گا" ہاں ضرور اٹھائے گا- یہ اس کا وعدہ ہے اور اس کا پورا کرنا اس پر لازم ہے- لیکن اکثر آدمی ہیں جو اس بات کا علم نہیں رکھتے! (۳۸)

(اور پھر کیوں اٹھائے گا؟) اس لیے کہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں ان کی حقیقت کھول دے اور اس لیے کہ منکر جان لیں وہ (اپنی روش میں) جھوٹے تھے-(۳۹)

جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کوئی چیز پیدا کردیں تو اس کے سوا ہمیں اور کچھ کہنا نہیں ہوتا کہ کہہ دیتے ہیں "ہوجا" اور بس وہ ہوجاتا ہے! (۴۰)

اور (یاد رکھو) جن لوگوں پر (ان کے ایمان لانے کی وجہ سے) ظلم ہوا اور ظلم سہنے کے بعد انہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی تو ہم ضرور انہیں دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا بدلہ تو کہیں بڑھ کر ہے، اگر یہ لوگ جان لیتے! (۴۱)

یہ لوگ جو (ہر طرح کی مصیبتوں میں) ثابت قدم رہے اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں! (۴۲)

اللہ نے فلاح وسعادت کی راہ اس پر کھول دی- کسی نے نہیں مانا اور گمراہی کی بات ثابت ہوگئی اور گمراہی کا نتیجہ پیش آ گیا- پس اللہ کا قانون ہدایت وشقاوت ایسا ہی چلا آیا ہے- یہ کبھی نہیں ہوا کہ لوگوں کو جبراً ہدایت یافتہ بنا دیا گیا ہو-

(۱۰) یہ اعتقاد کہ انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے جتنی دنیا میں بسر کرتا ہے بلکہ اس کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور اس زندگی میں جزائے عمل کا معاملہ پیش آنے والا ہے تمام مذاہب عالم کا عالمگیر اعتقاد ہے، لیکن مشرکین عرب اس سے بے خبر تھے اس لیے جب قرآن نے آخرت کی زندگی اور حشر اجساد کا اعلان کیا تو انہیں بڑی ہی عجیب بات معلوم ہوئی- وہ کہتے تھے جب آدمی مرگیا تو مرگیا پھر اس کے بعد زندگی کیسے ہوسکتی ہے؟ چنانچہ قرآن نے جابجا ان کے اقوال نقل کیے ہیں اور جواب دیا ہے- یہاں آیت (۳۸) میں فرمایا- یہ لوگ یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ اللہ مردوں کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا لیکن نہیں جانتے کہ اللہ کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے- کیونکہ یہ اس کا وعدہ ہے یعنی اس کی ٹھہرائی ہوئی بات ہے اور ضروری ہے کہ ظہور میں آئے-

یہ اس کا وعدہ کیونکر ہے؟ اس طرح کہ خود دنیوی زندگی کی ہر بات کہہ رہی ہے کہ اسے ایسا کرنا ہے اور وہ ضرور کرے گا- چنانچہ اس کے بعد فرمایا: ﴿ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴾ تاکہ جن حقیقتوں کا انسان دنیوی زندگی میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ
لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ
يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور (اے پیغمبر!) تجھ سے پہلے ہم نے جتنے رسولوں کو بھیجا تو اسی طرح بھیجا کہ آدمی تھے- ان پر ہم وحی بھیجتے تھے- (ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آسمان کے فرشتے اتر آئے ہوں) پس (اے منکرین حق!) اگر خود تمہیں (یہ بات) معلوم نہیں تو ان لوگوں سے دریافت کرلو جو (آسمانی کتابوں کی) سمجھ بوجھ رکھتے ہیں (یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے)- (۴۳)

ہم نے ان رسولوں کو روشن دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ بھیجا تھا اور (اسی طرح) تجھ پر بھی ''الذکر'' (یعنی قرآن) نازل کیا تا کہ جو تعلیم لوگوں کی طرف بھیجی گئی ہے وہ ان پر واضح کردے نیز اس لیے کہ وہ غور وفکر کریں (اور ہدایت کی راہ پالیں)- (۴۴)

پھر جن لوگوں نے (اپنے) برے مقصدوں کے لیے تدبیریں کی ہیں کیا وہ اس بات سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے؟ یا ایک ایسی راہ سے عذاب آنازل ہو جس کا انہیں وہم وگمان بھی نہ ہو؟ (۴۵)

یا ایسا ہو کہ عین اس وقت جب وہ (اپنی کوششوں میں) تگ و دو کر رہے ہوں عذاب الٰہی انہیں آ پکڑے؟ کہ وہ اللہ کو (اپنی تدبیروں سے) عاجز نہیں کردے سکتے- (۴۶)

فیصلہ نہیں کرسکتا اور اختلاف پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کا فیصلہ ہو جائے اور حقیقت سب کے سامنے آ جائے- نیز اس لیے کہ گمراہ اور بدعمل اپنی گمراہی و بدعملی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں- یعنی دنیوی زندگی میں پردوں کا نہ اٹھنا اور مشاہدہ حقیقت کا نہ ہونا بتلا رہا ہے کہ کوئی اور زندگی ضرور ہے جہاں بالآخر پردے اٹھیں گے- پس یہ صورت حال گویا خالق ہستی کی طرف سے ایک وعدہ ہوئی کہ اب نہیں لیکن آیندہ ایسا ہونے والا ہے اور ضروری ہے کہ یہ وعدہ پورا ہو کر رہے-

(۱۱) آیت (۴۰) میں فرمایا تمہیں انسان کے دوبارہ زندہ ہونے پر اس لیے تعجب ہو رہا ہے کہ اللہ کی قدرت کا صحیح اندازہ نہیں- تم اسی ترازو سے اس کے کام بھی تولنا چاہتے ہو جس سے اپنے کام تولا کرتے ہو-

وہ کسی چیز کے ظہور میں لانے کے لیے نہ تو کسی سروسامان کا محتاج ہے نہ کسی دوسری ہستی کی موجودگی کا- صرف اس کا ارادہ ہی ہر طرح کی علت ہے، ہر طرح کا سروسامان ہے، ہر طرح کا مواد ہے- وہ جب چاہتا ہے کہ ایک چیز ظہور میں آ جائے تو بس اس کا چاہنا ہی سب کچھ ہے- جونہی اس کی مشیت کا فیصلہ ہوا، ہر چیز ظہور میں آ گئی!

یاد رہے کہ ''ان یقول له کن'' کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عربی کا لفظ ''کن'' جو کاف اور نون سے مرکب ہے بولنے میں آتا ہے- یا کلمہ خطاب وامر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چیزیں وجود میں آ جاتی ہیں بلکہ صاف مطلب یہ ہے کہ صرف اس کا ارادہ تخلیق کے لیے کافی ہے اور اس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ جس بات کا حکم دے دیتا ہے وہ بمجرد حکم ظہور میں آ جاتی ہے- وہ اپنے ارادہ اور حکم کے نفاذ میں کسی دوسری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ ۖ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٤٧﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ
ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِّلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿٤٨﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي
الْأَرْضِ مِن دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا
يُؤْمَرُونَ ﴿٥٠﴾ وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴿٥١﴾ وَلَهُ مَا فِي
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ الدِّينُ وَاصِبًا ۚ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَتَّقُونَ ﴿٥٢﴾ وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا

ع ۶ ۱۴

یا ایسا ہو کہ انہیں (پہلے) ڈرا دے پھر پکڑے کیونکہ بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا ہی شفقت والا بڑا ہی رحمت والا ہے! (۴۷)

کیا ان لوگوں نے اللہ کی مخلوقات میں سے کسی چیز پر بھی غور نہیں کیا؟ (انہوں نے نہیں دیکھا) کہ ہر چیز کا سایہ داہنی طرف سے اور بائیں طرف سے ڈھلتا رہتا ہے اور اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتا رہتا ہے اور یہ کہ سب اس کے آگے عاجز و درماندہ ہیں؟ (۴۸)

اور آسمانوں میں جتنی چیزیں ہیں اور زمین میں جتنے جانور ہیں سب اللہ کے آگے سربسجود ہیں، نیز فرشتے، اور وہ سرکشی نہیں کرتے۔ (۴۹)

وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں جو ان کے اوپر موجود ہے۔ اور جو کچھ حکم انہیں دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں! (۵۰)

اور اللہ نے فرمایا۔ دو دو معبود اپنے لیے نہ بناؤ۔ حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہی ایک معبود ہے۔ تو دیکھو صرف میں ہی ہوں، پس صرف مجھی سے ڈرو! (۵۱)

اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، اور اسی کے لیے دین ہے دائمی۔ پھر کیا تم اللہ کے سوا دوسری ہستیوں سے ڈرتے ہو؟ (۵۲)

اور نعمتوں میں سے جو کچھ تمہارے پاس ہے سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ پھر جب تمہیں کوئی دکھ

چیز کا محتاج نہیں۔

پس ہمارے مفسرین نے یہاں جس قدر فلسفیانہ کاوشیں کی ہیں اور خطاب بہ معدوم وغیرہ کے سوالات اٹھائے ہیں سب بے محل اور بے معنی ہیں اور در خور التفات نہیں۔

غور کرو کس طرح چند لفظوں کے اندر اللہ کی خالقیت و قدرت کی کامل تصویر کھینچ دی ہے؟ ایسی تصویر کہ اس سے زیادہ انسانی تصور نہ تو کچھ سوچ سکتا ہے نہ سوچ سکنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس نے تمام کارخانہ ہستی کیونکر پیدا کیا؟ وہ جو کچھ پیدا کرنا چاہتا ہے کس طرح ظہور میں آ جاتا ہے؟ اس طرح کہ اس کا حکم ہوتا ہے اور اس کا حکم ہی ساری علتوں کی علت اور سارے سببوں کا آخری سبب ہے!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ
يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ يَجْعَلُوْنَ لِمَا
لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَ يَجْعَلُوْنَ
لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَ لَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ

پہنچتا ہے تو اسی کے آگے زار نالی کرتے ہو! (۵۳)

پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ وہ تم سے دکھ دور کر دیتا ہے تو دیکھو تم میں سے ایک گروہ معاً اپنے پروردگار کے ساتھ دوسری ہستیوں کو شریک بنانے لگتا ہے- تاکہ جو نعمت ہم نے اسے دی تھی اس کی (پوری طرح) ناشکری کرے! (۵۴)

اچھا (زندگی کے چند روزہ) فائدے اٹھالو- پھر ایک وقت آئے گا کہ (اپنی ان ناشکریوں کا نتیجہ) معلوم کرلو گے! (۵۵)

اور پھر (دیکھو) ہم نے جو کچھ رزق انہیں عطا کیا ہے اس میں یہ ان ہستیوں کا بھی حصہ ٹھہراتے ہیں جن کی حقیقت کی انہیں خبر نہیں- بخدا تم سے ضرور اس بارے میں باز پرس ہوگی کہ (حقیقت کے خلاف) کیسی کیسی افترا پردازیاں کرتے رہتے ہو! (۵۶)

اور یہ اللہ کے لیے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں! اس کے لیے پاکی ہو! (بھلا اللہ کے لیے بیٹیاں!) اور خود ان کے لیے کیا؟ وہ جس کے یہ بڑے خواشمند ہیں! (یعنی بیٹے) (۵۷)

جب ان لوگوں میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو (مارے رنج کے) اس کا چہرہ

---

(۱۲) جب دشمنوں کا ظلم وتشدد اس حد تک پہنچ گیا کہ مسلمانوں پر زندہ رہنا دشوار ہو گیا تو پیغمبر اسلام ﷺ نے اجازت دے دی کہ حبش (ابی سینا) کی طرف ہجرت کر جائیں چنانچہ پہلے بارہ مرد اور چار عورتوں کا قافلہ مکہ سے نکلا جس کے رئیس حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے اس کے بعد اور لوگ نکلے جن کی تعداد ۷۳ مردوں اور ۱۸ عورتوں تک پہنچ گئی-

تاریخ اسلام کی یہ پہلی ہجرت ہے- دوسری ہجرت یثرب کی ہجرت تھی-

آیت (۴۱) میں جن مہاجرین کا ذکر کیا ہے اس سے مقصود ابی سینا کے مہاجرین ہیں- فرمایا- انہوں نے اللہ کی سچائی کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا ہے اور ہجرت کی مصیبتیں برداشت کی ہیں تو ضروری ہے کہ اللہ ان کا مددگار ہو اور ان کے لیے دنیا میں اچھا ٹھکانا پیدا کر دے-

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ابی سینا کا دار غربت ان کے لیے امن وعزت کا مہماں سرا بن گیا- یہ وہی ابی سینا ہے جس کے ایک سپہ سالار ابرہہ نے پچاس برس پہلے مکہ پر حملہ کیا تھا لیکن اب اسی مکہ کے مظلوموں کا اخلاص ومحبت کے ساتھ استقبال کر رہا ہے!

اتنا ہی نہیں بلکہ مظلومیت کی یہ ہجرت تبلیغ حق کی کامرانیوں کا ایک عجیب وغریب وسیلہ بن گئی- یعنی ابی سینا کے بادشاہ کا دل قبولیت حق کے لیے کھل گیا اور دعوت اسلام پر ایمان لے آیا- چنانچہ سورۂ مائدہ کی آیت (۸۳) میں اس کا ذکر گزر چکا ہے-

(۱۳) قوانین الٰہی کی عجائب آفرینیوں میں سے ایک عجیب وغریب منظر "ظل" یعنی اجسام کے سایے کا ہے- نظام شمسی کے تمام کرشمے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي
التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى ع ۱۳
اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ

کالا پڑ جاتا ہے اور وہ غم میں ڈوب جاتا ہے۔ (۵۸)

جس بات کی اسے خوش خبری دی گئی ہے وہ ایسی برائی کی بات ہوئی کہ (شرم کے مارے) لوگوں سے چھپتا پھرے (اور سوچ میں پڑ جائے کہ) ذلت قبول کر کے بیٹی کو لیے رہے یا مٹی کے تلے گاڑ دے۔ افسوس ان پر! کیا ہی برا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں! (۵۹)

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے لیے یہی ہے کہ (اللہ کی صفتوں کا) برا تصور کریں حالانکہ اللہ کے لیے تو (ہر اعتبار سے) بلند ترین تصور ہے، وہ سب پر غالب ہے حکمت والا ہے! (۶۰)

اور اگر ایسا ہوتا کہ اللہ لوگوں کو ان کے ظلم پر (فوراً) پکڑتا تو ممکن نہ تھا کہ زمین کی سطح پر ایک حرکت کرنے والی ہستی بھی باقی رہتی لیکن وہ انہیں ایک خاص ٹھہرائے ہوئے وقت تک ڈھیل دے دیتا ہے۔ پھر جب وہ مقررہ وقت آ پہنچا تو نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے! (۶۱)

اور (دیکھو) یہ اللہ کے لیے ایسی باتیں ٹھہراتے ہیں جنہیں خود (اپنے لیے) پسند نہیں کرتے ان کی

اس چیز میں ہم دیکھ لے سکتے ہیں۔ یہ ہمارے جسم کے ساتھ ساتھ رہتا اور ساتھ ساتھ چلتا ہے لیکن لاکھوں میل فاصلہ کی خبر دے دیتا ہے۔ سورج کا طلوع، عروج، زوال، غروب، ساری حالتیں ہم اس آئینہ میں دیکھ سکتے ہیں!

یہ کبھی بڑھتا ہے، کبھی گھٹتا ہے۔ کبھی ابھرتا ہے، کبھی غائب ہو جاتا ہے۔ کبھی کھڑا ہوتا ہے، کبھی جھکتا ہے۔ کبھی داہنے ہوتا ہے، کبھی بائیں۔ اس کی ان تمام حالتوں کا قانون اس درجہ قطعی، اس درجہ یکساں، اس درجہ منظم ہے کہ اس میں فتور پڑنے کا ہمیں وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ جس وقت تک گھڑیاں ایجاد نہیں ہوئی تھیں یہی سایہ گھڑی کا کام دیتا تھا اور اسی سے دھوپ گھڑی بنی تھی۔ آج کل بھی میدانوں اور دیہاتوں میں جہاں گھڑیاں نہیں ہوتیں دہقان سایہ دیکھ کر معلوم کر لیتا ہے کہ کتنا دن چڑھ چکا ہے، کتنا ڈھل چکا ہے۔ سایہ جب مساوی ہو جائے تو دوپہر کا وقت ہے۔ جب گھٹنے بڑھنے لگے تو اس کی ہر مقدار گھڑی کی سوئی ہے!

یہی وجہ ہے کہ قرآن قوانین الٰہی کے احاطہ و نفاذ کا ذکر کرتے ہوئے سایے کی طرف توجہ دلاتا ہے اور کہتا ہے یہ تم سے دور نہیں۔ ہر وقت تمہارے جسم کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے ہمیشہ اس پر تمہاری نگاہیں رہتی ہیں۔ کیونکہ اسی سے وقت کا اندازہ لگایا کرتے ہو۔ پس غور کرو اس کی حقیقت کیا ہے؟ کس طرح یہ شہادت دے رہا ہے کہ یہاں کی ہر چیز کسی مدبر و حکیم ہستی کے احکام کے آگے سربسجود ہے۔ اور اس نے جس چیز کے لیے جو حکم نافذ کر دیا ہے، ممکن نہیں کہ اس کی تعمیل میں بال برابر بھی انحراف ہو! یہاں بھی آیت (۴۸) میں اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا: وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَ اَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَ اللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَ اِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ ع ۵

زبانیں جھوٹے دعووں میں بے باک ہیں- (یہ کہتے ہیں) کہ ان کے لیے (ہر حال میں) اچھائی ہی اچھائی ہے- ہاں البتہ ان کے لیے (دوزخ کی) آگ ہے- البتہ یہ سب سے پہلے اس میں پہنچنے والے ہیں! (۶۲)

(اے پیغمبر!) اس بات کی سچائی پر ہم شاہد ہیں کہ ہم نے تجھ سے پہلے کتنی ہی امتوں کی طرف رسول بھیجے- پھر ایسا ہوا کہ شیطان نے لوگوں کو ان کی بدعملیاں اچھی کر دکھائیں (اور وہ سچائی کی دعوت پر کاربند نہ ہوئے) سو وہی حال آج بھی ہو رہا ہے- وہی شیطان ان منکروں کا رفیق ہے اور (بالآخر) ان کے لیے عذاب دردناک ہے- (۶۳)

اور ہم نے تجھ پر الکتاب نہیں اتاری ہے مگر اس لیے کہ جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کی حقیقت ان پر واضح کر دے- اور ایمان والوں کے لیے یہ ہدایت ہے اور رحمت! (۶۴)

اور (دیکھو) اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کی آب پاشی سے زمین کو جو مردہ ہو چکی تھی (از سرنو) زندہ کر دیا- بلاشبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لیے ایک نشانی ہے جو (صدائے حق کو جی لگا کر) سنتے ہیں! (۶۵) اور بلاشبہ تمہارے لیے چارپایوں میں

☆☆ (۱۴) انسان میں مرد اور عورت کا امتیاز ہے- لوگوں نے خیال کیا کہ اسی طرح روحانی قوتوں میں بھی دونوں جنسیں ہونی چاہییں- مرد دیوتا ہیں- عورتیں دیبیاں ہیں- چنانچہ دنیا کی تمام اصنام پرست اقوام کی دیومالاؤں میں یہ خیال عام طور پر نمایاں رہا ہے- مشرکین عرب میں بھی یہ تخیل پیدا ہو گیا تھا- قبیلہ خزاعہ اور کنانہ کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ فرشتوں کا تصور دیبیوں کی شکل میں کرتے تھے اور کہتے تھے یہ خدا کی بیٹیاں ہیں- قرآن نے جا بجا یہ خیال نقل کیا ہے اور اس کی سخافت پر توجہ دلائی ہے- یہاں (۵۷) میں بھی اسی طرف اشارہ ہے- وہ فرشتوں کو تو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے لیکن خود عورتوں کی جنس کے لیے ان کے تصورات کیا تھے؟ یہ کہ زیادہ سے زیادہ ذلیل و حقیر مخلوق ہے- جب کسی کے یہاں بیٹی پیدا ہوتی تو اسے بڑی غمگینی اور بدنصیبی کی بات سمجھتا- بعض قبائل جنہیں اپنے نسلی شرف کا بڑا گھمنڈ تھا بیٹی کے باپ ہونے میں ایسی ذلت سمجھتے کہ اکثر حالتوں میں اسے خود اپنے ہاتھ سے زندہ گاڑ کر مار ڈالتے- جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر ملتی تو مارے شرم کے لوگوں کے سامنے نہ آتا اور سوچنے لگتا کہ ذلت گوارا کر کے بیٹی والا بن جائے یا ایک باعزت آدمی کی طرح اسے زمین میں زندہ دفن کر دے!

یہاں ایک طرف تو ان کے عقیدے کی سخافت دکھلائی ہے کہ جس بات کو خود اپنے لیے ذلت کی بات سمجھتے ہیں اسے خدا کے لیے تجویز

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَ
مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ
مِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ
بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾

سوچنے سمجھنے کی بڑی عبرت ہے- ہم ان کے جسم سے خون اور کثافت کے درمیان دودھ پیدا کر دیتے ہیں- یہ پینے والوں کے لیے ایسی لذیذ چیز ہوتی ہے کہ بے غل وغش اٹھا کر پی لیتے ہیں-(۶۶)

اسی طرح کھجور اور انگور کے درختوں کے پھل ہیں کہ ان سے نشہ آور عرق اور اچھی غذا دونوں طرح کی چیزیں تم حاصل کرتے ہو، بلاشبہ اس بات میں ان لوگوں کے لیے (فہم وبصیرت کی) ایک نشانی ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں!(۶۷)

اور (دیکھو) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور ان ٹٹیوں میں جو اس غرض سے بلندی میں بنادی جاتی ہیں اپنا چھتہ بنائے-(۶۸) پھر ہر طرح کے پھولوں سے رس چوستی پھرے پھر اپنے پروردگار کے ٹھہرائے ہوئے طریقہ پر پوری فرماں برداری کے ساتھ گامزن ہو جائے- (تو دیکھو) اس کے پیٹ سے مختلف رنگوں کا رس نکلتا ہے- اس میں انسان کے لیے شفا ہے- بلاشبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لیے ایک نشانی ہے جو غور وفکر کرنے والے ہیں!(۶۹)

کرنے میں انہیں باک نہیں- دوسری طرف اس گمراہی کا ابطال کیا ہے کہ عورت کی جنس کو جو مرد ہی کی طرح ایک انسانی جنس ہے ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں- حتی کہ اپنی اولاد کو خود اپنے ہاتھوں قتل کر دینے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں! چنانچہ آیت (۵۹) میں فرمایا: ﴿ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴾ دیکھو کیا ہی برا فیصلہ ہے جو انہوں نے اس معاملہ میں کیا!

مردوں کا عورتوں کے ساتھ معاملہ ظلم ومعصیت کی ایک مسلسل سرگزشت ہے- اور اس سرگزشت کا ایک سب سے زیادہ وحشیانہ واقعہ دختر کشی کی رسم ہے- اسلام کا جب ظہور ہوا تو عرب کے اکثر قبیلوں میں یہ رسم اسی طرح جاری تھی جس طرح ہندوستان کی مختلف قوموں میں پچھلی صدی تک جاری رہ چکی ہے- لوگ اس پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے ہمارے قبیلہ کے افراد بیٹی کے باپ ہونے کا ننگ گوارا نہیں کر سکتے- لیکن اسلام نے نہ صرف یہ رسم مٹادی بلکہ وہ ذہنیت بھی مٹادی جو ان تمام وحشیانہ مظالم کے اندر کام کر رہی تھی- اس نے اعلان کیا کہ مرد اور عورت کا جنسی اختلاف کسی فضیلت اور محرومی کی بنیاد نہیں ہو سکتا- دونوں کو اللہ نے بحیثیت انسان ہونے کے ایک ہی درجہ میں رکھا ہے اور دونوں کے آگے یکساں طریقہ پر ہر طرح کی فضیلتوں کی راہ کھول دی ہے: ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ (۴:۳۲)

سورۂ تکویر میں جہاں قیامت کے دن کی ہولناکیوں کا نقشہ کھینچا ہے وہاں پرسش اعمال میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ اسی ظلم کو دی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۷۰ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَاۗدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰي مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۷۱ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً ع ۱۵

اور (دیکھو) اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا پھر وہی ہے جو تمہاری زندگی پوری کر دیتا ہے- اور تم میں سے کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو (بڑھاپے کی) بدترین عمر تک پہنچ جاتا ہے کہ (ذہن وعقل کی) سمجھ بوجھ رکھنے کے بعد پھر نادان ہو جائے- بے شک اللہ (سب کچھ) جاننے والا، ہر بات کی قدرت رکھنے والا ہے! (۷۰)

اور (دیکھو) اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بہ اعتبار روزی کے برتری دی ہے (کہ کوئی زیادہ کماتا ہے- کوئی کم کماتا ہے) پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جس کسی کو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے زیردستوں کو لوٹا دے حالانکہ سب اس میں برابر کے حقدار ہیں- پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں سے صریح منکر ہو رہے ہیں؟ (۷۱)

اور (دیکھو) اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کر دیے (یعنی مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد) اور تمہارے جوڑوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کر دیے (کہ ان سے تمہاری زندگی ایک وسیع خاندان کی نوعیت اختیار کر لیتی ہے) نیز تمہاری روزی کے لیے اچھی اچھی چیزیں مہیا کر دیں- پھر یہ لوگ جھوٹی باتیں تو مان لیتے ہیں

ہے: ﴿ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ؟ ﴾(۸:۸۱)

(۱۵) انسان کے لیے اس بات کے تصور سے بڑھ کر اور کوئی تصور قدرتی اور حقیقی نہیں ہو سکتا کہ ایک خالق و پروردگار ہستی موجود ہے لیکن وہ ہستی کیسی ہے؟ اس کی صفتوں کا بھی تصور کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کیا جا سکتا ہے تو وہ صفتیں کیا کیا ہیں اور کس نوعیت کی ہیں؟ یہاں سے انسانی عقل کی درماندگیاں شروع ہو جاتی ہیں اور پھر کوئی گمراہی ایسی نہیں ہے جس میں وہ گم ہو جانے کے لیے مستعد نہ ہو جاتا ہو، حتیٰ کہ بعض اوقات بھٹکتے بھٹکتے اتنا دور چلا جاتا ہے کہ جس درجہ پر خود کھڑا ہے اس سے بھی خدا کا تصور نیچے گرا دیتا ہے: ﴿ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ ﴾

مشرکین عرب کی سخافت تصور کا ذکر کرنے کے بعد آیت (۶۰) میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے-

(۱۶) آیت (۶۱) میں قانون امہال کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تشریح پچھلی سورتوں کے نوٹوں میں گزر چکی ہے اور مزید تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ دیکھنی چاہیے-

(۱۷) قرآن نے جا بجا کہا ہے کہ ہدایت وحی کا ظہور تبیین حقیقت اور رفع اختلاف کے لیے ہوتا ہے- یعنی جن باتوں کو انسان اپنی عقل و ادراک سے نہیں پا سکتا اور اس لیے طرح طرح کے اختلافات میں مبتلا ہو جاتا ہے- کوئی کچھ سمجھنے لگتا ہے کوئی کچھ وحی الٰہی نمودار ہوتی ہے تا کہ ان اختلافات کو دور کر دے اور بتلا دے کہ اصل حقیقت کیا ہے- چنانچہ یہاں بھی آیت (۶۴) میں قرآن کے نزول کا ایک مقصد یہ بتلایا کہ ﴿ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ﴾

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَّرَزَقْكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾
وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّ لَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ
مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ
جَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ
اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ

اور اللہ کی نعمتوں کی حقیقت سے انکار کرتے ہیں؟ (۷۲)

یہ اللہ کے سوا ان ہستیوں کی پوجا کرتے ہیں جو آسمان و زمین سے رزق دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ انہیں کسی بات کا مقدور ہے۔ (۷۳)

پس (دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کر کے) اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو۔ اللہ جانتا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے! (۷۴)

اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے (اس پر غور کرو) ایک غلام ہے کسی دوسرے آدمی کی ملکیت میں۔ وہ خود کسی بات کی قدرت نہیں رکھتا، اور ایک دوسرا آدمی ہے (خود مختار) ہم نے اپنے فضل سے اسے اچھی روزی دے رکھی ہے اور وہ ظاہر و پوشیدہ (جس طرح چاہتا ہے) اسے خرچ کرتا ہے۔ اب بتلاؤ کیا یہ دونوں آدمی برابر ہو سکتے ہیں؟ ساری ستائش اللہ کے لیے ہے! (اس کے برابر کوئی نہیں) مگر اکثر آدمی ہیں جو نہیں جانتے! (۷۵) اور (دیکھو) اللہ نے ایک (اور) مثال بیان فرمائی: دو آدمی ہیں۔ ایک گونگا ہے۔ کسی بات کے کرنے کی قدرت نہیں اپنے آقا پر ایک بوجھ جہاں کہیں بھیجے کوئی خوبی کی بات اس سے بن نہ آئے۔

یہ باتیں کون سی ہیں جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں اور جن کا اختلاف بغیر اس کے دور نہیں ہو سکتا کہ کتاب الٰہی آئے اور پردہ اٹھا دے؟ وہ تمام باتیں جو انسان کے عقل و ادراک کی سرحد سے ماوریٰ ہیں۔ اللہ کی صفات، مرنے کے بعد کی زندگی، عالم معاد کے احوال و واردات جزائے عمل کا قانون، عالم غیب کے حقائق، یعنی وہ ساری باتیں جن کے اعتقاد و عمل کی درستی سے روحانی سعادت کی زندگی پیدا ہو سکتی ہے۔ انسان جب کبھی اس راہ میں وحی الٰہی کی روشنی سے الگ ہو کر قدم اٹھاتا ہے اختلاف کی تاریکیوں میں گم ہو جاتا ہے۔ لیکن جونہی اس روشنی کی نمود میں آ جاتا ہے حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور ہر طرح کے اختلافات و شکوک معدوم ہو جاتے ہیں!

(۱۸) آیت (۶۴) میں فرمایا تھا کہ الکتاب کا نزول ہدایت و رحمت ہے۔ آیت (۶۵) میں فرمایا۔ یہ معاملہ ایسا ہی ہے جیسے باران رحمت کا نزول۔ وہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے۔ یہ مردہ دلوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ اس اسلوب موعظت کی تشریح پچھلی سورتوں کے نوٹوں میں گزر چکی ہے۔ نیز تفسیر فاتحہ میں۔

(۱۹) آیت (۶۶) سے (۶۹) تک ربوبیت الٰہی کی بخشائشوں کا نقشہ کھینچا ہے۔ ساتھ ہی اس کی صنعت و حکمت کی کرشمہ سازیوں پر بھی توجہ دلائی ہے اور بحیثیت مجموعی ربوبیت، رحمت اور حکمت کا استدلال ہے۔ فرمایا۔ تمہاری غذا میں تین چیزیں سب سے زیادہ مفید اور لذیذ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَ مَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَ هُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ
وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾ وَ
اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ
الْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ
اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا

دوسرا ایسا ہے کہ (گونگے ہونے کی جگہ) لوگوں کو عدل وانصاف کی باتوں کا حکم دیتا ہے اور خود بھی (عدل و راستی کے) سیدھے راستے پر ہے- کیا پہلا آدمی اور یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟(۷۶)

اور آسمانوں اور زمین کی جتنی مخفی باتیں ہیں سب کا علم اللہ ہی کے پاس ہے- اور (آنے والے) مقررہ وقت کا معاملہ بس ایسا سمجھو جیسے آنکھ کا جھپکنا' بلکہ اس سے بھی جلد تر- بے شک اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں!(۷۷)

اور (دیکھو) اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکم سے نکالا اور اس حال میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے (یعنی علم و ادراک سے محروم تھے) پھر تمہارے لیے شنوائی' بینائی اور عقل کی قوتیں پیدا کر دیں تا کہ تم شکر گزار ہو!(۷۸)

کیا پرندوں کو نہیں دیکھتے جو آسمان کی فضا میں مطیع ومنقاد (اڑ رہے) ہیں؟ اللہ کے سوا کون ہے جو انہیں تھامے ہوئے ہے؟ بلاشبہ ایمان والوں کے لیے اس بات میں (قدرت حق کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!(۷۹) اور (دیکھو) اللہ نے تمہارے گھروں

ہیں: دودھ' پھلوں کا عرق اور شہد- تم میں سے کوئی نہیں جو ان تین نعمتوں سے آشنا نہ ہوا ہو- یہ تمہاری روزانہ غذا کا جوہر، لذت طعم کا ذریعہ اور جسمانی شفا کا نسخہ ہے:

(ا) لیکن یہ دودھ جو طفولیت سے لے کر بڑھاپے تک تمہاری سب سے زیادہ دل پسند غذا ہوتی ہے، کس طرح اور کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ تم نے کبھی غور کیا؟ اگر غور کرتے' تو تمہارے فہم وعبرت کے لیے صرف یہی ایک بات کافی تھی- یہ اسی جسم میں بنتا ہے جس میں غلاظت بنتی ہے، جو طرح طرح کی آلائشوں سے بھرا ہوا ہے- جس میں اگر کوئی سیال شے موجود ہوتی ہے تو خون ہے جسے کبھی ہونٹوں سے لگانا پسند نہ کرو- پھر دیکھو جانوروں میں اس کے اترنے کا مخرج کہاں ہے؟ وہیں جس کے قریب ہی بول و براز کا مخرج ہے- یعنی ایک ہی کارخانہ میں' ایک ہی مادہ سے اور ایک ہی طرح کے ظروف میں، ایک طرف تو غلاظت بنتی اور نکلتی رہتی ہے جسے تم دیکھنا بھی پسند نہ کرو- دوسری طرف ایک ایسا جوہر غذا ولذت بھی بنتا اور نکلتا ہے جسے تم دیکھتے ہی اٹھا لو اور بے غل وغش ایک ایک قطرہ پی جاؤ!

کون ہے جس کی حکمت نے یہ عجیب وغریب کارخانہ بنا دیا؟ کون ہے جو ایسے عجیب طریقوں سے زندگی کے بہترین وسائل بخش رہا ہے اور پھر کیا ممکن ہے کہ قدرت کی یہ کارفرمائی' حکمت کی یہ صنعت طرازی' ربوبیت کی یہ چارہ سازی' بغیر کسی قدیر' حکیم اور رب العالمین ہستی کے ظہور میں آ گئی ہو؟

(ب) پھلوں میں طرح طرح کے خوش ذائقہ عرق پیدا ہوتے ہیں اور انہیں مختلف طریقوں سے تم کام میں لاتے ہو- مثلاً کھجور اور انگور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَ مِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ

کوتمہارے لیے سکونت کی جگہ بنا دیا- نیز تمہارے لیے چارپایوں کی کھالوں سے گھر بنا دیے (یعنی خیمے' جنہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنے ساتھ لیے پھرتے ہو) کوچ کرو یا اقامت کی حالت میں ہو' دونوں حالتوں میں نہایت سبک- اور پھر چارپایوں کی اون سے اور رُوں سے اور بالوں سے کتنے ہی سامان اور مفید چیزیں بنا دیں کہ ایک خاص وقت تک کام دیتی ہیں! (۸۰)

اور اللہ نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں سے تمہارے لیے سایے پیدا کر دیے (کہ جنہیں خیمے میسر نہیں ہوتے وہ درختوں' مکانوں اور پہاڑوں کے سایے میں پناہ لیتے ہیں) اور پہاڑوں میں پناہ لینے کی جگہیں بنا دیں اور لباس پیدا کر دیا کہ (لو کی) گرمی سے بچاتا ہے- نیز آہنی لباس جو (ہتھیاروں کی) زد سے بچاتا ہے (سو دیکھو) اس طرح اللہ اپنی نعمتیں پوری طرح بخش رہا ہے تاکہ اس کے آگے (اطاعت میں) جھک جاؤ! (۸۱) پھر (اے پیغمبر!) اگر اس پر بھی لوگ اعراض کریں (اور سمجھنے بوجھنے کے لیے تیار نہ ہوں) تو (ان کی فکر چھوڑ دو) تمہارے ذمے جو کچھ ہے وہ صرف یہی ہے کہ

کے درخت ہیں- ان کے عرق سے نشہ کی چیز بنا لیتے ہو اور اچھی اور جائز غذائیں بھی اس سے بنتی ہیں- لیکن یہ پھل پیدا کس طرح ہوئے؟ کھجور اور انگور کا ہر دانہ شیرینی اور غذائیت کی ایک سربمہر شیشی ہے جو درختوں میں لٹکنے لگتی ہے اور تم ہاتھ بڑھا کر لے لیتے ہو، لیکن یہ بنتی کس کارخانہ میں ہے؟ زمین اور مٹی میں، یعنی اسی مٹی میں جس کا ایک ذرہ بھی تمہارے منہ میں پڑ جاتا ہے تو بے اختیار ہو کر تھوکنے لگتے ہو!

تم خشک گٹھلیاں مٹی میں پھینک دیتے ہو- مٹی وہی گٹھلی ان نعمتوں کی شکل میں تمہیں واپس دے دیتی ہے!

کون ہے جس کی ربوبیت وحکمت مٹی کے ذروں سے یہ خزانے اگلوا رہی ہے؟ خوشبو' ذائقہ' اور غذائیت کے خزانے؟

(ج) پھر شہد کے چھتوں کو دیکھو- یہ کارخانے ہیں جن میں تمہارے لیے شب و روز شہد تیار ہوتا رہتا ہے- تم دنیا کے سارے پھول اور پھل جمع کر کے چاہو کہ شہد کا ایک قطرہ بنا لو تو کبھی نہ بنا سکو گے لیکن ایک چھوٹی سی مکھی بناتی رہتی ہے اور اس نظم و انضباط' محنت و استقلال' تحسین و تدقیق' ترتیب و تناسب' اجتماع و اشتراک اور یکسانی و ہم آہنگی کے ساتھ بناتی رہتی ہے کہ اس کی ہر بات ہماری عقلوں کو درماندہ کر دینے والی اور ہماری فکروں کی ساری توجیہوں اور تعلیلوں پر دروازہ بند کر دینے والی ہے!

قرآن کے الفاظ پر غور کرو، کس طرح معاملہ کے دقائق واضح کر دیے ہیں؟ چونکہ شہد کی مکھی کی یہ صنعت گری جد و جہد' نظم و انضباط اور سرگرمی و باقاعدگی کا ایک پورا سلسلہ ہے جو عرصہ تک جاری رہتا ہے اور یکے بعد دیگرے بہت سی منزلوں سے گزر کر مکمل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَ يَوْمَ
نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ لَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اِذَا رَاَ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا
شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ
اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِۨالسَّلَمَ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾

صاف صاف پیغام حق پہنچا دینا۔ (۸۲)

یہ اللہ کی نعمتیں پہچانتے ہیں۔ پھر بھی اس سے انکار کرتے ہیں اور اکثر ایسے ہیں جنہیں سچائی سے (قطعاً) انکار ہے! (۸۳) اور جس دن ایسا ہوگا کہ ہم ہر امت میں سے ایک گواہی دینے والا (یعنی پیغمبر) اٹھا کھڑا کریں گے پھر کافروں کو اجازت نہ دی جائے گی (کہ زبان کھولیں) نہ ہی ان سے کہا جائے گا کہ توبہ کریں۔ (۸۴)

جن لوگوں نے ظلم کیا ہے جب وہ عذاب اپنے سامنے دیکھیں گے تو ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ ان پر عذاب ہلکا کر دیا جائے۔ نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔ (۸۵)

اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے ہیں جب (قیامت کے دن) اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو پکار اٹھیں گے "اے پروردگار! یہ ہیں ہمارے (بنائے ہوئے) شریک جنہیں ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے" اس پر وہ بنائے ہوئے شریک ان کی طرف اپنا جواب بھیجیں گے "نہیں، تم سراسر جھوٹے ہو!" (۸۶)

اور اس دن سب اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دیں گے۔ وہ ساری افترا پردازیاں ان سے کھوئی جائیں گی جو (دنیا میں) کیا کرتے تھے! (۸۷)

ہوتا ہے اس لیے اس کے کاموں کو "سبل" سے تعبیر کیا۔ یعنی عمل کی راہوں سے۔ ﴿ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ﴾ اور پھر چونکہ اس بات پر توجہ دلانا مقصود تھا کہ جو راہ عمل ٹھہرا دی گئی ہے اس پر ٹھیک ٹھیک چلتی رہتی ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ ذرا بھی ادھر ادھر ہو اس لیے فرمایا "ذللا" حکم الٰہی کے آگے جھکی ہوئی کام کیے جا۔ چنانچہ اس کا ہر فرد اس طرح حکم الٰہی کے آگے جھک گیا ہے کہ ممکن نہیں کسی کو راہ عمل سے منحرف ہوتا ہوا پاؤ!

یاد رہے کہ جس وقت تک ہندوستان کا گنا دوسرے ملکوں میں نہیں پہنچا تھا میٹھی غذاؤں کے بنانے کا تمام تر دارومدار شہد ہی پر تھا۔ یا پھر ایسے پھلوں پر جو بہت زیادہ میٹھے ہوتے ہیں۔ جیسے کھجور۔ سکندر اعظم جب ہندوستان آیا تھا اور یونانیوں نے یہاں کی قند کھائی تھی تو خیال کیا تھا یہ بلور کی طرح کوئی معدنی چیز ہے جس کا مزہ شہد کی طرح میٹھا ہوتا ہے۔ غالباً سب سے پہلے عربوں نے ہندوستانی گنے کی کاشت مصر میں کی اور پھر مصر سے "مصری" یورپ میں پہنچی۔

پس شہد کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لیے کیا گیا کہ دنیا کے اکثر حصوں میں مٹھاس کا مادہ اس کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ نیز یہ محض لذیذ غذا ہی نہیں ہے بلکہ کتنی ہی بیماریوں کے لیے نسخہ شفا بھی ہے۔

"وحی" مخفی اشارہ کو کہتے ہیں اور یہاں لغوی معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ فرمایا۔ یہ ربوبیت الٰہی کی وحی ہے جو تمام مخلوقات کو ان کے کاموں پر لگاتی ہے اور جس نے ایک حقیر سے جانور میں سعی و عمل کی ایسی حیرت انگیز قوت پیدا کر دی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَ يَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ ع ۱۲

جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا تو ان کی شرارتوں کی پاداش میں ہم نے ان کے عذاب پر ایک اور عذاب بڑھا دیا (کہ ایک عذاب کفر کا ہوا - دوسرا راہ حق سے روکنے کا) - (۸۸)

اور وہ (آنے والا) دن جب ہم ہر ایک امت میں ایک گواہ (یعنی پیغمبر) اٹھا کھڑا کریں گے جو انہی میں سے ہوگا (اور جو بتلائے گا کہ کس طرح اس نے پیام حق پہنچایا اور کس طرح لوگوں نے اس کا جواب دیا) اور (اے پیغمبر!) تجھے ان لوگوں کے لیے (جو آج تجھے جھٹلا رہے ہیں) گواہ بنائیں گے (یہی بات ہے کہ) ہم نے تجھ پر الکتاب نازل کی (دین کی) تمام باتیں بیان کرنے کے لیے اور اس لیے کہ مسلمانوں کے لیے رہنمائی ہو اور رحمت اور خوش خبری! (۸۹)

(مسلمانو!) اللہ حکم دیتا ہے کہ (ہر معاملہ میں) انصاف کرو، (سب کے ساتھ) بھلائی کرو اور قرابت داروں

(۱۹) دنیا میں انسانی معیشت کا کارخانہ اس طرح چل رہا ہے کہ ہر طرح کے فوائد و وسائل کے حصول کا دروازہ ہر انسان اور ہر گروہ پر کھول دیا گیا ہے مگر کوئی چیز کسی کو خود نہیں مل جاتی - اسی کو ملتی ہے جو اس کے لیے جد و جہد کرے اور وہ تمام طریقے کام میں لائے جو حصول مقصد کے لیے ضروری ہیں -

لیکن ہر انسان کی ذہنی و جسمانی استعداد یکساں نہیں ہوتی اور چونکہ یکساں نہیں ہوتی اس لیے وسائل معیشت کے حصول کے اعتبار سے بھی سب کی حالت یکساں نہیں ہوئی - کسی نے وسائل معیشت پر زیادہ قابو پا لیا کسی نے کم - کسی کو کمانے کے زیادہ مواقع حاصل ہو گئے کسی کو تھوڑے - پہلے جسمانی قوت میں مقابلہ ہوا اور طاقتور نے کمزور کو مغلوب کر لیا - پھر ذہن و جسم کا مقابلہ شروع ہوا اور ذہنی قوت نے جسمانی قوت کو مقہور کر لیا -

آیت (۷۱) بھی قرآن کی ان آیتوں میں سے ہے جن سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ اس بارے میں قرآن کی تعلیم کا رخ کس طرف ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن اس صورت حال سے تو تعرض نہیں کرتا کہ معیشت کے اعتبار سے تمام انسانوں کی حالت یکساں نہیں - کسی کے پاس زیادہ سامان معیشت ہے - کسی کے پاس کم - لیکن وہ یہ صورت حال برداشت نہیں کر سکتا کہ حصول رزق کے اعتبار سے لوگوں کی حالت یکساں نہ ہو - کسی کو ملے، کسی کو نہ ملے - وہ کہتا ہے ہر انسان جو دنیا میں پیدا ہوا، دنیا کے سامان و رزق سے حصہ پانے کا یکساں طور پر حقدار ہے اور کسی فرد اور گروہ کو حق نہیں کہ اس سے اسے محروم کر دے - خواہ وہ طاقتور ہو یا کمزور، تندرست ہو یا بیمار، قابل ہو یا نا قابل، دولت مندوں کے گھر پیدا ہو یا فقیروں کے، لیکن اگر انسان ہے تو ماں کے پیٹ سے وہ یہ حق لے کر آیا ہے کہ زندہ رہے اور زندگی کا سر و سامان پائے!

لیکن ہر فرد زندگی کا سر و سامان کیونکر پا سکتا ہے؟ جو کمزور ہے یا جو ایسے حالات میں پڑ گیا ہے کہ کمانے کا موقع نہیں پاتا، یا جو معذور اور لاچار ہو گیا ہے وہ سر و سامان معیشت کہاں سے پائے گا؟ قرآن کہتا ہے اس طرح کہ جن لوگوں کو کمائی کا زیادہ موقع ملا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٩٠﴾
وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ
اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٩١﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ
غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۭ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ

کے ساتھ سلوک کرو- اور تمہیں روکتا ہے- (کن باتوں سے؟) بے حیائی کی باتوں سے' ہر طرح کی برائیوں سے اور ظلم و زیادتی کے کاموں سے- وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ (سمجھو اور) نصیحت پکڑو! (۹۰)

اور جب تم آپس میں قول قرار کرو تو (سمجھ لو کہ یہ اللہ کے نزدیک ایک عہد ہو گیا تو) چاہیے کہ اللہ کا عہد پورا کرو اور ایسا نہ کرو کہ قسمیں پکی کر کے انہیں توڑ دو حالانکہ تم اللہ کو اپنے اوپر نگہبان ٹھہرا چکے ہو (یعنی اس کے نام کی قسم کھا کر اسے شاہد قرار دے چکے ہو) یقین کرو- تم جو کچھ کرتے ہو اللہ سے پوشیدہ نہیں- اس کا علم ہر بات کا احاطہ کیے ہوئے ہے! (۹۱)

اور دیکھو تمہاری مثال اس عورت کی سی نہ ہو جائے جس نے بڑی محنت سے سوت کاتا- پھر توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا- تم آپس کے معاملہ میں اپنی قسموں کو مکر و فساد کا ذریعہ بناتے ہو- اس لیے کہ ایک گروہ (کسی) دوسرے

ان کے ذمے خرچ کرنے کا فرض بھی زیادہ عائد ہو گیا ہے- وہ اپنی کمائی کا ایک حصہ کمزوروں کو لوٹا دیں- ''لوٹا دیں'' کیونکہ فی الحقیقت کمائی کی یہ زیادہ مقدار ان افراد کے لیے تھی جو کمزوری کی وجہ سے حاصل نہ کر سکے- اب چلی گئی ہے طاقتور افراد کے پاس اس لیے چاہیے کہ حقداروں کو لوٹا دی جائے- یعنی جو ان کا حق ہے وہ انہیں مل جائے-

وہ کہتا ہے یہ بات کہ تمہیں سامان معیشت کے زیادہ کمانے کا موقع مل گیا ہے تمہیں اس بات کا حقدار نہیں بنا دیتی کہ اپنی ساری کمائی صرف اپنی انفرادی زندگی ہی کے لیے روک لو- کیونکہ دنیا کے وسائل زندگی کسی خاص انسان کی حقیقی ملکیت نہیں ہو سکتے- یہاں جو کچھ ہے تمام نوع کے لیے ہے- پس اگر ایک فرد نے زیادہ کما لیا تو کما لے سکتا ہے لیکن ایسا نہیں سمجھ سکتا کہ ساری کمائی اسی کی ہو گئی- جو کچھ اس نے کمایا ہے دراصل نوع انسانی کی ایک امانت ہے اور اس کے قبضہ میں آ گئی ہے- وہ اس پر قابض ہو سکتا ہے لیکن اسے صرف اپنے ہی لیے خاص نہیں کر سکتا- اس کا فرض ہے کہ خود بھی کھائے اور ان کمزوروں کو بھی کھلائے جو حصول معیشت سے محروم رہ گئے ہیں-

دراصل قرآن کی اس تعلیم کی تہ میں یہ بنیادی اصل کام کر رہی ہے کہ وہ نوع انسانی کے مختلف افراد اور جماعتوں کو ایک دوسرے سے الگ اور منقطع تسلیم نہیں کرتا بلکہ سب کو ایک گھرانے کے مختلف افراد قرار دیتا ہے- ایسے افراد جو آپس میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، ایک دوسرے کے شریک حال ہیں اور ایک دوسرے سے تعاون کرنے والے ہیں- بلاشبہ ان میں کا ہر فرد اپنے اپنے طور پر اپنی اپنی استعداد کے مطابق جدوجہد معیشت میں لگا ہوا ہے اور کوئی زیادہ کامیاب ہوتا ہے کوئی کم لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک فرد دوسرے فرد کی حالت سے بے پروا ہو جائے- جو زیادہ کماتا ہے وہ اپنی کمائی دوسرے کو اٹھا کر نہیں دیتا- لیکن ایسا بھی نہیں کر سکتا کہ دوسرے کی یک قلم محرومی برداشت کر لے اور اس کے لیے اپنے کو ذمہ دار نہ سمجھے- جو زیادہ کماتا ہے اس کے پاس زیادہ کمائی رہتی ہے جو کم کماتا ہے اس کے پاس کم رہتی ہے لیکن کھاتے پیتے سب ہیں- بھوکا کوئی نہیں رہ سکتا- کمائی میں سب الگ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٩٢﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾

گروہ سے (طاقت میں) بڑھ چڑھ گیا ہے (یاد رکھو) اللہ اس معاملہ میں تمہاری (راست بازی واستقامت کی) آزمائش کرتا ہے (کہ تم طاقتور گروہ کا پاس کرنے لگتے ہو یا اپنے قول وقرار کا) جن جن باتوں میں تمہارے اختلافات ہیں ضرور ایسا ہوگا کہ وہ قیامت کے دن (حقیقت حال) تم پر آشکارا کر دے! (۹۲)

اور (دیکھو) اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا (یعنی مختلف گروہوں اور مختلف طریقوں کا اختلاف ظہور ہی میں نہ آتا) لیکن (تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ایسا نہیں چاہا) وہ جس کسی پر چاہتا ہے (کامیابی کی) راہ گم کر دیتا ہے۔ جس کسی پر چاہتا ہے کھول دیتا ہے اور (پھر) ضرور ایسا ہونا ہے کہ تم سے ان کاموں کی باز پرس ہو جو (دنیا میں) کرتے رہتے ہو! (۹۳)

الگ جدوجہد کریں گے۔ کھانے میں سب ایک دوسرے کے شریک ہو جائیں گے۔

دنیا میں نسل وتوارث کے قریبی رشتوں نے خاندانوں کی بنیاد ڈال دی ہے۔ یہ خاندانی زندگی ٹھیک اس زندگی کا ایک نمونہ ہے جو قرآن چاہتا ہے کہ تمام نوع انسانی کی ہو جائے۔ ایک خاندان میں مختلف افراد ہوتے ہیں اور استعداد کار کے لحاظ سے تمام افراد کی حالت یکساں نہیں ہوتی۔ کوئی فرد زیادہ کماؤ ہوتا ہے کوئی کم۔ کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ نہیں کماتا یا کچھ نہیں کما سکتا۔ جو زیادہ کماتا ہے وہ اپنی کمائی اپنے ہی پاس رکھتا ہے۔ ایسا نہیں کرتا کہ اٹھا کر دوسرے کو دے دے۔ لیکن باہمی رشتہ داری نے باہمی فرائض وتعاون کا جو فرض عائد کر دیا ہے اسے خاندان کا کوئی فرد نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ خاندان کا ایک فرد خود تو عیش وعشرت کی زندگی بسر کرے لیکن دوسروں کو فقر وفاقہ کی حالت میں ہلاک ہونے کے لیے چھوڑ دے۔ کمانے میں سب کی راہیں الگ ہوتی ہیں اور نتائج بھی سب کو ایک طرح کے پیش نہیں آتے لیکن کھانے میں سب ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی فکر سے غافل نہیں ہو سکتے۔ اگر خاندان کا ایک فرد زیادہ کماتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ خرچ کرنے کی ذمہ داری بھی اس پر زیادہ عائد ہوگئی ہے اور دوسرے بھی سمجھتے ہیں کہ یہ زیادہ کماتا ہے تو اسے ہماری خبر گیری بھی دوسروں سے زیادہ کرنی چاہیے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی خاندان کے مختلف افراد ہوتے ہیں مگر باہمی تعاون واشتراک کا فرض بھلا دیتے ہیں۔ ایک بھائی لاکھوں کماتا ہے۔ دوسرا بھائی بھوکا مرتا ہے۔ لیکن دنیا ایسے آدمی کو ملامت کرے گی، وہ کہے گی یہ ننگ خاندان ہے۔ اس نے یہ بات کیسے گوارا کر لی کہ خود تو عیش وعشرت کی زندگی بسر کرے اور اس کا بھائی ایک ایک دانہ کو ترسے۔

قرآن چاہتا ہے۔ ایسا ہی اعتقاد نوع انسانی کے تمام افراد میں پیدا ہو جائے۔ وہ کہتا ہے۔ تمام افراد انسانی دراصل ایک ہی گھرانے کے مختلف افراد ہیں۔ انسانیت ان کی نسل ہے اور کرۂ ارضی ان کا وطن ہے۔ بلاشبہ ان کا ہر فرد حق رکھتا ہے کہ اپنی اپنی حالت اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق معیشت کے وسائل حاصل کرے، لیکن اس کا حق نہیں رکھتا کہ اپنی کمائی کو صرف اپنے ہی لیے سمجھ لے اور اپنے کمزور بھائی کے لیے کچھ نہ نکالے۔ کمانے میں سب کی راہیں الگ ہوں گی۔ قبضہ وتصرف میں بھی سب الگ الگ رہیں گے لیکن کھانے میں الگ نہیں رہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ لَا تَتَّخِذُوْۤا اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَ تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَ لَكُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۹۴﴾ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ

اور (دیکھو) آپس کے معاملات میں اپنی قسموں کو مکروفریب کا ذریعہ نہ بناؤ کہ لوگوں کے پاؤں جمنے کے بعد اکھڑ جائیں اور اس بات کی پاداش میں کہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا' برے نتیجوں کا تمہیں مزہ چکھنا پڑے اور (بالآخر) ایک بڑے عذاب کے سزاوار ہو! (۹۴)

اور اللہ کے نام پر کیے ہوئے عہد (دنیا کے) بہت تھوڑے فائدے کے بدلے نہ بیچو- (راست بازی کا) جو اجر اللہ کے

سکتے- یہ خدا کے اس عالمگیر گھرانے کے ہر فرد کا قدرتی حق ہے- وہ کما سکے یا نہ کما سکے لیکن اسے زندہ رہنے کا سامان ملنا چاہیے-

وہ کہتا ہے- کمائی کے حق کا دامن انفاق کی ذمہ داری سے بندھا ہوا ہے- یہ دونوں لازم وملزوم ہیں- تم انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے- یہاں کمائی کرنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ خرچ کرنے کی ذمہ داری اٹھائی جائے- اگر تم کچھ نہیں کما سکتے تم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے- جونہی تم کمانے لگو تم پر ذمہ داری عائد ہوگئی- اب یہ جتنی بڑھتی جائے گی انفاق کی ذمہ داری بھی بڑھتی جائے گی- ہر پیسہ جو تمہاری جیب میں آئے گا انفاق کی ایک تازہ ذمہ داری اپنے ساتھ لائے گا- تمہاری کمائی کی راہ میں کوئی روک نہیں- تم جس قدر کما سکتے ہو کماؤ- بلکہ چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ کماؤ لیکن یہ نہ بھولو کہ زیادہ سے زیادہ کمانا زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں!

وہ کہتا ہے افراد کے ہاتھ کمائی کے لیے ہیں لیکن جماعت کا حق خرچ کرانے کا ہے- افراد جتنا کما سکتے ہیں کمائیں لیکن ڈھیر لگانے کے لیے نہیں- خرچ کرنے کے لیے-

یہی وجہ ہے کہ وہ ''اکتناز'' کو رد کنا چاہتا ہے- یعنی چاندی سونے کے ڈھیر لگانے کو، اور کہتا ہے' ان کے لیے عذاب الیم کی بشارت ہے جو ڈھیر لگاتے ہیں اور خرچ نہیں کرتے: ﴿ وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا ﴾ (۹:۳۴) شرح اس کی سورۂ توبہ میں گزر چکی-

اس تمام تفصیل سے معلوم ہوا کہ جہاں تک نظام معیشت کا تعلق ہے قرآن نے اکتساب مال کا معاملہ انفاق مال کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے- وہ فرد کے حق اکتساب سے تعرض نہیں کرتا لیکن اس حق کو انفاق کی ذمہ داری کے ساتھ باندھ دیتا ہے- جس قدر کما سکتے ہو کماؤ لیکن کوئی کمائی جائز تسلیم نہیں کی جا سکتی اگر انفاق سے انکار کرتی ہو- ہر وہ کمائی جو محض ''اکتناز'' کے لیے ہو اور انفاق کے لیے دروازہ کھلا نہ رکھے قرآن کے نزدیک ناجائز' ناپاک' اور مستحق عقوبت ہے!

چنانچہ یہاں آیت (۷۱) میں فرمایا ﴿ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ﴾ سروسامان رزق کے اعتبار سے سب کی حالت یکساں نہ ہوئی- کسی کے پاس زیادہ ہے، کسی کے پاس کم ہے، کوئی بالکل محروم ہے- ﴿ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ ﴾ پھر جن لوگوں کو رزق میں برتری دی گئی ہے وہ ایسا کرنے والے نہیں کہ اپنے کمائے ہوئے رزق اپنے غلاموں اور زیردستوں کو دے دیں- ﴿ فَهُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ ﴾ حالانکہ جو رزق انہوں نے کمایا ہے وہ کچھ ان کا خلق کیا ہوا نہیں ہے- اللہ ہی کا دیا ہوا ہے اور اس لیے رزق کے حقدار ہونے میں وہ سب برابر ہیں- خواہ کوئی زیردست ہو کر محروم ہو گیا ہو خواہ کوئی زبردست ہو کر خوشحال ہو گیا ہو- ﴿ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ؟ ﴾ پھر کیا یہ اللہ کی نعمت کے منکر ہیں؟ اللہ کی نعمت کے- کیونکہ دنیا میں جس قدر سروسامان معیشت ہے وہ در اصل فطرت ہی کی پیداوار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩٥﴾ مَا عِندَكُمْ يَنفَدُ وَمَا عِندَ اللَّهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ
صَبَرُوا أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ
مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٧﴾ فَإِذَا

پاس ہے وہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ بشرطیکہ تم سمجھتے بوجھتے ہو! (۹۵)

جو کچھ تمہارے پاس ہے (ایک نہ ایک دن) ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ختم ہونے والا نہیں۔ جن لوگوں نے صبر کیا (اور زندگی کی عارضی مشکلیں جھیل گئے) ہم ضرور انہیں ان کا اجر عطا فرمائیں گے انہوں نے جیسے جیسے اچھے کام کیے ہیں اسی کے مطابق ہمارا اجر بھی ہوگا! (۹۶)

جس کسی نے اچھا کام کیا خواہ مرد ہو خواہ عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہے تو (یاد رکھو) ہم ضرور اسے (دنیا میں) اچھی زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں بھی ضرور اسے اجر دیں گے۔ انہوں نے جیسے جیسے اچھے کام کیے ہیں اسی کے مطابق ہمارا اجر بھی ہوگا۔ (۹۷)

ہے۔ کسی فرد انسانی کی پیدا کی ہوئی نہیں ہے اور اگر ایک فرد کے قبضہ میں آ جاتی ہے تو یہ ایک اللہ کا فضل ہے' پس چاہیے کہ اس کی شکر گزاری بجا لائی جائے۔ نہ یہ کہ کفران نعمت کیا جائے۔ اس کی شکر گزاری کیا ہے؟ ان افراد پر خرچ کرنا جو اس کے حصول سے محروم ہیں۔

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ سر و سامان معیشت سب کے پاس یکساں نہیں اور یہ اختلاف حال قدرتی ہے۔ اسی لیے اسے اللہ نے براہ راست اپنی طرف منسوب کیا۔ دوسری یہ کہ رزق کے حقدار ہونے میں سب برابر ہوئے۔ خواہ کوئی آقا ہو' کوئی مملوک' کوئی طاقتور ہو' کوئی زیردست۔ چونکہ یہ دونوں باتیں یک جا ہو کر اس سوال پر روشنی ڈالتی ہیں کہ نظام معیشت کے معاملہ میں قرآن کا رخ کس طرف ہے اس لیے ضروری تھا کہ مندرجہ صدر تشریحات اسی محل میں کر دی جائیں۔

اس آیت میں ﴿ فهم فيه سواء ﴾ کا مطلب قرار دیتے ہوئے بعض مفسرین نے اسے عدم تساوی حال پر محمول کیا ہے اور تقدیر عبارت یوں قرار دی ہے کہ افهم فيه سواء؟ بعضوں نے فهم کی فاء کو حتی کے معنوں میں لیا ہے لیکن جملہ کا صاف صاف مطلب وہی ہے جو ہم نے قرار دیا ہے۔ یعنی یہ صریح تساوی حال کی خبر ہے نہ کہ اس کی نفی اور جب مطلب ٹھیک ٹھیک بیٹھ رہا ہے تو پھر کون سی وجہ ہے کہ جگہ سے ہٹنے کے لیے مضطرب ہوں۔

(۲۰) آیت (۷۲) میں ربوبیت الٰہی کی نعمتوں میں سے تین نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک یہ کہ اس نے انسان کی زندگی دو مختلف جنسوں مرد اور عورت میں تقسیم کر دی۔ اور پھر ایک کو دوسرے کا ساتھی بنا دیا۔ یعنی ازدواجی زندگی کا نظام قائم کر دیا۔ دوسری یہ کہ ازدواجی زندگی سے خاندانی زندگی پیدا ہو گئی۔ اولاد پیدا ہوتی ہے پھر ان کی اولاد ہوتی ہے اور اس طرح ایک دائرہ قریبی رشتہ داروں کا بن جاتا ہے جس کا ہر فرد دوسرے فرد سے وابستہ ہوتا ہے اور اسی وابستگی سے اجتماعی زندگی کی ساری برکتیں اور راحتیں حاصل ہوتی ہیں۔ تیسری یہ کہ اس کی غذا کے لیے اچھی چیزیں پیدا کر دیں جو نہ صرف مفید ہیں بلکہ خوشگوار ہیں' خوش رنگ ہیں' خوشبو ہیں۔

اس مقام کی تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کا مبحث ''تسکین حیات'' دیکھنا چاہیے۔

(۲۱) آیت (۷۴) میں فرمایا ﴿ لَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ ﴾ اپنے جی سے اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو۔

انسان کی ساری درماندگی اس راہ میں یہ ہے کہ اپنے معیار خیال سے اللہ کا تصور آراستہ کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے مثالیں تراشتا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٩٨﴾ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٩٩﴾ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُم بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿١٠٠﴾

پس جب تم قرآن پڑھنے لگو تو چاہیے کہ شیطان مردود (کے وسوسوں سے) اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ (۹۸) جو لوگ ایمان والے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ ان پر اس کا زور چلے۔ (۹۹)
اس کا زور تو انہی پر چلتا ہے جو اسے اپنا رفیق بناتے ہیں اور جو اس کی وجہ سے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ (۱۰۰)

حالانکہ اس کے سارے تصور، اس کے سارے قیاسات اس کی ساری تمثیلیں اس کے لیے ٹھوکروں پر ٹھوکریں اور گمراہیوں پر گمراہیاں ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنی سوچی ہوئی تمثیلوں میں جتنا بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی حقیقت سے دور ہوتا جاتا ہے کیونکہ وہ جتنی بھی تمثیلیں بناتا ہے اپنے ادراک و احساسات کے اندر رہ کر بناتا ہے اور ذات مطلق اس دائرہ کی رسائی سے ماورئ ہے:

اے بروں از وہم و قال و قیل من
خاک بر فرق من و تمثیل من!

جہاں تک تصور الٰہی کی تنزیہہ کا تعلق ہے قرآن کی دو چھوٹی چھوٹی آیتوں میں سب کچھ کہہ دیا گیا ہے جن میں سے ایک آیت یہ ہے دوسری ﴿ لیس کمثلہ شیء ﴾ (۱۱:۴۲) تنزیہہ کے بارے میں تم جو کچھ بھی کہو اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتے۔ اس کے لیے تمثیلیں نہ گھڑو۔ وہ ان ساری چیزوں میں سے کسی چیز کے بھی مثل نہیں ہے جس کا تم تصور کر سکتے ہو!

لیکن اگر قرآن کے تصور الٰہی کی تنزیہہ کا یہ حال ہے تو پھر کیوں اس نے صفات کا اثبات کیا؟ صفات کے اثبات کا لازمی نتیجہ تشخص[1] ہے اور تشخص پیدا ہوا تو اطلاق باقی نہ رہا اور اطلاق باقی نہیں رہا تو تنزیہہ بھی اپنی بلندی سے نیچے اتر آئی۔

اس لیے کہ اگر تنزیہہ کا مطلب یہ سمجھا جائے تو انسان کے تصور کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا۔ خدا کا تصور محض ایک سلبی تصور[2] ہو جاتا ہے اور سلبی تصور سے خدا پرستی کی زندگی پیدا نہیں ہوسکتی۔ خدا کا ایسا تصور اس کی فطرت کے لیے ایک ناقابل برداشت بوجھ ہو جائے گا۔ وہ وجدانی طور پر ایک خالق و پروردگار ہستی کا یقین رکھتا ہے اور جب یقین رکھتا ہے تو ناگزیر ہے کہ اس کا تصور بھی کرے، اور جب تصور کرے گا تو تشخص کے ساتھ ہی کرے گا۔ غیر متشخص اور سلبی حقیقت کا تصور اس کی فطری طاقت سے باہر ہے اور اگر بہ تکلف وہ ایسا تصور پیدا بھی کرنا چاہے تو یہ اس کے لیے کوئی زندہ اور عامل تصور نہیں ہوسکتا۔

یہ بات کہ اس کی فطرت میں ایک ایسی ہستی کا وجدانی اعتقاد موجود ہے اس بات کا بھی فطری ثبوت ہے کہ اسے اس کا تصور کرنا چاہیے۔ یعنی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ تصور کرے، وہ وجدانی طور پر مجبور ہے کہ تصور کرے لیکن جب وہ تصور کرے گا تو یہ ایک انسان ہی کا تصور ہوگا۔ ماورائے انسانیت تصور نہیں ہوگا اور انسانی تصور تشخص کی پرچھائیں سے منزہ نہیں ہوسکتا۔

اس تصور کا ولولہ انسان کی فطرت میں کیوں ابل رہا ہے اس لیے کہ اس کے معنوی ارتقاء کے لیے ایک نصب العین کی ضرورت تھی اور یہ نصب العین اللہ کی ہستی کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ مخلوقات میں جتنی چیزیں ہیں سب اس سے پست ہیں۔ وہ بلند ہونے کے لیے ان

[1] ''تشخص'' سے یہاں مقصود تصور کی وہ نوعیت ہے جسے انگریزی میں ''پرسنل گاڈ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
[2] سلبی تصور سے مقصود یہ ہے کہ صرف نفی کی جائے۔ اثبات نہ ہو۔ یعنی کہا جائے، وہ ایسا نہیں ہے' ایسا نہیں ہے' ایسا نہیں ہے۔ مگر یہ نہ کہا جائے کہ اس میں یہ یہ صفتیں ہیں مثلاً وہ رحیم ہے، علیم ہے، پروردگار ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هُدًى

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے کہ وہ کیا نازل کر رہا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں ''تم تو بس اپنے جی سے گھڑ لیا کرتے ہو'' حالانکہ ان میں سے اکثروں کو معلوم نہیں کہ حقیقت حال کیا ہے۔ (۱۰۱) (اے پیغمبر!) تم کہہ دو (''یہ میرے جی کی بناوٹ نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے) یہ تو فی الحقیقت تمہارے پروردگار کی طرف سے روح القدس نے اتاری ہے اور اس لیے اتاری ہے کہ ایمان والوں کے دل جما دے، فرماں بردار بندوں

کی طرف نہیں دیکھ سکتا۔ اسے ایک ایسی ہستی کی ضرورت ہے جو سب سے بلند تر ہو اور زیادہ سے زیادہ بلندیوں تک اسے کھینچنے والی ہو۔ یہ صرف اللہ کا تصور ہے۔ یہی تصور ہے جو اس کے لیے اڑنے اور اونچے ہونے کا ایک ایسا نصب العین بہم پہنچا دیتا ہے جس سے بلند تر کوئی نصب العین نہیں ہو سکتا اور یہاں جو کچھ ہے سب اس سے فروتر ہے۔ یہ اس کے آگے مقام انسانیت کی غیر محدود ترقیوں کی شاہراہ کھول دیتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ وہ اپنے سامنے ایک تصور رکھے۔ اور تصور رکھے تو یہ ایک ایجابی تصور ہو۔ محض نفی و سلب نہ ہو۔ نفی و سلب اسے کچھ نہیں دے سکتا۔ اسے کھینچ نہیں سکتا' اسے اپنی آغوش میں لے نہیں سکتا۔ اور اس کا وجدان ایک ایسی ہستی کے لیے تشنہ ہے جو دینے والی ہو' بلانے والی ہو' کھینچنے والی ہو' اپنے حسن و جمال کی صفتوں کے اندر سے جھانکنے والی ہو!

اس کی پیاس صرف اس سے نہیں بجھ سکتی کہ اسے بتلا دیا جائے خدا کی ذات ایسی نہیں ہے، ایسی نہیں ہے۔ اس کی طلب و احتیاج تو کسی ایسے کو ڈھونڈ رہی ہے جو بتلائے میں ایسا ہوں' اور مجھ میں ایسی ایسی صفتیں ہیں!

پھر تمام کائنات ہستی کی پکار کیا ہے جو انسان کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے؟ اور خود اس کی ہستی کا ایک ایک لمحہ کیا کہہ رہا ہے؟ کیا ممکن ہے کہ انسان اس کی طرف سے کان بند کر لے؟ کیا ہو سکتا ہے کہ وہ آنکھیں کھولنے سے انکار کر دے؟ یہاں کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ کسی بنانے والے میں بنانے اور سنوارنے کی صفتیں ہیں اور اس کی صفتوں کے ہم نقش و نگار ہیں۔ انسان یہ سارے نقش و نگار دیکھتا ہے اور ان میں حقیقتیں پاتا ہے۔ پس ان کا تصور اسے کرنا ہی پڑے گا۔ وہ دیکھتا ہے کہ یہاں حسن و جمال ہے' اس لیے اسے تصور کرنا ہی پڑے گا کہ اس میں حسن و جمال ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ یہاں پروردگاری ہے' اس لیے اسے تصور کرنا ہی پڑے گا کہ وہ پروردگار ہے!

پس اس راہ کی ٹھوکر اثبات صفات میں نہ ہوئی۔ اس میں ہوئی کہ صفات کیسی ہونی چاہییں؟ ذہن انسانی نے جب کبھی نقشہ کھینچنا چاہا تو اپنی رسائی فکر کے مطابق تمثیلیں بنائیں اور اسی میں گمراہ ہوا۔ انبیائے کرام کی دعوت کا مقصد یہ رہا کہ اس گمراہی سے دنیا کو نجات دلائیں اور صفات الٰہی کا صحیح تصور پیدا کر دیں۔ قرآن کا تصور الٰہی اسی لیے تصور کی تکمیل ہے کہ اس نے تنزیہہ کا مقصد بھی پورا کر دیا اور صفات الٰہی کا کامل نقشہ بھی کھینچ دیا۔ اس نے ایک طرف تو ہر طرح کے تمثل و تجسم کا دروازہ بند کر دیا کہ ﴿ لَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اور لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾ اور دوسری طرف اس کی صفتوں سے بھی ہمیں آشنا کر دیا جو تمام تر ''حسنیٰ'' ہیں۔ یعنی حسن و خوبی کی صفتیں ہیں اور جنہیں ہم کائنات ہستی کے ایک ایک ذرہ سے پوچھ سکتے ہیں اور ایک ایک ذرہ کے منہ سے سن سکتے ہیں! ﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ (۳:۱۸)

اس کی تنزیہہ بھی کامل ہے کیونکہ تشبہ اور تجسم کی پرچھائیں بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ اس کی بتلائی ہوئی صفتیں بھی اعلیٰ ہیں۔ کیونکہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَّ بُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۳﴾

کے لیے رہنمائی ہو اور (نجات وسعادت کی) خوش خبری! (۱۰۲) اور بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ (قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہیں- یہ) کہتے ہیں ''اس شخص کو تو ایک آدمی (یہ باتیں) سکھا دیتا ہے'' حالانکہ اس آدمی کی زبان جس کی طرف اسے منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ صاف اور آشکارا عربی زبان ہے! (۱۰۳)

سرتاسر حسن، سرتاسر کبریائی، سرتاسر عظمت وجلال ہیں!

اسی سورت کی آیت (۶۰) میں گزر چکا ہے: ﴿ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ﴾ افسوس ہے کہ اس آیت کا مطلب لوگوں نے نہیں سمجھا- اس میں بھی یہی حقیقت واضح کی گئی ہے- قرآن اس سے نہیں روکتا کہ انسان خدا کے تصور کے لیے ایک بات دھیان میں لائے لیکن وہ بات کیسی ہونی چاہیے؟ یہیں اسے ہمیشہ ٹھوکر لگی- وہ اسے نہیں پا سکا- وہ حسن و جمال، کبریائی وکمال اور علو وعظمت کی بات تھی لیکن اس نے گمراہی فکر سے بری باتیں، گری ہوئی باتیں، ناسزا باتیں گھڑ لیں- یعنی ''مثل السوء'' سے کام لیا- ''المثل الاعلیٰ'' نہ پا سکا- حالانکہ اللہ کے لیے جو بات ہوگی ''المثل الاعلیٰ'' ہی کی ہوگی ''مثل السوء'' کی نہیں ہو سکتی- قرآن نے اسی ''المثل الاعلیٰ'' کا جمال حقیقت نمایاں کر دیا ہے- اور یہی ''المثل الاعلیٰ'' ہے جسے سورۂ اعراف میں ''الاسماء الحسنیٰ'' سے تعبیر کیا اور ''مثل السوء'' کے لیے الحاد فی الاسماء کی تعبیر اختیار کی: ﴿ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا وَ ذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اَسْمَآئِهٖ سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾ (۷:۱۸۰)

ایک دوسری جگہ فرمایا: ﴿ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴾ (۵۹:۲۴) اس کے لیے حسن وخوبی کی صفتیں ہیں اور آسمانوں میں اور زمین میں جتنی مخلوقات ہیں سب اس کی تسبیح کر رہی ہیں یعنی تمام کائنات ہستی ان صفتوں کی شہادت دے رہی ہے- آسمان وزمین کی ہر چیز ان صفتوں کا اعتراف ہے، ان صفتوں کی نمود ہے، اس کی پاکی و کبریائی کے اعلان میں تسبیح کی زبان ہے- تقدیس کی پکار ہے!

بہرحال اثبات صفات ایک ایسی حقیقت ہے جس کی وجدانی طلب فطرت انسانی میں موجود ہے اور اس لیے اس حد تک تشخص کا ہونا فطری مطالبہ پورا کرنا ہے- اگر اس سے اعراض کیا جائے گا، تو غیر فطری بات ہو جائے گی اور انسان کی وجدانی پیاس کبھی نہیں بجھے گی- ہندوستان کے فلسفہ ویدانت نے اور اس کے بعد بدھ مذہب کے حکماء[1] نے نفی صفات کا مسلک اختیار کیا اور تشخص کو مٹانا

[1] انیسویں صدی میں جن مستشرقین نے بدھ مذہب کی تحقیقات کی ان میں سے اکثر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ گوتم بدھ کے عقیدہ میں خدا کے لیے کوئی جگہ نہ تھی، لیکن اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ یہ بدھ مذہب کی زیادہ سے زیادہ غلط تعبیر ہے- جہاں تک خدا کے اعتقاد وتصور کا تعلق ہے گوتم بدھ نے بھی وہی راہ اختیار کی جو اپنشد کی ہے لیکن اس پر حقیقت کے اطلاق کا استغراق اس درجہ طاری ہو گیا تھا کہ کوئی مثبت بات اس بارے میں نہ کہہ سکا- اس کا مسلک انکار ذات کا نہ تھا- نفی صفات کا تھا-

یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کہ اس نے زندگی میں رنج وعذاب کے سوا کچھ نہ دیکھا اور نجات کی راہ اس کے نزدیک ترک وفنا میں ہے- وہ زندگی کے رنج وعذاب کا یقین ضرور پیدا کرنا چاہتا ہے- لیکن اس لیے کہ رنج وعذاب سے نکلنے اور طمانیت وسعادت حاصل کرنے کی طلب پیدا کرے- اس نے نجات کی راہ ترک خواہشات نہیں قرار دی ہے بلکہ ''درمیانی راہ'' پر زور دیا ہے- یعنی نہ تو خواہشوں کا استغراق اور نہ ترک، بیچ کی راہ-

میں خود بھی عرصہ تک اسی غلط فہمی میں مبتلا رہا- لیکن اب مطالعہ وتحقیق کے بعد اس رائے کی غلطی واضح ہو گئی ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٠٥﴾

اصل یہ ہے کہ جولوگ (دیدہ ودانستہ) اللہ کی آیتوں پر یقین نہیں کرتے، اللہ انہیں (کامیابی کی) راہ کبھی نہیں دکھاتا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہونا ہے۔ (۱۰۴)

اپنے جی سے جھوٹ گھڑنا تو انہی کا کام ہے جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے (اللہ پر ایمان رکھنے والا تو کبھی افترا پردازی نہیں کرسکتا) یہی ہیں کہ سرتاسر جھوٹے ہیں! (۱۰۵)

چاہا' لیکن عملاً نتیجہ کیا نکلا؟ یہ نکلا کہ نہ صرف تشخص کی بلکہ تجسم تک کی لوگوں کو اجازت دے دینی پڑی۔ کیونکہ انہوں نے محسوس کیا کہ غیر متشخص تصور سے خداپرستی کی پیاس بجھ نہیں سکتی اور ضروری ہے کہ فکر انسانی کے سامنے ایک چیز لائی جائے۔ اس کا وجدان بغیر اس کے مطمئن نہیں ہوسکتا کہ کوئی نہ کوئی صورت سامنے دیکھے۔ اگر صفات کی صورت نہ ہوگی تو پتھر کی مورتی تراش لے گا:

کرے کیا کعبہ میں جو سرِ بت خانہ سے آگہ ہے
یہاں تو کوئی صورت بھی ہے' واں اللہ ہی اللہ ہے!

یا تو تنزیہہ میں اس قدر بلند ہونا چاہا تھا کہ اثبات صفات بھی ان پر شاق گزرا حتی کہ اس کے بھی روادار نہ ہوئے کہ اس کی طرف ''وہ'' کہہ کے اشارہ کریں کیونکہ ہمارا ''وہ'' بھی تشخص کی آلودگی سے منزہ نہیں ہوسکتا۔ یا پھر تجسم کی پستی میں گرے تو ایسے گرے کہ نہ صرف تشخص کو اس کی ساری تمثیلوں اور جسمانیتوں کے ساتھ جائز کر دیا بلکہ اس کے سب سے زیادہ ادنیٰ اور اسفل درجہ کی بھی اجازت دے دی۔ یعنی مورتی پوجا کی! چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ویدانت کی توحید وجودی کا مسلک اور بودھسٹ حکماء کے سلب ونفی کا تصور فلسفہ کا ایک مذہب بن گیا لیکن انسان کا عملی مذہب نہ بن سکا۔ عملی مذہب کے لیے اصنام پرستی ہی اختیار کرنی پڑی۔

نفی صفات اور استغراق اطلاق کا یہی مسلک ہے جسے اصحاب حدیث نے ''تعطیل'' سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن کی توحید تنزیہہ پر مبنی ہے، تعطیل پر نہیں ہے۔

تاریخ اسلام میں سب سے پہلے نفی صفات کی صدا جہم بن صفوان نے بلند کی جس کی طرف جہمیہ منسوب ہیں پھر متکلمین ونظار کے مختلف گروہ اس سے کم وبیش متاثر ہوئے۔ باطنیہ کا مذہب اثبات ونفی بھی اسی پر مبنی تھا۔ یعنی وہ اثبات کے ساتھ نفی بھی کر دیتے تھے ''النور لانور'' اور ''العلیم لاعلیم'' توجیہ اس کی یہ کرتے تھے کہ اثبات، حقیقت صفات کے لیے ہے۔ نفی تشبیہ کے لیے۔

(۲۲) اس آیت کے بعد دو مثالیں بیان کی ہیں ﴿ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوكًا ﴾ اور ﴿ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ ﴾

(ا) پہلی مثال میں فرمایا۔ اگر تمہیں احتیاج ہو تو تم کس کے پاس جاؤ گے؟ ایک غلام کے پاس جو کسی دوسرے کے اختیار میں ہے اور خود کوئی اختیار نہیں رکھتا، یا اس کے پاس جو مالک ومختار ہے اور جس طرح چاہے اپنا مال خرچ کرسکتا ہے۔ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ایک بے بس غلام اور ایک مالک ومختار آقا؟ اگر نہیں ہو سکتے' تو اس سے بڑھ کر عقل کی ہلاکت اور کیا ہوسکتی ہے کہ تم اپنی حاجتوں اور مصیبتوں میں ان کے آگے جھکتے ہو جو خود اللہ کے بندے ہیں اور اپنی ساری احتیاجوں میں اس کی بخشائش کے محتاج، اور اس کی طرف سے گردن موڑ لیتے ہو جس کے اختیار میں سب کچھ ہے' اور کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑنے والا ہو؟

(ب) دوسری مثال ایمان اور کفر کی مثال ہے۔ فرمایا، فرض کرو دو آدمی ہوں۔ ایک گونگا بہرا' اپنے ساتھیوں کے لیے بوجھ۔ کوئی کام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

جوکوئی ایمان لانے کے بعد پھر اللہ سے منکر ہوا اور اس کا دل اس انکار پر رضامند ہو گیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ مگر ہاں، جو کوئی کفر پر مجبور کیا جائے (اور بے بس ہو کر بخوف جان کوئی ایسی بات کہہ دے) اور اس کا دل اندر سے ایمان پر مطمئن ہو (تو ایسے لوگوں سے مواخذہ نہیں)۔ (۱۰۶)

بھی اس سے بن نہ پڑے۔ دوسرا متکلم اور رہنما۔ فلاح و کامیابی کی راہ چلنے والا اور دوسروں کو بھی راہ دکھانے والا۔ تو کیا ان دونوں کی حالت میں تمہیں کوئی فرق نہیں دکھائی دے گا؟ تمہاری نگاہ میں دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا؟ اگر نہیں ہوگا اور تم بے اختیار بول اٹھو گے کہ کہاں ایک گونگا بہرا اور کہاں ایک گویا اور کارفرما تو پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ایمان کی زندگی پر کفر کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو؟ ایمان کی زندگی کیا ہے؟ عقل و بصیرت کی زندگی جو خدا کے دیے ہوئے حاسوں سے کام لیتی، خود بھی سیدھی راہ چلتی اور دوسروں کی بھی رہنمائی کرتی ہے۔ کفر کی زندگی کیا ہے؟ بہری گونگی زندگی، عقل و حواس تاراج کر دینے والی۔ جس راہ میں قدم اٹھائے، کوئی خوبی کی بات حاصل نہ کر سکے۔

قرآن ہر جگہ ایمان کو عقل و بصیرت اور ہدایت و رہنمائی کی راہ قرار دیتا ہے اور کفر کو جہل و ہیچ کاری سے تعبیر کرتا ہے۔

(۲۳) آیت (۸۷) میں فرمایا۔ وہ کون ہے جس نے عقل و حواس کا چراغ تمہارے نہاں خانہ دماغ میں روشن کر دیا ہے؟ جب تم پیدا ہوتے ہو تو تمہاری تمام ذہنی قوتیں بظاہر معدوم ہوتی ہیں لیکن پھر جوں جوں بڑھتے جاتے ہو، حواس کی قوتیں ابھرنے لگتی ہیں، ادراک کا جوہر ابلنے لگتا ہے اور عقل کا چراغ روشن ہو جاتا ہے۔

اس آیت اور اس کی ہم معنی آیات میں ربوبیت الٰہی کی معنوی پروردگاریوں سے استدلال کیا ہے اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اللہ کی ربوبیت نے انسان کے لیے عقلی ہدایت کا سروسامان کر دیا اور یہی ہدایت ہے جس نے اسے تمام مخلوقات ارضی میں سب سے بلند مقام پر پہنچا دیا ہے۔ تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کے مبحث ''برہان ربوبیت'' کا مطالعہ کرو۔

اس کے بعد کی آیات میں بھی ربوبیت الٰہی کی بخشائشوں پر توجہ دلائی ہے کہ کس طرح کرۂ ارضی کی ہر پیداوار میں تمہارے لیے افادہ و فیضان کی نوعیت پیدا ہو گئی ہے اور کوئی شے نہیں جو تمہاری کسی نہ کسی کار برآری کا ذریعہ نہ ہو۔ اس مقام کی تشریح تفسیر فاتحہ کے مبحث ''افادہ و فیضان فطرت'' میں ملے گی۔

(۲۴) آیت (۸۹) میں سلسلہ بیان نے یہ رخ اختیار کیا تھا کہ ﴿ نزلنا عليك الكتاب ﴾ ہم نے تجھ پر ایک کتاب نازل کی جو دین کی تمام باتیں واضح کرتی ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔

لیکن وہ مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت کیونکر ہوئی؟ اس طرح ہوئی کہ انہیں فلاح و سعادت کی راہ پر چلاتی ہے۔ بدعملیوں کی راہوں سے روکتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی سلسلہ بیان مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو گیا اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾ اللہ کا تمہارے لیے فرمان یہ ہے کہ عدل کو اپنا شیوہ بناؤ، نیک کرداری میں سرگرم رہو، قرابت والوں کے ساتھ حسن سلوک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے آخرت چھوڑ کر دنیا کی زندگی سے محبت کی- نیز اس وجہ سے کہ اللہ (کا قانون ہے وہ) منکروں پر (فلاح وسعادت کی) راہ نہیں کھولتا! (۱۰۷)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر' کانوں پر اور آنکھوں پر مہر کر دی (کیونکہ اس کا مقررہ قانون ہے کہ جو عقل و حواس سے کام نہیں لیتے وہ اس کی روشنی سے محروم ہو جاتے ہیں) اور یہی ہیں کہ غفلت میں ڈوب گئے ہیں! (۱۰۸)

کرو' فحش کاموں سے بچو- ہر طرح کی برائیوں سے اجتناب کرو' ظلم وزیادتی سے کبھی آلودہ نہ ہو-

جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے ان کے لیے اب آزمائش عقائد میں نہ تھی' اعمال میں تھی اس لیے اس آیت میں عملی زندگی کی تمام مہمات بیان کر دیں- یہ گویا قرآن کے اس وصف کی تفسیر ہے جو پچھلی آیت میں بیان کیا گیا تھا کہ ﴿ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ اسی لیے مفسرین نے اسے جوامع آیات میں شمار کیا ہے-

عدل تمام محاسن اعمال کی اصل ہے- جس انسان کے اندر یہ بات پیدا ہو گئی کہ جو بات کرنی چاہیے انصاف کے ساتھ کرنی چاہیے اس نے سب کچھ پالیا- احسان سے یہاں مقصود حسن عمل ہے- جو بات کرو' حسن وخوبی کی کرو' نیکی اور بھلائی کی کرو، یعنی بنیاد و عمل بھلائی ہو- برائی نہ ہو- جس نے یہ بات پالی اس کے لیے اور کیا باقی رہا؟ پھر جو ہم سے قریب کا رشتہ رکھتے ہیں وہ ہمارے حسن سلوک کے زیادہ حقدار ہیں اس لیے وایتائے ذی القربی کی رعایت بھی ضروری ہوئی اور اس حکم پر اوامر کا معاملہ پورا ہو گیا- پھر فحشاء' منکر اور بغی سے روک کر نواہی کے سارے مقاصد پورے کر دیے- فحش سے مقصود وہ برائیاں ہیں جو حد درجہ کی برائیاں تسلیم کر لی گئی ہیں- مثلاً زنا' کنجوسی' افترا پردازی- منکر میں ہر طرح اور ہر قسم و درجہ کی برائیاں آ گئیں- بغی میں ہر طرح کی زیادتی آ گئی- کسی گوشہ اور کسی شکل میں کی گئی ہو-

جو کتاب ایسے سانچے لے کر آئی ہو جس سے ایسے اعمال ڈھلتے ہوں، جو ایسی زندگیاں بناتی ہو، اگر وہ ہدایت' رحمت اور بشارت نہیں ہے تو اور کس نام سے اسے پکارا جا سکتا ہے؟

(۲۵) اس کے بعد خصوصیت کے ساتھ ایک خاص معاملہ پر زور دیا جو عموماً طرح طرح کی لغزشوں کا باعث ہوتا ہے اور مسلمانوں کو بحیثیت ایک جماعت کے سب سے زیادہ اس میں سرگرم واستوار ہونے کی ضرورت تھی- یعنی ایفائے عہد پر- جب تم نے کسی فرد سے یا جماعت سے کوئی قول وقرار کر لیا، تو اب یہ قرآن کے نزدیک ''عہد اللہ'' ہو گیا- یعنی ایسا عہد جس کے لیے تم اللہ کے آگے ذمہ دار ہو گئے- اگر تم نے اسے پورا نہیں کیا تو اللہ کے آگے جوابدہ ہو گے- چنانچہ فرمایا: ﴿ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ ﴾

عہد و میثاق کے معاملات میں سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ نازک معاملہ جماعتوں کے معاہدوں کا ہے- اور اسی میں اس کی اصلی آزمائش ہے- افراد بحیثیت فرد کے بہت کم عہد شکنی کرتے ہیں اور کریں تو اس کے نتائج شخصی دائرہ سے باہر نہیں جاتے، لیکن جماعتیں بحیثیت جماعت کے اکثر عہد شکن ہوتی ہیں اور اس کے نتائج سیکڑوں ہزاروں افراد کے حصہ میں آتے ہیں- بسا اوقات ایک جماعت کے افراد کبھی گوارا نہیں کریں گے کہ اپنی انفرادی زندگی کے معاملات میں عہد شکنی کا عار گوارا کریں- لیکن اگر انہی لوگوں کو بحیثیت ایک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع

لامحالہ یہی لوگ ہیں کہ آخرت میں تباہ حال ہوں گے! (۱۰۹)

اور پھر جن لوگوں کا یہ حال ہوا کہ (کفر وایمان کی) آزمائشوں میں پڑنے کے بعد ہجرت کی اور پھر (راہ حق میں) جہاد بھی کیا اور (ہر طرح کی مصیبتوں میں) صابر رہے تو بلاشبہ تمہارا پروردگار ان اعمال کے بعد ضرور بخشنے والا ضرور رحمت فرمانے والا ہے! (۱۱۰)

جماعت' قوم اور حکومت کے بدعہدی کرنی پڑے تو ایک لمحہ کے لیے بھی اس میں تامل نہیں کریں گے اور اسے جماعتی کام جوئی فتح مندی کی ایک ہشیاری اور دانشمندی سمجھیں گے۔ خصوصاً اگر بدعہدی کسی ایسے گروہ کے ساتھ کرنی پڑے جس سے دشمنی اور لڑائی ہو۔ آج بیسویں صدی میں دنیا کی متمدن اقوام کا سیاسی اخلاق ہمارے سامنے ہے۔ ان کے جو افراد چھوٹی سی چھوٹی بات میں بھی یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ وعدہ خلاف ثابت ہوں، قومی اور سیاسی معاملات میں ہر طرح کی بدعہدیاں اور خلاف ورزیاں جائز سمجھتے ہیں اور تاریخ کے اوراق کو آج تک اس کی مہلت نہیں ملی ہے کہ سیاسی معاہدوں کی شکست کی افسانہ سرائی سے فارغ ہو جائے!

ایک انگریز' ایک فرنچ' ایک جرمن کی انفرادی زندگی کی سیرت (کیریکٹر) دیکھو، وہ اپنے وعدوں میں سچا اور اپنے قول وقرار میں بے داغ ہوگا۔ اس کے لیے اس سے بڑھ کر توہین کی کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ اس کے وعدہ میں شک کیا جائے، لیکن انہی افراد کا مجموعہ جب ایک جماعتی ذہنیت کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور قومی اور سیاسی معاہدوں کی پابندی اس کی خود غرضانہ کام جوئیوں کی راہ میں حائل ہونے لگتی ہے تو پھر کیا ہوتا ہے؟ کیا ایک لمحہ کے لیے بھی یہ انفرادی سیرت جماعتی بدعہدی کی راہ روک سکتی ہے؟ نہیں بلکہ سب سے بڑا مدبر انسان وہی سمجھا جاتا ہے جو سب سے زیادہ عہد شکنیوں میں بے باک ہو!

جس جماعت کے افراد ایک فرد واحد کے ساتھ بدعہدی کرنا گوارا نہیں کر سکتے وہ لاکھوں کروڑوں افراد کے ساتھ بدعہدی کرنے میں کوئی بداخلاقی محسوس نہیں کرتے!

ہندوستان میں انگریزی اقتدار کی تخم ریزی اس وقت شروع ہوئی جب کہ انگریزی قوم کی قومی سیرت اپنے بہترین سانچوں میں ڈھل رہی تھی اور ان کا اخلاقی پیمانہ روز بروز اونچا ہو رہا تھا۔ یعنی اٹھارویں صدی کے اوائل میں۔ لیکن ہمیں دور جانے کی ضرورت نہیں، ہم صرف ہندوستان کی گزشتہ دو صدیوں کی تاریخ ہی میں دیکھ سکتے ہیں کہ اس بارے میں انگریزی قوم کے جماعتی اخلاق کا معیار کیا رہا ہے؟ ہر معاہدہ جو طاقتور فریق کے ساتھ کیا گیا اور وہ طاقتور رہا' معاہدہ تھا۔ ہر معاہدہ جو کمزور فریق کے ساتھ کیا گیا اور وہ کمزور ہی رہا، معاہدہ نہ تھا۔ امی چند' میر جعفر' میر قاسم' شاہ عالم' راجہ چیت سنگھ' نواب فیض اللہ' سعادت علی خاں' نظام علی خاں' برار' جے پور' میران سندھ کے لیے معاہدے کچھ مفید نہ ہو سکے۔ لیکن حیدر علی' ٹیپو اور رنجیت سنگھ کے معاہدوں کی اخلاقی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا گیا۔ جماعتی معاہدے اگر پورے کیے جاتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ معاہدے ہیں اور معاہدوں کا پورا کرنا ضروری ہے بلکہ اس لیے کہ طاقتور فریق سے کیے گئے ہیں اور ان کی شکست مفید ہونے کی جگہ مضر ہوگی!

عہد جاہلیت میں عربوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ وفائے عہد کی اخلاقی قیمت سے بے خبر نہ تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے اور اپنے قبیلہ کے مفاخر میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ وفائے عہد ہی کو دیتے تھے لیکن جہاں تک جماعتی معاہدوں کا تعلق ہے وفائے عہد کا عقیدہ کوئی عملی قدر و قیمت نہیں رکھتا تھا۔ آج ایک قبیلہ ایک قبیلہ سے معاہدہ کرتا تھا۔ کل دیکھتا تھا کہ اس کے مخالف زیادہ طاقتور ہو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ

وہ (قیامت کا) آنے والا دن جب ہر جان صرف اپنے ہی لیے سوال جواب کرتی ہوئی آئے گی (یعنی کسی کو کسی کی فکر نہ ہوگی) اور جس دن ہر جان کو اس کے عمل کا پورا پورا نتیجہ مل جائے گا- کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہوگی! (۱۱۱) اور (دیکھو) اللہ نے ایک مثال بیان کی- ایک بستی تھی جہاں ہر طرح کا امن چین تھا- ہر جگہ سے سامان رزق آتا رہتا اور ہر شخص فراغت سے

گئے ہیں تو بے دریغ اس سے جا ملتا تھا اور معاہد و حلیف پر حملہ کر دیتا تھا- اگر کسی دشمن فریق سے امن کا معاہدہ کرتے اور پھر دیکھتے کہ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا موقع پیدا ہو گیا ہے تو ایک لمحہ کے لیے بھی معاہدہ کا احترام انہیں حملہ کر دینے سے نہیں روکتا تھا اور بے خبر دشمن پر جا گرتے-

لیکن قرآن راست بازی کی جو روح پیدا کرنی چاہتا تھا وہ ایک لمحہ کے لیے بھی یہ بداخلاقی گوارا نہیں کر سکتی تھی- اس نے وفائے عہد اور احترام مواثیق کا جو معیار قائم کیا ہے وہ اس درجہ بلند' قطعی' بے لچک اور عالمگیر ہے کہ انسانی اعمال کا کوئی گوشہ بھی اس سے باہر نہیں رہ سکتا- وہ کہتا ہے فرد ہو یا جماعت' ذاتی معاملات ہوں یا سیاسی' عزیز ہو یا اجنبی' ہم قوم و مذہب ہو یا غیر قوم و مذہب' دوست ہو یا دشمن، امن کی حالت ہو یا جنگ کی لیکن کسی حال میں بھی عہد شکنی جائز نہیں- وہ ہر حال میں جرم ہے' معصیت ہے' اللہ کے ساتھ ایک بات کر کے اسے توڑ دینا ہے' عذاب عظیم کا اپنے کو مستحق ثابت کرنا ہے-

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جا بجا وفائے عہد پر زور دیا ہے اور جہاں کہیں مومنوں کے ایمانی خصائل کی تصویر کھینچی ہے یہ وصف سب سے زیادہ ابھرا ہوا نظر آتا ہے ﴿ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ﴾ (۱۷۷) ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ﴾ (۸:۲۳) اور احادیث میں ہر جگہ منافق کی یہ پہچان بتلائی گئی ہے کہ ((اذا وعد اخلف)) (صحیحین) جب وعدہ کرے گا' پورا نہیں کرے گا-

یہاں خصوصیت کے ساتھ جماعتی عہد و قرار کے احترام پر زور دیا ہے- چنانچہ فرمایا ﴿ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ﴾ اگر تم نے ایک گروہ سے معاہدہ کیا ہے اور کل کو اس کا مخالف گروہ زیادہ طاقتور نظر آئے تو محض اس لیے کہ طاقتور کا ساتھ دینا تمہارے لیے زیادہ مفید ہوگا' نہ کہ کمزور کا' بدعہدی پر آمادہ نہ ہو جاؤ- جب تم نے ایک گروہ سے قول و قرار کر لیا تو ہر حال میں اس کا پورا کرنا لازمی ہو گیا- خواہ وہ کمزور ہو گیا ہو' خواہ طاقتور- اگر اس کے مخالف طاقتور ہو گئے ہیں اور ان کے خلاف جانے میں تمہارے لیے خطرات ہیں تو تمہارا فرض ہے کہ خطرات برداشت کرو- کیونکہ تم عہد کر چکے ہو-

پھر اس طرح کی بدعہدی کی مثال کیا ہے؟ فرمایا: ﴿ كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ﴾ اس عورت کی سی ہے جس نے بڑی جانفشانی سے سوت کاتا اور پھر خود ہی ٹکڑے ٹکڑے کر کے برباد کر دیا- یعنی جب ایک شخص یا ایک گروہ کوئی معاہدہ کرتا ہے تو اس کی پختگی کے لیے بڑی بڑی باتیں کرتا ہے اور ہر طرح دوسرے فریق کو یقین دلاتا ہے- پھر اگر ایک بات اتنی کوشش کے بعد پختہ کی گئی ہے- تو کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ جس نے کل پختہ کی تھی وہی آج اسے اپنے ہاتھوں سے توڑ کر رکھ دے؟

اس کے بعد آیت (۹۴) میں فرمایا- اپنی قسموں کو لوگوں کے لیے ٹھوکر نہ بناؤ- کیونکہ اگر تم نے بدعہدی کی تو لوگوں کا یقین تم سے اٹھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ
لَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا
رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ
عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ
وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا
حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

کھاتا پیتا تھا- لیکن پھر ایسا ہوا کہ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی- تو اللہ نے بھی ان کے کاموں کی پاداش میں انہیں نعمتوں سے محروم کر دیا- (تنعم کی جگہ) فاقہ اور (اطمینان کی جگہ) خوف ان پر چھا گیا! (۱۱۲)

اور پھر خود انہی میں سے ایک رسول بھی ان کے سامنے آیا (اور کامیابی و سعادت کی راہ کی دعوت دی) مگر انہوں نے اسے جھٹلایا- پس عذاب میں گرفتار ہو گئے' اور وہ (خود اپنے اوپر) ظلم کرنے والے تھے! (۱۱۳)

پس چاہیے کہ اللہ نے جو رزق تمہیں عطا کیا ہے اسے شوق سے کھاؤ- حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں- اور (ساتھ ہی) چاہیے کہ اللہ کی نعمت کا شکر بھی بجالاؤ' اگر فی الحقیقت تم صرف اسی کے پجاری ہو- (۱۱۴)

جو کچھ تم پر حرام کیا گیا ہے وہ تو صرف یہ ہے کہ مردار جانور' لہو' سور کا گوشت اور وہ جانور جسے خدا کے سوا کسی دوسری ہستی کے لیے پکارا جائے- پھر جو کوئی (حلال غذا نہ ملنے کی وجہ سے) ناچار ہو جائے اور نہ تو (حکم الٰہی سے) سرتابی کرنے والا ہو، نہ (حد ضرورت سے) گزر جانے والا (اور وہ جان بچانے کے لیے کچھ کھالے) تو اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے! (۱۱۵)

اور (دیکھو) ایسا نہ کرو کہ تمہاری زبانوں پر جو جھوٹی بات آ جائے بے دھڑک نکال دیا کرو اور (اپنے جی سے ٹھہرا کر) حکم لگا دو- یہ چیز حلال ہے- یہ چیز حرام ہے- اس طرح حکم لگانا اللہ پر افترا پردازی کرنا ہے-

---

جائے گا- وہ کہیں گے ایسے لوگوں کا دین کیا جو اپنی بات کے پکے نہیں- اس طرح تم نہ صرف بدعہدی کے مجرم ہو گے بلکہ راہ حق سے لوگوں کو روکنے کا باعث ہو گے-

(۲۶) سورۂ انعام میں گزر چکا ہے کہ مشرکین عرب نے اپنے اوہام سے طرح طرح کی چیزیں حرام ٹھہرا دی تھیں- یہودیوں نے بھی کھانے پینے میں طرح طرح کی رکاوٹیں اختیار کر لی تھیں اور سمجھتے تھے یہ شریعت کا حکم ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾

ع ۱۶ ۲۱

(اور یاد رکھو) جو لوگ اللہ پر افترا پردازیاں کرتے ہیں وہ کبھی فلاح پانے والے نہیں! (۱۱۶)

(یہ دنیا کے) بہت تھوڑے فائدے ہیں جو اٹھالیں۔ (آخر کار) انہیں عذاب دردناک پیش آنے والا ہے! (۱۱۷)

اور (اے پیغمبر!) یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جن کی سرگزشت تجھے پہلے سنا چکے ہیں۔ اور (یہ پابندیاں جو ان پر لگائی گئیں تو خود انہی کی گمراہیوں کا نتیجہ تھیں) ہم نے ان پر زیادتی نہیں کی (کیونکہ یہ ہمارا شیوہ نہیں) وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر ظلم کرتے رہے۔ (۱۱۸)

ہاں جو لوگ نادانی سے برائیوں میں پڑ گئے لیکن اس کے بعد تائب ہو گئے اور توبہ کے بعد اپنی حالت بھی سنوار لی تو تمہارا پروردگار، ہاں بلاشبہ تمہارا پروردگار اس صورت حال کے بعد ضرور بخشنے والا رحمت فرمانے والا ہے! (۱۱۹)

بلاشبہ ابراہیم (اپنی شخصیت میں) ایک پوری امت تھا۔ اللہ کے آگے جھکا ہوا، تمام (بناوٹی) راہوں سے ہٹا ہوا، اور ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔ (۱۲۰)

وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالانے والا تھا۔ اللہ نے اسے برگزیدگی کے لیے چن لیا اور (سچائی کے) سیدھے راستے پر لگا دیا! (۱۲۱)

آیت (۱۱۶) میں فرمایا۔ اپنی زبانوں کو کذب سرائی کے لیے بے لگام نہ چھوڑ دو کہ جس چیز کو چاہا اپنی رائے اور قیاس سے حرام ٹھہرا دیا، جس کو چاہا حلال کہہ دیا۔ حلال و حرام ٹھہرانے کا حق تو صرف وحی الٰہی کو ہے اور تمہارے پاس اپنے اوہام و آراء کے سوا کوئی وحی کی روشنی نہیں جو قرآن کے خلاف پیش کر سکو۔

یہ آیت ان لوگوں کے خلاف حجت قاطع ہے جو محض اپنے گھڑے ہوئے قیاسوں کی بنا پر جس چیز کو چاہتے ہیں حرام ٹھہرا دیتے ہیں۔ اگرچہ کوئی نص قطعی موجود نہ ہو۔ اصل قرآنی اس بارے میں یہ ہے (جیسا کہ سورۂ اعراف کی آیت (۳۲) میں تصریح گزر چکی ہے) کہ خدا کی تمام پیدا کی ہوئی چیزیں انسان کے برتنے کے لیے ہیں، الا وہ جو مضر ہیں اور وحی الٰہی نے ان سے روک دیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہر چیز مباح ہے جب تک کہ شریعت اسے حرام نہ ٹھہرا دے۔ اور شریعت کے معنی قرآن و سنت کے نصوص قطعیہ ہیں نہ کہ کسی فرد یا گروہ کی مجرد رائے اور قیاس۔

(۲۷) مشرکین عرب اپنے اوہام و خرافات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ آیت (۱۲۰) میں اس نسبت کی تغلیط کی ہے اور واضح کیا ہے کہ ان کی راہ وہی راہ تھی جس کی طرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دے رہے ہیں۔

ایک اور شبہ جو حلت و حرمت کے بارے میں کیا گیا تھا یہ تھا کہ سبت کے دن کا شکار یہودیوں پر حرام کر دیا گیا تھا۔ پس کیوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَي الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

اسے دنیا میں بھی بہتری دی اور بلاشبہ آخرت میں بھی اس کی جگہ صالح انسانوں میں ہوگی! (۱۲۲)

اور پھر (اے پیغمبر!) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ (اسی) ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرو- ہر طرف سے ہٹا ہوا (صرف دین حق ہی پر کاربند رہنے والا) اور جو مشرکوں میں سے نہ تھا- (۱۲۳)

''سبت'' منانے کا حکم تو صرف انہی لوگوں کو دیا گیا تھا جو اس بارے میں اختلاف کرنے لگے تھے- اور بلاشبہ تمہارا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کردے گا کہ جن جن باتوں میں اختلاف کرتے رہے ان کی اصل حقیقت کیا تھی- (۱۲۴)

(اے پیغمبر!) اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو بلاؤ- اس طرح کہ حکمت کی باتیں کرو اور اچھے طریقہ پر پند و نصیحت کرو اور مخالفوں سے بحث و نزاع کرو تو (وہ بھی) ایسے طریقہ پر کہ حسن و خوبی کا طریقہ ہو- تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی جانتا ہے کہ کون راہ راست پر ہے- (۱۲۵)

قرآن اس سے نہیں روکتا؟ فرمایا- یہودیوں کو جو اس سے روکا گیا تھا تو اس لیے نہیں کہ سبت کے دن حلال جانور شکار کیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے بلکہ یہ ان کے اختلاف اور عدم اطاعت کی ایک سزا تھی- یعنی جب انہوں نے احکام سبت کی تعمیل نہ کی اور حیلے بہانے نکال کر شکار کرنے لگے تو سد اسبت کے شکار کا گوشت ممنوع قرار دیا گیا-

(۲۸) آیت (۱۲۵) میں واضح کیا ہے کہ دعوت الی الحق کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا سرتاسر حکمت اور موعظہ حسنہ ہے ''حکمت'' یعنی دانائی کی باتیں- ''موعظہ حسنہ'' یعنی پند و نصیحت کی باتیں جو حسن و خوبی کے ساتھ کی جائیں- اس کے بعد فرمایا: ﴿ وجادلهم بالتي هي احسن ﴾ اور اگر بحث و نزاع کرنی پڑے تو کر سکتے ہو لیکن ایسی ہی بحث و نزاع جو نہایت اچھے طریقہ پر ہو- اس سے معلوم ہوا کہ دعوت حق کا طریقہ حکمت اور موعظہ حسنہ کا طریقہ ہے- اور بحث و نزاع کی اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ احسن طریقہ پر ہو- پس ہر بحث و نزاع جو احسن طریقہ پر نہ ہو دعوت کا طریقہ نہیں ہوگی-

احسن طریقہ سے مقصود کیا ہے؟ یہ کہ مقصود طلب حق ہو اپنی بات کی پچ نہ ہو- مخالف کے اندر یقین پیدا کرنا ہو اسے باتوں سے ہرانا نہ ہو- اگر وہ چپ ہو گیا اور دل کا کانٹا نہ نکلا تو بحث سے کیا فائدہ ہوا؟ ایسا اسلوب ایسا طریق خطاب ایسا لب و لہجہ اس طرح کے الفاظ اختیار نہ کیے جائیں جو مخالف کے دل کو دکھ پہنچانے والے ہوں یا اسے سننے والوں کی نظروں میں ذلیل و رسوا کرنے والے ہوں- کیونکہ اگر بحث سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾
وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ ع ۱۶ ۲۲

اور مخالفوں کی سختی کے جواب میں سختی کرو تو چاہیے کہ ویسی ہی اور اتنی ہی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی ہے- اور اگر تم نے صبر کیا (یعنی جھیل گئے اور سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا) تو بلاشبہ صبر کرنے والوں کے لیے صبر ہی بہتر ہے! (۱۲۶)

(اے پیغمبر!) صبر کر اور تیرا صبر کرنا نہیں ہے مگر اللہ کی مدد سے اور ان لوگوں کے حال پر غم نہ کھا، نہ ان کی مخالفانہ تدبیروں سے دل تنگ ہو- (۱۲۷) یقیناً اللہ انہی کا ساتھی ہے جو متقی ہیں اور نیک عملی میں سرگرم رہتے ہیں! (۱۲۸)

مقصود دعوت حق ہے تو مخاطب کے دل کو نرمی و محبت سے حق کی طرف متوجہ کرنا چاہیے نہ یہ کہ صدمہ پہنچانا' ضد میں لانا اور جوش نفرت سے بھر دینا- بدقسمتی سے دنیا میں طلب حق کی راہ بھی محض جدل و نزاع کی راہ بن گئی ہے- ہم اپنے دنیوی اغرض و مقاصد کے لیے لڑنے جھگڑنے کے عادی ہیں جب کبھی کوئی ایسا جھگڑا پیش آ جاتا ہے تو صرف اپنی جیت ہی کے لیے لڑتے ہیں- اس خیال سے نہیں لڑتے کہ حق و انصاف کیا ہے؟ اکثر اوقات خود ہمارا ضمیر گواہی دیتا ہے کہ ہم برسرحق نہیں ہیں اور انصاف مخالف کے ساتھ ہے لیکن چونکہ اپنا مطلب کسی نہ کسی طرح حاصل کرنا ہوتا ہے اس لیے کبھی اعتراف حقیقت کے لیے تیار نہیں ہوتے- حق اور انصاف ہم سے جس قدر الگ ہوتا جاتا ہے بحث و نزاع کی سرگرمی اتنی ہی زیادہ بڑھتی جاتی ہے- اگر ہمارا مقدمہ سب سے زیادہ کمزور ہوگا تو ہم خیال کریں گے کہ ہماری بحث و نزاع کی سرگرمی سب سے زیادہ ہونی چاہیے!

چاہیے تو یہ تھا کہ کم از کم دین کے معاملہ میں ہم ایسا نہ کرتے- دنیوی معاملات میں کچھ نہ کچھ لینا دینا ہوتا ہے اس لیے غرض پرست آدمی اپنی بات کی پچ کرتا ہی رہے گا- لیکن دین کی راہ لین دین کی راہ نہیں ہے سچ کو سچ مان لینے کی راہ ہے- اور جونہی ہم نے کسی بات کو سچ نہ سمجھ کر بھی سچ ثابت کرنا چاہا، دین کی راہ نہ رہی- عین اس کی ضد ہوگئی- لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہم نے سچائی کے کام کو بھی جھوٹ کا کاروبار بنا دیا ہے- ہم دین کے بارے میں بھی ٹھیک اسی طرح جھگڑتے ہیں جس طرح دنیا کے معاملات میں- ہم جب کبھی کسی سے بحث کریں گے تو ہمارے وہم و گمان میں بھی یہ خیال نہیں گزرے گا کہ اس راہ میں اصل مقصود طلب حق ہے اور جونہی حق سامنے آ جائے ہمارا فرض ہے کہ اعتراف کر لیں، بلکہ بحث کریں گے ہی، اس لیے کہ اپنی اور اپنے فریق کی بات منوانی ہے اور خواہ کچھ ہو فریق مخالف کو ہرانا ہے- اگر دیکھیں گے کہ حق اور معقولیت ہمارے ساتھ نہیں ہے تو غیر متعلق باتوں پر زور دینے لگیں گے، بدزبانی پر اتر آئیں گے، مارنے مرنے کے لیے تیار ہو گے اور پھر کہیں گے کہ ہم جیت گئے!

قرآن کہتا ہے- یہ ''جدل'' کا طریقہ ہے- ''دعوت'' کا طریقہ نہیں ہے' اور دین کی راہ دعوت کی راہ ہے- جدل کی نہیں ہے- اگر جدل کرنا ہی پڑے تو صرف اسی حالت میں کیا جا سکتا ہے کہ احسن طریقہ پر ہو- یعنی راست بازی' دیانت' شیریں زبانی' اور شائستگی کے ساتھ کیا جائے- آگے چل کر سورۂ عنکبوت میں بھی تمہیں یہی حکم ملے گا: ﴿ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ (۴۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد فرمایا: ﴿ وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴾ اگر مخالف ناحق کوشی میں سرگرم ہے اور سختی وزیادتی پر اتر آیا ہے تو ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ تم بھی آپے سے باہر ہو جاؤ- ایسا کرنا راست بازی کا طریقہ نہ ہوگا- ایک برائی کے جواب میں دوسری برائی کا ارتکاب ہوگا جو ممکن ہے کہ پہلی سے بھی زیادہ سخت برائی ہو جائے- بہتری تو اس میں ہے کہ سختی کا جواب سختی سے نہ دو، جھیل جاؤ- پروانہ کرو، بخش دو- اسی میں تمہاری اصلی جیت ہے- لیکن اگر طبیعت پر قابو نہیں پاتے اور سختی کا جواب سختی سے دینا ہی چاہتے ہو تو پھر انصاف کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹے- جتنی اور جیسی سختی تمہارے ساتھ کی گئی ہے ویسی ہی اور اتنی ہی تم بھی کر لو- اس سے آگے نہ بڑھو- ذرا بھی بڑھے تو یہ ظلم ہوگا اور ظلم راستی کے ساتھ جمع نہیں سکتا-

غور کرو- قرآن کا محض ایک لفظ یا محض ایک ترکیب کس طرح مقاصد و مسائل کے فیصلے کر دیا کرتی ہے؟ پہلے بصیغہ امر دعوت کا حکم دیا گیا تھا: ﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ ﴾ پس چاہیے تھا کہ یہاں بھی بدلہ لینے کا حکم دیا جاتا اور کہا جاتا، اگر تمہارے ساتھ سختی کی گئی ہے تو تم بھی ویسی ہی سختی کرو- مگر نہیں ایسا نہیں فرمایا' بلکہ کہا: ﴿ وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ ﴾ اگر ایسا ہو کہ تم مخالف کی سختی کے جواب میں سختی کرنا چاہو تو چاہیے کہ حد سے نہ بڑھو- اس سے معلوم ہوا کہ سختی کے جواب میں سختی کا حکم نہیں ہے- محض اجازت ہے- یعنی اگر ایک آدمی وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا جو اس بارے میں بہتری اور خوبی کا اصلی مقام ہے: جھیل جانا اور بخش دینا' تو پھر اسے بدلے کی اجازت دے دی گئی ہے لیکن اجازت کو ﴿ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ ﴾ سے مقید کر دیا ہے تا کہ زیادتی کا دروازہ بکلی بند ہو جائے- اب دو ہی راہیں کھلی رہ گئیں: عزیمت تو اس میں ہوئی کہ جھیل جاؤ اور بخش دو- رخصت اس کی ہوئی کہ جتنی سختی کی گئی ہے اتنی ہی تم بھی کر لو- اس سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتے-

اس آیت کی تفسیر میں امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) کی ایک تقریر بہت مقبول ہوئی ہے جو انہوں نے قسطاس المستقیم میں لکھی ہے اور بعد کے مفسرین نے عموماً اسے اختیار کر لیا ہے- وہ کہتے ہیں استعداد و فہم کے لحاظ سے ہر انسان کی طبیعت یکساں نہیں اور ہر ذہنی حالت ایک خاص طرح کا اسلوب خطاب چاہتی ہے- ارباب دانش کے لیے استدلال کی ضرورت ہوتی ہے' عوام کے لیے موعظت کی' اور اصحاب خصومت کے لیے جدل کی- پس اس آیت میں قرآن نے تینوں جماعتوں کے لیے یہ تینوں طریقے بتلا دیے ہیں' ارباب دانش کو حکمت کے ساتھ مخاطب کرو- عوام کو موعظت کے ساتھ- اور ارباب خصومت کے لیے جدل کی بھی اجازت ہے مگر بطریق احسن-

(۲۹) آخر میں سورت ختم کرتے ہوئے پیغمبر اسلام ﷺ کو مخاطب کیا ہے کہ:

(ا) صبر کرا اور تیرا صبر کرنا اللہ ہی کی مدد و توفیق سے ہے-

(ب) منکروں کی محرومی پر غم نہ کھا- جو ماننے والے نہیں ہیں وہ کبھی نہیں مانیں گے-

(ج) دعوت حق کی مخالفت میں وہ جو کچھ مخفی تدبیریں اور سازشیں کر رہے ہیں' ان سے بھی دل تنگ نہ ہو-

(د) یہ قانون الٰہی یاد رکھ کہ اللہ کی نصرت انہی کا ساتھ دیتی ہے جو برائیوں سے بچتے ہیں اور جن کی زندگی نیک کرداروں کی زندگی ہوتی ہے!

❋ ❋ ❋

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰیَاتُهَا : 111 | سُوْرَةُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مَكِّیَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا : 12

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ① وَ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا ② ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ③ وَ قَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ

پاکی ہے اس ذات کے لیے جس نے اپنے بندے کو (یعنی پیغمبر اسلام کو) راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کہ اس کے اطراف کو ہم نے بڑی ہی برکت دی ہے سیر کرائی، اور اس لیے سیر کرائی' کہ اپنی نشانیاں اسے دکھا دیں- بلاشبہ وہی ذات ہے جو سننے والی دیکھنے والی ہے!(۱)

اور (اسی طرح) ہم نے موسیٰ کو کتاب (شریعت) دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا ذریعہ ٹھہرایا (اور حکم دیا) کہ (دیکھو!) میرے سوا اور کسی کو اپنا کارساز نہ ٹھہراؤ!(۲)

تم ان لوگوں کی نسل ہو جنہیں ہم نے (طوفان کی ہلاکت سے نجات دی تھی اور) نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کرایا تھا- اور وہ ایک شکرگزار بندہ تھا!(۳)

اور (دیکھو) ہم نے کتاب میں (یعنی تورات میں) بنی اسرائیل کو اس فیصلہ کی خبر دے دی تھی کہ تم ضرور ملک میں دو مرتبہ خرابی پھیلاؤ گے

(۱) ہجرت مدینہ سے تقریباً ایک سال پہلے پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اسریٰ کا معاملہ پیش آیا جو عام طور پر معراج کے نام سے مشہور ہے- اس سورت کی ابتداء اسی واقعہ کے ذکر سے کی گئی ہے اور واضح کیا ہے کہ اس معاملہ سے مقصود کیا تھا- ﴿ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ﴾ تاکہ اللہ کی نشانیاں ان کے مشاہدہ میں آ جائیں- یعنی دلائل حقیقت کا عینی مشاہدہ کر لیں- اس سے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ وحی کی تکمیل تھا- چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا: ﴿ واتینا موسیٰ الکتاب ﴾ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ وحی بھی کوہ طور کے اعتکاف میں مکمل ہوا تھا کہ ﴿ ولما جاء موسی لمیقاتنا و کلمه ربه ﴾ (۷:۱۴۳) اور انہیں کتاب شریعت دی گئی تھی-

﴿ انه هو السمیع البصیر ﴾ وہی ہے جو سننے والا' دیکھنے والا ہے- پس جسے چاہے اس سے زیادہ سنا دے' جتنا سب سن رہے ہیں' اور اس سے زیادہ دکھا دے' جتنا سب دیکھ رہے ہیں!

یہاں مسجد حرام سے مقصود مکہ ہے' اور مسجد اقصیٰ سے بیت المقدس کا ہیکل- اسے اقصیٰ اس لیے فرمایا کہ عرب کے لیے قریب کی عبادت گاہ خانہ کعبہ تھی اور دور کی عبادت گاہ ہیکل-

(۲) آیت (۴) میں کتاب سے مقصود انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفے ہیں- چنانچہ یسعیاہ' یرمیاہ اور حزقیل کی کتابوں میں بنی اسرائیل کے دو بڑے فسادوں اور دو بڑی بربادیوں کی خبر دی گئی تھی- پہلی بربادی بابل کے بادشاہ نبوکدزر (بخت نصر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ﴿٤﴾ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا
خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ﴿٥﴾ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَ
جَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ﴿٦﴾ إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ
الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا ﴿٧﴾
عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ﴿٨﴾ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ

اور بڑی ہی سخت درجہ کی سرکشی کرو گے۔ (۴) پھر جب ان دو وقتوں میں سے پہلا وقت آ گیا تو (اے بنی اسرائیل) ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے بھیج دیے جو بڑے ہی خوفناک تھے۔ پس وہ تمہاری آبادیوں کے اندر پھیل گئے اور اللہ کا وعدہ تو اسی لیے تھا کہ پورا ہو کر رہے! (۵)

پھر (دیکھو) ہم نے زمانہ کی گردش تمہارے دشمنوں کے خلاف اور تمہارے موافق کر دی اور مال و دولت اور اولاد کی کثرت سے تمہاری مدد کی۔ اور تمہیں (پھر) ایسا بنا دیا کہ بڑے جتھے والے ہو گئے۔ (۶)

اگر تم نے بھلائی کے کام کیے، تو اپنے ہی لیے کیے اور اگر برائیاں کیں، تو بھی اپنے ہی لیے کیں۔

پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے اپنے دوسرے بندوں کو بھیج دیا) تا کہ تمہارے چہروں پر رسوائی پھیر دیں اور اسی طرح (ہیکل کی) مسجد میں داخل ہو جائیں جس طرح پہلی مرتبہ حملہ آور گھسے تھے اور جو کچھ پائیں، توڑ پھوڑ کر برباد کر ڈالیں۔ (۷)

کچھ عجب نہیں کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم فرمائے (اگر اب بھی باز آ جاؤ) لیکن اگر تم پھر سرکشی و فساد کی طرف لوٹے تو (اللہ فرماتا ہے) ہماری طرف سے بھی پاداش عمل لوٹ آئے گی، اور (یاد رکھو) ہم نے منکرین حق کے لیے جہنم کا قید خانہ تیار کر رکھا ہے! (۸) بلاشبہ یہ قرآن اس راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جو سب سے زیادہ سیدھی راہ ہے اور ایمان والوں کو جو

کے حملہ سے ہوئی، دوسری رومیوں کے حملہ سے جو ٹیٹس کے زیر قیادت ہوئی تھی۔

(۳) بابل کے حملے نے صرف یہودیا کی آبادیوں ہی کو پامال نہیں کیا تھا بلکہ بنی اسرائیل کی نسل و قومیت بھی ہلاک و منتشر ہوئی تھی۔ لیکن ایک صدی کے بعد گردش زمانہ نے پھر پلٹا کھایا اور کارساز قدرت نے وقت کی سب سے بڑی فاتح شہنشاہیت کو ان کی اعانت و دستگیری کے لیے کھڑا کر دیا یعنی شہنشاہ فارس کو۔ اب یہودیا کی تمام اجڑی بستیاں پھر آباد ہو گئیں اور یہودی جمعیت کا جسم مردہ پھر زندہ ہو گیا۔

آیت (۶) میں اسی عہد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا۔ اگر تم نے اچھے کام کیے تھے تو اپنے ہی لیے کیے تھے۔ یعنی اس کے نتائج تمہارے ہی حصہ میں آئے اور بدعملیاں کی تھیں تو وہ بھی اپنے ہی لیے کی تھیں۔ اس کی پاداش بھی تمہارے ہی حصہ میں آئی۔ چنانچہ جب ایسا ہوا کہ اس دوسری مہلت کی بھی تم نے قدر نہ کی اور اپنی توبہ و انابت کے وہ تمام عہد بھلا دیے جو بابل کی اسیری کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝۹ وَّ
ع اَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۰ وَ يَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ
بِالْخَيْرِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝۱۱ وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَ جَعَلْنَآ اٰيَةَ
النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ وَ كُلَّ شَيْءٍ

نیک عملی میں سرگرم رہتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ انہیں بہت بڑا اجر ملنے والا ہے!(۹)

اور (نیز اس بات کا بھی اعلان کرتا ہے کہ) جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے عذاب دردناک تیار کر رکھا ہے!(۱۰)

اور (دیکھو) جس طرح انسان اپنے لیے بھلائی کی دعائیں مانگتا ہے اسی طرح (بسا اوقات) برائی بھی مانگنے لگتا ہے (اگرچہ نہیں جانتا کہ یہ اس کے لیے برائی ہے) اور حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی جلد باز ہے!(۱۱) اور (دیکھو) ہم نے رات اور دن کو ایسا بنایا کہ (ہماری قدرت وحکمت کی) دو نشانیاں ہو گئیں۔ سو رات کی نشانی دھیمی کر دی (کہ راحت وسکون کا وقت بن جائے) اور دن کی نشانی روشن کر دی کہ (اس کے اجالے میں) اپنے پروردگار کا فضل ڈھونڈو (یعنی معیشت کا سروسامان مہیا کرو) نیز (رات دن کے اختلاف سے) برسوں کی گنتی اور (برسوں کی گنتی سے ہر طرح کا) حساب بھی معلوم کر لو۔ ہم نے (قرآن میں) ہر چیز کا بیان

زمانہ میں کیے تھے تو پھر دوسری ہلاکت کا وقت نمودار ہو گیا یعنی رومی حملہ کا۔ یہ بنی اسرائیل کی آخری ہلاکت تھی۔ اس کے بعد پھر نہ سنبھل سکے۔

(۴) آیت (۸) نے دو لفظوں کے اندر وہ سب کچھ کہہ دیا جو جزائے عمل کے بارے میں کہا جا سکتا ہے اور اس سے قرآن کی معجزانہ بلاغت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے: ﴿ وان عدتم عدنا ﴾ اگر تم پھر انہی شرارتوں کی طرف لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے۔ یعنی اگر تم بدعملیوں کی طرف لوٹو گے تو اللہ کا قانون مجازات بھی پاداش وعقوبت کی طرف لوٹے گا۔ جونہی تم نے برائی کا رخ کیا، نتائج عمل کا قانون بھی پاداش وعقوبت میں سرگرم ہو گیا۔ ''عمل'' اور ''نتیجہ'' دو ایسی لازم وملزوم حقیقتیں ہیں جو کسی حال میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتیں۔ ''نتیجہ'' عمل کا سایہ ہے۔ جہاں عمل آیا اس کا سایہ بھی ساتھ آ گیا۔ تم نے اچھے عمل کی طرف رخ کیا، اور اچھے نتائج بھی تمہاری طرف تکنے لگے۔ تم نے برے عمل کی طرف قدم اٹھایا، برے نتائج کے بھی قدم اٹھ گئے۔ اس راہ میں جتنے بڑھتے جاؤ اور جس قدر بھی غور کرو، حقیقت ہر جگہ یہی نظر آئے گی کہ ﴿ ان عدتم عدنا ﴾

آیت کا مطلب یہ ہے کہ دو ہلاکتیں ہو چکیں۔ اب تیسری مہلت تمہیں ملی ہے۔ یعنی دعوت حق کے ظہور نے رحمت الٰہی کی بخشائشوں کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اگر انکار وسرکشی سے باز آ جاؤ تو تمہارے لیے سعادت وکامرانی ہے۔ باز نہ آؤ گے تو پھر جس طرح دو مرتبہ نتائج عمل کا قانون اپنی عقوبتیں دکھلا چکا ہے۔ تیسری مرتبہ بھی دکھلائے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہودیوں نے جس طرح اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھایا تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور نے انہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿۱۲﴾ وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾ مَنِ
اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ
اُخْرٰى ؕ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ وَ اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا
مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ
الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ
الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا

کھول کھول کر الگ الگ واضح کر دیا ہے! (۱۲)

اور ہم نے ہر انسان کی شامت خود اس کی گردن سے باندھ دی ہے (کہیں باہر سے اس پر آ کر نہیں گرتی) قیامت کے دن ہم اس کے لیے (نامہ اعمال کی) ایک کتاب نکال کر پیش کر دیں گے- وہ اسے اپنے سامنے کھلا دیکھ لے گا- (ہم کہیں گے) ''اپنا نامہ اعمال پڑھ لے- آج کے دن خود تیرا وجود ہی تیرے احتساب کے لیے بس کرتا ہے!'' (۱۴-۱۳)

جو سیدھے رستے چلا' تو اپنے ہی لیے چلا اور جو بھٹک گیا تو بھٹکنے کا خمیازہ بھی وہی اٹھائے گا' کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا (ہر جان کو خود اپنے ہی اعمال کا بوجھ اٹھانا ہے) اور ہم کبھی ایسا نہیں کرتے کہ (کسی قوم کو) عذاب دیں مگر اسی وقت جب کہ اس میں ایک رسول پیدا کر دیتے ہیں (اور پھر بھی لوگ سرکشی و فساد سے باز نہیں آتے)- (۱۵)

اور جب ہمیں منظور ہوتا ہے کہ کسی بستی کو ہلاک کریں تو ایسا ہوتا ہے کہ اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں (یعنی وحی کے ذریعہ سے احکام حق پہنچا دیتے ہیں) پھر وہ بجائے اس کے کہ اس کی تعمیل کریں' نافرمانی میں سرگرم ہو جاتے ہیں- پس ان پر عذاب کی بات ثابت ہو جاتی ہے اور (پاداش عمل میں) انہیں برباد و ہلاک کر ڈالتے ہیں! (۱۶)

اور (دیکھو) نوح کے بعد قوموں کے کتنے ہی دور گزر چکے ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا اور (اے پیغمبر!) تیرے پروردگار کی خبر داری اور نگرانی اس کے بندوں کے (گناہوں کے) لیے بس کرتی ہے! (۱۷) جو کوئی فوری فائدہ (اسی دنیا میں) چاہتا ہے تو جس کسی کو ہم دینا چاہیں اور جتنا دینا چاہیں اسی دنیا میں دے دیتے ہیں- پھر آخر کار اس کے لیے جہنم بنا دی ہے- اس میں داخل ہو گا

دی تھی اسی طرح دعوت اسلام سے بھی فائدہ نہ اٹھایا اور محرومی و نامرادی کی مہر ہمیشہ کے لیے ان کی قسمت پر لگ گئی!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾
كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا
بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ
فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ ع ۲

بدحال ٹھکرایا ہوا! (۱۸) لیکن جو کوئی آخرت کا طالب ہوا اور اس کے لیے جیسی کچھ کوشش کرنی چاہیے ویسی کوشش کی نیز ایمان بھی رکھتا ہے تو (اس کے لیے دائمی کامیابیاں ہیں اور) ایسے ہی لوگ ہیں جن کی کوشش مقبول ہوگی! (۱۹)
ہم ہر فریق کو اپنی پروردگاری کی بخشائشوں سے (دنیا میں) مدد دیتے ہیں- ان کو بھی (کہ صرف دنیا ہی کے پیچھے پڑ گئے) اور ان کو بھی (کہ آخرت کے طالب ہوئے اور راہ حق پر چلے) اور (اے پیغمبر!) تیرے پروردگار کی بخشش عام کسی پر بند نہیں! (۲۰)
دیکھو! ہم نے کس طرح (یہاں) بعض لوگوں کو بعض لوگوں پر برتری دے دی ہے (کہ کوئی کسی حال میں نظر آتا ہے کوئی کسی میں) اور حقیقت یہ ہے کہ آخرت کے درجے سب سے بڑھ کر ہیں اور سب سے برتر! - (۲۱) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ- ورنہ ایسے ہو رہو گے کہ ہر طرف سے نفرت کے مستحق اور ہر طرف سے درماندگی میں پڑے ہوئے! (۲۲) اور تمہارے پروردگار نے یہ

(۵) آیت (۸) میں فرمایا تھا- عجب نہیں کہ پروردگار تم پر رحم فرمائے اگر سرکشی و فساد سے باز آ جاؤ اور دعوت حق پر لبیک کہو- پس آیت (۹) میں اس کی مزید تشریح کی اور فرمایا: ﴿ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ ﴾ قرآن ہدایت کی ایسی راہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی راہ ہے اور ان لوگوں کے لیے جو اس راہ پر چلیں ہر طرح کی کامیابیوں کی بشارت ہے!
قرآن نے اپنے جس قدر اوصاف بیان کیے ہیں ان سب میں جامع ترین وصف یہی ہے- زندگی اور سعادت کے ہر گوشہ میں اس کی راہنمائی سیدھی سے سیدھی بات کے لیے ہے- کسی طرح کی کجی، کسی طرح کا پیچ و خم، کسی طرح کا الجھاؤ، کسی طرح کی افراط تفریط اس کی رہنمائی میں نہیں ہو سکتی- یہی حقیقت دوسری جگہ صراط مستقیم اور دین القیم سے تعبیر کی گئی ہے-
(۶) آیت (۱۱) میں انسان کی اس کمزوری کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ خیر و شر میں امتیاز نہیں کرتا اور بسا اوقات شر کا اس طرح طالب ہو جاتا ہے جس طرح اسے خیر کا خواستگار ہونا چاہیے-
یہ حالت اسے کیوں پیش آتی ہے؟ اس لیے کہ اس کی طبیعت میں جلد بازی ہے یعنی ایسی خواہشیں ہیں جو فوراً پورا ہونا چاہتی ہیں اور جب چھا جاتی ہیں تو ایک لمحہ کے لیے بھی صبر و انتظار نہیں کر سکتیں- نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اچھائی کی طلبگاری کرتے ہوئے برائیوں کا طلبگار ہو جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ اس کی طلبگاری اسے برائیوں کی طرف لے جا رہی ہے-
پس معلوم ہوا کہ اسے ایسی رہنمائی کی ضرورت ہے جو خیر و شر کا امتیاز سکھلائے اور خواہشوں کی ٹھوکروں سے اس کی حفاظت کرے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ أُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ إِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَإِنَّهٗ كَانَ لِلْأَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا إِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَ إِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ

بات ٹھہرادی کہ اس کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو- اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہاری زندگی میں بڑھاپے کی عمر تک پہنچ جائیں (اور ان کی خدمت کا بوجھ تم پر آ پڑے) تو ان کی کسی بات پر اف نہ کرو (یعنی کوئی بات کتنی ہی ناگوار گزرے مگر حرف شکایت زبان پر نہ لاؤ اور نہ (تیزی میں آ کر) جھڑکنے لگو، ان سے بات چیت ادب وعزت کے ساتھ کرو- (۲۳) ان کے آگے محبت اور مہربانی کے ساتھ عاجزی کا سر جھکائے رکھو- ان کے حق میں (ہمیشہ) دعا کرو کہ پروردگار! جس طرح انہوں نے مجھے صغرسنی میں پالا پوسا اور بڑا کیا تو اسی طرح تو بھی ان پر رحم کیجیو! (۲۴)

تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے جی میں ہوتا ہے- اگر تم نیک کردار ہوئے (اور بغیر قصد کے تم سے کوئی فروگزاشت ہو گئی) تو (اس کی وجہ سے تمہیں مضطرب نہیں ہونا چاہیے) وہ بلاشبہ توبہ کرنے والوں کے لیے بڑا ہی بخشنے والا ہے! (۲۵)

اور (دیکھو) جو لوگ تمہارے قرابت دار ہیں، جو مسکین ہیں، جو (بے یار و مددگار) مسافر ہیں ان سب کا تم پر حق ہے ان کا حق ادا کرتے رہو اور مال و دولت کو بے محل خرچ نہ کرو جیسا کہ بے محل خرچ کرنا ہوتا ہے- (۲۶)

بے محل خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کی نعمتوں کا کفران کرنے والا ہے- (۲۷) اور اگر ایسا ہو کہ تم اپنے پروردگار کی مہربانی کی راہ دیکھ رہے ہو (یعنی تنگ دستی کی حالت میں ہو

یہی رہنمائی ہدایت وحی کی رہنمائی ہوئی اور اسی لیے انسان کسی ایسی رہنمائی کا بالطبع محتاج ہوا-

(۷) اس کے بعد آیت (۱۲) میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ کس طرح ربوبیت الٰہی نے تمہاری ہدایت کا فطری سامان کر دیا ہے اور کس طرح کارخانہ ہستی کا ہر معاملہ تمہاری کار براریوں کا ذریعہ ہے- اور جب ربوبیت الٰہی کی یہ کارفرمائیاں شب و روز دیکھ رہے ہو تو اس سے تمہیں کیوں انکار ہوا گر وہ وحی و نبوت کے قیام کے ذریعہ سے تمہاری ہدایت کا مزید سامان کر دے؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى
عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ
يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ
نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ
وَ سَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا
فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَ لَا تَقْرَبُوْا

اور رزق کی جستجو کر رہے ہو) اور اس لیے تمہیں (ان حقداروں سے) منہ پھیرنا پڑے تو چاہیے کہ نرمی سے انہیں سمجھا دو (سختی سے پیش نہ آؤ) (۲۸)

اور (دیکھو) نہ تو اپنا ہاتھ اتنا سکیڑ لو کہ گردن میں بندھ جائے اور نہ بالکل ہی پھیلا دو- دونوں صورتوں کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر طرف سے ملامت پڑے اور درماندہ ہو کر رہ جاؤ! (۲۹)

تمہارا پروردگار جس کسی کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے نپی تلی- وہ اپنے بندوں (کی حالت) کی خبر رکھنے والا اور (سب کچھ) دیکھنے والا ہے! (۳۰)

اور (دیکھو) افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو ہلاک نہ کرو- ہم ہی ہیں کہ انہیں بھی اور تمہیں بھی روزی دیتے ہیں- انہیں ہلاک کرنا بڑے ہی گناہ کی بات ہے! (۳۱)

اور زنا کاری کے قریب بھی نہ جاؤ- یقین کرو وہ بڑی ہی بے حیائی کی بات اور بڑی برائی کا چلن ہے! (۳۲)

اور کسی جان کو ناحق قتل نہ کرو جسے قتل کرنا اللہ نے حرام ٹھہرا دیا ہے- جو کوئی ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو (قصاص کے مطالبہ کا) اختیار دے دیا ہے- پس چاہیے کہ خوں ریزی میں زیادتی نہ کرے (یعنی حق سے زیادہ بدلہ لینے کا قصد نہ کرے) وہ (حد کے اندر رہنے میں) فتح مند ہے- (۳۳) اور یتیموں کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ

(۸) آیت (۱۲) سے آیت (۱۷) تک یہ حقیقت واضح کی ہے کہ انسان اپنے اعمال کے نتائج سے بندھا ہوا ہے اور جو برائی بھی اسے پیش آتی ہے خود اسی کے اعمال کی پیداوار ہے- یہ مقام تشریح طلب ہے- اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی-

(۹) آیت (۱۸) میں فرمایا کہ نتائج عمل کے لحاظ سے انسان کے دو گروہ ہو گئے ہیں- ایک وہ ہے جس کی ساری طلب دنیا کی چند روزہ زندگی ہی کے لیے ہے- دوسرا وہ ہے جو یقین رکھتا ہے کہ اس زندگی کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور اس لیے اس دوسری زندگی کی سعادت کا بھی طالب ہے- جہاں تک دنیا کی زندگی کا تعلق ہے ہمارا قانون یہ ہے کہ دونوں کے آگے یکساں طریقہ پر دنیوی نتائج کا دروازہ کھول دیا ہے اور سب کو کارخانہ ربوبیت کا فیضان مل رہا ہے- انہیں بھی جو صرف دنیا کے ہو رہے- انہیں بھی جو آخرت کے بھی طالب ہوئے- لیکن جہاں تک آخرت کی سعادتوں کا تعلق ہے، پہلے کے لیے محرومیاں ہوں گی- دوسرے کے لیے کامرانیاں!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا
الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ
بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ
تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ

(یعنی اسے خرچ کرنے کا ارادہ بھی نہ کرنا) مگر ہاں ایسے طریقہ پر جو بہتر ہو- یہاں تک کہ یتیم جوان ہو جائیں (اور تم ان کی امانت ان کے حوالہ کر دو) اور (دیکھو) اپنا عہد پورا کیا کرو- عہد کے بارے میں تم سے باز پرس کی جائے گی! (۳۴)

اور جب کوئی چیز ماپو تو پیمانہ بھرپور رکھا کرو- (اس میں کمی نہ کرو) اور جب تولو تو درست ترازو سے تولو (یعنی نہ تو ترازو غلط ہو نہ تولنے میں ڈنڈی دبائی جائے) یہ (معاملہ کا) بہتر طریقہ ہے اور اچھا انجام لانے والا ہے! (۳۵)

اور دیکھو جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو (اپنی حد کے اندر رہو) یاد رکھو کان، آنکھ، عقل ان سب کے بارے میں باز پرس ہونے والی ہے! (۳۶)

اور زمین پر اکڑ کے نہ چلو- یقیناً تم زمین میں شگاف نہیں ڈال سکتے اور نہ پہاڑوں کی لمبان تک پہنچ جا سکتے ہو! (۳۷)

ان ساری باتوں کا یہ حال ہے کہ ان کی برائی تمہارے پروردگار کے نزدیک بڑی ہی ناپسندیدہ ہے- (۳۸)

آیت (۱۹) نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ سعادت اخروی کی شرائط کیا ہیں- فرمایا دو شرطیں ہیں- اول یہ کہ سعادت اخروی کے لیے کوشش کرے- لیکن کیسی کوشش؟ ویسی کوشش جو اس کے لیے صحیح کوشش ہو سکتی ہے- یعنی جو اللہ کی وحی نے بتلا دی ہے- دوسری یہ کہ اللہ پر اور اس کی صداقتوں پر ایمان ہو- اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کی سعادت کی کوئی سعی بغیر ان دو شرطوں کے مقبول نہیں ہو سکتی-

(۱۰) آیت (۲۲) سے سلسلہ بیان اوامر و نواہی کی طرف متوجہ ہوا ہے اور واضح کیا ہے کہ طالب آخرت گروہ کے اعمال کیسے ہونے چاہییں- طالبین آخرت کی کامیابی اس سے مشروط کر دی تھی کہ ﴿ وسعیٰ لها سعیها ﴾ اب اس کی تشریح کی ہے کہ سعادت اخروی کے لیے سعی اس طرح کرنی چاہیے-

سب سے پہلے توحید فی العبادت کی تلقین کی کہ اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو- کیونکہ نفس توحید کا اعتقاد تو تمام پیروان مذاہب میں موجود تھا- لیکن توحید فی العبادت کی حقیقت مفقود ہو گئی تھی- پھر والدین کے حقوق پر توجہ دلائی- کیونکہ انسان کے لیے والدین کی ربوبیت ربوبیت الٰہی کا پرتو ہے اور اس لیے عبودیت الٰہی کے بعد جو عمل اس کے لیے مقدم ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ والدین کے حقوق پرورش سے غافل نہ ہو-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَوْحٰۤى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَ مَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَىْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

ع ۴

(اے پیغمبر!) یہ ان دانائی کی باتوں میں سے ہیں- جو تیرے پروردگار کی جانب سے تجھ پر وحی کی گئی ہیں اور (تمام باتوں کی جڑ یہ ہے کہ) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ کہ بالآخر دوزخ میں ڈالے جاؤ، ملامت کے مستوجب اور ٹھکرائے ہوئے! (۳۹)

کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے تمہیں تو اس برگزیدگی کے لیے چن لیا ہو کہ بیٹے والے ہو اور خود اپنے لیے یہ پسند کیا ہو کہ فرشتوں کو بیٹیاں بنائے؟ (افسوس تم پر!) کیسی سخت بات ہے جو تم کہہ رہے ہو! (۴۰)

اور (دیکھو) ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کے طریقوں سے (مطالب حق) بیان کیے تا کہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا- ہوا تو یہ ہوا کہ (سچائی سے) اور زیادہ نفرت بڑھ گئی! (۴۱)

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو "اگر اللہ کے ساتھ اور بہت سے معبود ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو اس صورت میں ضروری تھا کہ وہ فوراً صاحب تخت ہستی تک (مقابلہ کی) راہ نکال لیتے" (اور کارخانہ ہستی میں فساد پڑ جاتا)- (۴۲)

ان ساری باتوں سے جو یہ کہتے ہیں اس کی ذات پاک اور بلند ہے- بے حد بلند ہے! (۴۳)

ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے سب اس کی پاکی و کبریائی کا زمزمہ بلند کر رہے ہیں- یہاں کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد و ثنا میں زمزمہ سنج نہ ہو- مگر تم ان کی زمزمہ سنجیاں سمجھتے نہیں- بلاشبہ وہ بڑا ہی بردبار ہے بڑا ہی بخشنے والا! (۴۴)

والدین کی خدمت و اطاعت کی آزمائش کا اصلی وقت ان کے بڑھاپے کا وقت ہوتا ہے- کیونکہ بڑھاپے کی کمزوریاں انہیں دوسروں کی خدمت و اعانت کا محتاج بنا دیتی ہیں اور اولاد اپنی جوانی کی امنگوں اور عیش پرستیوں میں اس کی بہت کم مہلت پاتی ہے کہ اپنے محتاج اور معذور ماں باپ کی خبر گیری کرے- پس یہاں سب سے زیادہ زور اسی بات پر دیا- کیونکہ جو اولاد اپنے بوڑھے ماں باپ کی خدمت و اطاعت میں کوتاہی نہیں کرے گی وہ دوسرے وقتوں میں کب کوتاہی گوارا کر سکتی ہے-

انسان کی احتیاج کے دو ہی وقت ہوتے ہیں- طفولیت اور بڑھاپا- طفولیت میں ماں باپ نے خدمت کی تھی، بڑھاپے میں اولاد کو کرنی چاہیے- یہی وجہ ہے کہ فرمایا ﴿ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىْ صَغِيْرًا ﴾

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾

(اے پیغمبر!) جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تجھ میں اور ان لوگوں میں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں (یعنی ہمارا ٹھہرایا ہوا قانون یہ ہے کہ ایسے لوگوں میں اور صدائے حق میں ایک پردہ سا حائل ہو جاتا ہے)-(۴۵)

اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف ڈال دیے کہ سمجھ کام نہیں دیتی اور کانوں میں گرانی کہ کچھ سنائی نہیں دیتا- جب تو قرآن میں تن تنہا صرف اپنے پروردگار ہی کا ذکر کرتا ہے (اور یہ اپنے ٹھہرائے شریکوں کا ذکر نہیں پاتے) تو پیٹھ پھیر کے بھاگنے لگتے ہیں-نفرت میں بھرے ہوئے!(۴۶)

جب یہ لوگ تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو جو کچھ ان کا سننا ہوتا ہے اسے ہم اچھی طرح جانتے ہیں، اور جب یہ ظالم باہم سرگوشیاں کرتے ہیں اور سرگوشیاں کرتے ہوئے کہتے ہیں ''تم جس آدمی کے پیچھے پڑے ہو وہ اس کے سوا کیا ہے کہ جادو سے مارا ہوا ہے'' تو اس سے بھی ہم بے خبر نہیں ہیں!(۴۷)

(اے پیغمبر!) غور کر! ان لوگوں نے تیری نسبت کیسی کیسی باتیں بنائی ہیں جس کی وجہ سے گمراہی میں پڑ گئے- پس اب راہ نہیں پا سکتے-(۴۸)

(۱۱) ماں باپ کے بعد قرابت داروں کے حقوق ہیں اور پھر ان سب کے ہیں جو ہماری خبر گیری کے محتاج ہوں- پس آیت (۲۶) میں اس کا حکم دیا اور فرمایا ﴿ ولا تبذر تبذیرا ﴾ تمہارے خرچ کرنے کا صحیح محل یہ ہے- پس مال و دولت بے محل خرچ نہ کرو-

پھر فرمایا جو لوگ تبذیر کرتے ہیں- یعنی خدا کی دی ہوئی دولت بے محل خرچ کر ڈالتے ہیں- مثلاً محض اپنے نفس کی عیش پرستیوں میں اڑا دیں گے- تو وہ شیطان کے بھائی بندوں میں سے ہیں کیونکہ شیطان کی راہ کفران کی راہ ہے اور انہوں نے بھی کفران نعمت کی راہ اختیار کی-

مال و دولت کے بے جا استعمال کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں- ایک یہ کہ آدمی نہ تو اپنے اوپر خرچ کرے نہ دوسروں پر، محض جمع کر کے رکھے- دوسری یہ کہ صرف اپنے اوپر خرچ کرے، دوسروں پر خرچ نہ کرے- قرآن نے دونوں صورتوں کو معصیت قرار دیا ہے- پہلی صورت ''اکتناز'' کی ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ﴾ (۹:۳۴) دوسری تبذیر کی- یہاں تبذیر سے روکا ہے-

(۱۲) آیت (۲۹) جوامع مواعظ میں سے ہے- فرمایا: مال و دولت خرچ کرنے میں اور ہر بات میں اعتدال کی راہ اختیار کرو- کسی ایک ہی طرف کو جھک نہ پڑو- مثلاً خرچ کرنے پر آئے تو سب کچھ اڑا دیا- احتیاط کرنی چاہی تو اتنی کی کہ کنجوسی پر اتر آئے-

دراصل تمام محاسن و فضائل کی بنیادی حقیقت توسط و اعتدال ہے اور جتنی برائیاں بھی پیدا ہوتی ہیں افراط تفریط سے پیدا ہوتی ہیں-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً
اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ
فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ
يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع ۵

اور (دیکھ) انہوں نے کہا ''جب ہم (مرنے کے بعد) محض چند ہڈیوں کی شکل میں رہ گئے اور گل سڑ گئے تو پھر کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ از سر نو اٹھا کھڑے کیے جائیں؟'' (۴۹)

تم کہہ دو ''ہاں تم (مرنے کے بعد) کچھ ہی کیوں نہ ہو جاؤ- پتھر ہو جاؤ' لوہا ہو جاؤ، یا کوئی اور چیز جو تمہارے خیال میں (دوبارہ زندہ ہونے کے لیے) بہت ہی سخت ہو'' (لیکن قدرت الٰہی تمہیں دوبارہ زندہ کر کے رہے گی) (۵۰)

یہ سن کر وہ کہیں گے ''لیکن کون ہے جو اس طرح ہمیں دوبارہ زندہ کر دے گا؟''

تم کہو ''وہی جس نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا؟''

اس پر یہ لوگ تیرے آگے سر مٹکانے لگیں گے' اور کہیں گے ''ایسا کب ہوگا؟'' تم کہو ''عجب نہیں کہ اس کا وقت قریب ہو'' (۵۱)

وہ دن کہ اللہ تمہیں بلائے گا اور تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پکار کا جواب دو گے اور ایسا خیال کرو گے کہ (دونوں زندگیوں کے درمیان) تم نے جو وقت گزارا، وہ کوئی بڑی مدت نہ تھی- تھوڑا سا وقت تھا! (۵۲)

(۱۳) قرآن نے قتل نفس کو انسان کی سب سے بڑی معصیت قرار دیا ہے- شرک کے بعد اگر کوئی برائی ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ (۲۵:۶۸) اس بارے میں طبیعت انسانی کے لیے اصلی آزمائش کا وقت وہ ہوتا ہے جب انتقام کا جوش ابھر آتا ہے اور بسا اوقات ایک قتل کے بدلے سیکڑوں جانوں کا خون بہا دیا جاتا ہے- پس یہاں آیت (۳۳) میں خصوصیت کے ساتھ اس فتنہ پر توجہ دلائی: ﴿ فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ﴾ جو شخص ظلم سے مارا جائے تو اس کے وارثوں کو قصاص کے مطالبہ کا حق دیا گیا ہے لیکن اس حق کا بے جا استعمال نہیں ہونا چاہیے کہ ایک خونریزی کے بدلے بہت سی خوں ریزیاں ہو جائیں-

(۱۴) آیت (۳۶) مہمات معارف قرآنی میں سے ہے- اس کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی-

(۱۵) آیت (۴۴) میں فرمایا- کائنات ہستی میں کوئی چیز نہیں جو اللہ کی حمد و تسبیح نہ کر رہی ہو لیکن تم میں سمجھ نہیں کہ ان کی تسبیح و تقدیس پر غور کرو-

یہ تسبیح جو کائنات ہستی کی ہر چیز کر رہی ہے کیا محض صداؤں کی تسبیح ہے؟ نہیں وہ اپنی ہستی میں' اپنی بناوٹ میں' اپنی صورت میں' اپنے افعال و خواص میں مجسم تسبیح و تقدیس ہیں- ان کی ہستی ہی تسبیح کا ترانہ اور ان کی موجودگی ہی سرتا سر حمد و ثنا ہے- وہ اپنی ہر بات میں کسی بنانے والے کی صنعت' کسی پرورش کرنے والے کی پرورش اور کسی حسین کے کمال کی حسن افروزیاں ہیں' اور اس لیے زبان حال سے اس کی خالقیت و حکمت اور ربوبیت و رحمت کی تحمید و تسبیح کر رہی ہیں-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ؕ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴿۵۴﴾ وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ

اور (اے پیغمبر!) میرے بندوں سے کہہ دو (یعنی ان سے جو دعوت حق پر ایمان لائے ہیں- مخالفوں سے گفتگو کرتے ہوئے) جو بات کہو، ایسی کہو کہ خوبی کی بات ہو- شیطان لوگوں کے درمیان فساد ڈالتا ہے- یقیناً شیطان انسان کا صریح دشمن ہے- (۵۳)

تمہارا پروردگار تمہارے حال سے خوب واقف ہے وہ چاہے تو تم پر رحم کرے' چاہے تو عذاب میں ڈالے- اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھے ان لوگوں پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا ہے (کہ تو ان کے ہدایت پانے نہ پانے کے لیے جواب دہ ہو)- (۵۴)

آسمان و زمین میں جو کوئی ہے تیرا پروردگار سب کا حال بہتر جاننے والا ہے- ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر برتری دی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی- (۵۵) (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہہ دو ''تم نے اپنے خیال میں اللہ کے سوا جن ہستیوں کو معبود سمجھ رکھا ہے، انہیں (اپنی حاجتوں اور مشکلوں میں) پکار دیکھو- نہ تو وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں کہ تمہارا کوئی دکھ دور کر دیں اور نہ تمہاری حالت بدل سکتے ہیں''- (۵۶) یہ لوگ جن ہستیوں کو پکارتے ہیں' (اور اللہ کے

عربی میں من ذوی العقول کے لیے آتا ہے اس لیے پہلے فرمایا آسمان اور زمین میں جتنی ذوی العقول ہستیاں ہیں سب تسبیح الٰہی میں سرگرم ہیں- پھر فرمایا- ﴿وان من شیء﴾ اور کائنات ہستی میں کوئی شے نہیں جو اس تسبیح میں ان کی شریک نہ ہو- عربی میں ''شے'' کا اطلاق نہ صرف ان چیزوں پر ہوتا ہے جو جسم و حجم رکھتی ہوں بلکہ ہر بات اور ہر حادثہ پر ہوتا ہے- حتی کہ دروازہ کھلنے کی آواز کو بھی شے کہیں گے- پس مطلب یہ ہوا کہ کائنات ہستی کا ہر وجود' ہر ہستی' ہر چیز' ہر حالت' ہر حادثہ اپنے بنانے والے کی یکتائی اور صنعت گری کی تصویر ہے اور خود تصویر سے بڑھ کر اور کس کی زبان ہو سکتی ہے جو مصور کے صنعت و کمال کا اعلان کرے؟

اگر ایک باکمال سنگ تراش موجود ہے تو اس کی صناعی و کمال کی تعریف تم زبانوں سے نہیں کر سکتے- اس کی مجسم تعریف و توصیف خود اس کی بنائی ہوئی مورتی ہوتی ہے- اس مورتی کا حسن' اس کا تناسب' اس کا انداز' اس کی ساری باتیں اپنے سنگ تراش کے دست صناعی کی ابھرتی ہوئی تعریف اور ابلتی ہوئی مدح و ثنا ہوتی ہے!

اس آیت نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ کارخانہ ہستی میں جو کچھ ہے سرتا سر حسن و خوبی ہی ہے- کیونکہ حمد کے معنی ثنائے جمیل کے ہیں اور تمام چیزوں کا صدائے حمد ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ بنانے والے نے جتنی چیزیں بنائی ہیں حسن و خوبی ہی کی بنائی ہیں اگرچہ تمہاری کوتاہ بینی اسے نہ پا سکے- اس مقام کی مزید تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کا مبحث برہان رحمت دیکھنا چاہیے-

لیکن کیا کائنات ہستی کی یہ تسبیح محض صدائے حال ہی کی تسبیح ہے، صدائے مقال کا اس میں کوئی حصہ نہیں؟ کون ہے جو ایسا کہنے کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَ اِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ وَ مَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَ اٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَ مَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾ وَ اِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ

حضور انہیں وسیلہ تقرب سمجھتے ہیں) وہ تو خود اپنے پروردگار کے حضور (بندگی واطاعت کے ذریعہ سے) وسیلہ ڈھونڈتے رہتے ہیں کہ کون اس راہ میں زیادہ قریب ہوتا ہے- نیز اس کی رحمت کے متوقع رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ترساں- فی الحقیقت تمہارے پروردگار کا عذاب بڑے ہی ڈرنے کی چیز ہے! (۵۷)

اور روز قیامت سے پہلے ضرور ایسا ہونے والا ہے کہ (نافرمانوں کی) جتنی بستیاں ہیں ہم انہیں ہلاک کر دیں یا عذاب سخت میں مبتلا کر دیں- یہ بات (قانون الٰہی کے) نوشتہ میں لکھی جا چکی ہے! (۵۸)

اور (جو نشانیاں منکر طلب کرتے ہیں' ان) نشانیوں کے بھیجنے سے ہمیں کون روک سکتا ہے؟ مگر یہ کہ ہم جانتے ہیں پچھلے عہد کے لوگ ایسی ہی نشانیاں جھٹلا چکے ہیں- ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی کہ ایک آشکارا نشانی تھی لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا (اور نشانی سے عبرت نہ پکڑی) اور ہم نشانیاں تو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ لوگ (انکار و سرکشی کے نتائج سے) ڈریں- (۵۹)

اور (اے پیغمبر! وہ وقت یاد کر) جب تیرے پروردگار نے تجھ سے کہا تھا "یقین کر، تیرے پروردگار نے

جرأت کر سکتا ہے؟ ابھی چند آیتوں کے بعد اسی سورت میں تم پڑھو گے: ﴿ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾

(۱۴) پچھلی آیت میں منکرین حق کی یہ حالت بیان کی تھی کہ ﴿ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ﴾ اب آیت (۴۵) میں فرمایا- یہی حال ان کا قرآن کے بارے میں ہے کہ اس کی طرف رخ نہیں کرتے' اسے سننا نہیں چاہتے' اسے سمجھنے کے لیے تیار نہیں-

اللہ کا مقررہ قانون یہ ہے کہ اگر تم آنکھیں نہیں کھولو گے تو تمہارے آگے ایک سیاہ پردہ حائل ہو جائے گا- اگر تم سننا نہیں چاہو گے تو تمہارے کان بہروں کے کان ہو جائیں گے- اگر تم سوچنے سے انکار کر دو گے' تو تمہاری عقل پر پردے پڑ جائیں گے- اس کی روشنی کام نہیں دے سکے گی- قرآن نے انکار و اعراض کی یہ حالت جا بجا بتلائی ہے' اور یہاں بھی اس طرف اشارہ کیا ہے-

منکروں کی یہ حالت خود انہی کی پسند کی ہوئی حالت تھی- یہ قانون اللہ کا ٹھہرایا ہوا ہے کہ نہ دیکھنے والے کی آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے لیکن اسی وقت پڑتا ہے جب دیکھنے والا دیکھنے سے انکار کر دیتا ہے- یہاں تین باتیں بیان کی گئی ہیں- آنکھوں کے آگے حجاب' کانوں میں گرانی اور عقل پر تہ در تہ غلافوں کا چڑھ جانا- لیکن یہ وہی تین حالتیں ہیں جو خود منکروں نے اپنے لیے پسند کر لی تھیں: ﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ وَفِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ ﴾ (۵:۴۱)

﴿ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴾ یعنی ایسا پردہ جو حائل تو ہو جاتا ہے مگر دکھائی نہیں دیتا- اور دکھائی دے کس طرح؟ وہ لکڑی کا یا اینٹوں کا پردہ تو ہوتا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ
وَ نُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿۶۰﴾ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ ع ۶
اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ

لوگوں کو گھیرے میں لے لیا ہے (یعنی اب وہ دعوت حق کے دائرے سے باہر نکل نہیں سکتے) اور رؤیا جو ہم نے تجھے دکھائی تو اسی لیے دکھائی کہ لوگوں کے لیے ایک آزمائش ہو- اسی طرح اس درخت کا ذکر جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے- ہم انہیں (طرح طرح سے) ڈراتے ہیں لیکن ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا- پڑتا ہے تو صرف یہی کہ اپنی سرکشیوں میں اور زیادہ بڑھتے جاتے ہیں! (۶۰)

اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا ''آدم کے آگے جھک جاؤ!'' اس پر سب جھک گئے مگر ایک ابلیس نہ جھکا- اس نے کہا ''کیا میں ایسی ہستی کے آگے جھکوں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے؟'' (۶۱)

نیز اس نے کہا ''کیا تیرا یہی فیصلہ ہوا کہ تو نے اس (حقیر) ہستی کو مجھ پر بڑائی دی؟''

''اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دے تو میں ضرور اس کی نسل کی بیخ بنیاد اکھاڑ کے رہوں- تھوڑے آدمی اس ہلاکت سے بچیں، اور کوئی نہ بچے'' (۶۲)

اللہ نے فرمایا ''جا، اپنی راہ لے- جو کوئی بھی ان میں سے تیرے پیچھے چلے گا تو اس کے لیے اور تیرے لیے جہنم کی سزا

نہیں- وہ تو اعراض وغفلت کا پردہ ہوتا ہے جسے تمہاری ظاہر بیں نگاہیں پا نہیں سکتیں-

(۱۵) قرآن حکیم نے جا بجا نشاۃ اولیٰ سے نشاۃ ثانیہ پر استدلال کیا ہے- یعنی جس خالق وقدیر نے تمہیں پہلی مرتبہ زندگی دی کیا وہ تمہیں دوبارہ زندگی نہیں دے سکتا؟ پھر اس پر اچنبھا کیوں ہو؟

یہاں بھی آیت (۵۱) میں یہی استدلال ہے- پہلی زندگی سے مراد نوع کی زندگی بھی ہو سکتی ہے اور فرد کی بھی- ہر فرد اپنی ہستی میں غور کر سکتا ہے- اس کا وجود نہ تھا مگر ظہور میں آ گیا اور کس طرح ظہور میں آیا؟ محض نطفہ کے ایک خرد بینی کیڑے سے جو ''علقہ'' کی طرح ہوتا ہے- یعنی جونک کی طرح- پھر اگر کیڑے کے ایک ذرہ سے اس کا وجود بن جا سکتا تھا تو کیا اس کے پورے وجود کے ذرات سے دوبارہ وجود نہیں بن سکتا؟ ﴿ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ؟ ﴾

(۱۶) آیت (۵۳) میں مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ منکرین اسلام سے گفتگو کرو تو پسندیدہ طریقہ پر کرو- اس طرح کی باتیں نہ کہو جس سے باہم فتنہ وفساد پیدا ہو اور بجائے کھنچنے کے اور زیادہ لوگ متنفر ہو جائیں-

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مسلمانوں نے بعض مشرکوں سے کہا تھا ﴿ اِنَّكُمْ مِنْ اَهْلِ النَّارِ ﴾ تم جہنمی ہو- اس پر یہ آیت نازل ہوئی- اور مسلمانوں کو اس بات سے روکا گیا کہ تعیین کے ساتھ کسی انسان یا جماعت کو ایسا نہ کہیں کہ تم جہنمی ہو- کیونکہ کوئی نہیں جانتا کس آدمی کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿٦٣﴾ وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ ؕ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾ رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٦٦﴾ وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا

ہوئی- پوری پوری سزا" (۶۳)

"ان میں سے جس کسی کو تو اپنی صدائیں سنا کر بہکا سکتا ہے بہکانے کی کوشش کر لے- اپنے لشکر کے سواروں اور پیادوں سے حملہ کر ان کے مال اور اولاد میں شریک ہو جا ان سے (طرح طرح کی باتوں کے) وعدے کر، اور شیطان کے وعدے تو اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ سرتا سر دھوکا"- (۶۴)

"جو میرے (سچے) بندے ہیں ان پر تو قابو پانے والا نہیں- تیرا پروردگار کارسازی کے لیے بس کرتا ہے"- (۶۵)

(اے لوگو!) تمہارا پروردگار تو وہ ہے جو تمہاری کاربراریوں کے لیے سمندر میں جہاز چلاتا ہے تاکہ تم (سیر و سیاحت کے ذریعہ سے) اس کا فضل تلاش کرو- بلاشبہ وہ تم پر بڑی ہی رحمت رکھنے والا ہے! (۶۶)

اور جب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم سمندر میں ہوتے ہو اور مصیبت آ لگتی ہے تو اس وقت وہ تمام ہستیاں تم سے کھوئی جاتی ہیں جنہیں تم پکارا کرتے ہو- صرف ایک اللہ ہی کی یاد باقی رہ جاتی ہے- پھر جب وہ تمہیں مصیبت سے نجات دے دیتا اور خشکی پر پہنچا

خاتمہ کس حال پر ہونے والا ہے؟ بہت ممکن ہے جسے تم جہنمی کہہ رہے ہو اسے ہدایت کی توفیق ملنے والی ہو اور اس کی جگہ جنتیوں میں ہو- بلاشبہ تم کہہ سکتے ہو- یہ بات حق ہے اور یہ حق نہیں- لیکن کسی خاص جماعت یا فرد کی نسبت حکم نہیں لگا سکتے کہ یہ ضرور جہنمی ہے- ایسا کہنے کا کسی انسان کو حق نہیں-

اس موقع پر سورۂ انعام کی یہ آیت بھی یاد کر لو کہ ﴿ وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (۶:۱۰۸) اور یہ حکم بھی نہ بھولو کہ ﴿ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ جو پچھلی سورت کے خاتمہ میں گزر چکا ہے-

غور کرو! کس طرح قرآن قدم قدم پر یہ بات یاد دلاتا رہتا ہے کہ فکر میں رواداری ہونی چاہیے- حکم میں احتیاط ہونی چاہیے- تم جس بات کو حق سمجھتے ہو اس پر جم جاؤ اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دو مگر یہ نہ بھولو کہ انسان کی نجات و عدم نجات کی ٹھیکے داری تمہیں نہیں دے دی گئی ہے- کون نجات پانے والا ہے اور کس کے لیے بالآخر محرومی ہے؟ اس کا علم خدا ہی کو ہے، تمہیں حق نہیں کہ اس طرح کے حکم لگاتے پھرو- علاوہ ازیں اگر ایک انسان غلط راہ پر چل رہا ہے تو تمہارے جہنمی کہہ دینے سے وہ جنتی نہیں بن جائے گا، بلکہ بہت ممکن ہے، اور زیادہ اپنی غلطی میں ضدی ہو جائے- پس جو کچھ بھی زبان سے نکالو حسن و خوبی کی بات ہو، سختی و خشونت کی بات نہ ہو-

چنانچہ فرمایا ﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ﴾ شیطان چاہتا ہے لوگوں میں تفرقہ و فساد ڈالے- یعنی اس طرح کا طریق کلام تفرقہ و فساد پیدا کرتا ہے اور اصل مقصود کہ ہدایت و ارشاد ہے، مفقود ہو جاتا ہے- اس کے بعد فرمایا: ﴿ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ﴾ یہ اللہ کا کام ہے کہ جسے چاہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ
يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿۶۸﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى
فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾
وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْۤ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا
تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ ع

دیتا ہے تو تم اس سے گردن موڑ لیتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے! (۶۷)

پھر کیا تمہیں اس سے امن مل گیا ہے کہ وہ تمہیں خشکی کے کسی گوشے میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسانے والی آندھیاں بھیج دے اور تم اس حال میں کسی کو اپنا مددگار نہ پاؤ؟ (۶۸) یا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تمہیں دوبارہ ویسی ہی مصیبت میں ڈال دے اور ہوا کا ایک سخت طوفان بھیج دے اور تمہاری ناشکری کی پاداش میں تمہیں غرق کر دے اور پھر کسی کو نہ پاؤ جو اس کے لیے ہم پر دعویٰ کرنے والا ہو؟ (۶۹)

اور البتہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور خشکی اور تری دونوں کی قوتیں اس کے تابع کر دیں کہ اسے اٹھائے پھرتی ہیں اور اچھی چیزیں اس کی روزی کے لیے مہیا کر دیں نیز جو مخلوقات ہم نے پیدا کی ہیں ان میں سے اکثر پر اسے برتری دے دی، پوری برتری جیسی کہ ہونی چاہیے! (۷۰)

وہ (آنے والا) دن جب کہ ہم تمام انسانوں کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے (اور اپنے حضور جمع کریں گے) پھر جو کوئی اپنا نوشتہ (اعمال) اپنے داہنے ہاتھ میں پائے گا تو وہ ان لوگوں میں ہوگا جو اپنا نوشتہ پڑھ لیں گے، اور ان پر رائی برابر بھی

نجات دے۔ جسے چاہے عذاب میں ڈالے۔ ﴿ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴾ اے پیغمبر! ہم نے تجھے لوگوں پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے کہ لوگوں کی نجات و عدم نجات کے لیے ذمہ دار ہو۔ اور جب خود پیغمبر کو یہ منصب حاصل نہیں تو اور کسی کے لیے کب جائز ہو سکتا ہے کہ اپنے کو جنت و دوزخ کا داروغہ سمجھ لے۔

(۱۷) آیت (۵۸) میں افراد کا ذکر نہیں ہے۔ جماعتوں اور قوموں کی بستیوں کا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں ہر بداعمال گروہ کو اس کے اعمال بد کی پاداش کا مل جانا ضروری ہے۔ خواہ ہلاکت کی صورت میں ہو۔ خواہ کسی دوسرے عذاب کی صورت میں۔

(۱۸) آیت (۵۹) نے قطعی طور پر یہ حقیقت واضح کر دی تھی کہ پیغمبروں نے جو نشانیاں دکھائی تھیں ان کی حقیقت کیا تھی؟ فرمایا: ﴿ وما نرسل بالا یات الا تخویفا ﴾ نشانیاں اس لیے نہیں دی گئیں کہ سچائی کی دلیل تھیں یا ہدایت کا معاملہ ان پر موقوف ہوتا ہے بلکہ صرف اس لیے کہ وہ ظہور عذاب کا مقدمہ تھیں۔ یعنی جو قومیں سرکشی سے باز نہیں آئیں انہیں ظہور نتائج کی خبر دے دی گئی اور اس خبر کا ظہور ایک نشانی کی صورت میں ہوا۔ چنانچہ قوم ثمود جب سرکشی سے باز نہ آئی تو اونٹنی کا معاملہ اس کے لیے ایک فیصلہ کن نشانی ہو گئی اور اس نشانی کے بعد موعودہ عذاب ظہور میں آ گیا۔

آیت میں خطاب منکرین عرب سے ہے جو اپنی بات بنانے کے لیے نشانیوں کی فرمائشیں کرتے تھے۔ فرمایا جو طالب حق ہیں ان کے لیے سچائی کی دعوت ہی سب سے بڑی نشانی ہے اور جو ماننے والے نہیں ان کے لیے کوئی نشانی سودمند نہیں ہوتی۔ چنانچہ پچھلے عہدوں میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾ وَ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾ وَ اِنْ كَادُوْا
لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَ لَوْ لَاۤ اَنْ
ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ
لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا
يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ ع ۸

زیادتی نہیں ہوگی۔(۷۱)

اور جو کوئی اس دنیا میں اندھا رہا (اور اس نے اللہ کے دیے ہوئے ہوش وحواس سے کام نہیں لیا) تو یقین کرو۔ آخرت میں بھی وہ اندھا ہی رہے گا اور راستہ سے یک قلم بھٹکا ہوا! (۷۲)

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں نے تو اس میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی کہ تجھے فریب دے کر اس کلام (کی تبلیغ) سے باز رکھیں جو ہم نے بذریعہ وحی نازل کیا ہے، اور مقصود ان کا یہ تھا کہ اس کلام کی جگہ دوسری باتیں کہہ کر تو ہم پر افترا پردازی کرے اور پھر اس سے خوش ہو کر یہ تجھے اپنا دوست بنالیں۔(۷۳)

اور اگر (راہ حق میں) ہم نے تجھے جمانہ دیا ہوتا تو ضرور ان کی طرف کچھ نہ کچھ میلان کر ہی بیٹھتا۔(۷۴) اور اس صورت میں ضرور ایسا ہوتا کہ ہم تجھے زندگی کا بھی دوہرا عذاب چکھاتے اور موت کا بھی، اور پھر تجھے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ ملتا۔(۷۵)

اور انہوں نے اس میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی کہ تجھے اس سرزمین سے عاجز کر کے نکال دیں۔ اور اگر ایسا کر بیٹھتے تو (یاد رکھ) تیرے (نکالے جانے کے) پیچھے مہلت نہ پاتے مگر بہت تھوڑی سی۔ ہم تجھ سے پہلے جو پیغمبر بھیج چکے ہیں ان سب کے معاملہ میں ہمارا ایسا ہی قاعدہ رہا ہے، اور ہمارے ٹھہرائے ہوئے قاعدوں کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائے گا!(۷۶-۷۷)

ہمیشہ ایسا ہی ہو چکا ہے۔ کوئی نشانی بھی سرکشوں کے لیے سودمند نہ ہو سکی۔

نیز فرمایا ہمارا قانون یہ ہے کہ اس طرح کی نشانیاں تخویف وانذار ہی کے لیے نمودار ہوتی ہیں۔ پس اگر اب بھی ان تک نوبت پہنچی تو منکروں کے لیے ظہور عذاب ناگزیر ہوگا اور مشیت الٰہی کا یہ فیصلہ نہیں ہے کہ عذاب ظہور میں آئے۔

اس کے بعد آیت (۶۰) میں دو باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے: اسریٰ کا واقعہ اور اس درخت کا معاملہ جس کا قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی ﴿ اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴾ جہنم میں تھوہر کا درخت مجرموں کی غذا ہوگی۔ منکروں نے ان دونوں باتوں کی ہنسی اڑائی تھی، جیسا کہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے۔ اسریٰ کا معاملہ جب بیان کیا گیا تو کہنے لگے یہ جنون کی انتہا ہے اور جہنم کے احوال وشدائد کی جب آیتیں سنائی گئیں تو کہنے لگے، جہنم بھی عجیب جگہ ہوئی جہاں آگ کے شعلوں میں درخت پیدا ہوں گے!

فرمایا ان دونوں باتوں میں ان لوگوں کے لیے آزمائش ہوئی۔ اگر طالب حق ہوتے تو ہنسی اڑانے کی جگہ عقل وبصیرت سے کام لیتے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ

(اے پیغمبر!) نماز قائم کر- سورج کے ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے اندھیرے تک (یعنی ظہر' عصر' مغرب اور عشا کے وقتوں میں) نیز صبح کی تلاوت قرآن (یعنی صبح کی نماز) بلاشبہ صبح کی تلاوت قرآن ایک ایسی تلاوت ہے جو (خصوصیت کے ساتھ) دیکھی جاتی ہے! (۷۸)

اور (اے پیغمبر!) رات کا کچھ حصہ (یعنی پچھلا پہر) شب بیداری میں بسر کر- یہ تیرے لیے ایک مزید عمل ہے- قریب ہے کہ اللہ تجھے ایک ایسے مقام میں پہنچا دے جو نہایت پسندیدہ مقام ہو! (۷۹)

اور تیری دعا یہ ہونی چاہیے کہ "اے پروردگار! مجھے (جہاں کہیں پہنچا تو) سچائی کے ساتھ پہنچا اور (جہاں کہیں سے نکال تو) سچائی کے ساتھ نکال اور مجھے اپنے حضور سے قوت عطا فرما- ایسی قوت کہ (ہر حال میں) مددگاری کرنے والی ہو!" (۸۰)

اور تیرا اعلان یہ ہو کہ "دیکھو حق ظاہر ہو گیا اور باطل نابود ہوا، اور باطل اسی لیے تھا کہ نابود ہو کر رہے!" (۸۱)

اور ہم نے جو کچھ قرآن میں سے نازل کیا ہے تو وہ یقین کرنے والوں کے لیے (روح کی ساری بیماریوں کی)

(۱۷) آیت (۶۱) میں ابلیس کی سرکشی کا تذکرہ کیا تا کہ واضح ہو جائے احکام حق کے مقابلہ میں سرکشی کی چال چلنا، ابلیس کی چال ہے اور یہ قدیم سے چلی آتی ہے- پھر آیت (۶۶) سے سلسلہ بیان انسان کی غفلت و گمراہی کے تذکرہ پر متوجہ ہو گیا ہے اور جن حالات کی طرف اشارہ کیا ہے ان کی تشریحات گزشتہ سورتوں کے نوٹوں میں گزر چکی ہیں-

(۱۸) آیت (۷۳) میں فرمایا- اگر وحی الٰہی کی روشنی تیری رہنمائی کے لیے موجود نہ ہوتی تو وقت کی تاریکی اتنی شدید تھی کہ ممکن نہ تھا اس بے لاگ ثبات و استقامت کے ساتھ اپنی راہ چلتا رہتا- کام کی دشواریاں ضرور تجھے مغلوب کر لیتیں' لوگوں کی مقاومتیں ضرور تجھے تھکا دیتیں' طاقتور افراد کی منتیں اور التجائیں ضرور تجھے متوجہ کر لیتیں' طرح طرح کی مصلحتیں ضرور دامن گیر ہو جاتیں، لغزشیں ٹھوکریں قدم قدم پر نمودار ہوتیں- لیکن اب کوئی چیز بھی تیری راہ نہیں روک سکتی- کوئی فتنہ بھی تجھے قابو میں نہیں لا سکتا- یہ وحی الٰہی کی رہنمائی ہے- اور وحی الٰہی کی رہنمائی پر کوئی انسانی طاقت غالب نہیں آ سکتی-

(۱۹) آیت (۷۸) نے نماز کے اوقات معین کر دیے- فرمایا سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز کے اوقات ہیں- یعنی ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کے اوقات- نیز صبح کی تلاوت ہے یعنی صبح کی نماز ہے-

"نفل" کے معنی کسی ایسی بات کے ہیں جو اصل مطلوب سے زیادہ ہو- پس فرمایا ﴿ نَافِلَةً لَّكَ ﴾ رات کا بھی کچھ حصہ جاگنے اور عبادت میں صرف کیا کرو- یہ تمہارے لیے عبادت کی مزید زیادتی ہو گی-

اس آیت میں خطاب اگرچہ پیغمبر اسلام ﷺ سے ہے لیکن حکم عام ہے- اس سے معلوم ہو گیا کہ شب بیداری کی عبادت یعنی تہجد ایک مزید عبادت ہے اگر بن پڑے-

(۲۰) آیت (۷۹) میں مقام محمود سے مقصود ایسا درجہ ہے جس کی عام طور پر ستائش کی جائے- فرمایا- کچھ بعید نہیں کہ تمہارا پروردگار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ
اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ
ع فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ
رَبِّيْ وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ وَ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ
ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾

شفا اور رحمت ہے، اور جو نافرمان ہیں تو انہیں کچھ فائدہ ہونے والا نہیں- بجز اس کے کہ (انکار و شقاوت کی وجہ سے) اور زیادہ تباہ ہوں! (۸۲) اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں تو ہم سے منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے اور جب اسے دکھ پہنچ جائے تو دیکھو، بالکل مایوس ہو کر بیٹھ رہتا ہے- (۸۳)

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو "ہر انسان اپنے طور طریقہ کے مطابق عمل کرتا ہے- پس تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کون سب سے زیادہ ٹھیک راہ پر ہے! (۸۴)

اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تجھ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں- تو کہہ دے "روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے- اور تمہیں (اسرار کائنات کا) علم جو کچھ دیا گیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے (اس سے زیادہ تم نہیں پا سکتے)" (۸۵)

اور (اے پیغمبر!) جو کچھ ہم نے تجھ پر وحی کی ہے اگر ہم چاہیں تو اسے بھی سلب کر لیں- پھر تجھے کوئی نہ ملے جو اس کے لیے ہم پر اپنی وکالت چلائے- (۸۶)

مگر یہ محض تیرے پروردگار کی رحمت ہے (کہ وہ ایسا نہیں کرتا) اس میں شک نہیں کہ اس کا تجھ پر بڑا ہی فضل ہے! (۸۷)

تمہیں ایسے مقام پر پہنچا دے جو عالمگیر اور دائمی ستائش کا مقام ہو-

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب پیغمبر اسلام ﷺ کی مکی زندگی کے آخری سال گزر رہے تھے اور مظلومیت اور بے سروسامانی اپنے انتہائی درجوں تک پہنچ چکی تھی- حتی کہ مخالف قتل کی تدبیروں میں سرگرم تھے- ایسی حالت میں کون امید کر سکتا تھا کہ انہی مظلومیتوں سے فتح و کامرانی پیدا ہو سکتی ہے؟ لیکن وحی الٰہی نے صرف فتح و کامرانی ہی کی بشارت نہیں دی کیونکہ فتح و کامرانی کی عظمت کوئی غیر معمولی عظمت نہ تھی- بلکہ ایک ایسے مقام تک پہنچنے کی خبر دی جو نوع انسانی کے لیے عظمت و ارتفاع کی سب سے آخری بلندی ہے- یعنی ﴿ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴾ حسن و کمال کا ایسا مقام جہاں پہنچ کر محمودیت خلائق کی عالمگیر اور دائمی مرکزیت حاصل ہو جائے گی- کوئی عہد ہو کوئی ملک ہو کوئی نسل ہو لیکن کروڑوں دلوں میں اس کی ستائش ہوگی ان گنت زبانوں پر اس کی مدحت طرازی ہوگی محمود یعنی سرتا سر ممدوح ہستی ہو جائے گی:

ما شئت قل فیه ، فانت مصدق فالحب یقضی و المحاسن تشهدا

یہ مقام انسانی عظمت کی انتہا ہے- اس سے زیادہ اونچی جگہ اولاد آدم کو نہیں مل سکتی- اس سے بڑھ کر انسانی رفعت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا- انسان کی سعی و ہمت ہر طرح کی بلندیوں تک اڑ جا سکتی ہے لیکن یہ بات نہیں پا سکتی کہ روحوں کی ستائش اور دلوں کی مداحی کا مرکز بن جائے- سکندر کی ساری فتوحات خود اس کے عہد و ملک کی ستائش اسے نہ دلا سکیں اور نپولین کی ساری جہاں ستانیاں اتنا بھی نہ کر سکیں کہ کورسیکا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ
بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ
اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ
مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ
تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ
لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع

(اے پیغمبر!) اس بات کا اعلان کر دے کہ ''اگر تمام انسان اور جن اکٹھے ہو کر چاہیں کہ اس قرآن کے مانند کوئی کلام پیش کر دیں تو کبھی پیش نہیں کر سکیں گے۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مددگار ہی کیوں نہ ہو'' (۸۸)

اور ہم نے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بار بار لوٹا کر بیان کیں (کہ لوگ سمجھیں بوجھیں) لیکن (ان میں سے) اکثروں نے کوئی بات قبول نہیں کی اور قبول کی تو صرف ناسپاسی! (۸۹)

اور انہوں نے کہا ''ہم تو اس وقت تک تجھے ماننے والے نہیں جب تک کہ تو اس طرح کی باتیں کر کے نہ دکھا دے۔ (مثلاً) ایسا ہو کہ تو حکم کرے اور زمین سے ایک چشمہ پھوٹ نکلے۔ (۹۰) یا تیرے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور اس کے درمیان بہت سی نہریں رواں کر کے دکھا دے۔ (۹۱) یا جیسا کہ تو نے خیال کیا ہے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہم پر آ گرے، یا اللہ اور اس کے فرشتے ہمارے سامنے آ کھڑے ہوں۔ (۹۲) یا ہم دیکھیں کہ سونے کا ایک محل تیرے لیے مہیا ہو گیا ہے یا ایسا ہو کہ تو بلند ہو کر آسمان پر چلا جائے۔ اور اگر تو آسمان پر چلا بھی گیا تو بھی ہم یہ بات ماننے والے نہیں جب تک کہ تو ایک (لکھی ہوئی) کتاب ہم پر نہ اتار لائے اور ہم خود اسے پڑھ کر جانچ نہ لیں'' (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہہ دے ''سبحان اللہ! (میں نے کچھ خدائی کا دعویٰ تو کیا نہیں) میں اس کے سوا کیا ہوں کہ ایک آدمی ہوں پیغام حق پہنچانے والا''! (۹۳)

کے چند غدار باشندوں ہی میں اسے محمود و ممدوح بنا دیتیں جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ محمودیت اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جس میں حسن و کمال ہو کیونکہ روحیں حسن ہی سے عشق کر سکتی ہیں اور زبانیں کمال ہی کی ستائش میں کھل سکتی ہیں، لیکن حسن و کمال کی مملکت وہ مملکت نہیں جسے شہنشاہوں اور فاتحوں کی تلواریں مسخر کر سکیں! غور کرو جس وقت سے نوع انسانی کی تاریخ معلوم ہے نوع انسانی کے دلوں کا احترام اور زبانوں کی ستائشیں کن انسانوں کے حصے میں آئی ہیں؟ شہنشاہوں اور فاتحوں کے حصہ میں یا خدا کے ان رسولوں کے حصے میں جنہوں نے جسم و ملک کو نہیں روح و دل کو فتح کیا تھا؟

یہ مقام محمود ہے جس کی خبر ہمیں ایک دوسری آیت میں دی گئی ہے اور خبر کے ساتھ امر بھی ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ (۵۶:۳۳)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کا ایک مشہد وہ معاملہ ہو گا جو قیامت کے دن پیش آئے گا۔ جب کہ اللہ کی حمد و ثنا کا علم آپ بلند کریں گے اور بلاشبہ محمودیت کا مقام دنیا و آخرت دونوں کے لیے ہے۔ جو ہستی یہاں محمود خلائق ہے وہاں بھی محمود و ممدوح ہو گی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ
فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ
شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ
فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ
مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا
كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

النصف

اور حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی اللہ کی ہدایت (دنیا میں) ظاہر ہوئی تو صرف اسی بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا کہ (متعجب ہوکر) کہنے لگے "کیا اللہ نے (ہماری طرح کا) ایک آدمی پیغمبر بنا کر بھیج دیا ہے؟" (۹۴)

(اے پیغمبر!) کہہ دے "اگر ایسا ہوا ہوتا کہ زمین میں (انسانوں کی جگہ) فرشتے بسے ہوتے اور اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ضرور آسمان سے ایک فرشتہ پیغمبر بنا کر اتار دیتے" (۹۵)

(نیز) کہہ دے "میرے اور تمہارے درمیان (اب) اللہ کی گواہی بس کرتی ہے۔ یقیناً وہ اپنے بندوں کے حال سے واقف اور سب کچھ دیکھنے والا ہے!" (۹۶)

جس کسی کو اللہ (سعادت و کامیابی کی) راہ پر لگا دے فی الحقیقت وہی راہ پر ہے اور جس کسی پر اس نے (کامیابی کی) راہ گم کر دی تو تم اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔ قیامت کے دن ہم ایسے لوگوں کو ان کے منہ کے بل اٹھائیں گے۔ اندھے، گونگے، بہرے۔ ان کا آخری ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ جب کبھی اس کی آگ بجھنے کو ہوگی اسے اور زیادہ بھڑکا دیں گے؟ (۹۷) یہ ان کی سزا ہوئی۔ اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا تھا اور کہا تھا "بھلا جب (مرنے کے بعد گل سڑ کر) محض ہڈیاں ہی ہڈیاں ہو گئے اور ریزہ ریزہ تو ایسا ہو سکتا ہے کہ از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں؟" (۹۸)

کیا ان لوگوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ وہ اللہ جس نے آسمان و زمین کی یہ تمام کائنات پیدا کر دی ہے ضرور اس پر قادر ہے کہ ان کی موجودہ زندگی کی طرح ایک دوسری زندگی پیدا کر دے؟ نیز یہ بات کہ ضرور اس نے ان کے لیے (آخری فیصلہ کی) ایک میعاد مقرر کر رکھی ہے جس میں کسی طرح کا شک نہیں کیا جا سکتا؟ اس پر بھی دیکھو، ان ظالموں نے کوئی چال چلنی نہ چاہی مگر انکار حقیقت کی! (۹۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ وَ
لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ
يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَآىِٕرَ ۚ وَ اِنِّيْ
لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّ
قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾
وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى

(اے پیغمبر!) کہہ دے "اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے اختیار میں ہوتے تو تم ضرور خرچ ہو جانے کے ڈر سے انہیں روکے رکھتے (لیکن وہ اپنی رحمت کا فیضان روکنے والا نہیں - اس کی بخششیں اتنی نپی تلی نہیں ہیں کہ صرف دنیا کی چند روزہ زندگی ہی میں خرچ ہو جائیں) حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی تنگ دل ہے (وہ رحمت الٰہی کی وسعت کا اندازہ نہیں کر سکتا!) - (۱۰۰)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے موسیٰ کو نو آشکارا نشانیاں دی تھیں جب وہ بنی اسرائیل میں ظاہر ہوا تھا، تو بنی اسرائیل سے دریافت کر لے (کہ کیا ماجرا گزر چکا ہے) فرعون نے اس سے کہا تھا "اے موسیٰ! میں خیال کرتا ہوں ضرور تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے" - (۱۰۱)

موسیٰ نے اس پر کہا تھا "تو یقیناً جان چکا ہے کہ یہ نشانیاں مجھ پر کسی اور نے نہیں اتاری ہیں مگر اسی نے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے اور (ان میں عبرت و تذکیر کے لیے) سمجھنے بوجھنے کی روشنی ہے - اور اے فرعون! میں تو سمجھتا ہوں تو نے اپنے کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے!" - (۱۰۲)

تو (دیکھو) فرعون نے چاہا تھا کہ بنی اسرائیل پر ملک میں رہنا دشوار کر دے لیکن ہم نے اسے اور ان سب کو جو اس کے ساتھ تھے (سمندر) میں غرق کر دیا! (۱۰۳)

اور ہم نے اس واقعہ کے بعد بنی اسرائیل سے کہا تھا "اب اس سرزمین میں (فارغ البال ہو کر) بسو (تمہارے لیے کوئی کھٹکا نہیں رہا) پھر جب آخرت کا وعدہ وقوع میں آ جائے گا تو ہم تم سب کو اپنے حضور اکٹھا کر لیں گے" (۱۰۴)

اور ہم نے قرآن کو سچائی کے ساتھ اتارا اور وہ سچائی ہی کے ساتھ اترا بھی، اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے مگر صرف اسی حیثیت سے کہ (ایمان و عمل کے نتائج کی) بشارت دینے والا اور (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کر دینے والا ہے - (۱۰۵)

اور ہم نے قرآن کو الگ الگ ٹکڑوں میں منقسم کر دیا تا کہ تم ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کو سناتے رہو، اور (یہی وجہ ہے کہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ
مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّ يَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ
رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ
اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا
وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي
الْمُلْكِ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾

اسے بیک دفعہ نہیں اتار دیا- بتدریج اتارا-(۱۰۶)

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہہ دے ''تم قرآن کو (کلام الٰہی) مانو یا نہ مانو لیکن جن لوگوں کو پچھلی کتابوں کا علم دیا گیا ہے (یعنی اہل کتاب) انہیں جب یہ کلام سنایا جاتا ہے تو وہ بے اختیار سجدہ میں گر پڑتے ہیں (۱۰۷) اور پکار اٹھتے ہیں کہ ''ہمارے پروردگار کے لیے پاکی ہو! بلاشبہ ہمارے پروردگار کا وعدہ اسی لیے تھا کہ پورا ہو کر رہے!'' (۱۰۸)

وہ ٹھوڑیوں کے بل (اس کے آگے) گر پڑتے ہیں- ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں- کلام حق کی سماعت ان کی عاجزی اور زیادہ کر دیتی ہے! (۱۰۹)

(اے پیغمبر!) کہہ دے ''تم اللہ کہہ کر (اسے) پکارو یا رحمان کہہ کر- جس نام سے پکارو، اس کے سارے نام حسن و خوبی کے نام ہیں'' اور (اے پیغمبر!) تو جب نماز میں مشغول ہو تو نہ تو چلا کر پڑھ نہ بالکل چپکے چپکے- چاہیے کہ درمیان کی راہ اختیار کی جائے-(۱۱۰)

اور کہہ ''ساری ستائشیں اللہ کے لیے ہیں جو نہ تو اولاد رکھتا ہے، نہ اس کی فرمانروائی میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ کوئی ایسا ہے کہ اس کی درماندگی کی وجہ سے اس کا مددگار ہو- (وہ ان ساری باتوں سے بے نیاز ہے) اس کی بڑائی کی پکار بلند کر- جیسی پکار بلند کرنی چاہیے! (۱۱۱)

(۱۹) اس سورت کے بعض مقامات کی تشریحات رہ گئی ہیں- ضروری ہے کہ ان پر ایک نظر ڈال لی جائے:

واقعہ اسریٰ:

(۱) واقعہ اسریٰ کی نوعیت کیا تھی؟ یہ عالم بیداری میں پیش آیا یا عالم خواب میں؟ صرف روح پر طاری ہوا تھا یا جسم بھی اس میں شریک تھا! اس بارے میں صحابہ و سلف کا اختلاف معلوم ہے- اکثر صحابہ و تابعین اس طرف گئے ہیں کہ روح و جسم دونوں پر طاری ہوا لیکن حضرت عائشہ، حذیفہ بن الیمان، حسن، معاویہ، ابن اسحاق وغیرہم سے مروی ہے کہ یہ ایک روحانی معاملہ تھا-

اصل یہ ہے کہ انبیائے کرام (علیہم السلام) کے احوال و واردات ایک ایسے عالم سے تعلق رکھتے ہیں جس کے لیے ہماری عام تعبیرات کام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں دے سکتیں- ہماری ہر تعبیر کسی ایسی حالت کا تصور پیدا کر دے گی جو عام طور پر ہمیں پیش آتی رہتی ہیں لیکن انبیائے کرام علیہم السلام کو جو حالات پیش آتے ہیں' ان کی نوعیت ہی دوسری ہوتی ہے- وہ ہمارے محسوسات و مفہومات کے دائرہ سے باہر کے معاملات ہیں-

خود نبوت کی حقیقت کیا ہے؟ وحی کا معاملہ کیونکر انجام پاتا ہے؟ کیا اس بارے میں ہماری کوئی تعبیر بھی حقیقت حال کی کامل تعبیر ہو سکتی ہے؟ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا جب وحی آتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے صلصلة الجرس کی آواز ہو- ظاہر ہے کہ یہ ایک تمثیل ہے جو اس لیے اختیار کی گئی ہے کہ اس معاملہ کا ایک قریبی تخیل ہمارے اندر پیدا ہو جائے- ورنہ وحی کی آمد محض گھنٹیوں کی آواز کی طرح نہیں ہو سکتی-

پس اسریٰ کے معاملہ کے لیے بھی ہماری محدود تعبیرات کام نہیں دے سکتیں- یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے تاثرات مختلف ہوئے- جن لوگوں نے اس کی نفی کی کہ بیداری میں پیش آیا تھا وہ اس طرف گئے کہ یہ ہماری جسمانی نقل و حرکت کی طرح کا معاملہ نہ تھا- جن لوگوں نے اس پر زور دیا کہ بیداری میں پیش آیا تھا وہ اس طرف گئے کہ اسے محض خواب کی طرح کا معاملہ نہیں کہہ سکتے- اور اس میں شک نہیں دونوں اپنے تاثرات میں برسرحق تھے- خود صحیحین کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا- میں اس وقت ایک ایسے عالم میں تھا کہ نہ تو سوتا تھا نہ جاگتا تھا- "بین النائم و الیقظان" اس سے معلوم ہو گیا کہ اس معاملہ کو نہ تو ایسا معاملہ قرار دے سکتے ہیں جیسا ہمیں جاگتے میں پیش آیا کرتا ہے' نہ ایسا جیسا سوتے میں دیکھا کرتے ہیں- وہ ان دونوں حالتوں سے ایک مختلف قسم کی حالت تھی اور ہماری تعبیرات میں اس کے لیے کوئی تعبیر نہیں ہے-

اس مقام کی مزید تشریح البیان میں ملے گی-

(ب) آیت (۶۰) ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ﴾ میں "رؤیا" سے مقصود یہی واقعہ ہے- چنانچہ عبداللہ ابن عباس، سعید بن جبیر، حسن، مسروق، قتادہ، مجاہد، عکرمہ، ابن جریج وغیرہم سے ایسا ہی مروی ہے اور حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس پر محققین تفسیر کا اجماع ہو چکا ہے- پس جن مفسروں نے یہاں رؤیا سے مراد کوئی دوسری رویاء لی ہے، مثلاً فتح مکہ کی رؤیا' وہ قابل اعتناء نہیں- کیونکہ سورت بالاتفاق مکی ہے' اور وہ معاملہ ایک عرصہ کے بعد مدینہ میں پیش آیا تھا، اور تطبیق کے لیے طرح طرح کے تکلفات کرنا قرآن کو چیستان بنا دینا ہے- ان مفسروں نے یہ تکلفات اس لیے کیے کہ رؤیا کا اطلاق خواب پر ہوتا ہے، اور اگر اس رؤیا سے مقصود واقعہ اسریٰ ہو تو پھر ان صحابہ کا قول تسلیم کر لینا پڑے گا جو اس کے بیداری میں ہونے کے قائل نہیں- لیکن تعجب ہے کہ ان لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر پر نظر نہ ڈالی- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں ہیں جو معراج کو عالم بیداری کا معاملہ سمجھتے تھے اور اس مذہب کے سب سے بڑے پیشرو تھے- بایں ہمہ انہوں نے بھی اس آیت میں "رؤیا" کی یہی تفسیر کی ہے کہ واقعہ اسریٰ مراد ہے- رؤیا عین اریھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم (بخاری) ایک آنکھوں سے دیکھی ہوئی رؤیا جو لیلۃ الاسری میں آنحضرت ﷺ کو دکھائی گئی تھی- اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اس آیت کی اس تفسیر میں کوئی دقت پیش نہ آئی جو اس مذہب کے سب سے بڑے قائل تھے تو پھر اور لوگوں کو کیوں دور از کار توجیہوں کی ضرورت پیش آئے؟

اور یہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "رؤیا عین اریھا" تو اس نے سارا مسئلہ حل کر دیا اور وہ حقیقت آشکارا ہو گئی جس کی طرف ابھی ابھی ہم اشارہ کر چکے ہیں- یعنی یہ جو کچھ پیش آیا، تھا تو رؤیا، لیکن کیسی رؤیا؟ ویسی ہی رؤیا جیسی عالم خواب میں ہم دیکھا کرتے ہیں؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ''رویا عین'' ایسی رویا جس میں آنکھیں غافل نہیں ہوتیں- بیدار ہوتی ہیں- جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ ایسا ہوتا ہے جیسے آنکھوں سے دیکھا جارہا ہو- ﴿ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ ﴾ (۵۳:۱۸)

اعراض اور مایوسی دونوں میں ہلاکت ہے:

(ج) آیت ﴿ وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ﴾ (۸۳) میں انسان کی اس کمزوری کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب اسے خوش حالی ملتی ہے تو غافل ہو جاتا ہے اور جب رنج وغم پہنچتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے- حالانکہ دونوں حالتوں میں اس کے لیے نامرادی ہے- سعادت کی راہ یہ ہے کہ خوش حالی میں غافل نہ ہو، کیونکہ غفلت کا نتیجہ محرومی ہے- بدحالی میں مایوس ہو کر بیٹھ نہ رہے- کیونکہ مایوسی کا نتیجہ ہلاکت ہے-

غور کرو، طبیعت انسانی کی کیسی سچی تصویر ہے؟ انسان جب اپنی کوششوں میں کامیاب ہوتا ہے تو خوش حالی کا گھمنڈ اسے غافل و سرشار کر دیتا ہے- وہ سمجھنے لگتا ہے اب میرے لیے کوئی کھٹکا نہیں رہا- حالانکہ نہیں جانتا کتنا ہی خوش حال ہو جائے، اگر غفلت میں پڑ گیا ہے تو اس کے لیے کھٹکا ہی کھٹکا ہے- اس کی خوش حالیاں کبھی پائدار نہیں ہو سکتیں- پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ اس کی کوششیں کامیاب نہیں ہوتیں تو بجائے اس کے کہ اپنی طلب وسعی میں اور زیادہ سرگرم ہو جائے یک قلم مایوس ہو جاتا ہے اور سمجھنے لگتا ہے اب میرے لیے کچھ نہیں رہا- حالانکہ نہیں جانتا کہ اس کے لیے سب کچھ ہے بشرطیکہ ہمت نہ ہارے اور اللہ کے فضل وکرم سے مایوس نہ ہو-

کتنے ہی انسان ہیں جنہوں نے خوش حالیاں پائیں لیکن ان کی خوش حالیاں بدحالیوں سے بدل گئیں کیونکہ غفلت میں پڑ گئے اور خوشحالی کی قدر نہ کی- کتنے ہی ناکام انسان ہیں جو اچانک کامیاب ہو گئے کیونکہ ناکامیاں انہیں مایوس نہ کر سکیں اور کسی حال میں بھی وہ خدا کے فضل سے ناامید نہ ہوئے!

فی الحقیقت انسانی سعی وطلب کی ساری نامرادیاں انہی دو دروازوں سے آتی ہیں- غفلت اور مایوسی- کامرانیوں اور خوش حالیوں کے متوالے غفلت کے زہر سے مرتے ہیں اور ناکامیوں اور بدحالیوں کے نامراد مایوسی کے زہر سے- جس فرد اور گروہ نے ان دو ہلاکتوں سے اپنی نگرانی کر لی اس نے فلاح وسعادت کی ساری دولتیں پالیں- اس کی کامرانیوں کے لیے کبھی زوال نہ ہوگا- اس کی سعی وطلب ضرور بارآور ہو کر رہے گی!

مادیات کی طرح روحانیات میں بھی یہی قانون کام کر رہا ہے- دنیا کی طرح آخرت کی محرومیاں بھی انہی دو مہلک راہوں سے آتی ہیں- عابدوں اور پارساؤں کے لیے گھمنڈ میں موت ہے اور گناہگاروں کے لیے مایوسی میں- جو نیک و پارسا ہو کر غرور میں مبتلا ہو گیا، اس نے اپنی پارسائی کی ساری کمائی ضائع کر دی- جو گناہوں کے بوجھ سے دب کر مایوسی میں پڑ گیا اس نے رحمت الٰہی کی چارہ سازیوں سے اپنے کو محروم کر دیا- جس فرد نے ان دو ہلاکتوں سے اپنی نگہداشت کر لی، پارسائی کی کمائی پر مغرور نہ ہوا نافرمانی وگناہ کی حالت میں مایوس نہ ہوا اس نے جاودانی سعادت پالی اور اس کے لیے نامرادی کا کوئی کھٹکا باقی نہ رہا!

تفسیر ﴿ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ﴾:

(د) عربی میں ''شِکل'' بکسر کے معنی ہیئت کے ہیں اور ''شَکل'' بالفتح کے معنی طریقہ کے- چنانچہ ایسے راستے کو جس سے بہت سی راہیں ادھر ادھر نکلی ہوں طریق ذو شواکل کہتے ہیں، اور بول چال میں عام طور پر کہا جاتا ہے: لست علی شکلی ولا علی شاکلتی- پس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیت ﴿ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝ ﴾ (۸۴) کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا میں ہر انسان کا کوئی نہ کوئی طریقہ ہے اور وہ اسی کے مطابق کام کر رہا ہے۔ کوئی اس طرف جا رہا ہے کوئی اس طرف۔ کسی نے ایک ڈھنگ اختیار کیا ہے کسی نے دوسرا۔ کسی کو ایک طرح کی بات بھاتی ہے کسی کو دوسری طرح کی۔ اور اللہ جانتا ہے، کون سیدھی راہ پر ہے۔ کون کامیاب ہونے والا ہے۔

بعض مفسرین نے ''شاکلہ'' کو ''جبلت'' کے معنوں میں لیا ہے۔ یعنی ہر آدمی کی ایک فطری بناوٹ ہے اور وہ اسی کے مطابق کام کرتا ہے۔ لیکن مندرجہ صدر تصریح سے واضح ہو گیا کہ ''شاکلہ'' کے معنی جبلت کے نہیں ہو سکتے۔ طریقہ اور مسلک کے ہیں۔

﴿ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ﴾:

(ہ) ترمذی، نسائی اور مسند میں ہے کہ قریش مکہ نے علمائے یہود سے سن کر یہ سوال کیا تھا کہ روح کیا ہے؟ اس پر یہ آیت اتری: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ﴾ (۸۵) تورات اور انجیل میں ''روح'' کا لفظ فرشتہ کے لیے بولا گیا ہے اور قرآن نے فرشتہ اور وحی دونوں کے لیے استعمال کیا ہے۔ پس یہاں ''الروح'' سے مقصود جسم انسانی کی روح ہے یا فرشتہ؟ اس بارے میں ائمہ تفسیر کی رائیں مختلف ہوئیں۔ لیکن اکثر مفسر اس طرف گئے ہیں کہ یہاں ''الروح'' سے مقصود جسم انسانی کی روح ہے نہ کہ فرشتہ۔ بہر حال سوال دونوں کی نسبت ہو سکتا ہے اور جواب بھی دونوں کے لیے مطابقت رکھتا ہے، اور آیت کی اصلی موعظت سوال کی تفصیل میں نہیں ہے، جواب کی نوعیت میں ہے۔ فرمایا ﴿ من امر ربی ﴾ اس معاملہ کے لیے جو کچھ بھی تمہیں بتلایا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کا حکم کام کر رہا ہے۔ اس سے زیادہ تم پا نہیں سکتے اور اس سے زیادہ پانے کی کاوش کیوں کرو؟ ﴿ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ تمہارا دائرۂ علم نہایت محدود ہے۔ تم اپنے علم و ادراک میں ایک خاص حد سے آگے بڑھ نہیں سکتے۔ تم علم میں سے جو کچھ پا سکتے ہو وہ اصل حقیقت کے مقابلہ میں بہت ہی تھوڑا ہے۔ وہ اس سمندر میں چند قطروں سے زیادہ نہیں اور تمہیں اسی پر قناعت کرنا ہے!

انسان کے علم و ادراک کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کہ اسے حواس دیے گئے ہیں۔ انہی کے ذریعہ سے وہ محسوسات کا ادراک حاصل کرتا ہے۔ لیکن خود محسوسات کے دائرہ کا کیا حال ہے؟ یہ کہ کائنات ہستی کے سمندر میں ایک قطرہ سے زیادہ نہیں پھر اگر انسان تمام عالم محسوسات کا علم حاصل بھی کر لے تو اس کی مقدار حقیقت کے مقابلہ میں کیا ہو گی؟ ایک قطرہ کا علم، اس سے زیادہ نہیں۔ اور حالت یہ ہے کہ انسان محسوسات کے بھی کامل علم کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ وہ ہمیشہ اسی ایک قطرہ کے لیے پیاسا رہا اور آج تک پیاسا ہے!

اس پہلو پر بھی نظر رہے کہ فرمایا ﴿ من امر ربی ﴾ میرے پروردگار کے حکم سے۔ یعنی وہ پروردگار ہے اور پروردگاری یہی چاہتی تھی کہ یہ جوہر پیدا ہو۔

(و) آیت (۸۹) سے (۹۶) تک جو بات بیان کی گئی ہے وہ اگرچہ پچھلی سورتوں میں بھی گزر چکی ہے اور آئندہ بھی آئے گی لیکن یہاں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور مہمات معارف میں سے ہے۔

انہوں کی فرمائش اور قرآن کا جواب:

قرآن نے جا بجا منکرین حق کے عقائد و اقوال نقل کر کے دو خاص گمراہیوں پر توجہ دلائی ہے۔

ایک یہ کہ لوگ سمجھتے ہیں روحانی ہدایت کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جو محض ایک انسان کے ذریعہ سے ظاہر نہیں ہو سکتا۔ ضروری ہے کہ انسانیت سے کوئی بالاتر ہستی ہو۔ اسی خیال نے دیوتاؤں کے ظہور اور ان کی عجائب آفرینیوں کا اعتقاد پیدا کیا۔ چنانچہ سورۂ اعراف اور ہود میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گزر چکا ہے کہ ہر داعی حق کے منکروں نے یہ بات ضرور کہی- ﴿ مانراك الابشر امثلنا ﴾ تم تو ہماری ہی طرح کے ایک بشر ہو- پھر تمہارا یہ دعویٰ کیسے مان لیں- مشرکین مکہ بھی یہی کہتے تھے ﴿ مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْاَسْوَاقِ ﴾ یہ کیسا خدا کا فرستادہ ہے کہ ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے-

دوسری یہ کہ سچائی کو خود سچائی میں نہیں ڈھونڈتے - اچنبھوں اور کرشموں کی ڈھونڈ میں رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں جو آدمی سب سے زیادہ عجیب قسم کی باتیں کر دکھائے وہی سب سے زیادہ سچائی کی بات بتلانے والا ہے! گویا سچائی اس لیے سچائی نہ ہوئی کہ وہ سچائی ہے- بلکہ اس لیے کہ عجیب عجیب طرح کے کرشمے اس کے پیچھے کھڑے ہیں:

چنانچہ یہاں بھی فرمایا- ﴿ وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا وَ مَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴾ ہم نے قرآن میں عبرت وموعظت کی تمام باتیں دہرا دہرا کر بیان کر دیں، مگر یہ باتیں انہی کے دلوں کو پکڑ سکتی ہیں جن میں سچائی کی طلب ہے- ورنہ اکثروں کا یہ حال ہے کہ انکار و سرکشی میں بڑھے ہی چلے جاتے ہیں- پھر ان کی انکار و سرکشی کی باتیں نقل کی ہیں- فرمایا وہ کہتے ہیں ہم تو جبھی مانیں گے جب تم ہمیں اس اس طرح کی باتیں کر دکھاؤ- مثلاً مکہ کی ریگستانی زمین میں اچانک ایک نہر پھوٹ نکلے- آسمان کے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں- اللہ اور اس کے فرشتے ہمارے سامنے آ جائیں- سونے کا ایک بنا بنایا محل نمودار ہو جائے- تم ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ دوڑو اور وہاں سے ایک لکھی لکھائی کتاب لا کر ہمارے ہاتھوں میں پکڑاؤ- پھر پیغمبر اسلام ﷺ کو حکم دیا ہے کہ ان فرمائشوں کے جواب میں کہہ دو: ﴿ سبحان ربی هل كنت الا بشرا رسولا ﴾ میرے پروردگار کے لیے پاکی ہو! میری حیثیت اس کے سوا کیا ہے کہ ایک آدمی ہوں خدا کا بھیجا ہوا-

دعویٰ اور دلیل کی مطابقت:

سبحان اللہ قرآن کی معجزانہ بلاغت کہ اس جملہ کے اندر وہ سارے دفتر آ گئے جو انکار و سرکشی کی ان صداؤں کے جواب میں کہے جا سکتے تھے- ﴿ هل كنت الا بشرا رسولا ﴾ میں نے کچھ خدائی کا دعویٰ نہیں کیا ہے- میں نے یہ نہیں کہا ہے کہ آسمان کو زمین اور زمین کو آسمان بنا دینے والا ہوں اور دنیا کی ساری قوتیں میرے تصرف واختیار میں ہیں- میرا دعویٰ جو کچھ ہے وہ تو یہ ہے کہ ایک آدمی ہوں پیام حق پہنچانے والا- پھر تم مجھ سے یہ فرمائشیں کیوں کرتے ہو؟ کیوں میرے لیے ضروری ہو کہ میں سونے کا محل دکھاؤں اور آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھ جاؤں؟

اس پہلو پر غور کرو جس پر جواب کا اصلی زور پڑ رہا ہے-

اگر ایک شخص نے کسی بات کا دعویٰ کیا ہے، تو ہم دیکھیں گے اس کا دعویٰ کیا ہے اور اسی کے مطابق اس سے دلیل مانگیں گے- اگر اس شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ لوہار ہے- تو ہم دیکھیں گے کہ وہ لوہے کا سامان بنا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ایک شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ طبیب ہے، تو ہم دیکھیں گے کہ علاج میں ماہر ہے یا نہیں اور بیماروں کو اس سے شفا ملتی ہے یا نہیں- ایسا نہیں کریں گے کہ کسی نے دعویٰ تو کیا ہو طبابت کا اور ہم اس سے دلیل وہ مانگنے لگیں جو ایک لوہار سے مانگنی چاہیے- یعنی کہیں، ہمیں لوہے کے شہتیر بنا کر دکھا دو- اگر ایسا کریں گے تو یہ صریح بے عقلی کی بات ہوگی- یہ بات یعنی دعویٰ اور دلیل کی مطابقت، ایک ایسی عام اور قدرتی بات ہے کہ ہر آدمی خواہ کتنی ہی موٹی عقل کا ہو، خود بخود اسے پا لیتا ہے- جونہی ایک آدمی کہے گا میں لوہار ہوں، وہ سنتے ہی فرمائش کرے گا کہ قفل بنا دو- کبھی اس کی زبان سے یہ نہیں نکلے گا کہ شیشے کا برتن بنا دو-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اچھا، ایک انسان آتا ہے اور کہتا ہے میں رسول ہوں- پیام حق پہنچانے والا ہوں- اب اس کا دعویٰ کیا ہوا؟ یہ کہ خدا نے اس پر سچائی کی راہ کھول دی ہے اور وہ دوسروں کو بھی اسی راہ چلانا چاہتا ہے- جب دعویٰ یہ ہوا تو اسی کے مطابق دلیل بھی ہونی چاہیے- قدرتی طور پر اس کی دلیل یہی ہوسکتی ہے کہ دیکھا جائے وہ سچائی کی راہ پر ہے یا نہیں، اور اس کی بتلائی ہوئی راہ پر چل کر سچائی ملتی ہے یا نہیں- یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ دعویٰ تو اس نے سچائی کی راہ دکھانے کا کیا ہو اور ہم دلیل یہ مانگنے لگیں کہ پہاڑ کو سونا بنا دے یا آسمان پر اڑ کر چلا جائے؟

طبیب کہتا ہے میں بیماروں کو چنگا کر دیتا ہوں اور ہم دیکھتے ہیں اس کے علاج سے بیمار چنگے ہوئے یا نہیں- اسی طرح خدا کا رسول کہتا ہے میں روح و دل کی بیماریاں دور کر دیتا ہوں اور اگر ہم طالب حق ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہیے اس کے علاج سے روح و دل کے بیماروں کو شفا ملتی ہے یا نہیں؟ اگر ہم طبیب سے کہیں تیرا دعویٰ ہم جبھی مانیں گے جب تو آسمان پر اڑ کر چلا جائے تو یقیناً وہ کہے گا' میں نے طبابت کا دعویٰ کیا ہے، آسمان پر اڑنے کا نہیں کیا ہے- ہوسکتا ہے کہ خدا مجھے اڑنے کی بھی طاقت دے دے لیکن طبابت کے دعوے کا اڑنے سے کیا واسطہ؟ اگر میرا دعویٰ پرکھنا چاہتے ہو تو آؤ تمہارا علاج کر کے اپنی طبابت کا ثبوت دے دوں-

ٹھیک یہی معنی اس جواب کے ہیں کہ ﴿ هل كنت الا بشرا رسولا ﴾ میں نے یہ کب کہا ہے کہ میں آسمان و زمین کے قلابے ملا دوں گا؟ میرا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ پیام حق پہنچانے والا ہوں- پس اگر طالب حق ہو تو میرا پیام پرکھ لو- میرے پاس نسخہ شفا ہے کہ نہیں؟ میں صراط مستقیم پر چلا دے سکتا ہوں کہ نہیں؟ میں سرتاسر ہدایت اور رحمت ہوں کہ نہیں!

پھر اس جواب میں صرف یہی نہیں کہا کہ میں رسول ہوں بلکہ "بشرا" کے لفظ پر بھی زور دیا، کیونکہ جو بات منکروں کے دماغ میں کام کر رہی تھی وہ یہی تھی کہ ایک آدمی جس میں کوئی مافوق انسانیت کرشمہ نہیں پایا جاتا، خدا کا فرستادہ کیسے ہوسکتا ہے اور کیوں ہم اس پر ایمان لائیں؟ فرمایا میں تو اس کے سوا کچھ نہیں ہوں کہ ایک آدمی ہوں، پیام حق پہنچانے والا آدمی- میں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ فرشتہ ہوں یا کوئی ماورائے انسانیت مخلوق-

اس کے بعد فرمایا: ﴿ وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا جب کبھی دنیا میں خدا کی ہدایت نمودار ہوئی' تو ہمیشہ اسی خیال فاسد نے لوگوں کو قبولیت حق سے روکا کہ کہنے لگے" کیا خدا نے ایک آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا ہے؟" یعنی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہماری ہی طرح کا ایک کھانے پینے والا آدمی خدا کا پیغمبر ہو جائے- پھر اس کا جواب دیا ہے کہ ﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴾ اگر زمین میں انسانوں کی جگہ فرشتے بسے ہوتے تو ان کی ہدایت کے لیے فرشتے ہی اترتے، لیکن یہاں تو انسان بستے ہیں اور انسانوں ہی کی ہدایت مقصود ہے، پس ان کی ہدایت کی صدائیں انسانوں ہی کی زبان سے نکلیں گی- فرشتے نہیں اتر سکتے اور نہ کبھی فرشتے اترے ہیں-

یہ بھی واضح رہے کہ منکروں کی یہ فرمائشیں حجت و برہان کے طلب میں نہ تھیں بلکہ محض سرکشی اور ہٹ دھرمی کی باتیں تھیں جو اس لیے کہی جاتی تھیں کہ کوئی نہ کوئی بات کہہ کر اپنے انکار کے لیے سہارا پیدا کیا جائے- اور ہمیشہ راست بازوں کے مقابلہ میں نہ ماننے والوں کا ایسا ہی طرز عمل رہا ہے- جب کبھی سچائی کی کوئی بات کہی جاتی ہے تو طلب حق رکھنے والی طبیعتیں اور کسی طرف نہیں جاتیں- خود اسی بات پر غور کرتی ہیں اور جب سچائی پا لیتی ہیں تو فوراً قبول کر لیتی ہیں- لیکن ایک سرکش اور ہٹ دھرم آدمی کبھی ایسا نہیں کرتا- وہ پہلے سے طے کر لیتا ہے کہ کبھی ماننے والا نہیں- پھر کوشش کرتا ہے کہ اپنے نہ ماننے کے لیے کوئی بات بنا لے- وہ طرح طرح کی باتیں ادھر ادھر کی نکالے گا- کبھی ایک بات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہے گا، کبھی دوسری- پہلے کسی ایک بات پر زور دے گا کہ اس کا جواب کیا ہے؟ جب اس کا جواب مل جائے گا تو کوئی دوسری بات ڈھونڈ نکالے گا اور کہے گا، اس کا جواب تمہارے پاس کوئی نہیں- یہاں تک کہ اگر تم اس کی ساری کٹ حجتیوں کا جواب دے دو اور ساری شرطیں اور فرمائشیں پوری کر دو جب بھی وہ کوئی نہ کوئی اور بات ڈھونڈ نکالے گا اور راست بازی کی راہ کبھی نہیں چلے گا- چنانچہ قرآن نے جا بجا منکروں کی اس حالت کا ذکر کیا ہے- اور واضح کیا ہے کہ وہ کبھی ماننے والے نہیں- اگر ماننے والے ہوتے تو اس طرح کی روش کبھی اختیار نہ کرتے- سورۂ انعام کی آیت (۱۱۱) میں گزر چکا ہے: ﴿ وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴾

ان آیات میں ان کے جو اقوال نقل کیے ہیں' ان پر غور کرو- پہلے کہا' نہر بہا دو' باغ اگا دو' سونے کا محل لا دکھاؤ' خود اللہ اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو- پھر کہا آسمان پر چڑھ جاؤ- لیکن کیا آسمان پر چڑھ جانا کافی ہوگا؟ نہیں، اس پر بھی وہ ماننے والے نہیں- یہ بھی ہونا چاہیے کہ وہاں سے ایک لکھی لکھائی کتاب اپنی بغل میں دابے ہوئے واپس آؤ، اور پھر وہ لکھی ہوئی بھی ایسی ہو کہ وہ خود اسے پڑھ کر جانچ سکیں- تب کہیں جا کر ان کی شرط پوری ہوگی- ظاہر ہے کہ کسی راست باز آدمی کی زبان سے ایسی باتیں نہیں نکل سکتیں- اس کے معنی صریح یہی تھے کہ وہ کبھی ماننے والے نہیں-

برہان رحمت اور حیات اخروی:

(ز) آیت (۱۰۰) میں حیات اخروی پر رحمت الٰہی کی وسعت سے استدلال کیا ہے- اس کی حقیقت سمجھ لینی چاہیے-

انسان کی زندگی کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے اللہ کی رحمت کا فیضان ہے- یہ رحمت جو چاہتی تھی کہ وجود ہو' بناؤ ہو' حسن ہو' کمال ہو' اور اس لیے سب کچھ ظہور میں آ گیا-

اچھا، اگر رحمت الٰہی کا یہ مقتضا ہوا کہ انسان کو زندگی ملی تو کیا اسی رحمت کا مقتضا یہ نہیں ہونا چاہیے کہ زندگی صرف اتنی ہی نہ ہو، اس کے بعد بھی ہو اور رحمت کا فیضان برابر جاری رہے؟ اس کی رحمت ابدی ہے- پھر کیا اس کا فیضان دائمی نہ ہوگا؟ اگر دائمی ہونا چاہیے تو کیوں انسانی زندگی اس سے محروم رہ جائے؟ کیوں اس گوشہ میں کہ مخلوقات ارضی کا سب سے بلند گوشہ ہے' وہ ایک بہت ہی محدود اور حقیر حد سے آگے نہ بڑھے؟

انسان کی دنیوی زندگی کی مقدار کیا ہے؟ محض چند گنے ہوئے دنوں کی زندگی- پھر کیا خدا کی رحمت کا فیضان اتنا ہی تھا کہ چار دن کی زندگی پیدا کر دے- اور وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے؟ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں دے سکتی تھی؟

چنانچہ فرمایا- ﴿ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ان منکروں سے کہہ دو اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہوتے تو ضرور تم ہاتھ روک روک کے خرچ کرتے کہ کہیں خرچ نہ ہو جائے- لیکن وہ تمہارے قبضہ میں نہیں ہیں- وہ اس کے قبضہ میں ہیں جس کی بخشش کی کوئی انتہا نہیں، جس کے خزانے کبھی ختم ہونے والے نہیں، جس کا فیضان دائمی اور لگاتار ہے-

اس مقام کے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ تفسیر فاتحہ کے مبحث ''برہان فضل و رحمت'' کا مطالعہ کر لیا جائے- تفسیروں میں یہ چیز نہیں ملے گی-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وحدت مسمّی اور کثرت اسماء:

(ح) آیت (۱۱۰) ﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴾ میں ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اور افسوس ہے کہ لوگوں کی نظر بحث و تفسیر میں اس طرف نہیں گئی۔

دنیا میں انسان کے اکثر اختلافات محض لفظ و صورت کے اختلافات ہیں۔ وہ معنی پر نہیں لڑتا، لفظ پر لڑتا ہے۔ بسا اوقات ایک ہی حقیقت سب کے سامنے ہوتی ہے لیکن چونکہ نام مختلف ہوتے ہیں، صورتیں مختلف ہوتی ہیں اسلوب اور ڈھنگ مختلف ہوتے ہیں اس لیے ہر انسان دوسرے انسان سے لڑنے لگتا ہے اور نہیں جانتا کہ یہ ساری لڑائی لفظ کی لڑائی ہے، معنی کی لڑائی نہیں ہے۔ مولانا روم نے چار دوستوں کی نزاع کا قصہ سنایا ہے جن میں سے ہر شخص انگور کا خواہشمند تھا لیکن چونکہ ایک آدمی ''عنب'' کہتا تھا دوسرا ''تاک'' اس لیے تلواریں نیام سے نکل آئی تھیں۔

اگر دنیا صرف اتنی بات پالے تو نوع انسانی کے دو تہائی اختلافات جنہوں نے دائمی نزاعوں اور جنگوں کی صورت اختیار کر لی ہے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں۔

اس آیت میں اور اس کی ہم معنی آیات میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مشرکین عرب ''اللہ'' کے لفظ سے آشنا تھے کیونکہ یہ لفظ پروردگار عالم کے لیے بطور اسم ذات کے قدیم سے مستعمل رہا ہے لیکن دوسرے ناموں سے آشنا نہ تھے جن کا قرآن نے اس کی صفتوں کے لیے اعلان کیا تھا۔ مثلاً ''الرحمٰن'' رحمٰن کا لفظ بولا جاتا تھا لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ اسے اللہ کے لیے بولنا چاہیے۔ پس جب ایسے اسماء سنتے تو متعجب ہوتے اور طرح طرح کے اعتراضات کرتے۔ قرآن کہتا ہے تم اسے ''اللہ'' کہہ کر پکارو، یا ''الرحمٰن'' کہہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکارو پکارا اسی کے لیے ہے اور ناموں کے تعدد سے حقیقت متعدد نہیں ہو جاسکتی۔ اس کا نام ایک ہی نہیں، اس کے بہت سے نام ہیں لیکن جتنے نام ہیں حسن و خوبی کے نام ہیں۔ کیونکہ وہ سرتا سر حسن و کمال اور کبریائی و جلال ہے۔ تم ان ناموں میں سے کوئی نام بھی لو تمہارا مقصود و مطلوب وہی ہوگا۔

عباراتنا شتّٰی و حسنك واحد و كل الٰی ذاك الجمال يشيرُ!

❋ ❋ ❋

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰیاتُھا: 110 سُوْرَۃُ الْکَھْفِ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھا: 12

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا ① قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْہُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ اَجْرًا حَسَنًا ② مَّاکِثِیْنَ فِیْہِ اَبَدًا ③ وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ④ مَا لَھُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِھِمْ کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا ⑤ فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ⑥ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَۃً لَّھَا لِنَبْلُوَھُمْ اَیُّھُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ⑦

ساری ستائشیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے پر الکتاب اتاری (یعنی قرآن اتارا) اور اس میں کسی طرح کی بھی کجی نہ رکھی۔(۱) بالکل سیدھی بات! (ہر طرح کے پیچ وخم سے پاک!) اور اس لیے اتاری کہ لوگوں کو خبردار کردے اللہ کی جانب سے ایک سخت ہولناکی (ان پر) آسکتی ہے، اور مومنوں کو جو اچھے اچھے کام کرتے ہیں خوش خبری دے دے کہ یقیناً ان کے لیے بڑی ہی خوبی کا اجر ہے۔(۲) ہمیشہ اس میں خوش حال رہیں گے!(۳)

نیز ان لوگوں کو متنبہ کردے جنھوں نے (ایسی سخت بات منہ سے نکالی کہ) کہا، اللہ بھی اولاد رکھتا ہے!(۴) اس بارے میں انہیں کوئی علم نہیں، نہ ان کے باپ دادوں کے پاس کوئی علم تھا۔ کیسی سخت بات ہے جو ان کی زبانوں سے نکلتی ہے! یہ کچھ نہیں کہتے مگر سرتاسر جھوٹ!(۵)

(اے پیغمبر!) تیری حالت تو ایسی ہو رہی ہے کہ جب لوگ یہ (واضح) بات بھی نہ مانیں، تو عجب نہیں ان (کی ہدایت) کے پیچھے مارے افسوس کے اپنی جان ہلاکت میں ڈال دے (حالانکہ یہ ماننے والے نہیں)۔(۶)

روئے زمین میں جو کچھ بھی ہے، اسے ہم نے زمین کی خوشنمائی کا موجب بنایا ہے اور اس لیے بنایا ہے کہ لوگوں کو آزمائش میں ڈالیں، کون ایسا ہے جس کے کام سب سے زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔(۷)

---

(۱) سچائی کے لیے دنیا کی عالمگیر تعبیر یہ ہے کہ وہ سیدھی بات ہے۔ اس میں ٹیڑھ پن نہیں۔ جس بات میں کجی ہو، پیچ وخم ہو، الجھی ہوئی ہو، وہ سچائی کی بات نہیں ہوسکتی۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے سعادت کی راہ کو صراط مستقیم سے تعبیر کیا اور ہر جگہ وہ اپنا وصف یہ بیان کرتا ہے کہ اس میں کوئی بات بھی کجی کی بات نہیں ہے۔ وہ اپنی ہر بات میں دنیا کی زیادہ سے زیادہ سیدھی بات ہے!

چنانچہ اس سورت کی ابتدا میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس کے بعد اس کے نزول کا مقصد واضح کیا کہ ''تبشیر'' اور ''تنذیر'' ہے۔ کیونکہ ہدایت وحی جب بھی ظاہر ہوئی ہے، اسی لیے ظاہر ہوئی ہے کہ ایمان وعمل کے نتائج کی بشارت دے۔ انکار وبدعملی کے نتائج سے متنبہ کردے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝۸ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ
اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝۹ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ
اَمْرِنَا رَشَدًا ۝۱۰ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝۱۱ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ
الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝۱۲ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ ع ۱۲
وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝۱۳ وَّ رَبَطْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ
نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝۱۴ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ لَوْلَا يَاْتُوْنَ

اور پھر ہم ہی ہیں کہ جو کچھ زمین پر ہے اسے (نابود کر کے) چٹیل میدان بنا دیتے ہیں۔(۸)

(اے پیغمبر!) کیا تو خیال کرتا ہے کہ غار اور رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے کوئی عجیب نشانی تھے؟(۹)

جب ایسا ہوا تھا کہ چند جوان غار میں جا بیٹھے تھے اور انہوں نے دعا کی تھی "پروردگار! تیرے حضور سے ہم پر رحمت ہو۔ اور تو ہمارے اس کام کے لیے کامیابی کا سامان مہیا کر دے!"(۱۰) پس غار میں کئی برسوں تک ہم نے ان کے کان (دنیا کی طرف سے) بند کر رکھے۔(۱۱) پھر انہیں اٹھا کھڑا کیا تا کہ واضح ہو جائے دونوں جماعتوں میں سے کون ہے جو گزری ہوئی مدت کا زیادہ بہتر طریقہ پر احاطہ کر سکتا ہے۔(۱۲)

(اے پیغمبر!) ہم ان لوگوں کی خبر ٹھیک ٹھیک تیرے آگے بیان کر دیتے ہیں۔ وہ چند نوجوان تھے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے۔ ہم نے انہیں ہدایت میں زیادہ مضبوط کر دیا(۱۳) اور ان کے دلوں کی (صبر و استقامت میں) بندش کر دی۔ وہ جب (راہ حق میں) کھڑے ہوئے تو انہوں نے (صاف صاف) کہہ دیا "ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے۔ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکارنے والے نہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو یہ بڑی ہی بے جا بات ہوگی"۔(۱۴)

"یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جو اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کو پکڑے بیٹھے ہیں۔ وہ اگر معبود ہیں تو کیوں اس کے لیے

(۲) یہ سورت بھی مکی عہد کی آخری سورتوں میں سے ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ منکروں کی سرکشی انتہائی حد تک پہنچ چکی تھی اور پیغمبر اسلام ﷺ کا قلب مبارک لوگوں کی شقاوت و محرومی کے غم سے بڑا ہی دلگیر ہو رہا تھا ان کے جوش دعوت و اصلاح کا یہ حال تھا کہ چاہتے تھے ہدایت گھونٹ بنا کر پلا دوں، اور منکروں کا یہ حال تھا کہ سیدھی سے سیدھی بات بھی ان کے دلوں کو نہیں پکڑتی تھی۔

انبیاء کرام علیہم السلام ہدایت و اصلاح کے صرف طالب ہی نہیں ہوتے عاشق ہوتے ہیں۔ انسان کی گمراہی ان کے دلوں کا ناسور ہوتی ہے اور انسان کی ہدایت کا جوش ان کے دل کے ایک ایک ریشہ کا عشق۔ اس سے بڑھ کر ان کے لیے کوئی غمگینی نہیں ہو سکتی کہ ایک انسان سچائی سے منہ موڑ لے۔ اس سے بڑھ کر ان کے لیے کوئی شادمانی نہیں ہو سکتی کہ ایک گمراہ قدم راہ راست پر آ جائے!

قرآن میں اس صورت حال کی جا بجا شہادتیں ملتی ہیں۔ یہاں آیت (۶) میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کی یہ گمراہی عجب نہیں تجھے شدت غم سے بے حال کر دے لیکن جو گمراہی میں ڈوب چکے ہیں وہ کبھی اچھلنے والے نہیں۔ پھر اس کے بعد آیت (۷) میں واضح کیا ہے کہ قانون الٰہی اس بارے میں ایسا ہی واقع ہوا ہے۔ یہ دنیا آزمائش گاہ عمل ہے۔ یہاں جو چیز کارآمد نہیں ہوتی چھانٹ دی جاتی ہے۔ پس جن لوگوں نے اپنی ہستی خراب کر دی ہے ضروری ہے کہ وہ چھانٹ دیے جائیں۔ ان کی محرومی پر غم کرنا لاحاصل ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ ﴿۱۵﴾ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ
اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾
وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ
الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ
لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ ع وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ ع ۲ ۵ ۱۴
الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا

کوئی روشن دلیل پیش نہیں کرتے؟ (ان کے پاس تو کوئی دلیل نہیں) پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ کہہ کر بہتان باندھے؟'' (۱۵) (پھر وہ آپس میں کہنے لگے کہ) جب ہم نے ان لوگوں سے اور ان سے جنہیں یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کنارہ کشی کر لی، تو چاہیے کہ غار میں چل کر پناہ لیں- ہمارا پروردگار اپنی رحمت کا سایہ ہم پر پھیلائے گا اور ہمارے اس معاملہ کے لیے (سارے) سروسامان مہیا کر دے گا''- (۱۶)

اور وہ جس غار میں جا کر بیٹھے وہ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ جب سورج نکلے تو تم دیکھو کہ ان کے داہنے جانب سے ہٹا ہوا رہتا ہے اور جب ڈوبے تو بائیں طرف کترا کر نکل جاتا ہے (یعنی کسی حال میں بھی اس کی شعاعیں اندر نہیں پہنچتیں) اور وہ اس کے اندر ایک کشادہ جگہ میں پڑے ہیں- یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے (کہ انہوں نے حق کی خاطر دنیا اور دنیا کے سارے علاقے چھوڑ دیے) جس کسی پر وہ (کامیابی کی) راہ کھول دے تو وہی راہ پر ہے، اور جس پر گم کر دے تو تم کسی کو اس کا کارساز اس کا راہ دکھانے والا نہ پاؤ گے!- (۱۷) اور تم انہیں دیکھو تو خیال کرو یہ جاگ رہے ہیں (یعنی زندہ ہیں) حالانکہ وہ سو رہے ہیں- (یعنی مردہ ہیں) ہم انہیں داہنے بائیں پلٹتے رہتے ہیں (یعنی ان کی کروٹ بدلتی رہتی ہے) اور ان کا کتا چوکھٹ کی جگہ اپنے دونوں بازو پھیلائے بیٹھا ہے- اگر تم انہیں جھانک کر دیکھو تو الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہو-

(۳) آیت (۹) سے اصحاب کہف کی سرگزشت شروع ہوئی- اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی-

فرمایا یہ چند نوجوان تھے جنہوں نے اللہ کی رحمت پر بھروسہ کیا تھا اور ایک پہاڑ کے غار میں جا چھپے تھے- کسی برسوں تک یہ اس میں پوشیدہ رہے، آبادی سے ان کا کوئی علاقہ نہیں رہا- زندگی کی کوئی صدا ان کے کانوں تک نہیں پہنچتی تھی- پھر وہ اٹھائے گئے- یعنی ظاہر ہوئے اور یہ سارا معاملہ اس لیے ہوا کہ واضح ہو جائے دونوں جماعتوں میں سے کون سی جماعت ایسی تھی جو وقت کے واقعات اور ان کے نتائج کا بہتر اندازہ کر سکتی تھی-

دو جماعتوں سے مقصود اصحاب کہف اور ان کی قوم و ملک کے لوگ ہیں-

یہ گویا اس تمام معاملہ کا ماحصل ہے- اس کے بعد اس کی ضروری تفصیلات آتی ہیں- چنانچہ آیت (۱۳) میں فرمایا ﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ﴾

(۱) ایک گمراہ اور ظالم قوم سے چند حق پرست نوجوانوں کا کنارہ کشی کر لینا اور ایک پہاڑ کے غار میں جا کر پوشیدہ ہو جانا- ان کی قوم چاہتی تھی انہیں سنگسار کر دے یا جبراً اپنے دین میں واپس لے آئے- انہوں نے دنیا چھوڑ دی مگر حق سے منہ نہ موڑا-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾ وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ
قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ
هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ ۪ وَلَا يُشْعِرَنَّ
بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَ لَنْ تُفْلِحُوْۤا
اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾ وَ كَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْۤا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ
فِيْهَا ۚۖ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ

نصف القرآن باعتبار عدد الحروف بأن التاء بعد الياء من النصف الاول واللام الثانية من النصف الاخير ۱۲

تم پر (ان کے منظر سے) دہشت چھا جائے! (۱۸)

اور (دیکھو) اسی طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے انہیں پھر اٹھا کھڑا کیا تا کہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا "ہم یہاں کتنی دیر تک رہے ہوں گے؟" سب نے کہا "ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ" پھر (جب ٹھیک ٹھیک مدت معلوم نہ کر سکے تو) بولے "ہمارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کتنی دیر تک یہاں پڑے رہے ہیں۔ اچھا ایک آدمی کو یہ سکہ[1] دے کر شہر میں بھیجو۔ جا کر دیکھے کس کے یہاں اچھا کھانا ملتا ہے اور جہاں کہیں سے ملے تھوڑی بہت غذا لے آئے۔ (۱۹) اور وہاں چپکے سے لائے، کسی کو ہماری خبر نہ ہونے پائے۔ اگر لوگوں نے خبر پالی تو وہ چھوڑنے والے نہیں۔ یا تو سنگسار کریں گے یا مجبور کریں گے کہ پھر ان کے دین میں واپس چلے جائیں اگر ایسا ہوا تو پھر کبھی تم فلاح نہ پا سکو گے"۔ (۲۰)

اور (پھر دیکھو) اسی طرح یہ بات بھی ہوئی کہ ہم نے لوگوں کو ان کے حال سے واقف کر دیا۔ (ان کی بات پوشیدہ نہ رہ سکی) اور اس لیے واقف کر دیا کہ لوگ جان لیں اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں! اسی وقت کی بات ہے کہ لوگ آپس میں بحث کرنے لگے ان لوگوں کے معاملہ میں کیا کیا جائے لوگوں نے کہا "اس غار پر ایک عمارت بنا دو (کہ یادگار رہے اس سے زیادہ اس معاملہ کے پیچھے نہ پڑو) ان پر جو کچھ گزری ان کا پروردگار ہی اسے بہتر جانتا ہے" تب ان لوگوں نے کہ معاملات

(ب) وہ جب غار میں اٹھے تو اس کا اندازہ نہ کر سکے کہ کتنے عرصہ تک یہاں رہے ہیں۔ انہوں نے اپنا ایک آدمی شہر میں کھانا لانے کے لیے بھیجا' اور کوشش کی کہ کسی کو خبر نہ ہو لیکن حکمت الٰہی کا فیصلہ دوسرا تھا۔ خبر ہو گئی اور یہ معاملہ لوگوں کے لیے تذکیر و عبرت کا موجب ہوا۔

(ج) جس قوم کے ظلم سے عاجز ہو کر انہوں نے غار میں پناہ لی تھی وہی ان کی اس درجہ معتقد ہوئی کہ ان کے مرقد پر ایک ہیکل تعمیر کیا گیا۔

(د) اس واقعہ کی تفصیلات لوگوں کو معلوم نہیں۔ طرح طرح کی باتیں مشہور ہو گئی ہیں۔ بعض کہتے ہیں وہ تین آدمی تھے۔ بعض کہتے

---

[1] قرآن میں "ورق" کا لفظ ہے۔ "ورق" چاندی کے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ خواہ مسکوک ہو خواہ مسکوک نہ ہو۔ لیکن قرینہ کہہ رہا ہے کہ مقصود سکہ تھا، اس لیے ہم نے ترجمہ میں یہی لفظ اختیار کیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ
خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا
يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۣ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَاْيْءٍ ع ۱۵
اِنِّىْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ
مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ

پر غالب آ گئے تھے' کہا ''ٹھیک ہے- ہم ضرور ان کے مرقد پر ایک عبادت گاہ بنائیں گے''- (۲۱)

کچھ لوگ کہیں گے غار والے تین آدمی تھے، چوتھا ان کا کتا تھا- کچھ لوگ ایسا بھی کہتے ہیں: نہیں پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا- یہ سب اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں- بعض کہتے ہیں سات تھے، آٹھواں ان کا کتا- (اے پیغمبر!) کہہ دے ''ان کی اصل گنتی تو میرا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ ان کا حال بہت کم لوگوں کے علم میں آیا ہے'' (اور جب صورت حال یہ ہے) تو لوگوں سے اس بارے میں بحث ونزاع نہ کر- مگر صرف اس حد تک کہ صاف صاف بات میں ہو- (یعنی باریکیوں میں نہیں پڑنا چاہیے کہ کتنے آدمی تھے کتنے دنوں تک رہے تھے) اور نہ ان لوگوں میں سے کسی سے اس بارے میں کچھ دریافت کر- (۲۲) اور کوئی بات ہو مگر کبھی ایسا نہ کہو ''میں کل اسے ضرور کر کے رہوں گا'' الا یہ کہ سمجھ لو ہو گا وہی جو اللہ چاہے گا (۲۳) اور جب کبھی بھول جاؤ تو اپنے پروردگار کی یاد تازہ کر لو- تم کہو ''امید ہے میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ کامیابی کی راہ مجھ پر کھول دے گا''- (۲۴) اور (کہتے ہیں) وہ غار میں تین سو برس تک رہے، اور لوگوں نے نو برس اور بڑھا دیے ہیں- (۲۵) (اے پیغمبر!) تو کہہ دے اللہ ہی بہتر جانتا ہے وہ کتنی مدت تک رہے

ہیں پانچ تھے- بعض کہتے ہیں سات تھے- مگر یہ سب اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں- حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے اور غور کرنے کی بات یہ نہیں ہے کہ ان کی تعداد کتنی تھی؟ دیکھنا چاہیے کہ ان کی حق پرستی کا کیا حال تھا؟

آیت (۲۲) میں فرمایا جو کھلی ہوئی اور پکی بات ہے وہ تذکیر وعبرت کے لیے کفایت کرتی ہے- اس سے زیادہ کاوش میں نہ پڑو اور نہ بحث ونزاع کرو اور نہ کبھی کسی ایسی بات کے لیے جس کا علم اللہ ہی کو ہے زور دے کر کہو کہ میں ضرور ایسا کر کے رہوں گا- یہ اللہ کے ہاتھ ہے کہ جتنی باتیں چاہے وحی کے ذریعہ سے بتلا دے- غیبی امور میں انسان کی کاوشیں کچھ کام نہیں دے سکتیں-

(ہ) آیت (۲۳) میں اس طرف اشارہ ہے کہ عنقریب ایسا ہی معاملہ تمہیں بھی پیش آنے والا ہے یعنی اپنی قوم سے راہ حق میں کنارہ کشی کرو گے اور غار ثور میں کئی دن تک مقیم رہو گے- پھر تم پر فتح وکامرانی کی ایسی راہ کھولی جائے گی جو اس معاملہ سے بھی کہیں عظیم تر ہو گی-

(۴) آیت (۲۷) میں فرمایا اللہ کی کتاب کی تلاوت میں مشغول رہو- کلمات وحی نے جن باتوں کا اعلان کیا ہے انہیں کوئی بدل نہیں سکتا- اور انقلاب حال کا وقت اب دور نہیں ہے-

جو ماننے والے نہیں ان کی فکر نہ کرو' جو ایمان لائے ہیں اور شب وروز اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں وہی تمہارے لیے بہت ہیں- انہی میں جی لگاؤ یہی دعوت حق کے چند بیج ہیں جو عنقریب ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر لیں گے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَ اَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا يُشْرِكُ فِيْ
حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ وَ اتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ
مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا
تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ
هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّاۤ
اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَ اِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي
الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا
نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا

وہ آسمان وزمین کی ساری پوشیدہ باتیں جاننے والا ہے- بڑا ہی دیکھنے والا! بڑا ہی سننے والا! اس کے سوا لوگوں کا کوئی کارساز نہیں، اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے! (۲۶)

اور (اے پیغمبر!) تیرے پروردگار کی کتاب جو تجھ پر وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت میں لگا رہ- اللہ کی باتیں کوئی بدل نہیں سکتا اور تجھے اس کے سوا کوئی پناہ کا سہارا ملنے والا نہیں! (۲۷)

اور جو لوگ صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں اور اس کی محبت میں سرشار ہیں تو انہی کی صحبت پر اپنے جی کو قانع کر لو- ان کی طرف سے کبھی تمہاری نگاہ نہ پھرے کہ دنیوی زندگی کی رونقیں ڈھونڈنے لگو- جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا (یعنی ہمارے ٹھہرائے ہوئے قانون نتائج کے مطابق جس کا دل غافل ہو گیا) اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑ گیا تو ایسے آدمی کی باتوں پر کان نہ دھرو- اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے- (۲۸)

اور کہہ دو "یہ سچائی تمہارے پروردگار کی جانب سے ہے- اب جو چاہے مانے' جو چاہے نہ مانے" ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی چادریں چاروں طرف سے انہیں گھیر لیں گی- وہ (پانی کے لیے) فریاد کریں گے تو ان کی فریاد کے جواب میں ایسا پانی ملے گا جیسے پگھلا ہوا سیسہ ہو! وہ ان کے منہ (گرمی سے) پکا دے گا- تو دیکھو پینے کی کیا ہی بری چیز انہیں ملی' اور بیٹھنے کی کیا ہی بری جگہ! (۲۹) مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے تو (ان کے لیے کوئی اندیشہ نہیں) جس نے اچھے کام کیے ہوں ہم کبھی اس کا اجر ضائع نہیں کرتے! (۳۰)

یہ لوگ ہیں جن کے لیے ہمیشگی کے باغ ہوں گے- اور باغوں کے تلے نہریں بہ رہی ہوں گی- یہ (بادشاہوں کی طرح)

آیت (۲۸) میں مزید تشریح کی- فرمایا آخری اعلان کر دو کہ خدا کی سچائی سب کے سامنے آ گئی- اب جس کا جی چاہے مانے' جس کا جی چاہے نہ مانے- جو مانیں گے ان کے لیے ان کا اجر ہوگا- جو نہیں مانیں گے ان کے لیے ان کا عذاب!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ يَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَ حَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾ وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّ حَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّ جَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَ لَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّ فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَ هُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَ دَخَلَ جَنَّتَهٗ وَ هُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّ مَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّ لَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾

سونے کے کنگن پہنے ہوئے سبز ریشم کے باریک اور دبیز کپڑوں سے آراستہ مسندوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے! تو کیا ہی اچھا ان کا ثواب ہوا اور کیا ہی اچھی انہوں نے جگہ پائی! (۳۱)

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو ایک مثال سنا دو- دو آدمی تھے- ان میں سے ایک کے لیے ہم نے انگور کے دو باغ مہیا کر دیے- گرداگرد کھجور کے درختوں کا احاطہ تھا- بیچ کی زمین میں کھیتی تھی- (۳۲) پس ایسا ہوا کہ دونوں باغ پھلوں سے لد گئے- پیداوار میں کسی طرح کی بھی کمی نہ ہوئی ہم نے ان کے درمیان (آب پاشی کے لیے) ایک نہر جاری کر دی تھی- نتیجہ یہ نکلا کہ آدمی دولت مند ہو گیا- (۳۳)

تب ایک دن (گھمنڈ میں آ کر) اپنے دوست سے (جسے یہ خوشحالیاں میسر نہ تھیں) باتیں کرتے کرتے بول اٹھا ''دیکھو میں تم سے زیادہ مالدار ہوں اور میرا جتھا بھی بڑا طاقتور جتھا ہے'' (۳۴)

پھر وہ (یہ باتیں کرتے ہوئے) اپنے باغ میں گیا اور وہ اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر رہا تھا- اس نے کہا میں نہیں سمجھتا کہ ایسا شاداب باغ کبھی ویران ہو سکتا ہے- (۳۵) مجھے توقع نہیں کہ قیامت کی گھڑی برپا ہو- اور اگر ایسا ہوا بھی کہ میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا گیا تو (میرے لیے کیا کھٹکا ہے؟) مجھے ضرور (وہاں بھی) اس سے بہتر ٹھکانا ملے گا'' - (۳۶)

(۵) پہلے فرمایا تھا جس کا جی چاہے مانے، جس کا جی چاہے نہ مانے- جو نہ مانیں گے انہیں اپنی بدعملیوں کا نتیجہ بھگتنا ہے- جو مانیں گے ان کے لیے ان کی نیک عملیوں کا اجر ہے- پھر اخروی عذاب و ثواب کا نقشہ کھینچا تھا کہ منکروں کے لیے آگ کی جلن ہوگی- مومنوں کے لیے ہمیشگی کے باغ- اب یہ حقیقت واضح کی ہے کہ آخرت کی طرح دنیا میں بھی منکرین دعوت کو محرومیاں ملنے والی ہیں- وہ اپنی موجودہ خوشحالیوں پر مغرور نہ ہوں اور نہ مومن اپنی موجودہ بے سروسامانیاں دیکھ کر دل تنگ ہو جائیں- دنیا کی خوشحالیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے- وہ جب مٹنے پر آتی ہیں تو لمحوں میں مٹ جاتی ہیں اور انسان کی کوئی سعی و تدبیر انہیں بچا نہیں سکتی-

چنانچہ اس حقیقت کے لیے ایک مثال بیان کی- فرض کرو دو آدمی تھے- ایک کو سب کچھ میسر تھا- دوسرے کو کچھ میسر نہ تھا- پہلا گھمنڈ میں آ کر دوسرے کو حقیر سمجھتا اور کہتا میں تم سے زیادہ خوش حال ہوں اور میری خوشحالی کبھی بگڑنے والی نہیں- دوسرا اسے سمجھاتا کہ ان خوش حالیوں پر مغرور نہ ہو- کون جانتا ہے پل کے پل میں کیا سے کیا ہو جائے؟ چنانچہ ایک دن کیا ہوا کہ اس کے سارے باغ جن کی شادابیوں پر اسے ناز تھا اچانک اجڑ گئے اور وہ اپنی نامرادیوں پر کف افسوس ملتا رہ گیا!

اس مثال میں خوشحال آدمی سے مقصود روسائے مکہ ہیں اور دوسرے آدمی سے مقصود مومنوں کی جماعت ہے- یہی وجہ ہے کہ خوشحالیوں کے لیے باغوں کا تصور پیدا کیا گیا- عرب میں اس سے بڑھ کر تمول و خوشحالی کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی کہ شام کے تا کستانوں کی طرح باغ ہوں- گرداگرد کھجور کے درختوں کا احاطہ وسط میں قدرتی نہر نہر کے دونوں طرف لہلہاتی ہوئی کھیتیاں-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَ هُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَ لَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَ لَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ يُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَ اُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِيْهَا وَ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ مَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ ع ۴۵

یہ سن کر اس کے دوست نے کہا اور باہم گفتگو کا سلسلہ جاری تھا "کیا تم اس ہستی کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں پہلے مٹی سے اور پھر نطفہ سے پیدا کیا اور پھر آدمی بنا کر نمودار کر دیا؟ (۳۷) لیکن میں تو یقین رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ (۳۸) اور پھر جب تم اپنے باغ میں آئے (اور اس کی شادابیاں دیکھیں) تو کیوں تم نے یہ نہ کہا کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ اس کی مدد کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا؟ اور یہ جو تمہیں دکھائی دے رہا ہے کہ میں تم سے مال اور اولاد کمتر رکھتا ہوں (۳۹) تو (اس پر مغرور نہ ہو) کیا عجب ہے میرا پروردگار تمہارے اس باغ سے بھی بہتر (باغ) مجھے دے دے اور تمہارے باغ پر آسمان سے کوئی ایسی اندازہ کی ہوئی بات اتار دے کہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے۔ (۴۰) یا پھر (بربادی کی کوئی اور ناگہانی صورت نکل آئے۔ مثلاً) اس کی نہر کا پانی بالکل نیچے اتر جائے اور تم کسی طرح بھی اس تک نہ پہنچ سکو"۔ (۴۱)

اور پھر (دیکھو) ایسا ہی ہوا کہ اس کی دولت (بربادی کے) گھیرے میں آ گئی۔ وہ ہاتھ مل مل کر افسوس کرنے لگا کہ ان باغوں کی درستی پر میں نے کیا کچھ خرچ کیا تھا (وہ سب برباد گیا) اور باغوں کا یہ حال ہوا کہ ٹٹیاں گر کے زمین کے برابر ہو گئیں۔ اب وہ کہتا ہے اے کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا! (۴۲) اور دیکھو کوئی جتھا نہ ہوا کہ اللہ کے سوا اس کی مدد کرتا اور نہ خود اس نے یہ طاقت پائی کہ بربادی سے جیت سکتا! (۴۳)

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت سارا اختیار اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہی ہے جو بہتر ثواب دینے والا ہے اور اسی کے ہاتھ بہتر انجام ہے! (۴۴) اور (اے پیغمبر!) انہیں دنیا کی مثال سنا دو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے (زمین کی روئیدگی کا معاملہ) آسمان سے ہم نے پانی برسایا اور زمین کی روئیدگی اس سے مل جل کر ابھر آئی (اور خوب پھلی پھولی)

---

(۶) پھر جو کچھ بھی ہو دنیا کی یہ خوش حالیاں ہیں کیا؟ محض چار گھڑی کی دھوپ! اس سے زیادہ انہیں قرار نہیں۔ اس سے زیادہ انکی کوئی قدر و قیمت نہیں: دنیوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے زمین کی روئیدگی۔ آسمان سے پانی برستا ہے اور طرح طرح کی سبزیوں اور لالیوں سے زمین کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾
اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا
وَّ خَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّ حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ
مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ وَ عُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ بَلْ
زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ

پھر (کیا ہوا؟ یہ کہ) سب کچھ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا- ہوا کے جھونکے اسے اڑا کے منتشر کر رہے ہیں! اور کون سی بات ہے جس کے کرنے پر اللہ قادر نہیں؟ (۴۵)

مال و دولت اور آل اولاد دنیوی زندگی کی دلفریبیاں ہیں (مگر چند روزہ ناپائدار) اور جو نیکیاں باقی رہنے والی ہیں تو وہی تمہارے پروردگار کے نزدیک بہ اعتبار ثواب کے بہتر ہیں اور وہی ہیں جن کے نتائج سے بہتر امید رکھی جا سکتی ہے! (۴۶)

اور (دیکھو وہ آنے والا) دن جب ہم پہاڑوں کو چلا دیں گے اور زمین کو تم دیکھو گے کہ اپنی اصلی حالت میں ابھر آئی ہے اور (اس وقت) ہم تمام انسانوں کو (اپنے حضور) اکٹھا کر دیں گے- کوئی نہ ہو گا جسے چھوڑ دیا ہو- (۴۷)

اور ان کی صفیں (ایک کے بعد ایک) تمہارے پروردگار کے سامنے پیش ہوں گی- (تب ان سے کہا جائے گا) ''جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح تمہیں آج ہمارے سامنے حاضر ہونا پڑا- مگر تم نے خیال کیا تھا ہم نے تمہارے لیے اس کا کوئی وقت نہیں ٹھہرایا ہے!'' (۴۸)

اور (اس وقت) نوشتے لائے جائیں گے- تو تم دیکھو گے جو کچھ ان میں لکھا ہے اس سے مجرم ہراساں ہو رہے ہیں-

---

گوشہ گوشہ بہشت زار ہو جاتا ہے- جس طرف نگاہ اٹھاؤ پھولوں کا حسن و جمال ہے یا دالوں اور پھلوں کا فیضان و نوال! لیکن پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ وہی کھیت جن کا ایک ایک درخت زندگی کا سرمایہ اور بخشش نوال کا کارخانہ تھا اچانک کس عالم میں نظر آنے لگتے ہیں؟ ﴿ هشيما تذروه الرياح ﴾ ''بھوسے کے ذرے جنہیں ہوا کے جھونکے اڑا کے منتشر کر دیتے ہیں!'' نہ کوئی انہیں بچانا چاہتا ہے نہ وہ کسی مصرف کے ہوتے ہیں- بہت کام دیں گے تو چولھے میں جلنے کے لیے ڈال دیئے جائیں گے!

انسان کی دنیوی زندگی اور اس کی جد و جہد کی یہ کیسی جامع مثال ہے؟ جس پہلو سے بھی دیکھو گے اس سے بہتر مثال نہیں ملے گی-

(ا) دنیوی زندگی کی دلفریبیاں جب نکھرتی ہیں تو ٹھیک ٹھیک ان کا ایسا ہی حال ہوتا ہے-

(ب) لیکن عارضی ہوتی ہیں- پائدار نہیں- قدرت نے جو وقت مقرر کر رکھا ہے جونہی وہ پورا ہوا پھر کچھ بھی باقی نہیں رہتا!

(ج) زمین ایک ہے' پانی بھی ایک ہی طرح کا ہے' روئیدگی بھی ایک ہی طرح پر ہوتی ہے' مگر پھل یکساں نہیں- یہی حال دنیوی زندگی کا ہے- زندگی ایک طرح کی ہے مگر ہر زندگی کا پھل یکساں نہیں- فطرت کی بخشش سب کی یکساں طور پر رکھوالی کرتی ہے مگر سب ایک طرح کا پھل نہیں لاتے- کوئی اچھا ہوتا ہے' کوئی ناقص' کوئی بالکل نکما!

(د) عذاب و ثواب اور سعادت و محرومی کا مسئلہ بھی حل ہو گیا- تم زمین میں کاشت کرتے ہو- لیکن کیوں کرتے ہو؟ دانے اور پھل کے لیے، پتوں اور شاخوں کے لیے نہیں- جب فصل پکتی ہے تو دانے لے لیتے ہو، جس میں تمہارے لیے نفع ہے- باقی سب کچھ چھانٹ دیتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا
عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ ع ۶ ۱۸
اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ
لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ
اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ
فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ ع ۷ ۱۹
مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ

وہ بول اٹھیں گے ''افسوس ہم پر! یہ کیسا نوشتہ ہے کہ کوئی بات چھوٹی ہوئی نہیں- بڑی ہو یا چھوٹی' سب کو اس نے ضبط کر لیا ہے!'' غرض کہ جو کچھ انہوں نے (دنیا میں) کیا تھا سب اپنے سامنے موجود پائیں گے اور تمہارا پروردگار کسی پر زیادتی نہیں کرتا (جو جس نے کیا ہے' ٹھیک ٹھیک وہی اس کے آگے آئے گا)-(۴۹)

اور جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا ''آدم کے آگے جھک جاؤ'' اور سب جھک گئے تھے مگر ابلیس نہیں جھکا تھا- وہ جنوں میں سے تھا- پس اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا- پھر کیا تم مجھے چھوڑ کر (کہ تمہارا پروردگار ہوں) اسے اور اس کی نسل کو اپنا کارساز بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں؟ (دیکھو) ظلم کرنے والوں کے لیے کیا ہی بری تبدیلی ہوئی!(۵۰)

میں نے انہیں اپنے ساتھ شریک نہیں کیا تھا جب آسمان و زمین کو پیدا کیا اور نہ اس وقت وہ شریک ہوئے جب خود انہیں پیدا کیا (اور جب وہ خود مخلوق ہیں تو اپنی خلقت کے وقت کیسے موجود ہو سکتے تھے؟) میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو بناتا!(۵۱)

اور (دیکھو) اس دن جب اللہ فرمائے گا ''جن ہستیوں کو تم سمجھتے تھے، میرے ساتھ شریک ہیں اب انہیں بلاؤ'' وہ پکاریں گے مگر کچھ جواب نہیں پائیں گے- ہم نے ان دونوں کے درمیان آڑ کر دی ہے- (ایک دوسرے کی سننے والے نہیں)-(۵۲)

اور مجرم دیکھیں گے آگ بھڑک رہی ہے اور سمجھ جائیں گے اس میں انہیں گرنا ہے- وہ کوئی گریز کی راہ نہ پائیں گے!(۵۳)

اور (دیکھو) ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے لیے ہر طرح کی مثالیں لوٹا لوٹا کر بیان کر دیں مگر انسان بڑا ہی

ہو جس میں نفع نہیں- یہی حال دنیوی زندگی کا بھی ہے- فطرت نے وجود انسانی کی کاشت کی ہے اور اس لیے کی ہے کہ ﴿ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ کون درخت ہے جو اچھے عمل کا پھل لاتا ہے- پس وہ پھل لے لیتی ہے- باقی جو کچھ بچ جاتا ہے چھانٹ دیتی ہے- تم سوکھی شاخوں اور پتوں کو کیا کرتے ہو؟ چولھے میں جلاتے ہو- اس نے بھی ایک چولھا گرم کر رکھا ہے اسی کا نام دوزخ ہے!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا

جھگڑالو واقع ہوا ہے! (۵۴) اور جب لوگوں کے سامنے ہدایت آ گئی تو ایمان لانے اور طلب گار مغفرت ہونے سے انہیں کون سی بات روک سکتی ہے؟ مگر یہی کہ اگلی قوموں کا سا معاملہ انہیں بھی پیش آ جائے یا ہمارا عذاب سامنے آ کھڑا ہو! (۵۵)

اور ہم تو پیغمبروں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ (ایمان و عمل کی کامرانیوں کی) بشارت دیں اور (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کر دیں مگر جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ جھوٹی باتوں کی آڑ پکڑ کے جھگڑنے لگتے ہیں کہ اس طرح سچائی کو متزلزل کر دیں۔ انہوں نے ہماری نشانیوں کو اور اس بات کو بس سے انہیں خبردار کیا گیا ہے تمسخر کی بات بنا رکھا ہے! (۵۶)

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جسے اس کے پروردگار کی آیتیں یاد دلائی جائیں اور وہ ان سے گردن موڑ لے اور اپنی بدعملیاں بھول جائے جو پہلے کر چکا ہے؟ بلاشبہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ کوئی بات پا نہیں سکتے اور کانوں میں گرانی (کہ صدائے حق سن نہیں سکتے[1])۔ تم انہیں کتنا ہی سیدھی راہ کی طرف بلاؤ مگر وہ کبھی راہ پانے والے نہیں! (۵۷)

مگر (اے پیغمبر!) تیرا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا' بڑا ہی رحمت والا ہے۔ اگر وہ ان لوگوں کو ان کے عمل کی کمائی پر پکڑنا چاہتا تو فوراً عذاب نازل کر دیتا لیکن ان کے لیے ایک میعاد ٹھہرا دی گئی ہے۔ اس کے سوا کوئی پناہ کی جگہ نہیں

(۷) قرآن کا یہ اسلوب کیوں ہوا کہ ایک ہی مطلب بار بار دہرایا جاتا ہے اور مختلف موقعوں پر اور مختلف شکلوں میں ایک ہی بات لوٹ لوٹ کر آتی ہے؟ ایسا نہ ہوا کہ ہماری علمی کتابوں کی طرح ضبط و ترتیب کے ساتھ تمام مطالب مدون کر دیے جاتے؟

قرآن خود اس بات کو جا بجا آیتوں' مثالوں اور نصیحتوں کی ''تصریف'' سے تعبیر کرتا ہے یعنی لوٹا لوٹا کر بیان کرنے سے۔ چنانچہ یہاں بھی اس طرف اشارہ کیا ہے اور ان مقامات پر غور کرنے سے اس کے اسلوب بیان کی علت واضح ہو جاتی ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت (۴۱) میں گزر چکا ہے: ﴿ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوْا ﴾ یعنی قرآن میں مطالب کا لوٹ لوٹ کر بیان میں آنا اس لیے ہے کہ تذکیر و موعظت کا ذریعہ ہو۔ پس معلوم ہوا اس اسلوب بیان کی علت تذکیر ہے۔ اس بات پر غور کرتے جاؤ قرآن کے اسلوب بیان کے سارے بھید کھلتے جائیں گے قرآن کا مقصد تذکیر تھا۔ اور تذکیر کا مقصد اسی طرح حاصل ہو سکتا تھا کہ اسلوب بیان ایک واعظ و خطیب کی موعظت کا ہو۔ ایک فلسفی کے درس کا نہ ہو۔

[1] یعنی ہم نے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا ہے کہ جو سچائی سے اعراض کرتا ہے اس کے دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ تشریح اس کی پچھلی سورتوں کے نوٹوں میں بار بار گزر چکی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿۵۸﴾ وَ تِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَ جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ وَ اِذْ قَالَ ع ۶
مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا
حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا
هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَ مَاۤ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ
وَ اتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا

پائیں گے (یعنی سب کو بالآخر اس مقررہ میعاد کی جگہ پہنچنا ہے)-(۵۸)
اور دیکھو یہ (پرانی) بستیاں ہیں- جب ان کے باشندوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کیا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا- ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک میعاد ٹھہرا دی تھی-(۵۹)
اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ موسیٰ نے اپنے ساتھی خادم سے کہا تھا ''میں اپنی کوشش سے باز آنے والا نہیں جب تک اس جگہ نہ پہنچ جاؤں جہاں دونوں سمندر آ ملے ہیں- میں تو (اپنی راہ) چلتا ہی رہوں گا''-(۶۰)
پھر جب وہ دونوں سمندروں کے ملنے کی جگہ پہنچ گئے تو اس مچھلی کا انہیں خیال نہ رہا جو اپنے ساتھ رکھ لی تھی- اس نے سمندر میں جانے کے لیے سرنگ کی طرح ایک راہ نکال لی-(۶۱)
جب وہ آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے آدمی سے کہا ''آج کے سفر نے ہمیں بہت تھکا دیا- لاؤ صبح کا کھانا کھالیں''(۶۲)
اس نے کہا ''کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ جب ہم (سمندر کے کنارے) چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو مجھے مچھلی کا کچھ خیال نہیں رہا تھا- اس نے عجیب طریقہ پر سمندر میں جانے کی راہ نکال لی- اور یہ شیطان ہی کا کام ہے کہ میں اس کا ذکر کرنا بالکل بھول گیا''-(۶۳) موسیٰ نے کہا ''جو بات ہم چاہتے تھے وہ یہی ہے'' پس وہ اپنے پاؤں کا نشان دیکھتے ہوئے لوٹ گئے-(۶۴)

(۸) آیت (۵۴) سے (۵۷) تک فرمایا تھا کہ منکرین قرآن کی شقاوت انتہائی حد تک پہنچ چکی ہے- طلب حق کی جگہ جدل و نزاع اور عبرت پذیری کی جگہ تمسخر و استہزاء ان کا شیوہ ہے- ان کی عقلیں ماری گئی ہیں اور حواس معطل ہو چکے ہیں- تم کتنی ہی رہنمائی کرو، راہ پانے والے نہیں! پھر آیت (۵۸) میں فرمایا- منکروں کی ان سرکشیوں کا نتیجہ کیوں اچانک ظہور میں نہیں آ جاتا؟ کیوں ان کے لیے خوشحالیاں ہیں اور پیروان حق کے لیے درماندگیاں؟ اس لیے کہ تمہارا پروردگار رحمت والا ہے اور یہاں رحمت کا قانون کام کر رہا ہے- رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ ایک خاص وقت تک سب کو مہلت کار ملے- چنانچہ مہلت کی رسّی ڈھیل دے رہی ہے- لیکن جونہی مقررہ وقت آ گیا پھر نتائج کا ظہور ٹلنے والا نہیں! اب آیت (۶۰) میں اسی معاملہ کا ایک دوسرا پہلو واضح کیا ہے اور یہ فی الحقیقت کائنات ہستی کے مسائل میں سے ایک نہایت اہم مسئلہ کا حل ہے-
فرمایا- بلاشبہ موجودہ حالت ایسی ہی ہے کہ سرکشوں کے لیے کامرانیاں دکھائی دیتی ہیں' مومنوں کے لیے محرومیاں، لیکن صرف اتنی ہی بات دیکھ کر حقیقت حال کا فیصلہ نہ کر لو- یہاں معاملات کی حقیقت وہی نہیں ہوا کرتی جو بظاہر دکھائی دیا کرتی ہے- کتنی ہی اچھائیاں ہیں جو فی الحقیقت برائیاں ہوتی ہیں اور کتنی ہی برائیاں ہیں جو فی الحقیقت اچھائیاں ہوتی ہیں- تمہاری عقل صرف ظواہر دیکھ کر حکم لگا دیتی ہے مگر نہیں جانتی ان ظواہر کی تہ میں کیسے بواطن پوشیدہ ہیں؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ
تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ
خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ
عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا ع ۹ ۱۱ ۲۱
لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا
تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَ لَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ

(پھر جب چٹان کے پاس پہنچے) تو انہیں ہمارے (خاص) بندوں میں سے ایک بندہ مل گیا- اس شخص پر ہم نے خصوصیت کے ساتھ مہربانی کی تھی- اسے اپنے پاس سے (براہ براست) ایک علم عطا فرمایا تھا- (۶۵)

موسیٰ نے اس سے کہا "آپ اجازت دیں تو آپ کے ساتھ رہوں- بشرطیکہ جو علم آپ کو اس خوبی کے ساتھ سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیں"- (۶۶)

اس نے جواب دیا "ہاں مگر تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکو گے- (۶۷) جو بات تمہاری سمجھ کے دائرہ سے باہر ہے تم دیکھو اور صبر کر دیہ کیسے ہو سکتا ہے؟"- (۶۸)

موسیٰ نے کہا "اگر خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے- میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا"- (۶۹)

اس نے کہا "اچھا اگر تمہیں میرے ساتھ رہنا ہی ہے تو اس بات کا خیال رکھو کہ جب تک میں خود تم سے کچھ نہ کہوں تم کسی بات کی نسبت سوال نہ کرنا"- (۷۰)

پھر ایسا ہوا کہ دونوں سفر میں نکلے- یہاں تک کہ سمندر کے کنارے پہنچے اور کشتی میں سوار ہوئے- اب موسیٰ کے ساتھی نے یہ کیا کہ کشتی میں ایک جگہ ڈرار نکال دی- یہ دیکھتے ہی موسیٰ بول اٹھا "آپ نے کشتی میں ڈرار نکال دی کہ مسافر غرق ہو جائیں؟ آپ نے کیسی خطرناک بات کی"- (۷۱) اس نے کہا "کیا میں نے نہیں کہا تھا تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے؟" (۷۲) موسیٰ نے کہا "بھول ہو گئی- اس پر نہ پکڑیے- اگر ایک بات بھول چوک میں ہو جائے تو آپ سخت گیری کیوں کریں؟" (۷۳) پھر وہ دونوں آگے چلے- یہاں تک کہ (ایک بستی کے قریب پہنچے اور) انہیں ایک لڑکا ملا- موسیٰ کے ساتھی نے اسے قتل کر ڈالا- اس پر موسیٰ بول اٹھا:

سرکشوں کے لیے اس وقت کا مرانیاں ہیں' مومنوں کے لیے محرومیاں- لیکن کیا فی الحقیقت سرکشوں کی کامرانیاں' کامرانیاں ہیں' اور مومنوں کی محرومیاں' محرومیاں؟ اس کا تم فیصلہ نہیں کر سکتے- جب پردہ اٹھے گا تو دیکھ لو گے کہ حقیقت حال کیا تھی-

اس حقیقت کی وضاحت کے لیے ایک واقعہ بیان کیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیش آیا تھا-

(۹) حضرت موسیٰ کی ملاقات جس شخص سے ہوئی اس کی نسبت فرمایا "ہم نے اسے اپنے پاس سے ایک علم عطا فرمایا تھا" قرآن جب کبھی کسی ایسی بات کو اس طرح بولتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ بات براہ راست ظہور میں آئی تھی- یعنی دنیوی وسائل کو اس میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ
تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ
عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا
جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ
وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ
يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾

''آپ نے ایک بے گناہ کی جان لے لی حالانکہ اس نے کسی کی جان نہیں لی تھی- آپ نے کیسی برائی کی بات کی؟ (۷۴) اس نے کہا ''کیا میں نے نہیں کہہ دیا تھا تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے؟'' (۷۵) موسیٰ نے کہا ''اگر پھر میں نے کچھ پوچھا تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا- اس صورت میں آپ پوری طرح معذور سمجھے جائیں گے''- (۷۶)

وہ دونوں اور آگے بڑھے- یہاں تک کہ ایک گاؤں کے پاس پہنچے- گاؤں والوں سے کہا ہمارے کھانے کا انتظام کرو- انہوں نے مہمان نوازی کرنے سے صاف انکار کر دیا- پھر ان دونوں نے دیکھا گاؤں میں ایک (پرانی) دیوار ہے اور گرا چاہتی ہے- یہ دیکھ کر موسیٰ کے ساتھی نے (اس کی مرمت شروع کر دی اور) اسے از سر نو مضبوط کر دیا- اس پر موسیٰ (سے نہ رہا گیا) بول اٹھا ''اگر آپ چاہتے تو اس محنت کا کچھ معاوضہ ان لوگوں سے وصول کرتے'' (بغیر معاوضہ کے بے کار کی محنت کیوں کی؟) (۷۷)

تب موسیٰ کے ساتھی نے کہا ''بس اب مجھ میں اور تم میں جدائی کا وقت آ گیا- ہاں جن باتوں پر تم سے صبر نہ ہو سکا ان کی حقیقت تمہیں بتلا دیتا ہوں''- (۷۸)

''سب سے پہلے کشتی کا معاملہ لو- وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں محنت مزدوری کرتے ہیں- وہ جس طرف بڑھ رہے تھے وہاں ایک بادشاہ ہے (ظالم) جس کسی کی (اچھی) کشتی پاتا ہے زبردستی لے لیتا ہے- میں نے چاہا اس کی کشتی میں ایک عیب نکال

دخل نہ تھا- پس معلوم ہوا، وہ شخص صاحب وحی تھا اور اللہ نے اسے براہ راست علم عطا فرمایا تھا- چنانچہ آگے چل کر اس کا قول آتا ہے- ﴿ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ﴾ میں نے جو کچھ کیا اللہ کے حکم سے کیا اپنی سمجھ سے نہیں کیا-

یہ علم خاص جو اسے دیا گیا تھا یقیناً یہ تھا کہ بعض امور کے بواطن و اسرار اس پر کھول دیے گئے تھے-

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا تھا کہ خاموش رہیں گے لیکن ان کا ارادہ چل نہ سکا- ہر مرتبہ بول اٹھے- اس سے معلوم ہوا انسانی عقل مجبور ہے کہ ظواہر پر حکم لگائے- وہ اس سے رک نہیں سکتی مگر یہیں ٹھوکر کھاتی ہے- کیونکہ بواطن و حقائق تک نہیں پہنچ سکتی!

(۱۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی نے تین باتیں کیں- تینوں کا ظاہر برا تھا لیکن تینوں کی تہہ میں بہتری ہی بہتری تھی- حضرت موسیٰ علیہ السلام ظاہر دیکھ رہے تھے لیکن ان کے ساتھی پر اللہ نے باطن روشن کر دیا تھا- اگر اسی طرح ظواہر کا پردہ اٹھ جائے اور وہ حقیقتیں سب کے سامنے آ جائیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کے سامنے آ گئی تھیں تو دنیا کا کیا حال ہو؟ سارے احکام کس طرح بدل جائیں؟ لیکن نہیں، حکمت الٰہی یہی ہے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ﴿۸۰﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا
رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾ وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ
كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا
كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۸۲﴾
وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ
وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ

دوں'' (تاکہ عبرتی دیکھ کر بادشاہ کے آدمی چھوڑ دیں)-(۷۹)

''باقی رہا لڑکے کا معاملہ تو اس کے ماں باپ مومن ہیں- میں یہ دیکھ کر ڈرا کہ انہیں سرکشی اور کفر کر کے اذیت پہنچائے گا-(۸۰) پس میں نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس لڑکے سے بہتر انہیں لڑکا دے- دینداری میں بھی اور محبت کرنے میں بھی''-(۸۱)

''اور وہ جو دیوار درست کر دی گئی تو (اس کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے-وہ) شہر کے دو یتیم لڑکوں کی ہے- جس کے نیچے ان کا خزانہ گڑا ہوا ہے- ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا پس تمہارے پروردگار نے چاہا دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ محفوظ پا کر نکال لیں- (اگر وہ دیوار گر جاتی تو ان کا خزانہ محفوظ نہ رہتا اس لیے ضروری ہوا کہ اسے مضبوط کر دیا جائے) یہ ان لڑکوں کے حال پر پروردگار کی ایک مہربانی تھی جو اس طرح ظہور میں آئی- اور یاد رکھو میں نے جو کچھ کیا اپنے اختیار سے نہیں کیا (اللہ کے حکم سے کیا) یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر تم صبر نہ کر سکے!''-(۸۲)

(اے پیغمبر!) تم سے ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہیں- تم کہہ دو- میں اس کا کچھ حال تمہیں (کلام الٰہی میں) پڑھ کر سنا دیتا ہوں-(۸۳) ہم نے اسے زمین میں حکمرانی دی تھی- نیز اس کے لیے ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کر دیا تھا-(۸۴)

تو (دیکھو) اس نے (پہلے) ایک (مہم کے لیے) ساز و سامان کیا-(۸۵) (اور پچھم کی طرف نکل کھڑا ہوا) یہاں تک کہ (چلتے چلتے) سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہنچ گیا- وہاں اسے سورج ایسا دکھائی دیا جیسے ایک سیاہ دلدل کی جھیل میں

پردہ نہ اٹھے کیونکہ اسی پردہ سے عمل کی ساری آزمائش قائم ہے اور ضروری ہے کہ آزمائش ہوتی رہے-

(۱۲) اہل کتاب سے معلومات حاصل کر کے لوگوں نے بعض سوالات کیے تھے- انہی میں ایک سوال ذوالقرنین کی نسبت تھا- یہاں اس کا جواب دیا ہے- فرمایا ہم نے اسے زمین میں حکمرانی دی تھی اور فتوحات کے سارے ساز و سامان مہیا کر دیے تھے-

پھر اس کی تین مہموں کا ذکر کیا ہے:

(ا) وہ پچھم کی طرف بڑھتا گیا- یہاں تک کہ ایک ایسے سمندر کے کنارے پہنچ گیا جس کا پانی کیچڑ سے ملا ہوا گدلا تھا اور معلوم ہوتا تھا روز سورج اسی پانی میں ڈوب جاتا ہے- کیونکہ حد نگاہ تک خشکی دکھائی نہیں دیتی تھی-

(ب) پھر وہ اُتر کی طرف چلا- یہاں تک کہ وحشی قبائل کی ٹولیاں اسے ملیں- وہ کھلے میدانوں میں زندگی بسر کرتے تھے-

(ج) پھر وہ نکلا اور ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں دو پہاڑوں نے دو دیواروں کی شکل اختیار کر لی ہے- یاجوج اور ماجوج اسی راہ سے آتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ
حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَ اَمَّا مَنْ
اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤى
اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ
اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ
لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ
فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ

ڈوب جاتا ہے اور اس کے قریب ایک گروہ کو بھی آباد پایا- ہم نے کہا ''اے ذوالقرنین! (اب یہ لوگ تیرے اختیار میں ہیں) تو چاہے انہیں عذاب میں ڈالے چاہے اچھا سلوک کر کے اپنا بنالے-(۸۶)

ذوالقرنین نے کہا ''ہم ناانصافی کرنے والے نہیں- جو سرکشی کرے گا اسے ضرور سزا دیں گے- پھر اسے اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے- وہ (بداعمالوں کو) سخت عذاب میں مبتلا کرے گا-(۸۷) اور جو ایمان لائے گا اور اچھے کام کرے گا تو اس کے بدلے اسے بھلائی ملے گی اور ہم اسے ایسی ہی باتوں کا حکم دیں گے جس میں اس کے لیے آسانی وراحت ہو''-(۸۸)

اس کے بعد پھر اس نے تیاری کی (۸۹) اور (پورب کی طرف) نکلا- یہاں تک کہ سورج نکلنے کی آخری حد تک پہنچ گیا- اس نے دیکھا سورج ایک گروہ پر نکلتا ہے جس سے ہم نے کوئی آڑ نہیں رکھی ہے-(۹۰) ان کی حالت ایسی ہی تھی اور جو کچھ ذوالقرنین کے پاس تھا اس کی ہمیں پوری پوری خبر ہے!(۹۱)

اس نے پھر ساز وسامان تیار کیا (اور تیسری مہم میں نکلا) (۹۲) یہاں تک کہ دو (پہاڑوں کی) دیواروں کے درمیان پہنچ گیا- وہاں اس نے دیکھا پہاڑوں کے اس طرف ایک قوم آباد ہے جس سے بات کہی جائے تو بالکل نہیں سمجھتی-(۹۳) اس قوم نے (اپنی زبان میں) کہا ''اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج اس ملک میں آ کر لوٹ مار کرتے ہیں- کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک روک بنادیں اور اس غرض سے ہم آپ کے لیے کچھ خراج مقرر کردیں؟''(۹۴) ذوالقرنین نے کہا ''میرے پروردگار نے جو کچھ میرے قبضہ میں دے رکھا ہے وہی میرے لیے بہتر ہے (تمہارے خراج کا محتاج نہیں) مگر تم اپنی قوت سے (اس کام میں) میری مدد کرو- میں تمہارے اور یاجوج وماجوج کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کردوں گا-''(۹۵)

(اس کے بعد اس نے حکم دیا) ''لوہے کی سلیں میرے لیے مہیا کردو''

تھے اور اس طرف کی بستیوں میں لوٹ مار کرتے تھے- وہاں کے باشندوں کی استدعا پر اس نے وہاں ایک دیوار بنادی جس کی وجہ سے حملہ آوروں کا رستہ بالکل بند ہوگیا-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى
بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾ فَمَا
اسْطَاعُوْۤا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ
وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ وَ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ
وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾ وَّ عَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۰﴾ الَّذِيْنَ
كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَ كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا ع ۱۲

پھر جب (تمام سامان مہیا ہوگیا اور) دونوں پہاڑوں کے درمیان دیوار اٹھا کر ان کے برابر کر دی تو حکم دیا "(بھٹیاں سلگاؤ اور) اسے دھونکو" پھر جب (اس قدر دھونکا گیا کہ) بالکل آگ (کی طرح لال) ہوگئی تو کہا "گلا ہوا تانبا لاؤ - اس پر انڈیل دیں" -(۹۶)

چنانچہ (اس طرح) ایک ایسی سد بن گئی کہ (یاجوج اور ماجوج) نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے نہ اس میں سرنگ لگا سکتے تھے! (۹۷)

ذوالقرنین نے (تکمیل کار کے بعد) کہا "یہ (جو کچھ ہوا تو فی الحقیقت) میرے پروردگار کی مہربانی ہے جب میرے پروردگار کی فرمائی ہوئی بات ظہور میں آئے گی تو وہ اسے ڈھا کر ریزہ ریزہ کر دے گا (مگر اس سے پہلے کوئی اسے ڈھا نہیں سکتا) اور میرے پروردگار کی فرمائی ہوئی بات سچ ہے - ٹلنے والی نہیں!" (۹۸)

اور جس دن وہ بات ظہور میں آئے گی تو اس دن ہم ایسا کریں گے کہ (سمندر کی لہروں کی طرح ان قوموں میں سے) ایک (قوم) دوسری (قوم) کے درمیان بہنے لگے گی اور نرسنگھا پھونکا جائے گا اور ساری قوموں کی بھیڑ اکٹھی ہو جائے گی! (۹۹)

اس دن ہم منکروں کے سامنے دوزخ اس طرح نمودار کر دیں گے جیسے ایک چیز بالکل سامنے دکھائی دے (۱۰۰) وہ منکر جن کی نگاہوں پر ہمارے ذکر سے پردہ پڑ گیا تھا اور (کانوں میں ایسی گرانی کہ) کوئی بات سن نہیں سکتے تھے! (۱۰۱) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار

---

(۱۳) جب دیوار تیار ہوگئی تو ذوالقرنین نے کہا یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ ایسا عظیم الشان کام میرے ہاتھوں انجام پا گیا - اب اسے کوئی ڈھا نہیں سکتا - ہاں جب وہ مقررہ وقت آئے گا جس کی اللہ نے خبر دے دی ہے تو بلاشبہ یہ ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائے گی اور یہاں ہر چیز کو بالآخر فنا ہونا ہے!

ذوالقرنین کے اس قول پر اس کی سرگزشت ختم ہوگئی - اب آیت (۹۹) میں فرمایا مقررہ وقت آئے گا تو یہ قومیں نکلیں گی اور سمندر کی موجوں کی طرح ایک دوسرے پر آ پڑیں گی - پھر ایک وقت آئے گا جب سب کو اکٹھا ہو جانا ہے اور اس وقت منکرین حق دیکھ لیں گے کہ دوزخ ان کے سامنے ہے!

جب لوگوں کو جمع کرنا مقصود ہوتا ہے تو نرسنگھا پھونکا جاتا ہے - اور اس کی آواز سنتے ہی ہر گوشہ سے لوگ نکل آتے ہیں - فرمایا - ایک ایسی ہی بات اس دن بھی ہونے والی ہے - نرسنگھا پھونکا جائے گا کہ سب اکٹھے ہو جائیں!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ
بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾
ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ
لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾ قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ
رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ

کی ہے کیا انہوں نے خیال کیا ہے ہمیں چھوڑ کر ہمارے بندوں کو اپنا کارساز بنالیں؟ (انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ) ہم نے کافروں کی مہمانی کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے! (۱۰۲)

(اے پیغمبر!) تو کہہ دے "ہم تمہیں خبر دے دیں کون لوگ اپنے کاموں میں سب سے زیادہ نامراد ہوئے؟ (۱۰۳) وہ جن کی ساری کوششیں دنیا کی زندگی میں کھوئی گئیں اور وہ اس دھوکے میں پڑے ہیں کہ بڑا اچھا کارخانہ بنا رہے ہیں!" (۱۰۴)

یہی لوگ ہیں کہ اپنے پروردگار کی آیتوں سے اور اس کے حضور حاضر ہونے سے منکر ہوئے۔ پس ان کے سارے کام اکارت گئے اور اس لیے قیامت کے دن ہم ان (کے اعمال) کا کوئی وزن تسلیم نہیں کریں گے۔ (۱۰۵) انہوں نے جیسی کچھ کفر کی راہ اختیار کی تھی اور ہماری آیتوں اور رسولوں کی ہنسی اڑائی تھی تو عذاب دوزخ اس کا (لازمی) نتیجہ ہے! (۱۰۶)

لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے تو ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغ ہوں گے۔ (۱۰۷) وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ کبھی نہیں چاہیں گے کہ اپنی جگہ بدلیں! (۱۰۸)

(اے پیغمبر!) اعلان کر دے اگر میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لیے دنیا کے تمام سمندر سیاہی بن جائیں تو سمندر کا پانی ختم ہو جائے گا' مگر میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ اگر ان سمندروں کا ساتھ دینے کے لیے ویسے ہی سمندر اور بھی پیدا کر دیں جب بھی وہ کفایت نہ کریں! (۱۰۹)

(نیز) کہہ دے "میں تو اس کے سوا کچھ نہیں ہوں کہ تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہوں۔ البتہ اللہ نے مجھ پر وحی

(۱۴) آیت (۱۰۲) سے سلسلہ خطاب پھر منکرین دعوت کی طرف متوجہ ہو گیا ہے اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کی تمام کوششیں اکارت جانے والی ہیں اور کلمہ حق کی کامیابی اٹل ہے۔

آیت (۱۰۳) میں انسان کی نامرادیوں کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ہے؟ "جن لوگوں کی کوششیں اس زندگی میں کھوئی جاتی ہیں اور وہ اس دھوکے میں رہتے ہیں کہ ہم بڑے بڑے کارخانے بنا رہے ہیں!"

غور کرو! کتنی ہی زندگیاں ہیں جن کا ہر لحہ طرح طرح کی کوششوں میں بسر ہوتا ہے لیکن ان کی کوئی کوشش بھی کامیاب نہیں ہوتی اور جب پردۂ غفلت ہٹتا ہے تو صاف دیکھ لیتے ہیں کہ جدوجہد کی ساری زندگی رائگاں گئی! وہ ہمیشہ اسی دھوکے میں رہتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات بنالی اور فلاں کارخانہ درست کر لیا' حالانکہ بنتا وتنا کچھ بھی نہیں۔ سرتاسر بگڑتا ہی جاتا ہے!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ ۖ فَمَن كَانَ يَرْجُوا۟ لِقَآءَ رَبِّهِۦ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَٰلِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَدًۢا ﴿١١٠﴾

کی ہے کہ ''تمہارا معبود وہی ایک ہے- اس کے سوا کوئی نہیں'' پس جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے چاہیے کہ اچھے کام انجام دے اور اپنے پروردگار کی بندگی میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کرے (بس اس کے سوا میری کوئی پکار نہیں!)-(۱۱۰)

اصحاب کہف:

(۱۵) مسیحی مذہب کے ابتدائی قرنوں میں متعدد واقعات ایسے گزرے ہیں کہ راسخ الاعتقاد عیسائیوں نے مخالفوں کے ظلم و وحشت سے عاجز آ کر پہاڑوں کے غاروں میں پناہ لے لی اور آبادیوں سے کنارہ کش ہو گئے- یہاں تک کہ وہیں وفات پا گئے، اور ایک عرصہ کے بعد ان کی نعشیں برآمد ہوئیں- چنانچہ ایک واقعہ خود روم کے اطراف میں گزرا تھا- ایک انطاکیہ کی طرف منسوب ہے- ایک افسس میں بیان کیا جاتا ہے-

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سورت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ کہاں پیش آیا تھا؟

قرآن نے ''کہف'' کے ساتھ ''الرقیم'' کا لفظ بھی بولا ہے اور بعض ائمہ تابعین نے اس کا یہی مطلب سمجھا تھا کہ یہ ایک شہر کا نام ہے لیکن چونکہ اس نام کا کوئی شہر عام طور پر مشہور نہ تھا' اس لیے اکثر مفسر اس طرف چلے گئے کہ یہاں ''رقیم'' کے معنی کتابت کے ہیں- یعنی ان کے غار پر کوئی کتبہ لگا دیا گیا تھا- اس لیے کتبہ والے مشہور ہو گئے-

الرقیم:

لیکن اگر انہوں نے تورات کی طرف رجوع کیا ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ ''رقیم'' وہی لفظ ہے جسے تورات میں ''راقیم'' کہا گیا ہے اور یہ فی الحقیقت ایک شہر کا نام تھا جو آگے چل کر ''پیٹرا'' کے نام سے مشہور ہوا اور عرب اسے ''بطرا'' کہنے لگے-

عالمگیر جنگ کے بعد آثار قدیمہ کی تحقیقات کے جو نئے نئے گوشے کھلے ہیں ان میں ایک پیٹرا بھی ہے اور اس کے انکشافات نے بحث و نظر کا ایک نیا میدان مہیا کر دیا ہے-

جزیرہ نمائے سینا اور خلیج عقبہ سے سیدھے شمال کی طرف بڑھیں' تو دو پہاڑی سلسلے متوازی شروع ہو جاتے ہیں اور سطح زمین بلندی کی طرف اٹھنے لگتی ہے- یہ علاقہ نبطی قبائل کا علاقہ تھا اور اسی کی ایک پہاڑی سطح پر ''راقیم'' نامی شہر آباد تھا- دوسری صدی عیسوی میں جب رومیوں نے شام اور فلسطین کا الحاق کر لیا تو یہاں کے دوسرے شہروں کی طرح راقیم نے بھی ایک رومی نوآبادی کی حیثیت اختیار کر لی اور یہی زمانہ ہے جب پیٹرا کے نام سے اس کے عظیم الشان مندروں اور تھیٹروں کی شہرت دور دور تک پہنچی- ۶۴۰ء میں جب مسلمانوں نے یہ علاقہ فتح کیا تو راقیم کا نام بہت کم زبانوں پر رہا تھا- یہ رومیوں کا پیٹرا اور عربوں کا بطرا تھا-

جنگ کے بعد سے اس علاقہ کی از سر نو آثری پیمائش کی جا رہی ہے اور نئی نئی باتیں روشنی میں آ رہی ہیں- ازاں جملہ اس علاقہ کے عجیب و غریب غار ہیں جو دور دور تک چلے گئے ہیں اور نہایت وسیع ہیں- نیز اپنی نوعیت میں ایسے واقع ہوئے ہیں کہ دن کی روشنی کسی طرح بھی ان کے اندر نہیں پہنچ سکتی- ایک غار ایسا بھی ملا ہے جس کے دہانے کے پاس قدیم عمارتوں کے آثار پائے جاتے ہیں اور بے شمار ستونوں کی کرسیاں شناخت کی گئی ہیں- خیال کیا گیا ہے کہ یہ کوئی معبد ہو گا جو یہاں تعمیر کیا گیا تھا-

اس انکشاف کے بعد قدرتی طور پر یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ اصحاب کہف کا واقعہ اسی شہر میں پیش آیا تھا اور قرآن نے صاف صاف اس کا نام ''الرقیم'' بتلا دیا ہے- اور جب اس نام کا ایک شہر موجود تھا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ رقیم کے معنی میں تکلفات کیے جائیں اور بغیر کسی بنیاد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اسے کتبہ پر محمول کیا جائے۔

علاوہ بریں دوسرے قرائن بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔

قرآن نے جس طرح اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی عرب میں شہرت تھی، لوگ اس بارے میں بحثیں کیا کرتے تھے اور اسے ایک نہایت ہی عجیب بات تصور کرتے تھے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ مشرکین عرب کے وسائل معلومات محدود تھے۔ بہت کم امکان ہے کہ دور کی باتیں ان کے علم میں آئی ہوں۔ پس ضروری ہے کہ قرب و جوار ہی کی کوئی بات ہو اور ان لوگوں کی زبانی سنی جا سکے جن سے ہمیشہ عربوں کا ملنا جلنا رہتا ہو۔ ایسے لوگ کون ہو سکتے تھے؟ اگر اسے پیٹرا کا واقعہ قرار دیا جائے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ اول تو خود یہ مقام عرب سے قریب تھا۔ یعنی عرب کی سرحد سے ساٹھ ستر میل کے فاصلہ پر۔ ثانیاً نبطیوں کی وہاں آبادی تھی اور نبطیوں کے تجارتی قافلے برابر حجاز میں آتے رہتے تھے۔ یقیناً نبطیوں میں اس واقعہ کی شہرت ہوگی اور انہی سے عربوں نے سنا ہوگا۔

خود قریش مکہ کے تجارتی قافلے بھی ہر سال شام جایا کرتے تھے اور سفر کا ذریعہ وہی شاہراہ تھی جو رومیوں نے ساحل خلیج سے لے کر ساحل مارمورا تک تعمیر کر دی تھی[1] پیٹرا اسی شاہراہ پر واقع تھا۔ بلکہ اس نواح کی سب سے پہلی تجارتی منڈی تھی۔ اس لیے اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ واقعہ ان کے علم میں آ گیا ہو۔ اس سلسلہ میں چند باتیں اور تشریح طلب ہیں:

اصل واقعہ:

(الف) آیت (۹) ﴿ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴾ کا اسلوب خطاب صاف کہہ رہا ہے کہ کچھ لوگ ''اصحاب کہف'' والرقیم کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا معاملہ قدرت الٰہی کا ایک عجیب و غریب کرشمہ سمجھا جاتا ہے۔ لوگوں نے پیغمبر اسلام ﷺ سے ان کا ذکر کیا ہے اور اب وحی الٰہی اس معاملہ کی حقیقت واضح کر رہی ہے۔ چنانچہ پہلے مجملاً اس کا خلاصہ اور نتیجہ بتلا دیا کہ جو کچھ پیش آیا تھا وہ اس سے زیادہ نہیں ہے اور جو کچھ عبرت و تذکیر کی بات ہے وہ یہ ہے۔ پھر آیت (۱۳) میں فرمایا ﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ﴾ اب ہم تجھے ان کی سچی خبر سنا دیتے ہیں۔ یعنی واقعہ کی چند ضروری تفصیلات بیان کر دیتے ہیں چنانچہ اس کے بعد تفصیلات بیان کی ہیں۔

یہ مجمل خلاصہ جو آیت (۱۰) سے (۱۲) تک بیان کیا ہے، تمام سرگزشت کا ماحصل ہے۔ اسی کی روشنی میں بقیہ تفصیلات پڑھنی چاہییں۔ فرمایا چند نوجوان تھے جنہوں نے سچائی کی راہ میں دنیا اور دنیا کی راحتوں سے منہ موڑا اور ایک غار میں پناہ گزین ہو گئے۔ ان کے پیچھے ظلم و ستم کی قوتیں تھیں سامنے غار کی تاریکی و وحشت۔ تاہم وہ ذرا بھی ہراساں نہ ہوئے۔ انہوں نے کہا ''خدایا! تیری ہی رحمت کا آسرا ہے اور تیری ہی چارہ سازی پر بھروسہ!'' چنانچہ کئی سال تک وہ وہیں رہے اور اس طرح رہے کہ دنیا کی صداؤں کی طرف سے ان کے کان بالکل بند تھے۔ پھر ہم نے انہیں اٹھا کھڑا کیا تا کہ واضح ہو جائے ان دونوں جماعتوں میں سے کون گروہ تھا جس نے اس عرصہ میں نتائج عمل کا بہتر اندازہ کیا ہے؟

اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی ؟

یعنی صورت حال نے دو جماعتیں پیدا کر دی تھیں۔ ایک اصحاب کہف تھے۔ ایک ان کے مخالف۔ ایک نے حق کی پیروی کی۔ دوسرے نے ظلم و تشدد پر کمر باندھی۔ یہ چند برسوں کی مدت دونوں جماعتوں پر گزری تھی۔ اس پر بھی جو غار میں پناہ لینے پر مجبور ہوئی، اور اس پر

---

[1] جنگ کے بعد اس شاہراہ کا سراغ لگایا گیا تو پوری طرح نمایاں ہو گئی۔ اب یہ اپنے اصلی خط پر دوبارہ تعمیر کی جا رہی ہے اور عقبہ سے عمان تک تعمیر ہو چکی ہے۔ آج کل جہاں عقبہ ہے وہاں پہلے ترسیس آباد تھا جہاں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جہاز ہندوستان جایا کرتے تھے اور بحر احمر کے تجارتی بیڑے کا مرکز تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی جس نے غار میں پناہ لینے کے لیے انہیں مجبور کیا- اب دیکھنا یہ تھا کہ دونوں میں سے کس نے کمایا ہے؟ اور کس نے کھویا ہے؟ کون ان دونوں میں وقت کا بہتر اندازہ شناس تھا؟

چنانچہ آگے چل کر جو تفصیلات آتی ہیں ان سے واضح ہو جاتا ہے کہ ظالم جماعت کی عمر بہت تھوڑی تھی اور بالآخر وہی راہ فتح مند ہونے والی تھی جو اصحاب کہف نے اختیار کی تھی- کیونکہ بالآخر مسیحی دعوت تمام ملک میں پھیل گئی اور جب کچھ عرصہ کے بعد وہ غار سے نکلے اور ایک آدمی کو آبادی میں بھیجا، تو اب مسیحی ہونا کوئی ناقابل معافی جرم نہیں تھا- عزت و سربراہی کی سب سے بڑی عظمت تھی!

صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان پرستاران حق کی استقامت ہی تھی جس نے دعوت حق کو فتح مند کیا- اگر وہ مظالم سے تنگ آ کر اتباع حق سے دست بردار ہو جاتے تو یقیناً یہ انقلاب ظہور میں نہ آتا-

(ب) اس کے بعد واقعہ کی بعض تفصیلات واضح کر دی ہیں- جو لوگ خدا پرستی کی راہ اختیار کرتے تھے ان کی مخالفت میں تمام باشندے کمر بستہ ہو جاتے- اور اگر وہ اپنی روش سے باز نہ آتے تو سنگ سار کرتے- یہ حالت دیکھ کر انہوں نے فیصلہ کیا، آبادی سے منہ موڑیں اور کسی غار میں معتکف ہو کر ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائیں- چنانچہ ایک غار میں مقیم ہو گئے-

غار کی نوعیت:

ان کا ایک وفادار کتا تھا- وہ بھی ان کے ساتھ غار میں چلا گیا- جس غار میں انہوں نے پناہ لی وہ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اگرچہ اندر سے کشادہ ہے اور وہ ہانہ کھلا ہوا لیکن سورج کی کرنیں اس میں راہ نہیں پا سکتیں- نہ تو چڑھتے دن میں نہ ڈھلتے میں- جب سورج نکلتا ہے تو داہنی جانب رہتے ہوئے گزر جاتا ہے- جب ڈھلتا ہے تو بائیں جانب رہتے ہوئے غروب ہو جاتا ہے- یعنی غار اپنے طول میں شمال و جنوب رو یہ واقع ہے- ایک طرف دہانہ ہے، دوسری طرف منفذ- روشنی اور ہوا دونوں طرف سے آتی ہے لیکن دھوپ کسی طرف سے بھی راہ نہیں پا سکتی-

اس صورت حال سے بیک وقت دو باتیں معلوم ہوئیں- ایک یہ کہ زندہ رہنے کے لیے وہ نہایت محفوظ اور موزوں مقام ہے- کیونکہ ہوا اور روشنی کی راہ موجود ہے مگر دھوپ کی تپش پہنچ نہیں سکتی- پھر اندر سے کشادہ ہے- جگہ کی کمی نہیں- دوسری یہ کہ باہر سے دیکھنے والوں کے لیے اندر کا منظر بہت ڈراؤنا ہو گیا ہے- کیونکہ روشنی کے منافذ موجود ہیں اس لیے بالکل اندھیرا نہیں رہتا- سورج کسی وقت سامنے آتا نہیں اس لیے بالکل اجالا بھی نہیں ہوتا- روشنی اور اندھیری کی ملی جلی حالت رہتی ہے، اور جس غار کی اندرونی فضا ایسی ہو، اسے باہر سے جھانک کر دیکھا جائے تو اندر کی ہر چیز ضرور ایک بھیانک منظر پیش کرے گی-

انقلاب حال:

یہ لوگ کچھ عرصہ تک غار میں رہے- اس کے بعد نکلے تو انہیں کچھ اندازہ نہ تھا کتنے عرصہ تک اس میں رہے ہیں- وہ سمجھتے تھے باشندوں کا وہی حال ہو گا جس حال میں انہیں چھوڑا تھا- لیکن اس عرصہ میں یہاں انقلاب ہو چکا تھا- اب غلبہ ان لوگوں کا تھا جو اصحاب کہف ہی کی طرح خدا پرستی کی راہ اختیار کر چکے تھے- جب ان کا ایک آدمی شہر میں پہنچا تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی- اب وہی لوگ جنہوں نے انہیں سنگ سار کرنا چاہا تھا ان کے ایسے معتقد ہو گئے کہ ان کی غار نے زیارت گاہ عام کی حیثیت اختیار کر لی اور امرائے شہر نے فیصلہ کیا کہ یہاں ایک ہیکل تعمیر کیا جائے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضرب علی الآذان:

(ج) اصحاب کہف نے یہ مدت کس حال میں بسر کی تھی؟ اس بارے میں قرآن نے صرف اس قدر اشارہ کیا ہے کہ ﴿ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴾ (۱۱) ''ضرب علی الاذن'' کے صاف معنی تو یہ ہیں کہ ان کے کان دنیا کی طرف سے بند ہو گئے تھے۔ یعنی دنیا کی کوئی صدا ان تک نہیں پہنچتی تھی لیکن مفسرین نے اسے نیند پر محمول کیا ہے یعنی ان پر نیند طاری ہو گئی تھی اور چونکہ نیند کی حالت میں آدمی کوئی آواز نہیں سنتا اس لیے اس حالت کو ''ضرب علی الاذان'' سے تعبیر کیا گیا۔ اس تفسیر میں اشکال یہ ہے کہ عربی میں نیند کی حالت کے لیے ''ضرب علی الآذان'' کی تعبیر ملتی نہیں۔ لیکن وہ کہتے ہیں یہ ایک طرح کا استعارہ ہے۔ گہری نیند کی حالت کو ضرب علی الاذان کی حالت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ففی الکلام تجوز بطریق الاستعارۃ التبعیہ۔

اصل یہ ہے کہ اصحاب کہف کا جو قصہ عام طور پر مشہور ہو گیا تھا وہ یہی تھا کہ غار میں برسوں تک سوتے رہے اس لیے یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ بعد کو بھی اسی طرح کی روایتیں مشہور ہو گئیں۔ عرب میں قصہ کے اصلی راوی شام کے نبطی تھے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس قصہ کی اکثر تفصیلات تفسیر کے انہی راویوں پر جا کر منتہی ہوتی ہیں جو اہل کتاب کے قصوں کی روایت میں مشہور ہو چکے ہیں مثلاً ضحاک اور سدی۔ بہر حال اگر یہاں ضرب علی الآذان سے مقصود نیند کی حالت ہو تو پھر مطلب یہ قرار پائے گا کہ وہ غیر معمولی مدت تک نیند کی حالت میں پڑے رہے اور ﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ ﴾ کا مطلب یہ کرنا پڑے گا کہ اس کے بعد نیند سے بیدار ہو گئے۔

یہ بات کہ ایک آدمی پر غیر معمولی مدت تک نیند کی حالت طاری رہے اور پھر بھی زندہ رہے طبی تجارب کے مسلمات میں سے ہے اور اس کی مثالیں ہمیشہ تجربہ میں آتی رہتی ہیں۔ پس اگر اصحاب کہف پر قدرت الٰہی سے کوئی ایسی حالت طاری ہو گئی ہو جس نے غیر معمولی مدت تک انہیں سلائے رکھا تو یہ کوئی مستبعد بات نہیں۔ البتہ قرآن حکیم کی تصریح اس بارے میں ظاہر اور قطعی نہیں ہے اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ جزم و یقین کے ساتھ کچھ نہ کہا جائے۔

(د) آیت (۱۸) ﴿ وَ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ..... ﴾ الخ میں اس صورت حال کی طرف اشارہ کیا ہے جو نزول قرآن کے وقت تھی یا جو حالت اس غار کی ایک مدت تک رہی۔

اس سے معلوم ہوا کہ انقلاب حال کے بعد اصحاب کہف نے غار کی گوشہ نشینی ترک نہیں کی تھی۔ اسی میں رہے۔ یہاں تک کہ انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال کے بعد غار کی حالت ایسی ہو گئی کہ باہر سے کوئی دیکھے تو معلوم ہو زندہ آدمی موجود ہیں۔ دہانے کے قریب ایک کتا دونوں ہاتھ آگے کیے بیٹھا ہے۔ حالانکہ نہ تو آدمی زندہ ہیں نہ کتا ہی زندہ ہے!

تفسیر ﴿ وَ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ ﴾:

لیکن باہر سے دیکھنے والا انہیں زندہ اور جاگتا کیوں سمجھے؟ اگر ان کی نعشیں پڑی ہیں تو نعشوں کو کوئی زندہ تصور نہیں کر سکتا۔ اگر ''رقود'' سے مقصود سونے کی حالت ہے اور وہ لیٹے ہوئے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک لیٹا ہوا آدمی دیکھنے والے کو جاگتا دکھائی دے۔

مفسرین نے یہ اشکال محسوس کیا لیکن اس کا کوئی حل دریافت نہ کر سکے۔ بعضوں نے کہا وہ اس لیے جاگتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں لیکن اگر ایک بے حس و حرکت نعش پڑی دکھائی دے اور اس کی آنکھیں کھلی ہوں تو دیکھنے والا اسے ہوشیار و بیدار کیوں سمجھنے لگا؟ یہی سمجھے گا کہ مر گیا ہے مگر آنکھیں کھلی رہ گئی ہیں۔ بعضوں نے کہا ﴿ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ﴾ کی وجہ سے وہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیدار دکھائی دیتے ہیں یعنی چونکہ دہنے بائیں کروٹ بدلتی رہتی ہے اس لیے دیکھنے والا خیال کرتا ہے یہ بیدار ہیں۔لیکن یہ توجیہ پہلے سے بھی زیادہ بے معنی ہے۔اول تو کروٹ بدلنا بیداری کی دلیل نہیں۔آدمی گہری سے گہری نیند میں ہوتا ہے اور کروٹ بدلتا ہے۔ثانیاً اگر کروٹ بدلتے ہوں گے تو کچھ وقفہ کے بعد بدلتے ہوں گے۔یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ہر آن کروٹ بدلتے ہی رہتے ہوں اور جب کبھی کوئی جھانک کر دیکھے انہیں کروٹ بدلتا ہی پائے!لطف یہ ہے کہ ﴿ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ﴾ کی تفسیر میں یہی مفسر ہمیں بتلاتے ہیں کہ بعضوں کے نزدیک سال میں دو دفعہ کروٹ بدلتی ہے۔بعضوں کے نزدیک ایک مرتبہ۔بعض کہتے ہیں تین سال بعد۔بعض کہتے ہیں نو سال بعد!

علاوہ بریں قرآن نے یہ بات جس اسلوب وشکل میں بیان کی ہے اس پر ان نکتہ سنجوں نے غور نہیں کیا۔ ﴿ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴾ یعنی غار کے اندر کا منظر اس درجہ دہشت انگیز ہے کہ اگر تم جھانک کر دیکھو تو خوف کے مارے کانپ اٹھو اور الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہو۔اس سے معلوم ہوا، غار کے اندر اصحاب کہف کے اجسام نے ایسا منظر پیدا کر دیا ہے جو بے حد دہشت انگیز ہے۔اگر کوئی آدمی باہر سے دیکھے تو دیکھنے کے ساتھ ہی اس پر دہشت چھا جائے۔معاً الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہو۔اب اگر اندر کا منظر صرف اتنا ہی تھا کہ چند آدمی لیٹے ہوئے ہیں اور آنکھیں کھلی ہوئی ہیں تو یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے اس درجہ دہشت انگیزی پیدا ہو سکے۔علاوہ بریں جو آدمی باہر سے جھانکے گا وہ اتنا باریک بیں نہیں ہوسکتا کہ غار کی تاریکی میں لیٹے ہوئے آدمیوں کی آنکھیں بھی بہ اول نظر دیکھ لے اور وہ بھی اس حالت میں کہ دہنے یا بائیں کروٹ پر لیٹے ہوئے ہوں!

مفسرین کی حیرانیاں اور انکشاف حقیقت:

دراصل یہ سارا معاملہ ہی دوسرا ہے اور جب تک مفسرین کے پیدا کیے ہوئے تخیل سے بالکل الگ ہو کر تحقیق نہ کی جائے اصلیت کا سراغ نہیں مل سکتا۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو حالت اس آیت میں بیان کی گئی ہے وہ کس وقت کی ہے؟اس وقت کی ہے جب وہ نئے نئے غار میں جا کر مقیم ہوئے تھے؟ یا اس وقت کی جب انکشاف حال کے بعد دوبارہ معتکف ہو گئے؟ مفسرین نے خیال کیا اس کا تعلق پہلے وقت سے ہے اور یہی بنیادی غلطی ہے جس نے سارا الجھاؤ پیدا کر دیا ہے۔دراصل اس کا تعلق بعد کے حالات سے ہے۔یعنی جب وہ ہمیشہ کے لیے غار میں گوشہ نشین ہو گئے۔اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وفات پا گئے تو غار کے اندرونی منظر کی یہ نوعیت ہو گئی تھی۔ ﴿ وَ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ ﴾ میں ''ایقاظ'' سے مقصود ان کا زندہ ہونا ہے اور ''رقود'' سے مردہ ہونا۔نہ کہ بیداری اور خواب۔چنانچہ عربی میں زندگی وموت کے لیے یہ تعبیر عام ومعلوم ہے۔

پھر یہ بات سامنے لانی چاہیے کہ یہ واقعہ مسیحی دعوت کی ابتدائی صدیوں کا ہے اور جنہیں پیش آیا تھا وہ عیسائی تھے۔صرف اتنی بات پر غور کرنے سے سارا معاملہ حل ہو جاتا ہے۔

مسیحی دعوت کے ابتدائی قرنوں ہی میں زہد وانزوا کی ایک خاص زندگی شروع ہو گئی تھی جس نے آگے چل کر رہبانیت (مناسٹک ازم) کی مختلف شکلیں اختیار کر لیں۔اس زندگی کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ لوگ ترک علائق کے بعد کسی پہاڑ کی غار میں یا کسی غیر آباد گوشہ میں معتکف ہو جاتے تھے۔اور پھر ان پر استغراق عبادت کی ایسی حالت طاری ہو جاتی تھی کہ وضع ونشست کی جو حالت اختیار کر لیتے اسی میں پڑے رہتے۔یہاں تک کہ زندگی ختم ہو جاتی۔مثلاً اگر قیام کی حالت میں مشغول ہوئے تھے تو برابر کھڑے ہی رہتے اور اسی حالت میں جان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دے دیتے - اگر گھٹنے کے بل رکوع کی حالت اختیار کی تھی تو یہی حالت آخر تک قائم رہتی - اگر سجدے میں سر رکھ دیا تھا تو پھر سجدے ہی میں پڑے رہتے اور مرنے کے بعد بھی اسی وضع میں نظر آتے - زیادہ تر گھٹنے کے بل رکوع کی وضع اختیار کی جاتی تھی - کیونکہ عیسائیوں میں تعبد و تضرع کے لیے یہی وضع رائج ہوگئی تھی -[1]

غذا کی طرف سے یہ لوگ بالکل بے پروا ہوتے تھے - اگر آبادی قریب ہوتی تو لوگ روٹی اور پانی پہنچا دیا کرتے - نہیں ہوتی تو یہ اس کی جستجو نہیں کرتے - عبادت کا استغراق جستجو کی مہلت ہی نہیں دیتا - اس اعتبار سے ان کی حالت ویسی ہی تھی، جیسی ہندوستان کے یوگیوں کی رہ چکی ہے اور اب بھی گاہ گاہ نظر آ جاتی ہے -

جس طرح زندگی میں انہیں کوئی نہیں چھیڑتا تھا، اسی طرح مرنے کے بعد بھی کوئی اس کی جرأت نہ کرتا - مدتوں تک ان کی نعشیں اسی حالت میں باقی رہتیں، جس حالت میں انہوں نے زندگی کے آخری لمحے بسر کیے تھے - اگر موسم موافق ہوتا اور درندوں سے حفاظت ہوتی تو صدیوں تک ڈھانچے باقی رہتے اور فاصلہ سے دیکھنے والا انہیں زندہ انسان تصور کرتا - چنانچہ ویٹی گان کے تہ خانوں میں بے شمار ڈھانچے آج تک محفوظ ہیں جو اسی طرح کے مقامات سے برآمد ہوئے تھے اور اپنی اصلی وضع و ہیئت پر باقی تھے -

ابتداء میں اس غرض سے زیادہ تر پہاڑوں کی غاریں یا پرانی عمارتوں کے کھنڈر اختیار کیے گئے تھے، لیکن آگے چل کر یہ طریقہ اس درجہ عام ہوگیا کہ خاص خاص عمارتیں اس غرض سے تعمیر کی جانے لگیں - یہ عمارتیں اس طرح بنائی جاتی تھیں کہ ان میں آمد و رفت کے لیے کوئی دروازہ نہیں ہوتا تھا - کیونکہ جو جاتا تھا وہ پھر باہر نہیں نکلتا تھا - صرف ایک چھوٹی سی سلاخ دار کھڑکی رکھی جاتی تھی جو ہوا اور روشنی کا ذریعہ ہوتی اور اسی کے ذریعہ سے لوگ غذا بھی پہنچا دیتے -

بعد کو جب مناسٹک ازم (رہبانیت) کے باقاعدہ ادارے قائم ہوگئے تو اس طرح کے انفرادی انزوا کی مثالیں کم ہوتی گئیں - تاہم تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ ازمنہ وسطیٰ تک یہ طریقہ عام طور پر جاری تھا اور یورپ کی کوئی آبادی ایسی نہ تھی جو اس طرح کی عمارتوں سے خالی ہو - ان مقامات کو عام طور پر Logette کہتے تھے اور جب ایک راہب یا راہبہ کا ان میں انتقال ہو جاتا تو ان پر یہ لاطینی لفظ کندہ کر دیا جاتا کہ TU-ORA یعنی اس کے لیے دعا کرو!

تمام تاریخیں متفق ہیں کہ مسیحی رہبانیت سب سے پہلے مشرق میں شروع ہوئی اور اس کا بڑا مرکز فلسطین اور مصر تھا - پھر چوتھی صدی مسیحی میں یہ یورپ پہنچی اور سینٹ بنی ڈکٹ (Benedict) نے سب سے پہلے اس کے قواعد و ضوابط منضبط کیے - سینٹ بنی ڈکٹ نے بھی ایک پہاڑ کی غار ہی میں گوشہ نشینی اختیار کی تھی -

مسیحی رہبانیت کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس کی ابتدا اضطراری حالات سے ہوئی تھی - آگے چل کر اس

---

[1] عیسائیوں نے عبادت کی یہ وضع غالباً رومیوں سے لی - کیونکہ یہودیوں کے اوضاع نماز میں اس وضع کا پتہ نہیں چلتا - ان کا رکوع تقریباً ویسا ہی ہوتا ہے جیسا ہم نماز میں کیا کرتے ہیں -

دنیا کی مختلف قوموں نے بندگی و نیازمندی کے اظہار کے لیے مختلف وضعیں اختیار کر لی تھیں - رومی گھٹنا ٹیک کر جھک جاتے اور بادشاہ کے قدموں کو یا دامن کو بوسہ دیتے - مجرموں کے لیے بھی ضروری تھا کہ مجسٹریٹ کا فیصلہ گھٹنے ٹیک کر سنیں - مصر، بابل اور ایران میں سجدہ کی رسم پیدا ہوئی اور ہندوستان میں اوندھے منہ ہو کر بالکل لیٹ جانے کی - ﴿ وَكُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴾

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے ایک اختیاری عمل کی نوعیت پیدا کر لی۔ یعنی ابتدا میں لوگوں نے مخالفوں کے ظلم و تشدد سے مجبور ہو کر غاروں اور جنگلوں میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ پھر ایسے حالات پیش آئے کہ یہ اضطراری طریقہ زہد و تعبد کا ایک اختیاری اور مقبول طریقہ بن گیا۔ مزید تشریح اس مقام کی سورۂ حدید کی تشریحات میں ملے گی۔

بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف کا معاملہ بھی تمام تر اسی نوعیت کا تھا۔ ابتدا میں قوم کے ظلم نے انہیں مجبور کیا تھا کہ غار میں پناہ لیں، لیکن جب کچھ عرصہ تک وہاں مقیم رہے تو زہد و عبادت کا استغراق کچھ اس طرح ان پر چھا گیا کہ پھر دنیا کی طرف لوٹنے پر آمادہ نہ ہو سکے اور گو ملک کی حالت بدل گئی تھی لیکن وہ بدستور غار ہی میں معتکف رہے۔ یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ انتقال اس حال میں ہوا کہ جس شخص نے ذکر و عبادت کی جو وضع اختیار کر لی تھی وہی وضع آخری لمحوں تک باقی رہی۔ ان کے وفادار کتے نے بھی آخر تک ان کا ساتھ دیا۔ وہ پاسبانی کے لیے دہانے کے قریب بیٹھا رہتا تھا۔ جب اس کے مالک مر گئے تو اس نے بھی وہیں بیٹھے بیٹھے دم توڑ دیا۔

اب اس واقعہ کے بعد غار کے اندرونی منظر نے ایک عجیب دہشت انگیز نوعیت پیدا کر لی۔ اگر کوئی باہر سے جھانک کر دیکھے تو اسے راہبوں کا ایک پورا مجمع ذکر و تعبد میں مشغول دکھائی دے گا۔ کوئی گھٹنے کے بل رکوع کی حالت میں ہے۔ کوئی سجدے میں پڑا ہے۔ کوئی ہاتھ جوڑے اوپر کی طرف دیکھ رہا ہے۔ دہانے کے قریب ایک کتا ہے۔ وہ بھی بازو پھیلائے باہر کی طرف منہ کیے ہوئے ہے۔ یہ منظر دیکھ کر ممکن نہیں کہ آدمی دہشت سے کانپ نہ اٹھے۔ کیونکہ اس نے یہ سمجھ کر جھانکا تھا کہ مردوں کی قبر ہے۔ مگر منظر جو دکھائی دیا وہ زندہ انسانوں کا ہے!

(ز) یہ تفسیر سامنے رکھ کر معاملہ کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈالو۔ ہر بات اس طرح واضح ہو جاتی ہے گویا تمام قفلوں کو کھلنے کے لیے صرف اسی ایک کنجی کا انتظار تھا ﴿ وَ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ ﴾ کا مطلب بھی ٹھیک ٹھیک اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ کسی دور از کار توجیہہ کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ اس طرح کا منظر یہی خیال پیدا کرے گا کہ لوگ زندہ ہیں۔ حالانکہ زندہ نہیں۔ ﴿ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴾ کی علت بھی سامنے آ گئی اور وہ تمام بے معنی توجیہیں غیر ضروری ہو گئیں جن پر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ مجبور ہوئے ہیں۔ اگر تم کسی قبر کے اندر جھانک کر دیکھو اور تمہیں مردہ نعش کی جگہ ایک آدمی نماز پڑھتا دکھائی دے تو تمہارا کیا حال ہوگا؟ یقیناً مارے دہشت کے چیخ اٹھو گے! اسی طرح ﴿ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ﴾ کی تفسیر میں بھی کسی تکلف کی احتیاج باقی نہ رہی۔ غار شمال و جنوب رویہ واقع تھا۔ اور ان دونوں جہتوں میں ہوا اور روشنی کے منافذ تھے جیسا کہ آیت ﴿ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ ﴾ سے متبادر ہوتا ہے۔ پس بالمقابل منافذ ہونے کی وجہ سے ہوا برابر اندر چلتی رہتی تھی اور ان کے ڈھانچے دہنے سے بائیں اور بائیں سے دہنی جانب اس طرح متحرک رہتے تھے جیسے ایک زندہ آدمی ایک طرف سے پلٹ کر دوسری طرف دیکھے۔

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾:

اس تفسیر کے بعد اس سوال کا جواب بھی خود بخود مل گیا کہ قرآن نے خصوصیت کے ساتھ یہ بات کیوں بیان کی کہ سورج کی کرنیں غار کے اندر نہیں پہنچتیں جیسا کہ آیت (۱۷) میں ہے اور کیوں اسے قدرت الٰہی کی ایک نشانی فرمایا کہ ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ معلوم ہو گیا کہ یہ دراصل اس بات کی تمہید تھی جو بعد کو آیت (۱۸) میں بیان کی گئی ہے کہ ﴿ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ ﴾ یعنی چونکہ یہ بات بیان کرنی تھی کہ مرنے کے بعد ان کی نعشیں عرصہ تک باقی رہیں حتیٰ کہ دیکھنے والوں کو زندہ انسانوں کا گمان ہوتا تھا اس لیے پہلے اس کی علت واضح کر دی کہ جس غار میں معتکف ہوئے تھے، وہ اس طرح کی غار تھی کہ انسانی جسم زیادہ سے زیادہ عرصہ تک اس میں قائم رہ سکتا تھا۔ کیونکہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورج کی روشنی اس میں پہنچتی رہتی تھی۔لیکن سورج کی تپش کا اس میں گزر نہ تھا۔جو چیز نغش کو جلد گلا سڑا دیتی ہے' وہ سورج کی تپش ہے اور جو چیز تازگی پیدا کرتی ہے' وہ ہوا اور روشنی ہے۔ہوا چلتی رہتی تھی۔روشنی پہنچتی رہتی ہے مگر تپش سے پوری حفاظت تھی' و ذلك من ايات الله!

﴿ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ ﴾ کی تفسیر:

(ح) ﴿ وَ لَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَ ازْدَادُوْا تِسْعًا ﴾ (۲۵) کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ خود قرآن کی تصریح ہے کہ وہ لوگ اتنی مدت تک غار میں پڑے رہے؟ لیکن اگر ایسا ہے تو پھر اس کے بعد کیوں فرمایا کہ ﴿ قل الله اعلم بما لبثوا؟ ﴾ مفسرین کو اس اشکال کے دور کرنے میں طرح طرح کے تکلفات کرنے پڑے حالانکہ صاف مطلب وہی ہے جو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔یعنی جس طرح پہلے ان کی تعداد کے بارے میں لوگوں کے مختلف اقوال نقل کیے تھے اسی طرح یہاں مدت بقا کے بارے میں لوگوں کا قول نقل کیا ہے۔یعنی لوگ کہتے ہیں غار میں تین سو برس تک رہے۔بعضوں نے اس پر نو برس اور بڑھا دیے۔تم کہہ دو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ فی الحقیقت کتنی مدت گزر چکی ہے۔پس یہ قرآن کی تصریح نہیں ہے،لوگوں کا قول ہے اور "سیقولون" سے نقل اقوال کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے اسی سلسلہ کی یہ آخری کڑی ہے۔[1] حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی تفسیر مروی ہے۔[2]

(ط) امام قرطبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ "اولئك قوم فنوا وعد موا منذ مدة طويله" یعنی اصحاب کہف کی موت پر ایک مدت گزر چکی ہے۔ان کے اجسام فنا ہو گئے جس طرح ہر جسم فنا ہو جاتا ہے۔ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شام کی غزوات میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہ کا گزر اصحاب کہف کی غار پر ہوا تھا اور انہیں ان کی ہڈیاں ملی تھیں۔اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس سے اس کی بھی مزید تصدیق ہو گئی کہ یہ واقعہ پیٹرا میں پیش آیا تھا۔

(مسیحی رہبانیت کے طریقہ کی نسبت مندرجہ صدر بیان میں جو اشارات کیے گئے ہیں،ان کی تفصیلات کے لیے حسب ذیل کتابیں دیکھنی چاہییں:

The Paradise or Garden of the Holy Fathers, By E.A.W Budge.

The Evolution of the Monaste Ideal, By H.Workman.

Five Centuries of Religion, By G.G. Coulton.

The Medieval Mind, By H.O Taylor.

صاحب موسیٰ علیہ السلام:

(۱۶) آیت (۶۵) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جس شخص سے ملنے کا ذکر کیا گیا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علم عطا فرمایا تھا' وہ

---

[1] اخرج ابن ابی حاتم وابن مردويه عن ابن عباس- قال ان الرجل ليفسر الايت يرى انها كذلك فيهوى ابعد ما بين السماء والارض ثم تلا "و لبثوا في كهفهم" ثم قال كم لبث القوم؟ قالوا ثلاث مائة وتسع سنين- قال لو كانوا لبثوا كذلك :لم يقل الله"قل الله اعلم بما لبثوا" و لكنه حكى مقالة القوم فقال"سيقولون ثلاثة" الى قوله "رجما بالغيب" فاخبر انهم لا يعلمون- ثم قال سيقولون"ولبثوا في كهفهم ثلاثمائه سنين وازدا دوا تسعا"(فتح القدير) اس سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ جو لوگ اس آیت کو قرآن کی تصریح قرار دیتے تھے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک وہ سخت غلطی میں تھے۔اور حقیقت سے بالکل دور ہو گئے تھے۔

[2] اخرج ابن جرير عن قتاده في حرف ابن مسعود- وقالوا"ولبثوا في كهفهم"يعني انما قاله الناس الا ترى انه قال"قل الله اعلم بما لبثوا-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کون تھا؟ اس بارے میں قرآن نے کوئی تصریح نہیں کی ہے' لیکن صحیحین کی روایت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام خضر تھا۔

اس بارے میں بہت سی روایتیں مفسرین نے نقل کی دی ہیں جن کی صحت محل نظر ہے اور تصریحات متناقض' اور زیادہ تر اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں۔

ذوالقرنین:

(۱۷) اس سورت میں تیسرا واقعہ جو بیان کیا گیا ہے وہ ذوالقرنین کا ہے۔ کیونکہ لوگوں نے اس بارے میں سوال کیا تھا۔ تمام مفسرین متفق ہیں کہ سوال یہودیوں کی جانب سے تھا۔ اگرچہ غالباً مشرکین مکہ کی زبانی ہوا۔ کیونکہ سورت مکی ہے۔

(الف) قرآن نے ذوالقرنین کی نسبت جو کچھ بیان کیا ہے اس پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے تو حسب ذیل امور سامنے آجاتے ہیں:

اولاً، جس شخصیت کی نسبت پوچھا گیا ہے وہ یہودیوں میں ذوالقرنین کے نام سے مشہور تھی یعنی ذوالقرنین کا لقب خود قرآن نے تجویز نہیں کیا ہے' پوچھنے والوں کا مجوزہ ہے کیونکہ فرمایا ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ﴾ (۸۳)

ثانیاً، اللہ نے اپنے فضل وکرم سے اسے حکمرانی عطا فرمائی تھی اور ہر طرح کا ساز وسامان جو ایک حکمراں کے لیے ہوسکتا تھا اس کے لیے فراہم ہوگیا تھا۔

ثالثاً، اس کی بڑی مہمیں تین تھیں۔ پہلے مغربی ممالک فتح کیے۔ پھر مشرقی۔ پھر ایک ایسے مقام تک فتح کرتا ہوا چلا گیا جہاں پہاڑی درہ تھا اور اس کی دوسری طرف سے یاجوج اور ماجوج آکر لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔

رابعاً، اس نے وہاں ایک نہایت محکم سد تعمیر کردی اور یاجوج وماجوج کی راہ بند ہوگئی۔

خامساً، وہ ایک عادل حکمراں تھا۔ جب وہ مغرب کی طرف فتح کرتا ہوا دور تک چلا گیا تو ایک قوم ملی جس نے خیال کیا کہ دنیا کے تمام بادشاہوں کی طرح ذوالقرنین بھی ظلم وتشدد کرے گا۔ لیکن ذوالقرنین نے اعلان کیا کہ بے گناہوں کے لیے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ جو لوگ نیک عملی کی راہ چلیں گے' ان کے لیے ویسا ہی اجر بھی ہوگا۔ البتہ ڈرنا انہیں چاہیے جو جرم وبدعملی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ (۸۵)

سادساً' وہ خداپرست اور راست باز انسان تھا اور آخرت کی زندگی پر یقین رکھتا تھا۔ (۸۷) و (۹۸)

سابعاً' وہ نفس پرست بادشاہوں کی طرح طامع اور حریص نہ تھا۔ جب ایک قوم نے کہا یاجوج اور ماجوج ہم پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک سد تعمیر کردیں' ہم خراج دیں گے' تو اس نے کہا ﴿ ما مكنى فيه ربى خير ﴾ جو کچھ خدا نے مجھے دے رکھا ہے وہی میرے لیے بہتر ہے۔ میں تمہارے خراج کا طامع نہیں۔ یعنی میں خراج کی طمع سے یہ کام نہیں کروں گا۔ اپنا فرض سمجھ کر انجام دوں گا۔

تاریخ قدیم کی جس شخصیت میں یہ تمام اوصاف واعمال پائے جائیں' وہی ذوالقرنین ہوسکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کون شخص تھا؟

مفسرین کی حیرانی:

سب سے پہلا حل طلب مسئلہ جو مفسرین کے سامنے آیا وہ اس کے لقب کا تھا۔ عربی میں بھی اور عبرانی میں بھی ''قرن'' کے صاف معنی سینگ کے ہیں۔ پس ''ذوالقرنین'' کا مطلب ہوا دو سینگوں والا' لیکن چونکہ تاریخ میں کسی ایسے بادشاہ کا سراغ نہیں ملا جس کا ایسا لقب رہا ہو اس لیے مجبوراً ''قرن'' کے معنی میں طرح طرح کے تکلفات کرنے پڑے۔ پھر چونکہ فتوحات کی وسعت اور مغرب ومشرق کی حکمرانی کے لحاظ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے سکندر مقدونی کی شخصیت سب سے زیادہ مشہور رہی ہے اس لیے متاخرین کی نظریں اسی کی طرف اٹھ گئیں چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سکندر ہی کو ذوالقرنین قرار دیا ہے- اور اگرچہ حسب عادت وہ تمام اعتراضات نقل کر دیے ہیں جو اس تفسیر پر وارد ہوتے ہیں لیکن پھر حسب عادت ان کے بے محل جوابات پر مطمئن بھی ہو گئے ہیں- حالانکہ کسی اعتبار سے بھی قرآن کا ذوالقرنین سکندر مقدونی نہیں ہو سکتا- نہ تو وہ خدا پرست تھا- نہ عادل تھا- نہ مفتوح قوموں کے لیے فیاض تھا اور نہ اس نے کوئی سد ہی بنائی-

بہر حال مفسرین ذوالقرنین کی شخصیت کا سراغ نہ لگا سکے-

دانیال نبی کا خواب:

اگر ذوالقرنین کے مفہوم کا کوئی سراغ ملتا تھا تو وہ صرف ایک دُور کا اشارہ تھا جو حضرت دانیال علیہ السلام کی کتاب میں ملتا ہے- یعنی ایک خواب جو انہوں نے بابل کی اسیری کے زمانے میں دیکھا تھا-

بابل کی اسیری کا زمانہ یہودیوں کے لیے نہایت مایوسی کا زمانہ تھا- ان کی قومیت پامال ہو چکی تھی ان کا ہیکل منہدم ہو چکا تھا' ان کے شہر اجاڑ تھے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ اس ہلاکت کے بعد ان کی زندگی کا کیا سامان ہو سکتا ہے- اسی زمانہ میں حضرت دانیال علیہ السلام کا ظہور ہوا جو اپنے علم و حکمت کی وجہ سے شاہان بابل کے دربار میں نہایت مقرب ہو گئے تھے- انہی کی نسبت تورات میں بیان کیا گیا ہے کہ بیلش ضار شاہِ بابل کی سلطنت کے تیسرے برس انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا اور اس خواب میں انہیں آنے والے واقعات کی بشارت دی گئی تھی-

چنانچہ کتاب دانیال میں ہے ''میں کیا دیکھتا ہوں کہ ندی کے کنارے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں- دونوں سینگ اونچے تھے لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا اور بڑا دوسرے کے پیچھے تھا- میں نے دیکھا کہ پچھم' اتر اور دکھن کی طرف وہ سینگ مارتا ہے- یہاں تک کہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا نہ رہ سکا اور وہ بہت بڑا ہو گیا- میں یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ دیکھو' پچھم کی طرف سے ایک بکرا آ کے تمام روئے زمین پر پھر گیا- اس بکرے کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک عجیب طرح کا سینگ تھا- وہ دو سینگ والے مینڈھے کے پاس آیا اور اس پر غضب سے بھڑکا اور اس کے دونوں سینگ توڑ ڈالے اور مینڈھے کو قوت نہ تھی کہ اس کا مقابلہ کرے'' (دانیال ۸:۱) پھر اس کے بعد ہے کہ جبریل نمایاں ہوا اور اس نے اس خواب کی یہ تعبیر بتلائی کہ دو سینگوں والا مینڈھا مادہ اور فارس کی بادشاہت ہے اور بال والا بکرا یونان کی- جو بڑا سینگ اس کی آنکھوں کے درمیان دکھائی دیا ہے وہ اس کا پہلا بادشاہ ہوگا (۸:۱۵)

دو سینگوں والی شہنشائی:

اس بیان سے معلوم ہوا کہ مادہ (میڈیا) اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی تھی اور چونکہ یہ دونوں مملکتیں مل کر ایک شہنشاہی بننے والی تھیں اس لیے شہنشاہ مادہ و فارس کو دو سینگوں والے مینڈھے کی شکل میں ظاہر کیا گیا- پھر اس مینڈھے کو جس نے شکست دی وہ یونان کے بکرے کا پہلا سینگ تھا یعنی سکندر مقدونی تھا جس نے فارس پر حملہ کیا اور کیانی شہنشاہی کا خاتمہ ہو گیا-

اس خواب میں بنی اسرائیل کے لیے بشارت یہ تھی کہ ان کی آزادی و خوشحالی کا نیا دور اسی دو سینگوں والی شہنشاہی کے ظہور سے وابستہ تھا- یعنی شہنشاہ فارس بابل پر حملہ کر کے فتح مند ہونے والا تھا' اور پھر اسی کے ذریعہ سے بیت المقدس کی از سر نو تعمیر اور یہودی قومیت کی دوبارہ شیرازہ بندی ہونے والی تھی- چنانچہ چند برسوں کے بعد سائرس کا ظہور ہوا- اس نے میڈیا اور پارس کی مملکتیں ملا کر ایک عظیم الشان شہنشاہی قائم کر دی اور پھر بابل پر پے در پے حملے کر کے اسے مسخر کر لیا-

چونکہ اس خواب میں میڈیا اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی تھی' اس لیے خیال ہوتا تھا کہ عجب نہیں فارس کے شہنشاہ کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے یہودیوں میں ذوالقرنین کا تخیل پیدا ہو گیا ہو- یعنی دو سینگوں والی شہنشاہی، اور وہ اسے اس لقب سے پکارتے ہوں- تاہم یہ محض ایک قیاس تھا- اس کی تائید میں کوئی تاریخی شہادت موجود نہ تھی-

سائرس کے مجسمہ کا انکشاف:

لیکن ۱۸۳۸ء کے ایک انکشاف نے جس کے نتائج بہت عرصہ کے بعد منظر عام پر آئے' اس قیاس کو ایک تاریخی حقیقت ثابت کر دیا اور معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت شہنشاہ سائرس کا لقب ذوالقرنین تھا اور یہ محض یہودیوں کا کوئی مذہبی تخیل نہ تھا بلکہ خود سائرس کا یا باشندگان فارس کا مجوزہ اور پسندیدہ نام تھا-

اس انکشاف نے شک و تخمین کے تمام پردے اٹھا دیے- یہ خود سائرس کی ایک سنگی تمثال ہے جو اصطخر کے کھنڈروں میں دستیاب ہوئی اس میں سائرس کا جسم اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اس کے دونوں طرف عقاب کی طرح پر نکلے ہوئے ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں- اوپر خط میخی میں جو کتبہ کندہ تھا اس کا بڑا حصہ ٹوٹ کر ضائع ہو چکا ہے مگر جس قدر باقی ہے وہ اس کے لیے کافی ہے کہ تمثال کی شخصیت واضح ہو جائے-[1] اس سے معلوم ہو گیا کہ ماد اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دینے کا تخیل ایک مقبول اور عام تخیل تھا' اور یقیناً سائرس کو ''ذوالقرنین'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا- تمثال میں پروں کا ہونا اس کے ملکوتی صفات و فضائل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ نہ صرف پارسیوں میں بلکہ تمام معاصر قوموں میں یہ اعتقاد عام طور پر پیدا ہو گیا تھا کہ وہ ایک غیر معمولی نوعیت کا انسان ہے-

دو سینگوں کا تخیل ابتدا میں کیونکر پیدا ہوا؟ کیا اس کی بنیاد دانیال نبی علیہ السلام کا خواب تھا یا بطور خود سائرس نے یا باشندگان پارس نے یہ تصور پیدا کیا؟ اس کا فیصلہ مشکل ہے لیکن اگر تورات کی روایات تسلیم کر لی جائیں تو سائرس سے لے کر ارٹا زرکسیز[2] (ارتخشت) اول تک تمام شہنشاہان پارس انبیائے بنی اسرائیل سے عقیدت رکھتے تھے' اور اس لیے ہو سکتا ہے کہ اسی خواب سے ''ذوالقرنین'' کا لقب پیدا ہو گیا ہو- بہرحال اب اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ سائرس کو ذوالقرنین سمجھا جاتا تھا اور یقیناً عرب کے یہودی بھی اسے اسی لقب سے پکارا کرتے تھے-

(ب) اس حقیقت کی وضاحت کے بعد جب سائرس کے ان حالات پر نظر ڈالی جاتی ہے جو یونانی مورخوں کی زبانی ہم تک پہنچے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے بیان کی ہو بہو تصویر ہے اور دونوں بیان اس درجہ باہم مطابقت رکھتے ہیں کہ ممکن نہیں کسی دوسری شخصیت کا وہم و گمان بھی کیا جا سکے-

سائرس کے حالات کے تاریخی مصادر:

زمانہ حال کے محققین تاریخ نے فارس کی تاریخ کو تین عہدوں میں تقسیم کیا ہے- پہلا عہد حملہ اسکندر سے پہلے کا ہے- دوسرا پارتھوی یا

---

[1] اس تمثال کے لیے فرنچ مصنف Dieulaf Marcel کی L'art anti en Perse دیکھنی چاہیے-

[2] یاد رکھنا چاہیے کہ شاہان فارس کے ناموں نے مختلف زبانوں میں مختلف صورتیں اختیار کر لی ہیں اور اس کی وجہ سے مورخوں نے سخت غلطیاں کی ہیں- سائرس کا اصلی نام غالباً گوروہ یا گوروش تھا جیسا کہ دارا کے کتبہ بے ستون سے معلوم ہوتا ہے' لیکن یونانی اسے سائرس Cyrus کہنے لگے اور یہودیوں نے اس کا تلفظ خورس کی شکل میں کیا- چنانچہ یسعیاہ ارمیا اور دانیال کے صحائف میں جا بجا یہ نام آیا ہے- اور یہی گورش ہے جس نے عربی میں خسرو کی شکل اختیار کر لی چنانچہ عرب مورخ اسے کیخسرو کے نام سے پکارتے ہیں- سائرس کا لڑکا کیمبی سیز Cambyses ہوا- یہ بھی یونانی تلفظ ہے- اس کا پارسی نام کمبوجیہ تھا' جس نے یہودیوں اور عربوں کی زبان پر کیقباد کی شکل اختیار کر لی- شاہنامہ نے بھی اسی کو اختیار کیا- کیونکہ اس کی بنیاد عربی تراجم پر تھی- کیقباد کے بعد دارا یودش ہوا- جسے عام طور پر دارا کے نام سے پکارا جاتا ہے اور تورات میں بھی یہی نام آیا ہے- دارا کے بعد ارٹا زرکسیز ہے- اسے تورات میں ارتخشت کے نام سے یاد کیا ہے اور عربوں میں اردشیر مشہور ہو گیا-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملوک الطوائف کا - تیسرا ساسانی سلاطین کا - فارسی شہنشاہی کی عظمت کا اصلی عہد وہی ہے جو حملہ اسکندر سے پہلے گزرا اور جس کی تاریخ سائرس کے ظہور سے شروع ہوتی ہے لیکن بدقسمتی سے اس عہد کے حالات معلوم کرنے کے براہ راست ذرائع مفقود ہو گئے ہیں[1] جس قدر بھی حالات روشنی میں آئے ہیں تمام تر یونانی تحریروں سے ماخوذ ہیں - ان میں زیادہ معتمد تین مورخ ہیں: ہیروڈوٹس (Herdotus) ٹی سیاز (Ctesias) اور زینوفون (Xenophon)

فتح ایران کے بعد جب مورخین نے ایران کی تاریخ مرتب کرنی چاہی تو انہیں جس قدر مواد ہاتھ آیا' وہ تمام تر پارسیوں کی قومی روایات پر مشتمل تھا - ان روایات میں حملہ اسکندر سے پہلے کا زمانہ اسی طرح کے قومی افسانوں کی نوعیت رکھتا ہے جس طرح ہندوستان میں پرانوں کے افسانے یا مہابھارت اور رامائن کے قصے ہیں - البتہ پچھلے دو عہدوں کی روایتیں تاریخی بنیادوں پر مبنی تھیں - جب دقیقی اور فردوسی نے شاہنامہ نظم کرنا چاہا تو انہیں عربی میں یہی مواد ملا اور اسی کو انہوں نے نظم کا جامہ پہنا دیا - پس یہ تمام ذخیرہ قبل از سکندر عہد کے لیے کچھ سودمند نہیں ہے - اور سائرس کے حالات کے لیے تمام تر یونانی مورخین کی شہادت ہی پر اعتماد کرنا ہے -

حضرت مسیح علیہ السلام سے پانچ سو ساٹھ برس پہلے ایران کی سرزمین دو مملکتوں میں بٹی ہوئی تھی - جنوبی حصہ پارس کہلاتا تھا اور شمال مغربی میڈیا - [2] چونکہ ان کے ہمسایہ میں آشوری اور بابلی حکومتیں انتہا عروج تک پہنچ چکی تھیں اس لیے قدرتی طور پر ان سے دبی ہوئی تھیں - دونوں مملکتوں میں مختلف قبائل کے امراء تھے جو اپنے اپنے حلقوں میں قبائلی حکومت رکھتے تھے - ۶۱۲ قبل مسیح میں جب نینوئی تباہ ہو گیا اور آشوری فرماں روائی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی تو میڈیا کے باشندے آزاد ہو گئے اور بتدریج ایک قومی حکومت نشوونما پانے لگی - اسی طرح پارس کے امرائے قبائل میں سے بھی بعض امیروں کو سر اٹھانے کا موقع ملا اور حکمراں خاندان پیدا ہو گیا - تاہم یہ دونوں مملکتیں وقت کی بے اثر حکومتیں تھیں اور بابل کی شہنشاہی جسے نبوکدرزر (بخت نصر) کی قہرمانہ فتح مندیوں نے تمام ایشیا میں سربلند کر دیا تھا سب پر چھائی ہوئی اور سب کو مقہور کیے ہوئے تھی -

سائرس کا ظہور:

لیکن ۵۵۹ قبل از مسیح میں ایک غیر معمولی شخصیت غیر معمولی حالات کے اندر ابھری اور اچانک تمام دنیا کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں - یہ پارس کے ایکی می نیز[3] خاندان کا ایک نوجوان گورش تھا جسے یونانیوں نے سائرس' عبرانیوں نے خورس اور عربوں نے کے خسرو کے نام سے پکارا - اسے پہلے پارس کے تمام امیروں نے اپنا فرماں روا تسلیم کر لیا - پھر بغیر کسی خوں ریزی کے میڈیا کی مملکت پر فرماں روا ہو گیا اور اس طرح دونوں مملکتوں نے مل کر ایران کی ایک عظیم الشان شہنشاہی کی صورت اختیار کر لی!

پھر اس کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا - وہ فتوحات نہیں جو ظلم و قہر کی خوں ریزیوں کے ذریعہ سے حاصل کی جاتی تھیں بلکہ انسانیت و عدالت کی فتوحات جو تمام تر اس لیے تھیں کہ مظلوم قوموں کی دادرسی اور پامال ملکوں کی دستگیری ہو - چنانچہ ابھی بارہ برس کی مدت بھی پوری نہیں ہوئی

---

[1] دارا اور اردشیر کے چند کتبوں کو اس سے مستثنیٰ کر دینا چاہیے جو مرد وشت کے گرد و نواح میں موجود ہیں جہاں قدیم دارالحکومت اصطخر آباد تھا - ان کتبوں سے خصوصاً دارا کے کتبہ بے ستون سے بعض اہم تاریخی انکشافات ہوئے ہیں اور ہیروڈوٹس کے بعض بیانات کی بھی تصدیق ہو گئی ہے -

[2] دارا کے کتبہ بے ستون میں اس کا نام ماداآیا ہے اس لیے میڈیا یونانی تلفظ سمجھنا چاہیے - عرب مورخوں نے اسے ماہات سے تعبیر کیا ہے -

[3] دارا نے بے ستون کے کتبہ میں اپنا سلسلہ نسب ہخامنش نامی بادشاہ سے ملایا ہے - یہی ہخامنش یونانی میں (Achaemenes) ہو گیا - ہیروڈوٹس کی روایت کے مطابق یہ سائرس کا پڑدادا تھا - یعنی ایکی می نیز سے ٹیز پیز (چائش پش) پیدا ہوا - اس سے کم بی سیز (کمبوجیہ یا کیقباد) اول اور کم بی سیز سے سائرس - سائرس نے اپنے بڑے لڑکے کا نام بھی کم بی سیز رکھا تھا -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی کہ بحر اسود سے لے کر بکڑیا (باختر) تک ایشیا کی تمام عظیم الشان مملکتیں اس کے آگے سربسجود ہو چکی تھیں!

ابتدائی زندگی:

دنیا کی تمام غیر معمولی شخصیتوں کی طرح سائرس کے ابتدائی حالات نے بھی ایک پراسرار افسانہ کی نوعیت اختیار کر لی ہے- اور ہمیں اس کی جھلک شاہنامہ کے افسانوں میں صاف صاف نظر آ جاتی ہے- اس کا اٹھان زندگی کے عام اور معمولی حالات میں نہیں ہوا بلکہ ایسے عجیب حالات میں جو ہمیشہ پیش نہیں آتے اور جب کبھی پیش آتے ہیں تو یہ قدرت کی ایک غیر معمولی کرشمہ سنجی ہوتی ہے- قبل اس کے کہ وہ پیدا ہو اس کے نانا اسٹیاگس (Astyages) نے اس کی موت کا سامان کر دیا تھا لیکن وہ ایک حیرت انگیز طریقہ پر بچا لیا جاتا ہے اور اس کی ابتدائی زندگی جنگلوں اور پہاڑوں میں بسر ہوتی ہے- پھر ایک وقت آتا ہے کہ اس کی غیر معمولی قابلیتیں اور اعلیٰ اخلاق و خصائل اسے ملک میں نمایاں کرتے ہیں اور اس کی خاندانی شخصیت پہچان لی جاتی ہے- اب اسے پورا موقع حاصل تھا کہ اپنے دشمنوں سے انتقام لے لیکن اسے ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا خیال نہیں گزرتا- حتیٰ کہ خود اسٹیاگس کی زندگی بھی اس کے ہاتھوں محفوظ رہتی ہے-

لیڈیا کی فتح:

تخت نشینی کے بعد سب سے پہلی جنگ جو اسے پیش آئی وہ لیڈیا (Lydia) کے بادشاہ کروئسیس (Croesus) سے تھی- لیکن تمام مورخین متفق ہیں کہ حملہ کروئسیس کی طرف سے ہوا تھا اور اس نے سائرس کو دفاع پر مجبور کر دیا تھا- لیڈیا سے مقصود ایشیائے کوچک کا مغربی اور شمالی حصہ ہے جو یونانی تمدن کا ایشیائی مرکز بن گیا تھا اور اس کی حکومت بھی اپنے تمام خصائص میں ایک یونانی حکومت تھی- جنگ میں سائرس فتح یاب ہوا- لیکن رعایا کے ساتھ کسی طرح کی بدسلوکی نہیں کی گئی- انہیں محسوس بھی نہیں ہوا کہ ملک ایک انقلاب جنگ کی حالت سے گزر رہا ہے- البتہ کروئسیس کی نسبت یونانی روایت یہ ہے کہ اس کے عزم و ہمت کی آزمائش کے لیے سائرس نے حکم دیا تھا، چتا تیار کی جائے اور اسے جلا دیا جائے لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ مردانہ وار چتا پر بیٹھ گیا ہے تو فوراً اس کی جاں بخشی کر دی اور اس نے بقیہ زندگی عزت و احترام کے ساتھ بسر کی-

مشرقی فتوحات:

اس جنگ کے بعد اسے مشرق کی طرف متوجہ ہونا پڑا کیونکہ گیڈروسیا (مکران) اور بکٹریا (بلخ) کے وحشی قبائل نے سرکشی کی تھی- یہ مہم ۵۴۵ اور ۵۴۰ قبل مسیح کی درمیانی مدت میں واقع ہوئی ہوگی-

فتح بابل:

تقریباً یہی زمانہ ہے جب باشندگان بابل نے اس سے درخواست کی ہے کہ بیل شازار (Belshazzar)[1] کے مظالم سے انہیں نجات دلائے-

---

[1] دانیال نبی کی کتاب میں اسے جا بجا بیلش ضار کے نام سے پکارا گیا ہے لیکن بابل کے کتبوں سے اس کا صحیح نام جو معلوم ہوا ہے یہی ہے- علاوہ بریں معلوم ہوتا ہے کہ نوشتہ کے لکھنے والوں نے سائرس اور دارا کے دو مختلف حملوں کا امتیاز ملحوظ نہیں رکھا ہے اور کہیں سائرس کی جگہ دارا کا نام آ گیا ہے کہیں دارا کی جگہ سائرس کا- تاریخی حیثیت سے جو واقعہ ثابت ہوا ہے وہ یہ ہے کہ بابل پر فارس کے دو حملے ہوئے ہیں- پہلا سائرس نے کیا- دوسرا دارا نے- سائرس نے بابل فتح کر کے اس کی اندرونی حکومت و ملکی امرا کے ہاتھ چھوڑ دی تھی- پھر تقریباً بیس برس بعد امرائے بابل نے بغاوت کی اور دارا مجبور ہوا کہ دوبارہ بابل کو فتح کرے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نینوئی کی تباہی نے ایک نئی بابلی شہنشاہی کی بنیادیں استوار کر دی تھیں اور نبوکدرزار (بخت نصر) کی قاہرانہ فتوحات نے تمام مغربی ایشیا کو مسخر کر لیا تھا - اس کا حملہ بیت المقدس تاریخ کا ایک انقلاب انگیز واقعہ ہے - وہ صرف بادشاہوں کو مسخر ہی نہیں کرتا تھا بلکہ قوموں کو غلام بناتا اور ملکوں کو تباہ کر ڈالتا تھا - لیکن اس کے مرنے کے بعد کوئی ایسی شخصیت پیدا نہیں ہوئی جو اس کی جنگ جویانہ قوتوں کی جانشین ہوتی - اس کے بعد بابل کے مندروں کے پجاریوں نے (جو ملک میں سب سے زیادہ اثر و مقبولیت رکھتے تھے) نابونی دس (Nabonidus) کو تخت نشین کیا تھا لیکن اس نے حکومت کا تمام کاروبار بیل شازار کے ہاتھ چھوڑ دیا جو ظلم و عیاشی کا مجسمہ تھا - اسی کی نسبت دانیال نبی کے صحیفہ میں ہم پڑھتے ہیں کہ بیت المقدس کے ہیکل کے مقدس پیالوں میں اس نے شراب پی تھی اور ایک غیبی ہاتھ نے نمایاں ہو کر "منے منے تقیل وفرسین" کے الفاظ دیوار پر لکھ دیے تھے (دانیال ۵:۱)

تمام مورخین متفق ہیں کہ اس عہد میں بابل سے زیادہ مستحکم اور ناقابل فتح کوئی شے نہ تھی اس کی چار دیواری اتنی موٹی، تہ در تہ اور اونچی تھی کہ اسے مسخر کرنے کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا - بایں ہمہ سائرس نے باشندگان بابل کی فریاد پر لبیک کہا اور دوآبہ کا تمام علاقہ فتح کرتا ہوا شہر کے سامنے نمودار ہو گیا - چونکہ خود باشندگان شہر بیل شازار کے مظالم سے تنگ آ گئے تھے اور سائرس کے لیے چشم براہ تھے اس لیے انہوں نے ہر طرح اس کا ساتھ دیا - خود بابلی مملکت کا ایک سابق گورنر گوب ریاس (Gobryas) اس کی فوج کے ساتھ تھا - ہیروڈوٹس کا بیان ہے کہ اسی شخص نے دریا میں نہریں کاٹ کر اس کا بہاؤ دوسری طرف ڈال دیا اور دریا کی جانب سے فوج شہر میں داخل ہو گئی - قبل اس کے کہ خود سائرس شہر میں پہنچے شہر فتح ہو چکا تھا!

بنی اسرائیل کی رہائی اور ہیکل کی تعمیر:

تورات کی شہادت یہ ہے کہ سائرس کا ظہور اور بابل کی فتح بنی اسرائیل کے لیے زندگی و خوشحالی کا نیا پیام تھا اور یہ ٹھیک اسی طرح ظہور میں آئی جس طرح یسعیاہ نبی نے ایک سو ساٹھ برس پہلے اور یرمیاہ نے ساٹھ برس پہلے وحی الٰہی سے مطلع ہو کر خبر دے دی تھی - چنانچہ سائرس نے دانیال نبی کی نہایت توقیر کی، یہودیوں کو یروشلم میں بسنے کی اجازت دے دی - نیز اپنی تمام مملکت میں اعلان کیا کہ "خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ یروشلم میں اس کے لیے ایک ہیکل بناؤں (یعنی قدیم برباد شدہ ہیکل سلیمان کو از سر نو تعمیر کروں) پس تمام لوگوں کو ہر طرح کا ساز و سامان اس کے لیے مہیا کرنا چاہیے" اس نے سونے چاندی کے وہ تمام ظروف جو نبوکدرزار ہیکل سے لوٹ کر لایا تھا بابل کے خزانہ سے نکلوائے اور یہودیوں کے ایک امیر شیش بصر کے حوالے کر دیے کہ ہیکل کی تعمیر کے بعد اس میں بدستور رکھ دیے جائیں (عزرا - باب اول)

بابل کی فتح کے بعد سائرس کی عظمت تمام مغربی ایشیا میں مسلم ہو گئی - ۵۳۹ قبل مسیح میں صرف اسی کی تنہا شخصیت عظمت و حکمرانی کے عالمگیر تخت پر نمایاں نظر آتی ہے - بارہ برس پہلے وہ پارس کے پہاڑوں کا ایک گمنام انسان تھا لیکن اب ان تمام مملکتوں کا تنہا فرمانروا ہے جو صدیوں تک قوموں کی ابتدائی عظمتوں اور فتح مندیوں کا مرکز رہ چکی ہیں - فتح بابل کے بعد وہ تقریباً دس برس تک زندہ رہا اور ۵۲۹ قبل مسیح میں انتقال کر گیا -

سائرس کے ظہور کی پیشین گوئیاں:

(۱۸) اب قبل اس کے کہ قرآن کے بیان کردہ حالات پر نظر ڈالی جائے اس بات پر غور کر لینا چاہیے کہ انبیائے بنی اسرائیل کی پیشین گوئیاں اس شخصیت کے بارے میں کیا تھیں اور یہودیوں کے اعتقاد میں کس طرح وہ حرف بہ حرف پوری ہوئیں؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سلسلہ میں سب سے پہلی پیشین گوئی یسعیاہ نبی کی ہے جن کا ظہور سائرس کے فتح بابل سے ایک سو ساٹھ برس پہلے ہوا تھا - انہوں نے پہلے بیت المقدس کی تباہی کی خبر دی ہے کہ بابل کے ہاتھوں ظہور میں آئے گی - اس کے بعد اس کی دوبارہ تعمیر کی بشارت دی ہے اور اس سلسلہ میں خورس (سائرس) کے ظہور کا ذکر کیا ہے: ''خداوند تیرا نجات دینے والا یوں فرماتا ہے کہ..... یروشلم پھر آباد کیا جائے گا - یہودا کے شہر بنائے جائیں گے - میں اس کے ویران مکانوں کو تعمیر کروں گا..... میں خورس کے حق میں کہتا ہوں کہ وہ میرا چرواہا ہے - وہ میری ساری مرضی پوری کرے گا..... خداوند اپنے مسیح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا تا کہ قوموں کو اس کے قابو میں کردوں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوادوں اور دہرے دروازے اس کے لیے کھول دوں - ہاں میں تیرے آگے چلوں گا - میں ٹیڑھی جگہوں کو سیدھا کروں گا - میں پیتل کے دروازوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا - میں گڑھے ہوئے خزانے اور چھپے ہوئے مکانوں کے گنج تجھے عطا کروں گا - اور یہ سب کچھ اس لیے کروں گا تا کہ تو جان لے کہ میں خداوند اسرائیل کا خدا ہوں جس نے اپنی برگزیدہ قوم اسرائیل کے لیے تجھے تیرا نام صاف صاف لے کے بلایا ہے'' (یسعیاہ ۴۵:۱-۴)

اس پیشین گوئی میں خدا کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ خورس (سائرس) میرا چرواہا ہوگا اور میں نے اسے اس لیے پکارا ہے کہ بنی اسرائیل کو بابلیوں کے ظلم سے نجات دلائے - نیز اسے ''خدا کا مسیح'' بھی کہا ہے -

اسی طرح یرمیاہ نبی نے ساٹھ برس پہلے پیشین گوئی کی تھی ''قوموں کے درمیان منادی کرو اور اسے مت چھپاؤ - تم کہو بابل لے لیا گیا - بعل رسوا ہوا - مردوک سراسیمہ کیا گیا - اس کے بت مخجل ہوئے - اس کی مورتیں پریشان کی گئیں - کیونکہ اتر سے ایک قوم اس پر چڑھتی ہوئی آرہی ہے جو اس کی سرزمین اجاڑ دے گی یہاں تک کہ اس میں کوئی نہیں رہے گا'' (۵۰:۱)

یرمیاہ نبی نے اس کی بھی پیشین گوئی کردی تھی کہ ستر برس تک یہودی بابل میں قید رہیں گے' اور اس کے بعد بیت المقدس کی نئی تعمیر ہوگی'' خداوند کہتا ہے - جب بابل پر ستر برس گزر چکیں گے تو میں تمہاری خبر لینے آؤں گا - تب تم مجھے پکارو گے اور میں جواب دوں گا - تم مجھے ڈھونڈو گے اور مجھے پالو گے - میں تمہاری اسیری ختم کروں گا - تمہیں مکانوں میں واپس لے آؤں گا'' (۲۹:۱۰)

اس پیشین گوئی میں خدا نے اپنی رحمت کی واپسی کو فتح بابل کے واقعہ سے وابستہ کردیا ہے - گویا سائرس کا ظہور اس کی رحمت کا ظہور ہوگا جو بنی اسرائیل پر پھر لوٹ آئے گی -

پیشین گوئیوں کی تاریخی حیثیت:

تورات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جب سائرس نے بابل فتح کیا تو دانیال نبی نے (جو شاہان بابل کے وزراء میں داخل ہوگئے تھے) اسے یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی دکھائی کہ ایک سو ساٹھ برس پہلے اس کے ظہور کی خبر دے دی گئی تھی - یہ بات دیکھ کر وہ بے حد متاثر ہوا اور بیان کیا جاتا ہے کہ اسی کا نتیجہ وہ فرمان تھا جو اس نے تعمیر ہیکل کے لیے جاری کیا -

زمانہ حال کے نقادان پیشین گوئیوں کی اصلیت پر مطمئن نہیں ہیں - وہ کہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ یہ پیشین گوئیاں واقعات کے ظہور کے بعد بڑھا دی گئی ہوں - خصوصاً یسعیاہ کی پیشین گوئی جس میں صریح خورس (سائرس) کا نام موجود ہے - لیکن وہ اس اشتباہ کی تائید میں عقلی استغراب کے سوا اور کوئی دلیل پیش نہیں کرسکتے اور محض عقلی استغراب ان صحائف کے خلاف حجت نہیں ہوسکتا جن کی نسبت یقین کیا گیا ہے کہ الہام سے لکھے گئے تھے - علاوہ بریں تورات کے آخری صحائف جو فتح بیت المقدس کے اثنا میں یا اسیری بابل کے زمانے میں لکھے گئے ہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخی حیثیت سے محفوظ تسلیم کر لیے گئے ہیں- کیونکہ وہ اس وقت سے برابر یہودیوں میں متداول رہے اور کوئی حادثہ ایسا رونما نہیں ہوا کہ ان کے نسخے نابود ہو گئے ہوں- ممکن ہے کہ یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی میں بھی دانیال نبی کے خواب کی طرح خورس کا نام نہ بتلایا گیا ہو- صرف قوم و ملک کا ذکر ہو اور بعد کو یہ نام بڑھا دیا گیا ہو لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہودیوں کا عام اعتقاد برابر یہی رہا کہ سائرس کا ظہور نبیوں کی پیشین گوئی کے مطابق ہوا تھا اور وہ خدا کی ایک پسندیدہ ہستی تھی جو اسی لیے پیدا کی گئی تھی کہ مظلوموں کی دادرسی ہو اور بابلیوں کے ظلم و شرارت سے قوموں کو نجات ملے-

قرآن کی تصریحات اور سائرس:

(۱۹) اب غور کرو- قرآن کی تصریحات نے جو جامہ تیار کیا ہے وہ کس طرح ٹھیک ٹھیک صرف سائرس ہی کے جسم پر راست آتا ہے؟ ہم نے اس مبحث کے آغاز میں تصریحات قرآنی کا خلاصہ دے دیا ہے جو سات دفعات پر مشتمل ہیں- ان پر پھر ایک نظر ڈال لو-

(۱-) سب سے پہلے اس بات پر غور کرو کہ ذوالقرنین کی نسبت سوال بالاتفاق یہودیوں کی جانب سے ہوا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی غیر یہودی بادشاہ کی شخصیت یہودیوں میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جا سکتی تھی تو وہ صرف سائرس ہی کی تھی- نبیوں کی پیشین گوئیوں کا مصداق، دانیال نبی کے خواب کا ظہور، رحمت الٰہی کی واپسی کی بشارت، بنی اسرائیل کا نجات دہندہ، خدا کا فرستادہ چرواہا اور مسیح، یروشلم کی تعمیر ثانی کا وسیلہ! پس اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسی کی نسبت ان کا سوال ہو؟

سدی کی ایک روایت میں بھی جو قرطبی وغیرہ نے نقل کی ہے اس طرف صریح اشارہ ملتا ہے: **قال قالت الیهود- اخبرنا عن نبی لم یذکره الله فی التورات الا فی مکان واحد- قال و من؟ قالوا ذوالقرنین-** یعنی یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا- اس نبی کی نسبت ہمیں خبر دیجیے جس کا نام تورات میں صرف ایک ہی مقام پر آیا ہے- آپ نے فرمایا، وہ کون؟ کہا ذوالقرنین- چونکہ سائرس کے ذوالقرنین ہونے کا اشارہ صرف دانیال نبی کے خواب ہی میں آیا ہے اس لیے یہودیوں کا یہ بیان ٹھیک ٹھیک اسی طرف اشارہ تھا-

علاوہ بریں سائرس کے تمثال کے انکشاف نے قطعی طور پر یہ بات آشکارا کر دی ہے کہ اس کے سر پر دو سینگوں کا تاج رکھا گیا تھا اور یہ فارس اور مادہ کی مملکتوں کے اجتماع و اتحاد کی علامت تھی-

تفسیر ﴿ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ ﴾:

(۲۰) اس کے بعد قرآن کی تصریحات سامنے لاؤ- سب سے پہلا وصف جو اس کا بیان کیا ہے یہ ہے کہ ﴿ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴾ (۸۴) ہم نے اسے زمین میں قدرت دی تھی اور ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کر دیا تھا- قرآن جب کبھی انسان کی کسی کامرانی و خوشحالی کو براہ راست خدا کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے جیسا کہ یہاں کہا ہے تو اس سے مقصود عموماً کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو عام حالات کے خلاف محض اس کے فضل و کرم سے ظہور میں آئی ہو- مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت فرمایا- ﴿ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ﴾ (۱۲:۵۶) اس طرح ہم نے سرزمین مصر میں یوسف کو حکومت دے دی- ''ہم نے دے دی'' کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ہر طرح کے ناموافق حالات میں محض فضل الٰہی سے ایک غیر معمولی بات حاصل ہو گئی تھی- یہ بات نہ تھی کہ عام حالات کے مطابق ظہور میں آئی ہو- پس ضروری ہے کہ ذوالقرنین کو بھی حکمرانی کا مقام ایسے ہی حالات میں ملا ہو جو بالکل غیر معمولی قسم کے ہوں اور انہیں محض توفیق الٰہی کی کرشمہ سازی سمجھا جا سکے- کیونکہ اس کے تمکن فی الارض کو براہ راست خدا کی طرف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نسبت دی ہے-

لیکن اس اعتبار سے سائرس کی زندگی ٹھیک ٹھیک اس آیت کی تصویر ہے- اس کی ابتدائی زندگی ایسے حالات میں بسر ہوئی جنہیں حیرت انگیز حوادث نے ایک افسانہ کی شکل دے دی ہے- قبل اس کے کہ پیدا ہو خود اس کا نانا اس کی موت کا خواہشمند ہو گیا تھا- ایک وفادار آدمی اس کی زندگی بچاتا ہے اور وہ شاہی خاندان سے بالکل الگ ہو کر ایک گمنام گڈریے کی طرح پہاڑوں میں زندگی بسر کرتا ہے- پھر اچانک نمایاں ہوتا ہے اور بغیر کسی جنگ و مقابلہ کے میڈیا کا تخت اس کے لیے خالی ہو جاتا ہے! یقیناً یہ صورت حال واقعات و حوادث کی عام رفتار نہیں ہے جو ہمیشہ پیش آتی ہو- نوادر ہستی کی ایک غیر معمولی عجائب آفرینی ہے اور صاف نظر آ رہا ہے کہ قدرت کا مخفی ہاتھ کسی خاص مقصد سے ایک خاص ہستی تیار کر رہا ہے اور زمانہ کی عام رفتار تھم گئی ہے تا کہ اس کی راہ صاف ہو جائے!

تین مہمیں:

(۳) اس کے بعد اس کی تین بڑی مہموں کا ذکر آتا ہے- ایک مغرب الشمس کی طرف یعنی پچھم کی طرف- ایک مطلع الشمس کی طرف یعنی پورب کی طرف[1] تیسری ایک ایسے مقام تک جہاں کوئی وحشی قوم آباد تھی اور یاجوج اور ماجوج وہاں آ کر لوٹ مار مچایا کرتے تھے- اب دیکھو یہ تمام تفصیلات کس طرح ٹھیک ٹھیک سائرس کی فتوحات پر منطبق ہوتی ہیں؟

مغربی مہم:

اوپر پڑھ آئے ہو کہ سائرس نے ابھی فارس اور میڈیا کا تاج سر پر رکھا ہی تھا کہ ایشیائے کوچک کے بادشاہ کروئسس نے حملہ کر دیا- ایشیائے کوچک کی یہ بادشاہت جو لیڈیا کے نام مشہور ہوئی پچھلی صدی کے اندر ابھری تھی- اس کا دارالحکومت سارڈیس (Sarrdis) تھا- سائرس کی تخت نشینی سے پہلے میڈیا اور لیڈیا میں کئی جنگیں ہو چکی تھیں- بالآخر کروئسس کے باپ نے سائرس کے نانا اسٹیاگس کے باپ سے صلح کر لی اور باہمی اتحاد کے استحکام کے لیے باہمی ازدواج کا رشتہ بھی قائم ہو گیا- لیکن کروئسس نے یہ تمام عہد و پیمان اور باہمی علائق بھلا دیے- وہ سائرس کی یہ کامرانی برداشت نہ کر سکا کہ فارس اور میڈیا کی مملکتیں متحد ہو کر ایک عظیم مملکت کی حیثیت اختیار کر رہی ہیں- اس نے پہلے بابل، مصر اور اسپارٹا کی مملکتوں کو اس کے خلاف ابھارا اور پھر اچانک حملہ کر کے سرحدی شہر پیٹریا (Pteria) پر قبضہ کر لیا-

اب سائرس مجبور ہو گیا کہ بلا توقف اس حملہ کا مقابلہ کرے- وہ میڈیا کے دارالحکومت ہگ متانہ[2] سے (جواب ہمدان کے نام سے پکارا جاتا ہے) نکلا اور اس تیزی کے ساتھ بڑھا کہ صرف دو جنگوں کے بعد جو پیٹریا اور سارڈیس کے قریب واقع ہوئی تھیں لیڈیا کی تمام مملکت پر قابض ہو گیا!

ہیروڈوٹس نے اس جنگ کی سرگزشت پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے اور اس کی بعض تفصیلات نہایت دلچسپ اور اہم ہیں لیکن یہ موقع اطناب کا نہیں- وہ کہتا ہے سائرس کی فتح مندی ایسی عجیب اور معجزانہ تھی کہ پیٹریا کے معرکہ کے بعد صرف چودہ دن کے اندر لیڈیا کا مستحکم

---

[1] یاد رہے کہ پچھم اور پورب کے لیے مغرب الشمس اور مطلع الشمس کی تعبیر تورات میں بھی جا بجا آئی ہے مثلاً زکریاہ نبی کی کتاب میں ہے "رب الافواج فرماتا ہے میں اپنے لوگوں کو سورج نکلنے کے ملک اور اس کے ڈوبنے کے ملک سے چھڑا لوں گا- (۸:۷)

[2] دارا کے کتبوں میں اس کا نام یہی آیا ہے مگر ہیروڈوٹس وغیرہ یونانی مورخوں نے اسے اِک بتانا (Acbatana) لکھا ہے اور یہی نام یورپ میں مشہور ہو گیا تھا-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دارالحکومت مسخر ہوگیا اور کروئسس ایک جنگی قیدی کی حیثیت میں سائرس کے آگے سرنگوں کھڑا تھا![1]

وجدها تغرب في عين حمئة:

اب تمام ایشیائے کوچک بحرشام سے لے کر بحراسود تک اس کے زیرنگین تھا- وہ برابر بڑھتا گیا- یہاں تک کہ مغربی ساحل تک پہنچ گیا- قدرتی طور پر اس کے قدم یہاں پہنچ کر اسی طرح رک گئے جس طرح بارہ سو سال بعد طارق کے قدم افریقہ کے شمالی ساحل پر رک جانے والے تھے- اس کے فتح مند قدموں کے لیے صحراؤں کی وسعتیں اور پہاڑوں کی بلندیاں روک نہ ہوسکیں- اس نے فارس سے لے کر لیڈیا تک چودہ سو میل کا فاصلہ طے کرلیا تھا لیکن سمندر کی موجوں پر چلنے کے لیے اس کے پاس کوئی سواری نہ تھی- اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو حد نظر تک پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا اور سورج اس کی لہروں میں ڈوب رہا تھا!

یہ لشکرکشی جو اسے پیش آئی' صریح مغرب کی لشکرکشی تھی- کیونکہ وہ ایران سے مغرب کی طرف چلا اور خشکی کے مغربی کنارہ تک پہنچ گیا- یہ اس کے لیے مغرب الشمس کی آخری حد تھی-

ایشیائے کوچک کا مغربی ساحل نقشہ میں نکالو- تم دیکھو گے کہ تمام ساحل اس طرح کا واقع ہوا ہے کہ چھوٹے چھوٹے خلیج پیدا ہوگئے ہیں اور سمرنا کے قریب اس طرح کے جزیرے نکل آئے ہیں جنہوں نے ساحل کو ایک جھیل یا حوض کی سی شکل دے دی ہے- لیڈیا کا دارالحکومت سارڈیس مغربی ساحل کے قریب تھا اور اس کا محل موجودہ سمرنا سے بہت زیادہ فاصلہ پر نہ تھا- پس جب سائرس سارڈیس کی تسخیر کے بعد آگے بڑھا ہوگا تو یقیناً بحرایجین کے اسی ساحلی مقام پر پہنچا ہوگا جو سمرنا کے قرب وجوار میں واقع ہے- یہاں اس نے دیکھا ہوگا کہ سمندر نے ایک جھیل کی سی شکل اختیار کرلی ہے، ساحل کے کیچڑ سے پانی گدلا ہو رہا ہے' اور شام کے وقت اسی میں سورج ڈوبتا دکھائی دیتا ہے- اسی صورت حال کو قرآن نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ ﴿ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ ﴾(۸۶) اسے ایسا دکھائی دیا کہ سورج ایک گدلے حوض میں ڈوب رہا ہے!

یہ ظاہر ہے کہ سورج کسی مقام میں بھی ڈوبتا نہیں لیکن ہم سمندر کے کنارے کھڑے ہوکر دیکھتے ہیں تو ایسا ہی دکھائی دیتا ہے کہ ایک سنہری تھالی آہستہ آہستہ سمندر میں ڈوب رہی ہے-

مشرق مہم:

دوسری لشکرکشی مشرق کی طرف تھی چنانچہ ہیروڈٹس اور ٹی سیاز[2] دونوں اس کی مشرقی لشکرکشی کا ذکر کرتے ہیں جو لیڈیا کی فتح کے بعد اور بابل کی فتح سے پہلے پیش آئی تھی اور دونوں نے تصریح کی ہے کہ ''مشرق کے بعض وحشی اور صحرانشین قبائل کی سرکشی اس کا باعث ہوئی تھی'' یہ ٹھیک ٹھیک قرآن کے اس اشارہ کی تصدیق ہے کہ ﴿ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴾(۹۰) جب وہ مشرق کی طرف پہنچا تو اسے ایسی قوم ملی جو سورج کے لیے کوئی آڑ نہیں رکھتی تھی- یعنی خانہ بدوش قبائل تھے-

---

[1] ہیروڈوٹس مترجمہ اے- ڈی- گاڈلی-

[2] ٹی ساز (Ctesias) ایک یونانی تھا جو godley (Luebedition) ۴۱۴ قبل مسیح سے لے کر ۳۹۸ ق م تک شہنشاہان پارس کا درباری طبیب رہا اور اس زمانہ کے کچھ عرصہ بعد اس نے اپنی مشہور تاریخ لکھی- بعد کے یونانی مورخوں نے اس کے بعض بیانات شبہ کی نگاہ سے دیکھے ہیں اور اس لیے اسے استناد کا وہ درجہ حاصل نہ ہوسکا جو ہیروڈوٹس (المتولد ۴۸۴ قبل مسیح) کی تاریخ کو حاصل ہوا ہے مگر موجودہ زمانے کے محققین تاریخ کا ایسا خیال نہیں ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ خانہ بدوش قبائل کون تھے؟ ان مورخین کی صراحت کے مطابق بکٹر یا یعنی بلخ کے علاقہ کے قبائل تھے۔ نقشہ پر اگر نظر ڈالو گے تو صاف نظر آ جائے گا کہ بکٹر یا ٹھیک ٹھیک ایران کے لیے مشرق اقصیٰ کا حکم رکھتا ہے کیونکہ اس کے آگے پہاڑ ہیں اور انہوں نے راہ روک دی ہے۔ اس کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ گیڈروسیا کے وحشی قبیلوں نے اس کی مشرقی سرحد میں بدامنی پھیلائی تھی اور ان کی گوشمالی کے لیے اسے نکلنا پڑا۔ گیڈروسیا سے مقصود وہی علاقہ ہے جو آج کل مکران کہلاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کی طرف ہمیں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اس لیے قیاس کہتا ہے کہ مکران سے نیچے اس کے قدم نہیں اترے ہوں گے۔ اور اگر اترے ہوں گے تو دریائے سندھ سے آگے نہیں بڑھے ہوں گے۔ کیونکہ دارا کے زمانہ میں بھی اس کی جنوب مشرقی سرحد دریائے سندھ ہی تک معلوم ہوتی ہے۔

شمالی مہم:

تیسری لشکر کشی اس نے ایسے علاقہ تک کی جہاں یاجوج ماجوج کے حملے ہوا کرتے تھے۔ یہ یقیناً اس کی شمالی مہم تھی جس میں وہ بحرخزر (کاسپین) کو داہنی طرف چھوڑتا ہوا کاکیشیا (Caucasus) کے سلسلہ کوہ تک پہنچ گیا تھا اور وہاں اسے ایک درہ ملا تھا جو دو پہاڑی دیواروں کے درمیان تھا۔ اسی راہ سے یاجوج ماجوج آ کر اس طرف کے علاقہ میں تاخت وتاراج کیا کرتے تھے اور یہیں اس نے سد تعمیر کی۔

قرآن نے اس مہم کا حال ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ ﴿ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴾ (۹۳) یہاں تک کہ وہ دو (پہاڑی) دیواروں کے درمیان پہنچ گیا۔ ان کے اس طرف اسے ایک قوم ملی جو کوئی بات بھی سمجھ نہیں سکتی تھی۔ پس صاف معلوم ہوتا ہے "سدین" سے مقصود کاکیشیا کا پہاڑی درہ ہے۔ کیونکہ اس کے داہنی طرف بحرخزر ہے جس نے شمال اور مشرق کی راہ روک رکھی ہے۔ بائیں جانب بحراسود ہے جو شمال مغرب کے لیے قدرتی روک ہے۔ درمیانی علاقے میں اس کا سر بہ فلک سلسلہ کوہ ایک قدرتی دیوار کا کام دے رہا ہے۔ پس اگر شمالی قبائل کے حملوں کے لیے کوئی راہ باقی رہی تھی تو وہ صرف اس سلسلہ کوہ کا ایک عریض درہ یا وسطی وادی تھی اور یقیناً وہیں سے یاجوج ماجوج کو دوسری طرف پہنچنے کا موقع ملتا تھا۔ اس راہ کے بند ہو جانے کے بعد نہ صرف بحرخزر سے لے کر بحراسود تک کا علاقہ محفوظ ہو گیا بلکہ سمندروں اور پہاڑوں کی ایک ایسی دیوار قائم ہو گئی جس نے تمام مغربی ایشیا کو اپنی پاسبانی میں لے لیا اور شمال کی طرف سے حملے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا اب ایران، شام، عراق، عرب، ایشیائے کوچک، بلکہ مصر بھی شمال کی طرف سے بالکل محفوظ ہو گیا تھا۔

نقشہ میں یہ مقام دیکھو، تمام مغربی ایشیا نیچے ہے اوپر شمال میں بحرخزر ہے اس سے بائیں جانب شمال مغرب میں بحراسود ہے۔ درمیان میں بحرخزر کے مغربی ساحل سے بحراسود کے مشرقی ساحل تک کاکیشیا کا سلسلہ کوہ چلا گیا ہے۔ ان دو سمندروں اور درمیان کے سلسلہ کوہ نے مل کر سیکڑوں میلوں تک ایک قدرتی روک پیدا کر دی ہے۔ اب اس روک میں اگر کوئی شگاف رہ گیا تھا جہاں سے شمالی اقوام کے قدم اس روک کو پھلانگ سکتے تھے تو وہ صرف یہی دو پہاڑوں کے درمیان کی راہ تھی۔ ذوالقرنین نے اسے بھی بند کر دیا اور اس طرح شمال اور مغربی ایشیا کا یہ درمیانی پھاٹک پوری طرح مقفل ہو گیا!

شمالی قوم:

باقی رہا یہ سوال کہ وہاں جو قوم ذوالقرنین کو ملی تھی اور جو بالکل ناسمجھ تھی وہ کون سی قوم تھی؟ تو اس سلسلہ میں دو قومیں نمایاں ہوتی ہیں اور دونوں کا اس زمانہ میں وہاں قریب قریب آباد ہونا تاریخ کی روشنی میں آ چکا ہے۔ پہلی قوم وہ ہے جو بحرخزر کے مشرقی ساحل پر آباد تھی۔ اسے یونانی مورخوں نے "کاسپین" کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے نام سے بحرخزر کا نام بھی "کاسپین" پڑ گیا ہے۔ دوسری قوم وہ ہے جو اس مقام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے آگے بڑھ کر عین کا کیشیا کے دامن میں آباد تھی- یونانیوں نے اسے ''کولچی'' یا ''کول شی'' کے نام سے پکارا ہے' اور دارا کے کتبہ اصطخر میں اس کا نام ''کوشیہ''[1] آیا ہے- انہی دو قوموں میں سے کسی نے یا دونوں قوموں نے ذوالقرنین سے یاجوج ماجوج کی شکایت کی ہوگی' اور چونکہ یہ غیر متمدن قومیں تھیں' اس لیے ان کی نسبت فرمایا کہ ﴿ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴾

سائرس کے غیر معمولی فضائل:

(۴) اس کے بعد ذوالقرنین کا جو وصف سامنے آتا ہے وہ اس کی عدالت گستری اور خدمت انسانی کی فیاضانہ سرگرمی ہے اور یہ اوصاف سائرس کی تاریخی سیرت کی اس درجہ آشکارا حقیقتیں ہیں کہ مورخ کی نگاہ کسی دوسری طرف اٹھ ہی نہیں سکتی!

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے مغرب میں جو قوم ملی تھی اس کی نسبت حکم الٰہی ہوا تھا: ﴿ يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴾ (۸۶) یعنی یہ قوم اب تیرے بس میں ہے- جس طرح چاہے تو ان کے ساتھ سلوک کر سکتا ہے- خواہ سزا دے' خواہ انہیں اپنا دوست بنا لے- یقیناً یہ لیڈیا کی یونانی قوم تھی- اس کے بادشاہ کروئسس نے تمام عہد و پیمان اور باہمی رشتہ داریاں بھلا کر بلاوجہ سائرس پر حملہ کر دیا تھا اور صرف خود ہی حملہ آور نہیں ہوا تھا بلکہ وقت کی تمام طاقتور حکومتوں کو بھی اس کے خلاف ابھار کر اپنے ساتھ کر لیا تھا- اب جب تائید الٰہی نے اپنا کرشمہ دکھایا اور تمام لیڈیا مسخر ہو گیا تو حکم الٰہی ہوا- یہ لوگ بالکل تیرے رحم پر ہیں- تو جو چاہے ان کے ساتھ کر سکتا ہے- کیونکہ یہ اپنے ظلم و شرارت کی وجہ سے ہر طرح سزا کے مستحق ہیں- مطلب یہ تھا کہ تائید الٰہی نے تیرا ساتھ دیا- دشمنوں کو مسخر کر دیا- اب وہ بالکل تیرے اختیار میں ہیں لیکن تجھے بدلہ نہیں لینا چاہیے- وہی کرنا چاہیے' جو نیکی و فیاضی کا مقتضا ہے- چنانچہ ذوالقرنین نے ایسا ہی کیا: ﴿ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ نِ الْحُسْنٰى وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝ ﴾ (۸۸) اس نے اعلان کیا کہ میں پچھلے جرم کی بنا پر کسی کو سزا نہیں دینا چاہتا- میری جانب سے عام بخشش کا اعلان ہے- البتہ آئندہ جو کوئی برائی کرے گا بلاشبہ اسے سزا دوں گا- پھر اسے مرنا ہے اور آخرت کا عذاب سخت جھیلنا ہے- اور جو لوگ میرے احکام مانیں گے اور نیک کردار ثابت ہوں گے تو ان کے لیے ویسا ہی بہتر اجر بھی ہوگا اور وہ میرے احکام بھی بہت آسان پائیں گے- میں بندگان خدا پر سختی کرنا نہیں چاہتا- یہ ہو بہو اس طرز عمل کی تعبیر ہے جس کی تفصیل ہمیں یونانی تاریخوں کے صفحات میں ملتی ہے اور جسے زمانہ حال کے تمام محققین تاریخ نے ایک مسلمہ تاریخی حقیقت تسلیم کر لیا ہے-

تمام یونانی مورخ بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ سائرس نے فتح کے بعد باشندگان لیڈیا کے ساتھ جو سلوک کیا' وہ صرف منصفانہ ہی نہ تھا- وہ اس سے بھی زیادہ تھا- وہ فیاضانہ تھا- وہ اگر اپنے دشمنوں کے ساتھ سختی کرتا' تو یہ انصاف ہوتا کیونکہ زیادتی انہی کی تھی- لیکن وہ صرف منصف ہونے پر قانع نہیں ہوا- اس نے رحم و بخشش کا شیوہ اختیار کیا- ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ سائرس نے اپنی فوج کو حکم دے دیا تھا کہ دشمن کی فوج کے سوا اور کسی انسان پر ہتھیار نہ اٹھائیں اور دشمن کی فوج میں سے بھی جو کوئی نیزہ جھکا دے اسے ہرگز قتل نہ کیا جائے- کروئسس شاہ لیڈیا کی نسبت صریح حکم تھا کہ کسی حال میں بھی اسے گزند نہ پہنچائی جائے- اگر وہ مقابلہ کرے' جب بھی اس پر تلوار نہیں اٹھانی چاہیے- اس حکم کی فوج نے اس دیانت داری کے ساتھ تعمیل کی کہ باشندوں کو جنگ کی مصیبت ذرا بھی محسوس نہ ہوئی- یہ گویا محض فرماں روا خاندان کا ایک شخصی انقلاب تھا کہ کروئسس کی جگہ سائرس نے لے لی- اس سے زیادہ کوئی انقلاب ملک و قوم کو محسوس ہی نہیں ہوا!

---

[1] دارا یوش اول کا یہ کتبہ تاریخ کا ایک نہایت قیمتی سرمایہ ہے- اس میں اس نے اپنے تمام مفتوحہ ممالک اور زیر حکومت صوبوں کے نام گنا دیے ہیں جو تعداد میں ۲۸ ہیں- ان میں سے اکثر ناموں کا جغرافیائی محل روشنی میں آ چکا ہے- صرف ایک دو ناموں کی حقیقت اب تک محل غور و بحث ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کروئسس کا واقعہ اور یونانی روایات:

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سائرس کی فتح یونانی دیوتاؤں کی شکست تھی' کیونکہ وہ اس مصیبت سے اپنے پرستار کروئسس کو نہ بچا سکی' حالانکہ حملہ سے پہلے اس نے مندروں کے ہاتف[1] سے استصواب کر لیا تھا' اور ڈلفی کے ہاتف نے فتح و کامرانی کی بشارت دی تھی- پس قدرتی طور پر واقعات کی یہ رفتار یونانیوں کے لیے خوشگوار نہ ہو سکی اور اس امر کی کوشش شروع ہو گئی کہ اس شکست میں بھی اخلاقی اور مذہبی فتح مندی کی شان پیدا کر دی جائے- چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کروئسس کا معاملہ اچانک ایک پراسرار افسانہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور یونانی دیوتا اپنے سارے معجزوں کے ساتھ نمایاں ہو جاتے ہیں- ہیروڈوٹس لیڈیا کے باشندوں کی یہ روایت نقل کرتا ہے کہ ڈلفی کے ہاتف کا جواب غلط نہ تھا مگر کروئسس نے جنگ کے جوش وطلب میں اس کا صحیح مطلب نہیں سمجھا- ہاتف نے کہا تھا "اگر اس نے پارسیوں پر حملہ کیا تو وہ ایک بڑی مملکت تباہ کر دے گا" یعنی خود اپنی مملکت تباہ کر دے گا' مگر اس نے خیال کیا بڑی مملکت سے مقصود پارسیوں کی مملکت ہے- نیز وہ کہتا ہے- پہلے سائرس نے حکم دیا تھا کہ لکڑیوں کی چتا تیار کی جائے اور اس پر کروئسس کو بٹھا کر آگ لگا دی جائے- چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آگ لگا دی گئی لیکن پھر جب کروئسس کی بعض باتیں سنیں تو بے حد متاثر ہوا اور آگ بجھانے کا حکم دیا- لیکن اب آگ پوری طرح مشتعل ہو گئی تھی- ممکن نہ تھا کہ اسے بجھا دیا جائے- یہ حال دیکھ کر کروئسس نے اپالو دیوتا کو پکارا اور باوجودیکہ آسمان بالکل صاف تھا اچانک بارش شروع ہو گئی اور اس طرح اس معجزے نے بروقت ظاہر ہو کر اس کی جان بچالی!

لیکن خود ہیروڈوٹس اور زینوفن کی تصریحات سے جو حقیقت معلوم ہوتی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ سائرس یا تو کروئسس کے عزم وصبر کا امتحان لینا چاہتا تھا یا یہ بات آشکارا کر دینی چاہتا تھا کہ یونانیوں کے خود ساختہ دیوتا اپنے عبادت گزاروں کی کچھ مدد نہیں کر سکتے اور جن دیوتاؤں کی مزعومہ بشارت پر اعتماد کر کے جنگ کی گئی تھی ان میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ اپنے پرستار کو زندہ جلنے کے عذاب سے بچالیں- یعنی مقصود یہ تھا کہ پہلے اسے چتا پر بٹھایا جائے' آگ بھی لگا دی جائے لیکن جب وہ خود اور تمام لوگ دیکھ لیں کہ دیوتاؤں کا کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا' تو پھر اسے بخش دے اور عزت واحترام کے ساتھ اپنے ہمراہ لے جائے- دوسری علت زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے کیونکہ خود ہیروڈوٹس کی روایت میں اس کی جھلک موجود ہے' اور یونانی افسانہ میں اپالو کے معجزہ کی نمود بھی اسی طرف اشارہ کر رہی ہے- صاف معلوم ہوتا ہے کہ سائرس نے اپنے عمل سے جو حقیقت آشکارا کر دی تھی یونانی افسانہ نے اسی کا توڑ کرنے کے لیے اپالو کا معجزہ گھڑ لیا-

سائرس کے احکام وقوانین:

قرآن نے ذوالقرنین کا یہ اعلان نقل کیا ہے کہ آئندہ جو ظلم کرے گا' سزا پائے گا' جو حکم مانے گا اور نیک عمل ہو گا اسے انعام ملے گا- بعینہ زینوفن کی بھی ایسی ہی روایت ہے- قرآن میں ہے کہ ﴿ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴾ اگر لوگوں نے نیک عملی اختیار کی' تو دیکھ لیں گے میرے احکام وقوانین میں ان کے لیے سختی نہ ہو گی- تمام مورخ بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ اس کے احکام وقوانین ایسے ہی تھے- وہ مفتوحہ ممالک کے باشندوں کے لیے سرتاسر شفقت ورحمت تھا- اس نے ان تمام بوجھل ٹیکسوں اور خراجوں سے رعایا کو نجات دے دی جو اس عہد کے تمام حکمراں وصول کیا کرتے تھے، اس نے جس قدر احکام وفرامین نافذ کیے وہ زیادہ سے زیادہ نرم زیادہ سے زیادہ ہلکے تھے!

---

[1] ہم نے Oracle کے لیے ہاتف کا لفظ استعمال کیا ہے- یہ اگرچہ اس کے لیے مرادف لفظ نہیں ہے' لیکن اصطلاح کا مطلب بہتر طریقہ پر واضح کرتا ہے- یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ مندروں میں ہاتف غیبی کی صدائیں سنی جاتی ہیں اور خاص پجاریوں پر دیوتاؤں کا الہام ہوتا ہے- اس غرض سے خاص خاص مندروں کی شہرت تھی- لوگ چڑھاوے چڑھا کر اپنے سوالات پیش کرتے اور مجاور دیوتاؤں کی طرف سے جوابات سنا دیتے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۵) یہ تو اس کی مغربی فتح مندی کی سرگزشت تھی- اب دیکھنا چاہیے کہ اس کے اعمال کی عام رفتار کیسی رہی؟ اور قرآن کا بیان کردہ وصف کہاں تک اس پر راست آتا ہے؟

مؤرخین کی عام شہادت:

لیکن قبل اس کے کہ ہم یونانی مورخوں کی شہادتوں پر متوجہ ہوں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ یونانی مورخ سائرس کے ہم قوم نہیں تھے- ہم وطن نہیں تھے- ہم مذہب نہیں تھے- اتنا ہی نہیں بلکہ دوست بھی نہیں تھے- سائرس نے لیڈیا کو شکست دی تھی اور لیڈیا کی شکست یونانی قومیت' یونانی تہذیب اور سب سے زیادہ یہ کہ یونانی مذہب کی شکست تھی- پھر سائرس کے جانشینوں نے براہ راست یونانیوں کو زیر کیا تھا اور ہمیشہ کے لیے دونوں قومیں ایک دوسرے کی حریف ہوگئی تھیں- ایسی حالت میں قدرتی طور پر یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ یونانی دماغ اپنے حریف کی مدحت سرائی کا شائق ہوگا- تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر مورخ اس کی غیر معمولی عظمتوں اور ملکوتی صفتوں کی مدحت سرائی میں رطب اللسان ہے' اور اس لیے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس کے محاسن نے ایک ایسے عالمگیر اعتراف وتاثر کی نوعیت اختیار کر لی تھی کہ دوست ودشمن کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہا تھا- سب کے دلوں میں ان کا اعتقاد پیدا ہو گیا تھا' سب کی زبانوں پر ان کی مدحت سرائی تھی اور محاسن وہی ہیں جن کی حریفوں کو بھی شہادت دینی پڑے:

ومليحة ، شهدت بها ضراتها والفضل ما شهدت به الاعداء!

زینوفن لکھتا ہے ''سائرس ایک نہایت دانشمند' سنجیدہ اور ساتھ ہی رحم دل فرمانروا تھا- اس کی شخصیت ہر طرح کے شاہی اوصاف اور حکیمانہ فضائل کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ تھی- یہ بات عام طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ اس کی شوکت وحشمت سے کہیں زیادہ اس کی عالی حوصلگی اور سیر چشمی تھی اور اس کی فیاضی اور رحم دلی اپنی کوئی دوسری مثال نہیں رکھتی- انسان کی خدمت اور ہمدردی اس کی شاہانہ طبیعت کا سب سے بڑا جوہر تھا- وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتا تھا کہ مصیبت زدہ انسانوں کی خبر گیری کرے' مظلوموں کو ظلم سے نجات دلائے' درماندہ انسانوں کا ہاتھ پکڑے' غم زدوں کے دکھ درد میں شریک ہو- پھر ان تمام عالی صفتوں کے ساتھ عاجزی وخاکساری اس کے حسن وکمال کا سب سے بڑا زیور تھی- اس نے ایک ایسے تخت پر بیٹھ کر جس کے آگے تمام قوموں کے سر جھک گئے تھے اور ایک ایسے خزانہ کا مالک ہو کر جس میں تمام دنیا کی دولت سمٹ آئی تھی کبھی گوارا نہیں کیا کہ فخر وغرور کو اپنے دماغ میں جگہ دے''

ہیروڈوٹس لکھتا ہے ''وہ ایک نہایت ہی مخیّر بادشاہ تھا- اسے دنیا کے تمام بادشاہوں کی طرح دولت جمع کرنے کی حرص نہیں تھی بلکہ جود وسخاوت کا جوش تھا- وہ کہتا تھا' سب سے بڑی دولت یہ ہے کہ نوع انسانی کی بھلائی کا موقع ملے اور مظلوموں کی دادرسی ہو!''

ٹی سیاز لکھتا ہے ''اس کا عقیدہ یہ تھا کہ دولت بادشاہوں کے ذاتی عیش وآرام کے لیے نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کی جائے اور ماتحتوں کو اس سے فیض پہنچے- چنانچہ اس کی اسی فیض رسانی نے اس کی تمام رعایا کے دل اس کے ہاتھوں میں دے دیے تھے- وہ اس کے لیے خوشی خوشی اپنی گردنیں کٹوا دیتے-''

سائرس کی شخصیت کی غیر معمولی نمود:

سب سے زیادہ نمایاں بات جو ان تمام مورخوں کے صفحات پر ملتی ہے وہ سائرس کی شخصیت کی غیر معمولی نمود ہے- سب کہتے ہیں کہ وہ جس عہد میں پیدا ہوا اس کی مخلوق نہیں تھا- ایک بالاتر شخصیت تھی جسے قدرت نے اپنا کرشمہ دکھانے کے لیے نمودار کر دیا تھا- دنیا کے کسی حکیم نے اس کی تربیت نہیں کی- وقت کے متمدن ملکوں میں سے کسی ملک میں اس کی پرورش نہیں ہوئی- وہ محض قدرت کا پروردہ تھا اور قدرت ہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ہاتھوں نے اسے اٹھایا تھا- اس کی تمام ابتدائی زندگی صحراؤں کی گود اور پہاڑوں کی آغوش میں بسر ہوئی- وہ فارس کے مشرقی پہاڑوں کا چرواہا تھا- تاہم یہ کیسی عجیب بات ہے کہ یہی چرواہا جب دنیا کے سامنے آیا تو حکمرانی کا سب سے بڑا جلوہ' دانش کا سب سے بڑا پیکر' فضیلت کا سب سے بڑا نمونہ ان کے سامنے تھا!

سائرس اور سکندر:

سکندر اعظم کو ارسطو کی تعلیم و تربیت نے تیار کیا تھا اور بلاشبہ وہ بہت بڑا فاتح نکلا لیکن کیا انسانیت و اخلاق کا بھی کوئی گوشہ فتح کر سکا؟ سائرس کے لیے ہمیں کوئی ارسطو نہیں ملتا- اس نے انسانی حکمت کی درسگاہ کی جگہ قدرت کی درسگاہ میں پرورش پائی تھی تاہم اس نے سکندر کی طرح صرف ملکوں ہی کو نہیں بلکہ انسانیت و فضائل کی مملکتوں کو بھی مسخر کر لیا تھا!

سکندر کی تمام فتوحات کی عمر اس سے زیادہ نہ تھی جتنی خود اس کی عمر تھی لیکن سائرس کی فتوحات نے جو اینٹیں چن دی تھیں وہ دو سو برس تک نہ ہل سکیں- سکندر کے دم توڑتے ہی اس کی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے لیکن سائرس نے جب دنیا چھوڑی تو اس کی مملکت روز بروز وسیع و مستحکم ہونے والی تھی- اس کی فتوحات میں صرف مصر کا خانہ خالی رہ گیا تھا- اس کے فرزند کیقباد نے اسے بھی بھر دیا اور پھر چند برسوں کے بعد دنیا کی وہ عالمگیر سلطنت ظہور میں آ گئی جو ایشیا' افریقہ اور یورپ کے اٹھائیس ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی اور اس پر سائرس کا جانشین دارایوش تن تنہا حکمراں تھا!

سکندر کی فتوحات صرف جسم کی فتوحات تھیں جنہیں قہر و طاقت نے سر کیا تھا لیکن سائرس کی فتوحات روح و دل کی فتوحات تھیں جنہیں انسانیت و فضیلت نے سر کیا تھا- پہلی سر اٹھاتی ہے لیکن ٹک نہیں سکتی- دوسری ٹک جاتی ہے اور پھر ٹلتی نہیں!

سائرس فتح بابل کے بعد دس برس تک زندہ رہا- اب اس کی حکومت عرب سے لے کر بحر اسود تک اور ایشیائے کوچک سے بلخ تک پھیلی ہوئی تھی' اور ایشیا کی تمام قومیں اس کے ماتحت آ چکی تھیں لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس تمام عرصہ میں بغاوت اور سرکشی کا ایک حادثہ بھی نہیں ہوا کیونکہ زینوفن کے لفظوں میں ''وہ صرف بادشاہ ہی نہ تھا بلکہ انسانوں کا شفیق مربی اور قوموں کا رحیم باپ تھا'' اور رعایا سخت گیر حکمرانوں سے بغاوت کر سکتی ہے لیکن اولاد اپنے شفیق باپ سے باغی نہیں ہو سکتی- موجودہ زمانے کے تمام مورخ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ایک حیرت انگیز خصوصیت تھی' یہ ایسی خصوصیت تھی جو آگے چل کر رومن امپائر کو بھی نصیب نہ ہوئی-

سب متفقہ شہادت دیتے ہیں کہ اس عہد کے بادشاہوں کی سخت گیری' قساوت قلبی اور ہیبت انگیز طریق تعذیب کی چھوٹی سے چھوٹی مثال بھی سائرس کے عہد میں نہیں ملتی-

زمانہ حال کے محققین کی شہادت:

یاد رہے کہ یہ محض قدیم یونانی مورخوں کی روایات ہی نہیں ہیں بلکہ موجودہ زمانے کے تمام محققین تاریخ کی تاریخی مسلمات ہیں- بالاتفاق یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ سائرس تاریخ قدیم کی سب سے بڑی شخصیت ہے جس میں بیک وقت فتوحات کی وسعت' فرمانروائی کی عظمت' اور اخلاق و انسانیت کی فضیلت جمع ہو گئی تھی اور وہ جس عہد میں ظاہر ہوا اس عہد میں اس کی شخصیت ہر اعتبار سے انسانیت کا ایک پیام اور قوموں کی نجات تھی!

آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر جی- بی گرنڈی (G.B Grundy) جو موجودہ زمانہ میں تاریخ قدیم کے ایک مستند ماہر ہیں اور جن کی کتاب ''گریٹ پرشین وار'' نہایت مقبول ہو چکی ہے لکھتے ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''یہ حقیقت بالکل آشکارا ہے کہ سائرس کی شخصیت اپنے عہد کی ایک غیر معمولی شخصیت تھی- اس نے اپنی تمام معاصر قوموں کے دلوں پر اپنا حیرت انگیز تاثر نقش کر دیا- اس کی ابتدائی نشو ونما بالائی فارس کے غیر آباد اور دور دراز گوشوں میں ہوئی جس کی سرگزشت نے ایک افسانہ کی حیثیت اختیار کر لی ہے- اس کی ابتدائی تربیت کی روایتیں اس سے ڈیڑھ سو برس بعد زینوفن نے مدون کیں جو سقراط کا شاگرد تھا اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام روایتوں میں اس کے فضائل انسانیت کا جوہر عام طور پر نمایاں ہے- خواہ ہم ان روایتوں کو اہمیت دیں یا نہ دیں تاہم یہ حقیقت ہر حال میں غیر متزلزل رہتی ہے کہ اس کی تدبیر و سیاست کا دامن اس کی انسانیت و فضیلت کے جوہر سے بندھا ہوا تھا اور جب یہ خصوصیت آشوری اور بابلی شہنشاہوں کی بدعملیوں کے مقابلہ میں لائی جاتی ہے' تو اس کی شریفانہ نمود اور زیادہ درخشندہ ہو جاتی ہے-''

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

''یہ فی الحقیقت ایک حیرت انگیز کامیابی تھی- بارہ برس پہلے وہ ایک چھوٹی سی ریاست انشان کا ایک گمنام رئیس تھا اور اب ایشیا کی وہ تمام مملکتیں اس کے زیر فرمان تھیں جہاں پچھلی قوموں کی بڑی بڑی عظمتیں ظہور میں آ چکی تھیں- ان تمام بادشاہتوں میں جنہوں نے زمین کے مالک ہونے کے دعوے کیے' ایک بادشاہت بھی ایسی نہ تھی جو اب اپنی ہستی کا کوئی موثر ظہور رکھتی ہو- آکادی مملکت کے نیم اصنامی سارگون سے لے کر نبوکدرزار (بخت نصر) تک سب کی مملکتیں اس کے آگے سربسجود ہو گئی تھیں- وہ صرف ایک بڑا فاتح ہی نہیں تھا- وہ ایک بڑا حکمراں تھا- قوموں نے یہ نیا دور صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس کا استقبال کیا- ان دس برسوں میں جو فتح بابل کے بعد گزرے اس کی تمام وسیع مملکت میں ایک بغاوت کا واقعہ بھی نظر نہیں آتا- بلاشبہ اس کی رعایا پر اس کی طاقت کا رعب چھایا ہوا تھا لیکن وہ کوئی وجہ نہیں رکھتی تھی کہ اس کی سخت گیری سے ہراساں ہو- اس کی حکومت قتل و سلب کی سزاؤں سے بالکل ناآشنا رہی- اب تازیانوں سے مجرموں کو نہیں پیٹا جاتا تھا' اب قتل عام کے احکام صادر نہیں ہوتے تھے' اب قوموں اور قبیلوں کو جلاوطن نہیں کیا جاتا تھا- برخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے آشوری اور بابلی بادشاہوں کے تمام مظالم کے اثرات یک قلم محو کر دیے- جلاوطن قومیں اپنے وطنوں میں لوٹائی گئیں' ان کے معبد اور معبود انہیں واپس دے دیے گئے' قدیم رسموں اور عبادتوں کے خلاف کوئی جبر و تشدد باقی نہیں رہا' ہر قوم کے ساتھ پوری طرح دادرسی کی گئی' ہر مذہب کے پیروؤں کو پوری مذہبی آزادی دی گئی' دنیا کی گزشتہ عالمگیر دہشت ناکی کی جگہ ایک عالمگیر رواداری اور عفو و بخشش کا مبارک دور شروع ہو گیا!''[1]

غور کرو' قرآن نے چند لفظوں کے اندر جو اشارات کر دیے ہیں' آج تاریخ کا داستان سرا کس طرح اس کے ایک ایک حرف کی شرح و تفصیل سنا رہا ہے!

صحائف تورات کی تصریحات:

(۶) اب چند لمحوں کے لیے ان تصریحات پر غور کرو جو تورات کے صحائف میں مندرج ہیں- کس طرح وہ سائرس کی شخصیت کی سب سے بڑی خصوصیت واضح کر رہے ہیں اور کس طرح قرآن کے اشارات بھی ٹھیک ٹھیک ان کی تصدیق ہیں؟ یسعیاہ نبی کی کتاب میں ہے کہ ''خداوند کہتا ہے خورس میرا چرواہا ہے'' اور پھر یہ بھی کہا ہے کہ ''وہ میرا مسیح ہے'' اور یرمیاہ نبی کا بیان اوپر گزر چکا ہے کہ وہ بابلیوں کے ظلم سے

---

[1] پروفیسر موصوف کے اس مقالہ کے لیے یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ کی دوسری جلد (صفحہ ۱۰۸۵) کا مطالعہ کرنا چاہیے' جو جے- اے- ہمرٹن (J.A.Hammerton) نے مرتب کی ہے اور حال میں شائع ہوئی ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نجات دلائے گا- اب دیکھو اس کی شخصیت ٹھیک ٹھیک ایک موعود اور منتظر نجات دہندہ کی شخصیت تھی یا نہ تھی؟

موعود و منتظر ہستی:

جب ہم اس عہد کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور پھر سائرس کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو بہ اول نظر یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ اس کا ظہور ٹھیک ٹھیک ایک ایسی شخصیت کا ظہور تھا جس کے لیے وقت کی تمام قومیں چشم براہ ہوں- قوموں کا انتظار ان کی زبانوں پر نہیں ہوتا- ان کے حالات کے قدرتی تقاضے میں ہوتا ہے- غور کرو اس عہد کی رفتار زمانہ کا قدرتی تقاضا کیا تھا؟ یہ تاریخ کے صبح تمدن کی وہ نمود تھی جس کی روشنی میں ہم انسانی حکمرانی کی ساری تاریکیاں پھیلی ہوئی دیکھتے ہیں- صاف دکھائی دیتا ہے کہ اس وقت تک انسانی فرمانروائی کی عظمت صرف قہر و غضب ہی کی نقاب میں رونما ہوئی تھی اور سب سے بڑا حکمراں وہی سمجھا جاتا تھا جو سب سے زیادہ انسانوں کے لیے خوفناک ہو- آشور بنی پال نینوا کا سب سے بڑا بادشاہ تھا اس لیے کہ وہ شہروں کے جلانے اور آبادیوں کے ویران کرنے میں سب سے زیادہ بے باک تھا- بابل کی نشاۃ ثانیہ میں نبوکدرزار سب سے بڑا فاتح تھا- اس لیے کہ قوموں کی ہلاکت اور مملکتوں کی ویرانی میں سب سے زیادہ قہرمان تھا- مصریوں' آکادیوں' ایلامیوں' آشوریوں اور بابلیوں سب میں انسانی حکومت و عظمت کے مظاہر خوفناکی اور دہشت انگیزی کے مظاہر تھے اور ان کی شخصیتوں نے دیوتائی الوہیت کی تقدیس سے مل کر انسانوں کے قتل و تعذیب کا ہولناک استحقاق حاصل کر لیا تھا- سائرس کے ظہور سے پچاس برس پہلے نبوکدرزار کی شہنشاہی کا ظہور ہوا اور ہمیں معلوم ہے کہ اس نے بیت المقدس پر پیہم تین حملے کر کے نہ صرف دنیا کا سب سے بڑا زرخیز علاقہ تاراج و ویران کر دیا' بلکہ فلسطین کی پوری آبادی کو اس طرح ہنکا کر بابل لے گیا کہ جوزیفس کے لفظوں میں ''کوئی سخت سے سخت بے رحم قسائی بھی اس وحشت و خونخواری کے ساتھ بھیڑوں کو مذبح میں نہیں لے جاتا!'' پھر کیا ان حالات کا قدرتی تقاضا یہ نہ تھا کہ دنیا ایک نئی شخصیت کے لیے چشم براہ ہو؟ قومیں ایک نجات دہندہ کی راہ تک رہی ہوں؟ ایک ایسے نجات دہندہ کی جو انسانوں کے گلہ کے لیے خدا کا بھیجا ہوا ''چرواہا'' ہو' جو ان کی بیڑیاں کاٹے اور ان کے سروں کا بوجھ ہلکا کر دے، جو دنیا کو اس ربانی صداقت کا سبق دے دے کہ انسانی حکمرانی نوع انسانی کی خدمت کے لیے ہونی چاہیے- دہشت انگیزی اور خوفناکی کے لیے نہیں؟

خدا کا بھیجا ہوا چرواہا:

دنیا بادشاہوں کے ہاتھوں سے تنگ آ چکی تھی- اب وہ ایک ''چرواہے'' کے لیے مضطرب تھی اور یسعیاہ نبی کے لفظوں میں خدا کا وہ فرستادہ چرواہا نمودار ہو گیا!

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ زینوفن کے لفظوں میں ''قوموں نے اسے قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس کے استقبال کے لیے بے اختیار لپکیں'' کیونکہ وہ وقت کی جستجو کا قدرتی سراغ اور زمانہ کی طلب کا قدرتی جواب تھا اور اگر رات کی تاریکی کے بعد صبح کی روشنی کا خیر مقدم کیا جاتا ہے تو ممکن نہ تھا کہ انسانی شقاوت کی اس طولانی تاریکی کے بعد صبح سعادت کی اس جہاں تابی کا استقبال نہ کیا جاتا!

غور کرو- یسعیاہ نبی کا یہ جملہ صورت حال کی کیسی ہو بہو تصویر ہے کہ ''وہ میرا چرواہا ہوگا- وہ میری ساری مرضی پوری کرے گا- میں اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کے قوموں کو اس کے قابو میں دے دوں گا اور بادشاہوں کی کمریں اس کے آگے کھلواڑالوں گا- میں اس کے آگے چلوں گا- میں ٹیڑھے راستے اس کے لیے سیدھے کر دوں گا'' (۴۴: ۲۸) سارے مؤرخ گواہی دے رہے ہیں کہ وہ ایک چرواہے کی طرح آیا اور اس نے بندگان خدا کی رکھوالی کی- سب کہہ رہے ہیں کہ اس نے جس ملک کا رخ کیا اس کی شقاوت ختم ہو گئی' وہ جس قوم کی طرف بڑھا' اس کی بیڑیاں کٹ گئیں' اس نے جس گروہ کے سر پر ہاتھ رکھا' اس کے سارے بوجھ ہلکے ہو گئے- وہ صرف بنی اسرائیل ہی کا نہیں بلکہ تمام قوموں کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذوالقرنین کی مغربی، مشرقی اور شمالی فتوحات

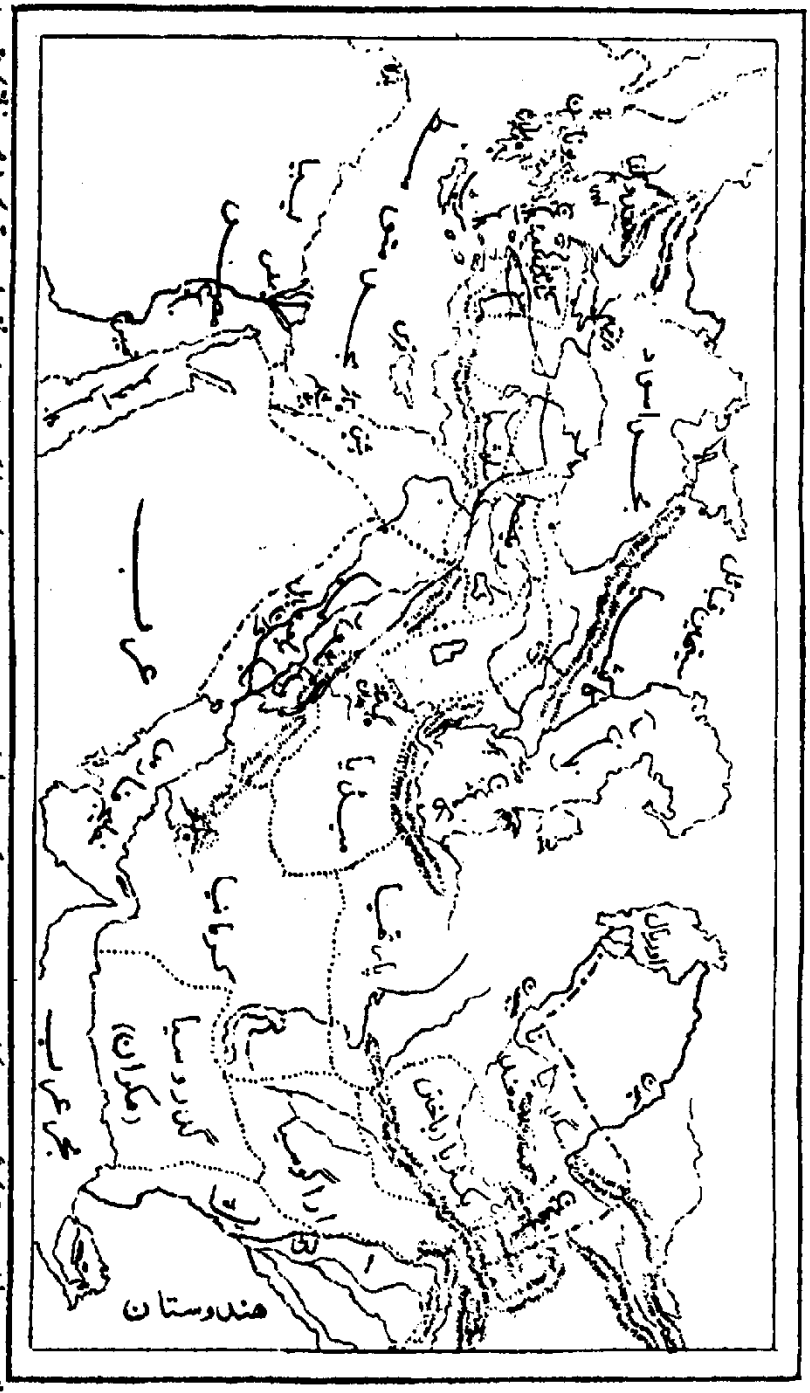

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نجات دہندہ تھا!

خدا کا مسیح:

یاد رہے کہ یسعیاہ نبی کی اسی پیشین گوئی میں اسے ''خدا کا مسیح'' بھی کہا ہے اور تورات کی اصطلاح میں ''مسیح'' وہ ہوتا ہے جسے خدا اپنی برکتوں کے ظہور کے لیے برگزیدہ کر لے اور خدا کے براہ راست مسوح ہونے کی وجہ سے مقدس ہو- چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت بھی آیا ہے کہ ''مسیح'' تھے' سائرس کی نسبت بھی یہی کہا ہے اور اسی طرح بنی اسرائیل کی نجات کے لیے ایک آخری مسیح کی بھی پیشین گوئیاں موجود ہیں-

سائرس کو مسیح کہنا، اس میں شک نہیں کہ اس کے تقدس اور الٰہی برگزیدگی کی سب سے زیادہ واضح اور قطعی اسرائیلی شہادت ہے-

(۷) اس سلسلہ میں آخری وصف جو ذوالقرنین کا سامنے آتا ہے وہ اس کا ایمان باللہ ہے- قرآن کی آیتیں اس بارے میں ظاہر و قطعی ہیں کہ وہ ایک خدا پرست انسان تھا' آخرت پر یقین رکھتا تھا' احکام الٰہی کے مطابق عمل کرتا تھا اور اپنی تمام کامرانیوں کو اللہ کا فضل و کرم سمجھتا تھا- سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سائرس کا بھی ایسا ہی اعتقاد و عمل تھا؟

لیکن تمام پچھلی تفصیلات پڑھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ نہیں تھا؟

یہودیوں کے صحائف کی واضح شہادت موجود ہے کہ خدا نے اسے اپنا فرستادہ اور ''مسیح'' کہا' اور وہ نبیوں کا موعود و منتظر تھا- ظاہر ہے کہ ایسی ہستی خدا کی نافرمان ہستی نہیں ہو سکتی- جس کا ''داہنا ہاتھ خدا نے پکڑا ہو'' اور جس کی ''ٹیڑھی راہیں وہ درست کرتا جائے'' یقیناً وہ خدا کا ناپسندیدہ بندہ نہیں ہو سکتا- خدا صرف انہی کا ہاتھ پکڑتا ہے جو برگزیدہ اور مقدس ہوتے ہیں اور صرف انہی کو اپنا فرستادہ کہتا ہے جو اس کے چنے ہوئے اور اس کی ٹھہرائی ہوئی راہوں پر چلنے والے ہوتے ہیں-

اسرائیلی نبیوں کی شہادت:

آج کل کے اصحاب نقد و نظر یسعیاہ نبی کی اس پیشین گوئی کو مشتبہ سمجھتے ہیں کیونکہ یہ سائرس سے ڈیڑھ سو برس پہلے کی گئی تھی- لیکن اگر اس سے قطع نظر کر لی جائے جب بھی صورت حال پر کوئی اثر نہیں پڑتا- کیونکہ خود سائرس کے عہد میں جو اسرائیلی نبی موجود تھے ان کی شہادتیں موجود ہیں اور وہ صاف کہہ رہی ہیں کہ یہودیوں کا عام اعتقاد یہی تھا- اور اسی حیثیت سے اس کا استقبال کیا تھا- حزقی ایل اور دانیال سائرس کے معاصر تھے- اور دانیال دارا کے عہد تک زندہ رہے- ان دونوں کی تصریحات سائرس کی نسبت موجود ہیں- پھر دارا کے زمانہ میں حجی اور زکریاہ کے صحیفے مرتب ہوئے اور زرکسیس (اردشیر یا ارتخشت) کے عہد میں عزرا اور نحمیاہ کا ظہور ہوا- ان سب کی شہادتیں بھی موجود ہیں، اور ان سب سے قطعی طور پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سائرس بنی اسرائیل کی ایک موعود ہستی تھی اور خدا نے اسے برگزیدگی کے لیے چن لیا تھا-

اگر یہودیوں کا عام اعتقاد یہ تھا تو کیا ایک لمحہ کے لیے یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ وہ ایک بت پرست انسان کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنے کی جرأت کرتے؟ فرض کرو یہ تمام پیشین گوئیاں سائرس کے ظہور کے بعد بنائی گئیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہودیوں ہی نے بنائیں اور یہودیوں ہی میں پھیلیں حتیٰ کہ ان کی مقدس کتاب میں داخل ہو گئیں- پھر کیا ممکن تھا کہ ایک بت پرست انسان کے لیے ایسی پیشین گوئیاں بنائی جا سکتیں؟ کیا ممکن تھا کہ ایک بت پرست کو اسرائیلی وحی کا ممدوح اور اسرائیلی نبیوں کا موعود بنا دیا جاتا؟

یہودیوں کا اعتراف:

یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اجنبیوں اور غیر اسرائیلیوں کے خلاف یہودیوں کا تعصب بہت ہی سخت تھا- ان کے نسلی غرور پر اس سے زیادہ کوئی بات شاق نہیں گزرتی تھی کہ کسی غیر اسرائیلی انسان کی بزرگی کا اعتراف کریں- ظہور اسلام کے وقت بھی یہی عصبیت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہیں اعتراف حق سے روکتی تھی کہ ﴿ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ﴾(۳:۷۳) تاہم وہ سائرس کی فضیلت کے آگے جھک گئے جو ان کے لیے ہر اعتبار سے اجنبی تھا اور نہ صرف اس کی بزرگی ہی کا اعتراف کیا بلکہ نبیوں کا موعود اور خدا کا برگزیدہ تسلیم کرلیا- یہ صورت حال اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ سائرس کی شخصیت ان کے لیے بڑی ہی محبوب شخصیت تھی اور اس کی فضیلتیں ایسی قطعی اور آشکارا تھیں کہ ان کے اعتراف میں نسلی عصبیت کا جذبہ بھی حائل نہ ہوسکا- ظاہر ہے کہ ایک بت پرست انسان کے لیے جو اجنبی بھی ہو یہودیوں میں ایسی محبوبیت نہیں پیدا ہوسکتی تھی- اگر ایک بت پرست بادشاہ نے انہیں نجات دلائی تھی تو وہ اس کی شاہانہ عظمتوں کی مداحی کرتے مگر خدا کا مسیح اور برگزیدہ کبھی نہ سمجھتے -ضروری ہے کہ اس کی فضیلتیں مذہبی ہوں- ضروری ہے کہ مذہبی حیثیت سے بھی عقائد کا توافق موجود ہو- یہ یہودیوں کی پوری تاریخ میں غیر اسرائیلی فضیلت کے اعتراف کا تنہا واقعہ ہے' اور ممکن نہیں کہ ایک ایسے انسان کے لیے ہو جسے وہ مذہبی حیثیت سے محترم نہ سمجھتے ہوں-

سائرس کے دین کا تعین:

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سائرس کے دینی عقائد کے بارے میں ہماری معلومات کیا ہیں!

تاریخی حیثیت سے یہ قطعی ہے کہ سائرس زردشت کا پیرو تھا جسے یونانیوں نے زارو دستر و کے نام سے پکارا ہے- اتنا ہی نہیں بلکہ غالباً اسی کی شخصیت ہے جو اس نئی دعوت کی تبلیغ و عروج کا ذریعہ ہوئی- اس نے فارس اور میڈیا میں نئی شہنشاہی کی بنیاد ہی نہیں رکھی تھی بلکہ قدیم مجوسی دین کی جگہ نئے زردشتی دین کی بھی تخم ریزی کی تھی- وہ ایران میں نئی شہنشاہی اور نئے دین دونوں کا بانی تھا-

زردشت کے ظہور کا زمانہ:

زردشت کی ہستی کی طرح اس کے ظہور کا زمانہ اور محل بھی تاریخ کا ایک مختلف فیہ موضوع بن گیا ہے اور انیسویں صدی کا پورا زمانہ مختلف نظریوں اور قیاسوں کے ردوکد میں بسر ہو چکا ہے- بعضوں کو اس کی تاریخی ہستی ہی سے انکار ہوا- بعضوں نے شاہنامہ کی روایت کو ترجیح دی اور گشتاسپ والا قصہ تسلیم کرلیا- بعضوں نے اس کا زمانہ ایک ہزار برس قبل مسیح قرار دیا- بعضوں نے یہ مدت دو ہزار برس قبل مسیح تک بڑھا دی- اسی طرح محل کے تعین میں بھی اختلاف ہوا- بعضوں نے باختر' بعضوں نے خراسان' بعضوں نے میڈیا اور شمالی ایران قرار دیا- لیکن اب بیسویں صدی کی ابتدا سے اکثر محققین تاریخ گلڈنر کی رائے پر متفق ہو گئے ہیں اور عام طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے کہ زردشت کا زمانہ وہی تھا جو سائرس کا تھا- اور گشتاسپ[1] والی روایت اگر صحیح ہے تو اس سے مقصود وہی گشتاسپ ہے جو دارا کا باپ اور ایک صوبہ کا گورنر تھا- زردشت کا ظہور شمال مغربی ایران یعنی آذربائیجان میں ہوا جسے اوستا کے حصہ ''ویندی داد'' میں ''ایریانہ ویجو'' سے تعبیر کیا ہے البتہ کامیابی باختر میں ہوئی جس کا گورنر گشتاسپ تھا-[2]

اس تحقیق کے مطابق زردشت کا سال وفات تقریباً ۵۵۰ قبل مسیح سے لے کر ۵۸۳ قبل مسیح تک ہونا چاہیے اور سائرس کی تخت نشینی بالاتفاق ۵۵۰ ق-م میں ہوئی- یعنی زردشت کی وفات کے بیس سال بعد یا عین اسی سال-

سائرس دین زردشتی کا پہلا حکمراں تھا:

لیکن اگر سائرس زردشت کا معاصر تھا تو کیا کوئی براہ راست تاریخی شہادت موجود ہے جس سے اس کا دین زردشتی قبول کرنا ثابت ہو؟

---

[1] گشتاسپ کو یونانیوں نے ہسٹاس پیز (Hystaspes) لکھا ہے-

[2] اے-وی-ولیمس جیکسن پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی کی کتاب ''انشیئنٹ پرشیا اینڈ ہیز پرافٹ'' کا مطالعہ اس باب میں کفایت کرے گا-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہے لیکن اگر وہ تمام قرائن جمع کیے جائیں جو خود تاریخ کی روشنی نے مہیا کر دیے ہیں تو یقیناً ایک بالواسطہ شہادت نمایاں ہو جاتی ہے اور اس میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا کہ سائرس نہ صرف دین زردشتی پر عامل تھا بلکہ اس کا پہلا حکمراں داعی تھا اور اسی نے یہ ورثہ اپنے جانشینوں کے لیے چھوڑا جو دو سو برس تک بلا استثنا دین زردشتی پر عمل پیرا رہے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ روشنی جن واقعات سے پڑتی ہے وہ دو ہیں اور دونوں کی تاریخی نوعیت مسلم ہے۔ پہلا واقعہ ''گوماتہ'' کی بغاوت کا ہے جو سائرس کی وفات کے آٹھ برس بعد ظہور میں آئی۔ دوسرا دارا کے کتبے ہیں جن سے اس کے دینی عقائد کی نوعیت آشکارا ہو گئی ہے۔

سائرس کا بالاتفاق ۵۲۹ قبل مسیح میں انتقال ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا کم بی سیز (کمبوجیہ یا کیقباد) تخت نشین ہوا۔ اس نے ۵۲۵ ق م میں مصر فتح کیا۔ لیکن ابھی مصر ہی میں تھا کہ معلوم ہوا ایران میں بغاوت ہو گئی ہے اور ایک شخص ''گوماتہ'' نامی نے اپنے آپ کو سائرس کا دوسرا لڑکا سمرڈیز (فارسی: بردیہ) مشہور کر دیا ہے جو بہت پہلے مر چکا تھا یا مار ڈالا گیا تھا۔ یہ خبر سن کر وہ مصر سے لوٹا لیکن ابھی شام میں تھا کہ ۵۲۲ ق۔م میں اچانک انتقال کر گیا۔ اب چونکہ سائرس کی براہ راست نسل سے کوئی شہزادہ موجود نہ تھا اس لیے اس کا عم زاد بھائی دارا ابن گشتاسپ تخت نشین ہو گیا۔ دارا نے بغاوت فرو کی، گوماتہ کو قتل کیا، اور نئی مملکت کو اس کے عروج و کمال تک پہنچا دیا۔ دارا کی تخت نشینی بالاتفاق ۵۲۱ ق۔م میں ہوئی ہے۔ پس اس کا عہد سائرس کے انتقال سے آٹھ برس بعد شروع ہو گیا تھا۔

یونانی مورخوں کی شہادت موجود ہے کہ یہ بغاوت میڈیا کے قدیم مذہب کے پیروؤں کی بغاوت تھی اور خود دارا اپنے کتبہ بے ستون میں ''گوماتہ'' کو ''موگوش'' لکھتا ہے۔ یعنی مجوس، اور مجوسی مذہب سے مقصود قدیم مذہب ہے۔[1] تاریخ میں اس کا بھی سراغ ملتا ہے کہ پرانے مذہب کے پیروؤں کی سرکشی اس کے بعد بھی جاری رہی۔ چنانچہ دوسری بغاوت ''پراورتش'' نامی مجوسی نے کی تھی جسے دارا نے ہمدان میں قتل کیا اور تیسری ''چترتخمہ'' نامی نے جوار بیل میں قتل ہوا۔

دوسرا واقعہ دارا کے کتبوں سے روشنی میں آیا ہے۔ یہ دنیا کی خوش قسمتی ہے کہ دارا نے بعض کتبے پہاڑوں کی محکم چٹانوں پر نقش کرائے جنہیں سکندر کا حملہ بھی برباد نہ کر سکا۔ ان میں سب سے زیادہ اہم کتبہ بے ستون کا ہے۔ جس میں دارا نے گوماتہ مجوسی کی بغاوت اور اپنی تخت نشینی کی سرگزشت قلمبند کی ہے۔ دوسرا استخر کا ہے جس میں اپنے تمام ماتحت ممالک کے نام گنوائے ہیں۔ ان دونوں میں وہ بار بار ''اہورموزدہ'' کا نام لیتا ہے اور اپنی تمام کامرانیوں کو اس کے فضل و کرم سے منسوب کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ''اہورمزدہ'' زردشت کی تعلیم کا ''اللہ'' ہے۔

ان دو واقعوں پر ایک تیسرے واقعہ کا بھی اضافہ کر دینا چاہیے۔ یعنی تاریخ میں کوئی اشارہ اس کا نہیں ملتا کہ کم بی سیز نے کوئی نیا دین قبول کیا تھا یا دارا کو اس طرح کا کوئی معاملہ پیش آیا تھا۔ ہیروڈوٹس نے دارا کی وفات سے پچاس ساٹھ برس بعد اپنی تاریخ لکھی ہے۔[2] اس کے لیے دارا کے عہد کے واقعات بالکل قریبی زمانے کے واقعات تھے اور لیڈیا میں فارسی حکومت قائم ہو جانے کی وجہ سے یونانیوں اور فارسیوں کے تعلقات بھی روز بروز بڑھ رہے تھے۔ تاہم وہ کسی ایسے واقعہ کا ذکر نہیں کرتا۔ پس سائرس کی وفات اور دارا کی تخت نشینی کے درمیان آٹھ برس کی جو مدت گزری ہے ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس عرصہ میں کسی نئی مذہبی دعوت کے ظہور و قبول کا کوئی واقعہ

---

[1] موگوش کا لفظ ایک جگہ اوستا میں بھی آیا ہے اور یہ بات اب قطعی طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ ''موگوش'' سے مقصود میڈیا کے اس مذہب کے پیرو ہیں جو زردشت کے ظہور سے پہلے وہاں رائج تھا۔ چونکہ میڈیا کے باشندے بابل اور شام میں موگوش مشہور ہو گئے تھے اس لیے عربوں میں بھی یہی نام مشہور ہو گیا اور موگوش نے مجوس کی شکل اختیار کر لی۔ پھر تمام ایرانیوں کو مجوس کہنے لگے۔ زردشتی اور غیر زردشتی کا امتیاز باقی نہیں رہا۔ حالانکہ اصلاً مجوسی زردشتیوں کے مخالف تھے۔

[2] دارا کی وفات بالاتفاق ۴۸۶ قبل مسیح میں ہوئی، اور ہیروڈوٹس ۴۸۴ ق م میں پیدا ہوا تھا۔ یعنی دارا کی وفات سے صرف دو سال بعد۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں گزرا۔

اب غور کروان واقعات کا لازمی نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اگر سائرس کے بعد کم بی سیز اور دارا نے کوئی نئی دعوت قبول نہیں کی تھی اور دارا دین زردشتی پر عامل تھا تو کیا اس سے ثابت نہیں ہو رہا ہے کہ دارا اور کم بی سیز سے پہلے زردشتی دین خاندان میں آ چکا ہے؟ اگر سائرس کی وفات کے چند سال بعد قدیم مذہب کے پیرو اس لیے بغاوت کرتے ہیں کہ کیوں ایک نیا مذہب قبول کر لیا گیا ہے تو کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ سائرس نیا مذہب قبول کر چکا تھا اور تبدیل مذہب کا معاملہ نیا نیا پیش آیا تھا؟ پھر اگر زردشت سائرس کا معاصر تھا تو کیا یہ اس بات کا مزید ثبوت نہیں ہے کہ سب سے پہلے سائرس ہی نے یہ دعوت قبول کی تھی اور وہ فارس اور میڈیا کا نیا شہنشاہ بھی تھا اور نئی دعوت کا پہلا حکمراں داعی بھی؟

زردشت اور سائرس:

اتنا ہی نہیں بلکہ ہم غور کرتے ہیں تو اس زنجیر کی کڑیاں اور آگے تک بڑھتی جاتی ہیں۔ البتہ ہم اسے ایک قیاس سے زیادہ کہنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ اگر سائرس زردشت کا معاصر تھا اور سائرس کا ابتدائی زمانہ خاندان سے الگ اور گمنامی میں بسر ہوا تو کیا اسی زمانہ میں دونوں شخصیتیں ایک دوسرے کے قریب نہیں پہنچ جاتیں؟ اور کیا ایسا نہیں سمجھا جا سکتا کہ اسی زمانہ میں سائرس زردشت کی تعلیم وصحبت سے بہرہ مند ہوا؟ سائرس کی ابتدائی زندگی کی سرگزشت تاریخ کی ایک گم شدہ داستان ہے۔ پھر کیا اس داستان کا سراغ ہمیں ان دونوں شخصیتوں کی معاصرت کے واقعہ میں نہیں مل جاتا؟

مورخ زینوفن نے سائرس کی ابتدائی زندگی کا افسانہ ہمیں سنایا ہے۔ اس افسانہ میں ایک پراسرار شخص کی پرچھائیں صاف نظر آ رہی ہے جو دشت دجبل کے اس پردۂ قدرت کو آنے والے کارناموں کے لیے تیار کر رہا تھا۔ کیا اس پرچھائیں میں ہم خود زردشت کی مقدس شخصیت کی نمود نہیں دیکھ رہے؟ اگر زردشت کا ظہور شمال مغربی ایران میں ہوا تھا اور اگر سائرس کی ابتدائی گمنامی کا زمانہ بھی شمالی کوہستانوں میں بسر ہوا تو کیوں یہ دونوں کڑیاں باہم مل کر ایک گم شدہ داستان کا سراغ نہ بن جائیں؟

سائرس کی شخصیت وقت کے تمام ذہنی اور اخلاقی رجحانات کے برخلاف ایک انقلاب انگیز شخصیت تھی۔ ایسی شخصیت کسی انقلاب انگیز داعی کی دعوت ہی سے پیدا ہو سکتی ہے اور صاف نظر آ رہا ہے کہ وہ داعی شخصیت زردشت ہی کی تھی۔

بہر حال سائرس نے اپنی ابتدائی گمنامی کے عہد میں نئی دعوت قبول کی ہو یا تخت نشینی کے بعد لیکن یہ قطعی ہے کہ وہ دین زردشتی پر عامل تھا۔

دین زردشتی کی حقیقی تعلیم:

لیکن اگر ذوالقرنین دین زردشتی پر عامل تھا اور قرآن ذوالقرنین کے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا اثبات کرتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اسے ملہم من اللہ قرار دیتا ہے تو کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زردشت کی تعلیم دین حق کی تعلیم تھی؟ یقیناً لازم آتا ہے لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اس لزوم سے بچنے کی ہم کوشش کریں۔ کیونکہ یہ حقیقت اب پوری طرح روشنی میں آ چکی ہے کہ زردشت کی تعلیم سرتاسر خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم تھی اور آتش پرستی اور ثنویت کا اعتقاد اس کا پیدا کیا ہوا عتقاد نہیں ہے بلکہ قدیم میدی مجوسیت کا ردعمل ہے۔

جس طرح روم کی مسیحیت قدیم رومی بت پرستی کے ردعمل سے محفوظ نہ رہ سکی اسی طرح زردشت کی خالص خدا پرستانہ تعلیم بھی قدیم مجوسیت کے ردعمل سے بچ نہ سکی۔ خصوصاً ساسانی عہد میں جب وہ از سر نو مدون ہوئی تو اصل تعلیم سے بالکل ایک مختلف چیز بن چکی تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میڈیا کا قدیم مذہب:

زردشت کے ظہور سے پہلے فارس اور میڈیا کے باشندوں کے عقائد کی بھی نوعیت وہی تھی جو انڈو یوروپین آریاؤں کی تمام دوسری شاخوں کی رہ چکی ہے- ہندوستان کے آریوں کی طرح ایران کے آریوں میں بھی پہلے مظاہر قدرت کی پرستش شروع ہوئی، پھر سورج کی عظمت کا تصور پیدا ہوا' پھر زمین میں آگ نے سورج کی قائم مقامی پیدا کر لی کیونکہ تمام مادی عناصر میں روشنی اور جرأت کا سرچشمہ وہی تھی- یونانیوں میں ایسے دیوتاؤں کا تصور پیدا ہوا جن سے اچھائی اور برائی دونوں ظہور میں آتی تھیں لیکن ایرانیوں کے تصور نے دیوتاؤں کو دو متقابل قوتوں میں تقسیم کر دیا- ایک قوت پاک روحانی ہستیوں کی تھی جو انسان کو زندگی کی تمام خوشیاں بخشتی تھی' دوسری قوت برائی کے عفریتوں کی تھی جو نوع انسانی کے جانی دشمن تھے- روحانی ہستیوں کی نمود روشنی میں ہوئی اور شیطانوں کی تاریکی میں- نور و ظلمت کی یہی کشمکش ہے جس سے تمام اچھے برے حوادث ظہور میں آتے ہیں- چونکہ روشنی پاک روحانیتوں کی نمود ہے اس لیے ہر طرح کی عبادتیں اور قربانیاں اسی کے لیے ہونی چاہییں- اس روشنی کا مظہر آسمان میں سورج اور زمین میں آگ تھی-

اچھائی برائی کا جس قدر تصور تھا وہ یونانیوں کی طرح صرف مادی زندگی کی راحتوں اور محرومیوں ہی میں محدود تھا- روحانی زندگی اور اس کی سعادت و شقاوت کا کوئی تصور پیدا نہیں ہوا تھا-

آگ کی پرستش کی قربان گاہیں بنائی جاتی تھیں اور اس کے خاص پجاریوں کا ایک مقدس گروہ بھی پیدا ہو گیا تھا- اس کے افراد ''موگوش'' کے لقب سے پکارے جاتے تھے- آگے چل کر اسی لقب نے آتش پرستی کا مفہوم پیدا کر لیا-

زردشت کی تعلیم:

لیکن زردشت نے ان تمام عقائد سے انکار کر دیا- اس نے خدا پرستی' روحانی سعادت و شقاوت اور آخرت کی زندگی کا عقیدہ پیدا کیا- اس نے کہا- یہاں نہ تو خیر کی بہت سی روحانی ہستیاں ہیں- نہ شر کے بہت سے عفریت- یہاں صرف ایک ''اہورموزدہ'' کی ہستی ہے' جو یگانہ ہے' نور ہے' قدوس ہے' حق ہے' حکیم ہے' قدیر ہے اور تمام کائنات ہستی کی خالق ہے- کوئی ہستی نہیں جو اس کے مثل ہو یا اس کے ہمتا ہو یا اس کی شریک ہو تم نے جن روحانی قوتوں کو خیر کا خالق سمجھ رکھا ہے وہ خالق و قادر نہیں ہیں بلکہ ''اہورموزدہ'' کے پیدا کیے ہوئے ''امش سپند'' ہیں- یعنی ملائکہ ہیں' اور شر کا ذریعہ دیووں کی خوفناک قوت نہیں ہے' بلکہ ''انردمین'' (اہرمن) کی ہستی ہے- یعنی شیطان کی ہستی ہے- یہ اپنی وسوسہ اندازیوں سے انسان کو تاریکی کی طرف لے جاتی ہے-

تعلیم کی عملی خصوصیت:

زردشت کی تعلیم کا عملی پہلو سب سے زیادہ اہم ہے- یونانیوں کی طرح اس کا اخلاقی تصور مذہب سے الگ نہیں تھا بلکہ عین مذہب میں تھا- اس نے مذہب کو محض ایک قومی اور ملکی مذہب کی شان نہیں دی بلکہ انفرادی زندگی کا روزانہ دستور العمل بنا دیا- نفس کی طہارت اور اعمال کی درستی اس کی تعلیم کا اصلی محور ہے انسانی زندگی کا ہر خیال' ہر قول' ہر فعل ضروری ہے کہ اس معیار پر پورا اترے- ''فکر کی راستی' گفتار کی راستی اور کردار کی راستی'' پرستاران اہورموزدہ کے لیے تین بنیادی اصول تھے- پروفیسر گرنڈی کے لفظوں میں ''اس کا مذہب حقیقت اور عمل کا مذہب تھا- یونانی مذہب کی طرح محض رسموں اور ریتوں کا مذہب نہ تھا- اس نے مذہب کو ایرانیوں کی روزانہ زندگی کی ایک حقیقت بنا دیا اور اخلاق اس مذہب کا مرکزی عنصر[1] تھا''

---

[1] دیکھو پروفیسر گرنڈی کا مقالہ ''یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ'' جلد ۲ صفحہ ۱۱۳۰-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبادت کا تصور:

اس کی عبادت کا تصور ہر طرح کے اصنامی اثرات سے پاک تھا- عبادت ہمیں اس لیے نہیں کرنی چاہیے کہ خدا کے غضب وانتقام سے بچیں بلکہ اس لیے کہ برکتیں اور سعادتیں حاصل کریں- اگر ہم اہورموزدہ کی عبادت نہیں کریں گے تو وہ ہمیں یونانی اور ہندوستانی دیوتاؤں کی طرح اپنے غضب کا نشانہ نہیں بنائے گا' لیکن خود ہم سعادت سے محروم رہ جائیں گے-

آخرت کی زندگی:

اس کی تعلیم کا سب سے زیادہ نمایاں پہلو آخرت کی زندگی کا اعتقاد ہے' وہ کہتا ہے انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے جتنی اس دنیا میں گزرتی ہے- اس کے بعد بھی ایک زندگی پیش آئے گی- اس زندگی میں دو عالم ہوں گے ایک اچھائی اور سعادت کا- دوسرا برائی اور شقاوت کا- جن لوگوں نے اس زندگی میں نیک عمل کیے ہیں وہ پہلے عالم میں جائیں گے- جنہوں نے برے عمل کیے ہیں' دوسرے عالم میں اور اس کا فیصلہ اس دن ہوگا جسے وہ ''آخری فیصلہ'' کا دن قرار دیتا ہے-

بقائے روح کا مسئلہ اس کے مذہب کی بنیادی چٹان ہے- انسان فانی ہے مگر اس کی روح فانی نہیں- وہ اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور ثواب وعقاب کے دو عالموں میں سے کسی عالم میں داخل ہو جاتی ہے-

پیروان زردشت کا اخلاقی تقدم:

موجودہ عہد کے تمام محققین تاریخ متفق ہیں کہ زردشت کی تعلیم نے انسان کے اخلاقی اور فکری ارتقا میں نہایت موثر حصہ لیا ہے اس نے پانچ سو برس قبل مسیح ایرانیوں کو اخلاقی پاکیزگی کی ایک ایسی سطح پر پہنچا دیا تھا جہاں سے ان کے معاصر یونانیوں اور رومیوں کی زندگی بہت ہی پست دکھائی دیتی ہے- ایک ایسا مذہب جس کی تعلیم کا رخ سرتاسر انفرادی زندگی کی پاکیزگی کی طرف تھا اور جو اپنے پیروؤں کی اخلاقی روش کے لیے نہایت بلند مطالبے رکھتا تھا ضروری تھا کہ اعمال وخصائل کے بہتر سانچے ڈھال دے اور تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ اس نے ڈھال دیے تھے- یہ شہادت کن لوگوں کے قلم سے نکلی ہے؟ ان لوگوں کے قلم سے جو کسی طرح بھی ایرانیوں کے دوست نہیں سمجھے جا سکتے- پانچویں اور چوتھی صدی قبل مسیح کا تمام زمانہ ایرانیوں اور یونانیوں کی مسلسل آویزش کا زمانہ رہا ہے اور ہیروڈوٹس اور زینوفون نے جب تاریخیں لکھی ہیں تو یونان کے حریفانہ جذبات پوری طرح ابھرے ہوئے تھے- تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایرانیوں کی اخلاقی فضیلت سے انکار نہیں کر سکتے- انہیں ماننا پڑتا ہے کہ ''ان میں بعض ایسی عظیم فضیلتیں ہیں جو یونانیوں میں نہیں پائی جاتیں'' ہم یہاں پروفیسر گرنڈی کے الفاظ پھر مستعار لیں گے کہ ''ایرانی سچائی اور دیانت کی ایسی فضیلتیں رکھتے تھے جو اس عہد کی قوموں میں عام طور پر دکھائی نہیں دیتی''

ان کی راست بازی' رحم دلی' شجاعت' اور بلند نظری کا سب اعتراف کرتے ہیں اور یہ یقیناً زردشت کی تعلیم کے لازمی نتائج تھے-

دارا کے فرامین:

دارائے اول کا زمانہ اس مذہب کی بلند آہنگی کا شاندار زمانہ ہے- اس کے کتبوں میں ہمیں زردشتی تعلیم کی صدائیں صاف سنائی دے رہی ہیں اور ان سے ہم حقیقت حال معلوم کر لے سکتے ہیں- استخر کا کتبہ ڈھائی ہزار برس پیشتر کی یہ منادی آج تک بلند کر رہا ہے:

''خدائے برتر اہورموزدہ ہے- اسی نے زمین پیدا کی، اسی نے آسمان بنایا' اسی نے انسان کی سعادت بنائی اور وہی ہے جس نے دارا کو بہتوں کا تنہا حکمراں اور آئین ساز بنایا''

''دارا اعلان کرتا ہے کہ اہورموزدہ نے اپنے فضل سے مجھے بادشاہت دی- اور اسی کے فضل سے میں نے زمین میں امن وامان قائم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا- میں اہورموزدہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے' میرے خاندان کو' اوران ملکوں کو محفوظ رکھے- اے اہورموزدہ! میری دعا قبول کر!''

صراط مستقیم کی دعوت:

''اے انسان! اہورموزدہ کا تیرے لیے حکم یہ ہے کہ برائی کا دھیان نہ کر- صراط مستقیم کو نہ چھوڑ- گناہ سے بچتا رہ!''[1]

یاد رہے کہ دارا سائرس کا معاصر تھا اور اس کی وفات سے صرف آٹھ برس بعد تخت نشین ہوا- پس دارا کی صداؤں میں ہم خود سائرس کی صدائیں سن رہے ہیں- اس کا بار بار اپنی کامرانیوں کو اہورموزدہ کے فضل وکرم سے منسوب کرنا ٹھیک ٹھیک ذوالقرنین کے اس طریق خطاب کی تصدیق ہے کہ ﴿ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ﴾ (۹۸)

زردشتی مذہب کا انحطاط وتغیر:

لیکن چوتھی صدی قبل مسیح کے بعد زردشتی مذہب کا تنزل شروع ہوگیا- ایک طرف قدیم مجوسی مذہب نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا- دوسری طرف خارجی اثرات بھی کام کرنے لگے- یہاں تک کہ انٹانین (Antonine) شہنشاہ روم کے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ سائرس اور دارا کے عہد کے زردشتی مذہب نے بالکل ایک دوسری ہی شکل اختیار کرلی ہے- پھر سکندر اعظم کی فتوحات کا سیلاب اٹھا اور وہ ایران کی دوصد سالہ شہنشاہی ہی نہیں بلکہ اس کا مذہب بھی بہا لے گیا- ایرانیوں کا قومی افسانہ کہتا ہے کہ زردشت کا مقدس صحیفہ اوستا بارہ ہزار بیلوں کی مدبوغ کھالوں پر آب زر سے لکھا ہوا تھا جو سکندر کے حملہ استخر میں جل کر رکھ ہوگیا- بارہ ہزار بیلوں کی کھال کا قصہ تو محض مبالغہ ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ بخت نصر کے حملہ بیت المقدس نے جو سلوک تورات کے ساتھ کیا تھا وہی سکندر کے حملہ ایران نے اوستا کے ساتھ کیا- یعنی دونوں جگہ مذہب کا اصلی نوشتہ مفقود ہوگیا-

پھر جب پانچ سو پچاس برس کے بعد ساسانی دور حکومت شروع ہوا تو مذہب زردشت کی از سر نو تدوین کی گئی اور جس طرح قید بابل کے بعد عزرا نے نئی تورات مرتب کی تھی اسی طرح اَردشیر بابکانی نے از سر نو اوستا کا نسخہ مرتب کرایا لیکن اب مذہب کی تمام حقیقی خصوصیات طرح طرح کی تبدیلیوں' تحریفوں اور اضافوں سے یک قلم مسخ ہو چکی تھیں- چنانچہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ ساسانی عہد کا مذہب قدیم مجوسیت' زردشتیت اور یونانیت کا ایک مخلوط مرکب ہے- اور اس کا بیرونی رنگ وروغن تو تمام تر مجوسیت ہی نے فراہم کیا ہے- اسی ساسانی اوستا کا ایک ناقص اور محرّف ٹکڑا ہے جو ہندوستان کے پارسیوں کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے اور جس کے لیے ہم ایک فرنچ مستشرق آنک تیل کی اولوالعزمیوں اور علمی قربانیوں کے شکر گزار ہیں-

اہورموزدہ کی مزعومہ شبیہ:

اس سلسلہ میں ایک بحث طلب سوال اور ہے اور ضروری ہے کہ اس پر بھی نظر ڈال لی جائے- یہ مسلم ہے کہ پیروان زردشت میں بت پرستی کی کوئی شکل بھی سر نہ اٹھا سکی- قدیم مجوسی مذہب میں بھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا- لیکن ایران میں دارا اور اس کے بعد کے عہد کے جو آثار ملے ہیں ان میں ایک خاص صورت کا نقش پایا جاتا ہے- یہ بادشاہ کی تصویر نہیں ہوسکتی کیونکہ بادشاہ کی شخصیت مرقع میں الگ نمایاں ہے- اس کا محل ہر جگہ بلندی میں اور سب سے اوپر واقع ہوا ہے- اس لیے ضروری ہے کہ وہ خود بادشاہ سے بھی ایک بلند تر ہستی ہو- سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کون ہستی ہے؟ سب سے پہلے یہ صورت بے ستون کے مرقع میں زیر بحث ہوئی' جب ۱۸۴۷ء میں کرنیل رالین سن نے اپنی شرح وحل کے ساتھ اصل مرقع کا چربہ شائع کیا- پھر یہی صورت متعدد نقوش میں ملی- مثلاً دارا کی سرکاری مہر کے مرقع میں، نقش رستم میں جو

---

[1] جی- رالین سن (Rawlinson) ''فائو گریٹ منارکیز آف دی انشیٹ ایسٹرن ورلڈ''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دراصل دارا کی قبر ہے، استخر کے محل شاہی کے دروازہ پر جو غالباً درمیانی دروازہ ہے۔

رالین سن سے پہلے سر رابرٹ کیر پورٹر نے یہ نظریہ قائم کرلیا تھا کہ یہ کوئی مافوق انسانیت ہستی ہونی چاہیے جو خود بادشاہ سے بھی اوپر اپنی جگہ رکھتی ہے۔ رالین سن ایک قدم اور آگے بڑھا اور اس نے فیصلہ کرلیا کہ یہ اہورموزدہ کی ہستی ہے یعنی خدا کی۔ چنانچہ اس وقت سے یہ رائے برابر مقبول ہوتی گئی۔ اب عام طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے کہ ایرانی اگرچہ بت پرستی سے مجتنب رہے، لیکن انہوں نے اہورموزدہ کی ہستی کے لیے ایک مرموز (یعنی Symbolic) تشخص کا تصور ضرور قائم کرلیا تھا جو ان تصویروں میں نمایاں ہے اور یہ مصریوں اور آشوریوں کے مرموز تجسم کا اثر تھا جس سے وہ بھی متاثر ہوگئے۔[1]

لیکن ۱۹۱۲ء سے (جب کہ میں نے پہلے پہل ایرانی آثار قدیمہ کا بغور مطالعہ کیا) میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہ قیاس اول دن سے غلط رخ پر چلا ہے اور تمام تاریخی اور عقلی قرائن اس کے خلاف ہیں:

اولاً تمام تاریخی شہادتیں اور خود پارسیوں کا مسلسل تعامل ثابت کر رہا ہے کہ انہوں نے الوہیت کا تصور کبھی کسی انسانی جسم وصورت میں نہیں کیا، اور کبھی کسی مجسمہ کو تقدیس کی نظر سے نہیں دیکھا۔

ثانیاً اگر امتداد زمانہ سے یہ چیز پیدا بھی ہوگئی ہو، جب بھی کسی طرح یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ خود دارا کے عہد میں پیدا ہوگئی ہو جو زردشت کی تعلیم کا ابتدائی عہد تھا اور جب یونانی مورخوں کی شہادت کے مطابق ایرانی، یونانی بت پرستی کو حقارت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔

ثالثاً اس شبیہ میں کوئی ایسی بات نہیں جو معبودیت والوہیت کی کوئی خاص شان رکھتی ہو۔ ہر جگہ اس کی ایک ہی صورت اور وضع ہے اور وہ ایک معمولی انسان کی ہے جس نے اس زمانہ کا عام لباس پہن رکھا ہے۔ وہی لباس جو خود دارا اور اس کے جانشینوں کا تصویروں میں دکھایا گیا ہے۔ صرف اتنی بات اس میں زیادہ ہے کہ ایک حلقہ اس کی کمر سے نیچے چاروں طرف بنایا گیا ہے، اور عقب میں ایک ایسا طولانی نقش ہے جس میں لہروں کی سی شان پیدا ہوگئی ہے۔ اس حلقہ اور لہروں کو سورج کی مرموز شکل قرار دیا گیا ہے۔ اگر یہ رائے تسلیم بھی کرلی جائے، جب بھی یہ اس کے لیے کافی نہیں کہ محض یہ مشتبہ حلقہ اور مشتبہ لہریں ایک خالق ہستی کے تصور کے لیے پیروان زردشت کا منتہائے خیال تھا۔

رابعاً اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ اس حلقہ اور لہروں میں ایک ماورائے انسانیت ہستی کا تصور مرموز تھا جب بھی یہ اہورموزدہ کی ہستی کیوں ہو جس کی نسبت زردشت نے تقدیس وعلو کا اس درجہ بلند تصور قائم کیا ہے؟ کیوں یہ کسی ایسے انسان کی صورت نہ ہو جو اگرچہ انسان تھا مگر اپنی انسانیت کی رفعت وتقدیس کی وجہ سے ایک غیر معمولی ہستی سمجھا جاتا تھا؟ مثلاً خدا کی ایک فرستادہ ہستی؟

بہرحال اس رخ پر ہم جس قدر بڑھتے ہیں یہ بات واضح ہوتی جاتی ہے کہ اسے اہورموزدہ کی ہستی سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ یہ یا تو خود زردشت کی تصویر ہے جو ایرانی مذہب کا بانی تھا، یا سائرس کی ہے جو اس مذہب کا حکمراں پیغمبر اور ہخامنشی شہنشاہی کا پہلا تاجدار تھا۔

---

[1] عام رائے یہی ہوگئی ہے، لیکن ایسی صدائیں برابر اٹھتی رہی ہیں جنہیں اس رائے سے اختلاف ہوا۔ کرنیل رالین سن کی اشاعات کے چند سال بعد لغات شرقیہ کے ایک عالم ریورنڈ چارلس فارسٹر (Forster) نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ تصویر اس نقاش کی ہے جس نے مرقع نقش کیا تھا اور جو حلقہ اس کی کمر کے گرد نظر آ رہا ہے یہ معماروں کی ٹوکری ہے جس میں بیٹھ کر بلندی پر کام کیا کرتے تھے۔ (دیکھو مصنف مذکور کی کتاب One Primeval Language جلد سوم، صفحہ: ۱۷۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چونکہ اس صورت کے بائیں ہاتھ میں ہر جگہ ایک حلقہ دکھلایا گیا ہے اور قدیم تصورات میں حلقہ کی شکل حکومت و مالکیت کی علامت سمجھی جاتی تھی اس لیے زیادہ قرین قیاس یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سائرس کی تصویر ہو۔[1]

کیا ذوالقرنین نبی تھا؟

(۸) جہاں تک قرآن کی تصریحات کا تعلق ہے ایک اہم سوال اور باقی رہ گیا ہے۔ قرآن میں ہے ﴿ قُلْنَا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ ﴾ ہم نے کہا اے ذوالقرنین۔ اس خطاب کا مطلب کیا ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین براہ راست وحی الٰہی سے مخاطب تھا؟ مفسرین نے اس پر طبع آزمائیاں کی ہیں اور چونکہ امام رازی سکندر مقدونی کو ذوالقرنین بنانا چاہتے ہیں اور وہ بنتا نہیں اس لیے مجبور ہوئے ہیں کہ یہاں قلنا کے منطوق پر اس کے مفہوم کو ترجیح دیں۔

اس میں شک نہیں کہ قلنا کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بالواسطہ خطاب ہو۔ یعنی اس عہد کے کسی پیغمبر کے ذریعہ سے ذوالقرنین کو مخاطب کیا گیا ہو۔ جیسا کہ ﴿ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ﴾ (۲:۷۳) میں ہے۔ یا خطاب قولی نہ ہو۔ تکوینی ہو۔ جیسا کہ ﴿ قِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ ﴾ (۱۱:۴۴) اور ﴿ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴾ (۲۱:۶۹) وغیرہا آیات میں ہے۔ لیکن اس طرح کا مطلب جب ہی قرار دینا چاہیے کہ اس کے لیے قوی وجوہ موجود ہوں۔ اور یہاں کوئی وجہ موجود نہیں۔ آیت کا صاف صاف مطلب یہی ہے کہ ذوالقرنین کو اللہ نے براہ راست مخاطب کیا اور اس پر اللہ کی وحی نازل ہوئی تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ وحی نبوت کی وحی تھی یا اس طرح کی وحی تھی جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی نسبت بیان کی گئی ہے کہ ﴿ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ﴾ (۲۸:۷) تو صحابہ و سلف سے جو تفسیر منقول ہے وہ یہی ہے کہ ذوالقرنین نبی تھا اور متاخرین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی تفسیر کی تائید کرتے ہیں۔

اور غور کرو قرآن کا یہ بیان سائرس کی شخصیت پر کس طرح ٹھیک ٹھیک منطبق ہو رہا ہے؟ تاریخ اس کی پیغمبرانہ شخصیت کی شہادت دے رہی ہے اور عہد عتیق کے انبیاء اسے صریح خدا کا برگزیدہ اس کا مسیح اور اس کی مرضی پوری کرنے والا کہہ رہے ہیں۔ عزرا نبی کی کتاب میں اس کا جو فرمان تعمیر بیت المقدس کے لیے نقل کیا گیا ہے اس میں وہ خود اعلان کرتا ہے "خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہودیا کے ملک میں اس کی عبادت کے لیے ایک ہیکل تعمیر کروں" اس کا یہ کہنا کہ "خدا نے مجھے حکم دیا ہے" ٹھیک ٹھیک ﴿ قُلْنَا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ ﴾ کی تصدیق ہے۔ ہم اس سے پہلے اس کی خدا پرستی کے اثبات میں جو کچھ لکھ چکے ہیں اس میں سے ہر بات ٹھیک ٹھیک اس کی نبوت کے ثبوت میں بھی کہی جا سکتی ہے۔

یاجوج و ماجوج:

(۹) اب صرف ایک معاملہ کی تشریح باقی رہ گئی ہے یعنی یاجوج اور ماجوج سے کون سی قوم مراد ہے؟ اور جو سد سائرس نے بنائی تھی اس کی تاریخی نوعیت کیا ہے؟

قرآن مجید نے یاجوج اور ماجوج کا دو جگہ ذکر کیا ہے۔ ایک تو یہاں ہے۔ دوسرا سورۂ انبیاء میں ہے: ﴿ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ

---

[1] ۱۹۱۳ء میں میں نے اپنا یہ خیال مسٹر اڈرڈ براؤن (پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی و مصنف لٹریری ہسٹری آف پرشیا وغیرہ) کو لکھا تھا۔ انہوں نے مجھ سے اتفاق کیا تھا اور بہت اصرار کے ساتھ لکھا تھا کہ بعض مستشرقین جرمنی سے اس بارے میں مراسلت کروں۔ پھر کچھ دنوں کے بعد انہوں نے لکھا وہ خود اس بارے میں خط و کتابت کر رہے ہیں۔ لیکن اس کے بعد جنگ عظیم شروع ہو گئی اور میری خط و کتابت کا سلسلہ سنسر کی سخت گیریوں نے بالکل مسدود کر دیا۔ پھر میں نظر بند ہو گیا اور جب چھوٹا تو اس کے چند دنوں بعد ان کے انتقال کی خبر آ گئی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴾ (۲۱:۹۶)

یاجوج اور ماجوج کا نام سب سے پہلے عہد عتیق میں آیا ہے- حزقیل نبی کی کتاب میں جنہیں بخت نصر اپنے آخری حملہ بیت المقدس میں گرفتار کر کے بابل لے گیا تھا اور جو سائرس کے ظہور تک زندہ رہے' یہ پیشین گوئی ملتی ہے:

حزقی ایل نبی کی پیشین گوئی:

''اور خداوند کا کلام مجھ تک پہنچا- اس نے کہا اے آدم زاد! تو جوج کی طرف اپنا منہ کر کے اس کے برخلاف نبوت کر- جوج کی طرف جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روس' مسک اور توبال کا سردار ہے- خداوند یہوداہ یوں کہتا ہے کہ میں تیرا مخالف ہوں- میں تجھے پھرا دوں گا- تیرے جبڑوں میں بنسیاں ماروں گا، تیرے سارے لشکر اور گھوڑوں اور سواروں کو جو جنگی پوشاک پہنے چوپہریاں اور سپر لیے ہوئے ہیں اور سب شمشیر بکف ہیں' کھینچ نکالوں گا- اور میں ان کے ساتھ فارس اور کوش اور فوط کو بھی کھینچ نکالوں گا جو سپر لیے ہوئے اور خود پہنے ہوں گے- نیز جومر اور شمال بعید کے اطراف کے باشندگان تجرمہ اور ان کا سارا لشکر''

اس کے بعد دور تک تفصیلات چلی گئی ہیں- اور چار باتیں خصوصیت کے ساتھ کہی گئی ہیں- ایک یہ کہ جوج شمال کی طرف سے آئے گا تا کہ لوٹ مار کرے- دوسری یہ کہ ''ماجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں سکونت رکھتے ہیں تباہی آئے گی'' تیسری یہ کہ جو لوگ اسرائیل کے شہروں میں بسنے والے ہیں وہ بھی ماجوج کے مقابلہ میں حصہ لیں گے اور ان کے بے شمار ہتھیار ان کے ہاتھ آئیں گے- چوتھی یہ کہ ماجوج کی تباہی کا گورستان ''مسافروں کی وادی'' میں بنے گا جو ''سمندر کے پورب میں ہے'' ان کی لاشیں عرصہ تک وہاں پڑی رہیں گی- لوگ انہیں گاڑتے رہیں گے تا کہ رہ گزر صاف ہو جائے- (باب ۳۸:۳۹)

یہ واضح رہے کہ اس پیشین گوئی سے پہلے سائرس کے ظہور اور یہودیوں کی آزادی و خوش حالی کی پیشین گوئی بیان کی جا چکی ہے اور اس پیشین گوئی کا محل ٹھیک اس مکاشفہ کے بعد ہے جس میں حزقی ایل نبی نے بنی اسرائیل کی سوکھی ہڈیوں کو زندہ ہوتے دیکھا تھا اور جسے قرآن نے بھی سورۂ بقرہ کی آیت ﴿ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ﴾ (۲:۲۵۹) میں بیان کیا ہے- پس ضروری ہے کہ جوج اور ماجوج کا معاملہ بھی اسی زمانے کے لگ بھگ پیش آنے والا ہو- یعنی سائرس کے زمانہ میں- اور یہ سائرس کے ذوالقرنین ہونے کا ایک مزید ثبوت ہے- کیونکہ قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ اسی نے یاجوج و ماجوج کے حملوں کی روک تھام کے لیے ایک سد تعمیر کی تھی-

عہد عتیق کے بعد یہ نام ہمیں مکاشفات یوحنا میں ملتا ہے- جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ''جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا اور وہ ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی' یعنی یاجوج و ماجوج کو گمراہ کرنے اور لڑنے کے لیے جمع کرنے نکلے گا- ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا- وہ تمام زمین کی وسعتوں پر چڑھ جائیں گی'' (۲۰:۷)

گاگ اور مے گاگ:

یاجوج اور ماجوج کے لیے یورپ کی زبانوں میں (Gog) اور (Magog) کے نام مشہور ہو گئے ہیں اور شارحین تورات کہتے ہیں کہ یہ نام سب سے پہلے تورات کے ترجمہ سبعینی[1] میں اختیار کیے گئے تھے- لیکن کیا اس لیے اختیار کیے گئے کہ جوج اور ماجوج کا یونانی تلفظ یہی ہو سکتا تھا یا خود یونانی میں پہلے سے یہ نام موجود تھے؟ اس بارے میں شارحین کی رائیں مختلف ہیں- لیکن زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ دونوں نام اسی طرح یا اس کے قریب قریب یونانیوں میں بھی مشہور تھے-

---

[1] ترجمہ سبعینی سے مقصود تورات کا وہ پہلا یونانی ترجمہ ہے جو اسکندریہ میں شاہی حکم سے ہوا تھا' اور جس میں ستر علمائے یہود شریک تھے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنہ ۶۰۰ قبل مسیح میں یاجوج و ماجوج کے مغربی ایشیا پر حملے اور سد ذوالقرنین کی تعمیر

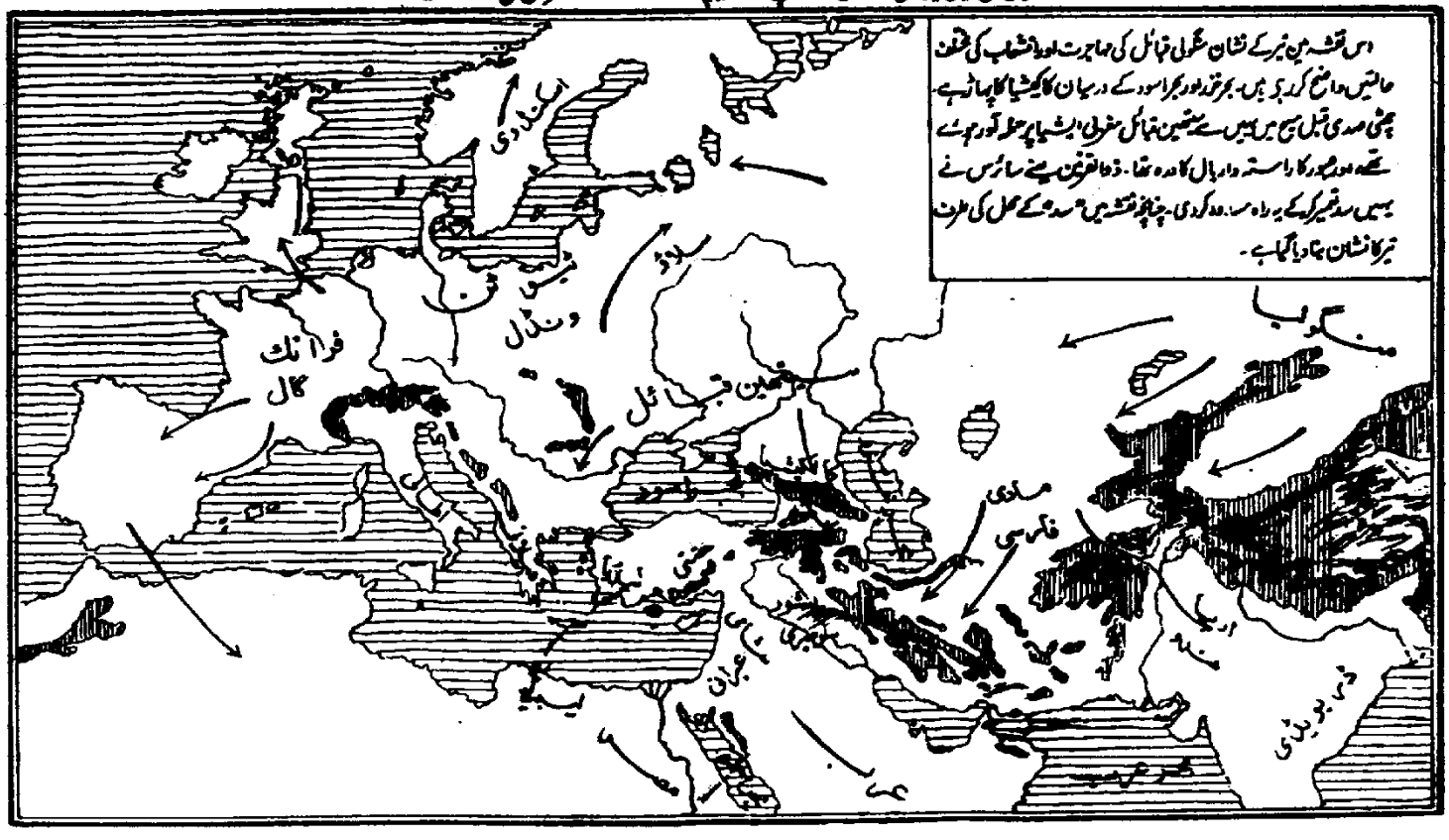

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شمال مشرقی قبائل:

اب سوال یہ ہے کہ یہ کون قوم تھی؟ تمام تاریخی قرائن متفق طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہو سکتی ہے- اس کے سوا کوئی نہیں- یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی مگر طاقتور قبائل جن کا سیلاب قبل از تاریخ عہد سے لے کر نویں صدی مسیحی تک برابر مغرب کی طرف امنڈتا رہا، جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لیے چینیوں سیکڑوں میل لمبی دیوار بنانی پڑی تھی، جن کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئی ہیں- اور جن کا آخری قبیلہ یورپ میں میگر کے نام سے روشناس ہوا اور ایشیا میں تاتاریوں کے نام سے- اسی قوم کی ایک شاخ تھی جسے یونانیوں نے سیتھین (Scythian) کے نام سے پکارا ہے' اور اسی کے حملوں کی روک تھام کے لیے سائرس نے سد تعمیر کی تھی-

منگولیا:

شمال مشرق کے اس علاقہ کا بڑا حصہ اب ''منگولیا'' کہلاتا ہے- لیکن ''منگول'' لفظ کی ابتدائی شکل کیا تھی؟ اس کے لیے جب ہم چین کے تاریخی مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں' (اور ہمیں اسی طرف رجوع ہونا چاہیے کیونکہ وہ منگولیا کے ہم سایہ میں ہے) تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم نام ''موگ'' تھا- یقیناً یہی ''موگ'' ہے جو چھ سو برس قبل مسیح یونانیوں میں ''میگ'' اور ''مے گاگ'' پکارا جاتا ہوگا' اور یہی عبرانی میں ''ماجوج'' ہو گیا-

چین کی تاریخ میں ہمیں اس علاقہ کے ایک اور قبیلہ کا ذکر بھی ملتا ہے جو ''یواچی'' (Yueh-Chi) کے نام سے پکارا جاتا تھا- یہی ''یواچی'' ہے جس نے مختلف قوموں کے مخارج تلفظ سے گزر کر کوئی ایسی شکل اختیار کر لی تھی کہ عبرانی میں ''یاجوج'' ہو گیا-

اس امر کی وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ ان نتائج پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے جو مختلف قوموں کے نسلی، جغرافیائی اور لغوی علائق کی بحث و تنقیب سے پیدا ہوئے ہیں اور جو موجودہ زمانے میں تاریخ اقوام کے طے شدہ مبادیات ہیں-

منگولیا کا قبائلی سرچشمہ اور اقوام قدیم کا انشعاب:

کرۂ ارضی کی بلند سطح وہ حصہ جو شمال مشرق میں واقع ہے اور جسے آج کل منگولیا اور چینی ترکستان کے نام سے پکارا جاتا ہے تاریخ قدیم کی بے شمار قوموں کا ابتدائی گہوارہ رہ چکا ہے- یہ نسل انسانی کا ایک ایسا سرچشمہ تھا جہاں پانی برابر ابلتا اور جمع ہوتا رہتا اور جب بہت بڑھ جاتا تو مشرق و مغرب کی طرف امنڈنا چاہتا- اس کے مشرق میں چین تھا' مغرب و جنوب میں مغربی اور جنوبی ایشیاء اور شمال مغرب میں یورپ- چنانچہ یکے بعد دیگرے قوموں اور قبیلوں کے سیلاب امنڈتے رہے- کچھ وسط ایشیا میں آباد ہو گئے- کچھ آگے بڑھے اور شمالی یورپ تک پہنچ گئے- کچھ وسط ایشیا سے نیچے اتر گئے اور جنوبی اور مغربی ایشیا پر قابض ہو گئے- یہ قبائل جو اس علاقہ سے نکلتے تھے مختلف ملکوں میں بس کر وہاں کی خصوصیت اختیار کر لیتے تھے اور رفتہ رفتہ ایک مقامی قوم بن جاتے تھے لیکن ان کا وطنی سرچشمہ اپنی اصلی حالت پر باقی رہتا- یہاں تک کہ پھر قبائل کا ایک نیا سیلاب اٹھتا اور کسی نئے علاقہ میں پہنچ کر نئی مقامی قومیت کی تخلیق کر دیتا-

یہ علاقہ صدیوں تک اپنی اصلی وحشیانہ حالت پر باقی رہا لیکن جو قبائل یہاں سے نکل نکل کر مختلف ملکوں میں بستے گئے انہوں نے مقامی خصوصیات اختیار کر کے تہذیب و تمدن کی طرف بڑھنا شروع کر دیا- یہاں تک کہ چند صدیوں کے بعد ان کی حالت اس درجہ مختلف ہو گئی کہ ان میں اور ان کے قدیم ہم وطنوں میں کوئی بات بھی مشترک باقی نہیں رہی- وہ اب مہذب ہو رہے تھے- یہ بدستور وحشی تھے- وہ تہذیب کے صناعی ہتھیاروں سے لڑتے تھے- یہ وحشت کی قدرتی بجیت اور درندگی سے- ان میں زراعت' صناعت اور ذہنی ترقی کی مختلف شاخیں ابھر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہی تھیں- وہ ان سب سے نا آشنا تھے- سرد علاقہ کی صحرائی زندگی اور وحشیانہ خصائل کی خشونت نے انہیں وقت کی شائستہ اقوام کے لیے ایک خوفناک ہستی بنا دیا تھا- قبل اس کے کہ تاریخی عہد کی صبح طلوع ہو' شمال مشرقی قبائل کی یہ مہاجرت شروع ہو چکی تھی اور اس کا سلسلہ تاریخی عہد میں بھی بدستور جاری رہا-

آریا:

انہی قبائل کا ایک ابتدائی گروہ وہ تھا جو آرین نسل کے نام سے پکارا گیا ہے- اس کا ایک حصہ وسط ایشیا سے یورپ کی طرف بڑھ گیا- ایک نیچے اتر کر پنجاب میں آباد ہو گیا- ایک مغرب کی طرف بڑھا اور فارس اور میڈیا اور اناتولیا میں بس گیا- اسے اب انڈو یوروپین آریا کے نام سے شناخت کیا جاتا ہے' کیونکہ یہ ہندوستان اور یورپ' دونوں کی آریائی اقوام کے مورث اعلیٰ تھے- ان کا جو حصہ شمالی ہند میں بس گیا تھا' اس نے اپنا نسلی خطاب برابر یاد رکھا اور اپنے کو آریاورتھ کہتا رہا- جو فارس اور میڈیا میں بسا اس نے اپنی ابتدائی قیام گاہ کو ایریانہ کے نام سے موسوم کیا (جسے اوستا میں ایریانہ ویگو کہا گیا ہے) اور یہی ایریانہ ایران ہو گیا- جو قبائل اناتولیا تک پہنچ گئے تھے' وہ (غالباً) ہٹی (Hittite) کے نام سے پکارے گئے جنہیں تورات کی کتاب پیدائش میں حتی کہا گیا ہے اور مصر کے قدیم نوشتوں میں ختتی پایا گیا-

یورپ کے قبائل:

جو قبائل یورپ میں پہنچے' وہ گوتھ' فرانک' الامان' ونڈال' ٹیوٹان' اور ہن کے نام سے مشہور ہوئے اور انہی کی ایک وسیع شاخ وہ تھی جو بحر اسود سے لے کر دریائے ڈینیوب کی بالائی وادی تک پھیل گئی اور سیتھین کے نام سے پکاری گئی- وسط ایشیا کے مشرقی قبائل بھی جو بکٹر یا (بلخ) پر تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے' سیتھین ہی تسلیم کیے گئے ہیں اور خود دارا نے اپنے کتبہ استخر میں انہیں اسی نام سے پکارا ہے-

اقسام ثلاثہ:

ان قبائل کی جو تین شاخیں شمالی ہند' اناتولیا (ایشیائے کوچک) اور ایران میں بس گئی تھی انہیں ایسا ماحول ملا جو زراعت کے لیے موزوں تھا- اس لیے بہت جلد انہوں نے زراعتی زندگی اختیار کر لی اور پھر تہذیب و حضارت کی طرف بڑھنے لگیں لیکن جو شاخیں یورپ کی طرف بڑھیں انہیں ایسا ماحول میسر نہیں آیا- اس لیے صحرائی زندگی کی تمام خصوصیات ان میں بدستور باقی رہیں اور صدیوں تک متغیر نہ ہوئیں- اب گویا ان قبائل کی تین حالتیں ہو گئی تھیں-

اولاً' منگولیا کے اصلی باشندے جو یک قلم وحشی اور صحرائی تھے اور ان کی یہ حالت بغیر کسی تغیر کے برابر قائم رہی-

ثانیاً' بحر اسود کے شمالی ساحل اور شمالی یورپ کے قبائل جو گو اپنے مولد اصلی سے الگ ہو گئے تھے لیکن ان کی وحشیانہ خصوصیات نہیں بدلی تھیں-

ثالثاً' ہندوستان' ایران اور اناتولیا کے قبائل جو بتدریج شہریت و حضارت میں ترقی کرنے لگے اور پھر آگے چل کر تین قدیم تہذیبوں کے بانی ہوئے-

یاجوج ماجوج کا اطلاق:

تقریباً ۷۰۰ قبل مسیح سے لے کر پانچویں صدی مسیحی تک یاجوج اور ماجوج یا گوگ اور مے گگ کا اطلاق پہلی دو قسموں پر ہوتا رہا- پہلی پر اس لیے کہ قومیت اور مقام کے لحاظ سے وہی یاجوج و ماجوج تھی- دوسری پر اس لیے کہ گو اپنے مولد و مقام سے الگ ہو چکی تھی لیکن اپنی وحشیانہ خصوصیات میں بالکل متغیر نہیں ہوئی تھی- تیسری قسم چونکہ یک قلم منقلب ہو چکی تھی اس لیے اب وہ یاجوج و ماجوج نہیں رہی تھی بلکہ خود

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یاجوج وماجوج کی غارت گریوں کا نشانہ بن گئی تھی- البتہ جب پانچویں صدی مسیحی میں یورپ کے قبائل کی حالت بھی منقلب ہونا شروع ہوگئی اور مسیحیت اختیار کر کے تہذیب وحضارت کی طرف بڑھنے لگے تو قوموں کے حافظہ سے ان کا نام بھی اتر گیا اور یاجوج وماجوج کا اطلاق صرف اسی خطہ میں سمٹ آیا جہاں سے پھیلنا شروع ہوا تھا- یعنی صرف منگولیا کے صحرانورد قبائل ہی یاجوج وماجوج سمجھے جانے لگے- چنانچہ قرآن نے سورۂ انبیاء میں ان کے جس خروج کی خبر دی ہے وہ منگولیا کے تاتاریوں کا آخری خروج تھا-

یورپ کی تمام موجودہ قومیں (لاطینی نسل مستثنیٰ کر دینے کے بعد) براہ راست انہی قبائل کی نسل سے ہیں- جیسا کہ معلوم ومسلم ہے-

صحرانوردی اور توطن کا اختلاف معیشت:

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ نسل انسانی نے اکثر حالتوں میں پہلے صحرانوردی اور خانہ بدوشی کی زندگی بسر کی ہے- پھر توطن اور اقامت گزینی اختیار کی ہے اور اس اختلاف حالت نے ہمیشہ دو طرح کے انسانی گروہوں سے دنیا کو آباد رکھا ہے- صحرانورد قبائل کے گروہ اور اقامت گزین قبائل کے گروہ- معیشت کی یہ دونوں حالتیں اس درجہ مختلف تھیں کہ ایک ہی نسل کے دو قبیلوں میں سے ایک قبیلہ اگر صحرانورد رہتا تھا اور دوسرا اقامت گزین ہو جاتا تھا تو چند صدیوں کے بعد نہ صرف ایک دوسرے سے اجنبی ہو جاتے تھے بلکہ بالکل متضاد قسم کی مخلوق بن جاتے تھے- صحرانورد قبائل کو غذا کے لیے جانوروں کے دودھ اور شکار کے گوشت پر اعتماد کرنا پڑتا تھا- اقامت گزین قبائل کو اناج پر- وہ گھوڑوں کی برہنہ پیٹھ پر زندگی بسر کرتے- یہ کھیتوں میں اور مکانوں کی چار دیواری میں- ان کی زندگی کا ماحول صحرائیت تھی- ان کا ماحول شہریت- ان کو نشوونما کے لیے جنگ کی ضرورت تھی- ان کو امن کی- ان کا جسم روز بروز طاقتور اور محنت پسند ہوتا جاتا تھا- ان کا روز بروز کمزور اور راحت پسند- وہ روز بروز وحشت وخونخواری میں بڑھتے جاتے تھے- یہ روز بروز تہذیب وحضارت میں- تہذیب وحضارت کا لازمی نتیجہ تھا کہ جذبات وخصائل میں لطافت اور نرمی پیدا ہو- صحرائیت وخانہ بدوشی کا لازمی نتیجہ تھا کہ جذبات تند اور خصائل میں وحشت وخشونت ہو- نتیجہ یہ نکلتا کہ جوں جوں اقامت گزیں قبائل شائستہ ہوتے جاتے' صحرانورد قبائل کی ہستی ان کے لیے ہولناک اور ناقابل مزاحمت ہوتی جاتی' جب کبھی دونوں میں مقابلہ ہوتا' تو شہری قبائل دیکھتے کہ صحرانورد قبائل عفریتوں کی طرح خوفناک اور درندوں کی طرح خونخوار ہیں، اور صحرانورد قبائل معلوم کر لیتے کہ ان کی غارت گریوں کے لیے شہری آبادیوں سے زیادہ کوئی سہل شکار نہیں!

البتہ صحرانورد قبائل متفرق تھے اور اقامت گزینی کے طریقوں سے ناآشنا' اقامت گزین قبائل باہم مربوط تھے اور معیشت کے منظم طریقوں سے آشنا' اس لیے قدرتی طور پر صحرانوردوں کے حملے ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے- وہ خوفناک درندوں کی طرح آبادیوں پر گرتے اور قتل وغارت کر کے نکل جاتے- لیکن جم کر ٹک نہیں سکتے تھے اور نہ علاقے فتح کر کے اپنے قبضے میں رکھ سکتے تھے- مگر جب کبھی صدیوں کے بعد ان میں کوئی حکمراں قائد پیدا ہو جاتا اور وہ بہت سے قبیلوں کو متحد کر کے ایک فوج کی نوعیت دے دیتا تو پھر قتل و غارت گری کی ایک ایسی منظم طاقت پیدا ہو جاتی جو صرف وقتی حملوں ہی پر قانع نہیں رہتی بلکہ مملکتوں اور قوموں پر قابض ہو جاتی اور شہری آبادیوں کی بڑی قوتیں بھی اس کی راہ نہیں روک سکتیں!

تاریخ شاہد ہے کہ صحرانورد اور غیر متمدن اقوام کے مقابلہ میں شہری اور متمدن اقوام کا ہمیشہ ایسا ہی حال رہا- یہاں تک کہ علم وصناعت نے ایسے ہتھیار اور جنگی وسائل پیدا کر دیے جن کے مقابلے سے غیر متمدن اقوام عاجز آ گئیں-

یاجوج ماجوج صحرانوردی کی خوفناک قوت تھی:

چنانچہ ان شمال مشرقی قبائل کی پوری تاریخ اسی حقیقت کا افسانہ ہے- ان کی جن شاخوں نے اقامت گزینی کی زندگی اختیار کر لی تھی وہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالکل ایک دوسری قوم بن گئیں اور جنہیں ایسے حالات میسر نہیں آئے وہ بدستور صحرانورد رہیں- اقامت گزین قبائل کے لیے صحرانورد قبائل صرف اجنبی ہی نہیں ہو گئے تھے بلکہ خوفناک بھی ہو گئے تھے کیونکہ ان کی روز افزوں شہریت ان کی صحرائی وحشت ناکیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی- یہ جب کبھی موقع پاتے قرب و جوار کی آبادیاں غارت کرتے اور اگر قبائل کا کوئی قائد نکل آتا تو ان کی غارت گریاں دور دور تک بھی پہنچ جاتیں- صدیوں تک ان کی حالت ایسی ہی رہی- پھر جب چوتھی صدی مسیحی سے ان کے اندر ایسے قائد پیدا ہونے لگے جنہوں نے نظم و اطاعت کا راز پالیا تھا تو اچانک ان کی طاقت کا ایک نیا دور شروع ہو گیا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ پانچویں صدی میں اٹیلا (Attila) نے جو ہن قبیلہ کا قائد تھا ایک عظیم فاتح کی حیثیت اختیار کر لی اور رومن امپائر کی دونوں مشرقی و مغربی مملکتوں کو لرزہ براندام کر دیا- پھر یہی قبائل ہیں جو بالآخر اس طرح تمام یورپ پر چھا گئے کہ نہ صرف رومن امپائر کو بلکہ روی تمدن کو ہمیشہ کے لیے پامال کر دیا-

چند صدیوں کے بعد تاریخ یہ منظر پھر دہراتی ہے- ہم دیکھتے ہیں کہ خود منگولیا میں ایک نیا منگولی قائد چنگیز خاں پیدا ہو گیا ہے- وہ تمام تاتاری قبائل کو اپنے ماتحت ایک قوم بنا دیتا ہے اور پھر فتح و تسخیر کا ایک ایسا ہولناک سیلاب امنڈتا ہے جسے اسلامی ممالک کی کوئی متمدن قوت بھی نہ روک سکی- وسط ایشیا سے لے کر عراق تک جو ملک اس کے سامنے آیا' خس و خاشاک کی طرح بہ گیا!

منگولی نسل کے انشعاب کے مختلف دور:

بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یاجوج و ماجوج سے مقصود یہی منگولین قوم اور اس کی تمام صحرانورد اور وحشی شاخیں ہیں- اب ہم چاہتے ہیں ان کے خروج و ظہور کے مختلف دور تاریخی ترتیب سے منضبط کر لیں- اسی ضمن میں یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ سائرس کے زمانہ میں یہ قوم کہاں تھی' اور کیوں اسے سد تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی؟ اس بارے میں تاریخ کی شہادتوں کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) پہلا دور تاریخی عہد سے پہلے کا ہے جب شمال شرق سے ان قبائل کے ابتدائی گروہ نکلے اور وسط ایشیا میں آباد ہو گئے پھر جنوب اور مغرب میں پھیلنے لگے- اس خروج و انشعاب کی رفتار بہت سست رہی ہو گی اور بے شمار منزلیں پیش آئی ہوں گی-

(۲) دوسرا دور صبح تاریخ کا ہے لیکن روشنی ابھی دھندلی ہے- اب اقامت گزینی اور صحرانوردی کی دو مختلف اور متوازی معیشتوں کا سراغ لگایا جا سکتا ہے- شمالی ہند' ایران اور اناتولیا کے قبائل اقامت گزینی کی زندگی میں بدل چکے ہیں مگر وسط ایشیا سے لے کر بحر اسود تک صحرانورد قبائل کے جتھے پھیلتے جاتے ہیں اور مشرق سے نئے نئے قبیلوں کے اقدام کا سلسلہ برابر جاری ہے- یہ زمانہ تقریباً ۳۰۰۰ قبل مسیح سے ۱۵۰۰ قبل مسیح تک کا تصور کرنا چاہیے-[1]

(۳) تیسرا دور تاریخ کی روشنی میں پوری طرح نمایاں ہے- یہ تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے- اب بحر خزر اور بحر اسود کا علاقہ ایک وحشی اور خونخوار قوم کا مرکز بن چکا ہے اور وہ مختلف ناموں میں اور مختلف جہتوں سے نمایاں ہوتی رہتی ہے- پھر اچانک تاریخ کے افق پر ''سیتھین'' قوم کا نام ابھرتا ہے یہ وسط ایشیا سے لے کر بحر اسود کے شمالی کناروں تک آباد ہے اور اطراف و جوانب میں برابر حملہ آور ہوتی رہتی ہے- یہ زمانہ اشوری تمدن کے ظہور اور بابل اور نینوی کے عروج کا تھا اور ہیروڈوٹس کی زبانی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آشورین کی شمالی

---

[1] یہ تعین اس طرح کے تمام تعینات کی طرح محض تاریخی قیاسات پر مبنی ہے اور اسی لیے اس بارے میں نظارِ تاریخ کی راہیں مختلف ہوئیں- البتہ حال کے انکشافات سے ایک بات تقریباً پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے- یعنی ڈھائی ہزار سال قبل مسیح اناتولیا میں ''حتی'' یا ''حتی'' تمدن شروع ہو چکا تھا اور قدیم مصری تمدن کا معاصر تھا- بوغاز کوئی میں جو حتی کتب خانہ برآمد ہوا ہے اور جس میں بیس ہزار کے قریب منقوش تختیاں نکلی ہیں اس نے انیسویں صدی کے تاریخی تخمینے بہت کچھ بدل دیے ہیں اور اب یہ رجحان کہ اس زمانے کی مدت گھٹائی جائے' تقریباً مفقود ہو رہا ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرحد پر سیتھین قبائل کی غارت گریاں برابر جاری ہیں- یہ شمالی سرحد بحرخزر کے جنوبی ساحل اور آرمینیا کے سلسلہ کوہ تک پہنچی ہوئی تھی اور وہ کاکیشیا کے درے سے اتر کر آشوری آبادیوں پر حملہ آور ہوتے تھے پھر ۶۳۰ قبل مسیح میں اچانک ان کا ایک عظیم گروہ اسی راہ سے اترتا ہے اور ایران کا تمام مغربی حصہ پامال کر دیتا ہے- یونانی مورخ کہتے ہیں کہ آشوری مملکت کی تباہی کا ایک بڑا باعث یہی غارت گری تھی-[1]

(۴) چوتھا دور ۵۵۰ قبل مسیح کا قرار دینا چاہیے جب سائرس کا ظہور اور فارس اور میڈیا کی متحدہ شہنشاہی کی بنیاد پڑی- اس عہد میں مغربی ایشیا کا تمام علاقہ سیتھین حملوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور صدیوں تک ان کے حملوں کی کوئی صدا تاریخ کی سماعت تک نہیں پہنچتی- اس عہد میں صرف دو موقعوں پر ان کا ذکر آتا ہے- پہلا سائرس کے زمانہ میں جب وہ فتح بابل سے پہلے "سیتھین" قبائل کے سرحدی حملوں کا تدارک کرتا ہے- دوسرا دارا کے زمانے میں جب وہ باسفورس عبور کر کے دریائے ڈینیوب کی وادیوں میں پہنچ جاتا ہے اور ان قبائل کو دور تک بھگا دیتا ہے-

دارا کے حملہ کے بعد ان کا دباؤ شمالی یورپ کی طرف بڑھنے لگا-

(۵) پانچواں دور تیسری صدی قبل مسیح کا ہے- اس عہد میں منگولین قبائل کا ایک نیا سیلاب اٹھتا ہے اور پہلے چین کی آبادیوں پر ٹوٹتا ہے- پھر آہستہ آہستہ وسط ایشیا کی قدیم شاہراہ اختیار کرتا ہے- چین کی تاریخ میں انہیں ہیونگ نہ (Hiung nu) کے نام سے پکارا گیا ہے' اور یہی نام آگے چل کر ہن ہو گیا ہے-

یہی زمانہ ہے جب شہنشاہ چین شین ہوانگ ٹی نے ان حملوں کے روکنے کے لیے وہ عظیم الشان دیوار تعمیر کی جو دیوار چین کے نام سے مشہور ہے اور پندرہ سو میل تک چلی گئی ہے- اس کی تعمیر ۲۱۴ قبل مسیح میں شروع ہوئی' اور بیان کیا جاتا ہے کہ دس برس میں ختم ہوئی- اس نے شمال اور مغرب کی طرف سے منگولین قبائل کے حملوں کی تمام راہیں مسدود کر دی تھیں- اس لیے ان کا رخ پھر وسط ایشیا کی طرف مڑ گیا-

(۶) چھٹا دور تیسری صدی مسیحی کا ہے جب ان قبائل نے یورپ میں ایک نئی کروٹ لی اور بالآخر رومی مملکت اور رومی تمدن کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا-

(۷) ساتواں اور آخری دور بارہویں صدی مسیحی اور چھٹی صدی ہجری کا ہے جب منگولیا میں تازہ دم قبائل کی ایک بڑی تعداد پھر تیار ہو گئی اور چنگیز خاں نے انہیں متحد کر کے ایک نئی فتح مند طاقت پیدا کر دی-

ذوالقرنین کے عہد میں یاجوج ماجوج:

مندرجہ صدر خلاصہ سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ چھٹی صدی قبل مسیح میں مغربی ایشیا کا تمام علاقہ سیتھین قبائل کے حملوں سے غارت ہو رہا تھا اور جس ہاتھ نے اچانک ظاہر ہو کر ان کے حملے روک دیے اور پھر ہمیشہ کے لیے مغربی ایشیا یک قلم محفوظ ہو گیا وہ سائرس کا ہاتھ تھا- پس یقیناً منگولین نسل کے یہی سیتھین قبائل تھے جو یاجوج و ماجوج کے نام سے پکارے جاتے تھے اور ذوالقرنین یعنی سائرس نے انہی کی راہ روکنے کے لیے سد تعمیر کی- جس طرح تین صدیوں کے بعد چینی مجبور ہوئے کہ انہیں روکنے کے لیے ایک دیوار تعمیر کریں-

سیتھین قبائل اور درہ کاکیشیا:

اب غور کرو سیتھین قبائل کے یہ حملے کس جانب سے ہوتے تھے؟ ہیروڈوٹس وغیرہ یونانی مورخ بتلاتے ہیں کہ صرف ایک راہ سے، یعنی کاکیشیا کے درہ سے- یہی مقام صدیوں تک دونوں علاقوں میں درمیان کا پھاٹک رہا ہے- اب اگر سائرس ان حملوں سے محفوظ ہونا چاہتا تھا تو

---

[1] ہیروڈوٹس-۱-۱۰۴-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا اس کے لیے ضروری نہ تھا کہ یہ پھاٹک بند کر دے؟ قدرتی طور پر ضروری تھا اور اس لیے اس نے سد تعمیر کر کے یہ راہ مسدود کر دی- چونکہ ان حملوں کی صرف یہی ایک راہ تھی اور وہ اس طرح بند کر دی گئی- اس لیے یاجوج حملوں کا بھی یک قلم خاتمہ ہو گیا-

حزقیل کی پیشین گوئی کا مصداق:

اب پھر حزقی ایل نبی کی پیشین گوئی پر ایک نظر ڈال لو- اس میں جوج کو روش' مسک اور توبال کا سردار کہا ہے اور یہ ٹھیک ٹھیک انہی قبائل کے نام ہیں- ''روش'' وہی ہے جس سے ''رشیا'' نکلا- ''مسک'' وہی ہے جو ''موسکو'' ہوا' اور ''توبال'' بحر اسود کا بالائی علاقہ تھا- پھر کہا ہے کہ ''میں تجھے پھرا دوں گا'' اور ''تیرے جبڑوں میں بنسیاں ماروں گا'' یہ وہی واقعہ ہے کہ سائرس نے سیتھین قبائل کے منہ پھرا دیے اور سد تعمیر کر کے ان پر ان کی راہ روک دی- پھر کہا ہے ''ایسا معاملہ واقع ہو گا کہ ان کے تمام ہتھیار جلا دیے جائیں گے'' اور ''رہ گزروں کی ایک وادی میں جو سمندر کے پورب میں ہے ان قوموں کا گورستان بنے گا'' نیز عرصہ تک لوگ لاشیں گاڑتے رہیں گے تا کہ ''راہ صاف کریں'' یہ وہ واقعہ ہے جو دارا کے حملہ یورپ میں پیش آیا- دارا کی فوج مملکت کی تمام اقوام سے مرکب تھی- اس میں یہودیوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی- وہ باسفورس عبور کر کے مشرقی یورپ میں پہنچ گیا تھا اور اگرچہ یونانیوں کی بے وفائی کی وجہ سے اسے واپس ہونا پڑا' لیکن اس لشکر کشی میں بے شمار سیتھین مارے گئے اور ان کی قوت عرصہ تک کے لیے مضمحل ہو گئی-

مکاشفات یوحنا کا معمہ:

باقی رہی وہ پیشین گوئی جو مکاشفات یوحنا میں ملتی ہے- تو مکاشفات کے اکثر مقامات کی طرح اس مقام کی بھی کوئی جمتی ہوئی تفسیر شارحین انجیل نہ کر سکے- اس میں ایک ہزار برس کی مدت بتلائی گئی ہے- سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مدت سے مقصود کون سی مدت ہے اور کب سے شروع ہوتی ہے؟ اگر حضرت مسیح علیہ السلام سے شروع ہوتی ہو تو ظاہر ہے کہ دسویں صدی مسیحی میں کوئی ایسا واقعہ ظہور میں نہیں آیا- ہو سکتا ہے کہ ہزار برس سے مقصود وہ مدت ہو جو سقوط بابل سے شروع ہوتی ہے کیونکہ اس معاملہ سے پہلے بابل کی تباہی کا ذکر کیا گیا ہے- اگر ایسا ہی ہے تو پھر ایک بات بن سکتی ہے- بابل کا سقوط چھٹی صدی قبل مسیح میں ہوا ہے اور چوتھی صدی مسیحی میں یورپ کے منگولین قبائل نے رومی مملکت پر حملے شروع کر دیے ہیں- پس یاجوج و ماجوج کا یہ خروج سقوط بابل کے ہزار برس بعد ضرور ہوا ہے-

کتاب پیدائش کی تفریح:

''ماجوج'' کا ذکر تورات کی کتاب پیدائش میں بھی آیا ہے جہاں حضرت نوح علیہ السلام کے تین لڑکوں سام' حام اور یافث سے اقوام عالم کا پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے- چنانچہ یافث کی نسبت لکھا ہے کہ اس سے ''جمر' ماجوج' مادی' یونان' توبال' مسک اور تیراس پیدا ہوئے'' (۲:۱۰) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماجوج سے مقصود منگولین نسل ہے- کیونکہ قدیم مورخوں نے اسی تصریح کی بنا پر انہیں یافثی نسل قرار دیا ہے- علاوہ بریں اگر یہ صحیح ہے کہ کتاب پیدائش کا مواد قید بابل کے زمانے میں تیار ہوا ہے تو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس زمانہ میں ماجوج اور مادیوں کو ہم نسل سمجھا جاتا تھا-

یہ یاد رہے کہ اگرچہ دنیا عرصہ تک کتاب پیدائش کے اس بیان پر مطمئن رہی اور عام طور پر تسلیم کر لیا گیا کہ تمام قومیں حضرت نوح علیہ السلام کے تین لڑکوں ہی سے پیدا ہوئی ہیں لیکن اب اس کی علمی قدر و قیمت یک قلم مشتبہ ہو گئی ہے اور اسے کوئی بھی اس نظر سے نہیں دیکھتا جس نظر سے ایک تاریخی بیان کو دیکھنا چاہیے- زیادہ سے زیادہ یہ ایک ایسا نوشتہ ہے جس میں ہمیں ۵۰۰ قبل مسیح کے یہودی تصورات نظر آ جاتے ہیں- بلاشبہ ان میں ایک عنصر ان مقدس روایتوں کا بھی ہے جو قومی حافظہ نے محفوظ رکھی تھیں لیکن ساتھ ہی بابلی اور آشوری روایتوں کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی ایک عنصر شامل ہوگیا ہے جو قیام بابل کی طویل مدت کا قدرتی نتیجہ تھا۔

سد یاجوج:

(۱۰) اب ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ سائرس نے جو سد تعمیر کی تھی اس کا صحیح محل کیا تھا اور موجودہ زمانہ کے نقشہ میں اسے کہاں ڈھونڈنا چاہیے؟

دیوار دربند:

بحرخزر کے مغربی ساحل پر ایک قدیم شہر دربند آباد ہے یہ ٹھیک اس مقام پر واقع ہے جہاں کاکیشیا کا سلسلہ کوہ ختم ہوتا اور بحرخزر سے مل جاتا ہے۔ اس مقام پر قدیم زمانے سے ایک عریض وطویل دیوار موجود ہے جو سمندر سے شروع ہو کر تقریباً تیس میل تک مغرب میں چلی گئی ہے اور اس مقام تک پہنچ گئی ہے جہاں کاکیشیا کا مشرقی حصہ بہت زیادہ بلند ہوگیا ہے۔ اس طرح اس دیوار نے ایک طرف بحرخزر کا ساحلی مقام بند کر دیا تھا دوسری طرف پہاڑ کا تمام وہ حصہ بھی روک دیا تھا جو ڈھلوان ہونے کی وجہ سے قابل عبور ہوسکتا تھا۔ ساحل کی طرف یہ دیوار دہری ہے یعنی اگر آذربائیجان سے ساحل ہوتے ہوئے آگے بڑھیں تو پہلے ایک دیوار ملتی ہے جو سمندر سے برابر مغرب کی طرف چلی گئی ہے۔ اس میں پہلے ایک دروازہ تھا۔ دروازہ سے جب گزرتے تھے تو شہر دربند ملتا تھا۔ اب یہ صورت باقی نہیں رہی۔ دربند سے آگے پھر اسی طرح کی ایک دیوار ملتی ہے لیکن یہ دہری دیوار صرف دو میل تک گئی ہے۔ اس کے بعد اکہری دیوار کا سلسلہ ہے۔ دونوں دیواریں جہاں جا کر ملی ہیں وہاں ایک قلعہ ہے۔ قلعہ تک پہنچ کر دونوں کا درمیانی فاصلہ سو گز سے زیادہ نہیں رہتا لیکن ساحل کے پاس پانچ سو گز ہے اور اسی پانچ سو گز کے عرض میں دربند آباد ہے۔ اس دہری دیوار کو ایرانی قدیم سے ''دوبارہ'' کہتے آئے ہیں۔ یعنی دہرا سلسلہ۔

یہ قطعی ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے ساسانی عہد میں یہ مقام موجود تھا اور اسے ''دربند'' کہا جاتا تھا' یعنی ''بند دروازہ'' کیونکہ مقدسی' ہمدانی' مسعودی' اصطخری' یاقوت اور قزوینی وغیرہ تمام مسلمان مورخوں اور جغرافیہ نویسوں نے اسی نام سے اس کا ذکر کیا ہے اور سب لکھتے ہیں کہ ساسانی عہد میں یہ مقام شمالی سرحد کا سب سے زیادہ اہم مقام تھا۔ کیونکہ اسی راہ سے شمال کے حملہ آور ایران کی طرف بڑھ سکتے تھے۔ یہ ایرانی مملکت کی کنجی تھی۔ جس کے ہاتھ یہ کنجی آ جاتی۔ وہ پوری مملکت کا مالک ہو جاتا۔ اسی لیے ضروری ہوا کہ اس کی حفاظت کا اس درجہ اہتمام کیا جائے۔[1]

باب الابواب:

مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری میں جب یہ علاقہ فتح کیا تو ساسانیوں کی طرح انہوں نے بھی اس مقام کی اہمیت محسوس کی۔ وہ اسے ''باب الابواب'' اور ''الباب'' کے نام سے پکارنے لگے۔ کیونکہ مملکت کے لیے یہی مقام شمال کا دروازہ تھا اور ان بہت سے دروازوں میں سے آخری دروازہ جو اس دیوار کے طول میں بنائے گئے تھے۔ بعضوں نے اسے ''باب الترک'' اور ''باب الخزر'' کے نام سے بھی پکارا ہے کیونکہ تاتاریوں اور تاتاری النسل کاکیشین قبیلوں کی آمد ورفت کی راہ یہی تھی۔

درۂ داریال کی دیوار:

اس مقام سے جب مغرب کی طرف کاکیشیا کے اندرونی حصوں میں اور آگے بڑھتے ہیں تو ایک اور مقام ملتا ہے جو درۂ داریال

---

[1] عرب جغرافیہ نویس دربند ہی کے نام سے اس کا ذکر کرتے ہیں لیکن چونکہ عام نام باب الابواب پڑ گیا تھا اس لیے عنوان کے لیے اکثروں نے باب الابواب اختیار کیا ہے۔ چنانچہ یاقوت نے معجم البلدان میں اس مقام کا حال ''باب الابواب'' ہی کے نام سے لکھا ہے۔ پس حرف ''با'' میں دیکھنا چاہیے نہ کہ ''دال'' میں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(Darial Pass) کے نام سے مشہور ہے اور موجودہ زمانہ کے نقشہ میں اس کا محل ولاڈی کیوکز (Vladi Kaukaz) اور ٹفلس کے درمیان دکھایا جاتا ہے- یہ کاکیشیا کے نہایت بلند حصوں میں سے ہو کر گزرا ہے اور دور تک دو بلند چوٹیوں سے گھرا ہوا ہے- یہاں بھی قدیم زمانے سے ایک دیوار موجود ہے اور ارمنی روایتوں میں اسے ''آہنی دروازہ'' کے نام سے پکارا گیا ہے-

نوشیرواں کا انتساب:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ دیوار کس نے تعمیر کی تھی؟ تمام عرب مورخوں کا بیان ہے کہ نوشیراں نے تعمیر کی تھی- چنانچہ مسعودی نے اس کی تعمیر کی بعض تفصیلات بھی بیان کی ہیں[1] اور بعد کے تمام مصنف اسے نقل کرتے آئے ہیں- لیکن جب ہم قبل از اسلام عہد کے تاریخی نوشتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نوشیراں کے عہد سے بہت پہلے یہاں ایک دیوار موجود تھی اور اس نے شمال سے جنوب کا راستہ روک رکھا تھا- چنانچہ سب سے پہلے پہلی صدی مسیحی میں مشہور عبرانی مورخ جوزیفس اس کا ذکر کرتا ہے- پھر پروکوپیٹس (Procopius) چھٹی صدی مسیحی کے اوائل میں خود اپنا عینی مشاہدہ نقل کرتا ہے- کیونکہ ۵۲۸ مسیحی میں جب رومن جنرل بلی ساریوس (Belisarius) نے اس علاقہ پر حملہ کیا ہے تو یہ اس کے ہمراہ تھا- نوشیرواں کا زمانہ ۵۳۱م سے ۵۷۹م تک تھا- اس لیے ظاہر ہے کہ یہ استحکامات اس کے بنائے ہوئے نہیں ہو سکتے-

سکندر کا انتساب:

اب یہاں ایک اور الجھاؤ پڑتا ہے- جوزیفس اور پروکوپیٹس دونوں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ان استحکامات کا بانی سکندر تھا- حالانکہ سکندر کی فتوحات کا کوئی واقعہ تاریخ کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے اور کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس علاقہ میں آیا ہو یا یہاں کوئی جنگ کی ہو-[2]

زمانہ حال کے ایک مورخ مسٹر اے وی- ولیمس جیکسن (پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی) نے اس علاقہ کی سیاحت کی ہے اور اس کے تفصیلی حالات اپنے سفرنامہ میں بیان کیے ہیں- وہ اس مشکل کا یہ حل تجویز کرتے ہیں کہ سکندر کے کسی جنرل نے یہ استحکامات تعمیر کیے ہوں گے- کم از کم درۂ داریال کے استحکامات- بعد کو ساسانی فرمانرواؤں نے انہیں اور زیادہ وسیع اور مکمل کر دیا- چونکہ ابتدائی تعمیر سکندر کے عہد کی تھی اس لیے سکندر کی طرف منسوب ہو گئی-[3]

لیکن جب سکندر کے تمام فوجی اعمال خود اس کے عہد میں اور خود اس کے ساتھیوں نے قلمبند کر دیے ہیں اور ان میں کہیں بھی کاکیشیا کی لڑائی یا کاکیشیا کے استحکامات کی تعمیر کا اشارہ نہیں ملتا تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس طرح کی توجیہات قابل اطمینان تسلیم کر لی جائیں؟

اس طرح کے غیر معمولی استحکامات جبھی تعمیر کیے جا سکتے ہیں جب کہ امن و حفاظت کی ضرورت نے انہیں ناگزیر کر دیا ہو- لیکن سکندر کو اپنی تمام فتوحات میں اس طرح کی کوئی ضرورت پیش ہی نہیں آئی- اس کے زمانے میں یہ علاقہ ایران کی قدیم شہنشاہی کے ماتحت تھا- اس نے شام کی راہ سے ایران پر حملہ کیا اور پھر وسط ایشیا ہوتا ہوا ہندوستان چلا گیا- ہندوستان سے واپسی پر ابھی بابل ہی میں تھا کہ انتقال کر گیا-

---

[1] مروج الذہب صفحہ ۲۰

[2] بہت ممکن ہے کہ سکندر کی نسبت یہ خیال اس بنا پر پیدا ہو گیا ہو کہ بعد کے بعض مورخوں نے غلطی سے اس سلسلہ کوہ کو کاکیسس لکھ دیا ہے جو بحر خزر کے مشرقی جانب واقع ہے اور جسے سکندر نے وسط ایشیا سے ہندوستان جاتے ہوئے طے کیا تھا- اسٹرابو نے اس غلطی کی طرف اشارہ کیا ہے-

[3] دیکھو پروفیسر موصوف کی کتاب ''فروم کونسٹنٹی نوپل ٹو دی ہوم آف عمر خیام'' صفحہ ۶۲- ہم ان کی ایک دوسری تصنیف کا زردشت کے حالات میں حوالہ دے چکے ہیں- یونانی کاکیشیا' روسی کیوکز اور فارسی قفقاز ایک ہی لفظ ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسی حالت میں وہ کون سے حالات ہو سکتے ہیں جو کاکیشیا کے استحکامات پر اسے مجبور کر سکتے تھے؟ اور اگر پیش آئے تو کب؟

سکندر کا انتساب صحیح نہیں:

اصل یہ ہے کہ یہ استحکامات سکندر سے دو سو برس پہلے سائرس نے تعمیر کیے تھے اور درۂ داریال کی سد وہی سد ہے جس کا قرآن نے ذکر کیا ہے۔

حسب ذیل وجوہ و قرائن سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے:-

اولاً' سائرس اور سکندر کی دو باتیں تاریخ کی قطعی روشنی میں آ چکی ہیں۔ سائرس کے زمانے میں یہاں سے سیتھین قوم کے حملے ہو رہے تھے۔ سکندر کے زمانے میں کوئی حملہ آور نہیں تھا۔ سائرس کے لیے ضروری تھا کہ یہ راہ روکے۔ سکندر کو کوئی ایسی ضرورت پیش نہیں آئی۔ سائرس کی نسبت ہیروڈوٹس اور زینوفن کی شہادت موجود ہے کہ فتح لیڈیا کے بعد سیتھین قوم کے سرحدی حملوں کی روک تھام کی۔ سکندر کی نسبت کوئی ایسی شہادت موجود نہیں۔ ان باتوں کے جمع کرنے سے جو تاریخی قرینہ پیدا ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ یہ سد سائرس نے تعمیر کی ہوگی۔ نہ کہ سکندر کے حکم سے اس کے کسی افسر نے۔

ثانیاً' پروکوپیس کے علاوہ قدیم مورخوں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً ٹسی ٹس (Tacitus) اور لیڈس (Lydus) نے۔ وہ ہمیں بتلاتے ہیں کہ رومی اسے ''کاسپین پورٹا'' کے نام سے پکارتے تھے۔ یعنی ''باب کاسپین'' لیکن اس طرف کوئی اشارہ نہیں کرتے کہ یہ سکندر کے عہد کی تعمیر ہے۔

ثالثاً' ایک مثبت شہادت بھی موجود ہے جو سائرس کی طرف ذہن منتقل کر دیتی ہے۔ یہ ارمنی نوشتوں کی شہادت ہے جسے قرب محل کی وجہ سے مقامی شہادت تصور کرنا چاہیے۔ ارمنی زبان میں اس کا قدیم نام ''پھاک کورائی'' اور ''کاپان کورائی'' چلا آتا ہے۔ دونوں ناموں کا مطلب یہ ہے کہ ''کور کا درہ''[1] سوال یہ ہے کہ ''کور'' سے مقصود کیا ہے؟ کیا یہ ''گورش'' کی بدلی ہوئی شکل نہیں ہے جو سائرس کا اصلی نام تھا جیسا کہ دارا کے کتبہ استخر میں پڑھا جا چکا ہے؟

پروفیسر جیکسن اس ارمنی نام کا ذکر کرتے ہیں' لیکن وہ ''کور'' کا تلفظ ''سور'' کرتے ہیں' اور پھر عربی کے ایک نام ''سول'' کا اسے ماخذ قرار دیتے ہیں۔ اس طرح لفظ کی حقیقت گم ہو جاتی ہے۔

اب ایک سوال اور غور طلب ہے۔ ذوالقرنین نے جو سد تعمیر کی تھی وہ درۂ داریال کی سد ہے' یا در بند کی دیوار؟ یا دونوں؟

متذکرۂ قرآن سد درۂ داریال کی سد ہے نہ کہ در بند کی:

قرآن میں ہے کہ ذوالقرنین دو پہاڑی دیواروں کے درمیان پہنچا، اس نے آہنی تختیوں سے کام لیا، اس نے درمیان کا حصہ پاٹ کے برابر کر دیا، اس نے پگھلا ہوا تانبا استعمال کیا۔ تعمیر کی یہ تمام خصوصیات کسی طرح بھی در بند کی دیوار پر صادق نہیں آتیں۔ یہ پتھر کی بڑی بڑی سلوں کی دیوار ہے اور دو پہاڑی دیواروں کے درمیان نہیں ہے بلکہ سمندر سے پہاڑ کے بلند حصے تک چلی گئی ہے۔ اس میں آہنی تختیوں اور پگھلے ہوئے تانبے کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ پس یہ قطعی ہے کہ ذوالقرنین والی سد کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا۔

البتہ درۂ داریال کا مقام ٹھیک قرآن کی تصریحات کے مطابق ہے۔ یہ دو پہاڑی چوٹیوں کے درمیان ہے اور جو سد تعمیر کی گئی ہے

---

[1] در بند نامہ صفحہ ۲۱۔ در بند کی تاریخ میں یہ ایک نہایت جامع کتاب ہے جو ۱۸۴۵ء میں ایک ترک مصنف کاظم بک نے لکھی ہے۔ یہ سینٹ پیٹرز برگ یونیورسٹی میں ترکی و فارسی کا پروفیسر تھا' اور خود در بند کا باشندہ تھا۔ ۱۸۵۱ء میں اس کا انگریزی ترجمہ ہسٹری آف در بند کے نام سے شائع ہوا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نے درمیان کی راہ بالکل مسدود کر دی ہے- چونکہ اس کی تعمیر میں آہنی سلوں سے کام لیا گیا تھا' اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جارجیا میں ''آہنی دروازہ'' کا نام قدیم سے مشہور چلا آتا ہے- اسی کا ترجمہ ترکی میں ''وامر کپو'' مشہور ہو گیا-[1]

بہر حال ذوالقرنین کی اصلی سد یہی سد ہے- ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد خود اس نے یا اس کے جانشینوں نے یہ دیکھ کر کہ کاکیشیا کا مشرقی ڈھلوان بھی خطرہ سے خالی نہیں دربند کی دیوار تعمیر کر دی ہو اور نوشیرواں نے اسے اور مضبوط کیا ہو- یا ممکن ہے کہ فی الحقیقت نوشیرواں ہی کی تعمیر ہو-

دربند کی دہری دیوار ۱۷۹۶ء تک موجود تھی جس کی تصویر ایک روسی سیاح کی بنائی ہوئی ایچ والڈ (Eichwald) نے اپنی کتاب ''کواکیسیس'' میں نقل کی ہے' لیکن ۱۹۰۴ء میں جب پروفیسر جیکسن نے اس کا معاینہ کیا تو گو آثار باقی تھے لیکن دیوار گر چکی تھی- البتہ اکہری دیوار اکثر حصوں میں اب تک باقی ہے-

(۱۱) موجود زمانہ کے شارحین تورات میں بھی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے کہ یاجوج و ماجوج سے سیتھین قوم مراد تھی- لیکن وہ حزقی ایل کی پیشین گوئی کا محل ان کا وہ حملہ قرار دیتے ہیں جو ہیروڈوٹس کے قول کے مطابق ۶۳۰ قبل مسیح میں ہوا تھا- لیکن اس صورت میں یہ مشکل پیدا ہو جاتی ہے کہ حزقی ایل کی کتاب بابل کی اسیری کے زمانہ میں لکھی گئی ہے- کیونکہ وہ خود بھی بخت نصر کے اسیروں میں سے تھے اور سیتھین حملہ اس سے بہت پہلے ہو چکا تھا- اس باب میں مزید تفصیلات کے لیے انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا اور جیوئش انسائیکلوپیڈیا میں لفظ (Gog) کا مقالہ دیکھنا چاہیے-

(۱۲) ہم نے ذوالقرنین کے مبحث میں پوری تفصیل سے کام لیا ہے- کیونکہ زمانہ حال کے معترضین قرآن نے اس مقام کو سب سے زیادہ اپنے معاندانہ استہزاء کا نشانہ بنایا ہے- وہ کہتے ہیں ذوالقرنین کی کوئی تاریخی اصلیت نہیں ہے- یہ محض عرب یہودیوں کی ایک کہانی تھی جو پیغمبر اسلام نے اپنی خوش اعتقادی سے صحیح سمجھ لی اور نقل کر دی- اس لیے ضروری تھا کہ ایک مرتبہ یہ مسئلہ اس طرح صاف کر دیا جائے کہ شک و تردد کا کوئی پہلو باقی نہ رہے-

استدراک

(۱) ہم نے سائرس کے جس مجسمہ کا اوپر ذکر کیا ہے اور جس سے قطعی طور پر یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ''ذوالقرنین'' اسی کا لقب تھا وہ قدیم سنگ تراشی کی صناعیوں کا ایک نہایت نادر نمونہ ہے اور موجودہ عہد کے تمام اہل نظر کا فیصلہ ہے کہ یونانی سنگ تراشی کے نمونوں کی صف میں اگر کوئی ایشیائی نمونہ رکھا جا سکتا ہے تو وہ یہی سائرس کا مرمری مجسمہ ہے- یہ ایران کے قدیم دارالحکومت استخر سے تقریباً پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے- یہاں دارا نے شاہی محل تعمیر کیا تھا- اب اس کا بقیہ صرف چند مرمری ستون رہ گئے ہیں- انہی میں سے ایک مربع ستون پر یہ مجسمہ ابھارا گیا تھا-

سب سے پہلے ۱۸۳۷ء میں جیمس موریر (Morior) نے اس کی موجودگی سے علمی دنیا کو روشناس کیا- پھر چند سال بعد سر رابرٹ کیر

---

[1] ترجمہ دربند نامہ' کاظم بک صفحہ ۲۱- پروفیسر جیکسن نے بھی اس نام کا ذکر کیا ہے' اور اسے قدیم ایام کے نام سے تعبیر کیا ہے (فروم کونسٹنٹی نوپل ٹو ہوم آف عمر خیام صفحہ ۶۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پورٹر (Robert Kerr Porter) نے اس مقام کی علمی پیمائش و تحقیق کر کے مفصل معلومات بہم پہنچائیں اور اپنے سفرنامہ جارجیا و ایران میں مجسمے کی وہ نقل بھی شائع کر دی جو اس نے پنسل سے تیار کی تھی۔ اس وقت تک قدیم پہلوی زبان اور میخی خطوط کا مسئلہ پوری طرح حل نہیں ہوا تھا۔ تاہم یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ مجسمہ سائرس ہی کا ہے۔ بعد کی تحقیقات نے مزید تصدیق کر دی۔ پھر ۱۸۸۴ء میں ڈی لافو (Dieulafoy) نے اپنی مشہور کتاب (L"art antique en Perse) میں اس کا اصلی عکس شائع کر دیا اور اس طرح مجسمہ کی اصلی نوعیت دنیا کے سامنے آ گئی۔

اس وقت سے لے کر یہ مجسمہ تاریخ قدیم کے مباحث کا ایک عام موضوع رہا ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آج تک کسی یورپین مستشرق کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوا کہ اس کی نوعیت میں قرآن کے ''ذوالقرنین'' کی صریح اور قطعی تصدیق نمایاں ہو گئی ہے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ تغافل مذہبی تعصب کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ ان میں کافی تعداد ایسے اہل علم کی ہے جو یقیناً ان تعصبات کی آلودگیوں سے اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔ تاہم اس میں شک نہیں' یہ تغافل علم و نظر کے عجائب مستثنیات میں سے ہے!

(۲) اس مجسمہ میں سائرس کے سر پر دو سینگ نکلے ہوئے ہیں اور اطراف میں عقاب کے سے پر۔ سینگوں کا مطلب واضح ہو چکا، لیکن عقاب کے سے پر کیوں بنائے گئے؟

اس کا جواب بھی ہمیں یسعیاہ نبی کے صحیفہ سے مل جاتا ہے۔ اس میں جہاں سائرس کے ظہور کی خبر دی گئی ہے' وہاں یہ بھی ہے کہ:

''دیکھو' میں ایک عقاب کو پورب سے بلاتا ہوں۔ اس شخص کو جو ایک دور کے ملک سے آ کر میری ساری مرضی پوری کرے گا''

(باب ۴۶:۱۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح دو سینگوں کا معاملہ دانیال نبی کے مکاشفہ سے تعلق رکھتا ہے اسی طرح عقاب کی تشبیہ یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی میں آ چکی ہے۔ خواہ یہ پیشیں گوئیاں بعد میں بنائی گئی ہوں خواہ فی الحقیقت پیشتر کی ہوں' لیکن یہ ظاہر ہو گیا کہ سائرس کے لیے دو سینگوں کا اور عقاب کا تخیل پیدا ہو چکا تھا اور ٹھیک ٹھیک یہی تخیل ہے جو اس مجسمہ میں متشکل ہو گیا ہے۔

❋ ❋ ❋

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰیاتُھا : 98 سُوْرَۃُ مَرْیَمَ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھا : 6

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ① ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ② اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ③ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ
الْعَظْمُ مِنِّيْ وَ اشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّ لَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ④ وَ اِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ
مِنْ وَّرَآءِيْ وَ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ⑤ يَّرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ
يَعْقُوْبَ ۗ وَ اجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ⑥ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ
قَبْلُ سَمِيًّا ⑦ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ⑧

کاف-ہا-یا-عین-صاد-(۱)

(اے پیغمبر!) تیرے پروردگار نے اپنے بندے زکریا پر جو مہربانی کی تھی' یہ اس کا بیان ہے-(۲)

جب ایسا ہوا تھا کہ زکریا نے چپکے چپکے اپنے پروردگار کو پکارا- اس نے عرض کیا "پروردگار! میرا جسم کمزور پڑ گیا ہے-(۳) میرے سر کے بال بڑھاپے سے بالکل سفید ہو گئے- خدایا! کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تیری جناب میں دعا کی ہو اور محروم رہا ہوں-(۴) مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے بھائی بندوں سے اندیشہ ہے (کہ نہیں معلوم وہ کیا کریں) اور میری بیوی بانجھ ہے (اس لیے بظاہر حالات اولاد کی امید نہیں) پس تو اپنے خاص فضل سے مجھے ایک وارث بخش دے-(۵) ایسا وارث جو میرا بھی وارث ہو اور خاندان یعقوب (کی برکتوں) کا بھی- اور پروردگار! اسے ایسا کر دیجیو کہ (تیرے اور تیرے بندوں کی نظر میں) پسندیدہ ہو!"(۶)

(اس پر حکم ہوا) "اے زکریا! ہم تجھے ایک لڑکے کی (پیدائش کی) خوشخبری دیتے ہیں- اس کا نام یحییٰ رکھا جائے- اس سے پہلے ہم نے کسی کے لیے یہ نام نہیں ٹھہرایا ہے"-(۷)

زکریا نے (متعجب ہو کر) کہا "پروردگار! میرے یہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے- میری بیوی بانجھ ہو چکی اور میرا بڑھاپا دور تک پہنچ چکا"-(۸)

(۱) نزول کے اعتبار سے یہ پہلی سورت ہے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کے حالات بہ تفصیل بیان کیے گئے ہیں' اور ان گمراہیوں کا ازالہ کیا ہے جو یہودیوں اور عیسائیوں میں اس مقدس شخصیت کے بارے میں پھیلی ہوئی تھیں-

تمام انجیلیں متفق ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام (یوحنا) کا ظہور دعوت مسیحی کے ظہور کا مقدمہ تھا- چنانچہ لوقا کی انجیل میں پہلے حضرت یوحنا کی پیدائش کا واقعہ بیان کیا ہے- پھر اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کا- قرآن نے بھی یہاں اسی طریقہ پر بیان شروع کیا ہے-

(۲) لوقا کی انجیل میں ہے کہ "ابیاہ کی جماعت میں سے زکریاہ نام ایک کاہن تھا- اس کی بیوی الیشبع ہارون کی اولاد میں سے تھی- دونوں راست باز اور خداوند کے حکموں پر بے عیب چلنے والے تھے- ان کے اولاد نہ تھی- کیونکہ الیشبع بانجھ تھی' اور دونوں عمر رسیدہ تھے"(۱:۵) ہیکل کی مقدس رسوم ادا کرنے کے لیے کاہن مقرر تھے- اور ہر جماعت کے آدمی کی نوبت مقرر تھی- ایک مرتبہ جب حضرت زکریا کی نوبت آئی اور وہ قربان گاہ میں خوشبو جلانے کے لیے داخل ہوئے تو خداوند کا فرشتہ انہیں نظر آیا- اس نے کہا "تیری دعا قبول ہوئی' تیری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ

وقف لازم ع ۱۵

ارشاد ہوا ''ایسا ہی ہوگا - تیرا پروردگار فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے کچھ مشکل نہیں - میں نے اس سے پہلے خود تجھے پیدا کیا حالانکہ تیری ہستی کا نام ونشان نہ تھا -'' (۹) اس پر زکریا نے عرض کیا ''خدایا! میرے لیے (اس بارے میں) ایک نشانی ٹھہرا دے'' - فرمایا ''تیری نشانی یہ ہے کہ تین رات لگاتار لوگوں سے بات نہ کر'' (۱۰)

پھر وہ قربان گاہ سے نکلا اور اپنے لوگوں میں آیا (جو حسب معمول اس کا انتظار کر رہے تھے) اس نے (زبان نہ کھولی) اشارہ سے کہا - ''صبح شام خدا کی پاکی وجلال کی صدائیں بلند کرتے رہو!''

''اے یحییٰ!'' (خدا کا حکم ہوا' کیونکہ وہ خوشخبری کے مطابق پیدا ہوا اور بڑھا) ''کتاب الٰہی کے پیچھے مضبوطی کے ساتھ لگ جا'' (۱۲) چنانچہ وہ ابھی لڑکا ہی تھا کہ ہم نے اسے علم وفضیلت بخش دی - نیز اپنے فضل خاص سے دل کی نرمی اور نفس کی پاکی عطا فرمائی - (۱۳) وہ پرہیزگار اور ماں باپ کا خدمت گزار تھا - سخت گیر اور نافرمان نہ تھا - (۱۴) اس پر سلام ہو (یعنی سلامتی ہو) جس دن پیدا ہوا' اور جس دن مرا' اور جس دن پھر زندہ اٹھایا جائے گا - (۱۵) اور (اے پیغمبر!) کتاب میں مریم کا معاملہ بیان کر - اس وقت کا معاملہ جب وہ ایک مکان میں کہ پورب کی طرف تھا اپنے گھر کے آدمیوں سے الگ ہوگئی - (۱۶)

پھر اس نے ان لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا - پس ہم نے اس کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا' اور وہ ایک بھلے

بیوی بیٹا جنے گی - تو اس کا نام یوحنا رکھیو' - (لوقا ۱:۸)

(۳) انجیل میں ہے ''زکریا نے کہا' میں یہ بات کس طرح جانوں کیونکہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے؟ جبریل نے کہا..... جس دن تک یہ باتیں واقع نہ ہو لیں تو چپکا رہے گا اور بول نہ سکے گا..... جب زکریاہ باہر آیا تو وہ لوگوں سے اشارے کرتا تھا - بول نہیں سکتا تھا'' (لوقا ۱:۱۸) قرآن نے یہ نہیں کہا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام گونگے ہوگئے تھے - یہ یقیناً بعد کی تعبیرات ہیں جو حسب معمول پیدا ہوگئیں - صاف بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو روزہ رکھنے اور مشغول عبادت رہنے کا حکم ہوا' اور یہودیوں کے یہاں روزہ کے اعمال میں سے ایک عمل خاموشی بھی تھی -

چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے - لڑکپن ہی سے ان کی زندگی زہد وعبادت اور گوشہ نشینی واعتکاف کی زندگی تھی -

انجیل میں ہے کہ ان کی تمام ابتدائی زندگی صحرا میں بسر ہوئی - پھر وہیں ان پر اللہ کا کلام نازل ہوا' تب انہوں نے دریائے یردن کے نواح میں توبہ وانابت کی منادی شروع کر دی - وہ پکارتے تھے کہ آنے والے وقت کے لیے تیار ہو جاؤ - (لوقا باب ۳)

(۴) انجیل میں ہے کہ مندرجہ صدر واقعہ کے چھ ماہ بعد جبریل علیہ السلام مریم علیہا السلام پر نمودار ہوا' جس کی منگنی یوسف نامی ایک نوجوان سے ہو چکی تھی' اور اسے کہا ''تو حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی - اس کا نام یسوع رکھیو' - (لوقا ۱:۳۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حِجَابًا ۖ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ
غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ
اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾
فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾
فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ

چنگے آدمی کے روپ میں نمایاں ہوگیا۔ (۱۷) مریم اسے دیکھ کر (گھبرا گئی۔ وہ) بولی "اگر تو نیک آدمی ہے تو میں خدائے رحمان کے نام پر تجھ سے پناہ مانگتی ہوں!" (۱۸)

فرشتہ نے کہا "میں تو تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں اور اس لیے نمودار ہوا ہوں کہ تجھے ایک پاک فرزند دے دوں" (۱۹) مریم بولی "یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میرے لڑکا ہو حالانکہ کسی مرد نے مجھے چھوا نہیں اور نہ میں بدچلن ہوں؟" فرشتے نے کہا "ہوگا ایسا ہی۔ تیرے پروردگار نے فرمادیا کہ یہ میرے لیے کچھ مشکل نہیں۔ وہ کہتا ہے یہ اس لیے ہوگا کہ اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنادوں اور میری رحمت کا اس میں ظہور ہو۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کا ہونا طے پاچکا!" (۲۱) پھر اس ہونے والے فرزند کا حمل ٹھہر گیا۔ وہ (اپنی حالت چھپانے کے لیے) لوگوں سے الگ ہوکر دور چلی گئی۔ (۲۲) پھر اسے دردزہ (کا اضطراب) کھجور کے ایک درخت کے نیچے لے گیا (وہ اس کے تنا کے سہارے بیٹھ گئی)۔ اس نے کہا "کاش میں اس سے پہلی مرچکی ہوتی۔ میری ہستی لوگ یک قلم بھول گئے ہوتے!" (۲۳)

اس وقت (ایک پکارنے والے فرشتہ) نے اسے نیچے سے پکارا (یعنی نخلستان کے نشیب سے پکارا) "غمگین نہ ہو۔ تیرے پروردگار نے تیرے تلے ایک بڑی ہستی پیدا کردی ہے۔[1] تو کھجور کے درخت کا تنا پکڑ کے اپنی طرف ہلا۔ تازہ اور پکے ہوئے

نیز یہ کہ "مریم زکریاہ کی بیوی الیشبع کی رشتہ دار تھی اور بشارت کے بعد اس سے ملنے گئی (۱:۳۹)

(۵) آیت (۱۶) میں ﴿ مکانا شرقیاً ﴾ کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام ہیکل چھوڑ کر جہاں ان کی پرورش ہوئی تھی اپنے آبائی وطن ناصرہ میں چلی گئیں۔ یہ یروشلم کے شمال مشرق میں واقع ہے اور باشندگان یروشلم کے لیے مشرق کا حکم رکھتا ہے۔ انجیل سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ وہ اس معاملہ کا محل وقوع ناصرہ ہی بتلاتے ہیں۔ (لوقا ۱:۲۶)

(۶) آیت (۲۱) میں حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت دو باتیں فرمائی ہیں۔ اللہ کی نشانی ہوں گے اور اس کی رحمت۔ غور کرو، ان دو لفظوں نے کس طرح ان کی شخصیت کی پوری تصویر نمایاں کردی ہے؟ وہ اپنی ساری باتوں میں کرشمہ ساز قدرت کی ایک نشانی تھی۔ ان کے ظہور کا تمام تر پیام نوع انسانی کے لیے رحم و محبت کا پیام تھا!

گویا ان کی شخصیت کی پوری تاریخ ان دو لفظوں میں سمٹی ہوئی ہے ﴿ اٰیۃ للناس ورحمۃ منا! ﴾

---

[1] اصل میں "سریا" ہے۔ عربی میں "السری" عظیم الشان انسانوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ من قولھم فلان سری۔ ای عظیم ومن قوم سراۃ۔ ای عظام (ابن سیدہ) لیکن چونکہ "سریا" کے ایک معنی چھوٹی نہر کے بھی ہیں، اس لیے عام طور پر یہاں سریا کا ترجمہ نہر اور چشمہ کیا گیا ہے۔ ہم نے پہلے مطلب کو ترجیح دی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۚ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا ۙ فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ
لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾
يٰأُخْتَ هٰرُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ
كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ ۖ آتَانِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ وَجَعَلَنِي مُبٰرَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَ
أَوْصٰنِي بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۳۱﴾ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ

پھلوں کے خوشے تجھ پر گرنے لگیں گے- (۲۵) کھا پی، (اپنے بچے کے نظارہ سے) آنکھیں ٹھنڈی کر (اور سارا غم و ہراس بھول جا)- پھر اگر کوئی آدمی نظر آ جائے (اور پوچھ گچھ کرنے لگے) تو (اشارہ سے) کہہ دے میں نے خدائے رحمان کے حضور روزہ کی منت مان رکھی ہے- میں آج کسی آدمی سے بات چیت نہیں کر سکتی"- (۲۶)

پھر ایسا ہوا کہ وہ لڑکے کو ساتھ لے کر اپنی قوم کے پاس آئی- لڑکا اس کی گود میں تھا- لوگ (دیکھتے ہی) بول اٹھے "مریم! تو نے بڑی ہی عجیب بات کر دکھائی- (۲۷) اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا- نہ تیری ماں بدچلن تھی" (یہ تو کیا کر بیٹھی!) (۲۸)

اس پر مریم نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا (کہ یہ تمہیں بتلا دے گا حقیقت کیا ہے) لوگوں نے کہا "بھلا اس سے ہم کیا بات کریں جو ابھی گود میں بیٹھنے والا بچہ ہے"- (۲۹)

(مگر) لڑکا بول اٹھا "میں اللہ کا بندہ ہوں- اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا- (۳۰) اس نے مجھے بابرکت کیا' خواہ میں کسی جگہ ہوں- اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کہ جب تک زندہ رہوں' یہی میرا شعار ہو- (۳۱) اس نے مجھے اپنی ماں کا خدمت گزار بنایا- ایسا نہیں کیا کہ خودسر اور نافرمان ہوتا- (۳۲) مجھ پر اس کی طرف سے سلامتی کا پیام ہے جس دن پیدا ہوا' جس

---

(۷) آیت (۲۶) سے واضح ہو گیا کہ ایک طرح کا یہودی روزہ یہ بھی تھا کہ آدمی خاموش رہے- چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی ایسا ہی روزہ رکھنے کا حکم ہوا تھا- یہودیوں کے یہاں روزہ کی یہ صورت اب بھی تسلیم کی جاتی ہے-

(۸) آیت (۲۸) میں "اخت ہارون" سے مقصود حضرت مریم علیہا السلام کا ایک رشتہ دار ہے جو نہایت پارسا شخص تھا- اس لیے ملامت کرنے والوں نے اس کی طرف نسبت دے کر ملامت کی- مسلم و ترمذی کی حدیث مغیرہ بن شعبہ میں یہ تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے-

---

لہ کیونکہ محل بیان کا مقتضا ایسی ہی کوئی بات چاہتا ہے- یہ ظاہر ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کا غم پانی نہ ملنے کی وجہ سے نہ تھا اس حالت کی وجہ سے تھا جس میں مبتلا ہو گئی تھیں- پس فرشتہ کا یہ کہنا کہ "غمگین نہ ہو- تیرے لیے ایک نہر جاری کر دی ہے" بالکل بے معنی ہو جاتا ہے- جب پانی کا فقدان غم کا سبب ہی نہ تھا تو اس کی موجودگی کیوں وجہ تسکین ہو؟ البتہ جو مطلب ہم نے اختیار کیا ہے' اس سے وجہ تسکین بالکل واضح ہو جاتی ہے یعنی غمگین نہ ہو، تیری گود میں ایک عظیم انسان پیدا کر دیا گیا ہے-

ائمہ تابعین میں سے ایک جماعت نے یہی تفسیر اختیار کی ہے- (فتح القدیر جلد سوم صفحہ ۳۲۰)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ
يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ
رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾
وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ

وقف لازم

دن مروں گا اور جس دن (پھر) زندہ اٹھایا جاؤں گا!''- (۳۳) یہ ہے مریم کے بیٹے عیسیٰ کی سرگزشت سچائی کی بات جس میں لوگ اختلاف کرنے لگے ہیں- (۳۴)

اللہ کے لیے کبھی یہ بات نہیں ہوسکتی کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے- اس کے لیے پاکی ہو- (وہ کیوں مجبور ہونے لگا کہ کسی فانی ہستی کو اپنا بیٹا بنائے؟) اس کی شان تو یہ ہے کہ جب کوئی کام کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے' تو بس حکم کرتا ہے کہ ہو جا! اور اس کا حکم کرنا ہی ہو جاتا ہے! (۳۵) اور (مسیح کی تو ساری پکار یہ تھی:) بلاشبہ اللہ ہی میرا اور تمہارا' سب کا پروردگار ہے- بس اسی کی بندگی کرو- یہی (سچائی کا) سیدھا راستہ ہے!'' (۳۶) مگر پھر اس کے بعد مختلف فرقے آپس میں اختلاف کرنے لگے- تو جن لوگوں نے حقیقت حال سے انکار کیا' ان کی حالت پر افسوس! اس دن کے منظر پر افسوس جو (آنے والا ہے' اور جو) بڑا ہی سخت دن ہوگا! (۳۷)

جس دن یہ ہمارے حضور حاضر ہوں گے' اس دن ان کے کان کیسے سننے والے اور ان کی آنکھیں کیسی دیکھنے والی ہوں گی! لیکن آج کے دن ان ظالموں کا کیا حال ہے؟ آشکارا گمراہی میں کھوئے ہوئے! (۳۸) اور (اے پیغمبر!) انہیں اس (آنے والے) دن سے بھی خبردار کر دے جو بڑا ہی پچھتانے کا دن ہوگا' اور جب ساری باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا- اس وقت تو یہ لوگ غفلت میں پڑے ہیں اور (اس بات پر) یقین لانے والے نہیں- (۳۹) ہم ہی زمین کے (بالآخر) وارث ہوں گے' اور ان تمام

(۹) آیت (۳۳) تک حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور اور دعوت کا بیان تھا- اب فرمایا اس بارے میں قول حق صرف یہ ہے- اس سے زیادہ عیسائیوں نے جو کچھ بنا لیا ہے' وہ جہل و گمراہی ہے- چنانچہ اس کے بعد عیسائیوں کی اس گمراہی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا لیا-

سینٹ پال کی طرف ابنیت کی جو تعلیم منسوب ہے اس کی تمام تر بنیاد اس خیال پر رکھی گئی ہے کہ نوع انسانی کی سرشت میں گناہ ہے' پس اس کی نجات کے لیے ضروری تھا کہ کفارہ ہو- کفارہ کی یہی صورت ہوسکتی تھی کہ خدا کی صفت رحمت ابن اللہ کی شکل میں اترے' اور اپنی قربانی کے خون سے اولاد آدم کا گناہ دھو ڈالے- قرآن اس اصنامی تخیل کا رد کرتے ہوئے خدا کی بے نیازی اور قدرت کا اثبات کرتا ہے- وہ کہتا ہے تم نے خدا کو اتنا بے بس اور محتاج کیوں سمجھ لیا کہ جب تک ایک انسان کو اپنا بیٹا بنا کر سولی پر نہ چڑھا دے وہ اپنے بندوں کو نجات دینے کی راہ نہیں پا سکتا! یہ تو وہ کرے جو اپنے کاموں کی انجام دہی میں دوسروں کا محتاج ہو- لیکن تم خود مانتے ہو کہ خدا محتاج نہیں ہوسکتا- صرف اس کا چاہنا ہی کاموں کا انجام پا جانا ہے- (۱۰) آیت (۳۷) اور (۳۸) میں قیامت کے دن کا ذکر ہو چکا ہے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٤٠﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ
يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا ﴿٤٢﴾ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا
لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ
عَصِيًّا ﴿٤٤﴾ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾ قَالَ أَرَاغِبٌ أَنتَ
عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ ۖ لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ﴿٤٦﴾ قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ ۖ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ

لوگوں کے بھی جو زمین پر بسے ہوئے ہیں اور ہماری ہی طرف سب کو لوٹ کر آنا ہے! (۴۰)

اور (اے پیغمبر!) الکتاب میں ابراہیم کا ذکر کر۔ یقیناً وہ مجسم سچائی تھا اور اللہ کا نبی تھا۔ (۴۱)

اس وقت کا ذکر جب اس نے اپنے باپ سے کہا "اے میرے باپ! تو کیوں ایک ایسی چیز کی پوجا کرتا ہے جو نہ تو سنتی ہے نہ دیکھتی ہے نہ تیرے کسی کام آ سکتی ہے؟ (۴۲) اے میرے باپ! میں سچ کہتا ہوں علم کی ایک روشنی مجھے مل گئی ہے جو تجھے نہیں ملی۔ پس میرے پیچھے چل میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں گا۔ (۴۳) اے میرے باپ! شیطان کی بندگی نہ کر۔ شیطان تو خدائے رحمان سے نافرمان ہو چکا۔ (۴۴) اے میرے باپ! میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو خدائے رحمان کی طرف سے کوئی عذاب تجھے آ لگے اور تو شیطان کا ساتھی ہو جائے!" (۴۵) باپ نے (یہ باتیں سن کر) کہا "ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ یاد رکھ! اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آیا تو تجھے سنگ سار کر کے چھوڑوں گا۔ اپنی خیر چاہتا ہے تو جان سلامت لے کر مجھ سے الگ ہو جا" (۴۶)

ابراہیم نے کہا "اچھا میرا سلام قبول ہو۔ (میں الگ ہو جاتا ہوں) اب میں اپنے پروردگار سے تیری بخشش کی

﴿ مِن مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴾ اور ﴿ يَوْمَ يَأْتُونَنَا ﴾ اس کے بعد (۳۹) میں فرمایا: وانذرھم یوم الحسرۃ "اور انہیں یوم الحسرت کے دن سے بھی خبردار کر دے" اس سے معلوم ہوا کہ اس "یوم الحسرت" سے مقصود قیامت کا دن نہیں ہے۔ یہ کوئی دوسرا آنے والا دن ہے۔ چنانچہ بعد کی آیت نے اس دن کی نوعیت ظاہر کر دی ہے۔

یہ کون سا دن تھا؟ یقیناً کوئی ایسا دن جو عیسائیوں کو عنقریب پیش آنے والا تھا اور جس میں ان کے لیے بڑی ہی حسرت و مایوسی تھی! چنانچہ سورۂ مریم کے نزول پر ابھی پچیس برس بھی نہیں گزرے تھے کہ یہ دن نمودار ہو گیا اور تمام عیسائی دنیا یہ سن کر ششدر رہ گئی کہ مسیحیت کا صدر مقام اور قبلہ و مرکز اچانک اس کے ہاتھوں سے نکل کر ایک نئی قوم کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے۔ مشہور مورخ گبن کے لفظوں میں "تمام مسیحی دنیا پر سکتہ کی حالت طاری ہو گئی۔ کیونکہ مسیحیت کی اس سب سے بڑی توہین کو نہ تو مذہب کا کوئی متوقع معجزہ روک سکا، نہ بازنطینی شہنشاہی کا لشکر جرار"۔ پھر یہ صرف بیت المقدس ہی کی فتح نہ تھی تمام ایشیا اور افریقہ میں مسیحی فرمانروائی کا خاتمہ تھا۔ ہرقل (ہرکولس) کے یہ الفاظ جو اس نے تختہ جہاز پر لبنان کی چوٹیوں کو مخاطب کر کے کہے تھے آج تک مورخوں کی زبانوں پر ہیں "الوداع سرزمین شام! ہمیشہ کے لیے الوداع!" غور کرو کیا یہ دن اپنے کامل معنوں میں مسیحیت کے لیے یوم الحسرۃ نہ تھا؟

پھر آیت کے اس ٹکڑے پر غور کرو کہ ﴿ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾ اے پیغمبر! یہ لوگ اس وقت اپنی کامرانیوں کی غفلت میں سرشار ہیں۔ یقین کرنے والے نہیں۔ تاہم تم اعلان کر دو۔ نیز بعد کی آیت کہ انا نحن نرث الارض ومن علیھا کس طرح یہ تمام مطلب آشکارا کر رہی ہے؟ افسوس ہمارے مفسروں کو اس عالم کی خبر ہی نہیں۔ وہ جہاں "یوم" کا لفظ دیکھتے ہیں، جھٹ اسے یوم القیامہ سمجھ لیتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَبِّیْ ۫ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ﴿۴۷﴾ وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ اَدْعُوْا رَبِّیْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ
رَبِّیْ شَقِیًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَ مَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا
نَبِیًّا ﴿۴۹﴾ وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا ﴿۵۰﴾ وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مُوْسٰۤى ۫ اِنَّهٗ ع ۶
كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا ﴿۵۱﴾ وَ نَادَیْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَیْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِیًّا ﴿۵۲﴾ وَ وَهَبْنَا لَهٗ
مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِیًّا ﴿۵۳﴾ وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُوْلًا
نَّبِیًّا ﴿۵۴﴾ وَ كَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ ۪ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِیًّا ﴿۵۵﴾ وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِدْرِیْسَ ۫
اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ﴿۵۶﴾ ۙ وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِیًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ

دعا کروں گا- وہ مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے- (۴۷) میں نے تم سب کو چھوڑا اور انہیں بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پکارا کرتے ہو- میں اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں- امید ہے اپنے پروردگار کو پکار کے میں محروم ثابت نہیں ہوں گا!'' (۴۸)

پھر جب ابراہیم ان لوگوں سے اور ان سب سے جن کی اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے الگ ہو گیا تو ہم نے (اس کی نسل میں برکت دی اور) اسے اسحٰق اور (اسحاق کا بیٹا) یعقوب عطا فرمایا- ان میں سے ہر ایک کو ہم نے نبوت دی تھی (۴۹) اور اپنی رحمت کی بخشش سے سرفراز کیا تھا- نیز ان سب کے لیے سچائی کی صدائیں بلند کر دیں (جو کبھی خاموش ہونے والی نہیں!) (۵۰) اور (اے پیغمبر!) کتاب میں موسیٰ کا ذکر کر- بلاشبہ وہ ایک بندۂ خاص اور فرستادہ نبی تھا- (۵۱) ہم نے اسے کوہ طور کی داہنی جانب سے پکارا اور (وحی کی) سرگوشیوں کے لیے اپنے سے قریب کیا- (۵۲) نیز اپنی رحمت سے (رفاقت و مددگاری کے لیے) ہارون عطا فرمایا کہ اس کا بھائی تھا اور نبی تھا- (۵۳) اور (اے پیغمبر!) الکتاب میں (یعنی قرآن میں) اسماعیل کا ذکر کر- بلاشبہ وہ اپنے قول کا سچا تھا اور (اللہ کا) فرستادہ نبی تھا- (۵۴) وہ اپنے گھر کے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور وہ (اپنی ساری باتوں میں) اپنے پروردگار کے حضور پسندیدہ تھا- (۵۵) اور (اے پیغمبر!) کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کر- بلاشبہ وہ بھی سچائی مجسم اور نبی تھا (۵۶) اور ہم نے اسے بڑے ہی اونچے مقام تک پہنچا دیا تھا! (۵۷)

یہ ہیں وہ لوگ جو ان نبیوں میں سے ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا- آدم کی نسل میں سے اور ان کی نسل سے

---

(۱۱) اس کے بعد آیت (۴۱) سے (۵۷) تک حضرت ابراہیم، اسحاق، یعقوب، موسیٰ، ہارون، اسماعیل اور ادریس (علیہم السلام) کی نبوتوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور پھر آیت (۵۸) میں اس تمام تذکرہ کا نتیجہ نکالا ہے-

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، زیادہ تفصیل کے ساتھ سورۂ انعام کی آیت ۷۴ میں گزر چکا ہے اور آئندہ سورتوں میں بھی آئے گا- ماحصل اس کا یہ ہے کہ اُور کے تمام باشندوں کی طرح ان کا چچا بھی بت پرست تھا- اس نے غیظ و غضب میں آ کے انہیں نکال دیا- انہوں نے بھی راہ حق میں تمام ملک و قوم سے کنارہ کشی کر لی اور کنعان آ کر مقیم ہو گئے- پھر اللہ نے ان کی نسل میں برکت دی اور اسرائیلی اور اسماعیلی سلسلوں کے بانی ہوئے-

جزیرہ نمائے سینا کے داہنی جانب عرب ہے- بائیں جانب مصر ہے- اسی داہنی جانب کے ساحل پر قبیلہ مدین کی بستی آباد تھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا

جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا، نیز ابراہیم اور اسرائیل (یعنی یعقوب) کی نسل سے اور ان گروہوں میں سے جنہیں ہم نے راہ راست دکھائی اور (کامرانیوں کے لیے) منتخب کرلیا- یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خدائے رحمان کی آیتیں انہیں سنائی جاتی تھیں تو بے اختیار سجدے میں گر جاتے تھے اور ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں! (۵۸)

لیکن پھر ان کے بعد ایسے ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز (کی حقیقت) کھودی اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے- سو قریب ہے کہ ان کی سرکشی ان کے آگے آئے! (۵۹) ہاں جو کوئی باز آ گیا' ایمان لایا اور نیک عملی میں لگ گیا تو بلاشبہ ایسے لوگوں کے لیے کوئی کھٹکا نہیں- وہ جنت میں داخل ہوں گے- ان کے حقوق میں ذرا بھی ناانصافی نہ ہوگی- (۶۰)

ہمیشگی کی جنت' جس کا اپنے بندوں سے خدائے رحمان نے وعدہ کر رکھا ہے اور وعدہ ایک غیبی بات کا ہے (جسے وہ اس زندگی میں محسوس نہیں کر سکتے - مگر) یقیناً اس کا وعدہ ایسا ہے جیسے ایک بات وقوع میں آ گئی! (۶۱) اس زندگی میں کوئی ناشائستہ بات ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی- جو کچھ سنیں گے وہ سلامتی ہی کی صدا ہوگی- وہاں صبح و شام ان کا رزق ان کے لیے برابر مہیا رہے گا! (۶۲) سو (دیکھو) یہ جنت ہے جس کا ہم اسے وارث کر دیتے ہیں جو ہمارے بندوں میں سے متقی[1] ہوتا ہے! (۶۳)

جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل کر مقیم ہو گئے تھے- پس ﴿ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ یہ معاملہ طور کی مشرقی جہت میں پیش آیا تھا- نہ کہ مغربی میں جو مصر کے مقابل ہے-

(۱۲) آیت (۵۸) اور اس کے بعد کی آیتیں اس تذکرہ کا خلاصہ ہیں- فرمایا ان تمام نبیوں نے خداپرستی اور نیک عملی کی دعوت دی تھی- وہ ان میں سے تھے جن پر خدا کا انعام ہوا اور کامیابیوں کے لیے چن لیے گئے- لیکن ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنہوں نے حقیقت ضائع کر دی اور اپنی خواہشوں کے پرستار ہو گئے- اب ان کے نام لیواؤں کے جتنے گروہ ہیں سب کا یہی حال ہے اور سب کو اپنی بدعملیوں کا نتیجہ بھگتنا ہے- ہاں جو گمراہیوں سے باز آ جائیں گے' اور دعوت حق پر عمل کریں گے ان پر ہر طرح کی کامرانیوں کی راہ کھل جائے گی- اسی طرح جس طرح پہلے کھل چکی ہے-

آیت (۵۹) میں پچھلوں کی گمراہی بیان کرتے ہوئے صرف ﴿ اضاعوا الصلوة واتبعوا الشهوات ﴾ فرمایا- اس سے معلوم ہوا کہ نماز یعنی عبادت کا جوہر ایمان ہے- اس کی حقیقت گئی تو سب کچھ چلا گیا-

دراصل ایک خداپرست اور ایک غیر خداپرست میں عملی امتیاز اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ پہلا کسی کی بندگی میں لگا رہتا اور کسی کو پکارتا

[1] متقی کے معنی سورۂ بقرہ کے نوٹ هدى للمتقين (۲) میں دیکھو-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۖ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ
نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَّبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۚ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ وَيَقُولُ
الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾
فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ
أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ

اور (فرشتے جنتی سے کہیں گے:) ہم (تمہارے پاس) نہیں آتے مگر تمہارے پروردگار کے حکم سے- جو کچھ ہمارے سامنے ہے جو کچھ ہمارے پیچھے گزر چکا ہے اور جو کچھ ان دونوں وقتوں کے درمیان ہوا، سب اسی کے حکم سے ہے- اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں کہ بھول جانے والا ہو! (۶۴) آسمان اور زمین کا پروردگار اور ان سب کا پروردگار جو آسمان وزمین میں ہیں- سو (اے پیغمبر!) اسی کی بندگی کر اور اس کی بندگی کی راہ میں جو کچھ پیش آئے جھیلتا رہ- کیا تیرے جانتے کوئی دوسرا بھی اس کا ہم نام ہے؟ (یعنی اس جیسا ہے؟)- (۶۵) اور (حقیقت سے غافل) انسان کہتا ہے "جب میں مر گیا تو پھر کیا ایسا ہونے والا ہے کہ زندہ اٹھایا جاؤں؟" (۶۶) (افسوس اس پر!) کیا انسان کو یہ بات یاد نہ رہی کہ ہم اسے پہلے پیدا کر چکے ہیں حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا؟ (۶۷) سو (اے پیغمبر!) تیرا پروردگار شاہد ہے کہ ہم ان سب کو اور ان کے ساتھ سارے شیطانوں کو ضرور اکٹھا کریں گے- پھر ان سب کو دوزخ کے گرد حاضر ہونے کا حکم دیں گے- زانوؤں پر گرے ہوئے! (۶۸)

پھر ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو (چن چن کر) الگ کر لیں گے جو (اپنی زندگی میں) خدائے رحمان سے بہت ہی سرکش تھے (۶۹) اور پھر یہ بات بھی ہم ہی جاننے والے ہیں کہ کون دوزخ میں جانے کا زیادہ سزاوار ہے- (۷۰) اور (یاد رکھو) تم میں کوئی نہیں جو

رہتا ہے- دوسرا اس سے بے پروا رہتا ہے- اسی لیے دعا اور عبادت ایمان باللہ کی اصلی علامت ہوئی اور اسی لیے تمام مذاہب نے اسی عمل پر مذہبی زندگی کی ساری عمارتیں اٹھائیں- جونہی یہ عمل بگڑا، مذہبی زندگی کی ساری بنیادیں ہل گئیں-

(۱۳) آیت (۶۲) میں فرمایا تھا کہ جنت کی زندگی سلامتی اور طہارت کی زندگی ہوگی- وہاں سلام کی صداؤں کے سوا اور کوئی صدا سننے میں نہیں آئے گی- پھر آیت (۶۴) میں فرمایا: جنتیوں پر فرشتوں کا نزول ہوگا جو سلامتی کا پیام پہنچائیں گے- وہ کہیں گے تمہارا پروردگار بھول جانے والا نہ تھا- دیکھ لو، جو کچھ تم نے ماضی میں کیا تھا آج اس کے نتائج تمہارے دامن میں ہیں اور قانون نتائج کے حافظہ نے کوئی چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی نہیں بھلایا ہے!

﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴾ کی حقیقت پر غور کرو- علم وقدرت کے جوازلی قوانین ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں ان کا حافظہ کیسا اٹل اور ان کا حساب وکتاب کیسا بے داغ ہے؟ کیا ممکن ہے کہ ایک پل کے لیے بھی ان پر سہو ونسیان طاری ہو جائے؟

(۱۴) آیت (۶۵) میں خطاب پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے ہے- فرمایا- دو باتوں میں لگے رہو- ساری کامیابیاں انہی سے

ا اس ترجمہ پر یہ شبہ وارد نہ ہو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت مندرجہ بخاری میں اس قول کا مخاطب خود آنحضرت ﷺ کو قرار دیا ہے- اس میں صرف یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے وحی کے جوش طلب میں مزید تنزیل کی خواہش ظاہر کی تھی- اس پر یہ جواب ملا- اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آیت کا ابتدائی شان نزول یہی ہو- چونکہ آیت میں یہ بات کہی گئی ہے کہ ملائکہ کا ورود بغیر حکم الٰہی کے نہیں ہو سکتا اس لیے جب آنحضرت ﷺ نے مزید تنزیل کا جوش ظاہر فرمایا تو جواب میں یہی آیت دہرائی گئی-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾ وَ اِذَا تُتْلٰى
عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾ وَ
كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْيًا ﴿۷۴﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ
مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضْعَفُ
جُنْدًا ﴿۷۵﴾ وَ يَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَ الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ

اس منزل سے گزرنے والا نہ ہو- ایسا کرنا تمہارے پروردگار نے ضروری ٹھہرالیا- یہ ایک طے شدہ فیصلہ ہے! (۷۱)

پھر ہم ایسا کریں گے کہ جو متقی ہیں انہیں نجات دے دیں- جو ظالم ہیں انہیں دوزخ میں چھوڑ دیں- گھٹنوں کے بل گرے ہوئے! (۷۲)

اور (دیکھو) جب ہماری روشن آیتیں لوگوں کو سنائی جاتی ہیں تو جو لوگ کفر میں پڑے ہیں وہ ایمان والوں سے کہتے ہیں "یہ تو بتلاؤ ہم دونوں فریقوں میں کون ہے جو بہتر جگہ رکھتا ہے اور بہتر جمگھٹا؟" (۷۳)

حالانکہ ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے جو ان سے کہیں بہتر ساز و سامان رکھتی تھیں اور ان سے کہیں بہتر ان کی نمود تھی! (۷۴)

(اے پیغمبر!) تو کہہ دے جو کوئی گمراہی میں پڑا تو خدائے رحمان کا قانون یہی ہے کہ اسے برابر ڈھیل دیتا جاتا ہے- وہ اسی حال میں رہے گا- یہاں تک کہ اپنی آنکھوں سے وہ بات دیکھ لے جس کا اس سے وعدہ کیا گیا تھا- یعنی عذاب یا قیامت کی گھڑی تو اس وقت اسے پتہ چلے گا کون تھا جس کی جگہ سب سے زیادہ بدتر ہوئی اور جس کا جتھا سب سے زیادہ بودا نکلا! (۷۵)

اور جن لوگوں نے راہ پالی تو وہ ان پر اور زیادہ راہ کھول دیتا ہے (یعنی ان کی فلاح و سعادت بڑھتی ہی جاتی ہے)

ملیں گی اس کی عبادت کرو- اس کی عبادت کی راہ میں جتنی بھی مشکلات پیش آئیں جھیلتے رہو-

(۱۵) آیت (۷۱) میں "وان منکم الا واردھا" کا خطاب تمام نوع انسانی سے نہیں ہے بلکہ ان منکرین حق سے ہے جن کا ذکر پہلے سے چلا آتا ہے اور جن کی نسبت پچھلی آیت میں فرمایا ﴿ الذین ھم اولی بھا صلیا ﴾ اور اسی لیے اس درجہ زور دے کر فرمایا ﴿ کان علی ربك حتما مقضیا ﴾ جزائے عمل کا قانون طے شدہ قانون ہے- کبھی ٹلنے والا نہیں-

(۱۶) سورۂ مریم مکی عہد کی وسطی تنزیلات میں سے ہے- اس وقت پیروان دعوت کمزور اور بے سروسامان تھے- منکروں کو ہر طرح کی دنیوی خوشیاں حاصل تھیں- پیغمبر اسلام ﷺ مومنوں کے ساتھ بیٹھتے تو فقیروں اور بے نواؤں کی مجلس ہوتی- منکرین حق دارالندوہ میں جمع ہوتے تو سرداروں اور امیروں کا مجمع ہوتا- اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ قرآن کی بشارتیں سن کر کفار ہنسی اڑاتے- وہ کہتے بتلاؤ ہم دونوں میں سے کس کا مقام بلند ہے اور کس کی مجلس معزز؟

آیت (۷۳) سے (۷۶) تک منکروں کی اسی سرکشی کا بیان ہے- فرمایا انہیں خدا کے قانون کی خبر نہیں- اس نے نتائج عمل کا قانون ایسا ٹھہرا دیا ہے کہ گمراہوں کو ڈھیل پر ڈھیل دی جاتی ہے- راہروؤں کو رہنمائی پر رہنمائی ملتی ہے- جس نے آنکھیں بند کر لیں اس کے لیے تاریکی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ
عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾ وَ
اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾ ع ۸
اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾

اور تمہارے پروردگار کے حضور تو باقی رہنے والی نیکیاں ہی بہتر ہیں- ثواب کے اعتبار سے بھی اور نتیجہ کے اعتبار سے بھی! (۷۶)
(اے پیغمبر!) تو نے دیکھا اس آدمی کا کیا حال ہے جس نے ہماری آیتوں سے انکار کیا اور کہا ''خدا کی قسم! میں ضرور مال و دولت پاؤں گا- میں ضرور صاحب اولاد ہوں گا؟ (۷۷)
وہ جو ایسا کہتا ہے تو کیا اس نے غیب کو جھانک کے دیکھ لیا ہے؟ یا خدا سے کوئی عہد لے لیا ہے کہ اسے ایسا کرنا ہی پڑے گا؟ (۷۸) ہرگز نہیں (ایسا کبھی نہیں ہوسکتا) اچھا وہ جو کچھ کہتا ہے ہم اسے لکھ لیں گے (یعنی اس کی یہ بات بھلائی نہیں جائے گی- اس کے آگے آئے گی) اور اس کے عذاب کی رسّی لمبی کرتے جائیں گے- (۷۹) یہ جس مال و اولاد کا دعویٰ کرتا ہے (اگر اسے میسر بھی آ جائے تو بالآخر) ہمارے ہی قبضہ میں آئے گا اور اسے تو ہمارے سامنے تن تنہا حاضر ہونا ہے! (۸۰)
اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنا لیا ہے کہ ان کے مددگار ہوں- (۸۱) لیکن ہرگز ایسا ہونے والا نہیں- وہ (قیامت کے دن) ان کی بندگی سے صاف انکار کر جائیں گے- وہ الٹے ان کے مخالف ہوں گے! (۸۲)
(اے پیغمبر!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے- وہ انہیں برابر اکساتے رہتے ہیں؟ (۸۳) پس تو ان کے بارے میں جلدی نہ کر- (فیصلہ امر میں جو دیر ہو رہی ہے تو) یہ صرف اس لیے ہے کہ ہم ان کے دن گن رہے ہیں (قریب ہے کہ مقررہ وقت ظہور میں آ جائے)- (۸۴)

ہی ہوگی- لیکن فوراً نہیں گرے گا یکے بعد دیگرے مہلتیں پائے گا- جس نے آنکھیں کھلی رکھیں اسے راہ ملے گی' لیکن فوراً منزل مقصود پر نہیں پہنچ جائے گا' درجہ بدرجہ رہنمائی پائے گا- یہاں اچھائی اور برائی' دونوں کے لیے تدریج و امہال کا قانون کام کر رہا ہے- پس ایک خاص وقت کی حالت دیکھ کر مغرور نہیں ہونا چاہیے- ظہور نتائج کا انتظار کرنا چاہیے-
تفصیل کے لیے تفسیر فاتحہ میں ''قانون امہال'' کا مبحث پڑھنا چاہیے یہ مقام مہمات معارف میں سے ہے-
(۱۷) آیت (۷۷) میں انسان کی غفلت اور سرکشی کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے جب کہ وہ اپنی عارضی خوشحالیوں کے گھمنڈ میں سمجھنے لگتا ہے ہر طرح کی خوش حالیاں میرے ہی حصہ میں آنے والی ہیں اور بھول جاتا ہے کہ زندگی اور زندگی کے حوادث کا ایک پل بھی اس کے اختیار میں نہیں!
یہاں فرمایا کیا اس سرکش نے غیب کی باتیں دیکھ لی ہیں یا خدا سے کوئی پٹہ لکھوا لیا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر کیا ہے جس پر بھولا بیٹھا ہے؟
(۱۸) آیت (۸۴) کے چند لفظوں نے جزائے عمل کے قانون کی ساری حقیقت کس طرح واضح کر دی ہے؟ فرمایا ﴿ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ- اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴾ جلدی نہ کر- یہ دیر صرف اس لیے ہے کہ ان کے دن گنے جا رہے ہیں- یعنی ہر حالت کی تکمیل و ظہور کے لیے ایک مقررہ مدت ہے اور نتائج عمل کا قانون بھی اس سے باہر نہیں- کفار مکہ کو جو ڈھیل مل رہی ہے وہ صرف اس لیے ہے کہ دن گنے جا رہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقف لازم وقف لازم

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ
اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ
يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ
وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾
وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾

وہ دن کہ متقی انسانوں کو اپنے حضور مہمانوں کی طرح جمع کریں گے (۸۵) اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسے جانوروں کی طرح ہنکائیں گے۔ (۸۶) اس دن شفاعت کرنا کرانا کسی کے اختیار میں نہ ہوگا۔ ہاں جس کسی نے خدا کے حضور سے وعدہ پالیا (تو وہ وعدہ ضرور اس کے کام آئے گا)۔ (۸۷) اور ان لوگوں نے (یعنی عیسائیوں نے) کہا "خدائے رحمان نے اپنا ایک بیٹا بنا رکھا ہے"۔ (۸۸) بڑی ہی سخت بات ہے جو تم گھڑ لائے ہو! (۸۹) قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑے، زمین کا سینہ چاک ہو جائے، پہاڑ جنبش میں آ کر گر پڑیں! (۹۰) کہ لوگ اللہ کے لیے بیٹا ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں! (۹۱)

اللہ کی یہ شان کب ہو سکتی ہے کہ اپنے لیے ایک بیٹا بنائے۔ (۹۲) آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ اسی لیے ہے کہ اس کے آگے بندگی کا سر جھکائے حاضر ہو۔ (۹۳) اس نے (اپنی قدرت سے) انہیں گھیر رکھا ہے اور (اپنے علم سے) ایک ایک کی ہستی گن رکھی ہے (۹۴) قیامت کے دن سب اس کے حضور تن تنہا آ کر کھڑے ہوں گے۔ (کوئی ان کا ساتھی اور مددگار نہ ہو گا!)۔ (۹۵) (اے پیغمبر!) جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عملوں میں لگ گئے ہیں یہ یقینی ہے کہ خدائے رحمان ان کے لیے (دلوں میں) محبت پیدا کر دے (یعنی لوگ ان کی طرف کھینچیں گے اور انہیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے)۔ (۹۶)

ہیں۔ وقت قریب آ گیا ہے مگر دن ابھی پورے نہیں ہوئے۔ جونہی پورے ہوں گے، نتیجہ خود بخود اچھل کر آشکارا ہو جائے گا۔
چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دشمنان حق کی خوش حالیوں کے صرف گنے ہوئے دن باقی رہ گئے تھے۔ سورۂ مریم کے نزول پر پورے دس برس بھی نہیں گزرے تھے کہ سارے معاملہ کا فیصلہ ہو گیا!

(۱۹) اب کہ سورت ختم ہو رہی ہے سلسلہ بیان پھر اسی مطلب کی طرف رجوع ہو گیا ہے جو اوائل سورت میں چھڑ گیا تھا۔ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں عیسائیوں کی گمراہی۔ چنانچہ آیت (۸۵) میں فرمایا۔ قیامت کے دن تمام انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک متقیوں کا ہو گا۔ دوسرا مجرموں کا۔ متقی اپنے ایمان و عمل کی جزا میں نجات پائیں گے۔ مجرم اپنے انکار و بدعملی کی پاداش میں عذاب۔ یہ بات کسی کے اختیار میں نہ ہو گی کہ دنیا کے درباروں کی طرح جسے چاہے اپنی سفارش سے چھڑا لے۔ پس عیسائیوں نے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو نوع انسانی کے گناہوں کا کفارہ دینے والا اور اس کا شفیع و منجی تصور کر لیا ہے وہ صریح گمراہی نہیں ہے تو کیا ہے۔

پھر الوہیت اور ابنیت مسیح کی گمراہی کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا۔ انسانی گمراہی کی یہ انتہا ہے۔ اس سے زیادہ سخت گمراہی اور کیا ہو سکتی ہے کہ فاطر السماوات والارض کو ایک بیٹے کی ہستی کا محتاج تصور کر لیا جائے۔

اس کے بعد صرف ایک آیت کے اندر وہ سب کچھ کہہ دیا ہے جو اس عقیدے کے رد میں کہا جا سکتا ہے۔ یہ زیادہ سے زیادہ واضح اور فیصلہ کن حجت ہے مگر منطقی طریقہ کی نہیں جو دلوں کو نہیں پکڑ سکتی۔ قرآنی طریقہ کی، جو دل کے ایک ایک ریشہ میں اتر جاتی ہے: ﴿ ان کل من فی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ۭ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾

اسی غرض سے ہم نے قرآن تیری زبان (عربی) میں اتار کر آسان کر دیا کہ متقی انسانوں کو (کامیابی کی) خوش خبری دے دے اور جو گروہ سچائی کے مقابلہ میں ہٹ کرنے والا اور اڑ جانے والا ہے اسے (انکار و سرکشی کے نتیجہ سے) خبردار کر دے۔ (۹۷)

ان (سرکشوں) سے پہلے قوموں کے کتنے ہی دور گزر چکے ہیں جنہیں ہم نے (پاداش بدعملی میں) ہلاک کر دیا۔ کیا ان میں سے کسی کی ہستی بھی اب تم محسوس کرتے ہو؟ کیا ان کی بھنک بھی سنائی دیتی ہے؟ (۹۸)

السموات والارض' الا اتی الرحمن عبدا ﴾ تم خود تسلیم کرتے ہو کہ کائنات خلقت میں جو کوئی بھی ہے اس کے حضور بندہ ہی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ یعنی یہاں آقائی و معبودیت صرف خدا کے لیے ہے۔ باقی سب کے لیے بندگی و نیازمندی ہے۔ اچھا اگر اس سے تمہیں انکار نہیں تو پھر مسیح کو بھی عبد ہونا چاہیے نہ کہ معبود۔ غلام ہونا چاہیے نہ کہ آقا۔ محکوم ہونا چاہیے نہ کہ حکم فرما۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کے آگے تو سب بندے ہوں مگر مسیح بندہ نہ ہو؟

(۲۰) آیت (۹۶) سے آخر تک سورت کی اختتامی موعظت ہے۔ اس میں دو باتوں کی خبر دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ جو لوگ ایمان و عمل کی راہ اختیار کریں گے عنقریب خدا ان کے لیے انسانوں کے دل کھول دے گا اور وہ قوموں اور ملکوں کے محبوب ہو جائیں گے۔ ﴿ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وِدًّا ﴾ دوسری یہ کہ حق کے مقابلہ میں ہٹ دھرمی کرنے والوں کو وہی نتیجہ پیش آنے والا ہے۔ جو پچھلی تباہ شدہ جماعتوں کو پیش آ چکا ہے کہ آج ان کا نام و نشان تک باقی نہیں۔ ﴿ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴾

شرح ﴿ سیجعل لھم الرحمٰن ودا ﴾:

تاریخ کا داستاں سرا شہادت دیتا ہے کہ دنیا نے یہ دونوں باتیں چند برسوں کے اندر دیکھ لیں۔

ایمان و عمل کی اس دعوت نے مسلمانوں کا جو گروہ پیدا کر دیا تھا' انسانوں نے اسے قبول ہی نہیں کیا' بلکہ اس کا والہانہ استقبال کیا۔ وہ خوف و دہشت کی طاقت نہ تھے جس سے لوگ بھاگتے۔ نیکی و عدالت کا پیام تھے جس کی طرف لوگ دوڑتے تھے۔ قوموں نے انہیں بلاوے بھیجے' شہروں نے ان کے لیے پھاٹک کھولے' قلعوں نے اپنی کنجیاں آگے رکھ دیں اور وقت کی ساری مظلوم آبادیوں نے انہیں نجات دہندہ سمجھا۔

اجنادین اور یرموک کے میدانوں میں بازنطینی شہنشاہی ان سے لڑ رہی تھی لیکن شام کی آبادیاں محبت کے پیام بھیج رہی تھیں۔ بصریٰ نے اپنے دروازے خود کھول دیے تھے' حمص کے باشندوں نے منتیں کی تھیں' طرابلس پہلے سے چشم براہ تھا' صور کے پھاٹک بند ہی نہیں کیے گئے۔ اسی طرح جب انہوں نے مصر کا رخ کیا' تو خود مصر کے عیسائی ہی تھے جنہوں نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا تھا۔ وہ جن جن راستوں سے گزرتے' سڑکوں کو درست اور پلوں کو تیار پاتے اور ہر طرح کی رسد فوج کے لیے مہیا ہوتی!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باقی رہی دوسری بات، تو محتاج تشریح نہیں- اس آیت کے نزول پر پورے پندرہ برس بھی نہیں گزرے تھے کہ دعوت قرآن کی تمام معاند قوتیں بے نام ونشان ہو چکی تھیں!

حضرت مریم علیہا السلام کی ابتدائی سرگزشت اور انجیل:

(۲۱) حضرت مسیح (علیہ السلام) اور مسیحیت کی نسبت بعض مہمات مباحث ہیں جن کے اشارات آئندہ سورتوں کی تشریحات میں ملیں گے- لیکن یہاں دو باتوں کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے:

(الف) قرآن نے حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کا ذکر زیادہ تفصیل کے ساتھ دو جگہ کیا ہے- یہاں، اور سورۂ آل عمران کی آیات (۳۵-۶۳) میں- یہاں یہ ذکر حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بیان سے شروع ہوا ہے، اور اناجیل اربعہ میں سے سینٹ لوقا کی انجیل ٹھیک ٹھیک اسی طرح یہ تذکرہ شروع کرتی ہے- لیکن سورۂ آل عمران میں یہ تذکرہ اس سے بھی پیشتر کے ایک واقعہ سے شروع ہوتا ہے- یعنی حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش اور ہیکل میں پرورش پانے کے واقعہ سے اور اس بارے میں چاروں انجیلیں خاموش ہیں-

لیکن انیسویں صدی میں متروک اناجیل کا جو نسخہ ویٹیکان کے کتب خانہ سے برآمد ہوا اس نے حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش کا یہ مفقود ٹکڑا مہیا کر دیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم چوتھی صدی عیسوی کے اوائل تک سرگزشت کا یہ ٹکڑا بھی اسی طرح الہامی یقین کیا جاتا تھا جس طرح بقیہ ٹکڑے یقین کیے جاتے ہیں-

''متروک اناجیل'' سے مقصود وہ اکیس سے زیادہ انجیلیں ہیں جو پہلی صدی سے لے کر چوتھی صدی کے اوائل تک عیسائیوں میں رائج اور معمول بہ تھیں، لیکن ۳۲۵ میں نائسیا کی کونسل نے چار منتخب کر لیں اور باقی متروک سمجھ لی گئیں- یہ انتخاب کسی تاریخی یا علمی اصل کی بنا پر نہیں کیا گیا تھا بلکہ ایک طرح کی فال دیکھی گئی تھی، اور اس کا اشارہ فیصلہ کن تھا-

قرآن اور حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش:

(ب) قرآن کا جب ظہور ہوا تو حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کے عام بنیادی عقائد یہ تھے:

(اولاً) بغیر باپ کے پیدائش-

(ثانیاً) مصلوب ہونے کے بعد پھر زندہ ہو جانا-

(ثالثاً) الوہیت مسیح اور اقانیم ثلاثہ-

(رابعاً) کفارہ اور یہ اعتقاد کہ اب نجات کی راہ عمل نہیں بلکہ مسیح (علیہ السلام) کے کفارہ پر ایمان ہے-

قرآن نے واقعہ صلیب کا رد کیا اور کہا کہ وہ مصلوب نہیں ہوئے بلکہ حقیقت حال لوگوں پر مشتبہ ہو گئی- الوہیت اور ابنیت کا بھی رد کیا اور کہا ایسا کہنا صریح کفر ہے- کفارہ کا بھی رد کیا اور جا بجا اس پر زور دیا کہ نجات کی بنیاد ایمان باللہ اور عمل ہے نہ کہ مسیح کے کفارہ کا اعتقاد- اب قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بغیر باپ کے پیدائش کا اعتقاد بھی انہی عقائد کی طرح باطل تھا تو کیا ضروری نہ تھا کہ قرآن اسی صراحت کے ساتھ اس کا بھی رد کر دیتا جس صراحت کے ساتھ دوسرے عقائد کا کیا ہے؟ یقیناً ضروری تھا-

لیکن قرآن نے اس کے رد میں ایک حرف نہیں کہا- اتنا ہی نہیں بلکہ سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اگر اس پر نظر ڈالی جائے اور یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھی جائے کہ تذکرہ ایک ایسی پیدائش کا ہو رہا ہے جو بغیر باپ کے تسلیم کر لی گئی ہے تو بغیر کسی تامل کے تسلیم کر لینا پڑتا ہے کہ بیان کی صاف روح یہی ہے کہ قرآن اس عام اعتقاد کا منکر نہیں- کم از کم اس کا رجحان اس کے خلاف نہیں جا رہا-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلاشبہ قرآن میں یہ الفاظ کہیں نہیں ملتے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے - یعنی کوئی ایسی مثبت تصریح نہیں جو اپنے منطوق میں ظاہر و قطعی ہو - اس کی جتنی آیتوں سے اس طرح کے اشارات نکل رہے ہیں اگر انہیں ایک دوسرے سے الگ کر لیا جائے تو ہر آیت کے مطلب کے لیے ایک دوسرا جامہ بھی تراش لیا جا سکتا ہے - جیسا کہ مرحوم سید احمد خاں اور ڈاکٹر توفیق صدقی وغیرہما نے کوشش کی ہے - لیکن جب تمام بیان پر بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے اور محل کے قدرتی مقتضیات اور قرائن بھی پیش نظر ہوں تو بلا تامل تسلیم کر لینا پڑتا ہے کہ قرآن اس اعتقاد کے حق میں ہے، اس سے منکر نہیں -

پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کا معاملہ یہودیوں اور عیسائیوں میں بالکل متضاد سمتوں کا انتہائی گوشہ بن گیا تھا - یہودی ان کی پیدائش کو ناجائز تعلق کا نتیجہ قرار دیتے تھے - برخلاف اس کے عیسائی نہ صرف جائز بلکہ ایک ربانی معجزہ تصور کرتے تھے - قرآن کا فرض تھا کہ بہ حیثیت ایک ثالث کے دونوں میں فیصلہ کر دے - چنانچہ اس نے فیصلہ کر دیا - اس نے حضرت مریم علیہا السلام کی پاکی کا اعلان کیا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (۳:۴۲) یہودیوں کے الزام کو افترائے عظیم قرار دیا: ﴿ وَّبِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴾ (۴:۱۵۶) اور پیدائش مسیح علیہ السلام کی سرگزشت ٹھیک ٹھیک اسی طرح بیان کر دی جس طرح انجیل میں بیان کی گئی ہے - ﴿ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَ لِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ ﴾ (۲۱) ''مریم نے فرشتہ سے کہا - ایسا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ میں مرد سے واقف نہیں؟ اس نے کہا ایسا ہی ہوگا - روح القدس تجھ پر نازل ہوگی اور خدا کی قدرت تجھے اپنے سایہ میں لے لے گی'' (لوقا ۱:۳۴) اب اگر یہودیوں کی طرح عیسائیوں کا اعتقاد بھی قرآن کے نزدیک غلط تھا تو کیا ضروری نہ تھا کہ جس طرح اس نے یہودیوں کے الزام کا رد کیا اسی طرح عیسائیوں کے غلو کا بھی صاف صاف رد کر دیتا؟ لیکن وہ اس کے رد میں ایک حرف نہیں کہتا بلکہ پیدائش کی جس روداد سے عیسائیوں نے یہ اعتقاد پیدا کیا تھا اسے حرف بہ حرف انجیل ہی کی طرح بیان کر دیتا ہے -

اگر اس کے نزدیک حقیقت نہ تو وہ تھی جو یہودیوں نے بنائی اور نہ وہ جو عیسائیوں نے سمجھی بلکہ ایک تیسری ہی بات تھی، یعنی مریم علیہا السلام کا اپنے شوہر یوسف سے حاملہ ہونا، تو کیونکر اس کے لیے جائز ہو سکتا تھا کہ وہ سب کچھ کہہ دے لیکن اس بارے میں کچھ نہ کہے؟ وہ اس فریق کا صاف صاف رد کر دے جو اس میں تفریط کر رہا ہے مگر اس کا رد نہ کرے جو افراط کا مرتکب ہو رہا ہے؟ اور پھر اصل حقیقت پر اسی طرح پردہ پڑا رہنے دے جس طرح پہلے سے پڑا ہوا تھا اور اپنا یہ وصف یک قلم بھول جائے کہ وہ تمام پچھلے اختلافات کے لیے حکم اور تمام ظنون و شکوک کے لیے علم و حقیقت کا اعلان ہے؟

یہودیوں اور عیسائیوں کی نزاع صرف اسی باب میں نہیں ہوئی بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ساری باتوں میں ہوئی - دونوں نے تفریط و افراط کی دو انتہائی جہتیں اختیار کر لی تھیں - یہودی انکار میں اتنے دور نکل گئے کہ انہیں شعبدہ باز اور فریبی سمجھ لیا - عیسائی اعتقاد میں اتنے دور نکل گئے کہ انہیں خدا بنا لیا - قرآن دونوں کا رد کرتا ہے اور کہتا ہے دونوں افراط و تفریط میں کھو گئے - پھر اگر پیدائش مسیح (علیہ السلام) کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا تو کیا ضروری نہ تھا کہ جس طرح اس بارے میں دونوں کا رد کیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ دونوں حقیقت سے محروم ہیں اسی طرح پیدائش کے بارے میں بھی یکساں طور پر دونوں کا رد کر دیتا اور صاف صاف بتلا دیتا کہ حقیقت سے دونوں محروم ہیں؟

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ عیسائیوں نے الوہیت کے اعتقاد کے لیے جو سہارے ڈھونڈے تھے ان میں سب سے بڑا سہارا اسی پیدائش

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اچنبھے کا تھا- اسکندریہ کے فلسفہ آمیز اصنامی تخیل سیراپیز (Serapis) سے تثلیثی وحدت کی اصل لی گئی اور ایزیز (Isis) کی جگہ حضرت مریم علیہا السلام کو، اور ہورس (Horus) کی حضرت مسیح علیہ السلام کو دی گئی- پس اگر قرآن کے نزدیک یہ اعتقاد بے اصل ہوتا تو وہ الوہیت دانہیّت کا رد کرتے ہوئے سب سے پہلی ضرب اسی سہارے پر لگاتا- کیونکہ اس کے گرنے کے بعد اصنامی مسیحیت کی ساری عمارت خود بخود گر جاتی- لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے ایسا نہیں کیا- وہ صرف ایک لفظ کہہ کر کہ یوسف مسیح کا باپ تھا، سارا کارخانہ درہم برہم کر دے سکتا تھا، مگر وہ یہ نہیں کہنا چاہتا- وہ اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتا- اس کے بحث واحتجاج کا اسلوب ہر جگہ ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے اسے غیر معمولی پیدائش کے معاملہ سے تو انکار نہیں- لیکن وہ کہتا ہے اس سے یہ کیسے لازم آ گیا کہ ایک بندہ، خدایا خدا کا بیٹا ہو جائے؟ ایک انسان جو تمام انسانوں کی طرح انسان تھا اور اپنی پیدائش کے لیے ماں کے پیٹ کا محتاج، بہر حال انسان ہی ہوگا- خدایا خدا کا بیٹا کیوں مانا جائے؟

جو لوگ قرآن کو غیر معمولی پیدائش کا منکر ثابت کرنا چاہتے ہیں، انہوں نے اپنی توجیہات کی ساری بنیاد اس مقدمہ پر رکھی ہے کہ رخصتی سے پہلے یوسف اور مریم علیہما السلام میں زوجیت کا تعلق قائم ہو گیا تھا اور یہ اگرچہ شریعت موسوی کے خلاف نہ تھا لیکن وقت کے رواج کے خلاف ضرور تھا- اسی لیے لوگوں پر بچہ کی پیدائش گراں گزری- وہ اسے ناجائز حمل کا نتیجہ قرار دینے لگے- لیکن اول تو یہ محض ایک ظنی بنیاد ہے جس کے لیے تاریخی قرائن کا کوئی سہارا موجود نہیں، ثانیاً خود یہودیوں کی قدیم روایات بالکل اس کے خلاف جا رہی ہیں- انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو متہم کرتے ہوئے یوسف کا نام نہیں لیا تھا بلکہ پنتھرا ٹالی کی طرف اشارہ کرتے تھے-[1]

بہر حال قرآن کو اس بارے میں منکر قرار دینا، شرح وتفسیر کا ایک ایسا اقدام ہے جس پر کسی طرح ایک دیانت دار شارح کا ضمیر مطمئن نہیں ہو سکتا-

ہمیں قرآن کا مطالعہ نہ تو اس طرح کرنا چاہیے کہ اسے عجائب پرستیوں کی داستان بنانے کے خواہشمند ہوں- نہ عجائب پرستی کے الزام سے بچنے کے لیے اس درجہ مضطرب ہونا چاہیے کہ ہر بے محل سے بے محل توجیہ قبول کر لیں- قرآن عربی زبان کی ایک کتاب ہے اور دنیا کی تمام زبانوں کی طرح عربی الفاظ وتراکیب کے بھی ڈھلے ہوئے سانچے ہیں اور اسلوب بیان کے معین اور قطعی دلالات- پس چاہیے کہ علم و دیانت کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں اور جو مطلب صاف صاف نکل رہا ہو اسے بغیر کسی جھجک کے قبول کر لیں- اگر ہم نے بہ تکلف ایک بات اس کے منہ میں رکھ دی جسے خود اس کی زبان قبول نہیں کر رہی تو گو ہم نے اپنے خیال میں ایک بات بنالی ہو مگر فی الحقیقت بننے والی نہیں- یہاں علم وحقیقت کی بے لاگ عدالت موجود ہے- وہ ہر بناوٹ کو اصلیت سے جدا کر لے گی؟

باقی رہا یہ سوال کہ یہ اور اس طرح کے دوسرے معاملات کیونکر عقلاً تسلیم کیے جا سکتے ہیں؟ تو یہ ایک اصولی مبحث ہے اور اس کا محل ترجمان القرآن نہیں، مقدمہ تفسیر ہے-

❋ ❋ ❋

---

[1] Encyclopaedia Biblica

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰیاتُھَا: 135 سُوْرَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھَا: 8

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طٰہٰ ① مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ② اِلَّا تَذْکِرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی ③ تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ④ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ⑤ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَھُمَا وَ مَا تَحْتَ الثَّرٰی ⑥ وَ اِنْ تَجْھَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّہٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفَی ⑦ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ⑧ وَ ھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ⑨ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَھْلِہِ وقف لازم

طاہا (یعنی اے شخص مخاطب[1]!) (۱) ہم نے تجھ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ رنج ومحنت میں پڑ- (۲) وہ تو اس لیے نازل ہوا ہے کہ جو دل (انکار و بدعملی کے نتائج سے) ڈرنے والا ہے اس کے لیے نصیحت ہو- (جو ڈرنے والے نہیں وہ کبھی اس کی صداؤں پر کان نہیں دھریں گے)- (۳) یہ اس ہستی کا اتارا ہوا ہے جس نے زمین پیدا کی اور بلندی کے آسمان- (۴) الرحمان کہ (جہانداری کے) تخت پر متمکن ہے! (۵) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، اور جو کچھ مٹی کے نیچے ہے (یعنی زمین کے نیچے ہے) سب اسی کا ہے اور اسی کے لیے ہے! (۶)

اور اگر تم پکار کے بات کہو (تو اس کی سماعت اس کی محتاج نہیں) کیونکہ وہ بھیدوں کا جاننے والا ہے- زیادہ سے زیادہ چھپے بھیدوں کو بھی! (۷) وہی اللہ ہے- کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف وہی- اس کے لیے حسن وخوبی کے نام ہیں- (۸) اور (اے پیغمبر!) کیا موسیٰ کی حکایت تو نے سنی؟ (۹) جب اس نے (دور سے) آگ دیکھی تو اپنے گھر کے لوگوں سے

(۱) بالاتفاق یہ سورت سورۂ مریم کے بعد نازل ہوئی ہے اور مکی عہد کی وسطی تنزیلات میں سے ہے-

یہ زمانہ تاریخ دعوت کا سب سے زیادہ پرآشوب زمانہ تھا- انکار وجحود کا ہر طرف سے ہجوم تھا اور قبولیت کی رفتار بہت ہی دھیمی اور محدود تھی- قدرتی طور پر یہ صورت حال پیغمبر اسلام ﷺ پر گراں گزرتی تھی- جو دل تمام نوع انسانی کی ہدایت کے لیے پھنک رہا تھا وہ اپنے قریبی ابنائے وطن کو بھی قبولیت کے لیے آمادہ نہ پاتا تھا- کون ہے جو اس غم واضطراب کا اندازہ کر سکتا ہے جس کی مقدس آگ آپ کے قلب مبارک میں سلگ رہی ہوگی؟

یہی وجہ ہے کہ اس عہد کی تمام تنزیلات تسکین وتشفی کی روح سے معمور ہیں اور یہی روح اس سورت میں بھی بول رہی ہے- خطاب براہ راست آپ سے ہے اور بالواسطہ آپ کے ساتھیوں سے-

فرمایا- قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا ہے کہ تم اپنے کو رنج ومحنت میں ڈالو- وہ تو نصیحت کی بات ہے- جو مستعد ہیں قبول کریں گے-

[1] عربی میں "طاھا" ایک کلمہ ندا ہے- کسی کو مخاطب کرنا ہو تو پکارتے ہیں "طاہا" یعنی اے شخص! چنانچہ ابن جریر نے اس شعر سے استشہاد کیا ہے!

دعوت بطاھا فی القتال فلم یجب فخفت علیہ ان یکون موائلا

کلبی اور قطرب اس طرف گئے ہیں کہ یہ قبائل عکل، عک اور طے کی زبان میں بولا جاتا ہے، اور ابن الانباری نے تصریح کی ہے کہ لغۃ قریش وافقت تلک اللغۃ فی ھذا المعنی- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور اکثر ائمہ تابعین سے بھی ایسا ہی منقول ہے (ابن جریر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ⑩ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ
يٰمُوْسٰٓى ⑪ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ⑫ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ
لِمَا يُوْحٰٓى ⑬ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ⑭ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ
اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ⑮ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ
فَتَرْدٰى ⑯ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ⑰ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ

کہا ''ٹھہرو۔ مجھے آگ دکھائی دی ہے۔ میں جاتا ہوں۔ ممکن ہے تمہارے لیے ایک انگارا لے آؤں یا (کم از کم) الاؤ پر کوئی راہ دکھانے والا ہی مل جائے۔'' (۱۰) پھر جب وہ وہاں پہنچا تو اس وقت پکارا گیا (ایک آواز اٹھی کہ) ''اے موسیٰ! (۱۱) میں ہوں تیرا پروردگار! پس اپنی جوتی اتار دے۔ تو طویٰ کی مقدس وادی میں کھڑا ہے۔ اور دیکھ! (۱۲) میں نے تجھے (اپنی رسالت کے لیے) چن لیا ہے۔ پس جو کچھ وحی کی جاتی ہے اسے کان لگا کر سن۔ (۱۳) میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس میری ہی بندگی کر اور میری ہی یاد کے لیے نماز قائم کر۔ (۱۴) بلاشبہ (مقررہ) وقت آنے والا ہے۔ میں اسے پوشیدہ رکھنے کو ہوں۔ تاکہ (لوگوں کے یقین وعمل کی آزمائش ہو جائے اور) جس شخص کی جیسی کچھ کوشش ہو، اسی کے مطابق بدلہ پائے'' ۔(۱۵)

''پس دیکھ! ایسا نہ ہو کہ جو لوگ اس وقت کے ظہور پر یقین نہ رکھتے ہوں اور اپنی خواہش کے بندے ہوں، وہ تجھے بھی (قدم بڑھانے سے) روک دیں اور نتیجہ یہ نکلے کہ تو تباہ ہو جائے!'' ۔(۱۶)

''اور (صدائے غیبی نے پوچھا:) اے موسیٰ! تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟'' (۱۷)

عرض کیا ''میری لاٹھی ہے۔ چلنے میں اس کا سہارا لیتا ہوں۔ اسی سے اپنی بکریوں کے لیے درختوں کے پتے جھاڑ لیتا

جنہوں نے استعداد دکھودی وہ سننے والے نہیں۔ اور نتیجہ کا ظہور اپنے وقت پر ہوگا۔

(۲) آیت (۹) میں فرمایا۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت پر تم نے غور نہیں کیا؟ ان کی پوری سرگزشت کس طرح اس حقیقت کی مجسم شہادت ہے! پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ابتدائی زندگی کا وہ واقعہ بیان کیا ہے جب وہ مدین کی بستی میں مقیم تھے اور اپنے خسر کا گلہ چرایا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں ان کا گزر سینا کے قرب وجوار میں ہوا اور وہیں یہ معاملہ پیش آیا۔ تورات میں اس جگہ کو ''حورب'' کہا ہے۔ یہ سینا کا مشرقی گوشہ تھا۔

تورات میں ہے کہ انہوں نے درخت میں آگ دیکھی اور متعجب ہو کر قریب گئے (خروج ۳:۳) لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے محض رفع تعجب کے لیے نہیں گئے تھے بلکہ آگ کی جستجو میں تھے۔ سورۂ نمل کی آیت (۷) سے مزید وضاحت ہو گئی ہے۔ وہ مع اہل وعیال کے بیابان میں تھے۔ رات ٹھنڈی تھی اور سوچ رہے تھے کہیں سے آگ مل جائے تو تاپنے کے لیے الاؤ جلائیں۔ اتنے میں دور پر ایک روشنی آگ کی طرح نظر آئی۔ یہ سمجھے وہ آگ ہے۔ لیکن جب قریب پہنچے تو کارفرمائے قدرت نے پکارا۔ اے موسیٰ! تو اس آگ کی چنگاری لے کر کیا کرے گا؟ تیرے ہاتھوں ایک دوسری ہی آگ روشن ہونے والی ہے! ﴿انا اخترتك فاستمع لما يوحى﴾:

بال بکشاؤ صفیر از شجر طوبیٰ زن! حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسے!

(۳) جوتی اتار دینے کا حکم اس لیے ہوا کہ تعظیم کی جگہ ننگے پاؤں ہو جانا قدیم اور عام رسم تھی۔ چنانچہ بابل اور مصر میں بادشاہ کے حضور برہنہ پا ہو کر آتے تھے۔ تورات میں بھی اس حکم کا ذکر ہے۔ (خروج ۳:۶)

(۴) آیت (۱۵) میں ''الساعة'' سے مقصود روز قیامت نہیں ہے جیسا کہ مفسروں نے سمجھا ہے بلکہ وہ وقت ہے جو بنی اسرائیل کی نجات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ﴿١٨﴾ قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ ﴿١٩﴾ فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ ﴿٢٠﴾ قَالَ
خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۖ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ
بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ﴿٢٣﴾ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ
طَغَىٰ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي ﴿٢٧﴾ ع ۱۴
يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾ وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي ﴿٢٩﴾ هَارُونَ أَخِي ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ﴿٣١﴾
وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ﴿٣٢﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ﴿٣٣﴾ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ﴿٣٤﴾ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿٣٥﴾

ہوں- میرے لیے اس میں اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں''[1] (۱۸)

حکم ہوا''اے موسیٰ! اسے ڈال دے''-(۱۹)

موسیٰ نے ڈال دیا اور کیا دیکھتا ہے' ایک سانپ ہے جو دوڑ رہا ہے!(۲۰) حکم ہوا''اسے اب پکڑ لے- خوف نہ کھا- ہم اسے پھر اس کی اصلی حالت پر کیے دیتے ہیں''-(۲۱)

اور (نیز حکم ہوا)''اپنا ہاتھ اپنے پہلو میں رکھ اور پھر نکال- بغیر اس کے کہ کسی طرح کا عیب ہو، چمکتا ہوا نکلے گا- یہ (تیرے لیے) دوسری نشانی ہوئی (۲۲) (اور یہ دونوں نشانیاں) اس لیے (دی گئی ہیں) کہ آیندہ تجھے اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں-''(۲۳) (نیز حکم ہوا)''اے موسیٰ! تو فرعون (یعنی بادشاہ مصر) کی طرف جا- وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے''-(۲۴)

موسیٰ نے عرض کیا''اے پروردگار! میرا سینہ کھول دے (کہ بڑے سے بڑا بوجھ اٹھانے کے لیے مستعد ہو جاؤں)-(۲۵) میرا کام میرے لیے آسان کر دے (کہ راہ کی کوئی دشواری بھی غالب نہ آ سکے)-(۲۶) میری زبان کی گرہ کھول دے کہ (خطاب وکلام میں پوری طرح رواں ہو جائے' (۲۷) اور) میری بات لوگوں کے دلوں میں اتر جائے-(۲۸) نیز میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے-(۲۹-۳۰) اس کی وجہ سے میری قوت مضبوط ہو جائے-(۳۱) وہ میرے کام میں میرا شریک ہو-(۳۲) ہم (دونوں یک دل ہو کر) تیری پاکی اور بڑائی کا بکثرت اعلان کریں-(۳۳) تیری یاد میں زیادہ سے زیادہ لگے رہیں-(۳۴) اور بلاشبہ تو ہمارا حال دیکھ رہا ہے''(ہم سے کسی حال میں غافل نہیں)-(۳۵)

اور فرعون کی شکست کے لیے ظہور میں آنے والا تھا- چنانچہ سیاق وسباق صاف اس کی شہادت دے رہا ہے-

(۵) مصر کی غلامی نے بنی اسرائیل کے اخلاق وعواطف بالکل پژمردہ کر دیے تھے- عزم وہمت کا کوئی ولولہ ان میں باقی نہیں رہا تھا- جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فتح واقبال کے آنے والے وقت کی بشارت سنائی تو اکثروں کو یقین نہیں آیا- چونکہ یہ بات علم الٰہی میں تھی اس لیے یہاں آیت (۱۶) میں پہلے سے خبردار کر دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو، ایسے لوگوں کی محرومیاں تمہیں بھی اقدام عمل سے روک دیں-

(۶) لاٹھی کے سانپ بننے' ہتھیلی کے چمک اٹھنے اور ہارون علیہ السلام کے وزیر وشریک ہونے کا ذکر تورات میں بھی ہے (خروج ۴) نیز یہ کہ خدا نے فرمایا''اب تو جا، میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں (خروج ۳:۱۰)''رب اشرح لی صدری'' کی تشریح سورۂ الم نشرح میں ملے گی-

[1] و لله در ما قال: لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم چنانچہ حرف عصا گفت موسیٰ اندر طور!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا
يُوْحٰٓى ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَ
عَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ
اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ ؕ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا
فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ
يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾ وَ اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَ لَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿۴۲﴾

ارشاد ہوا "اے موسیٰ! تیری درخواست منظور ہوئی (۳۶) اور (تجھے معلوم ہے) ہم تجھ پر پہلے بھی ایک مرتبہ کیسا احسان کر چکے ہیں؟ (۳۷) ہم تجھے بتاتے ہیں، اس وقت کیا ہوا تھا جب ہم نے تیری ماں کے دل میں بات ڈال دی تھی- (۳۸) ہم نے اسے سجھا تھا کہ بچے کو ایک صندوق میں ڈال دے اور صندوق کو دریا میں چھوڑ دے- دریا اسے کنارے پر ڈھکیل دے گا- پھر اسے وہ اٹھالے گا جو میرا (یعنی میری قوم کا) دشمن ہے- نیز اس بچہ کا بھی دشمن- اور (اے موسیٰ!) ہم نے اپنے فضل خاص سے تجھ پر محبت کا سایہ ڈال دیا تھا (کہ اجنبی بھی تجھ سے محبت کرنے لگے) اور یہ اس لیے تھا کہ ہم چاہتے تھے تو ہماری نگرانی میں پرورش پائے- (۳۹) تیری بہن جب وہاں سے گزری تو (یہ ہماری ہی کارفرمائی تھی کہ) اس نے (فرعون کی لڑکی سے) کہا: میں تمہیں ایسی عورت بتلادوں جو اسے پالے پوسے؟ اور اس طرح ہم نے تجھے پھر تیری ماں کی گود میں لوٹا دیا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور (بچے کی جدائی سے) غمگین نہ ہو- پھر دیکھ! ایسا ہوا کہ تو نے (مصر میں) ایک آدمی مار ڈالا- ہم نے تجھے اس معاملہ کے غم سے نجات دی اور تجھے ہر طرح کی حالتوں میں ڈال کر آزمایا- پھر تو کئی برس تک مدین کے لوگوں میں رہا- بالآخر (وہ وقت آ گیا) کہ اے موسیٰ! تو (مقررہ) اندازہ پر پورا اتر آیا"- (۴۰)

"اور (دیکھ اس طرح) میں نے تجھے اپنے لیے (یعنی اپنے خاص کام کے لیے) بنایا اور تیار کیا ہے- (۴۱) اب تو اور تیرا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جائیں اور میری یاد میں کوتاہی نہ کریں"- (۴۲)

(۷) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی پیدائش کا واقعہ اس لیے یاد دلایا گیا کہ انہیں معلوم ہو جائے مشیت الٰہی کا ہاتھ اول دن سے انہیں چن چکا ہے اور ایسے عجیب و غریب حالات میں ان کی پرورش ہوئی ہے جو بغیر قدرت کی کرشمہ سازیوں کے ظہور میں نہیں آ سکتے- پھر ان کا مصر سے نکلنے پر مجبور ہونا اور مدین کے بیابانوں میں صحرا کی زندگی بسر کرنا اسی لیے تھا کہ پیش آنے والے معاملہ کے لیے ان ساری باتوں کی ضرورت تھی- جب یہ سب کچھ ہو چکا اور شخصیت تیار ہو گئی تو پردۂ غیب چاک ہوا اور ندائے حق نے نمودار ہو کر کام پر لگا دیا- چنانچہ اسی لیے فرمایا ﴿ وفتناك فتونا ﴾ ہم نے تجھے ہر طرح کی حالتوں میں ڈال کر آزمایا- ﴿ ثم جئت على قدر يا موسىٰ ﴾ (۴۰) پھر بالآخر تم اس اندازہ پر ٹھیک اتر آئے جو تمہاری تکمیل کے لیے ٹھہرا دیا گیا تھا-

اس کے بعد فرمایا: ﴿ واصطنعتك لنفسي ﴾ میں نے تجھے اپنے لیے بنایا اور تیار کیا- "اپنے لیے" یعنی اپنے کام کے لیے- کائنات کی ہر چیز اللہ ہی کے لیے بنتی ہے لیکن جن انسانوں کا ظہور اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی سچائی اور عدالت کے قیام کا ذریعہ ہوں انہیں وہ خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور یہ وحی کی عام اصطلاح ہے- گویا قدرت انہیں اس لیے بناتی ہے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا
نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ
اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۬ وَ لَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ
وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿۴۸﴾
قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ

''ہاں تم دونوں (یعنی موسیٰ اور ہارون) کیونکہ اب دونوں اکٹھے ہو گئے تھے اور مصر کے قریب وحی الٰہی نے انہیں دوبارہ مخاطب کیا تھا) فرعون کے پاس جاؤ- وہ سرکشی میں بہت بڑھ چلا ہے-(۴۳) پھر جب اس کے پاس پہنچو تو (سختی کے ساتھ پیش نہ آنا) نرمی سے بات کرنا (تمہیں کیا معلوم؟) ہوسکتا ہے کہ نصیحت پکڑ لے یا (عواقب سے) ڈر جائے''-(۴۴)

دونوں نے عرض کیا ''پروردگار! ہمیں اندیشہ ہے فرعون ہماری مخالفت میں جلدی نہ کرے یا سرکشی سے پیش آئے''-(۴۵)

ارشاد ہوا'' کچھ اندیشہ نہ کرو- میں تمہارے ساتھ ہوں- میں سب کچھ سنتا ہوں- سب کچھ دیکھتا ہوں!(۴۶) تم اس کے پاس (بے دھڑک) جاؤ اور کہو: ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے آئے ہیں- پس بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ رخصت کر دے اور ان پر سختی نہ کر- ہم تیرے پروردگار کی نشانی لے کر تیرے سامنے آ گئے- اس پر سلامتی ہو جو سیدھی راہ اختیار کرے-(۴۷) جو کوئی جھٹلائے اور سرتابی کرے تو ہم پر وحی اتر چکی اس کے لیے عذاب کا پیام ہے!''-(۴۸)

(چنانچہ وہ گئے اور) فرعون نے پوچھا ''اگر ایسا ہی ہے تو بتلاؤ تمہارا پروردگار کون ہے اے موسیٰ؟''-(۴۹)

موسیٰ نے کہا ''ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت بخشی- پھر اس پر (زندگی و عمل کی) راہ کھول دی''-(۵۰) فرعون نے کہا ''پھر ان کا کیا حال ہونا ہے-

---

اور کسی کام کے لیے نہ ہوں، صرف اسی ایک کام کے لیے پیدا ہوں' زندہ رہیں اور جان دے دیں!

(۸) آیت (۴۴) انبیاء کے طریق دعوت کی اصل الاصول ہے- تشریح اس کی پچھلی سورتوں میں گزر چکی-

یاد رہے جس فرعون کی طرف اب حضرت موسیٰ علیہ السلام جا رہے ہیں' یہ وہ نہیں ہے جس کے محل میں ان کی پرورش ہوئی تھی- وہ مر چکا تھا اور دوسرا فرعون تخت نشین ہو چکا تھا-

(۹) ادھر تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم ہوا اور مصر کی طرف چلے- ادھر مصر میں حضرت ہارون علیہ السلام کو اشارۂ غیبی ہوا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کی جستجو میں نکلیں- چنانچہ راہ میں دونوں کی ملاقات ہو گئی- اب چونکہ دونوں یک جا ہو چکے تھے اس لیے وحی الٰہی نے دوسری مرتبہ مخاطب کیا تو دونوں کو کیا- پس آیت (۴۳) میں ''اذھبا'' کا خطاب پہلے واقعہ سے تعلق نہیں رکھتا، بعد کا واقعہ ہے-

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تین چار لفظوں میں جو کچھ کہہ دیا کیا اس سے زیادہ دنیا کی کوئی زبان خدا کے بارے میں کچھ کہہ سکتی ہے؟ ''پروردگار وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کا وجود بخشا اور پھر اس کی زندگی و بقا کے لیے جن جن باتوں کی ضرورت تھی ان سب کی راہ انہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَ لَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِيْ جَعَلَ
لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ
اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَ ارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾ ع
مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾ وَ لَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا
فَكَذَّبَ وَ اَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ
بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَ لَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾

جو پچھلے زمانوں میں گزر چکے ہیں؟'' (یعنی انہیں تو تمہارے اس پروردگار کی خبر بھی نہ تھی)-(۵۱) موسیٰ نے کہا ''اس بات کا علم میرے پروردگار کے پاس نوشتہ میں ہے- میرا پروردگار ایسا نہیں کہ کھویا جائے یا بھول میں پڑ جائے''-(۵۲)

''وہ پروردگار جس نے تمہارے لیے زمین بچھونے کی طرح بچھا دی' نقل و حرکت کے لیے اس میں راہیں نکال دیں' آسمان سے پانی برسایا' اس کی آب پاشی سے ہر طرح کی نباتات کے جوڑے پیدا کر دیے-(۵۳) خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشی بھی چراؤ- اس بات میں عقل والوں کے لیے کیسی کھلی نشانیاں ہیں؟(۵۴) اس نے اسی زمین سے تمہیں پیدا کیا' اسی میں لوٹاتا ہے اور پھر اسی سے دوسری مرتبہ اٹھائے جاؤ گے''-(۵۵) اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے فرعون کو اپنی ساری نشانیاں دکھائیں مگر اس پر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کیا-(۵۶) اس نے کہا ''اے موسیٰ! کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال باہر کر دے؟(۵۷) اچھا ہم بھی اسی طرح کے جادو کا کرتب تجھے لا دکھائیں گے- ہمارے اور اپنے درمیان ایک دن (مقابلہ کا) مقرر کر دے- نہ تو ہم اس سے پھریں نہ تو- دونوں کی جگہ برابر ہوئی''[1](۵۸)

دکھا دی'' یعنی ایسا وجدان' ایسے حواس' ایسی معنوی قوتیں دیدیں جو ان کی رہنمائی کرتی ہیں: ﴿ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝ ﴾ (۸۰:۱۹) ﴿ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝ ﴾(۸۷: ۲) مزید تشریح کے لیے دیکھو تفسیر فاتحہ-

(۱۱) پھر ان کا کیا حال ہونا ہے جو پچھلے زمانوں میں گزر چکے ہیں؟''(۵۱) یعنی اگر پروردگار عالم وہی ہے جس کا تم نام لے رہے ہو تو یہ بات پہلوں نے کیوں نہ کہی؟ کیا وہ سب گمراہی میں پڑے؟ ''علمها عند ربی فی کتاب'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا ''مجھے کیا معلوم ان کا کیا حال تھا اور انہیں کیا پیش آئے گا؟ اور تمہیں اس کی فکر کیوں ہو؟ اس کا علم اللہ کے نوشتہ میں ہے- ہر فرد اور ہر گروہ اپنی حالت کے مطابق اپنا نتیجہ پائے گا- ہم اپنی فکر کریں- پچھلوں کی فکر میں کیوں پڑیں؟ ﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (۲:۱۳۴)

اس مکالمہ سے اندازہ کرو کہ انبیاء کا طریق موعظت مجادلہ و مناظرہ کے طریقہ سے کس درجہ مختلف ہے؟

---

[1] اصل میں ''مکانا سوی'' ہے- اس کا ترجمہ مفسروں نے ہموار جگہ کیا ہے' لیکن اسلوب کلام اس ترجمہ کے حق میں ہے جو ہم نے اختیار کیا ہے- قال سیبویہ: یقال سوی وسوی- ای عدل- یعنی عدلا بین المکانین- قال زهیر:

ارونا خطة لا ضیم فیها یستوی بیننا فیها السواء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ
لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾ فَتَنَازَعُوْٓا
اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا
وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾
قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ
يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ
الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾

موسیٰ نے کہا ''جشن کا دن تمہارے لیے مقرر ہوا- دن چڑھے لوگ اکٹھے ہو جائیں''-(۵۹)

پھر فرعون نے ان سے رخ پھیرا، اپنے تمام داؤ جمع کیے پھر (وقت مقررہ پر مقابلہ کے لیے) نمودار ہوا-(۶۰)

موسیٰ نے (میدان کی بھیڑ کو مخاطب کرتے ہوئے) کہا: ''افسوس تم پر! (تم کیا کر رہے ہو) دیکھو اللہ پر جھوٹی تہمت نہ لگاؤ- ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی عذاب بھیج کر تمہاری جڑ اکھاڑ دے- جس کسی نے جھوٹ بات بنائی وہ ضرور نامراد ہوا''-(۶۱)

(یہ سن کر) لوگ آپس میں ردو کد کرنے لگے اور پوشیدہ سرگوشیاں شروع ہو گئیں-(۶۲) پھر (درباری) بولے ''یہ دونوں بھائی ضرور جادوگر ہیں- یہ چاہتے ہیں اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کریں اور پھر تمہاری شرف و عظمت کے مالک ہو جائیں-(۶۳) پس اپنے سارے داؤ جمع کرو، اور پرا باندھ کر ڈٹ جاؤ- جو آج بازی لے گیا وہی کامیاب ہوگا''-(۶۴)

جادوگروں نے کہا ''اے موسیٰ! یا تو تم پہلے اپنی لاٹھی پھینکو یا پھر ہماری ہی طرف سے پہل ہو''-(۶۵)

موسیٰ نے کہا ''نہیں تم ہی پہلے پھینکو''- چنانچہ (انہوں نے اپنا کرتب دکھایا اور) اچانک موسیٰ کو ان کے جادو کی وجہ سے ایسا دکھائی دیا کہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں (سانپ کی طرح) دوڑ رہی ہیں!(۶۶)

موسیٰ نے اپنے اندر ہراس محسوس کیا (کہ اس منظر سے لوگ متاثر نہ ہو جائیں)(۶۷) ہم نے کہا ''اندیشہ نہ کر- تو ہی غالب رہے گا-(۶۸) تیرے داہنے ہاتھ میں جو لاٹھی ہے فوراً پھینک- وہ جادوگروں کی تمام بناوٹیں نگل جائے گی- انہوں نے جو کچھ بنایا ہے محض جادوگروں کا فریب ہے، اور جادوگر کسی راہ سے آئے کبھی کامیابی نہیں پا سکتا''-(۶۹)

---

(۱۲) ''یخیل الیه من سحرهم''(۶۶) یعنی جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ نہیں بن گئی تھیں بلکہ ان کی شعبدہ گری کی وجہ سے دیکھنے والا خیال کرنے لگتا سانپ کی طرح کر رہی ہیں- چنانچہ آگے چل کر کہا: ﴿ انما صنعوا کید ساحر' ولا یفلح الساحر حیث اتی ﴾ یہ جادوگروں کا فریب نظر ہے اور جادوگر کیسا ہی تماشہ دکھائے، حقیقت کی طرح کامیاب نہیں ہو سکتا- سورۂ اعراف میں اس واقعہ کی تشریحات گزر چکی ہیں اور آئندہ سورتوں میں مزید تشریحات ملیں گی-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هٰرُونَ وَمُوسَىٰ ﴿٧٠﴾ قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۖ فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ ۖ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ ﴿٧١﴾ قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا ۖ فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ ۖ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٧٢﴾ إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۗ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿٧٣﴾ إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ ۖ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ﴿٧٤﴾ وَمَن يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ﴿٧٥﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي

الطلقة

چنانچہ (ایسا ہی نتیجہ نکلا) تمام جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور پکار اٹھے "ہم ہارون اور موسیٰ کے خدا پر ایمان لائے!" - (۷۰)

فرعون نے کہا "تم بغیر میرے حکم کے موسیٰ پر ایمان لے آئے؟ ضرور یہ تمہارا سردار ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے - اچھا دیکھو میں کیا کرتا ہوں - میں تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹواؤں گا اور کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا[1] پھر تمہیں پتہ چلے گا ہم دونوں میں کون سخت عذاب دینے والا ہے اور کس کا عذاب دیرپا ہے!" - (۷۱)

انہوں نے کہا "ہم یہ کبھی نہیں کر سکتے کہ (سچائی کی) جو روشن دلیلیں ہمارے سامنے آ گئی ہیں اور جس خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے اس سے منہ موڑ کر تیرا حکم مان لیں - تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر گزر - تو زیادہ سے زیادہ جو کر سکتا ہے وہ یہی ہے کہ دنیا کی اس زندگی کا فیصلہ کر دے - (اس سے زیادہ تیرے اختیار میں کچھ نہیں) (۷۲) ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے کہ ہماری خطائیں بخش دے - خصوصاً جادوگری کی خطا جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا - (ہمارے لیے) اللہ ہی بہتر ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے!" - (۷۳) کچھ شک نہیں جو شخص اپنے پروردگار کے حضور مجرم ہو کر حاضر ہوگا تو یقیناً اس کے لیے دوزخ ہوگی - نہ تو اس میں مرے گا، نہ زندہ رہے گا - (دونوں حالتوں کے درمیان سسکتا رہے گا!) (۷۴) اور جو کوئی اس کے حضور مومن ہو کر حاضر ہوگا اور اس کے کام بھی اچھے رہے ہوں گے تو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لیے بڑے بڑے درجے ہوں گے - (۷۵) ہمیشگی کے گلزار جن کے تلے نہریں رواں ہیں! وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے - یہ ہے اس کا بدلہ جو (زندگی میں)

(۱۳) سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے کہ شکست کھانے کے بعد فرعون نے جادوگروں سے کہا - یہ تمہاری ملی بھگت ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو جتا دیا (۷:۱۲۳) یہاں اس کے قول کا دوسرا حصہ نقل کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے موسیٰ (علیہ السلام) تمہارا سردار ہے - تم جادو میں اس کے شاگرد ہو - اسی لیے اس کے آگے گر پڑے - مقصود اس سے یہ تھا کہ عوام پر حقیقت حال مشتبہ کر دے اور شکست کی ذلت چھپائے -

(۱۴) جادوگروں کا مقولہ آیت (۷۳) پر ختم ہو گیا - اس کے بعد کی تین آیتوں میں ان کے ایمان باللہ اور امید مغفرت و رضوان کی

[1] جس طرح اردو میں کہتے ہیں: تمہاری لاش درخت پر لٹکائی جائے گی اسی طرح عربی محاورہ ہے کہ کھجور کے تنا پر سولی دی جائے گی - کیونکہ وہاں زیادہ تر درخت کھجور ہی کے ہوتے ہیں - سوید بن ابی کاہل کہتا ہے:

و هم صلبوا العبدی فی جذع نخلة فلا عطست شیبان الا باجدعا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾ وَ لَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ
فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ
فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَ اَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَ مَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ
مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ
مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ لَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَ مَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَ اِنِّيْ لَغَفَّارٌ
لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ وَ مَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ

ع ۴ ۱۲

ہر طرح کی آلودگیوں سے) پاک رہا! (۷۶)

اور (پھر دیکھو) ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی تھی کہ (اب) میرے بندوں کو راتوں رات (مصر سے) نکال لے جا- پھر سمندر میں ان کے گزرنے کے لیے خشکی کی راہ نکال لے- نہ تو تعاقب کرنے والوں سے اندیشہ ہوگا نہ اور کسی طرح کا خطرہ- (۷۷)

پھر (جب موسیٰ اپنی قوم کو لے کر نکل گیا' تو) فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ اس کا پیچھا کیا، پس پانی کا ریلا جیسا کچھ ان پر چھانے والا تھا چھا گیا (یعنی جو کچھ ان پر گزرنی تھی گزر گئی) (۷۸) اور فرعون نے اپنی قوم پر راہ (نجات) گم کر دی- انہیں سیدھی راہ نہیں دکھائی! (۷۹)

اے بنی اسرائیل! میں نے تمہارے دشمن سے تمہیں نجات بخشی- تم سے (برکتوں اور کامرانیوں کا) وعدہ کیا جو کوہ طور کے داہنی جانب ظہور میں آیا تھا- تمہارے لیے (صحرائے سینا میں) ''من'' اور ''سلویٰ'' مہیا کر دیا- (۸۰) تمہیں کہا گیا یہ پاک غذا مہیا کر دی گئی ہے- شوق سے کھاؤ مگر اس بارے میں سرکشی نہ کرو- کرو گے تو میرا غضب نازل ہو جائے گا اور جس پر میرا غضب نازل ہوا تو بس وہ (ہلاکت میں) گرا! (۸۱)

اور (میں نے کہا) جو کوئی توبہ کرے' ایمان لائے' نیک عمل ہو' تو میں یقیناً اس کے لیے بڑا ہی بخشنے والا ہوں! (۸۲)

اور (جب موسیٰ طور پر حاضر ہوا تو ہم نے پوچھا:) ''اے موسیٰ! کس بات نے تجھے جلدی پر ابھارا اور تو قوم کو پیچھے چھوڑ کر چلا آیا؟'' (۸۳)

تصدیق کی ہے اور واضح کیا ہے کہ عذاب اخروی انہی کے لیے ہے جو زندگی میں مجرم رہے- جو ایمان لے آئے اور نیک عملی اختیار کر لی تو ان کے لیے درجوں کی بلندی اور روحانی زندگی کی کامرانیاں ہوں گی-

اس میں اشارہ ہے کہ سحرۂ فرعون کا اللہ کے حضور بڑا درجہ ہوا- کیونکہ انہوں نے قبولیت حق کی استعداد اور اس کی استقامت دونوں کا ثبوت دے دیا- ان کا کفر ساری زندگی کا کفر تھا اور ایمان صرف چند لمحوں کا ایمان لیکن چند لمحوں کے ایمان نے عمر بھر کا کفر محو کر دیا- ان کا دل صدیقوں کا دل اور ان کی صدا شہدائے حق کی صدا ہو گئی- مصری شہنشاہی کا سارا قہر و جلال ایک پل کے لیے بھی ان کی استقامت ایمانی پر غالب نہ آ سکا!

(۱۵) آیت (۷۷) اور (۷۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے معاملہ کا خلاصہ و ماحصل ہے- اس کے بعد ان حالات کی طرف اشارہ کیا ہے جو مصر سے خروج کے بعد دشت سینا میں پیش آئے تھے اور آیت (۸۳) سے سامری کا واقعہ شروع ہوتا ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَلٰٓى اَثَرِىْ وَ عَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ
السَّامِرِىُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا
حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ
مَّوْعِدِىْ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا
فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِىُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۟

موسیٰ نے عرض کیا ''وہ مجھ سے دور نہیں- میرے نقش قدم پر ہیں- اور اے پروردگار! میں نے تیرے حضور آنے میں جلدی کی کہ تو خوش ہو''-(۸۴) فرمایا ''مگر ہم نے تیرے پیچھے تیری قوم کی (استقامت کی) آزمائش کی اور سامری نے اسے گمراہ کر دیا ہے''-(۸۵) پس موسیٰ خشم ناک اور افسوس کرتا ہوا قوم کی طرف لوٹا- اس نے کہا ''اے میری قوم کے لوگو! (یہ تم نے کیا کیا؟) کیا تم سے تمہارے پروردگار نے ایک بڑی بھلائی کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ پھر کیا ایسا ہوا کہ تم پر بڑی مدت گزر گئی (اور تم اسے یاد نہ رکھ سکے؟) یا یہ بات ہے کہ تم نے چاہا تمہارے پروردگار کا غضب تم پر نازل ہو اور اس لیے تم نے مجھ سے ٹھہرائی ہوئی بات توڑ ڈالی؟''(۸۶) انہوں نے کہا ''ہم نے خود اپنی خواہش سے عہد شکنی نہیں کی بلکہ (ایک دوسرا ہی معاملہ پیش آیا- مصری) قوم کی زیب و زینت کی چیزوں کا ہم پر بوجھ پڑا تھا (یعنی بھاری بھاری زیوروں کا جو مصر میں پہنے جاتے تھے- ہم اس بوجھ کے رکھنے کے خواہشمند نہ تھے) وہ ہم نے پھینک دیا'' (بس ہمارا اتنا ہی قصور ہے) چنانچہ اس طرح (جب سونا فراہم ہو گیا تو) سامری نے اسے (آگ میں) ڈالا (۸۷) اور ان کے لیے ایک (سنہرا) بچھڑا (بنا کر) نکال لایا- محض ایک بے جان دھڑ جس سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی! لوگ یہ دیکھ کر بول اٹھے: یہ ہے ہمارا معبود اور موسیٰ

پچھلی سورتوں میں گزر چکا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر معتکف ہونے کے لیے گئے تو قوم کو حضرت ہارون علیہ السلام کی نگرانی میں چھوڑ گئے تھے- ان کی عدم موجودگی میں سامری کا فتنہ ظہور میں آیا- یہاں آیت (۸۳) میں اسی طرف اشارہ کیا ہے- حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم کو پیچھے چھوڑ کر طور پر پہنچ گئے تو وحی الٰہی نے انہیں مخاطب کیا ''کس بات نے تجھے قوم کی طرف سے اس درجہ مطمئن کر دیا کہ فوراً انہیں چھوڑ کر چلا آیا؟'' حضرت موسیٰ علیہ السلام جو پیش آنے والے واقعہ سے بے خبر تھے بولے ''میں نے مقررہ وقت پر آنے میں جلدی کی کہ تو رضا مند ہو اور قوم میرے نقش قدم پر چل رہی ہے-'' فرمایا ''ہاں مگر قوم کا یہ حال ہے کہ اتنے ہی دنوں میں گمراہ ہو گئی''

(۱۶) آیت (۸۷) میں ''فقذفناها'' تک لوگوں کا جواب ہے اس کے بعد ''فذالك'' سے قرآن واقعہ کی تفصیل بیان کرتا ہے- یہ لوگوں کے جواب کا ٹکڑا نہیں- صرف اتنی سی بات پر غور نہ کرنے کی وجہ سے مفسروں اور مترجموں نے اس مقام کا پورا مطلب خبط کر دیا اور اسلوب کلام کی بھی ساری کل بگڑ گئی- اب ہم نے جس طرح ترجمہ کیا ہے اس پر غور کرو- مصری گردن اور سر پر سونے کے بھاری بھاری زیور

لہ جب لوگ آپس میں باتیں کرتے ہیں تو اردو محاورہ یہ ہے کہ کہتے ہیں ''ہمیں ایسا کرنا چاہیے'' اور ''ہمارا ایسا حال ہو رہا ہے'' لیکن عربی میں اس موقع پر ''ہم'' نہیں بلکہ ''تم'' کہیں گے- مثلاً ''آپس میں لوگوں نے کہا تمہیں ایسا کرنا چاہیے'' چنانچہ برادران یوسف (علیہ السلام) نے آپس میں مشورہ کرتے ہوئے کہا تھا ﴿ اقتلوا يوسف ﴾ اور ﴿ تكونوا من بعده قوماً صالحين ﴾(۹) آؤ یوسف کو مار ڈالیں- اس کے بعد ''ہماری'' ساری باتیں سدھر جائیں گی- اسی طرح اسی سورت کی آیت (۶۲) میں بھی اردو کے محل متکلم کی جگہ ضمیر خطاب جا بجا آ چکی ہے- یہاں بھی اصل میں ''الاهكم'' تھا- ہم نے وضاحت کے لیے اردو محاورہ کی رعایت کی اور ''ہمارا'' ترجمہ کیا- اتنی سی بات کی عدم وضاحت نے مترجموں کو بے شمار مشکلوں میں ڈال دیا ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾ أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ
مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَأَطِيْعُوْٓا أَمْرِيْ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ
عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾ أَلَّا تَتَّبِعَنِ ۖ
أَفَعَصَيْتَ أَمْرِيْ ﴿٩٣﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَأْسِيْ ۚ إِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ
إِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿٩٤﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ

کا بھی مگر وہ بھول میں پڑ گیا۔(۸۸)

(افسوس ان کی سمجھ پر!) کیا انہیں یہ (موٹی سی) بات بھی دکھائی نہ دی کہ بچھڑا (آواز تو نکالتا ہے مگر) ان کی بات کا جواب نہیں دے سکتا اور نہ انہیں فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان؟(۸۹)

اور ہارون نے اس سے پہلے انہیں (صاف صاف) جتا دیا تھا "بھائیو! یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمہاری (استقامت کی) آزمائش ہو رہی ہے۔ تمہارا پروردگار تو خدائے رحمان ہے۔ دیکھو! میری پیروی کرو اور میرے کہے سے باہر نہ ہو"(۹۰) مگر انہوں نے جواب دیا تھا "جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس نہ آ جائے ہم اس کی پرستش پر جمے ہی رہیں گے"۔(۹۱)

(بہر حال) موسیٰ نے (اب ہارون سے) کہا "اے ہارون! جب تو نے دیکھا یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں تو کیا بات ہوئی کہ انہیں روکا نہیں؟(۹۲) کیا تو نے پسند کیا کہ میرے حکم سے باہر ہو جائے؟"۔(۹۳)

ہارون بولا "اے میرے عزیز بھائی! میری ڈاڑھی اور سر کے بال نہ نوچ (میں نے اگر سختی میں کمی کی تو صرف اس خیال سے کہ) میں ڈرا کہیں تم یہ نہ کہو، تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے حکم کی راہ نہ دیکھی"۔(۹۴)

تب موسیٰ نے (سامری سے) کہا "سامری! یہ تیرا کیا حال ہوا؟"۔(۹۵)

کہا "میں نے وہ بات دیکھ لی تھی جو اوروں نے نہیں دیکھی۔ اس لیے (اللہ کے) رسول کی پیروی میں میں نے بھی کچھ

پہنتے تھے۔ یہودیوں نے بھی وہ اختیار کر لیے تھے اور جب نکلے تو پہنے ہوئے نکلے۔ انہی کو گلا کر سامری نے بچھڑا بنایا تھا۔ اب جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پرسش کی تو لوگوں نے اپنا بچاؤ یہ کہہ کر کرنا چاہا کہ ہمارا اور کچھ قصور نہیں۔ مصری زیوروں کا بڑا بوجھ ہمارے سروں پر پڑا تھا۔ ہم نے چاہا اسے پھینک دیں۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ سامری اس سے ایک عجیب و غریب چیز بنا کر ہمیں گمراہ کر دے گا۔

قرآن کہتا ہے۔ ہوا تھا ایسا ہی۔ انہوں نے اپنا سب زیور اتار دیا اور سامری نے اسے گلا کر بچھڑا بنا لیا۔

(۱۷) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا۔ تو دین حق سے کیوں پھر گیا؟ تو اس نے کہا۔ میں نے اللہ کے رسول کی (یعنی آپ کی) ایک حد تک پیروی کی۔ کیونکہ جو بات میری قوم کے دوسرے آدمی نہ پا سکے تھے میں نے پالی تھی۔ مگر پھر میں نے آپ کا طریقہ چھوڑ دیا۔ میری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ
اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۚ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ
ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾ كَذٰلِكَ
نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ مَّنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ
الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ

حصہ لیا تھا، پھر چھوڑ دیا۔ (کیا کہوں) میرے جی نے ایسی ہی بات مجھے سجھائی"۔ (۹۶)
موسیٰ نے کہا "اگر ایسا ہے تو پھر جا۔ زندگی میں تیری لیے یہ ہونا ہے کہ کہے، میں اچھوت ہوں۔ اور (آخرت میں عذاب کا) ایک وعدہ ہے جو کبھی ٹلنے والا نہیں۔ اور دیکھ تیرے (گھڑے ہوئے) معبود کا اب کیا حال ہوتا ہے جس کی پوجا پر جم کر بیٹھ رہا تھا۔ ہم اسے جلا کر راکھ کر دیں گے اور راکھ سمندر میں اڑا کر بہا دیں گے۔ (۹۷) معبود تو تمہارا بس اللہ ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں۔ وہی ہے جو ہر چیز پر اپنے علم سے چھایا ہوا ہے!"۔ (۹۸)
(اے پیغمبرؐ!) اس طرح ہم گزری ہوئی سرگزشتوں میں سے (خاص خاص واقعات کی) خبریں تجھے سناتے ہیں۔ اور بلاشبہ ہم نے اپنے پاس سے تجھے ایک سرمایہ نصیحت عطا فرما دیا ہے (یعنی قرآن) (۹۹) تو جس کسی نے اس سے رخ پھیرا، یقیناً وہ قیامت کے دن ایک (بہت بڑے جرم کا) بوجھ اٹھائے ہوگا۔ (۱۰۰) اور ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا۔ کیا ہی برا بوجھ ہے جو یہ قیامت کے دن اپنے اوپر لادے ہوں گے! (۱۰۱)
وہ دن کہ نرسنگھا پھونکا جائے گا ہم مجرموں کو جمع کریں گے اور ان کی آنکھیں مارے دہشت کے بے نور ہوں گی۔ (۱۰۲) وہ آپس میں چپکے چپکے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے "ہم (اس حالت میں یعنی پہلی اور دوسری زندگی کی درمیانی حالت میں) ہفتہ عشرہ سے زیادہ کیا رہے ہوں گے؟"۔ (۱۰۳) یہ (اس دن) جیسی جیسی باتیں کریں گے ہم اس سے

طبیعت کے بے اختیارانہ ولولے نے مجھے اس کے لیے مجبور کر دیا تھا۔ کیونکہ میرا آبائی طریق عبادت یہی ہے۔
اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے جماعت سے باہر کر دیا اور حکم دیا کوئی اس سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھے۔ "ان تقول لا مساس" (۹۷) کا مطلب ہے کہ لوگ تجھ سے اس درجہ نفرت کرنے لگیں گے کہ تیری چھوت سے بھاگیں گے۔ تو "لا مساس" یعنی اچھوت ہو جائے گا۔ کہتا پھرے گا مجھے کوئی نہ چھوئے۔
(۱۸) آیت (۹۸) پر سرگزشت ختم ہو گئی ہے اور اس کے بعد سلسلہ بیان منکرین دعوت کی طرف متوجہ ہو گیا ہے۔ فرمایا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہدایت وحی اتری تھی اسی طرح ہم نے تجھے بھی ایک سرمایہ نصیحت یعنی قرآن عطا فرمایا ہے اور اس کے منکروں کے لیے بھی وہی ہونا ہے جو پہلے ہو چکا ہے۔
(۱۹) لوگوں کو اکٹھا کرنے کا پرانا دستور یہ چلا آتا ہے کہ نرسنگھا پھونکا کرتے ہیں۔ آشوریوں، مصریوں، ہندوستانیوں، ایرانیوں، چینیوں سب میں یہ طریقہ پایا گیا ہے اسی لیے نرسنگھا پھونکنے کا مطلب یہ ہو گیا کہ جمع ہونے کی پکار بلند ہوئی۔ تورات اور انجیل کی یہ عام اصطلاح

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾
فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّ لَاۤ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَ
خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ
وَ رَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَ عَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ
الْقَيُّوْمِ ؕ وَ قَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا

بے خبر نہیں- ان میں جو سب سے بہتر سراغ پر ہوگا وہ بول اٹھے گا "نہیں ہم بہت رہے ہوں گے تو بس ایک دن" (اس سے زیادہ یہ مدت نہیں ہوسکتی)-(۱۰۴)

اور یہ پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں (کہ ان کا حال کیا ہوگا) تو کہہ دے "میرا پروردگار (ریزہ ریزہ کرکے) بالکل اڑا دے گا-(۱۰۵) پھر انہیں ایسا کر دے گا جیسے صاف ہموار میدان ہو جائے-(۱۰۶) کہیں تم کجی نہ پاؤ اور نہ اونچ نیچ-(۱۰۷)

اس دن سب پکارنے والے کے پیچھے ہولیں گے- اس سے منحرف نہ ہوسکیں گے- اور خدائے رحمان کے جلال کے آگے سب کی آوازیں خاموش[1] ہو جائیں گی- اس سناٹے میں کوئی آواز سنائی نہیں دے گی مگر صرف قدموں کی آہٹ[2]!(۱۰۸)

اس دن سفارشیں کچھ کام نہ دیں گی- مگر ہاں جس کو خدائے رحمان اجازت دے اور اس کا زبان کھولنا پسند فرمائے!(۱۰۹) جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا سب کا وہ علم رکھتا ہے- مگر انسان اپنے علم سے اس پر چھا نہیں سکتا!(۱۱۰) اس حی و قیوم کے آگے سب کے سر جھک گئے- جس نے ظلم کا بوجھ لادلیا تھا، دیکھو وہ نامراد ہوا!(۱۱۱)

اور (ہاں) جس کے عمل اچھے ہوئے اور وہ مومن بھی ہے تو اس کے لیے کوئی اندیشہ نہ ہوگا- نہ تو ناانصافی

ہے اور قرآن نے بھی جابجا "نفخ فی الصور" کی ترکیب استعمال کی ہے-

(۲۰) آیت (۱۰۳) کا وہی مطلب ہے جو پچھلی سورتوں میں گزر چکا ہے- آدمی سو کر اٹھتا ہے تو نہیں جانتا کتنی دیر سویا- یہی حال دوسری زندگی میں ہوگا- انسان اپنی پچھلی زندگی یاد کرے گا تو ایسا معلوم ہوگا جیسے چند دن پہلے کی بات ہو- ایک کہے گا ہفتہ عشرہ کی بات ہے- دوسرا جو اندازہ لگانے میں زیادہ تیز ہوگا، کہے گا: نہیں صرف ایک دن کی بات! دوسری جگہ اس سے بھی کم اندازہ کی تعبیر آئی ہے- ﴿ عشیۃ او ضحاھا ﴾

(۲۱) آیت (۱۰۸) میں قیامت کے منظر کی جو تصویر کھینچی گئی ہے اس کا سارا زور مترجموں نے ضائع کر دیا- ایک میدان میں بے شمار آدمی چل رہے ہوں، مگر سب کے ہوش اڑے ہوئے ہوں اور سب کی زبانیں ہیبت نے گونگی کر دی ہوں، تو اس منظر کا کیا حال ہوگا؟ ایک دہشت انگیز سناٹا، جس میں قدموں کی آہٹ کے سوا اور کوئی آواز مخل نہ ہوگی! اور یہ آواز بھی زندگی کی خوشگواری پیدا نہیں کرے گی بلکہ منظر کی دہشت میں اور اضافہ کر دے گی!

لیث یدق الاسد الھموسا ولایھاب الفیل والجاموسا

[1] "خشعت" ای سکتت- و منه قول الشاعر: لما أتی خبر الزبیر، تواضعت سور المدینة والجبال الخشع!

[2] "الھمس" صوت نقل الاقدام- یقال للاسد الھموس- لانه یھمس فی الظلمة- قال رؤ به یصف نفسه:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ
لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَ
قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا ع ۶ ۱۵
لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ
فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا
فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ

ہوگی نہ حق تلفی!(۱۱۲)

اور (دیکھو) اسی طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے اس (سرمایہ نصیحت) کو قرآن عربی کی شکل میں اتارا اور مختلف طریقوں سے اس میں (انکار و بدعلمی کی) پاداش کی خبر دے دی تا کہ لوگ (گمراہی سے) بچیں، یا پھر ایسا ہو کہ نصیحت پذیری کی روشنی ان میں نمودار ہو جائے!(۱۱۳)

پس ہر طرح کی بلندی اللہ ہی کے لیے ہے- وہی جہاندار حقیقی ہے! اور (اے پیغمبر!) جب تک قرآن کی وحی تجھ پر پوری نہ ہو جائے تو اس میں جلدی نہ کر- تیری پکار یہ ہو کہ پروردگار میرا علم اور زیادہ کر!"-(۱۱۴)

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے آدم کو پہلے سے جتا کر عہد لے لیا تھا' پھر وہ بھول گیا اور ہم نے (نافرمانی کا) قصد اس میں نہیں پایا تھا-(۱۱۵)

اور (پھر) وہ معاملہ یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا "آدم کے آگے جھک جاؤ" سب جھک گئے تھے مگر ابلیس نہیں جھکا- اس نے انکار کیا-(۱۱۶)

اس پر ہم نے کہا "اے آدم! (دیکھ لے) یہ (ابلیس) تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے- ایسا نہ ہو یہ تمہیں جنت سے نکال کے رہے اور تم محنت میں پڑ جاؤ-(۱۱۷) تمہارے لیے اب ایسی زندگی ہے کہ نہ تو اس میں بھوکے رہتے ہو نہ برہنہ-(۱۱۸) نہ تمہارے لیے پیاس کی جلن ہے نہ سورج کی تپش" (اگر اس سے نکلے تو سرتا سر محنت میں مبتلا ہو جاؤ گے)-(۱۱۹)

لیکن پھر شیطان نے آدم کو وسوسہ میں ڈالا- اس نے کہا- "اے آدم! میں تجھے ہمیشگی کے درخت کا نشان

(۲۲) آیت (۱۱۴) میں فرمایا جب تک سلسلہ وحی پورا نہ ہو جائے اس بارے میں جلدی نہ کر اور منتظر رہ کہ فیضان غیب کی بخشائشیں کہاں تک مالا مال کرتی ہیں- تیری زبان حال کی صدا تو یہ ہونی چاہیے کہ ﴿رب زدنی علما﴾ یعنی میری تشنگی کی سیرابی کے لیے علم کے یہ سارے دریا اور عرفان حقیقت کی یہ ساری بارشیں بھی کافی نہیں- اے علم کی لا انتہائی اور حقیقت کی ناپیدا کناری! اپنی بخششیں اور زیادہ کر!

اس آیت نے واضح کر دیا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے مقام علم و عرفان کی وسعت و عظمت کا کیا حال تھا؟ وہ کسی حد پر بھی رکنا نہیں چاہتی تھی- اس کے لیے کوئی زیادتی بھی زیادتی نہ تھی- اس کے لیے ہر افاضہ نئے استفاضہ کا اشارہ تھا- اس کے لیے ہر عطیہ نئے عطیہ کا تقاضا تھا- وہ یکسر طلب تھی- پیہم رب زدنی کا سوال تھی- یہ معلوم ہے کہ یہاں مطلوب کی وسعت کے لیے کوئی انتہا نہیں ہو سکتی لیکن یہ کیونکر معلوم کیا جائے کہ طالب کی طلب کہاں جا کر منتہی ہوئی تھی؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَعَصٰٓى
اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۢ بَعْضُكُمْ
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ
عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى
وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ

دے دوں؟ اور ایسی بادشاہی کا جو کبھی زائل نہ ہو؟" (۱۲۰)

چنانچہ دونوں نے (یعنی آدم اور اس کی بیوی نے) اس درخت کا پھل کھالیا اور دونوں کے ستر ان پر کھل گئے۔ تب ان کی حالت ایسی ہوگئی کہ باغ کے پتے توڑنے لگے اور ان سے اپنا جسم ڈھانکنے لگے۔ غرض کہ آدم اپنے پروردگار کے کہنے پر نہ چلا۔ پس وہ (جنت کی زندگی سے) بے راہ ہوگیا۔ (۱۲۱)

(لیکن) پھر اس کے پروردگار نے اسے برگزیدہ کیا۔ اس پر (اپنی رحمتوں سے) لوٹ آیا۔ اس پر (زندگی و عمل کی) راہ کھول دی۔ (۱۲۲)

(چنانچہ) اللہ نے حکم دیا تھا "تم دونوں اکٹھے یہاں سے نکل چلو۔ تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہوا۔ (اب تم پر ایک دوسری زندگی کی راہ کھلے گی) پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس (یعنی تمہاری نسل کے پاس) کوئی پیام ہدایت آیا تو (اس بارے میں میرا قانون یاد رکھو) جو کوئی میری ہدایت پر چلے گا وہ نہ تو راہ سے بے راہ ہوگا' نہ دکھ میں پڑے گا۔ (۱۲۳) اور جو کوئی میری یاد سے روگرداں ہوگا تو اس کی زندگی ضیق میں گزرے گی اور قیامت کے دن بھی میں اسے اندھا اٹھاؤں گا"۔ (۱۲۴)

وہ کہے گا "پروردگار! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو اچھا خاصا دیکھنے والا تھا"۔ (۱۲۵) ارشاد ہوگا "ہاں اسی طرح ہونا تھا۔ ہماری نشانیاں تیرے سامنے آئیں مگر تو نے انہیں بھلا دیا۔ سو اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا گیا ہے!" (۱۲۶)

---

(۲۳) آیت (۱۲۳) اور (۱۲۴) مہمات معارف میں سے ہے۔ ان دو آیتوں سے ہم وہ سب کچھ معلوم کر سکتے ہیں جو قرآن انسان کی روحانی سعادت و شقاوت کے بارے میں بتلانا چاہتا ہے۔

فرمایا۔ جو ہدایت وحی پر چلے گا نہ تو کامیابی کی راہ سے بے راہ ہوگا' نہ دکھی۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ہدایت اس لیے ہے کہ انسان کو بے راہی اور اس کے لازمی نتیجہ سے محفوظ کر دے۔

غور کرو۔ انسان کی ساری محرومیوں کی تصویر کس طرح صرف دو لفظوں کے اندر کھینچ دی ہے؟ ضلالت اور شقاوت۔ انسان کو جتنی ٹھوکریں بھی لگتی ہیں بے راہ ہو جانے سے لگتی ہیں ہر گوشہ میں کامیابی و سعادت کی ایک مقررہ راہ ہے۔ جونہی اس سے قدم بے راہ ہوئے' شقاوت میں گر گئے!

پھر فرمایا۔ جس نے ہمارے ذکر سے اعراض کیا تو اسے دو حالتیں پیش آئیں گی۔ دنیا میں اس کی زندگی ضیق میں پڑ جائے گی۔ یعنی وہ بظاہر کتنا ہی نہال ہو جائے لیکن دل کی طمانیت اور روح کا انبساط اسے کبھی نہیں ملے گا۔ اور آخرت میں بینائی سے محروم ہو جائے گا۔ سعید انسانوں کی نگاہیں روشن ہوں گی۔ اس کی اندھی! وہ جمال الٰہی کا نظارہ کریں گی۔ اس کے آگے پردہ پڑا ہوگا ﴿ كلا انهم عن ربهم يومئذ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا
قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ ع ۱۶
مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ
الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ
عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ

اور (دیکھو) جو کوئی (سرکشی میں) بڑھ نکلتا ہے اور اپنے پروردگار کی نشانیوں پر یقین نہیں کرتا تو اس طرح ہم اسے (اس کی حالت کا) بدلہ دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب تو بہت زیادہ سخت ہے۔ بہت دیر تک رہنے والا ہے! (۱۲۷)

کیا ان لوگوں کو اس بات سے بھی ہدایت نہ ملی کہ ان سے پہلے قوموں کے کتنے ہی دور گزر چکے ہیں جنہیں ہم (پاداش جرائم میں) ہلاک کر چکے؟ یہ ان کی بستیوں میں چلتے پھرتے ہیں۔ (ان کے آثار ان کی نگاہوں کے سامنے ہیں!) جو لوگ دانشمند ہیں ان کے لیے اسی ایک بات میں (تذکیر و عبرت کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں! (۱۲۸)

اور (اے پیغمبر!) اگر ایسا نہ ہوتا کہ پہلے سے تیرے پروردگار نے (اس بارے میں) ایک بات ٹھہرا دی ہوتی (یعنی ایک قانون ٹھہرا دیا ہوتا) تو اسی گھڑی ان پر (جرم کا) الزام لگ جاتا اور مقررہ وقت نمودار ہو جاتا! (۱۲۹)

پس چاہیے کہ ان کی ساری باتوں پر صبر کر اور اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کی پکار میں لگا رہ۔ صبح کو سورج نکلنے سے پہلے، شام کو ڈوبنے سے پہلے۔ رات کی گھڑیوں میں بھی۔ اور دوپہر کے لگ بھگ بھی۔ بہت ممکن ہے کہ تو بہت جلد (ظہور نتائج سے) خوشنود ہو جائے۔ (۱۳۰) اور یہ جو ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو دنیوی زندگی کی آرائشیں دے رکھی ہیں اور ان سے وہ فائدہ اٹھا رہے ہیں تو تیری نگاہیں اس پر نہ جمیں۔ (یعنی یہ بات تیری نگاہ میں نہ جچے) یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالا ہے اور جو کچھ تیرے پروردگار کی بخشی ہوئی روزی ہے وہی (تیرے لیے) بہتر ہے اور

لمحجوبون ﴾ (۱۵:۸۳)

وہ اندھا کیوں ہو جائے گا؟ اس لیے کہ آخرت کی زندگی دنیوی زندگی کا نتیجہ ہے۔ اس نے دنیا میں قدرت کی نشانیوں سے آنکھیں بند کر لی تھیں اس لیے آخرت میں بھی اس کی آنکھیں بند رہیں گی۔ ﴿ من كان في هذه اعمى فهو في الاخرة اعمى واضل سبيلا ﴾

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ قرآن کے نزدیک ثواب آخرت کی حقیقت یہ ہے کہ لگاہیں جمال الٰہی کے نظارہ سے شاد کام ہوں گی۔ عذاب کی یہ ہے کہ اندھی ہو کر محجوب ہو جائیں گی۔

(۲۴) آیت (۱۲۹) میں فرمایا اگر پہلے سے اللہ کا یہ قانون موجود نہ ہوتا کہ انکار و بدعملی کے نتائج اپنے مقررہ وقت اور مقررہ حالت کے مطابق ظہور میں آئیں تو یہ لوگ اپنی سرکشیوں کی وجہ سے کب کے ملزم ہو چکے تھے لیکن یہاں ہر گوشہ میں رحمت الٰہی نے ڈھیل دے رکھی ہے اور ضروری ہے کہ مقررہ وقت کا انتظار کیا جائے۔

لیکن یہ انتظار کس طرح کیا جائے؟ اس طرح کہ صبر اور صلوٰۃ کی روح سے معمور ہو جاؤ۔ یہی وہ دو عنصر ہیں جن سے ہر طرح کی کامرانی و فتح مندی ڈھل سکتی ہے اور ظہور میں آ سکتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ
لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّاۤ
اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ
نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾ ع

(باعتبار نتیجہ کے) باقی رہنے والی! (۱۳۱)

اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دے اور اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جا۔ ہم تجھ سے روزی کا سوال نہیں رکھتے۔ تو ہم سے سائل ہے۔ ہم بخشنے والے ہیں۔ اور انجام کار تقویٰ[1] ہی کے ہاتھ ہے! (۱۳۲)

اور ان لوگوں نے کہا ''کیوں یہ اپنے پروردگار کی کوئی نشانی اپنے ساتھ نہیں لایا؟''

لیکن کیا ان تک وہ روشن دلیلیں نہیں پہنچ چکیں جو اگلی کتابوں میں موجود ہیں؟ (۱۳۳)

اور اگر ہم انہیں اس سے پہلے (یعنی نزول قرآن سے پہلے) عذاب نازل کر کے ہلاک کر ڈالتے تو یہ ضرور کہتے خدایا! اس سے پہلے کہ ہم ظہور عذاب سے ذلیل و رسوا ہوں تو نے ایک پیغمبر کیوں نہ بھیج دیا کہ ہم تیری آیتوں پر چلتے اور ہلاک نہ ہوتے؟ (۱۳۴)

(اے پیغمبر!) تو کہہ دے ''یہاں ہر ایک کے لیے (مستقبل کا) انتظار کرنا ہے پس تم بھی انتظار کرو۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کون سیدھے راستہ پر ہے اور کون منزل مقصود پر پہنچتا ہے؟'' (۱۳۵)

سورت ختم ہو گئی لیکن چند مقامات کی مزید تشریح ضروری ہے:

فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ:

(الف) آیت (۴۹) میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا جو مکالمہ نقل کیا ہے وہ اگرچہ دو تین جملوں سے زیادہ نہیں ہے لیکن حقائق و معارف کے دفاتر اس میں پنہاں ہیں۔

فرعون کا پہلا سوال یہ تھا کہ ((من ربکما یا موسیٰ)) جس پروردگار کا ذکر کرتے ہو وہ کون ہے؟

اس سوال کی نوعیت سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے معلوم کر لیا جائے، مصریوں کے عقائد کیا تھے؟

مصری مختلف دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے جن میں سے بعض تو خاص خاص قبیلوں اور علاقوں کے تھے جیسے نیفات، فتا اور مات اور بعض عالمگیر قوتوں کے الگ الگ مظاہر تھے۔ جیسے اوزیرس (عالم آخرت کا خدا) میہ اورت (آسمان کا خدا) کنیوم (جسم بنانے والا) ایزیز (روح بخشنے والی دیبی) طوط (عمر کی مقدار مقرر کرنے والا) ہوراس (درد و غم دور کرنے والا) حاثور (گائے) رزق بخشنے والا۔ اور ان سب سے بلند تر آمن رع تھا۔ یعنی سورج دیوتا۔

نیز مصریوں میں الوہیت آمیز شاہی کا تصور بھی پوری طرح نشو و نما پا چکا تھا اور تاجداران مصر نے نیم خدا کی حیثیت اختیار کر لی

---

[1] ''تقویٰ'' کے لیے دیکھو سورۂ بقرہ کا ابتدائی نوٹ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی- ان کا لقب ''فاراع'' اسی لیے ہوا کہ وہ ''راع'' یعنی سورج دیوتا کے اوتار سمجھے جاتے تھے-[1]

من ربکما یا موسیٰ:

پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں خدا کا فرستادہ ہوں تو فرعون نے متعجب ہو کر پوچھا- کس خدا کے؟ آ من رع' جس نے مجھے اپنا مظہر ٹھہرایا ہے؟ ایزیز دیبی کے' جو روح پیدا کرنے والی ہے؟ کنیبو دیوتا کے' جو جسم و خلقت بنانے والا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، ﴿ اَلَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ﴾ ہمارا پروردگار تو وہ ایک ہی پروردگار ہے جس نے دنیا کی ہر چیز کو اس کا جسم و وجود بھی بخشا' اور پھر ہر طرح کی ضروری قوتیں دے کر اس پر زندگی و عمل کی راہ بھی کھول دی!

غور کرو! فرعون کے استفسار میں اس کے عقائد و تصورات کے بے شمار پہلو پوشیدہ تھے- اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طریقہ جدل و مناظرہ کا ہوتا تو ان میں سے ہر بات الجھا لینے کے لیے کافی تھی لیکن انہوں نے اور کسی بات سے تعرض نہیں کیا- صرف ایک ہی بات کہی- مگر ایسی بات جو اس کے سوال کا براہ راست جواب بھی تھی، اس کے تمام تصورات کا بالواسطہ ابطال بھی تھا اور صرف دعوی ہی نہ تھا- دعوے کے ساتھ اس کی خاموش دلیل بھی موجود تھی!

اس کے تمام تصورات کا ابطال کیونکر ہوا؟ اس طرح کہ میں تمہارے ان گھڑے ہوئے معبودوں کا قائل نہیں جن میں سے کسی کو تم نے خلقت دینے والا سمجھ رکھا ہے، کسی کو روح بخشنے والا' کسی کو رزق و تندرستی کا سرچشمہ' میں تو صرف اس ایک ہی ہستی کا پرستار ہوں جو جسم بھی دیتی ہے اور وہ سب کچھ بھی دیتی ہے جو جسم کے نشو و نما و قیام کے لیے ضروری ہے- خالق بھی وہی ہے' راہنمائے زندگی بھی وہی ہے- اس کے سوا کوئی نہیں- چنانچہ پھر آگے چل کر انہوں نے اس اعتقاد کی تفصیل بھی کر دی ہے-

پھر اس جملہ کی جامعیت اور مانعیت دیکھو- کائنات ہستی میں جو کچھ بھی ہے وہ اس کے سوا کیا ہے کہ یا تو وجود ہے یا وجود کی وہ معنوی قوتیں ہیں جو اسے قائم و باقی رکھتیں اور قیام و عمل کی راہوں پر لگاتی رہتی ہیں- انہی دو حقیقتوں کو یہاں خلقت اور ہدایت سے تعبیر کیا ہے اور ان دو لفظوں نے وجود اور حیات کے تمام گوشے سمیٹ لیے ہیں-

دعوے کے ساتھ دلیل کیونکر ہوئی؟ اس کے لیے تفسیر سورۂ فاتحہ کا مبحث ''ربوبیت'' دیکھنا چاہیے-

فما بال القرون الاولیٰ؟

اس کے بعد فرعون نے دوسرا سوال کیا اور بطریق جدل کیا: ﴿ فما بال القرون الاولی؟ ﴾ اچھا اگر حقیقت حال ایسی ہی ہے تو جو لوگ پچھلے عہدوں میں گزر چکے ان کے لیے کیا ہونا ہے؟ وہ راہ صواب پر تھے یا گمراہی پر؟ انہیں تو تمہارے اس نئے اعتقاد کی خبر بھی نہ تھی-

اب دیکھو- یہاں پھر وہی صورت پیدا ہو گئی ہے- اگر یہ سوال امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ سے کیا جاتا تو اسی بحث میں صبح کر دیتے اور سارا معاملہ اسی میں الجھ کر رہ جاتا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام داعی تھے- مجادل اور مناظر نہ تھے- انہوں نے صرف ایک بات کہہ کر ساری بحث ہی ختم کر دی ﴿ علمها عند ربی فی کتاب! ﴾ اس کا علم اللہ کو ہے- ہم کچھ نہیں کہہ سکتے- اور ہمیں اس کی فکر کیوں ہو؟ ہمارے جاننے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ ﴿ لا یضل ربی ولا ینسی ﴾ خدا انسانوں کی طرح نہیں ہے کہ غلطی میں کھویا جائے یا کوئی بات بھول جائے-

---

[1] ڈیوے لاپ منٹ آف ریلیجن اینڈ تھواٹ ان انشینٹ ایجپٹ (Development of Religion and Thought in Ancient Egypt) مصنفہ جے- ایچ- بریسٹڈ (Breasted)- اور انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھیکس- جے- ہسٹنگس-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا قانون یہ ہے کہ ہر انسان کا جیسا اعتقاد و عمل ہوگا ٹھیک اسی کے مطابق اسے نتائج بھی ملیں گے- پس پچھلوں کا جیسا حال رہا ہوگا ویسا ہی نتیجہ بھی بھگتیں گے- ہم کو اپنا حال دیکھنا ہے- اور اپنے ہی سامنے کی باتوں کا ہم علم بھی رکھتے ہیں- ہم اس کاوش میں کیوں پڑیں کہ پچھلوں کا کیا حال تھا اور وہ بخشے جائیں گے یا نہیں-

غور کرو- فرعون کا سوال مجادلانہ تھا اور ایسا تھا کہ بحث و کاوش کی قسم کا کوئی جواب بھی دیا جاتا، مسکت اور مختتم کبھی نہیں ہو سکتا تھا- جو بات بھی کہی جاتی بحث طلب ہوتی اور ایک نیا سوال پیدا کر دیتی- لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کا طریق دعوت یہ نہیں ہوتا کہ بحث میں الجھیں یا دوسرے کو الجھائیں- پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کاوش میں پڑنے ہی سے انکار کر دیا- انہوں نے کہا- ہم یہ جانتے ہی نہیں اور ہمیں اس کا خواہشمند بھی نہیں ہونا چاہیے کہ اسے جانیں-

اور پھر غور کرو- انہوں نے اس جملہ کے اندر جو بات کہہ دی وہ انسان کی فکری گمراہیوں کی کتنی راہیں بند کر دیتی ہے بشرطیکہ لوگ اسے سمجھیں؟ مگر مصیبت یہ ہے کہ لوگ ہمیشہ اسی کاوش کی پیروی کرتے رہے جو فرعون کے سوال سے ٹپک رہی ہے، وہ حقیقت نہ پا سکے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں مضمر ہے- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب نے ہمیں یہ اصل عظیم بتلا دی ہے کہ جن گوشوں کا ہمیں علم نہیں اور جن کی کاوش ہمارے لیے سودمند بھی نہیں ان کی فکر میں ہمیں نہیں پڑنا چاہیے اور ان کا حکم اللہ کے حوالہ کر دینا چاہیے- اگر لوگ اس اصل عظیم پر عامل ہو جائیں تو مذاہب کے کتنے ہی گمراہ کن جھگڑے ختم ہو جائیں-

ابھی دور نہ نکلو، اسی گوشہ میں رہو جو فرعون کے اس مجادلانہ سوال کی اصلی جگہ ہے- اور غور کرو مذہب کے نام سے کتنے جھگڑے بنا لیے گئے ہیں جن میں سے ہر جھگڑا ﴿ فما بال القرون الاولی ﴾ کی فرعونی صدا کا ٹھیک ٹھیک اعادہ ہے؟ اب سے پہلے فلاں گروہ جو گزرا ہے اہل حق میں تھا یا اہل باطل میں؟ فلاں انسان جو گزر چکا، نیک تھا یا بد؟ فلاں بزرگ کا رتبہ خدا کے نزدیک زیادہ ہے یا فلاں بزرگ کا؟ افضل کون ہے؟ زید یا عمرو؟ ولایت و طریقت میں سب سے بڑا کون رہا؟ فلاں یا فلاں؟ پھر اس میں بحثیں ہیں، تصنیفیں ہیں، لڑائیاں ہیں، فرقہ بندیاں ہیں- گویا انسان کی نجات کے لیے صرف یہی فکر کافی نہیں کہ خود اسے کیا کرنا چاہیے- وہ اس فیصلہ کے لیے بھی ذمہ دار بنا دیا گیا ہے کہ اب سے پانچ سو برس پہلے کسی نے کیا کیا تھا اور ایک ہزار برس پہلے کون کیسا تھا- پھر ان میں سے ہر فریق اس طرح حکم لگانا شروع کر دیتا ہے، گویا خدا کے دفتر کا رجسٹر ابھی ابھی پڑھ کر اٹھا ہے اور اسے علم قطعی حاصل ہو گیا ہے کہ فلاں کا نام فلاں درجہ میں لکھا ہوا ہے، فلاں کا فلاں درجہ میں:

پچاس برس ہوئے شام میں مسلمانوں کے ایک گروہ نے دوسرے گروہ کی بستیاں صرف اس لیے جلا دی تھیں کہ ایک کہتا تھا- حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) سب سے بڑے ولی ہیں- دوسرا کہتا تھا- نہیں شیخ احمد رفاعی (رحمۃ اللہ علیہ) - ہندوستان کا یہ حال ہے کہ آج تک میرے پاس نہایت سنجیدہ عبارت میں لکھے ہوئے استفتاء آتے رہتے ہیں "زید کہتا ہے بڑے پیر صاحب سے بڑھ کر کوئی نہیں- عمرو کہتا ہے مجدد الف ثانی سے بڑھ کر کوئی نہیں- نماز کس کے پیچھے جائز ہے؟"

ایک مرتبہ میرے جی میں آیا- لکھ دوں، دونوں کے پیچھے نہیں!

فقہ کے مذاہب اربعہ جب مشخص و مدون ہو گئے اور تقلید شخصی کا التزام قائم ہو گیا تو سوال پیدا ہوا- ان چاروں اماموں میں افضل کون ہیں؟ حضرت امام ابوحنیفہ یا امام شافعی؟ اب بحث شروع ہوئی اور بحث نے جنگ و قتال کی شکل اختیار کی- چنانچہ ہلاکو خاں کو اسلامی ممالک پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حملہ کی سب سے پہلی ترغیب خراسانیوں کے اسی جھگڑے سے ملی تھی۔حنفیوں نے شافعیوں کی ضد میں آ کر بلاوا بھیجا اور شہر کے پھاٹک کھول دیے۔ پھر جب تاتاریوں کی تلوار چل گئی تو اس نے نہ شافعی کو چھوڑا نہ حنفی کو ﴿ فجاسوا خلال الدیار' و کان وعدا مفعولا ﴾

شیعہ سنی کے اختلاف نے مسلمانوں کو دو مختلف امتوں میں متفرق کر دیا۔لیکن اس تمام اختلاف کا ماحصل بھی کیا ہے؟ یہی کہ ﴿ فما بال القرون الاولی ﴾ اور تیرہ سو برس گزر گئے مگر اتنی بات کسی کے سمجھ میں نہیں آتی کہ ﴿ علمها عندربی فی کتاب۔ لا یضل ربی و لا ینسٰی ﴾

بہر حال یاد رکھنا چاہیے کہ اس طرح کی تمام کاوشوں کے اندر وہی فرعون والی مجادلانہ روح کام کیا کرتی ہے اور طریق موسوی یہ ہے کہ ﴿ علمها عندی ربی فی کتاب ﴾ کہہ کر سارے جھگڑے ختم کر ڈالنا اور سرے سے ان کاوشوں میں پڑنا ہی نہیں۔

قرآن اور صاحب وحی نے ہمیں جن امور کی خبر دے دی ہے ان کا علم ہمیں حاصل ہو گیا ہے۔اور ہمارا فرض ہے کہ ان باتوں کو اسی طرح یقین کریں جس طرح بتلا دی گئی ہیں۔لیکن ان سے زیادہ جو سوال بھی دینی عقائد کی بنا پر اٹھایا جائے گا، ہمارا جواب یہی ہو گا۔ ﴿ علمها عند ربی فی کتاب۔ لا یضل ربی و لا ینسی ﴾ خدا نے اپنے دفتر کی مثلیں ہمارے پاس نہیں بھیج دی ہیں اور نہ ہمیں لوگوں کی سعادت وشقاوت اور مدارج وفضائل کے فیصلہ کی ٹھیکیداری عنایت فرمائی ہے۔ہمیں معلوم نہیں، حقیقت حال کیا ہے۔البتہ خوش قسمتی سے معاملہ ایسے محاسب کے ہاتھ ہے جو نہ تو غلطی کر سکتا ہے، نہ بھول چوک میں پڑ سکتا ہے۔ پس دوسروں کی فکر میں تمہیں گھلنے کی ضرورت نہیں۔اپنی خبر لو اور ان کا معاملہ ان کے خدا پر چھوڑ دو!

سامری اور گوسالہ پرستی کا معاملہ:

(ب) آیت (۸۷) میں بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور یہ مقام بھی من جملہ ان مقامات کے ہے جن میں قرآن کی تصریحات تورات کے موجودہ نسخہ سے مختلف واقع ہوئی ہیں اور اس کی صریح تحریفات نمایاں کرتی ہیں۔خروج (۳۲:۱) میں ہے کہ سنہرا بچھڑا خود حضرت ہارون علیہ السلام نے بنایا تھا۔لیکن قرآن نے یہاں صاف صاف کہہ دیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا دامن اس شرک سے پاک تھا۔یہ دراصل سامری کی کارستانی تھی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سامری کون تھا؟ یہ اس کا نام تھا یا قومیت کا لقب؟

قیاس کہتا ہے کہ یہاں ''سامری'' سے مقصود سمیری قوم کا فرد ہے۔کیونکہ جس قوم کو ہم نے سمیری کے نام سے پکارنا شروع کر دیا ہے عربی میں اس کا نام قدیم سے سامری آ رہا ہے اور اب بھی عراق میں ان کا بقایا اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہاں قرآن کا ''السامری'' کہہ کے اسے پکارنا صاف کہہ رہا ہے کہ یہ نام نہیں ہے، اس کی قومیت کی طرف اشارہ ہے۔یعنی وہ شخص اسرائیلی نہ تھا۔ سامری تھا۔

سمیری تمدن:

حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً ساڑھے تین ہزار برس پہلے دجلہ وفرات کے دوآبہ میں دو مختلف قومیں آباد ہو رہی تھیں اور ایک عظیم الشان تمدن کی بنیادیں اٹھا رہی تھیں۔ان میں سے ایک قوم جو جنوب سے آئی تھی عرب تھی۔دوسری جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ شمال سے اتری سمیری تھی۔اسی قوم کے نام سے تاریخ قدیم کا شہر سامرا اور اور آباد ہوا تھا جس کا محل اب تَلُّ الْعُبَیْد میں دریافت ہوا ہے اور وہاں سے پانچ ہزار برس پیشتر کے بنے ہوئے زیور اور سنہری ظروف برآمد ہو رہے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سمیری قوم کی اصل:

سمیری قوم کی اصل کیا تھی؟ اس بارے میں اس وقت تک کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جا سکی ہے لیکن نینوا میں آشور بنی پال[1] (متوفی ۶۲۶ قبل مسیح) کا جو کتب خانہ نکلا ہے، اس میں تختیوں کا ایک مجموعہ لغت[2] کی کتاب کا بھی ہے جس میں آکادی اور سمیری زبان کے ہم معنی الفاظ جمع کیے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سمیری زبان کے اصوات سامی حروف کے اصوات سے چنداں مختلف نہیں تھے، بہت ممکن ہے کہ وہ بھی دراصل انہی قبائل کے مجموعہ سے کوئی بعیدی تعلق رکھتے ہوں جن کے لیے ہم نے تورات کی اصطلاح ''سامی'' اختیار کر لی ہے۔

نسل انسانی کے دو قبائلی سرچشمے:

اصل یہ ہے کہ جس طرح عہد قدیم میں منگولیا کا علاقہ صحرانورد قبائل کا ابتدائی سرچشمہ رہا ہے، اور یہاں سے انسانی گروہوں کے قافلے نکل کر وسط ایشیا' ہندوستان' ایران' اناتولیا' اور پھر تمام یورپ میں پھیل گئے' ٹھیک اسی طرح نسل انسانی کے اقدام وانشعاب کا ایک مرکزی سرچشمہ جزیرہ نمائے عرب بھی رہ چکا ہے۔ یہاں کے صحراؤں میں یکے بعد دیگرے نسل انسانی کا مواد بنتا رہا اور پھر ابل ابل کر دور دور تک پھیلتا گیا۔ فلسطین' شام' مصر' عراق' آرمینیا' اور خلیج فارس کی ساحلی آبادیاں' سب اسی مرکزی نسل کا انشعاب تھیں اور سب کا تمدن اسی عربی نسل کا تمدن تھا۔ قوم ''عیلام'' جس کا ذکر کتاب پیدائش میں آیا ہے اور جو جنوبی ایران میں آباد تھی' عجب نہیں' دراصل اسی نسل کی ایک شاخ ہو (اس مقام کی مزید تفصیل سورۂ نوح کی تشریحات میں ملے گی)۔

بہرحال سمیری قبائل کا اصلی وطن عراق تھا۔ مگر یہ دور دور تک پھیل گئے تھے۔ مصر سے ان کے تعلقات کا سراغ ایک ہزار سال قبل مسیح تک روشنی میں آ چکا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے، اسی قوم کا ایک فرد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی معتقد ہو گیا' اور جب بنی اسرائیل نکلے' تو یہ بھی ان کے ساتھ نکل آیا۔ اسی کو قرآن نے ''السامری'' کے لفظ سے یاد کیا ہے۔

سامری کا ایمان اور پھر ارتداد:

گائے' بیل' اور بچھڑے کی تقدیس کا خیال سمیریوں میں بھی تھا اور مصریوں میں بھی۔ مصری اپنے دیوتا حورس کا چہرہ گائے کی شکل کا بناتے تھے' اور خیال کرتے تھے' کرۂ زمین ایک گائے کی پشت پر قائم ہے۔ جب سامری نے دیکھا' بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی سے مضطرب ہو رہے ہیں۔ تو اس نے کہا مجھے سونے کے زیور لا دو۔ پھر انہیں گلا کر بچھڑے کی ایک مورتی بنا دی۔ مصری مندروں کی مخفی کاریگریاں اسے معلوم تھیں۔ اس نے مورتی کے اندر ہوا کے نفوذ وخروج کی ایسی کل بٹھا دی کہ اس سے ایک طرح کی آواز نکلنے لگی۔

سامری حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معتقد ہو گیا تھا لیکن اسرائیلی توحید پر اس کا دل جما نہیں تھا۔ چند دنوں اسی طریقہ پر کاربند رہا۔ پھر منحرف ہو

---

[1] یہ نینوا کا وہی عظیم الشان شاہنشاہ ہے جسے یونانی نوشتوں میں سردانا پالس (Sardanpalus) کے نام سے پکارا گیا ہے۔

[2] یہ لغت کی کتاب قدیم اقوام کے علوم وادبیات میں اپنی کوئی دوسری نظیر نہیں رکھتی اور اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اب سے تین ہزار سال پہلے دوآبہ وفرات کی علمی ترقیاں کہاں تک پہنچ چکی تھیں۔ اس لغت میں صرف آکادی اور سمیری زبان ہی کے ہم معنی الفاظ جمع نہیں کیے گئے ہیں بلکہ حتی' قاصی اور مصری زبان کے ہم معنی الفاظ بھی آ گئے ہیں۔ اس کتاب کے انکشاف نے قدیم زبانوں کے حروف واصوات کے لیے ایک مستند اور قطعی ذریعہ ہم پہنچا دیا۔ (حتی وہی قوم ہے جسے آج کل (Hittite) لکھا جاتا ہے۔ اور قاصی سے مقصود (Kassite) ہے۔ ان دونوں کے لیے تورات میں حتی اور قاصی کے الفاظ مستعمل ہوئے ہیں۔ اس لیے ہم نے بھی وہی اختیار کیے۔ تفصیل کے لیے دیکھو ایم جسٹر وکی دی سویلیزیشن آف بابیلونا اینڈ اسیریا مطبوعہ ۱۹۱۵ء اور سرای۔ اے۔ ڈبلیو Budge کی ''بائی نایل اینڈ ٹائگریز مطبوعہ ۱۹۳۰ء)۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا- اسی لیے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا- یہ تو نے کیا کیا؟ تو اس نے کہا- ﴿ بصرت بما لم یبصروا به ﴾ مجھے ایسی بات سجھائی دی جو دوسروں کو نہیں سوجھی- یعنی بچھڑا بنانا- ﴿ فقبضت قبضة من اثر الرسول فنبذتها ﴾ میں نے رسول کی پیروی میں تھوڑا بہت حصہ لے لیا تھا مگر پھر چھوڑ دیا- یعنی گو میں نے آپ کی پیروی میں چند قدم اٹھا دیے تھے مگر میرا دل اس پر جما نہیں تھا- ﴿ وكذلك سولت لی نفسی ﴾ کیا کروں، میری طبیعت کا ایسا ہی تقاضا ہوا- میں آپ کے پیچھے چل نہ سکا-

عربی میں جب کہیں گے قبضت قبضة میں نے صرف ایک مٹھی اٹھائی' تو اس کے معنی تقلیل کے ہوں گے- قبضت قبضة- ای شیء قلیل 'والقبضة القدر المقبوض (ابن سیدہ) اردو کا بھی محاورہ ہے "میں نے تو صرف ایک ہی مٹھی اٹھائی ہے" یعنی بہت تھوڑا حصہ لیا ہے-

گوسالہ کی نسبت یہودی خرافہ:

یہودیوں نے اپنی قومی بریت کے لیے یہ کہانی گھڑ لی تھی کہ گوسالہ پرستی کے معاملہ میں ایک روحانی طاقت کا ہاتھ کام کر رہا تھا- ورنہ ہمارے اسلاف کیوں ایسی گمراہی میں پڑتے؟ وہ کہتے تھے- بچھڑے کی گویائی اس مٹی کا معجزہ تھا جو حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے سموں سے پامال ہوئی تھی- جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو ان کے آگے آگے جبریل جا رہے تھے اور زندگی کے فرشتہ پر سوار تھے جس نے گھوڑے کی شکل اختیار کر لی تھی- اس گھوڑے کے سم جس مٹی پر پڑتے تھے اس میں زندہ کر دینے کی خاصیت پیدا ہو جاتی تھی- یہ بات کسی نے نہیں دیکھی لیکن سامری نے دیکھ لی- پس اس نے بچھڑا بنا کر اس میں (آب حیات کی جگہ) اس خاک حیات کی ایک مٹھی ڈال دی- بس پھر کیا تھا- وہ زندہ ہو کر بولنے لگا!

مفسرین کا تسامح:

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ کہانی تفسیر کی روایتوں میں بھی داخل ہو گئی اور اثر الرسول کا مطلب یہ بنا لیا کہ "جبریل کے نقش قدم" کی ایک مشت خاک سامری نے اٹھالی تھی- لیکن یاد رہے کہ یہ تفسیر کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتی- اتنا ہی نہیں بلکہ ایسی تفسیر کرنا قرآن کے اس مقام کو تمسخر انگیز حد تک بے معنی بنا دینا ہے-

اولاً: قرآن نے اس معاملہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے اور یہ بات بلاغت قرآنی کے صریح خلاف ہے کہ ایک ایسا واقعہ جو قیاس اور قرینہ سے معلوم نہیں کیا جا سکتا بیان نہ کرے اور پھر اچانک صرف "اثر الرسول" کہہ کر اس کی طرف اشارہ کر دے-

ثانیاً: قرآن میں جہاں کہیں بھی بغیر اضافت و اسناد کے "الرسول" کہا گیا ہے، اس کا صرف ایک ہی مطلب ہے یعنی پیغمبر' پس یہاں "الرسول" سے فرشتہ سمجھنا صحیح نہیں ہو سکتا-

ثالثاً: ایسا سمجھنا صریح قرآن کو جھٹلانا ہے- اس لیے کہ قرآن کہیں یہ نہیں کہتا کہ بچھڑے کی مورتی میں زندگی پیدا ہو گئی تھی بلکہ صاف صاف کہتا ہے کہ ﴿ جسدا له خوار ﴾ ایک بے جان دھڑ تھا جس سے آواز نکلتی تھی- اگر ایک ملکوتی کرشمہ نے اسے زندہ کر دیا ہوتا تو قرآن اسے ﴿ عجلا جسدا ﴾ کیوں کہتا؟

رابعاً: قرآن صاف صاف کہتا ہے کہ اس مورتی میں کوئی بات نہ تھی- محض ایک شعبدہ تھا- کیونکہ وہ بنی اسرائیل کے استعجاب و تاثر کو ان کی حد درجہ بے وقوفی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے- ﴿ افلا یرون الا یرجع الیهم قولا؟ ﴾ یعنی ان عقل کے اندھوں نے اتنی بات بھی نہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیکھی کہ اگر یہ کوئی زندہ وجود ہے تو ان کی بات کا جواب کیوں نہیں دیتا؟ خالی بھاں بھاں کیوں کرتا رہتا ہے؟ پھر اگر مفسروں کی یہ کہانی مان لی جائے تو تسلیم کر لینا پڑے گا کہ قرآن کا یہ بیان یک قلم غلط ہے- کیونکہ اس میں تو ایک ملکوتی معجزہ تھا- اس کے اندر تو جبریلی زندگی کی ایک روح دوڑ رہی تھی!

خامساً: یہ کہانی خود اپنی بناوٹ ہی میں نا قابل تسلیم ہے- اگر فی الحقیقت کوئی ایسا ملکوتی مظاہرہ ہوا تھا اور ﴿ بصرت بما لم یبصروا به ﴾ کے یہی معنی ہیں تو مان لینا پڑے گا کہ سامری کی روحانی بصیرت تمام بنی اسرائیل سے حتی کہ حضرت ہارون سے بھی کہ پیغمبر تھے بڑھی ہوئی تھی- کیونکہ یہ کرشمہ الٰہی کوئی نہ دیکھ سکا- صرف اس کی نگاہ حقیقت شناس کام کر گئی- بلکہ کہنا پڑے گا، خود حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی بڑھی ہوئی تھی- کیونکہ وہ بھی یہ بات نہ پا سکے- لیکن کیا ایسا مانا جا سکتا ہے؟ حمزہ، کسائی اور اعمش کی قراءت میں ﴿ بما لم یبصروا به ﴾ کی جگہ ﴿ بمالم تبصروا به ﴾ (بالمثناۃ) ہے- اگر یہ قراءت اختیار کر لی جائے تو صریح مطلب یہ ہوگا کہ "میں نے وہ بات دیکھ لی جو تم نہ دیکھ سکے"، یعنی حضرت موسیٰ بھی نہ دیکھ سکے- پھر کیا "بصرت" کو اس کہانی پر لے جانا صحیح ہو سکتا ہے؟

سادساً: خود یہی مفسر ﴿ عجلا جسدا له خوار ﴾ کی تفسیر میں یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ "خواره كان بالريح -لانه كان عمل فيه خرق فاذا دخلت الريح جوفه خار ولم يكن فيه حياة" یعنی اس میں زندگی نہ تھی- محض ہوا کے نفوذ سے بچھڑے کی سی آواز نکلنے لگی تھی- پھر جب یہ تفسیر بھی موجود ہے تو کون سی وجہ ہے کہ خواہ مخواہ حضرت جبریل کو گھسیٹا جائے اور فرشتوں کو گھوڑا بننے کی زحمت دی جائے-

سابعاً: جن روایتوں کی بنا پر یہ کہانی چلی ہے، اگر ان کے متن سے قطع نظر کر لی جائے تو باعتبار اسناد کے بھی لائق اعتنا نہیں- سب سے زیادہ زور ابن منذر، ابن ابی حاتم اور حاکم کی روایت پر دیا جاتا ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے لیکن وہ بھی مجروح ہے اور حاکم کی تصحیح کی جو قدر و قیمت ہے وہ ہم امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سن چکے ہیں-

❋ ❋ ❋

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰیاتُھا: 112 سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَآءِ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھا: 7

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ① مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ② لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ

الجزء ۱۷

وقت قریب آ لگا ہے کہ لوگوں سے (ان کے اعمال کا) حساب لیا جائے - اس پر بھی ان کا یہ حال ہے کہ رخ پھیرے غفلت میں متوالے چلے جا رہے ہیں! (۱)۔

ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نصیحت کی باتیں پیہم آتی رہیں مگر کبھی ایسا نہ ہوا کہ انہوں نے جی لگا کر سنا ہو! وہ سنتے ہیں مگر اس طرح کہ کھیل کود میں لگے ہوئے ہیں (۲) اور دل ہیں کہ یک قلم غافل - اور (دیکھو) ظلم کرنے والوں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں "یہ آدمی اس کے سوا کیا ہے کہ ہماری ہی طرح کا ایک آدمی ہے؟ پھر کیا تم جان بوجھ کر ایسی جگہ آتے ہو جہاں جادو کے سوا اور کچھ نہیں؟" - (۳)

(پیغمبر نے) کہا "آسمان و زمین میں جو بات بھی کہی جاتی ہے (خواہ پوشیدہ کہی جائے - خواہ علانیہ) میرے پروردگار کو سب معلوم ہے - وہ سننے والا جاننے والا ہے!" - (۴)

(اتنا ہی نہیں) بلکہ انہوں نے کہا "یہ محض خواب و خیال کی باتیں ہیں - بلکہ من گھڑت دعویٰ ہے - نہیں بلکہ یہ شاعر ہے - اگر ایسا نہیں ہے تو کوئی (نزول ہلاکت کی) نشانی ہمیں لا دکھائے جس طرح اگلے وقتوں کے لوگ نشانیوں

(۱) یہ سورت بھی ان سورتوں میں سے ہے جو مکی عہد کے اواخر میں نازل ہوئی ہیں - یہ بالاتفاق سورۂ ابراہیم کے بعد اور مومنون سے پہلے اتری - سورت کی ابتدا اس کا وسط اس کا خاتمہ سب اعلان کر رہے ہیں کہ محاسبہ کا وقت قریب آ گیا اور ضروری ہے کہ فیصلہ کن معاملہ ظہور میں آ جائے - چنانچہ وقت فی الحقیقت قریب آ گیا تھا - تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ہجرت مدینہ کا واقعہ ظہور میں آیا اور دعوت حق کے فتح و اقبال اور معاندین حق کے خسران و ادبار کا دور شروع ہو گیا!

(۲) پیغمبر اسلام ﷺ کی صداقت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ ان کے سخت سے سخت معاند بھی اس عجیب و غریب کشش و تاثیر سے انکار نہیں کر سکتے تھے جو آپ کی شخصیت اور آپ کی تعلیم میں پائی جاتی تھی؟ اور چونکہ اعتراف حقیقت کے لیے تیار نہ تھے اس لیے مجبور ہو جاتے تھے کہ اسے جادو سے تعبیر کریں یہاں آیت (۳) میں فرمایا وہ پیغمبر اسلام ﷺ کے پاس جانے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور کہتے ہیں تم ان کے پاس گئے اور جادو میں پھنسے - وہاں تو جادو ہی جادو بھرا ہے - نیز وہ کہتے ہیں اس آدمی میں وحی و نبوت کی تو کوئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْاَوَّلُوْنَ ۝۵ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ
اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا
لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝۸ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ
وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝۹ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰ ع
وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝۱۱ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ

کے ساتھ بھیجے جا چکے ہیں"۔(۵)

لیکن ان سے پہلے جن جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا ان میں سے تو کوئی بھی (نزول ہلاکت کی نشانیاں دیکھ کر) ایمان نہیں لے آیا تھا۔ پھر کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے؟(۶)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اسی طرح کہ آدمی تھے۔ ان پر ہماری وحی اترتی تھی۔ پھر (اے گروہ منکرین!) اگر تمہیں یہ بات معلوم نہیں تو ان لوگوں سے پوچھ کر معلوم کر لو جو اہل کتاب ہیں!(۷) اور ہم نے ان پیغمبروں کو کبھی ایسے جسم کا نہیں بنایا کہ کھانا نہ کھاتے ہوں، اور نہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے تھے۔(۸)

(ہم نے تمہاری ہی طرح کے آدمیوں کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور) پھر جس بات کا وعدہ کیا تھا وہ انہیں سچا کر دکھایا۔ ہم نے انہیں اور (ان کے ساتھ) جس کسی کو چاہا نجات دے دی اور حد سے نکل چکنے والوں کو ہلاک کر ڈالا!(۹)

ہم نے تمہارے لیے ایک کتاب نازل کر دی ہے اس میں تمہارے لیے موعظت ہے۔ (پھر اس سے زیادہ تمہیں اور کیا چاہیے؟) کیا تم سمجھتے نہیں؟(۱۰) اور کتنی ہی بستیاں جو ظلم و شرارت میں غرق تھیں ہم نے پامال کر ڈالیں اور ان کے بعد دوسرے گروہوں کو اٹھا کھڑا کیا!۔(۱۱) جب ہمارا عذاب انہوں نے محسوس کیا

بات نظر نہیں آتی۔ کیونکہ یہ ہماری ہی طرح ایک آدمی ہے۔ پس جو کچھ بھی اس کا اثر و نفوذ ہے جادو ہی کی وجہ سے ہے۔

(۳) سچائی کی سب سے بڑی شناخت یہ ہے کہ اسے سچائی کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اگر کچھ اور کہنا چاہو گے تو خواہ کتنا ہی زور لگاؤ، بات بنے گی نہیں۔ بنے گی اسی وقت جب سر جھکا دو گے کہ ہاں یہ سچائی ہے! لیکن مشکل یہ ہے کہ نفس انسانی کی گمراہی و سرکشی پر حقیقت کا اعتراف ہمیشہ گراں گزرتا ہے۔ وہ بغیر لڑے کبھی ہتھیار نہیں رکھے گی۔ وہ مانے گی (کیونکہ سچائی بغیر منوائے رہ نہیں سکتی) مگر اسی وقت جب ماننے پر مجبور ہو جائے گی! پیغمبر اسلام ﷺ نے جب کلام حق کی منادی شروع کی تو قریش مکہ کا یہی حال ہوا۔ وہ سچائی دیکھ رہے تھے مگر اسے سچائی کہنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ کبھی کہتے یہ مجنون ہو گیا ہے۔ خواب و خیال کو وحی و نبوت سمجھ رہا ہے۔ پھر تاثیر و نفوذ دیکھتے تو کہتے یہ جادوگر ہے۔ پھر یہ بات بھی نہ بنتی تو کہتے، چالاک مفتری ہے۔ من گھڑت باتوں کو خدا کا پیغام بتلاتا ہے۔ پھر یہ بات بھی چل نہ سکتی تو کہتے، کچھ نہیں یہ شاعری کا کرشمہ ہے!

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش دار الندوہ میں جمع ہوئے اور یہ ساری باتیں آپس میں کہیں (ابن ہشام)

(۴) قرآن نے پچھلی قوموں کی ہلاکتوں کی سرگزشتیں سنائی ہیں اور کہا ہے جب خدا کے رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے ظہور عذاب کی خبر دی۔ یہ سرگزشت سن کر قریش مکہ کہتے تھے۔ ایسی ہی کوئی نشانی تم کیوں نہیں لا دکھاتے؟ آیت (۶) میں فرمایا۔ اگر کوئی ایسی خبر دے دی جائے تو کیا تم فوراً ایمان لے آؤ گے؟ تم سے پہلے جتنی سرکش قومیں ہلاک ہوئیں ان میں سے تو کوئی بھی ایمان نہیں لایا تھا اور پرستاران حق کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُونَ ﴿١٢﴾ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تُسْأَلُونَ ﴿١٣﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿١٤﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ
حَصِيدًا خَامِدِينَ ﴿١٥﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ ﴿١٦﴾ لَوْ أَرَدْنَا أَن
نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنَاهُ مِن لَّدُنَّا إِن كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿١٧﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ
فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾ وَلَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ

تو دیکھو، اچانک بستیوں سے بھاگے جا رہے ہیں! (۱۲)

اب بھاگتے کہاں ہو؟ اپنے اسی عیش وعشرت میں لوٹو (جس نے تمہیں اس قدر سرشار کر رکھا تھا) اور انہی مکانوں میں (جن کی مضبوطی کا تمہیں غرہ تھا) شاید (وہاں تدبیر ومشورہ میں تمہاری ضرورت ہو اور) تم سے کچھ دریافت کیا جائے! (۱۳)

بستیوں کے باشندوں نے پکارا "افسوس ہم پر! بلاشبہ ہم ظلم کرنے والے تھے!" (۱۴) تو (دیکھو) وہ برابر یہی پکارا کیے- یہاں تک کہ ہم نے (انہیں ہلاک) کر دیا- کٹے ہوئے کھیت کی طرح- بجھے ہوئے انگاروں کی طرح! (۱۵) اور (دیکھو) ہم نے آسمان وزمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کچھ کھیل تماشا کرتے ہوئے نہیں بنایا ہے (بلکہ کسی مصلحت ومقصد سے بنایا ہے) (۱۶) اگر ہمیں کھیل تماشا بنانا منظور ہوتا تو (ہمیں اس سے کون روک سکتا تھا؟) ہم خود اپنی جانب سے ایسا ہی کارخانہ بناتے- مگر ہم ایسا کرنے والے نہ تھے! (۱۷)

بلکہ (یہاں حقیقت حال ہی دوسری ہے) ہم حق سے باطل پر چوٹ لگاتے ہیں تو وہ باطل کا سر کچل ڈالتا ہے اور اچانک اسے فنا کر دیتا ہے- افسوس تم پر- تم کیسی کیسی باتیں بیان کرتے ہو! (۱۸) آسمانوں میں جو کوئی ہے اور زمین میں جو کوئی

طرح پرستاران باطل کی سنت بھی ہمیشہ ایک ہی رہی ہے اور ہمیشہ ایک ہی رہے گی!

(۵) آیت (۷) میں ان کے اس وہم کا رد کیا ہے کہ نبیوں کو آدمیوں کی طرح نہیں ہونا چاہیے- کچھ اور ہونا چاہیے- فرمایا: یہودیوں اور عیسائیوں سے پوچھ لو- خدا کے جو پیغمبر پہلے آ چکے ہیں وہ آدمیوں ہی کی طرح تھے- یا ہوا میں اڑا کرتے تھے؟

مشرکین مکہ ازراہ تحقیر کہا کرتے تھے ﴿ ما لهذا الرسول يأكل الطعام و يمشي في الاسواق؟ ﴾ یہ کیسا نبی ہے کہ آدمیوں کی طرح غذا کا محتاج ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے؟ فرمایا- ہم نے کسی کو ایسا دھڑ نہیں دیا کہ اسے غذا کی احتیاج نہ ہو اور ہمیشہ زندہ رہے- ہمارا قانون حیات یہی ہے کہ جسم ہوگا تو اسے قائم رہنے کے لیے غذا کی احتیاج بھی ہوگی-

(۶) پھر آیت (۱۰) میں صاف صاف کہہ دیا- اگر سچائی کی طلب ہے تو قرآن کو دیکھو- اس کی موعظت سے بڑھ کر سچائی کی اور کون سی نشانی ہو سکتی ہے؟ اس مقام نے اور اسی طرح کے اور بے شمار مقامات نے یہ حقیقت قطعی طور پر واضح کر دی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی صداقت کے لیے جس چیز پر بطور ایک نشانی کے زور دیا ہے وہ صرف قرآن ہے- چنانچہ سورۂ عنکبوت میں اس کی مزید وضاحت ملے گی-

(۷) آیت (۱۶) قرآن کے مہمات دلائل میں سے ہے لیکن ہمارے مفسروں کو اس پر حسب عادت غور کرنے کی مہلت نہ ملی- اس سے پہلے پچھلی قوموں کی ہلاکت اور ان کی جگہ نئی جماعتوں کے ابھرنے کا ذکر کیا تھا- فرمایا یہ انقلاب حال کیوں پیدا ہوا؟ آباد وخوشحال بستیاں کیوں کٹے ہوئے کھیتوں کی طرح اجڑ گئیں؟ زندگی اور حرکت کے بھڑکتے ہوئے شعلے کیوں بجھ کے رہ گئے؟ اس لیے کہ یہاں ہمارا ایک عالمگیر قانون کام کر رہا ہے- یعنی حق وباطل کے تزاحم وکشاکش کا قانون-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا
يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ
فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ
دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ

ہے سب اسی کے لیے ہیں- جو (فرشتے) اس کے حضور ہیں وہ کبھی گھمنڈ میں آ کر اس کی بندگی سے سرتابی نہیں کرتے- نہ کبھی (بندگی سے) تھکتے ہیں!(۱۹)

وہ رات دن اس کی پاکی کے ترانوں میں زمزمہ سنج رہتے ہیں- وہ کبھی تھمتے نہیں!(۲۰)

کیا ان لوگوں نے زمین (کی مخلوقات میں) سے ایسے معبود بنا لیے ہیں جو مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں؟(۲۱)

اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتا تو (ممکن نہ تھا کہ ان کا کارخانہ اس نظم و ہم آہنگی کے ساتھ چلتا) وہ یقیناً بگڑ کے برباد ہو جاتے!

پس اللہ کے لیے کہ (جہانبانی عالم کے) تخت کا مالک ہے پاکی ہو- ان ساری باتوں سے پاکی ہو جو اس کی نسبت بیان کرتے ہیں!(۲۲)

وہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں- اور سب (اس کے آگے جوابدہ ہیں- ان) سے باز پرس ہونی ہے!(۲۳)

پھر کیا ان لوگوں نے اس کے سوا دوسرے معبود پکڑ رکھے ہیں؟ (اے پیغمبر!) تو ان سے کہہ دے ''اگر ایسا ہی ہے تو بتلاؤ- تمہاری دلیل کیا ہے؟ یہ ہے وہ کلام جو میرے ساتھیوں کے ہاتھ میں ہے (یعنی قرآن) اور جو مجھ سے پہلوں کے لیے اتر چکا ہے (یعنی پچھلی کتابیں۔ تم ان میں کوئی بات بھی میری دعوت کے خلاف نکال سکتے ہو؟)

ہم نے کائنات ہستی کا یہ پورا کارخانہ ایک فعل عبث کی طرح نہیں بنایا ہے- کسی طے شدہ مصلحت و مقصد ہی سے بنایا ہے- وہ مقصد کیا ہے؟ یہ کہ کائنات ہستی پستی سے بلندی کی طرف برابر ترقی کرتی جائے- یہاں تک کہ علو و رفعت کے اس انتہائی نقطہ تک پہنچ جائے جو کارفرمائے قدرت نے اس کے لیے ٹھہرا دیا ہے- اس مقصد کے لیے کون سا ہاتھ کام کر رہا ہے؟ حق و باطل کی کشاکش کے قانون کا ہاتھ۔ یعنی یہاں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس لیے ہوتا ہے کہ حق باقی رہے اور باطل نابود ہو جائے- ''حق'' اس لیے باقی رہتا ہے کہ اسی سے بقا اور علو و ارتفاع ہے- ''باطل'' اس لیے نابود ہو جاتا ہے کہ وہ نقص، فساد اور زوال ہے-

چنانچہ زندگی اور وجود کے ہر گوشہ میں یہ کشاکش جاری ہے- فطرت ''حق'' کے ہتھیار سے ''باطل'' پر ضرب لگاتی ہے اور وہ ٹک نہیں سکتا' کیونکہ ''حق'' کے مقابلہ میں اس کے لیے ٹکنا نہیں- پھر اچانک ایسا ہوتا ہے کہ ''باطل'' ملیامیٹ ہو گیا اور میدان میں صرف ''حق'' ہی کی نمود باقی رہ گئی!

(۸) آیت (۲۴) پر ہمارے مفسروں نے زیادہ غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی' لیکن تم سرسری نظر ڈال کے گزر نہ جاؤ- ایک لمحہ کے لیے رک جاؤ- یہ استدلال وحدت ادیان کی اصل عظیم کا استدلال ہے جس پر قرآن نے اپنی دعوت کی تمام بنیادیں استوار کی ہیں- وہ کہتا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا
فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ
بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ
خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَ مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَ جَعَلْنَا مِنَ

اصل یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثروں کو حقیقت کا پتہ ہی نہیں- یہی وجہ ہے کہ (سچائی سے) رخ پھیرے ہوئے ہیں! (۲۴)
اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر ایسا نہیں بھیجا جس پر اس بات کی وحی ہم نے نہ بھیجی ہو کہ "کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف میری ذات- پس چاہیے کہ میری ہی بندگی کرو!"- (۲۵)
اور (دیکھو) انہوں نے کہا "خدائے رحمان نے اپنے لیے اولاد بنائی ہے" پاکی ہو اس کے لیے- (یہ جنہیں اس کی اولاد بناتے ہیں وہ اس بات کا وہم وگمان بھی نہیں کر سکتے) بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں- (۲۶) وہ اس کے آگے بڑھ کے بات نہیں کر سکتے- وہ اس کے حکم پر سرتاسر کاربند رہتے ہیں- (۲۷) جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ پیچھے چھوڑ آئے (یعنی ان کا ماضی بھی اور مستقبل بھی) سب اللہ جانتا ہے- ان کی مجال نہیں کہ کسی کو اپنی سفارش سے بخشوالیں مگر ہاں جس کسی کی بخشش اللہ پسند فرمائے، اور وہ تو اس کی ہیبت سے خود ہی ڈرتے رہتے ہیں! (۲۸) اور ان میں سے اگر کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے کہ کہے "اللہ کے سوا میں معبود ہوں" تو اس کی پاداش میں ہم اسے جہنم کی سزا دیں- ہم اسی طرح ظلم کرنے والوں کو ان کے ظلم کا بدلہ دیتے ہیں! (۲۹)
جو لوگ منکر ہیں کیا انہوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین دونوں (اپنی ابتدائی خلقت میں) ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں الگ الگ کیا اور پانی سے تمام جاندار چیزیں پیدا کر دیں؟

ہے- یہ تعلیم حق ہے جو میرے ساتھیوں کے پاس ہے اور اسی طرح وہ تمام تعلیمیں بھی موجود ہیں جو مجھ سے پہلے دی جا چکی ہیں- تم کسی تعلیم سے بھی یہ بات ثابت کر دکھاؤ کہ سچائی کی بات وہ نہیں ہے جو میں پیش کر رہا ہوں؟- پھر اگر بغیر کسی اختلاف کے دنیا کے ہر عہد اور ہر گوشہ کی دینی تعلیم ایک ہی رہی ہے اور سب نے توحید وخدا پرستی ہی کی طرف بلایا ہے تو کیا یہ عالمگیر وحدت تعلیم اور باہم دگر تصدیق وتوثیق حقیقت کی موجودگی کا ایک قطعی ثبوت نہیں ہے؟ چنانچہ آیت (۲۵) میں وضاحت کر دی کہ دعوت قرآن سے پہلے جتنی دعوتیں بھی دنیا میں آ چکی ہیں ان سب کی پکار اس کے سوا کچھ نہیں رہی ہے کہ ﴿ لا اله الا انا فاعبدون ﴾
یہی بات آگے چل کر سورۂ احقاف میں بھی ملے گی: ﴿ ائتونی بکتاب من قبل هذا اواثارة من علم'ان كنتم صٰدقين ﴾ (۴۶:۴) مزید تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ مبحث وحدت ادیان دیکھو-
(۹) قرآن کا عام اسلوب موعظت یہ ہے کہ توحید ربوبیت وخالقیت سے توحید الوہیت پر استدلال کرتا ہے- چنانچہ آیت (۳۰) میں فرمایا- کیا منکرین حق اس بات پر غور نہیں کرتے کہ کس کی قدرت وحکمت نے یہ تمام کارخانۂ خلقت پیدا کیا ہے اور کس کی ربوبیت نے اسے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا
فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَاۗءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾
وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ
مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَاْىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ
وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا

پھر کیا یہ (اس بات پر) یقین نہیں رکھتے؟ (۳۰)

اور ہم نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ بنا دیے کہ ایک طرف کو ان کے ساتھ جھک نہ پڑے اور ہم نے ان میں (یعنی پہاڑوں میں) ایسے درے بنا دیے کہ راستوں کا کام دیتے ہیں- تاکہ لوگ اپنی منزل مقصود پالیں- (۳۱)

اور ہم نے آسمان کو ایک چھت کی طرح بنا دیا- (ہر طرح کے نقص اور خرابی سے) محفوظ! مگر یہ لوگ اس کی نشانیوں سے رخ پھیرے ہوئے ہیں! (۳۲)

اور (دیکھو) وہی ہے جس نے رات اور دن کا اختلاف پیدا کیا اور سورج اور چاند بنائے- یہ تمام (ستارے) اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں- (۳۳)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشگی نہیں دی (اور نہ تیرے لیے ہمیشہ زندہ رہنا ہے) پھر اگر تجھے مرنا ہے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ (۳۴)

ہر جان کے لیے موت کا مزہ چکھنا ہے- اور ہم تمہیں (زندگی کی) اچھی بری حالتوں کی آزمائشوں میں ڈالتے ہیں تاکہ تمہارے لیے (یعنی تمہاری سعی وطلب کے لیے) آزمائشیں ہوں- اور پھر (بالآخر) تم سب کو ہماری طرف لوٹنا ہے! (۳۵)

اور (اے پیغمبر!) جب تجھے وہ لوگ دیکھتے ہیں جنہوں نے انکار حق کی راہ اختیار کی ہے تو انہیں اور تو کچھ سوجھتا نہیں، بس تجھے اپنی ہنسی ٹھٹھے کی بات بنا لیتے ہیں "کیا- یہی وہ آدمی ہے جو ہمارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے؟" اور ان کا حال یہ ہے کہ

زندگی اور زندگی کی ساری احتیاجوں کے لیے اس درجہ اوفق واصلح بنا دیا ہے؟ اس طریق استدلال کی تشریح تفسیر فاتحہ میں ملے گی- تخلیق کائنات کی جو حالت یہاں بیان کی گئی ہے اس کی تشریح سورۂ یونس کے آخری نوٹ میں گزر چکی ہے-

(۱۰) جب انسان کسی کے بغض وعناد میں کھویا جاتا ہے تو پھر اپنی زندگی کا اتنا خواہشمند نہیں رہتا جتنا اس کی موت کا آرزومند ہو جاتا ہے- دعوت حق کے معاندوں کا بھی یہی حال تھا- وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی موت کے خیال سے اپنا جی خوش کرتے تھے اور کہتے تھے- اور تو کچھ ہونے والا نہیں، ہاں اسی طرح دعوے کرتے کرتے ختم ہو جاؤ گے- آیت (۳۴) میں منکروں کی انہی خام خیالیوں کی طرف اشارہ کیا ہے- فرمایا: دنیا میں ہر جان کے لیے مرنا ہے- یہاں کسی کے لیے دائمی زندگی نہ ہوئی- پس اصلی سوال مرنے کا نہیں ہے- سوال تو یہ ہے کہ ﴿ نبلوكم بالشر والخير فتنة ﴾ ہم نے آزمائش عمل میں ڈالنے کے لیے خیر وشر کی آزمائشیں پیدا کر دی ہیں- ان آزمائشوں سے کون کس

---

۱ یقال رسایرسو- اذا ثبت واقام- قال الشاعر: فصبرت عارفة لذالك حرّة- ترسو اذا نفس الجبان تطلع

۲ قال الزجاج: كل مخرّق بين جبلين 'فهو "فج"-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَ هُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیْكُمْ
اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَ لَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِیْهِمْ
بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ
فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ مَنْ یَّكْلَؤُكُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ ع ۳

خدائے رحمان کے ذکر سے یک قلم منکر ہیں! (۳۶)

آدمی کی سرشت ہی میں جلد بازی ہے۔ (وہ مستقبل کا انتظار کرنا نہیں چاہتا) اچھا عنقریب تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھا دیں گے۔ اتنی جلدی نہ کرو! (۳۷)

اور یہ کہتے ہیں ''اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ یہ وعدہ کب ظہور میں آئے گا؟'' - (۳۸)

اگر یہ منکر اس گھڑی کا حال معلوم کر لیں جب آتش (عذاب بھڑکے گی اور اس) کے شعلے نہ تو اپنے آگے سے ہٹا سکیں گے نہ پیچھے سے اور نہ کہیں سے مدد پائیں گے (تو کبھی اس شوخی و شرارت سے ظہور نتائج کا مطالبہ نہ کریں!) - (۳۹)

بلکہ وہ گھڑی تو ان پر اچانک آموجود ہوگی اور انہیں مبہوت کر دے گی۔ پھر نہ تو اس وقت کو پھرا دے سکیں گے اور نہ مہلت ہی پائیں گے! (۴۰)

اور (اے پیغمبر!) یہ واقعہ ہے کہ تجھ سے پہلے بھی پیغمبروں کی ہنسی اڑائی جا چکی ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہی نکلا ہے کہ جس بات کی ہنسی اڑاتے تھے (یعنی ظہور نتائج کی) وہی بات ان پر چھا گئی! (۴۱)

(اے پیغمبر!) ان سے پوچھ ''رات کا وقت ہو یا دن کا مگر کون ہے جو خدائے رحمان سے تمہاری نگہبانی کر سکتا ہے''

طرح عہدہ برآ ہوتا ہے؟ خیر کا سرمایہ جمع کرتا ہے یا شر کا؟ یہ تمہاری موت کے خیال سے اپنا جی خوش کرتے ہیں مگر خود اپنی زندگی کی خبر نہیں لیتے!

☆☆ (۱۱) قرآن نے جابجا انسانی طبیعت کے اس خاصہ کا ذکر کیا ہے کہ وہ اپنی خواہشوں' رایوں اور اقدام عمل میں جلد باز واقع ہوا ہے۔ یہاں بھی آیت (۳۷) میں اس طرف اشارہ کیا۔ فرمایا۔ جن نتائج کے ظہور کی خبر دی جا رہی ہے وہ عنقریب ظاہر ہونے والے ہیں لیکن یہ منکر شور مچا رہے ہیں کہ فوراً ظاہر کیوں نہیں ہو جاتے؟ اچھا تھوڑا سا انتظار اور کریں۔ بہت جلد سامنے آ جائیں گے۔ اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اگر انسانی طبیعت میں جلد بازی ہے تو قرآن اس خاصہ کی مذمت نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے نزدیک فطرت انسانی کا کوئی خاصہ بھی فی نفسہ برائی کے لیے نہیں ہے۔ ﴿ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ﴾ (۹۵:۴) ضروری تھا کہ اس کی طبیعت میں جلد بازی ہوتی۔ کیونکہ یہی جلد بازی ہے جو اس کے اندر سعی عمل کا فوری ولولہ پیدا کرتی ہے اور اس کی ساری سرگرمیوں کے لیے ایک محرک کا کام دیتی ہے۔ لیکن خواص طبیعت کے ہر گوشہ کی طرح یہاں بھی اسے ٹھوکر اصل خاصہ کے تقاضا میں نہیں لگتی بلکہ اس کے بے محل اور بے اعتدالانہ استعمال میں لگتی ہے۔ اسے جہاں صبر کرنا چاہیے وہاں بے صبری کرنے لگتا ہے' اور جب فیصلہ کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے تو بے دھڑک فیصلہ کر دیتا ہے۔ پس قرآن انسان کی ہر گمراہی کی طرح اس گمراہی میں بھی سوء استعمال کی مذمت کرتا ہے نہ کہ طبیعت اور خواص طبیعت کی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ
اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۫ وَ
لَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ
يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ

(اگر وہ تمہیں عذاب دینا چاہے؟) مگر (ان سے کیا پوچھو گے!) یہ تو اپنے پروردگار کی یاد سے بالکل رخ پھیرے ہوئے ہیں! (۴۲)
پھر کیا ان کے لیے معبود ہیں جو ہم سے انہیں بچا سکتے ہیں؟ (بھلا وہ کیا بچائیں گے؟) وہ خود اپنی مدد تو کر نہیں سکتے اور نہ ہماری ہی طرف سے حفاظت پا سکتے ہیں![1] (۴۳)
اصل یہ ہے کہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو (فوائد زندگی سے) بہرہ ور ہونے کے موقعے دیے یہاں تک کہ (خوش حالیوں کی سرشاری میں) ان کی بڑی بڑی عمریں گزر گئیں (اور اب غفلت ان کی رگ رگ میں رچ گئی ہے) مگر کیا یہ لوگ نہیں دیکھ رہے کہ ہم زمین کو چاروں طرف سے ان پر تنگ کرتے ہوئے چلے آ رہے ہیں؟ پھر کیا وہ (اس مقابلہ میں) غالب ہو رہے ہیں؟
(اے پیغمبر!) تو کہہ دے "میری پکار اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کی وحی سے علم پا کر تمہیں متنبہ کر رہا ہوں" اور (یاد رکھ) جو بہرے ہیں انہیں کتنا ہی خبردار کیا جائے کبھی سننے والے نہیں! (۴۵)
اور اگر ان پر تیرے پروردگار کے عذاب کی ایک چھینٹ بھی پڑ جائے تو (ساری سرکشی و شرارت بھول جائیں اور) بے اختیار پکار اٹھیں "ہائے افسوس! بلاشبہ ہم ہی ظلم کرنے والے تھے!"[2] (۴۶)
اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو کھڑے کر دیں گے۔ پس کسی جان کے ساتھ ذرا بھی ناانصافی نہ ہو گی۔

(۱۲) آیت (۳۸) سے (۴۷) تک مشرکین مکہ کو ان کی سرکشی و غفلت پر سرزنش کی ہے کہ سچائی کی نشانیاں دیکھتے تھے بشارت و نذارت کے پیہم اعلانات سنتے تھے مگر شرارت سے باز نہیں آتے تھے اور نصیحت پکڑنے کی جگہ اعلان حق کی ہنسی اڑاتے تھے۔
(۱۳) آیت (۴۵) نے دعوت حق کی پوری حقیقت واضح کر دی ہے "میں تمہیں وحی الٰہی سے خبر پا کر متنبہ کر رہا ہوں۔ مگر جانتا ہوں، جو بہرے ہیں، انہیں کتنا ہی خبردار کیا جائے سننے والے نہیں!"
(۱۴) آیت (۴۷) میں یہ حقیقت واضح کی ہے کہ فطرت کا ترازو بڑا ہی دقیقہ سنج ہے۔ ایک ذرہ بھی اس کی تول میں کم نہیں ہو سکتا۔ کوئی عمل کتنا ہی حقیر ہو۔ مثلاً تم نے کسی مصیبت زدہ پر ہمدردی کی ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال دی، راہ چلتے ایک پتھر ہٹا دیا، ایک پیاسی چیونٹی کے

[1] العرب تقول "صحبك الله" اى حفظك واجارك - قال الشاعر:
ينادى باعلى صوته متعوذا ليصحب منا و الرماح دوانى!
[2] ال ابن كيسان "النفحه" اى الشى القليل ماخوذ من نفح المسك - وقال المبرد "النفحة" الدفعة من الشى التى دون معظمه - يقال نفحه نفحة بالسيف اذا ضربه ضربة خفيفة -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى
وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ ضِيَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ
مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ ع ۴
اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ
التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ
كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾

اگر رائی برابر بھی کسی کا عمل ہوگا تو ہم اسے وزن میں لے آئیں گے۔ جب ہم (خود) حساب لینے والے ہوں تو پھر اس کے بعد کیا باقی رہا؟ (۴۷) اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان (یعنی حق کو باطل سے الگ کر دینے والی قوت) اور (وحی الٰہی کی) روشنی اور متقیوں کے لیے نصیحت دی تھی۔ (۴۸) ان متقیوں کے لیے جو اپنے پروردگار کی ہستی سے بغیر اسے دیکھے ہوئے ڈرتے رہتے ہیں اور آنے والی گھڑی کے تصور سے بھی لرزاں رہتے ہیں! (۴۹)

اور یہ (قرآن) بھی نصیحت ہے، برکت والی۔ ہم نے اسے نازل کیا۔ پھر کیا تمہیں اس سے انکار ہے؟ (۵۰)

اور اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو اس کے درجہ کے مطابق[1] سمجھ بوجھ عطا فرمائی تھی اور ہم اس کی حالت سے بے خبر نہ تھے۔ (۵۱) جب اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا تھا "یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی پوجا پر تم جم کر بیٹھ گئے ہو؟" (۵۲) تو انہوں نے جواب دیا تھا "ہم نے اپنے باپ دادوں کو دیکھا انہی کو پوجا کرتے تھے"۔ (۵۳)

ابراہیم نے کہا "یقین کرو۔ تم خود بھی اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے"۔ (۵۴)

اس پر انہوں نے کہا "تو ہم سے سچ مچ کہہ رہا ہے یا مزاح کر رہا ہے؟"۔ (۵۵)

آگے پانی کا قطرہ ٹپکا دیا، مگر ضروری ہے کہ اس کے وزن میں آ جائے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ رائگاں جائے۔ اور تم خود اپنی زندگی ہی میں دیکھ لو۔ فطرت کے قانون مجازات کی دقائق اندیشیوں کا کیا حال ہے؟ تم نے ایک پل کے لیے کسی پر ہمدردی کی نظر ڈالی اور معاً تمہارے اندر حسن اخلاق کا ایک نقش جم گیا۔ تم نے کسی جانور پر بھی بے رحمی کی نگاہ ڈالی اور تمہارے آئینہ اخلاق میں قساوت کا بال پڑ گیا۔ تمہاری کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی تمہیں بدلہ دیے بغیر نہیں رہ سکتی اور بدلہ ٹھیک ٹھیک نپا تلا ہوتا ہے۔ رائی برابر بھی ادھر ادھر نہیں!

(۱۵) آیت (۴۸) سے سلسلہ بیان اس طرف متوجہ ہو گیا ہے کہ متذکرہ صدر مقاصد پر گزشتہ دعوتوں اور قوموں کی سرگزشتوں سے استشہاد کیا جائے۔ چنانچہ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کی طرف اشارہ کیا جن کی کتاب وحی کا حال عام طور پر معلوم و مسلم تھا۔ فرمایا۔ اسی طرح قرآن کا بھی نزول ہوا ہے۔ پھر اگر یہ اس سے منکر ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام سلسلہ وحی و تنزیل سے منکر ہیں۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا وہ ابتدائی واقعہ بیان کیا ہے جو ان کے وطن "اُور" میں پیش آیا تھا جہاں سے ہجرت کر کے وہ کنعان آئے اور وہیں بقیہ عمر کے لیے بس گئے۔

---

[1] "ولقد اتینا ابراهیم رشده" ای الرشد اللائق به وبامثاله من الرسل۔ مترجموں نے "رشدہ" کی ضمیر کا مطلب بالکل ضائع کر دیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۫ وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ
لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ
يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ
اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا
يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾

ابراہیم نے کہا "نہیں میں کہتا ہوں، آسمان اور زمین کا پروردگار جس نے ان سب کو پیدا کیا- وہی تمہارا بھی پروردگار ہے- میں اس حقیقت پر تمہارے آگے گواہ ہوں!"-(۵۶)

"اور (ابراہیم نے کہا) بخدا میں ضرور تمہارے ان بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا جب تم سب پیٹھ پھیر کے چل دو گے"-(۵۷)

چنانچہ (اس نے ایسا ہی کیا) اس نے بتوں کو توڑ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا- صرف ایک بت جوان میں بڑا سمجھا جاتا تھا چھوڑ دیا کہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں-(۵۸)

انہوں نے کہا (یعنی جب لوگ معبد میں واپس آئے تو یہ حال دیکھ کر کہنے لگے) "ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی؟ جس کسی نے کی ہو وہ بڑا ہی ظالم آدمی ہے"-(۵۹)

چند آدمیوں نے کہا "ہم نے ایک نوجوان کو ان کے بارے میں کچھ کہتے سنا تھا- اسے ابراہیم کہہ کے پکارتے ہیں-"(۶۰)

لوگوں نے کہا "اسے یہاں تمام آدمیوں کے سامنے بلا لاؤ- تاکہ سب گواہ رہیں"-(۶۱)

ان لوگوں نے ابراہیم سے کہا (کیونکہ اب اسے بلا لائے تھے) "ابراہیم! کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی؟"(۶۲)

ابراہیم نے کہا "بلکہ (یوں سمجھو) اس بت نے کی جو ان میں سب سے بڑا ہے- اگر بت بول سکتے ہیں تو خود اسی سے دریافت کر لو"-(۶۳)

تب وہ آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے- انہوں نے کہا "اس میں شک نہیں ناانصافی کی بات تو ہم ہی سے ہو گئی"(۶۴)

پھر وہ اس حال میں پڑ گئے کہ (شرم و خجالت سے) سر جھکے ہوئے تھے- انہوں نے کہا "تو اچھی طرح جانتا ہے، یہ بت بات نہیں کیا کرتے"-(۶۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا
وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾ وَ نَجَّيْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ
بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ يَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً
يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا
عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَ لُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ

ابراہیم نے کہا "پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو تمہیں نہ تو کسی طرح کا نفع پہنچا ئیں نہ نقصان؟(۶۶) تمہاری حالت کتنی نا قابل برداشت ہے اور ان کی بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، کیا تم عقل سے بالکل کورے ہو گئے؟"(۶۷)

انہوں نے (آپس میں) کہا "اگر ہم میں کچھ بھی ہمت ہے تو آؤ' اس آدمی کو آگ میں ڈال کر جلا دیں اور اپنے معبودوں کا بول بالا کریں"-(۶۸)

(مگر) ہمارا حکم ہوا "اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم کے لیے سلامتی!"-(۶۹)

اور (دیکھو) انہوں نے چاہا تھا ابراہیم کے ساتھ ایک چال چلیں لیکن ہم نے انہیں نامراد کر دیا-(۷۰) ہم نے اسے اور (اس کے بھتیجے) لوط کو (دشمنوں سے) نجات دلا کر ایک ایسے ملک میں پہنچا دیا جسے قوموں کے لیے (بڑا ہی) بابرکت ملک بنایا ہے (یعنی سرزمین کنعان)(۷۱)

اور (پھر) ہم نے اسے (ایک فرزند) اسحاق عطا فرمایا اور مزید برآں (پوتا) یعقوب- ان سب کو ہم نے نیک کردار بنایا تھا-(۷۲) ہم نے انہیں (انسانوں کی) پیشوائی دی تھی- ہمارے حکم کے مطابق وہ راہ دکھاتے تھے- ہم نے ان پر وحی بھیجی کہ ہر طرح کی بھلائی کے کام انجام دیں- نیز نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ ادا کریں- وہ ہماری بندگی میں لگے رہتے تھے!(۷۳)

اور (اسی طرح) لوط کو بھی ہم نے (احکام حق دینے کا) علم عطا فرمایا- ہم نے اس بستی سے اسے نجات دے دی جس کے باشندے بڑے ہی گندے کام کیا کرتے تھے- اور کچھ شک نہیں بڑے ہی بدراہ' حد سے گزرے ہوئے

☆☆(۱۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بتوں کی عظمت لوگوں کے دلوں میں اس طرح جم گئی ہے کہ عقل و بصیرت کی کوئی صدا بھی اسے متزلزل نہیں کر سکتی' تو اعلان حقیقت کے لیے انہوں نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا- ایسا طریقہ کہ تمام لوگوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا' ان کے معبود خود ان سے بھی زیادہ عاجز اور بے بس ہیں اور وہمی اور روایتی عقیدت کے سوا کوئی حقیقت موجود نہیں- تشریح اسی سورت کے آخر میں ملے گی-

جب لوگ اس مقابلہ میں عاجز و درماندہ ہو گئے تو پھر جیسا کہ جہل و تعصب کا قاعدہ ہے ظلم و تشدد پر اتر آئے- انہوں نے چاہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ آگ میں جلا دیں- لیکن اللہ نے ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ سلامت وہاں سے نکل کر کنعان چلے گئے- ان کے ساتھ ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے- ان دونوں کے توطن کنعان کی تفصیل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَ اَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَ نُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ
قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَ نَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي
الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا
حُكْمًا وَّ عِلْمًا ۟ وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَ الطَّيْرَ ؕ وَ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ
لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً

لوگ تھے۔(۷۴) (ہم نے ان سے لوط کو نجات دی) اور اپنی رحمت کی پناہ میں لے لیا۔ یقیناً وہ نیک کردار انسانوں میں سے ایک انسان تھا! (۷۵)

اور (اسی طرح) نوح کا معاملہ (بھی یاد کرو) جو ان (نبیوں) سے پیشتر کا ہے۔ جب اس نے ہمیں پکارا تھا تو (دیکھو) ہم نے اس کی پکار سن لی۔ اور اسے اور اس کے گھرانے کو ایک بڑی ہی سختی سے نجات دے دی۔(۷۶) نیز ان لوگوں کے مقابلہ میں جو ہماری نشانیاں جھٹلاتے تھے اس کی مدد کی۔ وہ بڑے ہی بدراہ لوگ تھے پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا! (۷۷)

اور داؤد اور سلیمان (کا معاملہ بھی یاد کرو) جب وہ (ملک کے) کھیت میں کہ لوگوں کی بکریاں اس میں منتشر ہو گئی تھیں حکم چلاتے تھے اور ہم ان کی حکم فرمائی دیکھ رہے تھے۔(۷۸) پس ہم نے سلیمان کو اس بات کی پوری سمجھ دے دی اور ہم نے حکم دینے کا منصب اور (نبوت کا) علم ان میں سے ہر ایک کو عطا فرمایا تھا۔ نیز ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے لیے مسخر کر دیا تھا۔ وہ اللہ کی پاکی کی صدائیں بلند کرتے تھے اور اسی طرح پرندوں کو بھی۔ اور ہم (ایسا ہی) کرنے والے تھے۔(۷۹)

اور (دیکھو) ہم نے داؤد کو تمہارے لیے زرہ بکتر بنانا سکھا دیا کہ تمہیں ایک دوسرے کی زد سے بچائے پھر کیا تم (ہماری بخششوں کے) شکر گزار ہو؟ (۸۰) اور (دیکھو) ہم نے (سمندر کی) تند ہواؤں کو بھی سلیمان کے لیے کیسا مسخر کر دیا تھا کہ اس کے

بہ ضمن آیت (۶۹) سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔

(۱۷) اگر ایک آدمی ایک طرف کھیت بوئے دوسری طرف رات کو اپنی بکریاں بھی کھول دیا کرے تو کیا نتیجہ نکلے گا؟ یہی کہ ساری فصل تباہ ہو جائے گی۔ وہ جتنا چر سکیں گی چر لیں گی، جتنا روند سکیں گی روند جائیں گی!

یہی حال یہودیوں کا تھا۔ وہ ایک طرف بناتے تھے دوسری طرف خود اپنے ہی ہاتھوں اسے اجاڑ دیتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے انہیں فلسطینیوں پر فتح مند کرایا اور تمام ملک ساحل بحر تک ان کے قبضہ میں آ گیا لیکن پھر بھی ان میں نظم و اطاعت کی روح پیدا نہ ہوئی۔

البتہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک نیا انقلاب رونما ہوا اور انہوں نے اپنی دانش و حکمت نبوت سے یہودیوں کی حالت ایسی پلٹ دی کہ ایک عظیم الشان عبرانی مملکت قائم ہو گئی۔

آیت (۷۸) میں اسی صورت حال کی طرف غالباً اشارہ کیا گیا ہے۔

آیت کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "الحرث" سے مقصود کوئی خاص کھیتی ہو اور "نفش القوم" سے کسی خاص گروہ کی بکریاں یعنی کسی کا کھیت تھا اور کسی کی بکریاں اس میں جا پڑی تھیں۔ اس جھگڑے کا فیصلہ دونوں نے کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ عٰلِمِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَمِنَ
الشَّیٰطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَیَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِیْنَ ﴿۸۲﴾
وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا
مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ ۪ وَاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۴﴾
وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ

حکم پر چلتی تھیں اور اس سرزمین کے رخ پر جس میں ہم نے بڑی ہی برکت رکھ دی ہے (یعنی فلسطین اور شام کے رخ پر جہاں بحر احمر اور بحر متوسط سے دور دور کے جہاز آتے تھے) اور ہم ساری باتوں کی آگاہی رکھتے ہیں! (۸۱)

اور شیطانوں میں سے ایسے شیطان جو اس کے لیے غوطے لگاتے اور اس کے علاوہ اور بھی طرح طرح کے کام کرتے اور ہم انہیں اپنی پاسبانی میں لیے ہوئے تھے۔ (۸۲)

اور ایوب (کا بھی معاملہ یاد کرو) جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا "میں دکھ میں پڑ گیا ہوں اور خدایا! تجھ سے بڑھ کر رحم کرنے والا کوئی نہیں!" (۸۳)

پس ہم نے اس کی پکار سن لی اور جس دکھ میں پڑ گیا تھا وہ دور کر دیا۔ ہم نے اس کا گھرانا (پھر سے) بسا دیا اور اس کے ساتھ ویسے ہی (عزیز و اقارب) اور بھی دیے۔ یہ ہماری طرف سے اس کے لیے رحمت تھی اور یہ نصیحت ہے ان کے لیے جو اللہ کی بندگی کرنے والے ہیں! (۸۴)

اور (اسی طرح) اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل۔ سب (راہ حق میں) صبر کرنے والے تھے۔ (۸۵)

نے بھی اور فیصلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا زیادہ قوی اور اوفق تھا۔ مزید تشریح عام تفاسیر میں ملے گی۔

(۱۸) آیت (۷۹) میں "یسبحن" کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ جو "ان من شیء الا یسبح بحمدہ" میں ہے۔ دوسرا یہ کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام حمد الٰہی کے نغمے گاتے تھے تو سماں بندھ جاتا تھا اور چٹانیں تک وجد میں آ جاتی تھیں![1]

حضرت داؤد علیہ السلام بڑے ہی خوش آواز تھے۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عبرانی موسیقی مدون کی اور مصری اور بابلی مزامیر کو ترقی دے کر نئے نئے آلات ایجاد کیے۔ تورات اور روایات یہود سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بیٹھ کر حمد الٰہی کے ترانے گاتے اور اپنا ربط بجاتے تو شجر و حجر جھومنے لگتے تھے۔ روایات تفسیر سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہیں۔ پرندوں کی تسخیر کو بھی دونوں باتوں پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ اس پر بھی کہ ہر طرح کے پرند ان کے محل میں جمع ہو گئے تھے اور اس پر بھی کہ ان کی نغمہ سرائیوں سے متاثر ہوتے تھے۔

کتاب زبور در اصل ان گیتوں کا مجموعہ ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام نے الہام الٰہی سے نظم کی تھیں۔ ہم نے انہیں اپنی رحمت کے سایہ میں

[1] التسبیح اما حقیقة او مجاز۔ وقد قال بالاول جماعة و هو الظاهر۔ وقال بالمجاز آخرون۔ و حملوا التسبیح علی تسبیح من رآها تعجبا من عظم خلقها وقدرة خالقها (فتح القدیر للشوکانی) قلت و لکل وجهة هو موليها فاستبقوا الخیرات۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَ ذَا النُّوْنِ إِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي
الظُّلُمٰتِ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ
وَ كَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾ وَ زَكَرِيَّآ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ أَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿٨٩﴾
فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَ وَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَ أَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ إِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ

لے لیا- یقیناً وہ نیک بندوں میں سے تھے-(۸۶)

اور (اسی طرح) ذوالنون (کا معاملہ یاد کرو) جب ایسا ہوا تھا کہ وہ (راہ حق میں) خشم ناک ہو کر چلا گیا- پھر اس نے خیال کیا ہم اسے تنگی میں نہیں ڈالیں گے- لیکن پھر (جب اس پر حالت تنگ ہوئی تو مایوسی کی) تاریکیوں میں اس نے پکارا "خدایا! تیرے سوا کوئی معبود نہیں! تیرے لیے (ہر طرح کی) پاکی ہو! حقیقت یہ ہے کہ میں نے (اپنے اوپر بڑا ہی) ظلم کیا!"(۸۷)

تب ہم نے اس کی پکار سن لی اور غمگینی سے اسے نجات دی (دیکھو) ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں!(۸۸) اور (اسی طرح) زکریا (کا معاملہ یاد کرو) جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا "خدایا! مجھے (اس دنیا میں) اکیلا نہ چھوڑ (یعنی بغیر وارث کے نہ چھوڑ) اور (ویسے تو) تو ہی (ہم سب کا) بہتر وارث ہے!"(۸۹)

تو (دیکھو) ہم نے اس کی پکار سن لی- اسے (ایک فرزند) یحییٰ عطا فرمایا اور اس کی بیوی کو اس کے لیے تندرست کر دیا- یہ تمام لوگ نیکی کی راہوں میں سرگرم تھے (ہمارے فضل سے) امید لگائے ہوئے اور (ہمارے جلال سے) ڈرتے ہوئے دعائیں

(۱۹) جس وقت تک آتشیں اسلحہ ایجاد نہیں ہوا تھا جنگ میں حفاظت کا بڑا ذریعہ آہنی لباس کا استعمال تھا یعنی زرہ کا- آیت (۸۰) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس صنعت کو بہت فروغ دیا تھا' اور اس میں طرح طرح کی نئی ایجادات کی تھیں- تاریخی آثار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے- ایک ہزار سال قبل مسیح تک زرہ کا استعمال قوموں میں دکھائی نہیں دیتا- لیکن اس کے بعد سے خود کا استعمال شروع ہو جاتا ہے اور پھر دوسری چیزیں بھی مستعمل ہونے لگتی ہیں- یہاں تک کہ سکندر کے عہد میں یونانی اور ایرانی' دونوں سرتاپا آہن پوش ہو گئے تھے-

(۲۰) آیت (۸۱) میں فرمایا- ہم نے سمندر کی باد تند سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دی تھی- یعنی بادبانی کے بڑے بڑے جہاز چلنے لگے تھے- اور خشکی کے جانوروں کی طرح سمندر کی ہوائیں بھی ان کے لیے بار برداری اور نقل و حرکت کا ذریعہ ہو گئی تھیں-

سمندر کی ہواؤں کا معاملہ بھی قدرت کے عجائب مظاہر میں سے ہے- جس وقت تک دخانی قوت کا انکشاف نہیں ہوا تھا' بحری سیر و سیاحت کا ذریعہ یہی ہوائیں تھیں- یہ مختلف جہتوں میں چلتی ہیں اور مختلف وقتوں میں چلتی ہیں اور ان کی جہتیں اور اوقات اس درجہ معین اور منضبط ہیں کہ کبھی ان میں فرق نہیں پڑ سکتا- پھر ان کی تندی و طاقت کا یہ حال ہے کہ بڑے بڑے جہازوں کو تنکوں کی طرح سمندر کی سطح پر دوڑاتے ہوئے لے جاتی ہیں!

قدیم عہدوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے جہازوں سے اس طرح کام لینا شروع کیا کہ ہندوستان اور مغربی جزائر تک بحری آمد و رفت کا منظم سلسلہ قائم ہو گیا- تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تجارتی بیڑہ وقت کا سب سے زیادہ طاقتور بیڑہ تھا- بحر احمر میں

لے "لن نقدر عليه" اى لن نضيق عليه- يقال قدروقدر' وقتروقتر' اى ضيق- ومنه قوله "يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر" اى يضيق- "ومن قدر عليه رزقه"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَ الَّتِيْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا
مِنْ رُّوْحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖۗ وَّ اَنَا
رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَ تَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ ع ۶
الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَ حَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ

مانگتے تھے اور ہمارے آگے عجز و نیاز سے جھکے ہوئے تھے!(۹۰)

اور (اسی طرح) اس عورت کا معاملہ جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی (یعنی مریم علیہا السلام کا معاملہ) پس ہم نے اپنی روح میں سے (یعنی اپنے ملائکہ کے جوہر ملکوتیت میں سے ایک جوہر) اس میں پھونک دیا اور اسے اور اس کے بیٹے (مسیح علیہ السلام) کو تمام دنیا کے لیے (سچائی کی) ایک نشانی بنا دیا!(۹۱)

(ان تمام رسولوں کے ذریعہ سے ہم نے جو تعلیم دی تھی وہ یہی تھی کہ) ''یہ تم سب کی امت فی الحقیقت ایک ہی امت ہے (الگ الگ دین اور الگ الگ گروہ بندیاں نہیں ہیں) اور میں ہی تم سب کا (تن تنہا) پروردگار ہوں- پس چاہیے کہ میری ہی بندگی کرو'' (اور اس راہ میں الگ الگ نہ ہو)-(۹۲) مگر لوگوں نے آپس میں اختلاف کر کے اپنے (ایک ہی) دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے- (بالآخر) سب کو ہماری ہی طرف لوٹنا ہے-(۹۳)

پس (یاد رکھو- اصل اس باب میں یہ ہے کہ) جس کسی نے نیک کام کیے اور وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے تو اس کی کوشش اکارت جانے والی نہیں- ہم اس کی نیکیاں لکھ لینے والے (موجود) ہیں!(۹۴) اور (دیکھو) جس آبادی کے لیے ہم نے ہلاکت ٹھہرا دی

اس کا مرکز ''ترسیس'' تھا جو خلیج عقبہ میں واقع تھا' اور بحر متوسط میں صور' طائر' یافہ کی بندرگاہیں-

فلسطین کا علاقہ ایسے گوشہ میں واقع ہوا ہے کہ اس کے مغرب و شمال میں بحر متوسط ہے اور جنوب میں بحر احمر- پس اسے متضاد سمتوں کی ہوائیں چاہییں تا کہ دنیا کے جہاز اس کے ساحلوں تک پہنچ سکیں- یعنی بحر احمر میں شمالی ہوا اور متوسط میں جنوبی اور مشرقی- اور اگر چہ دونوں سمندروں کا باہمی فاصلہ کچھ زیادہ نہیں لیکن قدرت الٰہی نے ان کی ہواؤں کی سمتیں ایسی ہی رکھ دی ہیں، بیک وقت بحر احمر میں باد شمال کے جھونکے چلتے ہیں اور متوسط میں باد جنوب کے اور دونوں یکساں طور پر سواحل شام و فلسطین کے لیے مفید ہیں-

اس تفصیل کے بعد'' الی الارض التی بارکنا فیھا'' کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے-

(۲۱) قرآن میں شیطان کا اطلاق شیاطین الجن پر بھی ہوا ہے اور شیاطین الانس پر بھی- مثلاً ﴿ انما ذلکم الشیطان یخوف اولیاءہ ﴾ (۳: ۱۶۹) میں شیطان سے مقصود قریش مکہ کا بھیجا ہوا جاسوس ہے یا ﴿ وَ اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ ﴾ (۸:۴۸) میں شیطان کا اطلاق سراقہ بن مالک ابن جعشم پر کیا گیا جو قریش کو لڑائی پر ابھارتا تھا مگر پھر بھاگ گیا-

پس یہاں آیت (۸۲) میں بھی معلوم ہوتا ہے شیاطین کا اطلاق شیاطین الانس ہی پر ہوا ہے- یعنی فلسطین اور شام کی ان شریر اور سرکش قوموں پر جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں بالکل مطیع و منقاد ہو گئی تھیں اور انہوں نے ہیکل کی تعمیر میں تیرہ برس تک ہر طرح کی سخت سخت خدمتیں انجام دی تھیں- ہیکل کی بنیاد حضرت داؤد علیہ السلام نے ڈال دی تھی لیکن تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی- تورات کی کتاب سلاطین اول سے معلوم ہوتا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ
اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا
بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ
كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَ كُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ هُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَ هُمْ

تو اس کے لیے (کامیابی وسعادت) ممکن نہیں - وہ کبھی (اپنی سرکشی وغفلت سے) لوٹنے والے نہیں! (۹۵)
جب وہ وقت آ جائے گا کہ یاجوج اور ماجوج کی راہ کھل جائے گی' (زمین کی) تمام بلندیوں سے وہ دوڑتے ہوئے اتر آئیں گے (۹۶) اور (خدا کے ٹھہرائے ہوئے) سچے وعدہ کی گھڑی قریب آ جائے گی' تو اس وقت اچانک ایسا ہوگا کہ لوگوں کی آنکھیں (شدت دہشت وحیرت سے) کھلی کی کھلی رہ جائیں گی - ان لوگوں کی آنکھیں جنہوں نے (سچائی سے) انکار کیا تھا - (وہ پکار اٹھیں گے) ''افسوس ہم پر! ہم اس (ہولناک گھڑی) سے غفلت میں رہے - بلکہ ہم ظلم وشرارت میں سرشار تھے!'' - (۹۷)
تم اور وہ تمام چیزیں جن کی اللہ کو چھوڑ کر پوجا کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہیں' تم سب وہاں پہنچنے والے ہو - (۹۸)
اگر یہ چیزیں سچ مچ کو معبود ہوتیں تو کبھی دوزخ میں نہ پہنچتیں حالانکہ سب اس میں ہمیشہ کے لیے رہنے والے ہیں! (۹۹) ان کے لیے دوزخ میں (صرف دکھ اور جلن کی) چیخیں ہوں گی اور وہ (اور کچھ) نہیں سنیں گے! (۱۰۰) (مگر) جن لوگوں کے لیے ہم نے پہلے سے بھلائی کا حکم دے دیا تو وہ یقیناً دوزخ سے دور کر دیے گئے - (۱۰۱) وہ (اس سے اتنے دور ہوں گے کہ) وہاں

ہے کہ تیس ہزار آدمی تیرہ برس تک کام میں لگے رہے تب کہیں جا کر عمارت تیار ہوئی تھی -
(۲۲) عہد عتیق میں ''ایوب'' کے نام سے ایک صحیفہ ہے اور اس میں اس نام کے ایک راست باز اور صابر انسان کی سرگزشت لکھی ہے - آیت (۸۳) میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے -
سرگزشت کا خلاصہ یہ ہے کہ ''عوض کے ملک میں ایوب ایک کامل اور راست باز انسان تھا - خدا نے اسے بڑا خاندان اور بڑی دولت دے رکھی تھی - اس کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں - سات ہزار بھیڑیں، تین ہزار اونٹ' ایک ہزار بیل' اور پانچ سو بار برداری کے گدھے تھے - اس کے نوکر چاکر بھی بے شمار تھے' اور اہل مشرق میں اس درجہ مال دار کوئی نہ تھا - وہ اس دولت وشوکت کے لیے خداوند کا شکر گزار تھا اور ہمیشہ بدی سے دور رہتا تھا''
لیکن پھر زندگی کی ساری مصیبتیں ان پر آ پڑیں - ان کے مویشی لوٹ لیے گئے - نوکر چاکر قتل ہو گئے - اولاد مر گئی - جاہ وحشم نابود ہو گیا' اور زندگی کی خوش حالیوں میں سے کوئی چیز بھی باقی نہ رہی - پھر بربادیوں کے یہ تمام زخم ایک ایک کر کے نہیں لگے کہ سنبھلنے اور جھیلنے کی مہلت ملی ہو - بہ یک وقت لگے اور اچانک دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی!
لیکن عین اس حالت میں بھی حضرت ایوب علیہ السلام کی زبان سے کلمہ صبر وشکر کے سوا اور کچھ نہیں نکلا: ''وہ سجدے میں گر پڑا' اور کہا - میں اپنی ماں کے پیٹ سے برہنہ پیدا ہوا تھا اور برہنہ ہی دنیا سے جاؤں گا - خداوند نے مجھے دیا تھا اور خداوند نے لے لیا - اس کے نام کے لیے ساری پاکیاں اور مبارکیاں ہوں!'' (ایوب ۱:۲۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا
يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ
اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ
الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ مَآ
اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ

کی (اذیتوں کی) بھنک بھی ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی۔
وہ اپنی پسند اور خواہش کی تمام نعمتوں میں ہمیشہ کے لیے مگن رہیں گے! (۱۰۲)
انہیں (روز قیامت کی) بڑی سے بڑی ہولناکی بھی ہراساں نہ کرے گی۔ فرشتے انہیں بڑھ کر لیں گے۔ (اور کہیں گے:) ''یہ ہے وہ تمہارا دن، جس کا (کلام حق میں) وعدہ کیا گیا تھا!''۔ (۱۰۳)
وہ دن جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے بہی کھاتوں کے طومار لپیٹ لیے جاتے ہیں ہم نے جس طرح پہلی پیدائش شروع کی تھی اسی طرح اسے دہرائیں گے بھی۔ اس وعدہ کا پورا کرنا ہم پر ہے اور ہم پورا کر کے رہیں گے! (۱۰۴)
اور (دیکھو) ہم نے زبور میں تذکیر و نصیحت کے بعد یہ بات لکھ دی تھی کہ ''زمین کی وراثت انہی بندوں کے حصے میں آئے گی جو نیک ہوں گے''۔ (۱۰۵) اس بات میں ان لوگوں کے لیے جو عبادت گزار ہیں ایک بڑا ہی پیام ہے (۱۰۶) اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے مگر اس لیے کہ تمام دنیا کے لیے رحمت کا ظہور ہوا (۱۰۷) تو کہہ دے ''مجھ پر جو کچھ وحی کیا گیا ہے وہ تو صرف یہ ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی تنہا معبود ہے (اس کے سوا کوئی نہیں) پس بتلاؤ، تم اس کے آگے سر جھکاتے ہو

سب کچھ جا چکا تھا۔ صرف جسم کی تندرستی باقی رہ گئی تھی۔ اب اس نے بھی جواب دے دیا: ''اور ایوب کے تلوے سے لے کر سر کی چاندی تک سارے جسم میں جلتے ہوئے پھوڑے نکل آئے۔ وہ ایک ٹھیکرا لے کر اپنا جسم کھجاتا اور راکھ پر بیٹھا رہتا'' (۸:۲)
لیکن اس پر بھی ان کی زبان ایک لمحہ کے لیے شکوہ و شکایت سے آلودہ نہ ہوئی!
اب درد و مصیبت کی یہ حالت برابر بڑھتی ہی جاتی ہے۔ لیکن جوں جوں بڑھتی جاتی ہے روح کا یقین، دل کا صبر اور زبان کا زمزمہ شکر بھی بڑھتا جاتا ہے۔ چنانچہ تمام صحیفہ ایوب انہی دلنشین مواعظ کا مجموعہ ہے جو ان کے درد و غم کی آہوں اور کرب و اذیت کی صداؤں کے اندر نمایاں ہوئے۔ ان کی ہر آہ حمد و ثنا کا نغمہ تھی اور ہر پکار صبر و شکر کی تلقین۔ اسلوب بیان یہ ہے کہ تین دوست مصیبت کا حال سن کر آتے ہیں اور اللہ کے کاموں اور حکمتوں پر ان سے ردوکد کرتے ہیں۔ پھر اللہ کی وحی انہیں مخاطب کرتی ہے اور ان کی آزمایش کا دور ختم ہو جاتا ہے: ''اور خداوند نے ایوب کی حالت بدل دی۔ اسے پہلے کی نسبت دو چند دولت عنایت کی۔ اس کے تمام عزیزوں کو اس کے گرد جمع کر دیا۔ اسے آخری عمر میں پہلے کی طرح اولاد ملی۔ وہ ایک سو چالیس برس تک جیا اور اپنی نسل کی چار پشتیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں'' (۱۰:۴۲)
اس بات کے اظہار کے لیے کہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے ایک آزمایش تھی پیرایہ بیان یہ اختیار کیا گیا ہے کہ ''شیطان نے کہا: ایوب کی خدا پرستی و راست بازی اس لیے ہوئی کہ خدا نے اسے ہر طرح کی خوشحالیاں دے رکھی ہیں۔ اگر وہ ان سے محروم ہو جائے تو پھر کبھی خدا کا شکر گزار نہ ہو'' لیکن وہ خوشحالیوں سے محروم ہو گئے۔ پھر بھی ان کا ایمان و یقین گھٹنے کی جگہ اور زیادہ بڑھ گیا!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَ اِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا
تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَ اِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ
وَ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

یانہیں؟"-(۱۰۸)

پھر اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دے "میں نے تمہیں (انکار وسرکشی کے نتائج سے یکساں طور پر) خبردار کر دیا ہے۔ میں نہیں جانتا جس بات کا وعدہ کیا گیا ہے اس کا وقت قریب آ لگا ہے یا ابھی دور ہے- (تاہم وہ ٹلنے والا نہیں) (۱۰۹) اللہ کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں- جو کچھ پکار کے (علانیہ) کہا جاتا ہے وہ بھی اور جو کچھ تم (دلوں میں) چھپائے ہوئے ہو وہ بھی-(۱۱۰) اور مجھے کیا معلوم؟ ہوسکتا ہے کہ اس (تاخیر) میں تمہارے لیے آزمائش رکھ دی گئی ہو اور یہ بات ہو کہ ایک مقررہ وقت تک زندگی کا لطف اٹھالو!(۱۱۱)

اس نے کہا (یعنی پیغمبر نے دعا کرتے ہوئے عرض کیا:) "خدایا! اب (دیر نہ کر!) سچائی کے ساتھ فیصلہ کر دے اور ہمارا پروردگار تو (وہی) الرحمٰن ہے- اسی سے مدد مانگی گئی ہے-جیسی کچھ باتیں تم بنا رہے ہو ان کے خلاف اسی کی مددگاری فیصلہ کر دے گی!(۱۱۲)

قرآن نے صبر وشکر کی یہ پوری داستان صرف چند جملوں میں بیان کر دی ہے اور اس کا ایجاز بلاغت اتنا ہی موثر ہے جتنا صحیفہ ایوب کے پچاس صفحوں کا شاعرانہ اطناب ہے- آیت (۸۱) اور (۸۴) پر مکرر نظر ڈالو: ﴿ وایوب اذ نادی ربه: انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین: فاستجبنا له' فکشفنا ما به من ضر واتیناه اهله' ومثلهم معهم؛ رحمة من عندنا و ذکریٰ للعابدین! ﴾

" انی مسنی الضر" میں ان کے درد ومصیبت کی ساری داستان آ گئی- کوئی گوشہ بھی نہیں چھوٹا- ساتھ ہی اسلوب خطاب یہ ہوا کہ "میں دکھ میں پڑ گیا ہوں" یہ نہ ہوا کہ "تو نے مجھے دکھ میں ڈال دیا ہے" کیونکہ وہ تو کسی کو بھی دکھ میں نہیں ڈالتا- اس نے جو کچھ بھی بخشا ہے سرتاسر سکھ اور راحت ہی ہے- جو حالت بھی ہمارے لیے دکھ ہو جاتی ہے خود ہماری ہی صورت حال کا نتیجہ ہوتی ہے- چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے مخاطبات میں ہر جگہ یہ حقیقت نمایاں ہوئی-

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا' ﴿ربنا ظلمنا انفسنا، وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین ﴾ (۷:۲۳) خدایا! ظلم ہم نے کیا اور مغفرت کی طلبگاری تجھ سے ہے! اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی موعظت سورۂ شعراء میں آئے گی ﴿ واذا مرضت فهو یشفین ﴾ (۸:۲۶) جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہی ہے جو مجھے شفا دیتا ہے- یعنی بیماری میں پڑنا میری حالت ہوئی- شفا دینا اس کا کام ہوا- کیونکہ اس کے پاس جو کچھ ہے شفا ہی شفا ہے- اس کی رحمت نے دار الشفا بنایا ہے- بیماریاں بانٹنے کا کوئی گھر نہیں بنایا ہے- وما احسن قول الشاعر العارف:

کفر ہم نسبت بہ خالق حکمت ست چوں بہ ما نسبت کنی' کفر آفت ست!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا اور شرح انی مسنی الضر:

اور یہی وجہ ہے کہ فرمایا: **تعز من تشاء و تذل من تشاء- بیدك الخیر!** (۲۶:۳) ''تو جسے چاہے عزت دے دے- جسے چاہے ذلیل کر دے ہر طرح کا ''خیر'' تیرے ہی ہاتھ ہے'' یعنی جسے عزت ملی وہ بھی خیر کی بات ہوئی، جسے ذلت ملی- وہ بھی خیر کی بات ہوئی- حالانکہ جسے ذلت ملی اس کے لیے تو ''شر'' ہی کی بات ہوئی ''خیر'' کی بات نہیں ہوئی- لیکن قرآن کہتا ہے اس کے لیے اور اس کی اضافت سے ''شر'' کی بات ہوئی- فی الحقیقت ''شر'' کی بات نہ ہوئی- کیونکہ خدا جو کچھ کرتا ہے خیر ہی خیر ہے- شر کا یہاں گزر ہی نہیں- یہ ہم ہیں اور ہماری حالت ہے جو ''شر'' کا جامہ پہن لیا کرتی ہے:

ہر چہ ہست از قامت ناساز و بے اندام ماست ورنہ تشریف تو بر بالائے کس دشوار نیست!

مسلم کی حدیث ابوذر میں یہی حقیقت واضح کی گئی ہے: **''یا عبادی انما ھی اعمالکم' احصیھا لکم ثم اوفیکم ایاھا فمن وجد خیرًا' فلیحمد اللہ' و من وجد غیر ذلك' فلا یلومن الا نفسہ''** ''اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہی ہیں جنہیں میں تمہارے لیے ضبط کرتا ہوں اور پھر ان کے نتائج پورے پورے لوٹا دیتا ہوں- پس تم میں سے جو کوئی خیر پائے تو اللہ کی ستائش کرے اور جس کسی کو کوئی دوسری حالت پیش آ جائے تو اور کسی کا شکوہ نہ کرے- خود اپنے نفس کو ملامت کرے''

وانت ارحم الراحمین:

اس کے بعد کہا ﴿ **وانت ارحم الراحمین** ﴾ اور غور کرو اس ایک جملہ میں سفر ایوب کے کتنے صفحے آ گئے؟ اس میں حمد و ثنا بھی آ گئی، صبر و شکر کا دامن بھی نہیں چھوٹا' طلب و الحاح کا ہاتھ بھی دراز ہو گیا' اور عجز و نیاز کی پیشانی بھی بندگی و تذلل کی زمین پر پڑ گئی ''خدایا! میں دکھی ہوں اور تجھ سے بڑھ کر کون ہے جو رحم کرنے والا ہو؟''

طوبی لعبد تکون مولاہ!

اگر ایک فقیر بادشاہ سے کہے ''میں محتاج ہوں اور تجھ سے بڑھ کر کوئی سخی نہیں'' تو پھر اس کے بعد اور کیا رہ گیا جو اس نے نہیں کہا؟ اور کیوں اس سے زیادہ اس کی زبان سے کچھ نکلے؟ بلاشبہ یہ عرض حال ہے- طلب و سوال نہیں- لیکن

در حضرت کریم تقاضا چہ حاجت است؟

آیت ۸۴ کی جامعیت:

اس کے بعد صرف ایک آیت کے اندر پوری سرگزشت اور اس کا ماحصل بیان کر دیا- غور کرو کس طرح یہ آیت ایک پورے صحیفہ کا کام دے رہی ہے اور کس طرح اس کا ہر جملہ اپنی جگہ ایک پورا باب ہے؟

(ا) **فاستجبنا لہ**- ہم نے اس کی پکار سن لی- یعنے وحی الٰہی کی وہ اجابت جو سفر ایوب کے چار بابوں میں بیان کی گئی ہیں- ۳۸ سے ۴۲ تک-

(ب) **فکشفنا ما بہ من ضر**- پس درد و مصیبت میں سے جو کچھ اسے پیش آیا تھا' سب ہم نے دور کر دیا- اس میں وہ ساری مصیبتیں آ گئیں جن کی تفصیلات دو بابوں میں آئی ہیں-

(ج) **واتیناہ اھلہ**- اس کا گھرانا اسے دے دیا- ''دے دیا'' یعنی اس سے کھویا گیا تھا- پھر اسے واپس مل گیا- اس اشارے نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاندانی مصیبت اور تفرقہ کی ساری داستان بتلا دی۔

(ہ) ومثلهم معهم اتنا ہی اور بھی۔ یعنی گھر بار کا جمگھٹا پہلے سے دوچند کر دیا۔

(د) لیکن یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ اور اس سرگزشت کا ماحصل کیا ہے؟ ﴿ رحمة من عندنا ﴾ یہ ہماری طرف سے رحمت کا ظہور تھا۔ کیونکہ رحمت کو پکارا گیا تھا "وانت ارحم الراحمین!" پس ضروری تھا کہ رحمت جواب دے۔

(ز) ﴿ وذکری للعابدین ﴾ اور اس لیے کہ بندگی کرنے والوں کے لیے اس میں نصیحت ہو۔ یعنی یہ حقیقت آشکارا ہو جائے کہ جو عبادت گزارانِ حق ہیں، وہ کبھی رحمت الٰہی کی بخششوں سے محروم نہیں رہ سکتے!

قرآن کے قصص اور اشارات قصص کا یہی حال ہے۔ ترجمان القرآن میں اس کی گنجائش نہیں نکل سکتی تھی کہ ہر مقام کی تفسیر اس تفصیل کے ساتھ کی جائے۔ پس صرف اس مقام کی تفسیر کر دی گئی، تا کہ اہل نظر کے لیے ایک نمونہ کا کام دے اور تمام مقامات کا مطالعہ اسی روشنی میں کر سکیں۔

اس سلسلہ میں چار باتیں اور یاد رکھنی چاہییں۔

حضرت ایوب علیہ السلام عرب تھے:

اولاً، محققین تورات میں سے اکثر اس طرف گئے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام عرب تھے، عرب میں ظاہر ہوئے تھے اور سفر ایوب اصلاً قدیم عربی میں لکھی گئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے قدیم عربی سے عبرانی میں منتقل کیا۔

سفر ایوب میں ہے کہ وہ "عوض" کے ملک میں رہتے تھے اور آگے چل کر تصریح کی ہے کہ ان کے مویشی پر شیبا (سبا) کے لوگوں نے اور کسدیوں (بابلیوں) نے حملہ کیا تھا (۱:۱۵) ان دونوں تصریحوں سے بھی اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کتاب پیدائش اور تواریخ اول میں "عوض" کو ارام بن سام بن نوح کا بیٹا کہا ہے۔ اور "ارامی" بالاتفاق عرب عاربہ کی ابتدائی جماعتوں میں سے ہیں۔ انیسویں صدی کے اواخر تک یہ بات پوری طرح واضح نہیں ہوئی تھی لیکن اب اس میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا ہے۔ پھر اس مقام کا ایسی جگہ ہونا جہاں سبا اور بابل کے باشندے آ کر حملہ آور ہوتے تھے ایک مزید جغرافیائی روشنی ہے۔ کیونکہ ایسا مقام بجز عرب کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یقیناً یہ عرب کا وہی مقام ہوگا جو قوم عاد کا مسکن تسلیم کیا گیا ہے۔ یعنی عمان سے لے کر حضر موت تک کا علاقہ۔

یوباب:

کتاب پیدائش اور تواریخ اول میں ایک اور سامی نام بھی ہمیں ملتا ہے۔ یعنی "یوباب" یہ بنی یقطان میں سے تھا۔ یقطان عبر سے پیدا ہوا، اور عبر سلح بن ارفکسد بن سام سے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا "یوباب" اور "ایوب" ایک ہی نام نہیں ہیں؟

بالاتفاق یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ تورات میں سب سے زیادہ قدیم صحیفہ یہی ہے اور حضرت ایوب علیہ السلام کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے تھا۔ لیکن اگر "یوباب" سے مقصود "ایوب" ہیں تو انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر ہونا چاہیے۔ یا کم از کم حضرت اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کا۔

سفر ایوب منظوم کتاب ہے:

ثانیاً، سفر ایوب کا ایک ایک جملہ کہہ رہا ہے کہ میں شعر ہوں۔ نثر نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے محققین تورات نے اسے بھی امثال اور زبور کی طرح اصلاً کتاب منظوم ہی قرار دیا ہے۔ بلاغت کلام، شعریت بیان اور بلندیِ اسلوب کے لحاظ سے یہ اس درجہ کی کتاب ہے کہ عہد عتیق کا کوئی صحیفہ امثال وزبور مستثنیٰ کر دینے کے بعد اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عربی علم ادب کی قدامت:

ثالثاً' معلوم ہو گیا کہ عربی علم ادب کی تاریخ اس عہد سے بہت پہلے شروع ہو جاتی ہے جو عہد عام طور پر سمجھ لیا گیا تھا- کیونکہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے سفر ایوب جیسی نظم عربی میں لکھی جا سکتی تھی تو یقیناً عبرانی علم و ادب کے نشو و نما سے صدہا سال پہلے عربی علم ادب پوری طرح ترقی یافتہ ہو چکا تھا- بلاشبہ سفر ایوب کی عربی وہ عربی نہ ہو گی جو نزول قرآن کے وقت بولی جاتی تھی- یقیناً عربی کی کوئی ابتدائی شکل ہو گی جس کی اخوات ہمیں آرامی' کلدانی اور آشوری کتبات کے الفاظ و اسماء میں نظر آ رہی ہیں- اور قدیم مصری بھی اس کی جھلک سے خالی نہیں -تاہم وہ عربی زبان ہی ہو گی اور اسی عربی نے موجودہ عربی کے تمام عناصر و مواد بہم پہنچائے ہوں گے۔

اصل یہ ہے کہ عہد جاہلیت کی عربی اگرچہ صحرائیوں کی عربی تھی لیکن زبان کی نوعیت بول رہی ہے کہ یہ صحرائی قبائل کی پروردہ نہیں ہو سکتی- اتنی وسیع' اتنی ہمہ گیر' اتنی دقیقہ سنج' اس درجہ متمول زبان ضروری ہے کہ صدیوں کی متوارث اور مسلسل ادبی زندگی سے ظہور پذیر ہوئی ہو- جو زبان قرآن کے معانی و دقائق کی متحمل ہو گئی کیونکر ممکن ہے کہ اسے غیر متمدن قبائل کی ایک بدوی زبان تسلیم کر لیا جائے؟ اتنا ہی نہیں بلکہ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے جس عربی میں امرء القیس نے اشعار کہے ہیں اس عربی کی لغوی تاریخ اس سے بہت زیادہ قدیم اور بہت زیادہ متمدن ہونی چاہیے جتنی اس وقت تک سمجھی گئی ہے-

جدید اثری انکشافات اور عربی کی قدامت:

گزشتہ صدی تک عربی کی لغوی تاریخ کا یہ مسئلہ ایک لاینحل مسئلہ سمجھا جاتا تھا- حتیٰ کہ بعض محققین نے مجبور ہو کر یہ رائے قائم کر لی تھی کہ زبانوں کی تخلیق اور نشو و نما کا اسے ایک فوری تحول تسلیم کر لینا چاہیے لیکن اب اثری تحقیقات کے آخر میں مواد نے بحث و تعلیل کا ایک نیا میدان پیدا کر دیا ہے اور عربی نسل اور عربی زبان کی تاریخ بالکل ایک نئی شکل میں نمودار ہو رہی ہے- یہ زبان جس پر زندگی و خلود کی آخری مہر قرآن نے لگائی، دراصل مدنی نشو و نما کے اتنے مرحلوں سے گزر چکی ہے کہ دنیا کی کوئی زبان بھی اس وصف میں اس کی شریک نہیں- سمیری اور اکادی اقوام کا تمدن، نینوا اور بابل کی علمی کامرانیاں' قدیم مصری لغات کا عمرانی سرمایہ' آرامی زبان کا عروج و احاطہ' کلدانی اور سریانی کا ادبی تمول، دراصل ایک ہی زبان کی لغوی تشکیل و تکمیل کے مختلف مرحلے تھے اور اسی نے آگے چل کر چوتھی صدی قبل مسیح کی عربی کا بھیس اختیار کیا- جو زبان حضارۃ و تمدن کی اتنی بھٹیوں میں سے پک کر نکلی ہو، ظاہر ہے کہ اس کے اسماء و مصادر کسی مفلس اور خام زبان کے اسماء و مصادر نہیں ہو سکتے-

تابوت احیرام کا انکشاف اور عربی کتبہ:

آج ہم تعجب کے ساتھ دیکھ رہے ہیں کہ ظہور مسیح سے آٹھ نو سو برس پہلے آشوری اور بابلی زبان میں طبق' ملک' شمس' سماء' فلک' نجم' ارض وغیرہ الفاظ ٹھیک انہی معنوں میں مستعمل تھے جن معنوں میں آج مستعمل ہیں! اتنا ہی نہیں بلکہ ۱۹۲۳ء کے ایک جدید انکشاف نے تو ہمیں تیرہ سو برس قبل مسیح تک پیچھے ہٹا دیا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ عربی زبان کے ابتدائی مواد نے ایک کتابی اور ادبی زبان کی حیثیت حاصل کر لی ہے اور اس میں نہ صرف موجودہ اسماء و مصادر ہی پائے جاتے ہیں بلکہ بعض حروف نحویہ[1] تک موجود ہیں- مثلاً حرف عطف وہی ''و'' ہے اور اپنی ابتدائی فینیقی شکل Y میں لکھا جا رہا ہے- الف لام بدستور حرف تعریف ہے اور ہر اسم کے پہلے اپنی نمود رکھتا ہے- مثلاً الملک' الجبل۔

---

[1] حروف نحویہ یعنی مصطلح نحو، ورنہ حروف ابجد تو سب کے سب موجود ہیں-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''ذی'' (بمعنی ذو- ذو الجلال وذو القرنین) ہر جگہ نمودار ہے- اسم اشارہ وہی ''ھُوَ'' ہے- ''علی'' اسی معنی میں مستعمل ہے جس میں اب مستعمل ہوتا ہے- نیز ملک[1] لفعل، طمع، فتح، ٹھیک انہی معنوں میں بولے گئے ہیں جو بعد کو لغت قریش میں بولے گئے!

عربی کا یہ کتبہ ایک تابوت پر منقش ہے- اس میں ''احیرام'' ملک جبلس کی نعش رکھی گئی تھی اور اس کے بیٹے ''ثوبعل'' کے حکم سے تیار ہوا تھا- ''احیرام'' کا نام تورات میں بھی آیا ہے اور تاریخی حیثیت سے اس کا زمانہ بالاتفاق ۱۲۵۰ قبل مسیح ہے- کتبہ کا خط وہی ابتدائی عربی خط ہے جسے عام طور پر فینیقی خط کے نام سے پکارا جاتا ہے اور جس نے آگے چل کر آرامی، سریانی اور نبطی خطوط کی شکلیں اختیار کی ہیں-[2]

اس انکشاف نے تاریخ کے متعدد گوشوں کے لیے بحث ونظر کے نئے نئے چراغ روشن کر دیے- ازاں جملہ یہ کہ معلوم ہو گیا، تورات کے نزول اور کتب خانہ بابل کی الواح سے بھی پہلے عربی زبان کے مواد ومصادر نے ایک مکتوب ومرسوم زبان کی نوعیت اختیار کر لی تھی یعنی اس درجہ تک پہنچ چکی تھی کہ اس میں اعلانات وفرامین لکھے جاتے تھے- محض بول چال ہی کی زبان نہ تھی- نیز یہ کہ اگر ۱۲۵۰ قبل مسیح عربی زبانی کی ایک ابتدائی شکل کا یہ حال تھا تو یہ بات کیوں عجیب سمجھی جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے حضرت ایوب علیہ السلام نے عربی میں کوئی منظوم صحیفہ لکھا تھا اور شریعت حمورابی بھی اصلاً عربی کی کتابت ہے-

قرآن کا عربی میں نزول:

علاوہ بریں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قرآن کا عربی میں نازل ہونا اور جابجا اس پر زور دینا کہ ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ﴾ (۱۲:۲) ''ہم نے قرآن کسی اور زبان میں نازل نہیں کیا، عربی میں نازل کیا'' صرف اتنے ہی معنی نہیں رکھتا جس قدر اس وقت تک سمجھے گئے ہیں بلکہ ایک بہت زیادہ وسیع اور گہری حقیقت اس میں مضمر ہے، تفصیل اس مقام کی مقدمہ میں ملے گی۔

دنیا کی قدیم ترین نظم سفر ایوب ہے:

رابعاً، اگر سفر ایوب کی یہ نوعیت تسلیم کر لی جائے تو مان لینا پڑے گا کہ شعر وادب کا سب سے قدیم نمونہ یہی ہے جو اس وقت تک ہماری معلومات میں آیا ہے- اور اگر قدامت کے اعتبار سے دنیا کی کوئی کتاب منظوم اس سے معارضہ کر سکتی ہے، تو وہ صرف ہندوستان کا رگ وید

---

[1] ملک بمعنی بادشاہ نے تو ایسی لفظی صولت وتاثیر حاصل کر لی تھی کہ ایران کی آرین زبان بھی اسے برتنے پر مجبور ہو گئی- چنانچہ دارائے اعظم اپنے کتبوں میں اپنے کو ''شہنشاہ'' کہنے کی جگہ ''ملک ملکان'' کہتا ہے- (دیکھو کتبہ استخر و بے ستون) بعد کو اردشیر بابکان نے ''شاہِ شاہان'' کا لقب اختیار کیا- جسے عربوں نے ''ساسان'' بنا دیا، تاہم ''ملک ملکان'' کا لقب بھی شاپور ساسانی کے کتبوں میں بار بار آتا ہے- جیسا کہ حاجی آباد کے کتبوں سے ظاہر ہے-

علاوہ بریں ساسانی عہد میں عربی اسماء والفاظ کے غلبہ ورسوخ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ خود اَوِستا کی زبان عربی آمیز ہو گئی- ساسانی اوستا کے جو اجزاء ہندوستان کے پارسیوں سے ملے ہیں ان میں جابجا عربی الفاظ واصوات پائے جاتے ہیں- ایک مدت تک یہ آمیزش محل تعجب رہی- حتیٰ کہ سر ولیم جونس نے ان اجزاء کی اصلیت ہی سے انکار کر دیا- مگر اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جس طرح بعد از اسلام کی فارسی جدید عربی سے مخلوط ہوئی ہے، اسی طرح قبل از اسلام کی قدیم فارسی قدیم عربی الفاظ سے مخلوط ہو گئی تھی- پوری شرح اس مسئلہ کی مقدمہ میں ملے گی-)

[2] یہ جنگ کے بعد نہایت اہم انکشافات میں سے ہے- اس وقت تک حروف ابجدی (یعنی غیر تصویری وغیر مسماری) کی منضبط کتابت کا سب سے قدیمی نمونہ ''حجر سینا'' سمجھا جاتا تھا- یعنی وہ پتھر جو ۱۸۳۴ء میں جزیرہ نمائے سینا میں ملا اور جس پر ''میشا'' شاہ موآب نے ۹۰۰ قبل مسیح میں اپنی ایک فتح کا حال کندہ کرایا ہے- یہ فتح اسے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں حاصل ہوئی تھی- لیکن اب اس تابوت کے انکشاف نے اس سے ساڑھے تین سو برس پیشتر کی کتابت مہیا کر دی، اور اس طرح معاملہ ۹۰۰ ق م کی جگہ ۱۲۵۰ ق م تک پہنچ گیا- گویا دست انسانی کی علمی کتابت کا سب سے زیادہ قدیمی نمونہ جو اس وقت ہمارے قبضہ میں ہے وہ ۱۲۵۰ ق م کا ہے، اور عربی زبان اور عربی کے فینیقی رسم الخط میں ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے بشرطیکہ اسفار ہند کی قدامت کا وہ مذہب تسلیم کرلیا جائے جو رگ وید کو ۱۵۰۰ قبل مسیح یا اس سے بھی پیچھے لے جانا چاہتا ہے۔[1]

اس وقت تک غیر غنائی شاعری کا سب سے زیادہ قدیم نمونہ ہومر کی الیڈ تسلیم کی گئی ہے۔لیکن اگر ہومر کا عہد وہی قرار دیا جائے جو ہیروڈٹس کے بیان سے متبادر ہوتا ہے' تو زیادہ سے زیادہ ۹۰۰ قبل مسیح ہے لیکن سفر ایوب کا زمانہ اس سے بھی پہلے کا زمانہ ہونا چاہیے۔پس قدیم ترنظم ہومر کی نہ ہوئی، سفر ایوب کی ہوئی۔

ہندوستان کی دو رزمیہ نظمیں مہابھارت اور رامائن بھی قدیم نظمیں ہیں لیکن ان کا زمانہ تصنیف بھی محققین عصر کے نزدیک چوتھی صدی قبل مسیح سے زیادہ پیچھے نہیں جاسکتا، اور زمانہ تدوین بہ شکل کتاب تو اکثروں کے نزدیک زیادہ سے زیادہ سنہ مسیحی کے ابتدائی قرون ہیں۔[2]

یونس علیہ السلام:

(۲۳) آیت (۸۷) میں ''ذوالنون'' سے مقصود بالاتفاق حضرت یونس علیہ السلام ہیں۔عہد عتیق میں ان کا عبرانی نام ''یوناہ'' آیا ہے اور ان کے نام سے ایک صحیفہ بھی موجود ہے۔یہاں انہیں ''ذوالنون'' کے نام سے پکارا گیا کیونکہ ان پر مچھلی کا حادثہ گزرا تھا اور قدیم عربی میں ''نون'' مچھلی کو کہتے تھے۔چنانچہ آرامی' کلدانی اور مصری میں بھی مچھلی کا یہی نام بولا گیا ہے۔

اس صحیفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یروشلم میں تھے کہ وحی الٰہی نے انہیں مخاطب کیا اور حکم دیا' باشندگان نینوا کو نزول عذاب کی خبر پہنچا دیں۔نینوا اس زمانے میں دنیا کی سب سے زیادہ عظیم الشان آبادی تھی۔مہم کی گرانباری اور اپنی بے سروسامانی دیکھ کر بہ مقتضائے بشریت طبیعت ہراساں ہوئی۔بہرحال یافہ سے ایک جہاز پر سوار ہوگئے جو ترسیس جا رہا تھا۔اثنائے راہ میں طوفان نے گھیر لیا۔قدیم زمانے میں جہاز رانوں کا اعتقاد تھا اگر طوفان عرصہ تک نہ تھمے تو یہ اس کا ثبوت ہوتا ہے کہ کوئی گنہگار آدمی جہاز میں سوار ہے۔جب تک وہ موجود رہے گا اس کی نحوست سے طوفان بھی جاری رہے گا۔چنانچہ یہی خیال اس جہاز کے مسافروں کو بھی ہوا۔وہ قرعہ ڈالنے لگے کہ کون مجرم ہے اور کسے سمندر کے حوالے کریں۔جب حضرت یونس علیہ السلام نے سنا تو کہا۔ایسا ہی کرنا ہے تو مجھے سمندر میں پھینک دو۔مجھ سے زیادہ اس کا کون مستحق ہو سکتا ہے! صحیفہ میں ہے کہ قرعہ کا فیصلہ بھی یہی ہوا تھا۔

جب طوفان نہیں تھما تو لوگوں نے انہیں سمندر میں ڈال دیا۔سمندر میں ایک بہت بڑی مچھلی تھی۔وہ نگل گئی۔یہ تین دن تک اس کے اندر رہے۔پھر وہ ساحل کی طرف گئی' اور خشکی پر انہیں اگل دیا۔اس طرح قدرت الٰہی نے موت کے منہ میں ڈال کر پھر اس سے زندہ و سلامت نکال لیا۔

---

[1] ویدوں کے عہد تصنیف وتدوین کی نسبت میکس مولر کا مسلک اس وقت تک ماہرین موضوع میں مقبول چلا آتا ہے، اور علمی حیثیت سے اس پر کوئی اضافہ نہیں ہوا۔میکس مولر نے ویدوں کی تصنیف کا زمانہ چار عہدوں پر منقسم کردیا ہے۔سوتر کا زمانہ ۲۰۰ سے ۲۰۰ ق م تک۔برہمن ۸۰۰ سے ۶۰۰ ق م تک۔منتر اور رگ وید کا آخری باب ۱۰۰۰ سے ۸۰۰ ق م تک۔چھند ۱۲۰۰ سے ۱۰۰۰ ق م تک۔رگ وید کی سب سے قدیم نظمیں ۱۲۰۰ ق م سے زیادہ پیچھے نہیں جاتیں۔حال میں مسٹر اے۔بی۔کیتھ Keith پروفیسر سنسکرت ایڈنبرا یونیورسٹی نے اس موضوع پر جو مقالہ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کے لیے لکھا ہے' اس میں بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔وہ تمام بحث کا خاتمہ اس نتیجہ پر کرتے ہیں کہ ''رگ وید کے قدیم ترین ترانے' مثلاً ''اُشا'' ممکن ہے ۱۲۰۰ ق م تک پیچھے لے جائے جاسکیں۔لیکن اس سے زیادہ اسے پیچھے لے جانا موجودہ معلومات کی روشنی میں ممکن نہیں'' (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا۔جلد اول صفحہ ۱۱۳)

[2] دیکھو پروفیسر ای واشبرن ہاپکینس Washburn Hopkins کا مقالہ ''رزمیہ نظموں کا عہد'' مندرجہ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول صفحہ ۲۵۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یوناہ نبی کے صحیفہ میں ہے کہ ''اس نے مچھلی کے پیٹ میں خداوند اپنے خدا سے دعا مانگی تھی اور اس نے اس کی پکار سن لی- وہ پاتال کے بطن میں سے چلایا اور اس کی آواز سنی گئی'' (۲:۱)

قرآن نے یہاں غالباً اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے- '' اذ ذهب مغاضبا'' ای مغاضبا من اجل ربه- کما یقولون ''غضبت لك ای من اجلك - یعنی اللہ کی خاطر خشم ناک ہو کر روانہ ہوا- ﴿ فظن ان لن نقدر علیه ﴾ ای لن نضیق علیه- اس نے گمان کیا کہ ہم اسے تنگی میں نہیں ڈالیں گے- حالانکہ اسے ایک آزمایش پیش آنے والی تھی-

یاد رہے اس جملہ کا مطلب وہ نہیں ہے جو تفسیر کی روایات میں سعید بن جبیر اور حسن رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ ان اللّٰه لا یقدر علی معاقبته- یعنی یونس (علیہ السلام) نے خیال کیا، خدا اس پر قابو نہیں پا سکتا- کیونکہ ایسا اعتقاد تو صریح کفر ہے اور ممکن نہیں ایک لمحہ کے لیے کسی نبی کے قلب میں گزر سکے- یقیناً یہ ان ائمہ تفسیر کا قول نہیں ہو سکتا- بعد کے راویوں کی کج فہمی ہے-

اس آیت کی ایک تفسیر تو یہ ہے- اسی طرح ایک دوسری تفسیر بھی ہو سکتی ہے اور شاید پہلی سے زیادہ موزوں-

تورات کے اسی صحیفہ میں ہے کہ اس حادثہ کے بعد پھر انہیں نینوا کے لیے حکم ہوا- وہ نینوا گئے اور اعلان کیا'' چالیس دن کے بعد یہ شہر برباد ہو جائے گا'' لیکن یہ بات سن کر باشندگان نینوا نے سرکشی نہیں کی بلکہ بادشاہ سے لے کر ادنیٰ باشندے تک سب کانپ اٹھے-

''سب نے خدا کی ہستی پر اعتقاد کیا- بادشاہ نے شاہی لباس اتار کر ٹاٹ کا پیرہن پہن لیا اور تمام باشندوں کے نام فرمان جاری کیا کہ ہر کوئی اپنی بری راہ سے اور ظلم و شرارت کی بات سے باز آ جائے- روزہ رکھے- خدا کے حضور زار نالی کرے- توبہ و انابت کا سر جھکائے'' (۵:۳)

اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ عذاب ٹل گیا- چالیس دن گزر گئے مگر کوئی ہلاکت ظہور میں نہیں آئی- یہ بات حضرت یونس علیہ السلام پر گراں گزری- وہ مضطرب ہوئے کہ اعلان حق میں تخلف کیوں ہوا؟

وہ شہر کے باہر ایک چھپر بنا کے مقیم ہو گئے تھے- رینڈی کے ایک درخت کی شاخیں چھپر پر پھیل گئی تھیں- قضارا اس درخت کی جڑ میں کیڑا لگ گیا- ایک دن صبح اٹھے تو کیا دیکھتے ہیں اس کی شاخیں بالکل سوکھ گئی ہیں اور سایہ کی جگہ دھوپ ہے- یہ حال دیکھ کر نہایت رنجیدہ ہوئے- ''تب خداوند نے کہا: تو اس رینڈی کے درخت کے سوکھ جانے پر اتنا رنجیدہ ہو رہا ہے حالانکہ اس کے بونے اور اگانے میں تو نے کچھ بھی محنت نہیں کی تھی- پھر غور کر میرے لیے ضروری نہیں کہ اس عظیم الشان نینوا پر رحم و شفقت کروں؟ اس نینوا پر جس میں ایک لاکھ بیس ہزار آدمی اور بے شمار مویشی بستے ہیں؟ جنہیں میں نے پیدا کیا اور پروان چڑھایا؟'' (۵:۴)

یعنی عذاب والی بات اپنی جگہ صحیح تھی، وہ کبھی غلط نہیں ہو سکتی تھی- لیکن عذاب کا ظہور لوگوں کے انکار و بدعملی ہی کا نتیجہ تھا- جب وہ اس سے باز آ گئے تو عذاب بھی ٹل گیا، اور یہاں اصل کارفرمائی ہر حال میں عفو و بخشش کی ہے- سرزنش و عقوبت کی نہیں ہے- جب یہ حقیقت ان پر کھل گئی تو ان کا سارا رنج و غم دور ہو گیا-

پس ہو سکتا ہے کہ آیت میں ان کی خشم ناکی سے مقصود وہ حالت ہو جو باشندگان نینوا کا حال دیکھ کر ان پر طاری ہوئی تھی اور ''ظلمات'' سے مقصود رنج و غم کی تاریکیاں ہوں- اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے درد و غم کی حالت میں اللہ کو پکارا اور اللہ نے حقیقت حال منکشف کر کے ان کے دل مضطر کو تسکین دے دی-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفسیر آیت ۹۲:

(۲۴) آیت (۹۲) اس تمام تذکرہ کا خلاصہ ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کا اوپر گزر چکا ہے۔ یعنی اللہ کے یہ تمام رسول جو مختلف عہدوں اور قوموں میں ظاہر ہوئے ان سب کی دعوت کا ماحصل کیا تھا؟ انہوں نے نسل انسانی کے مختلف عہدوں اور گروہوں کو کس بات کا پیام پہنچایا؟ وہ بات ایک ہی تھی یا ایک سے زیادہ؟ یہ آیت اپنے نپے تلے لفظوں میں جواب دیتی ہے کہ ان سب کا پیام ایک ہی تھا اور وہ یہی تھا کہ ﴿ ان هذه امتكم امة واحده' وانا ربكم' فاعبدون ﴾ تم سب ایک ہی امت ہو' تم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے' پس الگ الگ نہ ہو، اسی کی بندگی کرو۔ ﴿ وتقطعوا امرهم بينهم ﴾ لیکن قوموں نے یہ تعلیم بھلا دی اور اپنے دین کا معاملہ آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا یعنی ایک ہی دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بہت سے دین بنا لیے اور ہر گروہ دوسرے گروہ سے کٹ کر الگ ہو گیا۔ وحدت کی جگہ تفرقہ اور اجتماع کی جگہ اشتات ان کا شعار ہوا۔ ﴿ كل الينا راجعون ﴾ مگر بالآخر سب کو ہماری طرف لوٹنا ہے۔ اس وقت حقیقت حال آشکارا ہو جائے گی۔ ہر گروہ دیکھ لے گا کہ اس کی حقیقت فراموشیوں نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا؟

مبادی ثلاثہ توحید:

سبحان اللہ قرآن کی معجزانہ بلاغت ایک چھوٹی سی آیت کے اندر اس معاملہ کے سارے دفتر کس طرح سمیٹ دیے ہیں؟ اور پھر صرف امر و خبر ہی نہیں ہے بلکہ ترتیب بیان نے خود بخود استدلال کی روشنی بھی پیدا کر دی ہے:

(ا) ﴿ ان هذه امتكم امة واحدة ﴾ تم نے کتنے ہی تفرقے پیدا کر رکھے ہوں مگر تمہاری امت اصلاً ایک ہی امت ہے۔

(ب) ﴿ وانا ربكم ﴾ اور میں ہی تم سب کا تنہا پروردگار ہوں۔ میرے سوا کوئی نہیں۔

(ج) ﴿ فاعبدون ﴾ جب تمام نوع انسانی ایک ہی امت ہوئی اور سب کا پروردگار بھی ایک ہی ہوا تو پھر سب کے لیے بندگی و نیاز کی چوکھٹ بھی ایک ہی کیوں نہ ہو؟ ایک سے دو کیوں ہو؟ پس اسی ایک کی بندگی کرو، کیونکہ تم سب ایک ہی ہو اور ایک ہی کے لیے ہو۔ یہاں ایک سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں ہے! غور کرو "فاعبدون" کی "ف" یہاں کس طرح بول رہی ہے؟ کس طرح اس نے استدلال کا پہلو پکا کر دیا ہے؟

توحید امت' توحید ربوبیت، توحید عبادت:

ایک آیت کے اندر تینوں توحیدوں کا بیان جمع ہو گیا: توحید امت۔ توحید ربوبیت۔ توحید دین و عبادت۔ اور یہی تین توحیدیں دعوت قرآنی کا اصل الاصول ہیں۔ وہ ہر جگہ انہی کی صدا بلند کرتا ہے اور انہی پر اپنی تعلیم و تذکیر کی ساری بنیادیں استوار کرتا ہے۔

توحید امت سے مقصود یہ ہے کہ افراد انسانی کی کثرت و انتشار کے پردے میں اس کی وحدت چھپی ہوئی ہے۔ اسے نہ بھولو۔ تمہاری نسل' تمہارا وطن' تمہاری بولیاں کتنی ہی الگ الگ ہو گئی ہوں مگر تم سب ایک ہی نسل انسانی کا گھرانا ہو اور تمہارا گروہ اصل میں ایک ہی گروہ ہے۔

توحید ربوبیت سے مقصود یہ ہے کہ تم نے کتنے ہی مختلف نام رکھ لیے ہوں' کتنی ہی مختلف عبادت گاہیں بنا رکھی ہوں' کتنے ہی مختلف تصور گھڑ لیے ہوں' مگر تمہارے پیدا کیے ہوئے اختلاف سے حقیقت مختلف نہیں ہو سکتی۔ جس طرح تم سب کا گروہ ایک ہی ہے اس طرح تمہارا پروردگار بھی ایک ہی ہے۔ اس ایک کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توحید عبادت سے مقصود یہ ہے کہ جب گروہ ایک ہی گروہ ہے اور پروردگار ایک ہی پروردگار ہے تو دین بھی ایک ہی ہونا چاہیے- وہ ایک سے زیادہ نہیں ہوسکتا- پس سچائی کی راہ یہ ہوئی کہ اسی ایک کی بندگی کرو اور اس راہ میں مختلف اور متفرق نہ ہو جاؤ!

شرط نجات صرف ایمان وعمل ہے:

پھر ایک آیت کے اندر صاف صاف واضح کر دیا کہ نجات وسعادت کا قانون کیا ہے؟ یعنی قوموں کے اس تقطع اور گروہوں کے اس تفرق کے بعد بھی قانون نجات وسعادت کیا ہے؟ فرمایا وہ ہمیشہ کی طرح اب بھی یہی ہے کہ ﴿ **فمن یعمل من الصالحات و هو مومن فلا کفران لسعیه** ﴾ نجات کی شرط صرف دو باتیں ہیں- ایمان اور عمل صالح - جس انسان نے نیک عمل کیے اور اس کے اندر ایمان بھی ہوا تو اس کی سعی کبھی رائگاں جانے والی نہیں- ضروری ہے کہ مقبول ہو- **فمن** کے زور پر غور کرو- یہودی کہتے تھے "**کونوا هودًا**" نصاریٰ کہتے تھے "**کونوا نصاریٰ**" قرآن کہتا ہے نہیں "**فمن یعمل من الصالحات و هو مومن**" کوئی ہو لیکن اگر وہ مومن ہوا اور اس نے نیک عملی کی راہ اختیار کی تو اس کا ایمان وعمل کبھی ضائع نہیں ہوسکتا- وہ اپنا اجر ضرور پائے گا- ﴿ **وانا له کاتبون** ﴾ یہ ہمارا ٹھہرایا ہوا قانون ہے- ہم اس کا ایمان وعمل لکھ دینے والے ہیں- پھر کون ہے جو اسے رائگاں ٹھہرا سکتا ہے؟ دنیا کا ہر انسان ٹھہرا دے لیکن ہمارے دفتر میں وہ ثبت ہو جائے گا-

کتنا اہم مقام ہے مگر تفسیریں اٹھا کر دیکھو، کس طرح اس کی ساری اہمیت بے محل بحثوں میں ضائع کر دی گئی ہے- اہمیت کی وضاحت کے لیے یہ سطریں بھی کافی نہیں ہیں لیکن اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں-

فتح یاجوج وماجوج:

(۲۵) سورۂ کہف کے آخر میں یاجوج وماجوج کی تحقیق گزر چکی ہے- اس سورت کی آیت (۹۶) میں جس خروج کی خبر دی گئی ہے یہ ان کا آخری خروج تھا- یعنی منگولی تاتاریوں کا وہ خروج جو چھٹی صدی ہجری میں منگولیا کی بلندیوں سے امنڈا اور پھر آناً فاناً تمام مشرق و مغرب پر چھا گیا- مشرق میں چین کی تمام مملکت اس نے مسخر کر لی- مغرب میں بحر اسود کے شمالی ساحل سے گزرتا ہوا ڈینیوب کی وادیوں تک پھیل گیا پھر ہنگری وروس پر قابض ہو کر جرمنی کی سرحد تک پہنچ گیا- پھر اسلامی ممالک کی طرف متوجہ ہوا اور چھ صدیوں کے اندر اسلامی تمدن نے جو کچھ تعمیر کیا تھا، جیحون سے لے کر دجلہ تک چشم زدن میں پامال کر دیا- ﴿ **وکان وعدا مفعولا** ﴾

تعبیر بیان کے بعض دقائق:

غور کرو- یہاں صرف چند لفظوں کے اندر اس معاملہ کی خصوصیات کس طرح واضح کر دی ہیں؟ یاجوج وماجوج کے اس ظہور کو "خروج" یا اسی طرح کے کسی دوسرے لفظ سے تعبیر نہیں کیا- بلکہ "فتح" کا لفظ استعمال کیا- "**حتی اذا فتحت یاجوج و ماجوج**" عربی میں جب "فتح" کا لفظ اشیا کے لیے کہا جاتا ہے تو اس کے معنی صرف کھلنے کے ہوتے ہیں- مثلاً "فتح الباب" لیکن جب حیوانات کے لیے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی صرف کھلنے ہی کے نہیں ہوتے بلکہ کھل کر اچانک نکل پڑنے کے ہوتے ہیں- مثلاً ٹڈیوں کا دل کسی گوشہ سے نکل پڑتا ہے تو کہتے ہیں "**فتحت الجراد**"- پس مطلب یہ ہوا کہ یاجوج ماجوج کسی گوشہ میں الگ تھلگ پڑے ہیں- ایک وقت آئے گا کہ اچانک نکل پڑیں گے اور اس طرح نکل پڑیں گے- جیسے مدتوں سے پانی بند پڑا ہو- بند ٹوٹ جائے اور ہر طرف سیلاب امنڈ آئے-

اب دیکھو کس طرح اس ایک لفظ نے معاملہ کی پوری تاریخی نوعیت آشکارا کر دی ہے؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتنہ تاتار:

سورۂ کہف کی تشریحات میں پڑھ چکے ہو کہ ظہور اسلام سے پہلے منگولیا کا آخری قبائلی سیلاب وہ تھا جو چوتھی صدی مسیحی میں مغرب و شمال کی طرف پھیلنا شروع ہوا اور پھر یورپ کے مختلف قطعات میں منقسم ہو کر تھم گیا۔ اس کے بعد قبائل کے نئے سیلابوں کا خروج رک گیا تھا۔ البتہ جو قبائل وسط ایشیا اور سواحل یورال وخزر کے مختلف حصوں میں متوطن ہو گئے تھے ان کی نسل وہاں نشو ونما پاتی رہی۔ اسلامی فتوحات نے جب ان اطراف کا رخ کیا تو انہی قبائل کو وہاں آباد پایا۔ یہ بتدریج مسلمان ہوتے گئے۔ چنانچہ ترک' کرغز' خزر' قجر' تاجیک' چرکس' کرد' اوزبک' سلجوق وغیرہ سے مقصود یہی قبائل ہیں۔ یہ سب اگرچہ منگولیا کی پچھلی ہجرتوں کا بقایا تھے لیکن اب ان کا کوئی تعلق اپنے وطن قدیم سے نہیں رہا تھا۔ بلکہ ایک دوسرے کو اجنبیوں اور دشمنوں کی نظر سے دیکھتے تھے۔

اس عرصہ میں منگولیا کا گوشہ بدستور صحرانشین قبائل کے نئے گروہ پیدا کرتا رہا۔ اب یہ دنیا سے الگ تھلگ تھے۔ اطراف کے سرحدی قطعات پر لوٹ مار کے لیے نکل جاتے مگر اس سے آگے بڑھنے کی جرأت نہ کرتے۔ بعض گروہ جنوب میں پنجاب تک اور مغرب میں بلخ وماوراء النہر تک بھی پہنچ گئے، اور ایک قبیلہ کی ترکتازیاں تو بنارس تک پہنچ گئی تھیں۔ لیکن جیسے قبائلی سیلاب پہلے اٹھ چکے تھے ویسا کوئی سیلاب اب نہ اٹھ سکا۔ تمام قبائلی مواد منگولیا ہی میں سمٹا اور بند ھا رہا۔

لیکن چھٹی صدی ہجری میں ایک طرف تو ان کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی، دوسری طرف ایک غیر معمولی عزم واستعداد کا قائد بھی پیدا ہو گیا۔ یہ مشہور منگولی قائد چنگیز خاں تھا۔ اس نے تمام منتشر قبائل کو ایک رشتہ اطاعت میں منظم کر دیا اور اس طرح ایک عظیم الشان عسکری قوت پیدا ہو گئی۔ اب یہ قتل وغارت کا ایک ایسا منظم سیلاب تھا جسے دنیا کی کوئی انسانی قوت روک نہیں سکتی تھی۔ چنگیز خاں کے بیٹے اوکتائی خاں کے عہد میں اس سیلاب کا بند ٹوٹا اور پھر اچانک اس طرح ہر طرف پھیل گیا، گویا دنیا اپنی بربادی کے لیے صرف اسی بند کے ٹوٹنے کی منتظر تھی!

اس کے بعد فرمایا۔ ﴿ من کل حدب ینسلون ﴾ "حدب" کے معنی کسی چیز کا اٹھا ہوا اور ابھرا ہوا ہونا ہے۔ چنانچہ زمین کے مرتفع حصوں کو "حدبة الارض" کہتے ہیں۔ ای کل اکمة من الارض مرتفعه۔ "نسل" کے معنی تیزی کے ساتھ دوڑنے کے ہیں۔ بھیڑیے کے لپکنے کو "نسلان الذئب" کہیں گے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ وہ زمین کے تمام مرتفع حصوں سے دوڑتے ہوئے آ گریں گے۔

غور کرو، تاتاریوں کے حملے کی یہ کیسی مکمل تصویر ہے؟ تمام مورخ متفق ہیں کہ ان کے خروج کی سب سے بڑی خصوصیت یہی تھی۔ ان کا ظہور منگولیا میں ہوا جو کرۂ ارضی کی سطح مرتفع ہے۔ مشرق کی طرف بڑھے تو یہ بھی بلندی سے اترنا تھا۔ مغرب کی طرف چلے تو یہ بھی بلندی سے اترنا تھا۔ پھر شمال میں روس تک پہنچ گئے، اور جنوب میں تمام مغربی ایشیا کے میدانوں پر چھا گئے۔ یہ بھی بلندیوں سے گرنا ہی تھا۔ کیونکہ وسط ایشیا کی بلندیوں پر نمودار ہوئے اور پھر شمال وجنوب کے زیریں میدانوں پر ٹوٹ پڑے۔ پھر ان کے ظہور کے لیے "ینسلون" کا لفظ کس درجہ موزوں واقع ہوا ہے؟ ان کی شب وروز کی زندگی منگولیا کے بادرفتار گھوڑوں کی پیٹھ پر بسر ہوتی تھی اور سو سو میل تک بغیر دم لیے چلے جاتے تھے۔ جب ان کے جتھے اسلامی ملکوں پر گرے تو ان کی برق رفتاری کا یہ حال تھا کہ ایک شہر کی تباہی کی خبر دوسرے شہر تک پہنچنے نہیں پاتی تھی کہ وہ خود اس کے دروازے پر نمودار ہو جاتے تھے!

علمائے عہد کی تصریحات:

یہی وجہ ہے کہ اس عہد کے اکثر اصحاب نظر ان کی حالت دیکھتے ہی بے اختیار پکار اٹھے کہ یاجوج وماجوج کا موعود خروج یہی ہے۔ امام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں متعدد علماء کا یہ تاثر نقل کیا ہے اور حافظ علم الدین برزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ دمشق میں اور مقریزی رحمۃ اللہ علیہ نے درر المعصیہ میں تصریح کی ہے کہ اس عہد میں ''ایک کثیر جماعت'' اہل علم کی اس فتنہ کو فتح یاجوج وماجوج قرار دیتی تھی- نیز حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ فضائل بنی عباس میں مقریزی کے ایک رسالہ ''ما ورد فی بنی امیه وبنی العباس من الروایات والاقوال'' کا حوالہ دیا ہے اور اس سے یہی قول نقل کیا ہے- شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے جد مجد الدین ابن تیمیہ صاحب منتقی کہا کرتے تھے- اگر یہ خود یاجوج وماجوج نہیں ہیں تو ظاہر ہونے والے یاجوج وماجوج ایسے ہی ہوں گے- صاحب تاریخ گزیدہ نے بھی دبے لفظوں میں اس طرف اشارہ کیا ہے-

''فتح'' سے مقصود کسر سد نہیں ہے:

ہمارے مفسروں نے چونکہ سد ذوالقرنین کی تعمیر کا مطلب یہ سمجھ رکھا تھا کہ جس طرح قیدیوں کو دیوار چن کر بند کر دیتے ہیں اسی طرح ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کو بند کر دیا ہے اس لیے یہاں ''فتحت'' کا لفظ دیکھ کر جھٹ انہوں نے یہ مطلب ٹھہرا دیا کہ جب دیوار کھل جائے گی اور یاجوج ماجوج آزاد ہو کر نکل پڑیں گے- حالانکہ نہ تو سد سے مقصود قید خانہ کی دیواریں ہیں، اور نہ یاجوج ماجوج سے مقصود بھیڑوں کا کوئی گلہ ہے جسے باڑ کھینچ کر بند کر دیا گیا ہو- دنیا میں اس طرح کوئی کسی قوم کو دیواروں میں چن نہیں دے سکتا- ذوالقرنین کے زمانہ میں یاجوج ماجوج کا حملہ ایک خاص راہ سے ہوتا تھا- دوسری راہیں ان پر نہیں کھلی تھیں اس لیے اس نے سد تعمیر کر کے اسے بند کر دیا اور صدیوں تک کے لیے ملک محفوظ ہو گیا- اسی طرح چینیوں نے بارہ سو میل لمبی دیوار تعمیر کر کے شمال اور مغرب کی ساری سرحد بند کر دی- لیکن اب یہ دونوں رکاوٹیں بیکار ہو گئی تھیں کیونکہ چین کے لیے جنوب کی راہ اور مغربی ایشیا کے لیے خراسان کی راہ کھل گئی تھی- **والقصه بطولها**-

فتح یاجوج اور تاریخ اسلام:

اس واقعہ نے تاریخ اسلام کو دو بڑی قسموں میں منقسم کر دیا ہے- قبل از فتنہ تاتار اور بعد از فتنہ تاتار- پہلے عہد کی تمام دینی، تمدنی، ذہنی اور عملی خصوصیات دوسرے عہد میں یک قلم معدوم ہو گئیں- پہلا عہد صرف عروج ہی کا عہد نہ تھا بلکہ تنزل کا بھی تھا- تاہم مسلمانوں کے فکر وعمل کی جو معنوی روح اوائل میں پیدا ہو گئی تھی وہ کسی نہ کسی شکل میں کم وبیش قائم تھی- لیکن اس فتنہ نے پچھلا دور بالکل ختم کر دیا اور عالم اسلامی کی خون آلود سرزمین سے جو نیا دور بنا، وہ ہر اعتبار سے ایک مختلف اور متضاد دور تھا اور سرتاسر عہد تنزل کی پیداوار- آج مسلمانوں کے فکر وعمل کا جو ڈھانچا نظر آ رہا ہے یہ اسی دور کی پیداوار ہے-

اس انقلاب حال کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ عربی خلافت کا بالکلی خاتمہ ہو گیا- عربی خلافت اس سے پہلے بھی خلافت نہیں رہی تھی- خلافت کا محض سایہ تھی- تاہم سایہ باقی تھا اور وہ اصلیت کی یاد تازہ کرتا رہتا تھا- لیکن سقوط بغداد سے یہ سایہ بھی معدوم ہو گیا-

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا:

بخاری کی حدیث زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا میں اس صورت حال کی طرف صاف صاف اشارہ موجود ہے- **استیقظ النبی صلی الله علیه وسلم محمرا وجهه 'یقول لا اله الا الله'ویل للعرب من شرٍ قد اقترب-فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل هٰذه (وعقد سفیان تسعین او مائة)''قیل انهلك وفینا الصالحون؟ قال''نعم' اذا كثر الخبث''** یعنی آنحضرت (ﷺ) ایک دن سو کر اٹھے تو ان کا چہرۂ مبارک شدت تاثر سے سرخ ہو رہا تھا' اور فرما رہے تھے ''لا الہ الا اللہ! اس شر سے جو قریب آ گیا، عرب کے لیے افسوس! آج یاجوج وماجوج کی روک کھل گئی'' پھر انگلیوں سے حلقہ بنا کر بتلایا کہ ابھی صرف اتنی راہ کھلی ہے- یہ حلقہ روپیہ کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برابر یا اس سے کچھ چھوٹا تھا۔[1] آخری راوی کو اس بارہ میں شبہ پڑ گیا۔ بہر حال مطلب یہ تھا کہ ابھی صرف رخنہ پڑا ہے، پوری راہ نہیں کھلی۔ اس پر عرض کیا گیا "کیا ہم ہلاکت میں پڑ جائیں گے حالانکہ ہم میں صالح انسان بھی ہوں گے؟ فرمایا "ہاں جب گندی بڑھ جائے گی۔"

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

اولاً آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یعنی ساتویں صدی مسیحی میں یاجوج ماجوج کی روک کھلنا شروع ہو گئی تھی لیکن اتنی نہیں کھلی تھی کہ قدم باہر بڑھا سکیں۔ یہ حقیقت خواب میں اس طرح دکھائی گئی جیسے ایک دیوار ہے اور اس میں ذرا سا سوراخ بن گیا ہے۔ چنانچہ تاریخ اس کی ہو بہو تصدیق کرتی ہے۔ ٹھیک یہی زمانہ ہے جب منگولی قبائل نے اس راہ کے علاوہ جسے ذوالقرنین بند کر چکا تھا، ایک دوسری راہ کا سراغ پالیا۔ یعنی بحر خزر اور بحر اسود کی درمیانی راہ کی جگہ بحیرۂ یورال اور بحر خزر کا درمیانی راستہ۔ چھٹی صدی میں تاتاریوں کے بعض قبائل اس طرف بڑھ آئے اور دریائے جیحوں کی وادیوں میں آباد ہو گئے۔

ثانیاً یاجوج ماجوج کے ظہور میں عرب کے لیے ہلاکت تھی۔ کیونکہ ویل للعرب فرمایا، "للمسلمین" نہیں فرمایا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو نسل عربی اقتدار و عروج کے انقراض کا باعث ہوئی وہ یہی منگولی نسل ہے، اور اس لیے یقیناً یاجوج و ماجوج سے مقصود یہی نسل تھی۔ عربی اقتدار کی ہلاکت کی ابتدا بھی اسی نسل کی مختلف شاخوں سے ہوئی۔ یعنی ترکوں اور سلجوقیوں سے، اور انتہا بھی اسی کے نئے ظہور سے ہوئی۔ یعنی منگولی تاتاریوں سے۔

تاریخ کی ایک ناقابل فراموش عبرت:

اس باب میں بہت سے امور تفصیل طلب ہیں لیکن یہاں مزید اطناب کا موقع نہیں، البتہ تذکیر و عبرت کے لیے ایک تاریخی حقیقت یاد رکھنی چاہیے۔ اسلام کا مورخ کبھی اس واقعہ کے ماتم سے فارغ نہیں ہو سکتا کہ تاتاریوں کی ابتدائی تاخت اور آخری تاخت دونوں کا باعث خود مسلمانوں کی فرقہ بندی اور اس کی جاہلی عصبیت ہوئی۔ یعنی بربادی کا پہلا دروازہ حنفیوں اور شافعیوں کے باہمی جدال سے کھلا اور بربادی کی آخری تکمیل یعنی بغداد کا قتل عام سنیوں اور شیعوں کے اختلاف کا نتیجہ تھا!

چنگیز خاں نے وسط ایشیا کا بالائی علاقہ خوارزم تک (یعنی خیوا تک) فتح کر لیا تھا لیکن اس سے آگے قدم نہیں بڑھا سکا تھا۔ بعد کو جب اس کے پوتوں میں سلطنت تقسیم ہوئی تو وسط ایشیا اور اس کے ملحقات ہلاکو خاں کے زیر حکومت آئے۔ لیکن اسے بھی آگے بڑھنے کی جرأت نہیں ہوئی کیونکہ اسلامی مملکتوں کی شش صد سالہ عظمت کا رعب ابھی تک دلوں سے محو نہیں ہوا تھا۔ مگر اس اثنا میں اچانک ایک واقعہ ایسا پیش آ گیا جس نے خود بخود ہلاکو کے آگے فتح و تسخیر کی راہیں کھول دیں۔ خراسان میں حنفیوں اور شافعیوں میں باہمی جنگ و جدال کا بازار گرم تھا۔ طوس کے حنفیوں نے شافعیوں کی ضد میں آ کر ہلاکو کو حملہ کی دعوت دی اور شہر کے دروازے کھول دیے۔ پھر جب تاتاریوں کی تلوار چمک گئی تو اس نے نہ حنفیوں کو چھوڑا نہ شافعیوں کو۔[2] دونوں کا خاتمہ کر دیا!

---

[1] ذکر کے شمار کے لیے عربوں میں تسبیح کا رواج نہ تھا۔ تسبیح پیروان بودھ کی ایجاد ہے اور انہی سے مسلمانوں نے لی۔ عرب جب شمار کرنا چاہتے تو انگلیوں پر شمار کرتے۔ اسی کو عقد انامل کا طریقہ کہتے ہیں۔ عقد انامل میں ایک علامت نوے کی ہے، ایک سو کی۔ دونوں میں حلقہ بن جاتا ہے۔ ایک ذرا بڑا ایک چھوٹا۔ سفیان نے یہ روایت بیان کرتے ہوئے ایسا ہی حلقہ بنا کر دکھایا تھا۔ لیکن آخری راوی کو شبہ پڑ گیا کہ نوے والا تھا یا سو والا۔ اس لیے اس نے دونوں کا ذکر کر دیا۔

[2] اس واقعہ کی طرف اشارہ اگرچہ تمام مورخوں نے کیا ہے لیکن تفصیل ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغ میں ملے گی جو ایران اور مصر میں چھپ گئی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خراسان کی تسخیر نے بغداد کی شاہراہ کھول دی تھی- پھر بھی ہلاکو اس کی جرأت نہ کر سکا کہ عباسی دارالخلافہ پر حملہ کرے لیکن اب پھر خود مسلمانوں کے باہمی قتال نے اسے بلاوا بھیجا- بغداد سنیوں اور شیعوں کے باہمی پیکار کا میدان جنگ بن چکا تھا- خلیفہ مستعصم کا وزیر ابن علقمی شیعہ تھا اور سنیوں کے ہاتھوں اذیتیں برداشت کر چکا تھا، اس نے خواجہ نصیرالدین طوسی کے ذریعہ سے (کہ ہلاکو کا وزیر اور معتمد تھا) ہلاکو کو بغداد آنے کی ترغیب دی اور اس طرح تاریخ اسلام کی سب سے بڑی بربادی اپنی آخری تکمیل تک پہنچ گئی!

یہی معنی ہیں سورۂ انعام کی اس آیت کے جس میں جماعتی زندگی کے عذابوں میں سے ایک عذاب یہ بتلایا ہے کہ کسی ایک جماعت کا مختلف جماعتوں میں متشیع اور متحزب ہو جانا اور پھر ہر گروہ کا دوسرے گروہ کو اپنی شدت کا مزہ چکھانا: ﴿ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ﴾ (۶:۶۵)

تاریخی حیثیت سے یہ واقعہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ چنگیز خاں کو خوارزم پر حملہ کرنے کی ترغیب خود خلیفہ الناصر لدین اللہ عباسی نے دی تھی- کیونکہ سلجوقیوں کے بعد خوارزم شاہیوں کا اقتدار قائم ہو گیا تھا، خلیفہ بغداد اس اقتدار کی وجہ سے سخت ضیق میں تھا-

چنگیز خاں کا نام تیموجن تھا- ۶۰۱ھ مطابق ۱۲۰۶ء میں اس نے چنگیز خاں کا شہنشاہی لقب اختیار کیا، ۶۱۴ھ مطابق ۱۲۱۹ء میں خوارزم فتح کر لیا- سال وفات ۶۲۲ھ مطابق ۱۲۲۷ء ہے-

اس کے بعد اس کا بیٹا اوکتائی خان جانشین ہوا- اوکتائی کے بعد منکو- منکو کے بعد قبلائی - قبلائی کے بھائی ہلاکو کے حصہ میں وسط ایشیا کی فرمانروائی آئی - اسی نے ۶۵۶ھ مطابق ۱۲۵۸ء میں بغداد پر حملہ کیا اور عربی خلافت کا آخری نقش قدم بھی مٹ گیا-

قانون وراثت ارض:

(۲۶) آیت (۱۰۵) سے آخر تک سورت کے مواعظ کا خاتمہ ہے- فرمایا ﴿ ولقد كتبنا فى الزبور من بعد الذكر ان الارض يرثها عبادى الصالحون ﴾ ہم نے زبور میں اپنے اس مقرر قانون کا اعلان کر دیا تھا کہ زمین کے وارث خدا کے صالح بندے ہوتے ہیں'' یعنی جماعتوں اور قوموں کے لیے یہاں یہ قانون الٰہی کام کر رہا ہے کہ انہی لوگوں کے حصہ میں ملک کی فرمانروائی آتی ہے جو صالح ہوتے ہیں- ''صلح'' کے معنی سنورنے سنوارنے کے ہیں ''فساد'' کے معنی بگڑنے بگاڑنے کے- ''صالح'' انسان وہ ہے جو اپنے کو سنوار لیتا ہے اور دوسروں کو سنوارنے کی استعداد پیدا کر لیتا ہے اور یہی حقیقت نیک عملی کی ہے- ''مفسد'' وہ ہے جو بگاڑ میں پڑتا اور بگاڑنے والا ہوتا ہے اور یہی حقیقت بدعملی کی ہے- پس قانون یہ ہوا کہ زمین کی وراثت سنورنے سنوارنے والوں کی وراثت میں آتی ہے- ان کی وراثت میں نہیں جو اپنے اعتقاد و عمل میں بگڑ جاتے ہیں اور سنوارنے کی جگہ بگاڑنے والے ہوتے ہیں-

زبور کا اعلان:

زبور کا جو مجموعہ آج موجود ہے اس کے بے شمار ترانوں میں یہ حقیقت صاف صاف بول رہی ہے- مثلاً زبور ۳۷ میں ہے ''بدعمل کاٹ ڈالے جائیں گے- مگر وہ جو خداوند کی بات کی راہ دیکھتے ہیں زمین کو میراث میں لیں گے- قریب ہے کہ شریر نابود ہو جائے- تو اس کا ٹھکانا ڈھونڈے اور نہ پائے- پر وہ جو حلیم ہیں زمین کے وارث ہوں گے اور ہر طرح کی راحتوں سے خوش دل ہوں گے''- (۳۷:۹)

انسانی زندگی سرتاسر ارث و میراث ہے:

تورات، انجیل اور قرآن، تینوں نے زمین کی ''وراثت'' کی ترکیب جابجا استعمال کی ہے اور غور کرو، یہ ترکیب صورت حال کی کتنی سچی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور قطعی تعبیر ہے؟ دنیا کے ہر گوشہ میں ہم دیکھتے ہیں، ایک طرح کی بدلتی ہوئی میراث کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے- یعنی ایک فرد اور ایک گروہ طاقت واقتدار حاصل کرتا ہے- پھر وہ چلا جاتا ہے اور دوسرا فرد اور گروہ اس کی ساری چیزوں کا وارث ہو جاتا ہے- حکومتیں کیا ہیں؟ محض ایک ورثہ ہیں جو ایک گروہ سے نکلتا اور دوسرے کے حصہ میں آ جاتا ہے- اگر زمین کا کوئی ایک قطعہ سامنے رکھ لو اور جس وقت سے اس کی تاریخ روشنی میں آئی ہے اس کے حالات کا کھوج لگاؤ تو تم دیکھو گے اس کی پوری تاریخ کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ارث و میراث کی ایک مسلسل داستان ہے- ایک قوم قابض ہوئی، پھر مٹ گئی- دوسری اس کی وارث ہو گئی پھر اس کے لیے بھی مٹنا ہوا اور تیسرے وارث کے لیے جگہ خالی ہو گئی- وھلم جرا-

پس قرآن کہتا ہے- یہاں ارث و میراث کے سوا اور کچھ نہیں ہے- اب سوچنا یہ چاہیے کہ جو ورثہ چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں، کیوں ہوتے ہیں؟ اور جو وارث ہوتے ہیں کیوں وراثت کے حقدار ہو جاتے ہیں؟ فرمایا اس لیے کہ یہاں خدا کا ایک اٹل قانون کام کر رہا ہے: ﴿ان الارض[1] یرثھا عبادی الصالحون﴾ وراثت ارضی کی شرط اصلاح وصلاحیت ہے- جو صالح نہ رہے ان سے نکل جائے گی- جو صالح ہوں گے ان کے ورثہ میں آئے گی! ﴿ولن تجد لسنة الله تبدیلا﴾

عابدین حق کے لیے پیغام:

اس کے بعد فرمایا: ﴿ان فی ھذا لبلا غًا القوم عابدین﴾ اس بات میں عبادت گزاران حق کے لیے ایک بڑا پیام حقیقت مضمر ہے- یعنی اس قانون الٰہی کے تذکرہ میں ان کے لیے وراثت ارضی کا پیام ہے کہ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ (۲۴:۵۵) جس طرح ان سے پہلے خدا کے صالح بندوں کی وراثت میں زمین آ چکی ہے اسی طرح عنقریب ان کی وراثت میں بھی آنے والی ہے- اور پھر یہ انقلاب کیوں ہونے والا ہے؟ اس لیے کہ ﴿ما ارسلناك الا رحمة للعالمین﴾ پیغمبر اسلام ﷺ کا ظہور کرۂ ارضی کے لیے رحمت الٰہی کا ظہور ہے- پس ضروری ہے کہ انسانی شقاوت کا خاتمہ ہو- ضروری ہے کہ اس کی جگہ رحمت الٰہی کا سایہ کرۂ ارضی پر چھا جائے!

اس کے بعد واضح کر دیا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی دعوت کا ماحصل کیا ہے؟ ﴿انما الٰھکم اله واحد فھل انتم مسلمون؟﴾

باقی رہی یہ بات کہ یہ انقلاب حال کب ظہور میں آنے والا ہے؟ تو: ﴿ان ادری 'اقریب ام بعید ماتوعدون﴾ میں جانتا ہوں کہ یقیناً ایسا ہونے والا ہے- لیکن ابھی اس میں کچھ دیر ہے یا بالکل سامنے آ گیا؟ یہ میں نہیں کہہ سکتا- کیونکہ اس بارہ میں بھی اللہ کے مقررہ قوانین ہیں اور وہ کام کر رہے ہیں- ﴿وان ادری 'لعله فتنة لکم او متاع الی حین﴾ کون جانتا ہے، ہو سکتا ہے کہ جو تاخیر ہو رہی ہے وہ اس لیے ہو کہ تمہیں ابھی کچھ دنوں اور آزمائش میں ڈالنا ہے- یا اس لیے کہ تمہارے تمتع حیات کے کچھ دن ابھی باقی ہیں-

یہ سورت کا کتنا اہم مقام ہے؟ سورت کے تمام بیانات کس طرح کی سب سے بڑی موعظت پر ختم ہو رہے ہیں؟ اور پھر کیسی فیصلہ کن بات ہے جس میں مومنین صالحین کے لیے پیام اقبال اور منکرین مفسدین کے لیے پیام ادبار ہے؟ لیکن تفسیریں اٹھا کر پڑھو- ہمارے مفسر

---

[1] غیر ضروری ہے کہ یہاں "الارض" سے مقصود فلسطین کا ملک قرار دیا جائے- جیسا کہ مفسرین نے قرار دیا ہے- کیونکہ اسلوب بیاں عموم کا طالب ہے، اور صاف نظر آ رہا ہے کہ "الارض" سے مقصود روئے زمین ہے- علاوہ بریں حوالہ زبور کا ہے اور زبور میں عموم واستغراق کے ساتھ زمین ہے، نہ کہ ارض موعود-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس تیزی سے نکل گئے ہیں گویا رکنے اور نظر و تدبر سے کام لینے کی اس میں کوئی بات ہی نہیں ہے۔

رحمۃ للعالمین:

یہاں پیغمبر اسلام ﷺ کے ظہور کا ایک ایسا وصف بیان کیا گیا ہے جو قرآن کے بیان کردہ اوصاف میں سب سے زیادہ اہم اور نمایاں ہے۔ یعنی رحمة للعالمین! یہ ظہور صرف کسی ایک ملک، کسی ایک قوم، کسی ایک نسل ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لیے رحمت کا ظہور ہے۔ یہ وصف بیان کر کے قرآن نے ایک کسوٹی ہمارے حوالہ کر دی ہے۔ اس پر ہم اس ظہور کی ساری صداقتیں پرکھ لے سکتے ہیں۔ اگر یہ فی الحقیقت تمام نوع انسانی کے لیے رحمت کا ظہور ثابت ہوا ہے تو اس کی سچائی میں کوئی شک نہیں۔ اگر ایسا نہیں ہوا ہے تو پھر سچائی نے قرآن کا ساتھ نہیں دیا۔ ہمارا فرض ہے کہ حقیقت کا حقیقت کے لیے اعتراف کر لیں۔

یہ جانچ تاریخ کی بے لاگ اور بے رحم جانچ ہونی چاہیے۔ ہر طرح کی مذہبی خوش اعتقادیوں سے منزہ، ہر طرح کی خود پرستانہ طرف داریوں سے پاک۔ کیونکہ یہاں حقیقت کی عدالت موجود ہے اور وہ صرف حقیقت ہی کی شہادت پر کان دھرتی ہے؟

تاریخ کا فیصلہ:

جہل و تعصب نے ہمیشہ اعلان حقیقت کی راہ روکنی چاہی ہے لیکن روک نہیں سکی ہے۔ اس فیصلہ میں بھی تاریخ نے دیر لگائی لیکن بالآخر اسے کرنا پڑا۔ ضروری ہے کہ یہ فیصلہ خود اسی کی زبانی سنا جائے اور ایک معتقد کی طرح نہیں بلکہ ایک مورخ کی طرح عالم انسانیت کے ایک ایک گوشہ سے شہادت طلب کی جائے۔ افسوس ہے کہ اس وقت تک کوئی کوشش ایسی نہیں کی گئی جو اس موضوع پر علمی حیثیت سے وقیع سمجھی جا سکے۔ ہم نے مقدمہ تفسیر میں اس کی کوشش کی ہے اور ایک خاص باب کا موضوع بحث یہی مسئلہ ہے۔ یہاں اتنی تفصیل کی گنجائش نہیں اور اختصار مفید مدعا نہیں، اس لیے مجبوراً قلم روک لینا پڑتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا واقعہ:

(۲۷) سورت کی تشریحات ختم ہو گئیں مگر ایک نہایت اہم مبحث باقی رہ گیا ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی بت شکنی کا واقعہ جو آیت (۵۷) سے (۶۷) تک بیان کیا گیا ہے۔ عام طور پر مفسروں نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین موقعوں پر ایسی بات کہی جس پر بظاہر جھوٹ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اس میں سے ایک موقع یہ ہے جب ان سے پوچھا گیا "ء انت فعلت هذا" کیا تو نے بتوں کو توڑا ہے؟ تو انھوں نے کہا "بل فعله كبيرهم هذا" بلکہ اس بڑے بت نے ایسا کیا۔ حالانکہ فی الحقیقت فعل خود انہی کا تھا۔

اس بارے میں استدلال صحاح کی ایک روایت سے کیا جاتا ہے لیکن سب سے پہلے ہمیں خود اس مقام پر تدبر کرنا چاہیے کہ کیا فی الحقیقت یہاں کوئی ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جھوٹ بولنا ثابت ہوتا ہو؟ خواہ وہ جھوٹ کسی درجہ اور کسی نوعیت کا ہو۔

کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ بولا تھا؟

حقیقت یہ ہے کہ تفسیر قرآن کی تاریخ کی بوالعجبیوں میں اس سے بڑھ کر اور کوئی ناقابل توجیہ بوالعجبی نہیں۔ قرآن میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے اس اصدق الصادقین کا جھوٹ بولنا نکلتا ہو۔ لیکن بہ تکلف ایک آیت کو توڑ مروڑ کر ایسا بنایا جا رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ بولنے کی بات بن جائے۔ اور اثبات کذب کی یہ مبارک کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟ صرف اس لیے کہ ایک مزعومہ حدیث موجود ہے۔ پس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہیں یہ قیامت نہ ٹوٹ پڑے کہ اس کے غیر معصوم راویوں کی روایت کمزور مان لینی پڑے- گویا اصل اس باب میں غیر معصوم راویوں کا تحفظ ہے، نہ کہ معصوم رسولوں کا، اور اگر قرآن میں اور کسی روایت میں اختلاف واقع ہو جائے تو قرآن کو روایت کے مطابق بننا پڑے گا- راوی کی شہادت اپنی جگہ سے کبھی نہیں ہل سکتی!

اب غور کرو- یہاں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ خود قرآن کے صاف صاف لفظوں میں کیا ہے؟

شہر اُور کی بت پرستی:

سرزمینِ دجلہ وفرات میں نینوا اور بابل سے پہلے جو شہر آباد ہوئے ان میں ایک شہر اُور تھا- یہ جنوبی عراق میں فرات کے کنارے آباد تھا اور محل وقوع وہ مقام تھا جو آج کل ''تل العبید'' کے نام سے پکارا جاتا ہے- اس کی تنقیب وتحقیق کا سلسلہ ابھی جاری ہے لیکن جس قدر آثار وکتبات روشنی میں آ چکے ہیں ان سے باشندگان شہر کے عقائد و اعمال کے بہت سے گوشے واضح ہو چکے ہیں- یہاں بت پرستی کی وہ ساری بنیادیں استوار ہو چکی تھیں جو آگے چل کر نینوا اور بابل میں زیادہ وسیع اور منظم شکل اختیار کر لیتی ہیں- پرستش کا مبدء کواکب تھے- سب سے بڑا بت ''شمش'' کا تھا یعنی شمس (سورج) کا- اس کے نیچے بہت سے بت مختلف طاقتوں یا مختلف قبیلوں اور آبادیوں کے تھے- خود شہر اُور کا محافظ خدا ''نانعار'' تھا، یعنی چاند- ''تل العبید''[1] کے ٹیلہ میں جس مندر کے آثار ملے ہیں، یقین کیا جاتا ہے کہ وہ ''نانعار'' کا مندر تھا-

مندر کے خاص پجاریوں اور محافظوں کا ممتاز گروہ بھی پیدا ہو چکا تھا اور انہیں دینی ریاست پیشگی (Priest hood) کی نوعیت حاصل ہو گئی تھی-

آزر نام نہیں، لقب تھا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ظہور اسی شہر میں ہوا- ان کے والد تارخ کا بچپنے ہی میں انتقال ہو گیا تھا- چچا نے پرورش کی تھی اور چونکہ وہ مندر کے پجاریوں میں سے تھا اس لیے ''آدار'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا- ''آدار'' قدیم کالدی زبان میں بڑے پجاری یا محافظ معبد کو کہا کرتے تھے- یہی ''آدار'' ہے جس نے بعد کی عربی میں ''آزر'' کی شکل اختیار کر لی اور اسی لیے قرآن نے اس کا ذکر ''آزر'' کے نام سے کیا-

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گھرانا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب آنکھ کھولی تو خود اپنے گھر میں بت پرستی پائی- لیکن اللہ نے سچائی کی حجتوں اور دلیلوں کی وحی سے ان کا قلب سلیم اس طرح معمور کر دیا تھا کہ نہ تو قوم ووطن کی جہالت وگمراہی اسے چھو سکی نہ خود اپنے عزیزوں اور بزرگوں کا اعتقاد راسخ اسے متاثر کر سکا- انہوں نے پہلے اپنے گھرانے میں تبلیغ کی، پھر تمام قوم کو پیام حق پہنچایا-

دعوت وتبلیغ حق:

انہوں نے پہلے شرک وبت پرستی کے خلاف عقل سلیم کی حجتیں اور وجدان صادق کی شہادتیں پیش کیں: ﴿ وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾ (٦ : ٨٣) لیکن پھر دیکھا کہ آباؤ اجداد کی تقلید کی

---

[1] فلاڈلفیا یونیورسٹی (امریکہ) کے عجائب خانہ اور برطانوی عجائب خانہ کی ایک مشترک اثری مہم نے تل العبید کی کھدائی کا کام شروع کیا تھا، جو جنگ کی وجہ سے رک گیا تھا مگر اب پھر جاری ہو گیا ہے- اس کے انکشافات نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگزشت متذکرۂ قرآن کے متعدد گوشوں پر نہایت اہم روشنی ڈالی ہے- سورۃ الصافات کی تشریحات میں مختصراً اس کا ذکر کیا جائے گا اور تفصیل مقدمہ میں ملے گی-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظلمت اس طرح دلوں پر چھا گئی ہے کہ عقل بینش کی کوئی روشنی بھی انہیں دکھائی نہیں دیتی - ہر حجت و آیت کا جواب ان کی زبانوں سے یہی نکلتا ہے کہ ﴿ وجدنا اباء نالها عابدين ﴾ (۵۳) نیز انہوں نے دیکھا ایک عرصہ کے تعامل و توارث نے لوگوں کی عقلیں یکسر مفلوج کر دی ہیں - بتوں کے روحانی اقتدار و تصرف کا عقیدہ ان کی رگ رگ میں سرایت کر گیا ہے - ان کی سمجھ میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی کہ الوہیت و قدوسیت کی یہ متمثل روحانیتیں جو طرح طرح کے روایتی معجزوں اور الہامی اچنبھوں کا سرچشمہ چلی آتی ہیں محض بے اختیار مورتیاں ہو جائیں، اور جو حقیقت ہمارے آباواجداد اور ان کے آباواجداد نہ پا سکے وہ کل کا ایک نوجوان لڑکا پالے - چنانچہ وہ ان کی دعوت و تبلیغ کا تمسخر اڑاتے اور کہتے: ﴿ اجئتنا بالحق ام انت من اللاعبين ﴾ (۵۵) فی الحقیقت تمہارا ایسا ہی عقیدہ ہے یا ہم سے ہنسی تمسخر کر رہے ہو؟ یعنی بتوں کی عظمت اور ان کے روحانی اقتدار و تصرف کی ہیبت دلوں پر اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ اس کے خلاف کسی کا بے دھڑک زبان کھولنا ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا - وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی باتیں سنتے تو متعجب ہو کر کہتے: تمہارے ہوش و حواس کہاں گئے؟ تم سنجیدگی سے ایک بات کہہ رہے ہو یا ہم سے مزاح کر رہے ہو؟

ان کا محسوس کرنا کہ مقلدین جہل کے لیے دلائل بیکار ہیں:

جب ابنائے قوم کے جہل و کوری کی یہ حالت دکھائی دی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محسوس کیا، حجتوں اور دلیلوں کی روشنی ایسے لوگوں کے لیے بالکل بیکار ہے - ان کے دلوں میں بتوں کے اقتدار و تصرف کا وہم اعتقاد بن کر جم گیا ہے - جب تک اس پر چوٹ نہیں لگے گی، ان کی آنکھیں کھلنے والی نہیں - پس ضروری ہے کہ اعلاء حقیقت کے لیے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے اور وہ طریقہ ایسا ہو کہ میری دلیلوں اور موعظتوں کی روشنی سے نہیں بلکہ خود اپنی اندھی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ صدیوں کی یہ گھڑی ہوئی عظمتیں اور نسلوں کی مانی ہوئی معبودیتیں بے اختیار مورتیوں اور بے جان پتھروں سے زیادہ کچھ نہیں ہیں - اور انسانوں کی کسی بڑی تعداد کا کسی بڑی مدت تک ایک بات مان لینا اور کیے جانا سچائی کا ثبوت نہیں - سچائی کا ثبوت صرف عقل سلیم کی حجت ہے -

قیام حجت کا عملی طریقہ:

یہ طریقہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ انہوں نے تمام لوگوں کو کھلا کھلا چیلنج دے دیا: ﴿ تالله لاكيدن اصنامكم بعد ان تولو امدبرين ﴾ یعنی اگر عقل کی کوئی دلیل بھی تمہارے لیے سودمند نہیں - تم اپنے اس وہم باطل میں جمے ہوئے ہو کہ یہ مورتیاں طاقت و تصرف رکھتی ہیں، تو اچھا، خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو، نتیجہ کیا نکلتا ہے - جونہی تم آج اپنے بڑے میلہ میں گئے میں تمہارے ان بتوں کے ساتھ ایک داؤ کھیلوں گا - اگر فی الحقیقت ان میں طاقت و تصرف ہے تو وہ کوئی معجزہ دکھا کر اپنے کو بچا لیں - یا میرے ہاتھ پاؤں شل کر دیں -

جب ایک جماعت تقلید و وہم پرستی میں اس درجہ ڈوب جائے کہ عقل و بصیرت کی کوئی بات بھی اس کے اندر نہ اتر سکے تو پھر اقناع فکر کی صرف یہی ایک راہ رہ جاتی ہے کہ ان کی عقل کی جگہ ان کے حواس کو مخاطب کیا جائے اور کوئی ایسی بات کر کے دکھا دی جائے جس سے ان کی ساری وہم پرستیوں کا بطلان ہو جائے - مثلاً ایک بچہ چڑیا کو دیکھ کر ڈرنے لگتا ہے، تم ہزار اسے سمجھاؤ کہ چڑیا کاٹتی نہیں لیکن وہ ماننے والا نہیں - اب ایک دانشمند آدمی کیا کرے گا؟ یہ کرے گا کہ دلیلوں کی جگہ مشاہدہ سے کام لے گا - وہ اپنی انگلی چڑیا کی چونچ میں ڈال دے گا اور پھر نکال کر بچہ کو دکھا دے گا کہ دیکھ لے، اس نے کاٹا ہے یا نہیں کاٹا ہے - یہ ایک مشاہدہ بچہ کے اندر جس درجہ یقین پیدا کر دے گا وہ ایک سو آدمیوں کی ایک ہزار دلیلوں سے بھی پیدا نہیں ہو سکتا - یہی حال عقول فاسدہ کا ہے - تم ان کی عقل و فکر سے کچھ نہیں پا سکتے - لیکن تم انہیں مشاہدہ کے ذریعہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے عاجز کر دے سکتے ہو- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بالآخر یہی طریقہ اختیار کیا- انہوں نے کہا' جس حقیقت کو تم عقل وفکر سے نہیں پا سکے میں تمہارے مشاہدہ میں لا کر خود تمہاری زبانوں سے اگلوا لوں گا- تمہارے دل میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ ان میں طاقت وتصرف ہے- اچھا میں ان پر ہاتھ اٹھاتا ہوں- اب اگر سچ مچ کو ان میں اختیار وتصرف ہے تو یہ اپنے سارے معجزے لے کر نمودار ہو جائیں اور مجھے اس سے روک دیں یا مجھ پر کوئی آسمانی عذاب اتار دیں-

لوگوں نے ان کا یہ اعلان سنا لیکن چونکہ دلوں میں بتوں کی عظمت وتقدیس رچی ہوئی تھی اس لیے قابل التفات نہیں سمجھا- وہ سمجھے یہ ایک مجنونانہ بڑ ہے- بھلا کون ہے جو ان قادر وتوانا معبودوں کی جناب میں ایسی جرأت کر سکتا ہے؟ اور اگر کرے تو اسے اس کی مہلت ہی کب ملے گی؟ نہیں معلوم، کیا سے کیا ہو جائے؟

پہلے چیلنج دیا، پھر کر کے دکھا دیا:

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فیصلہ کا اعلان کر چکے تھے اور اسے کر کے دکھا دینا تھا- جونہی معبد خالی ہوا انہوں نے ایک ایک کر کے تمام بت توڑ دیے- صرف بڑے بت یعنی ''شمش'' کو چھوڑ دیا- اس میں مصلحت یہ تھی کہ ''لعلهم اليه يرجعون'' اگر یہ باقی رہے گا' تو شاید اس کی طرف لوگ رجوع کریں- یعنی یہ سوال اٹھایا جا سکے کہ اس کے سامنے بتوں پر آفت آئی- اور خود یہ بھی کہ رب الارباب تھا، کچھ نہ کر سکا- اب اسی سے بتوں کی تباہی کی کہانی سن لی جائے!

پجاریوں کی حیرانی اور پھر تجاہل:

جب لوگ واپس آئے اور انہوں نے دیکھا، جو بات ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں آتی تھی وہ وقوع میں آ گئی اور سچ مچ کو ابراہیم علیہ السلام نے سارے بت پاش پاش کر دیے- تو غور کرو، ان کے دل ودماغ کا کیا حال ہوا ہوگا؟ اور ایسی حالت میں کیا ہونا چاہیے؟ پہلے حیرت چھائی ہوگی کہ یہ کیا سے کیا ہو گیا؟ کیا یہ مقدس مورتیاں اس طرح توڑ پھوڑ ڈالی جا سکتی تھیں؟ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ساری باتیں سامنے آ گئی ہوں گی- صاف نظر آ گیا ہوگا کہ اس بارے میں سچا وہی نکلا- ہم جھوٹے ہوئے- پھر اپنی شکست کے خیال نے غم وغصہ کی شکل اختیار کر لی ہوگی- فتح مند آدمی اتنا غضب ناک نہیں ہوتا جتنا شکست خوردہ ہو جاتا ہے- خصوصاً جبکہ یہ شکست سخت ذلت وندامت کی شکست ہو- اب پجاریوں کے لیے سب سے زیادہ ضروری بات یہ تھی کہ معاملہ کی شناعت عامۃ الناس سے پوشیدہ رکھی جائے- اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے پہلے چیلنج دے دیا تھا اور پھر کر کے دکھا دیا تو ان کے عقیدے فوراً متزلزل ہو جائیں گے- پس دکھاوے کے لیے پجاریوں نے ایسا انداز اختیار کر لیا گویا ابراہیم علیہ السلام والی بات کی انہیں خبر ہی نہیں- آپس میں پوچھنے لگے: یہ شرارت کس نے کی ہے؟ جس کسی نے کی ہے، وہ بڑا ہی مجرم ہے- وہ دیوتاؤں کے سخت عذاب کا مستحق ہوگا- اس پر بعض دکھاوے کے لیے بول اٹھے ﴿ سمعنا فتى يذكرهم يقال له ابراهيم ﴾ (۶۰) ہمارے سننے میں آیا ہے، ایک نوجوان ان مورتیوں کے بارے میں کچھ باتیں کہتا تھا- غالباً اسی نے کیا ہو- اسے ابراہیم کہہ کر پکارتے ہیں- غور کرو، کہنے والا اب بھی یہ نہیں کہتا کہ اس نے مورتیوں کے خلاف ایک داؤ کھیلنے کی دھمکی دی تھی- بلکہ صرف یذکرھم کہہ کر چپ ہو جاتا ہے- کیونکہ کوشش یہ ہے کہ اصل معاملہ عوام سے چھپایا جائے جو اس حادثہ عظیم کی خبر سن کر وہاں جمع ہو گئے تھے اور جس کا پتہ ﴿ فاتوا به على اعين الناس ﴾ (۶۱) سے لگتا ہے- یعنی پجاریوں نے کہا ابراہیم کو یہاں لوگوں کے سامنے لاؤ- بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام بلائے گئے- وہ اب تمام مجمع کے سامنے کھڑے ہیں- مجمع میں پجاری اور عوام دونوں ہیں- پجاریوں کو سب کچھ معلوم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے-عوام کو تفصیلات معلوم نہیں-

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مجمع عام میں آنا اور پجاریوں سے مکالمہ:

اب وہ وقت آ گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انکشاف حقیقت کا جو طریقہ اختیار کیا تھا-اس کا نتیجہ آشکارا ہو جائے اور جس حقیقت کے اعتراف سے لوگوں کو انکار تھا' وہ خود انہی کے حلقوں سے اگلوالی جائے-اور دیکھو کیسے صاف اور قدرتی طریقہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اس عملی اور وقوعی حجت کی سلطانی کا اعتراف کراتے ہیں؟ پجاریوں نے دکھاوے کے لیے بے خبر بن کر پوچھا ﴿ ء انت فعلت هذا بالهتنا يا ابراهيم ﴾ (۶۲) کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ تو نے یہ حرکت کی ہے؟ اب اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے جواب میں کہتے-میں تمہیں پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ ایسا کروں گا-اس میں پوچھنے کی بات کیا ہے؟ تو انہیں رد و کد کرنے کا موقع مل جاتا-مثلاً وہ عوام کے سامنے انکار کر دیتے کہ تم نے کبھی ایسا نہیں کہا تھا اور اس طرح اصل مسئلہ کی جگہ ایک دوسری بات میں سوال و جواب ہونے لگتا-پس انہوں نے جواب میں حجت الزامی کا ایسا طریقہ اختیار کیا کہ رد و کد کے سارے دروازے بند ہو گئے اور حقیقت آشکارا ہو گئی: ﴿ بل فعله كبيرهم هذا فاسئلوهم ان كانوا ينطقون ﴾ (۶۳) بلکہ اس سب سے بڑے بت ''شمش'' نے کیا ہے جس کے آگے تم ہمیشہ اپنے سوالات پیش کرتے رہتے ہو اور پھر کہتے ہو کہ اس کی پراسرار صدائیں تمہیں (یعنی تم پجاریوں کو) سنائی دیتی ہیں-یہ ابھی زندہ و سلامت موجود ہے-اگر فی الحقیقت مورتیاں سوالوں کا جواب دیا کرتی ہیں تو اسی مورتی سے پوچھ لو-مجھ سے کیوں سوال کرتے ہو؟

پجاریوں کا اعتراف پر مجبور ہونا:

یہ جواب سنتے ہی سب پر سناٹا چھا گیا-کیونکہ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا-نہ تو یہ کہہ سکتے تھے کہ مورتی سے امید جواب نہیں-نہ مورتی سے سوال ہی کر سکتے تھے-ادھر عوام نتیجہ کے منتظر تھے-﴿ فرجعوا الى انفسهم ﴾ ''انفسهم'' یعنی پجاریوں کی جماعت عوام سے الگ ہو کر آپس میں باتیں کرنے لگی اور چونکہ اب حضرت ابراہیم کا تیر ٹھیک نشانہ پر لگ چکا تھا، اس لیے انہیں اقرار کرنا پڑا: ﴿ فقالوا انكم انتم الظالمون ﴾ بلاشبہ حق سے نافرمانی کرنے والے ہم ہی ہیں-ٹھیک بات تو وہی ہے جو ابراہیم کہہ رہا ہے-بالآخر مجبور ہوئے کہ جو بات حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے کہلوانی چاہتے تھے وہ سر جھکا کر دبی زبان سے کہہ دیں: ﴿ لقد علمت ما هؤلاء ينطقون ﴾ ''لقد علمت'' یعنی یہ حقیقت تو تجھے معلوم ہی ہو چکی ہے کہ مورتیوں کی صداؤں اور مندر کے ہاتف غیبی کے جوابوں کا معاملہ وہ نہیں ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے-مورتیاں بولا نہیں کرتیں-پھر تیرا یہ کہنا کہ بڑے بت سے پوچھ کر فیصلہ کرو، کیا معنی رکھتا ہے؟ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام مجمع سے مخاطب ہو کر ندائے حق بلند کر دی: ﴿ افتعبدون من دون الله ما لاينفعكم شيئا ولا يضركم؟ اف لكم ولما تعبدون من دون الله- افلا تعقلون؟ ﴾ (۶۷) جب ان مورتیوں کے نطق و الہام کے سارے قصے من گھڑت ہیں اور ان کی عجز و درماندگی کا یہ حال ہے جو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو تو پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش پر جم گئے ہو؟ کیا اتنی موٹی بات بھی سمجھ نہیں سکتے؟

تفسیر ﴿ ان كانوا ينطقون ﴾:

ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں کہ کالڈیا میں پجاریوں کی خاص جماعت پیدا ہو چکی تھی اور بت پرستی کی تاریخ میں اصلی کارفرما جماعت ہمیشہ یہی رہی ہے-یہ لوگ عوام سے الگ ہو جاتے تھے اور پھر عوام کو اپنے قبضہ و اقتدار میں رکھنے کے لیے مندروں کی معجزانہ قوتیں برابر بڑھاتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہتے تھے- چنانچہ مختلف طریقے کام میں لا کر لوگوں کو یقین دلاتے کہ مورتیاں بولتی ہیں- سوالوں کا جواب دیتی ہیں- نذرانے قبول کرتی ہیں- ہر طرح کے عجائب وخوارق شب وروز ان سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں- حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصلی خطاب انہی پجاریوں سے تھا- وہ گھر کے بھیدی تھے- کیونکہ خود ان کا چچا مندر کے پجاریوں میں سے تھا اور اس طرح وہاں کے تمام حالات سے باخبر ہونے کا پورا موقع انہیں حاصل ہو گیا تھا- انہوں نے چاہا' عوام کے سامنے حقیقت حال کا پجاریوں سے اعتراف کرائیں اور انہوں نے اعتراف کرا کے چھوڑا' پس ان کے اس قول کا کہ "ان کانوا ینطقون" یہ مطلب سمجھنا چاہیے کہ اگر مورتیوں کی پراسرار نداؤں کی وہ بات ٹھیک ہے جس کا تم عوام کو یقین دلاتے رہتے ہو تو اس بڑے بت سے ندائے حق کا مطالبہ کرو- اگر یہ ہمیشہ تمہارے سوالوں کا جواب دیتا ہے تو آج کیوں نہ دے؟ اور ایسے موقع پر کیوں نہ دے جب تمام مندر تہ وبالا ہو گیا؟ یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر بت عام طور پر نطق وکلام کرتے ہیں تو ان سے بات کرالو- کیونکہ بتوں کا عام طور پر آدمیوں کی طرح بات نہ کرنا تو عام طور پر مسلم تھا- کوئی بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا تھا کہ یہ ہماری طرح بولتے چالتے ہیں- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ بات عوام کے دلوں میں قطعاً اتر گئی ہو گی- ہر شخص بول اٹھا ہو گا کہ بات ٹھیک کہہ رہا ہے- بڑی مورتی سے اس حادثہ میں کیوں نہ رجوع کیا جائے-

لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مجمع عام میں بت پرستی کے خلاف وعظ شروع کر دیا تو پجاری ڈرے اور انہوں نے چاہا عوام کے بت پرستانہ جذبات بھڑکا کر اپنا کام نکال لیں- انہوں نے کہا: ﴿ حرقوه وانصروا الهتكم ان كنتم فاعلين ﴾ اسے زندہ آگ میں جلا دو- کیونکہ تمام قدیم قوموں میں دستور تھا کہ مذہبی اور سیاسی مجرموں کو زندہ جلا دینے کی سزا دیا کرتے تھے- چنانچہ کالڈیا میں آخری زمانے تک یہی دستور رہا- کتاب دانیال سے معلوم ہوتا ہے کہ کالڈیوں نے ان یہودیوں کو زندہ جلا دینا چاہا تھا جنہوں نے بادشاہ کی معبودیت سے انکار کر دیا تھا-

فرض الباطل مع الخصم کذب نہیں ہے:

اب غور کرو- اس تمام سرگزشت میں کون سی بات ایسی ہے جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جھوٹ بولنا نکلتا ہو؟ بتوں کو انہوں نے کچھ چوری چھپے نہیں توڑا تھا کہ خلاف واقعہ بات کہہ کے اسے چھپانا چاہتے- تمام پجاریوں کے سامنے صاف صاف اعلان کر دیا تھا اور اعلان بھی اس تاکید کے ساتھ کہ ﴿ تالله لاكيدن اصنامكم ﴾ خدا کی قسم! میں ضرور تمہارے بتوں کو اپنے داؤ کا نشانہ بناؤں گا- پھر جو بات اس طرح صاف صاف کہہ دی گئی ہو اور علانیہ کی گئی ہو اس میں جھوٹ بولنے کی بات کہاں سے نکل آئی؟ باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ ﴿ بل فعله كبيرهم هذا ﴾ تو ظاہر ہے کہ ایک لمحہ کے لیے اس سے مقصود انکار فعل نہیں ہو سکتا- کیونکہ فعل کا تو وہ پہلے سے اعلان کر چکے تھے اور خود پوچھنے والوں میں ایک ایک فرد جانتا تھا کہ انہی کا کیا دھرا ہے- بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ محض حجت الزامی تھی- اور حجت الزامی کا وہ طریقہ جسے ہمارے مناظر "فرض الباطل مع الخصم حتى تلزمه الحجة" سے تعبیر کرتے ہیں- صدق وکذب کا سوال یہاں کیونکر پیدا ہو سکتا ہے-

اثبات کذب کے لیے ایک غلط توجیہ:

چونکہ ہمارے مفسروں کے سامنے ایک روایت موجود تھی اور اس کی تعمیل میں ضروری سمجھتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ کی بات بن جائے اس لیے انھوں نے کوشش کی کہ جو بات قرآن میں نہیں ہے وہ محذوف بنا کر بڑھا دی جائے- چنانچہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ تالله لاكيدن اصنامكم ﴾ کوسلسلہ بیان سے الگ کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ بات انہوں نے مخاطبوں سے نہیں کہی تھی - اپنے جی میں کہی تھی - یعنی ان کا اعلان نہ تھا - جی ہی جی میں ایک سازش سوچی تھی - لیکن یہ محض رائے سے قرآن کے مطالب میں اضافہ کرنا ہے - قرآن میں یہ کہیں نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جی میں کہا تھا - وہ تو صاف صاف کہہ رہا ہے کہ موقع مخاطبہ اور مکالمہ کا تھا - اور جب پجاریوں نے یہ بات کہی کہ ﴿ اجئتنا بالحق ام انت من اللاعبين ﴾ تو اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان کیا - علاوہ بریں اس طرح کے محذوفات جبھی تسلیم کیے جاسکتے ہیں جبکہ کوئی قطعی قرینہ موجود ہو - یہاں بجز اس ضرورت کے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کذب گو بنایا جائے اور کون سی ضرورت لاحق ہوگئی ہے کہ یہ محذوف گھڑ لیا گیا؟

روایت صحیحین:

باقی رہی صحیحین کی روایت کہ "لم يكذب ابراهيم فى شئ قط الا ثلاث كلهن فى الله"۔الخ تو اگرچہ اس کی توجیہ وتاویل کی بہت سی راہیں لوگوں نے کھول لی ہیں مگر صاف بات وہی ہے جو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہے اور جسے امام رازی نے بھی دہرایا ہے - یعنی ہمارے لیے یہ تسلیم کر لینا نہایت آسان ہے کہ ایک غیر معصوم راوی سے فہم وتعبیر حدیث میں غلطی ہوگئی بمقابلہ اس کے کہ ایک معصوم اور برگزیدہ پیغمبر کو جھوٹا تسلیم کر لیں؟ اگر ایک راوی کی جگہ سینکڑوں راویوں کی روایت بھی ناقص ٹھہر جائے تو بہرحال غیر معصوم انسانوں کی غلطی ہوگی - لیکن اگر ایک معصوم پیغمبر کو بھی غلط بیان تسلیم کر لیا گیا تو نبوت ووحی کی ساری عمارت درہم برہم ہوگئی!

صحت اور عصمت:

بلاشبہ روایت صحیحین کی ہے لیکن اس تیرہ سو برس کے اندر کسی مسلمان نے بھی راویان حدیث کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا ہے نہ امام بخاری ومسلم کو معصوم تسلیم کیا ہے - کسی روایت کے لیے بڑی سے بڑی بات جو کہی گئی ہے وہ اس کی ''صحت'' ہے - ''عصمت'' نہیں ہے - اور ''صحت'' سے مقصود صحت مصطلح فن ہے - نہ کہ صحت قطعی ویقینی مثل صحت قرآن -

اصل معیار رد وقبول:

پس ایک روایت پر صحت کی کتنی ہی مہریں لگ چکی ہوں، لیکن بہرحال غیر معصوم انسانوں کی ایک شہادت اور غیر معصوم ناقدوں کا ایک فیصلہ ہے - ایسا فیصلہ ہر بات کے لیے مفید حجت ہوسکتا ہے مگر یقینیات وقطعیات کے خلاف نہیں ہوسکتا - جب کبھی ایسا ہوگا کہ کسی راوی کی شہادت یقینیات قطعیہ سے معارض ہو جائے گی تو یقینیات اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گی - غیر معصوم کو اپنی جگہ چھوڑنی پڑے گی -

نبوت اور سچائی لازم وملزوم ہیں:

نبی کا سب سے بڑا وصف جو قرآن نے بتلایا ہے وہ اس کی سچائی ہے اور احتیاج تفصیل نہیں - نبوت ایک سیرت ہے جو صرف سچائی ہی سے بنتی ہے اور صرف سچائی ہی کے سانچے میں ڈھل سکتی ہے - ایک نبی کسی بات سے عاجز نہیں ہوتا مگر اس بات سے کہ سچ نہ بولے - حقیقت اور سچائی کے خلاف جو کچھ ہے خواہ کسی شکل اور کسی درجہ میں ہو، نبوت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا - اگر نبوت ہوگی تو سچائی بھی ہوگی - اگر سچائی نہیں ہے تو نبوت بھی نہیں - پس انبیائے کرام علیہم السلام کی سچائی اور عصمت یقینیات دینیہ ونقلیہ میں سے ہے - روایات کی قسموں میں سے کتنی ہی بہتر قسم کی کوئی روایت ہو، بہرحال ایک غیر معصوم راوی کی شہادت سے زیادہ نہیں اور غیر معصوم کی شہادت ایک لمحہ کے لیے بھی یقینیات دینیہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ ہمیں مان لینا پڑے گا کہ یہ اللہ کے رسول کا قول نہیں ہوسکتا۔ یقیناً یہاں راویوں سے غلطی ہوئی ہے۔ اور ایسا مان لینے سے نہ تو آسمان پھٹ پڑے گا اور نہ زمین شق ہو جائے گی۔

صحیحین کے باب میں افراط وتفریط:

اصل یہ ہے کہ ہر گوشہ کی طرح اس گوشہ میں بھی متاخرین افراط وتفریط میں پڑ گئے ہیں اور اس کی وجہ سے عجیب عجیب الجھاؤ پیش آ رہے ہیں۔ ایک طرف فقہائے حنفیہ ہیں جنہوں نے یہ دیکھ کر کہ صحیح بخاری ومسلم کی مرویات کی زد ان کے مذہب پر پڑ رہی ہے اس امر کی کوشش شروع کر دی کہ ان دونوں کتابوں کی صحت کی قوت کسی نہ کسی طرح کمزور کی جائے۔ چنانچہ ابن ہمام وغیرہ نے اس طرح کے اصول بنانا شروع کر دیے کہ صحیحین کی ترجیح صحیحین کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ محض ان کی شروط کی وجہ سے ہے۔ پس اگر کسی دوسری کتاب کی روایت بھی ان شرطوں پر اتر آئی تو قوت میں صحیحین کی روایت کے ہم پلہ ہو جائے گی۔ حالانکہ صحیحین کی ترجیح محض ان کی شروط کی بنا پر نہیں ہے بلکہ ''شہرت'' اور ''قبول'' کی بنا پر ہے اور اس پر تمام امت کا اتفاق ہو چکا ہے۔ دوسری طرف عامہ اصحاب حدیث ہیں جنہوں نے اس باب میں ٹھیک ٹھیک تقلید کی وہی چادر اوڑھ لی ہے جو فقہائے مقلدین کے سروں پر انہوں نے دیکھی تھی، اور اسے پارہ پارہ کر دینا چاہا تھا۔ ان کے سامنے جونہی بخاری ومسلم کا نام آجاتا ہے بالکل درماندہ ہو کر رہ جاتے ہیں اور پھر کوئی دلیل وحجت بھی انہیں اس پر تیار نہیں کر سکتی کہ اس کی کسی روایت کی تضعیف پر اپنے آپ کو راضی کر سکیں!

یہ محل تفصیل کا نہیں لیکن چونکہ ایک اہم اور اصولی سوال ہے اس لیے ضروری ہے کہ مختصراً اشارات کر دیے جائیں۔ پس اس باب میں تحقیق کی راہ یہ سمجھنی چاہیے کہ:

مسلک تحقیق:

(ا) قرآن کے بعد دین کی ان تمام کتابوں میں جو انسانوں کی ترتیب دی ہوئی ہیں سب سے زیادہ صحیح کتاب جامع بخاری اور جامع مسلم ہے اور ان کی ترجیح محض ان کی شروط ہی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ شہرت اور قبول کی بنا پر ہے۔ ''شہرت'' یہ کہ ایک کتاب علم ونظر کے تمام عہدوں اور طبقوں میں عالمگیر طور پر مشہور رہی ہو اور اہل علم نسلاً بعد نسلٍ اس کی صحت وفضیلت پر مہریں لگاتے رہے ہوں۔ قبول یہ کہ وہ تمام امت کی نظر وبحث کا مرکز بن گئی ہو۔ ہر عہد اور ہر طبقہ میں بے شمار ناقدوں اور محققوں نے اس کی ایک ایک روایت، ایک ایک راوی، ایک ایک متن، ایک ایک لفظ پر ہر طرح کی بحثیں کی ہوں، ہر طریقہ سے جانچا ہو، ہر طرح کی نگاہیں رد وقبول کی ڈالی ہوں، زیادہ سے زیادہ موافق ومخالف شرحیں لکھی ہوں، زیادہ سے زیادہ درس وتدریس میں مانجھتے رہے ہوں، اور پھر بھی اس کی مقبولیت یک قلم بے داغ رہی ہو۔ چونکہ یہ دو باتیں تاریخ اسلام میں صرف انہی دو کتابوں کے حصے میں آئی ہیں ولیس لھما ثالث، اس لیے ان کی ہستی بجائے خود ایک دلیل صحت ہوگئی ہے اور بلاشبہ جب کبھی اختلاف ہوگا تو صحیحین کی روایت محض اس لیے بھی قوی تر سمجھی جائے گی کہ وہ صحیحین کی روایت ہے۔ دوسرے مجامیع کی روایات کتنی ہی شروط بخاری ومسلم پر نکال کر دکھا دی جائیں لیکن وہ اس کی قوت کا ہم پلہ نہیں ہوسکتیں۔

(ب) لیکن یہ جو کچھ ہے ان کی صحت کا اعتقاد ہے۔ یعنی ایسی صحت کا جیسی اور جس درجہ کی صحت ایک غیر معصوم انسان کے اختیارات کی ہوسکتی ہے۔ عصمت کا اعتقاد نہیں ہے اور اس لیے اگر کوئی روایت شاذ یقینیات قطعیہ قرآنیہ سے معارض ہو جائے گی تو ہم ایک لحہ کے لیے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی اس کی تضعیف میں تامل نہیں کریں گے- کیونکہ اصل ہر حال میں قرآن ہے جس کا تواتر یقینی اور جس کی قطعیت شک وشبہ سے بالاتر ہے- ہر انسانی شہادت اس پر کسی جائے گی- وہ کسی غیر معصوم شہادت اور رائے پر کسا نہیں جاسکتا کہ:

غرض اندر میان سلامت اوست!

اور پھر ہم دیکھ رہے ہیں کہ محققین حدیث نے اس باب میں کبھی ارباب جمود وتقلید کا شیوہ اعمیٰ اختیار نہیں کیا- یہ بخاری کی روایت اسریٰ شریک بن عبداللہ بن ابی نمر والی ہے جس کی نسبت تمام محققین نے بے تامل تصریح کردی کہ شریک کو غلط فہمی ہوئی اور صحیح بات وہی ہے جو مسلم کی روایت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) میں ہے- اسی طرح صحیح مسلم کی حدیث "خلق الله التربة يوم السبت" کی نسبت تمام محققین نے اتفاق کیا، اس کا رفع ثابت نہیں اور اسرائیلیات سے ماخوذ ہے- پھر اگر اسی طرح صحیحین کی روایت بھی رد کردی گئی کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام کی صداقت رد نہ کرنی پڑے تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی؟

قال "اني سقيم":

اس روایت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین باتوں کو "کذب" سے تعبیر کیا ہے- ایک تو یہی بات' دوسری وہ جو سورۂ صافات میں ہے: ﴿ فَقَالَ اِنِّی سَقِیْمٌ ﴾ (۸۹:۳۷) تیسری یہ کہ انہوں نے بادشاہ مصر کے آگے اپنی بیوی سارہ کو بہن کہا تھا- آخری بات قرآن میں کہیں نہیں ہے- تورات میں ہے، اور ہم اس کے موجودہ نسخہ کی صحت کے ذمہ دار نہیں- باقی رہا ﴿ اِنِّیْ سَقِیْمٌ ﴾ والا قول؛ تو اس کی شرح صافات میں ملے گی- یہاں اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ اس کا کوئی مطلب بھی ٹھہرایا جائے' لیکن اس میں جھوٹ کا پہلو کہاں سے نکل آیا؟ ایک شخص نے کہا میں سقیم ہوں- پھر کیوں اسے جھوٹ پر محمول کیا جائے؟

ہم نے یہاں اصل واضح کردی- لیکن یہ بھی ضروری کہ روایت مشہورہ کے متن واسناد پر نظر ڈالی جائے- اس کے لیے البیان کا انتظار کرنا چاہیے-

❋ ❋ ❋

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰیاتُہا: 78 سُوْرَۃُ الْحَجِّ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعَاتُہا: 10

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰٓاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ① یَوْمَ تَرَوْنَہَا تَذْہَلُ کُلُّ مُرْضِعَۃٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَہَا وَتَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَمَا ہُمْ بِسُکٰرٰی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ ② وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّیَتَّبِعُ کُلَّ شَیْطٰنٍ مَّرِیْدٍ ③ کُتِبَ عَلَیْہِ اَنَّہٗ مَنْ تَوَلَّاہُ فَاَنَّہٗ یُضِلُّہٗ وَیَہْدِیْہِ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ ④ یٰٓاَیُّہَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ

لوگو! اپنے پروردگار (کے عذاب سے) ڈرو۔ یقین کرو، آنے والی گھڑی کا بھونچال بڑا ہی سخت واقعہ ہوگا! (۱)
جس دن وہ تمہارے سامنے آموجود ہوگی اس دن (کسی کو کسی کا ہوش نہیں رہے گا) دودھ پلانے والی مائیں اپنا دودھ پیتا بچہ بھول جائیں گی۔ حاملہ عورتیں (وقت سے پہلے) اپنا حمل گرا دیں گی۔ لوگوں کو تم اس حال میں دیکھو گے کہ بالکل متوالے ہو گئے۔ حالانکہ وہ متوالے نہیں ہوئے مگر اللہ کے عذاب کی ہولناکی بڑی ہی ہولناک ہے (جس نے انہیں متوالوں کی طرح بے ہوش کر دیا!) (۲)
اور (دیکھو) کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور ان کے پاس کوئی علم نہیں۔ وہ ہر سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ (۳) شیطان کے لیے یہ بات لکھ دی گئی ہے کہ جو کوئی اس کا رفیق ہوا، وہ ضرور اسے گمراہی میں ڈالے گا اور عذاب جہنم تک پہنچا کر رہے گا! (۴)
لوگو! اگر تمہیں اس بارے میں شک ہے کہ آدمی (دوبارہ) جی اٹھے گا تو (اس بات پر غور کرو) ہم نے تمہیں (کس

☆☆ (۱) سورت کی ابتدا حیات اخروی کے اثبات اور قیامت کی ہولناکی کی تذکیر سے ہوئی ہے۔ غور کرو۔ صرف ایک آیت کے اندر اس ہولناک ترین حادثہ کائنات کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ہے؟
ماں کی محبت سے بڑھ کر طبیعت انسانی کا کوئی علاقہ نہیں اور اس محبت کے جوش کی سب سے زیادہ تیزی اس وقت ہوتی ہے جب بچہ دودھ پیتا ہوتا ہے اور ہر وقت ماں کی چھاتی سے لگا رہتا ہے۔ پس ہولناکی کی شدت کی یہ کس درجہ حقیقی اور فطری تصویر ہے کہ ماؤں کو اپنے دودھ پیتے بچوں تک کا ہوش نہ رہا۔ دہشت میں ایسی کھوئی گئیں کہ اپنی گود کے بچوں کو بھول گئیں! جس ہولناکی کا یہ حال ہو اس سے بڑھ کر طبیعت بشری کے لیے اور کون سی ہولناکی ہو سکتی ہے؟
اس کے بعد فرمایا۔ حاملہ عورتیں کہ ابھی ان کے وضع حمل کا وقت نہیں آیا شدت ہول سے بے اختیار جنین گرا دیں گی۔ اور یہ دہشت کی انتہا ہے۔ جسم انسانی پر اس سے زیادہ دہشت کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ اور لوگ کس حال میں ہوں گے؟ ایسے جیسے متوالے ہو گئے ہوں۔ یہ حالت فی الحقیقت متوالے ہونے کی حالت نہ ہوگی بلکہ ہولناکی کی شدت انہیں مخبوط الحواس کر دے گی!
گذشتہ جنگ میں جب جرمن فوج نے پیرس اور انیٹورپ پر گولہ باری کی تھی تو وہاں کے بہت سے باشندے بالکل پاگل ہو گئے تھے۔ اگر گولہ باری کی ہولناکی کا یہ اثر ہوتا ہے تو اس حادثہ کا اثر کیسا ہوگا جس میں اجرام سماویہ ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گے؟
(۲) پیدائش سے پہلے جنین پر جو مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں ان کی طرف یہاں اشارہ کیا ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَإِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَ نُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ۝۵ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ

چیز سے) پیدا کیا (؟) مٹی سے- پھر (تمہاری پیدائش کا سلسلہ کس طرح جاری ہوا؟) اس طرح کہ پہلے نطفہ ہوتا ہے- پھر علقہ بنتا ہے (یعنی جونک کی طرح کی ایک چیز) پھر متشکل اور غیر متشکل گوشت کا ایک ٹکڑا- اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ تم پر (اپنی قدرت کی کارفرمائیاں) واضح کر دیں- پھر دیکھو جس نطفہ کو ہم چاہتے ہیں (تکمیل تک پہنچائیں) اسے عورت کے رحم میں ایک مقررہ وقت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں- پھر (جب نطفہ تکمیل کے تمام اندرونی مراتب طے کر لیتا ہے تو) طفولیت کی حالت میں تمہیں باہر نکالتے ہیں- پھر تم پر (یکے بعد دیگرے) ایسی حالتیں طاری کرتے ہیں کہ (بالآخر) اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جاتے ہو- پھر تم میں کوئی تو ایسا ہوتا ہے جو (بڑھاپے سے پہلے ہی) مر جاتا ہے- کوئی ایسا ہوتا ہے جو (بڑھاپے تک پہنچتا اور اس طرح) عمر کی نکمی حالت کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے کہ سمجھ بوجھ کا درجہ پا کر پھر ناسمجھی کی حالت میں پڑ جائے-

اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے- پھر جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو اچانک لہلہانے اور ابھرنے لگتی ہے- ہر قسم کی روئیدگیوں میں سے حسن و خوبی کا منظر اگ آتا ہے! (۵)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کی ہستی ایک حقیقت ہے اور وہ بلاشبہ مردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور وہ ہر بات پر قادر ہے- (۶) نیز اس بات کی' کہ مقررہ گھڑی آنے والی ہے- اس میں کسی طرح کا شبہ نہیں اور اس کی کہ اللہ ضرور

"نطفة" لغت میں پانی کے ایک قطرے کو کہتے ہیں- چونکہ جنین کی تکوین کا ابتدائی مادہ پانی کے چند قطروں کی طرح ہوتا ہے اس لیے اسے نطفہ کہنے لگے-

"علقة" جمے ہوئے خون کے لوتھڑے کو بھی کہتے ہیں اور جونک کو بھی-

"مضغة" کے معنی ہیں گوشت کا ایک ٹکڑا-

"مخلقة" یعنی اس ٹکڑے میں شکل و صورت کی شان کا پیدا ہو جانا-

"غیر مخلقة" بگڑ کے رہ جانا اور متشکل نہ ہونا-

پیدائش کے بعد کی تین حالتیں بیان کی ہیں: طفولیت' رشد و عقل' ارذل العمر- یعنی بڑھاپا- بڑھاپے کو عربی میں ارذل العمر کہتے ہیں کیونکہ اس عمر میں تمام قوتیں جواب دے دیتی ہیں اور طاقت کے بعد پھر کمزوری و بے حسی کا عہد طاری ہو جاتا ہے-

اس کے بعد اس کی تعلیل واضح کر دی کہ یہ رشد و عقل کے بعد پھر طفولیت کی نادانی و بے عقلی کی طرف لوٹ جانا ہے- گویا انسان کی عمر طفولیت کی نادانی سے شروع ہوتی ہے اور بتدریج بڑھتے بڑھتے رشد و عقل کے بلوغ و کمال تک پہنچ جاتی ہے- اس کمال کے بعد پھر زوال شروع ہو جاتا ہے اور جس حالت سے عمر چلی تھی' اسی کی طرف لوٹ آتی ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۷ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا
كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۸ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۹ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۱۰ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ
يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرٌ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝۱۱ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ
ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝۱۲ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝۱۳

ع ۱۰ ۸

انہیں اٹھا کھڑا کرے گا جو قبروں میں پڑ گئے (یعنی مر گئے) (۷)

اور دیکھو کچھ لوگ ایسے ہیں کہ نہ تو ان کے پاس علم کی کوئی روشنی ہے نہ کسی طرح کی رہنمائی، نہ کوئی کتاب روشن (۸) مگر گھمنڈ کرتے ہوئے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اس کی راہ سے بھٹکا دیں- ایسے آدمی کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی رسوائی ہے اور قیامت کے دن بھی ہم اسے عذاب آتش کا مزہ چکھائیں گے: (۹) ''یہ اس کا نتیجہ ہے جو خود تیرے ہاتھوں نے پہلے سے مہیا کر رکھا تھا اور اللہ تو اپنے بندوں کے لیے کبھی ظالم نہیں ہو سکتا''- (۱۰)

اور (دیکھو) کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی تو کرتے ہیں مگر دل کے جماؤ سے نہیں-[1] اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچ گیا تو مطمئن ہو گئے- اگر کوئی آزمائش آ گئی' تو الٹے پاؤں اپنی (کفر کی) حالت پر لوٹ پڑے- وہ دنیا میں بھی نامراد ہوئے اور آخرت میں بھی، اور یہی ہے جو آشکارا نامرادی ہے! (۱۱) وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کو (اپنی حاجت روائی کے لیے) پکارتے ہیں جو نہ تو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ نفع- یہی گمراہی ہے جسے سب سے زیادہ گہری گمراہی سمجھنا چاہیے! (۱۲)

وہ ایسی ہستی کو پکارتے ہیں جس کے نفع سے زیادہ اس کا نقصان قریب تر ہے (یعنی واضح و آشکارا ہے) سو کیا ہی برا کارساز ہوا اور کیا ہی برا ساتھی! (۱۳)

---

(۳) قرآن نے جا بجا انسان کی ایک ذہنی حالت کو ''جدال فی اللہ بغیر علم'' سے تعبیر کیا ہے' تشریح اس کی آخری نوٹ میں ملے گی-

(۴) قرآن نے ہر جگہ یہ حقیقت واضح کی ہے کہ ایمان امید اور یقین ہے اور کفر شک اور مایوسی ہے، اور وہ بار بار اس بات پر زور دیتا ہے کہ مایوس نہ ہو- امید کا چراغ روشن رکھو- ہر حال میں امیدوار فضل و سعادت رہو- یہی مقتضائے ایمان ہے- یہی سرچشمہ زندگی ہے- اسی سے تمام دنیوی اور اخروی کامرانیوں کی دولت حاصل ہو سکتی ہے- اگر مایوس ہو گئے، اگر مایوسی کی پرچھائیں بھی دل پر پڑنے دی تو پھر یہ زندگی کا خاتمہ ہو گا، دنیا کی نامرادی ہو گی' عاقبت کا خسران ہو گا! وہ کہتا ہے' زندگی امید ہے اور موت مایوسی- جونہی تم نے امید کی شمع جلائی زندگی و سعادت کے دائرہ میں آ گئے- جونہی یہ شمع بجھی، موت اور نامرادی کی ظلمت میں گر گئے-

غور کرو- قرآن جو کچھ کہتا ہے کیا اس کے علاوہ بھی کچھ اس بارے میں کہا جا سکتا ہے؟ کیا انسانی زندگی کی ساری کامرانیوں اور فتح مندیوں کی اصل و اساس امید ہی نہیں ہے؟ اور کیا ناامیدی سے بڑھ کر کوئی موت کا سرچشمہ ہو سکتا ہے؟

---

[1] ''الحرف'' الشک- اصلہ من حرف الشیء وھو طرفہ- مثل حرف الجبل والحائط فان القائم علیہ غیر مستقر-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـُٔوْنَ وَ النَّصٰرٰى وَ الْمَجُوْسَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ

جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کیے تو ضرور اللہ انہیں ایسے باغوں میں پہنچا دے گا جن کے تلے نہریں بہ رہی ہوں گی (اور اس لیے وہ کبھی خشک ہونے والے نہیں) اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (وہ مالک ومختار ہے!)۔ (۱۴)

جو آدمی (مایوس ہوکر) ایسا خیال کر بیٹھتا ہے کہ اللہ دنیا اور آخرت میں اس کی مدد کرنے والا نہیں، تو (اس کے لیے زندگی کی کوئی راہ باقی نہ رہی) اسے چاہیے ایک رسّی چھت تک لے جا کر باندھ دے۔ اور (اس میں گردن لٹکا کر زمین سے) رشتہ کاٹ لے۔ پھر دیکھے اس تدبیر نے اس کا غم وغصہ دور کر دیا یا نہیں؟ (۱۵)

اور دیکھو، اس طرح ہم نے یہ کلام روشن دلیلوں کی شکل میں اتارا اور اس لیے اتارا کہ اللہ جسے چاہتا ہے (کامیابی کی) راہ پر لگا دیتا ہے! (۱۶)

جولوگ ایمان لائے (یعنی مسلمان) جو یہودی ہوئے، جو صابی ہیں، جو نصاریٰ ہیں، جو مجوسی ہیں، جو مشرک ہیں؛ قیامت کے دن ان سب کے درمیان اللہ فیصلہ کر دے گا (اور ان کے اعمال کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی) اللہ سے کوئی بات چھپی نہیں۔ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے! (۱۷)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو کوئی بھی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی بھی زمین میں ہے۔ نیز سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت،

یہاں آیت (۱۱) میں یہی حقیقت واضح کی ہے۔ فرمایا کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی بندگی تو کرتے ہیں مگر اس طرح کہ دل میں جماؤ نہیں ہے اور ایمان کی بنیاد یقین پر نہیں ہے۔ زندگی کے عارضی اور وقتی حالات پر ہے۔ اگر آرام وخوشحالی کی کوئی بات پیش آ گئی تو مطمئن ہو گئے، مصیبت پیش آ گئی تو اکھڑ گئے۔ ایسا آدمی نہ تو دنیا کی زندگی میں کامیاب ہو سکتا ہے نہ آخرت میں۔ کیونکہ بنائے کامیابی یقین اور امید ہے۔ جو اس روح سے محروم رہا وہ دونوں جگہ نامراد ہوگا اور زندگی کی سب سے نمایاں نامرادی یہی ہے! پھر فرمایا۔ زندگی کی ذرا سی مصیبت بھی انہیں اللہ کی طرف سے ہٹا کر دوسری چوکھٹوں پر گرا دیتی ہے۔ جہاں نہ ان کے لیے نفع ہے نہ نقصان۔ اور گمراہی میں سب سے زیادہ گہری گمراہی یہی ہے!

(۵) آیت (۱۱) پر غور کرو۔ انسانی زندگی کی گمراہیوں کی کیسی سچی تصویر ہے؟ کتنے ہی آدمی ہیں جو بظاہر خدا پرستی کے دعوے میں کسی سے پیچھے نہیں ہوتے لیکن جہاں زندگی کے کسی الجھاؤ میں پڑے اور وہ حسب خواہش دور نہیں ہوا، معاً انہوں نے خدا سے منہ موڑ لیا، اور گو زبان سے اقرار نہ کریں لیکن ان کی اعتقادی حالت ایسی ہی ہو جاتی ہے کہ اب حاجت براری کے لیے دوسرے آستانے ڈھونڈنے چاہییں۔ چنانچہ جو چوکھٹ سامنے نظر آ جائے گی فوراً جھک جائیں گے اور اسے اپنی بندگی ونیاز کا کعبہ بنا لیں گے۔ قرآن کہتا ہے: ﴿ ذلك هو الضلال البعيد ﴾ یہی گمراہی کی سب سے زیادہ گہری حالت ہے۔

آیت (۱۲) میں فرمایا۔ وہ ایسی ہستیوں کو پکارنے لگتے ہیں جن کے نفع سے زیادہ ان کا نقصان اقرب ہے۔ یعنی اگر وہ ذرا بھی سمجھ بوجھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ
السجدة
مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۱۸﴾
هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ
رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ
ع ۳
يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۠ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

چارپائے؛ سب اللہ کے آگے سربہ سجود ہیں؟ اور کتنے ہی انسان بھی؟ ہاں بہت سے انسان ایسے بھی ہیں کہ ان پر عذاب کی بات ثابت ہوگئی' اور جس کسی کو اللہ ذلت میں ڈالے تو پھر کوئی نہیں جو اسے عزت دینے والا ہو- وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے! (۱۸)

(دیکھو) یہ دو مخالف (فریق) ہیں جو اپنے پروردگار کے بارے میں ایک دوسرے سے مخالف باتیں کہتے ہیں- ان میں سے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان کے لیے آگ کا پہناوا قطع کر دیا گیا- ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا- (۱۹) اس (کی گرمی کی شدت) سے جو کچھ ان کے شکم میں ہے جل کر گل اٹھے گا- ان کے جسم کے چمڑے کا بھی یہی حال ہوگا- (۲۰) نیز ان کی روک تھام کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے- (۲۱) جب کبھی (عذاب کے) دکھ سے بیقرار ہو کر نکلنا چاہیں گے' تو اسی میں لوٹا دیے جائیں گے کہ (اب نکلتے کیوں ہو؟) ''عذاب سوزاں کا مزہ چکھو!'' (۲۲)

جو فریق ایمان لایا اور نیک عمل ہوا' تو یقیناً اللہ اسے (نعیم ابدی کے) باغوں میں داخل کرے گا- ان کے تلے نہریں

سے کام لیں تو دیکھ لیں، ان سے نفع پہنچنے کے لیے تو کوئی دلیل موجود نہیں لیکن نقصان میں پڑ جانا بالکل واضح اور آشکارا ہے- کون سا نقصان؟ ایمان و عقل کا نقصان- اگر ایک انسان اپنے ہی جیسی عاجز و محتاج ہستی کو حاجت روائی کے پکارتا ہے تو حاجت پوری ہو یا نہ ہو لیکن اس کے ایمان و عقل کا تو فوراً خاتمہ ہو ہی گیا- اس نے سچائی اور حقیقت سے منہ موڑا- نجات و سعادت کی راہ اپنے اوپر بند کر لی- یہ تو ہوا فوری نقصان- باقی رہا نفع، تو اس کے لیے کوئی روشنی موجود نہیں- محض اوہام و ظنون ہیں جو اسے ان چوکھٹوں پر گرا رہے ہیں! پس نقصان یقینی اور فوری ہوا' اور نفع محض مظنون و موہوم!

(۶) آیت (۱۵) پچھلے بیانات کا خلاصہ ہے- فرمایا جس انسان نے امید و یقین کی جگہ شک و مایوسی کی راہ اختیار کی، خواہ دنیا کی زندگی کے لیے ہو خواہ آخرت کے لیے، اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اب اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں- ایسے آدمی کے لیے صرف یہی چارۂ کار رہ جاتا ہے کہ گلے میں پھندا ڈالے اور زندگی ختم کر ڈالے! سبحان اللہ! انسانی زندگی کے تمام مسائل اس ایک آیت نے حل کر دیے- زندگی امید اور سعی ہے- موت مایوسی اور ترک سعی ہے- پس اگر ایک بدبخت نے یہ فیصلہ کر لیا کہ خدا کے پاس اس کے لیے کچھ نہیں- دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی- تو پھر اس کے لیے باقی کیا رہا؟ کیا ہے جس کے سہارے وہ زندہ رہ سکتا ہے؟ اور زندہ رہے تو کیوں زندہ رہے؟

لیکن نہیں' ایمان نام ہی امید کا ہے اور مومن وہ ہے جو مایوسی سے کبھی آشنا نہیں ہو سکتا- اس کا ذہنی مزاج کسی چیز سے بھی اتنا بیگانہ نہیں جس قدر مایوسی سے- زندگی کی مشکلیں اسے کتنا ہی ناکام کریں لیکن وہ پھر سعی کرے گا- لغزشوں اور گناہوں کا ہجوم اسے کتنا ہی گھیر لے لیکن وہ پھر توبہ کرے گا- نہ تو دنیا کی کامیابی سے وہ مایوس ہو سکتا ہے' نہ آخرت کی نجات سے- وہ جانتا ہے کہ دنیا کی مایوسی موت ہے اور آخرت کی مایوسی شقاوت- وہ دونوں جگہ رحمت الٰہی کو دیکھتا اور اس کی بخششوں پر یقین رکھتا ہے کہ ﴿ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ؕ وَ لِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۲۳﴾ وَ هُدُوْۤا اِلَى الطَّیِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَ هُدُوْۤا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِیْدِ ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ِۨ الْعَاكِفُ فِیْهِ وَ الْبَادِ ؕ وَ مَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۵﴾ وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَ الْقَآىِٕمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ

بہ رہی ہیں۔ (اس لیے ان کی بہار کبھی ختم ہونے والی نہیں) انہیں وہاں (آگ کے پہناوے کی جگہ) سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار پہنائے جائیں گے' اور لباس ان کا ریشمی ہوگا۔ (۲۳) انہیں باتوں میں سے ایسی بات کی رہنمائی ملی جو نہایت پاکیزہ ہے۔ انہیں راہوں میں سے ایسی راہ پر چلایا گیا جس کی ستائش کی گئی! (۲۴) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور جو اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں نیز مسجد حرام سے جسے ہم نے بلا امتیاز تمام انسانوں کے لیے (عبادت گاہ) ٹھہرایا ہے۔ خواہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے (تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہم انہیں) اور ہر اس آدمی کو جو اس میں از راہ ظلم حق سے منحرف ہونا چاہے گا عذاب دردناک کا مزہ چکھائیں گے۔ (۲۵)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے ابراہیم کے لیے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کر دی (اور حکم دیا) کہ "میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر اور میرا یہ گھر ان لوگوں کے لیے پاک رکھ جو طواف کرنے والے ہوں' عبادت میں سرگرم رہنے والے ہوں' رکوع و سجود میں جھکنے والے ہوں!" (۲۶) اور (حکم دیا تھا کہ) "لوگوں میں حج کا اعلان پکار دے۔ لوگ تیرے پاس دنیا کی تمام دور دراز راہوں سے آیا کریں گے

الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴾ (۵۳:۳۹)

(۷) اس کے بعد آیت (۱۷) میں فرمایا کہ دنیا دار العمل ہے اور ہر فرد اور گروہ کو اس کے ایمان و عمل کے مطابق نتیجہ ملنا ہے۔ یہاں حقیقت کا فیصلہ نہیں ہوتا کیونکہ آنکھوں کے آگے پردے پڑے ہیں لیکن قیامت کے دن تمام پردے اٹھ جائیں گے اور سب دیکھ لیں گے کہ اللہ کا فیصلہ حق کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے علاوہ ان مذہبی گروہوں کا بھی ذکر کیا جو عرب اور عرب کے جوار میں موجود تھے: یہودی' صابی' مسیحی' مجوس اور مشرک یعنی عرب کے بت پرست۔ آیت (۱۸) نے واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیک اتباع حق کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا کائنات ہستی میں جس قدر مخلوق ہے سب اللہ کے احکام و قوانین کے آگے جھکی ہوئی ہے۔ اجرام سماویہ سے لے کر درختوں اور پتھروں تک کوئی چیز نہیں جس کے لیے اس نے احکام و قوانین نہ ٹھہرا دیے ہوں اور ان کے مطابق ان کی ہستی کا کارخانہ نہ چل رہا ہو۔ پھر اگر یہاں درخت کے ایک پتہ اور پہاڑ کی ایک چٹان کے لیے بھی کسی کے ٹھہرائے ہوئے احکام ہیں تو کیا انسان کے لیے نہیں ہوں گے جو کرۂ ارضی کے تمام سلسلہ خلقت کا ماحصل اور تمام کارخانہ تخلیق و تکمیل کا آخرین مظہر ہے؟ اور اگر سب کی ہستی و بقا اس پر موقوف ہوئی کہ احکام حق کے آگے سر بسجود ہیں تو کیا انسان کی ہستی و سعادت کے لیے ایسا ہونا ضروری نہیں؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ
الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَ لْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَ لْيَطَّوَّفُوْا
بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ ۗ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا
يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَ
مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۗ

پاپیادہ اور ہر طرح کی سواریوں پر جو (مشقت سفر سے) تھکی ہوئی ہوں گی۔ (۲۷) وہ اس لیے آئیں گے کہ اپنے فائدہ پانے کی جگہ میں حاضر ہو جائیں اور ہم نے جو پالتو چار پائے ان کے لیے مہیا کر دیے ہیں ان کی قربانی کرتے ہوئے مقررہ دنوں میں اللہ کا نام لیں۔ پس قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیر کو بھی کھلاؤ۔ (۲۸) پھر قربانی کے بعد وہ اپنے جسم ولباس کا میل کچیل دور کر دیں (یعنی احرام اتار دیں) نیز اپنی نذریں پوری کریں اور اس خانہ قدیم (یعنی خانہ کعبہ) کے گرد پھیرے پھر لیں۔'' (۲۹)

تو دیکھو (حج کی) بات یوں ہوئی۔ اور جو کوئی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حرمتوں کی عظمت مانے تو اس کے لیے اس کے پروردگار کے حضور بڑی ہی بہتری ہے۔ اور (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) ان جانوروں کو چھوڑ کر جن کا حکم قرآن میں سنا دیا گیا ہے، تمام چار پائے تمہارے لیے حلال کیے گئے ہیں۔ پس چاہیے کہ بتوں کی ناپاکی سے بچتے رہو۔ نیز جھوٹ بولنے سے۔ (۳۰) صرف اللہ ہی کے لیے ہو کر رہو۔ اس کے ساتھ کسی ہستی کو شریک نہ کرو۔ جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اس کا حال ایسا سمجھو جیسے بلندی سے اچانک نیچے گر پڑا۔ جو چیز اس طرح گرے گی اسے یا تو کوئی اچک لے گا یا ہوا کا جھونکا کسی دور دراز گوشہ میں لے جا کر پھینک دے گا! (۳۱)

اس آیت کے اسلوب بیان پر غور کرو۔ انسان کو مخلوقات ہستی کی عام صف سے الگ کھڑا نہیں کیا ہے بلکہ ایک ہی سلسلہ میں سب کا ذکر کیا ہے: ﴿ والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وكثير من الناس ﴾ یعنی اس اعتبار سے سب ایک ہی صف میں ہیں۔ انسان کا گوشہ عام سلسلہ قوانین فطرت سے کوئی الگ گوشہ نہیں ہے۔ جس طرح سورج، چاند، ستارے، نباتات، جمادات، احکام فطرت کے آگے سربسجود ہیں، اسی طرح صحیح الفطرت انسانوں کے بھی سر جھکے ہوئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہاں حقیقت کی راہ عمل صرف یہی ہے؟

یہ مقام مہمات معارف قرآنی میں سے ہے اور صرف اس ایک آیت کی تفسیر میں پوری ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ﴿ وكثير حق عليه العذاب ﴾ بہت سے انسان ایسے ہیں جو اس دائرۂ اطاعت سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ان پر تعذیب کا قانون لازم آ جاتا ہے۔ ﴿ ومن يهن الله فما له من مكرم ﴾ اور جس کسی پر اللہ کے قانون تذلیل کی مہر لگ گئی تو پھر کوئی نہیں جو اسے سربلند کر سکے!

(۸) آیت (۱۹) میں فرمایا۔ دین کے کتنے ہی جتھے بن گئے ہوں مگر راہیں صرف دو ہی ہیں اور دو ہی منزلوں پر ختم ہوتی ہیں۔ ایک منکروں کی ہے۔ ایک مومنوں کی ہے۔ پہلی انکار، مایوسی اور بدعملی کی راہ ہے۔ دوسری ایمان، امید اور نیک عملی کی۔ پہلی کو بالآخر عذاب کی منزل پر پہنچنا ہے۔ دوسری کو نعیم وسرور ابدی پر۔ انہی دو راہوں پر چلنے والوں کو ﴿ خصمان اختصموا في ربهم ﴾ سے تعبیر کیا۔

(۹) اس کے بعد آیت (۲۵) سے سلسلہ بیان کفار مکہ کی طرف متوجہ ہو گیا ہے۔ یہ گویا اذن قتال کی تمہید ہے جو آیت (۳۹) میں آنے والا ہے۔ فرمایا: یہ صرف کفر ہی پر قانع نہیں رہے بلکہ ظلم وتشدد پر اتر آئے۔ یہ مسجد حرام کا اپنے کو مالک سمجھتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى
ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا
رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾
الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ

(حقیقت حال) یہ ہے پس (یاد رکھو) جس کسی نے اللہ کی نشانیوں کی عظمت مانی تو اس نے ایسی بات مانی جو فی الحقیقت دلوں کی پرہیز گاری کی باتوں میں سے ہے۔ (۳۲) ان (چارپایوں) میں ایک مقررہ وقت تک تمہارے لیے (طرح طرح کے) فائدے ہیں۔ پھر (اس) خانہ قدیم تک پہنچا کر ان کی قربانی کرنی ہے۔ (۳۳)

اور (دیکھو) ہر امت کے لیے ہم نے عبادت کا ایک طور طریقہ ٹھہرا دیا کہ ہمارے دیے ہوئے پالتو چارپائے ذبح کرے تو اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرلے۔ پس (یاد رکھو) تمہارا معبود وہی ایک معبود یگانہ ہے (اور جب اس کے سوا کوئی نہیں تو چاہیے کہ) اسی کے آگے فرماں برداری کا سر جھکا دو!

اور (اے پیغمبر!) عاجزی اور نیاز مندری کرنے والے بندوں کو (کامرانی وسعادت کی) خوشخبری دے دو۔ (۳۴) ان (نیاز مندان حق) کو جن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز اٹھتے ہیں، جو ہر طرح کی مصیبتوں میں صبر کرنے والے ہیں، جو نماز کے پڑھنے اور درستی میں کوشاں رہتے ہیں، جو اس رزق میں سے کہ اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے (نیک کاموں کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں! (۳۵) اور (دیکھو قربانی کے یہ) اونٹ (جنہیں دور دور سے حج کے موقع پر لایا جاتا ہے) تو ہم نے اسے ان چیزوں میں سے ٹھہرا دیا ہے جو تمہارے لیے اللہ کی (عبادت کی) نشانیوں میں سے ہیں۔ اس میں تمہارے لیے بہتری کی بات ہے۔

وہاں آنے اور عبادت کرنے سے روک دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ انسان کے لیے معبد عام ہے۔ وہ صرف باشندگان مکہ ہی کے لیے نہیں بنایا گیا ہے۔ تمام انسانوں کے لیے بنایا گیا ہے۔ کسی انسان کو حق نہیں کہ اس کا دروازہ عبادت گزاروں پر بند کردے۔

اس کے بعد آیت (۲۶) سے (۲۹) تک سے واضح کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس عبادت گاہ کی بنیاد رکھی تو کیا مقاصد ان کے پیش نظر تھے اور وحی الٰہی نے کس راہ کی تلقین کی تھی؟ اور پھر حج کا اعلان کیا گیا تو اس کے بنیادی اعمال و مقاصد کیا کیا تھے؟ اور کس طرح وحی الٰہی نے اس کی رہنمائی کی تھی؟ خلاصہ ان کا یہ ہے کہ:

(ا) توحید کا اعتقاد۔ (ب) عبادت گزاران حق کے لیے معبد کی تطہیر۔ (ج) حج کا اجتماع تاکہ اس کے گوناگوں منافع سے لوگ مستفید ہوں اور معین ایام میں ذکر الٰہی کا ولولہ تازہ ہوتا رہے۔ (د) جو لوگ اس موقع پر جمع ہوں جانوروں کی قربانیاں کریں اور محتاجوں کے لیے غذا کا اہتمام ہو۔

پس جس مرکز عبادت کا قیام اول دن سے ان مبادی و مقاصد کے لیے ہوا ہے کیونکر جائز ہوسکتا ہے کہ قریش مکہ اس کے مالک بن بیٹھیں اور جنہیں چاہیں وہاں آنے دیں، جنہیں چاہیں روک دیں۔

(۱۰) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت (۲۶) سے (۳۷) تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ سب ان احکام کی حکایت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیے گئے تھے لیکن عام طور پر مفسروں نے آخری حصہ کو براہ راست خطاب قرار دیا ہے۔ بہرحال دونوں صورتوں میں یہ تمام تفصیلات اسی بات کی شرح ہیں کہ ﴿ جعلناه للناس سواء العاكف فيه و الباد ﴾ یعنی یہ عبادت گاہ صرف باشندگان مکہ ہی کے لیے نہیں بنائی گئی ہے بلکہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ
سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ
كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ ۙ

الثلثة ع ۵ ۱۴

پس چاہیے کہ انہیں قطار در قطار ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام یاد کرو- پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں (یعنی ذبح ہو جائیں) تو ان کے گوشت میں سے خود بھی کھاؤ اور فقیروں اور زائروں کو بھی کھلاؤ- اس طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تا کہ (احسان الٰہی کے) شکر گزار ہو! (۳۶)

یاد رکھو! اللہ تک ان قربانیوں کا نہ تو گوشت پہنچتا ہے نہ خون، اس کے حضور جو کچھ پہنچ سکتا ہے وہ تو صرف تمہارا تقویٰ ہے (یعنی تمہارے دل کی نیکی ہے) ان جانوروں کو اس طرح تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ اللہ کی رہنمائی پر اس کے شکر گزار رہو اور اس کے نام کی بڑائی کا آوازہ بلند کرو' اور نیک کرداروں کے لیے (قبولیت حق کی) خوش خبری ہے! (۳۷)

جو لوگ ایمان لائے ہیں یقیناً اللہ (ظالموں کے ظلم و تشدد سے) ان کی مدافعت کرتا ہے- اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ امانت میں خیانت کرنے والوں کو کہ کفران نعمت کر رہے ہیں کبھی پسند نہیں کر سکتا! (۳۸)

جن (مومنوں) کے خلاف ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے، اب انہیں بھی (اس کے جواب میں) جنگ کی رخصت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر سراسر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے! (۳۹)

بلا امتیاز سب کے لیے، خواہ مکہ کے رہنے والے ہوں یا دوسری جگہوں کے- چنانچہ اسی لیے حج اور قربانی کا حکم دیا گیا- لوگ دور دور سے یہاں آنے لگے اور قربانی کے جانور لانے لگے- خصوصاً قربانی کے اونٹ جو صحرا اور جبال طے کر کے حرم مکہ میں پہنچائے جاتے اور لوگ انہیں اس معبد کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی تصور کرتے- اب اگر قریش مکہ کا یہ اختیار تسلیم کر لیا جائے کہ جسے چاہیں آنے دیں، جسے چاہیں روک دیں تو پھر نہ کعبہ کعبہ رہا، نہ حج حج-

(۱۱) ضمناً یہ بات بھی واضح کر دی کہ قربانی کی حقیقت کیا ہے؟ آیت (۲۸) اور (۳۶) میں فرمایا تھا کہ اس کا گوشت خود بھی کھاؤ اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ- یعنی مقصود اس سے جانوروں کا خون بہانا نہیں ہے جیسا کہ لوگ سمجھتے تھے بلکہ یہ ہے کہ لوگوں کے لیے غذا کا سامان ہو- پھر آیت (۳۷) میں صاف صاف کہہ دیا کہ اصل عبادت تمہارے دلوں کا تقویٰ ہے- نہ کہ قربانی کا گوشت اور خون-

بت پرست اقوام میں قربانی کی رسم اس طرح چلی تھی کہ انہوں نے خیال کیا انسانوں کی طرح دیوتاؤں کو بھی چڑھاووں کی ضرورت ہے اور جانوروں کا خون بہانا ان کا غضب و قہر ٹھنڈا کر دیتا ہے- قرآن کہتا ہے نہ تو خدا تک گوشت کا چڑھاوا پہنچ سکتا ہے' نہ وہ خون بہانے کا شائق ہے- اصل شے جو اس کے حضور مقبول ہو سکتی ہے' دل کی نیکی اور طہارت ہے-

[1] ''صواف'' صف سے ہے- چونکہ اونٹ کو کھڑے کھڑے ذبح کرتے ہیں' اس لیے اس لفظ سے تعبیر کرنے لگے- یعنی صفت توائمها- گھوڑے کے لیے بھی بولتے ہیں صفن الفرس فهو صافن اذا قام على ثلاث قوائم وثنى الرابعة-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۴۰ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۴۱ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۝۴۲ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۝۴۳ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ

یہ وہ مظلوم ہیں جو بغیر کسی حق کے اپنے گھروں سے نکال دیے گئے- ان کا کوئی جرم نہ تھا- اگر تھا تو صرف یہ کہ وہ کہتے تھے ہمارا پروردگار اللہ ہے! اور دیکھو، اگر اللہ بعض آدمیوں کے ہاتھوں بعض آدمیوں کی مدافعت نہ کراتا رہتا (اور ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ظلم وتشدد کرنے کے لیے بے روک چھوڑ دیتا) تو کسی قوم کی عبادت گاہ زمین پر محفوظ نہ رہتی- خانقاہیں' گرجے' عبادت گاہیں' مسجدیں جن میں اس کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے سب کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے- (یاد رکھو) جو کوئی اللہ (کی سچائی) کی حمایت کرے گا ضروری ہے کہ اللہ بھی اس کی مدد فرمائے- کچھ شبہ نہیں وہ یقیناً قوت رکھنے والا اور سب پر غالب ہے! (۴۰)

یہ (مظلوم مسلمان) وہ ہیں کہ اگر ہم نے زمین میں انہیں صاحب اقتدار کر دیا (یعنی ان کا حکم چلنے لگا) تو وہ نماز (کا نظم) قائم کریں گے' زکوٰۃ کی ادائیگی میں سرگرم ہوں گے' نیکیوں کا حکم دیں گے' برائیاں روکیں گے، اور تمام باتوں کا انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ ہے! (۴۱)

اور (اے پیغمبر!) اگر یہ (منکر) تجھے جھٹلائیں تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) ان سے پہلے کتنی ہی قومیں اپنے اپنے وقتوں کے رسولوں کو جھٹلا چکی ہیں- قوم نوح' قوم عاد' قوم ثمود' (۴۲) قوم ابراہیم' قوم لوط (۴۳) اصحاب مدین اور موسیٰ بھی جھٹلایا گیا (اگرچہ خود اس کی قوم نے نہیں جھٹلایا) اور ہم نے (ہمیشہ ایسا ہی کیا کہ) پہلے منکروں کو (کچھ عرصہ کے لیے)

---

(۱۲) آیت (۳۸) اور (۳۹) میں مسلمانوں کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنے دفاع میں اب ہتھیار اٹھا سکتے ہیں- بالاتفاق یہ پہلی آیت ہے جو اذن قتال کے بارے میں نازل ہوئی- اس سے پہلے قریش مکہ کا یہ ظلم بیان کر دیا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں پر حج کی راہ بند کر دی ہے جس کا انہیں کوئی حق نہیں- اب یہاں صاف صاف لفظوں میں واضح کر دیا کہ جواز قتال کی علت کیا ہے؟ فرمایا: ﴿ بانهم ظلموا ﴾ اس لیے کہ مسلمان مظلوم ہیں اور مظلوم کا حق ہے کہ ظالم کے مقابلہ میں اپنا بچاؤ کرے- یہ مظلوم تیرہ برس تک قریش مکہ کے ظلم وتشدد کا نشانہ رہے- بالآخر ترک وطن پر مجبور ہوئے- لیکن غربت میں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا گیا- ان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا- آخر ان کا قصور کیا تھا- صرف یہ کہ یقولوا "ربنا الله" وہ کہتے تھے ہم اپنے یقین کے مطابق اپنے پروردگار کو یاد کرنا چاہتے ہیں- ہم دوسروں کو مجبور نہیں کرتے کہ ہمارا اعتقاد تسلیم کر لیں- لیکن دوسرے ہمیں کیوں مجبور کرتے ہیں کہ اپنے اعتقاد سے دست بردار ہو جائیں؟

اس کے بعد واضح کیا کہ یہ مظلوموں کا قدرتی حق ہے- اگر وہ اس حق سے محروم کر دیے جائیں تو دنیا میں انسانی ظلم واستبداد کی مدافعت کا کوئی سامان باقی نہ رہے- جس گروہ کی بن پڑے دوسرے گروہ کے اعتقاد وعمل کی آزادی ہمیشہ کے لیے پامال کر دے- چنانچہ فرمایا- یہاں اللہ نے ایک جماعت کے ہاتھوں دوسری جماعت کے ظلم وتشدد کو دفع کرانے کا نظام قائم کر رکھا ہے- اگر یہ سلسلہ مدافعت بعض ببعض نہ ہوتا تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ
عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ
يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي
الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ
مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا

ع ۳

ڈھیل دے دی پھر (مواخذہ میں) پکڑ لیا تو دیکھ! ہماری ناپسندیدگی ان کے لیے کیسی سخت ہوئی؟ (۴۴)

پھر دیکھو، کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے انہیں ہلاک کر دیا اور وہ ظلم کرنے والی تھیں- وہ ایسی اجڑیں کہ اپنی چھتوں پر گر کے رہ گئیں- کنویں ناکارہ ہو گئے- سربفلک محل کھنڈر بن گئے- (۴۵) کیا یہ لوگ ملکوں میں چلے پھرے نہیں کہ عبرت حاصل کرتے؟ ان کے پاس دل ہوتے اور سمجھتے بوجھتے- کان ہوتے اور سنتے اور پاتے- حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی اندھے پن میں پڑتا ہے تو آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں (جو سروں میں ہیں) دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر پوشیدہ ہیں! (۴۶)

اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تجھ سے عذاب کے مطالبہ میں جلدی مچا رہے ہیں (یعنی کہتے ہیں اگر سچ مچ کو عذاب آنے والا ہے تو کیوں نہیں آ چکتا؟) اور اللہ کبھی ایسا کرنے والا نہیں کہ اپنا وعدہ پورا نہ کرے- مگر تیرے پروردگار کے یہاں ایک دن کی مقدار ایسی ہے جیسے تم لوگوں کی گنتی میں ایک ہزار برس- (۴۷)

اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے (ابتدا میں) ڈھیل دی اور وہ ظالم تھیں- پھر ہم نے مواخذہ میں پکڑ لیا اور بالآخر سب کو ہماری ہی طرف لوٹنا ہے! (۴۸) (اے پیغمبر!) کہہ دے "اے لوگو! میں اس کے سوا کچھ نہیں ہوں کہ (انکار و شرارت

دنیا میں خدا پرستی کا خاتمہ ہو جاتا- کسی گروہ کی عبادت گاہ انسانی ظلم و استبداد کے ہاتھوں محفوظ نہ رہتی-

(۱۳) آیت (۴۱) نے واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیک مسلمانوں کے اقتدار و حکومت کا اصلی مقصد کیا تھا؟ فرمایا- ان مظلوم مسلمانوں کے اگر قدم جم گئے تو یہ کیا کریں گے؟ یعنی تمکن فی الارض کو کن مقاصد کے لیے کام میں لائیں گے؟ اس لیے کہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں، برائیوں سے روکیں اور ظلم و بدعملی کی جگہ عدالت و نیکی کی مملکت قائم ہو جائے!

(۱۴) اس کے بعد فرمایا- یہ انقلاب اسی سلسلہ انقلاب کی ایک کڑی ہے، جو دنیا میں ہمیشہ ہوتا رہا ہے پس اگر منکرین حق اسے جھٹلائیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں، پہلے بھی ہمیشہ ظلم و غرور کے متوالوں نے حق و صداقت کی آوازیں جھٹلائی ہیں- اگر ان کے دل اندھے نہ ہو گئے ہوتے تو یہ پچھلوں کی سرگزشتوں سے عبرت پکڑتے مگر انسان کے ظلم و غرور کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ دوسروں کی حالت سے کبھی عبرت نہیں پکڑتا- یہاں تک کہ خود اس پر بھی وہ سب کچھ گزر جائے جو دوسروں پر گزر چکا ہے!

اس بات پر غور کرو کہ یہاں اسلامی اعمال میں سے اور کسی عمل کا ذکر نہیں کیا- صرف قیام صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا ذکر کیا- اس سے معلوم ہوا قرآن کے نزدیک مسلمانوں کے جماعتی اقتدار کی اصلی علامت یہی دو عمل ہیں- جس گروہ کا اقتدار ان دو عملوں کے قیام سے خالی ہو اس کا اقتدار اسلامی اقتدار نہیں سمجھا جا سکتا-

(۱۵) آیت (۴۶) نے انسان کے ذہنی تعطل اور قلبی غفلت کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ہے؟ فرمایا- اگر فہم و بصیرت کی ساری دلیلیں ان کے لیے بے سود ہیں تو کیا آنکھوں کا مشاہدہ بھی کچھ کام نہیں دیتا؟ کیا انہوں نے زمین میں سیر و گردش نہیں کی، حوادث و انقلابات عالم کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾ وَ الَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ

کے نتائج سے) تمہیں علانیہ خبردار کر دینا چاہتا ہوں!" (۴۹)

پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔ (۵۰) جن لوگوں نے اللہ کی نشانیوں کے خلاف لڑ کر کامیاب ہونا چاہا، وہ دوزخی ہیں (ان کے لیے ہر طرح کی کامیابیوں اور سعادتوں سے محرومی ہے!) (۵۱)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول اور جتنے نبی بھیجے سب کے ساتھ یہ معاملہ ضرور پیش آیا کہ جونہی انہوں نے (اصلاح و سعادت کی) آرزو کی، شیطان نے ان کی آرزو میں کوئی نہ کوئی فتنہ کی بات ڈال دی اور پھر اللہ نے اس کی وسوسہ اندازیوں کا اثر مٹایا اور اپنی نشانیوں کو اور زیادہ مضبوط کر دیا۔ وہ (سب کچھ) جاننے والا (اپنے سارے کاموں میں) حکمت والا ہے! (۵۲)

اس میں (ایک بڑی) مصلحت یہ رہی ہے کہ شیطان کی وسوسہ اندازی ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ہو جائے جن کے دل روگی ہیں اور (سچائی کی طرف سے) سخت پڑ گئے ہیں اور بلاشبہ یہ ظلم کرنے والے بڑی ہی گہری مخالفت میں پڑے ہیں۔ (۵۳)

نیز (اس میں) یہ مصلحت بھی تھی کہ (اے پیغمبر!) جن لوگوں نے علم پایا ہے وہ جان لیں کہ یہ معاملہ فی الحقیقت تیرے

نتائج نہیں دیکھے؟ کیا ان کے کان بہرے ہو گئے کہ سن نہیں سکتے اور عقلیں ماری گئیں کہ سمجھ کام نہیں دیتی۔ پھر خود ہی ان سارے سوالوں کا جواب دے دیا کہ ﴿ فانها لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التى فى الصدور ﴾ اصل یہ ہے کہ جب کسی پر اندھے پن کا وقت آتا ہے تو آنکھوں کی بصارت نہیں جاتی۔ دل کی بصیرت جاتی رہتی ہے اور اسی کی بصیرت سے ساری بصارت ہے!

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ! تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے!

(۱۶) آیت (۴۷) میں قوانین کائنات کی ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مفسروں نے اس کی ساری اہمیت ضائع کر دی۔ فرمایا۔ یہ عذاب کے لیے جلدی مچاتے ہیں۔ یعنی از راہ شرارت کہتے ہیں۔ اگر سچ مچ کو بدعملیوں کا برا نتیجہ پیش آنے والا ہے تو کیوں نہیں آ چکتا؟ لیکن یہ نہیں جانتے کہ فطرت کائنات کی اوقات شماری کا وہ حساب نہیں جو دنیا میں لوگوں نے بنا رکھا ہے۔ اس کی گھڑی کا کانٹا بہت دیر میں چلتا ہے۔ تمہاری تقویم میں ہزار برس گزر جائیں تو اس کی تقویم کا بہ مشکل ایک دن گزرے۔ پس ظہور نتائج کا فیصلہ اپنی صبح و شام دیکھ کر نہ کر لیا کرو۔ ٹھہرو اور انتظار کرو۔ ایک دوسرے موقع پر ہزار برس کی جگہ پچاس ہزار برس کی بھی مدت فرمائی ہے۔ یہ مقام مہمات معارف میں سے ہے۔ تشریح کے لیے تفسیر سورۂ فاتحہ دیکھو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾ وَلَا
يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾
اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ ع ۶
مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ

پروردگار ہی کی طرف سے ہے- اس طرح اس پر ایمان لے آئیں اور ان کے دلوں میں عجز و نیاز پیدا ہو جائے- یقیناً اللہ ایمان والوں کو (سعادت و کامرانی کی) سیدھی راہ چلانے والا ہے! (۵۴)

(یاد رکھ) جو لوگ منکر ہیں وہ اس بارے میں برابر شک ہی کرتے رہیں گے- یہاں تک کہ (فیصلہ کن) گھڑی اچانک ان کے سروں پر آ جائے یا کسی منحوس دن کا عذاب آ نمودار ہو! (۵۵)

اس دن بادشاہی صرف اللہ ہی کی ہوگی- وہ ان سب کے درمیان فیصلہ کرے گا- پھر ان لوگوں کے لیے نعیم و سرور کے باغ ہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے- (۵۶) اور ان لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے جنہوں نے انکار کیا اور ہماری نشانیاں جھٹلائیں! (۵۷) اور (دیکھو) جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر لڑائی میں قتل ہوئے یا اپنی موت مر گئے تو (دونوں صورتوں میں) ضروری ہے کہ اللہ انہیں (آخرت میں) بہتر سے بہتر روزی دے، اور یقیناً اللہ ہی ہے جو سب سے بہتر روزی بخشنے والا ہے! (۵۸) وہ ضرور انہیں ایسی جگہ پہنچائے گا جس سے وہ خوشنود ہوں گے-

---

(۱۷) آیت (۴۹) پچھلے ارشادات کا خلاصہ ہے- فرمایا اعلان کر دو، میرا ظہور تمہارے لیے ایک آشکارا انذار ہے- اور اب راہیں صرف دو ہی ہیں اور نتیجے بھی دو ہی پیش آنے والے ہیں- ایمان و عمل والوں کے لیے آخرت میں مغفرت اور دنیا میں رزق کریم کی بشارت ہے اور سچائی کی نشانیوں سے لڑنے والوں کے لیے نامرادی و عذاب کی وعید- اب جو راہ چاہو، اختیار کر لو-

(۱۸) پھر آیت (۵۲) میں مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ راہ کی ٹھوکروں سے غافل نہ ہو جائیں- نتائج کا ظہور یقینی ہے لیکن ساتھ ہی کشمکش بھی ناگزیر ہے- کیونکہ اس بارے میں سنت الٰہی کی نمود ہمیشہ ایسی ہی رہی ہے- ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ حق و باطل کی کشمکش کے بغیر حق کی فتح مندی آشکارا ہو جائے-

چنانچہ فرمایا- کوئی رسول اور نبی دنیا میں ایسا نہیں آیا کہ اس کی طلبگاریوں کی راہ میں یعنی اصلاح و ہدایت کی راہ میں شیطان کی فتنہ پردازیوں نے رخنہ ڈالنا نہ چاہا ہو اور مفسدانہ قوتیں پوری طرح آمادۂ پیکار نہ ہو گئی ہوں- پس اس معاملہ کی سچائی کا معیار یہ نہیں ہے کہ شیطانی وسوسہ اندازی خلل انداز ہوتی ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ ہے کہ بالآخر کامیاب ہوتی ہے یا نہیں اور وحی و نبوت کی ربانی قوتیں اس کے اثرات ملیا میٹ کر دیتی ہیں یا نہیں؟ کیونکہ شیطانی قوتیں کسی حال میں بھی نابود نہیں ہو جا سکتیں- جب تک انسان موجود ہے شیطان اور اس کی وسوسہ اندازیاں بھی موجود ہیں- لیکن وحی و نبوت کے اعمال کی خصوصیت یہ ہے کہ شیطانی قوتیں کتنی ہی ابھریں، فتح مند نہیں ہو سکتیں- فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ اٰیاتہ- وہ جتنے فتنے بھی اٹھاتی ہیں اللہ ان کے اثرات محو کر دیتا ہے، اور پھر اپنی نشانیوں کو اور زیادہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ

یقیناً وہ (سب کچھ) جاننے والا (اور اپنے کاموں میں) بڑا بردبار ہے! (۵۹)

(بہرحال) حقیقت حال یہ ہے۔ پس جس کسی نے خود زیادتی نہیں کی، بلکہ جتنی سختی اس کے ساتھ کی گئی تھی ٹھیک اتنی ہی بدلے میں کرنی چاہیے اور پھر دشمن مزید زیادتی پر اتر آیا تو ضروری ہے کہ اللہ مظلوم کی مدد کرے۔ اللہ یقیناً معاف کر دینے والا بخش دینے والا ہے! (۶۰)

اور یہ (صورت حال) اس لیے ہوئی کہ اللہ رات کو دن کے اندر نمایاں کرتا ہے اور دن کو رات کے اندر (یعنی یہاں ہر گوشہ میں حالات کی متضاد تبدیلی کا قانون جاری ہے) نیز اس لیے کہ اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے! (۶۱)

نیز اس لیے بھی کہ حق اللہ ہی کی ہستی ہے اور جن ہستیوں کو اس کے سوا پکارتے ہیں باطل ہیں، اور پھر اس لیے بھی کہ اللہ ہی کی ہستی بلند مرتبہ ہے بڑائی والی! (۶۲)

کیا تم نے (یہ منظر) نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور (سوکھی) زمین سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے؟ یقین کرو، اللہ بڑا ہی لطف کرنے والا ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے! (۶۳) آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے۔

مضبوط کر دیتا ہے۔ یعنی شیطانی فتنہ جتنا بڑھتا جاتا ہے' اللہ کی نشانیوں کا نقش اور زیادہ جمتا اور گہرا ہوتا جاتا ہے۔

پھر آیت (۵۳) اور (۵۴) میں واضح کر دیا کہ اس صورت حال میں لوگوں کے لیے آزمائش ہوتی ہے۔ جن کے دل روگی ہیں وہ اور زیادہ ضد اور عناد میں بڑھ جاتے ہیں۔ جو اصحاب علم و بصیرت ہیں ان کا ایمان اور زیادہ پختہ ہو جاتا ہے!

(۱۹) آیت (۶۰) سے (۶۲) تک تین آیتوں میں تین "ذالك" آئے ہیں۔ ان کا مطلب سمجھ لینا چاہیے۔

﴿ ذلك ومن عاقب بمثل ما عوقب به ﴾ یعنی اب صورت حال یہ ہے جو اوپر بیان کر دی گئی ہے۔ اور ایسی حالت میں ضروری ہے کہ مظلوموں کو دفع ظلم و تشدد کا موقع دیا جائے۔ پس جو مظلوم مدتوں تک ستائے جانے کے بعد دفع کے لیے آمادہ ہوں گے اور جس طرح ان پر تلوار اٹھائی گئی ہے' ٹھیک اسی طرح خود بھی تلوار اٹھائیں گے اور پھر اس کی وجہ سے ظالم از سر نو ظلم و تعدی پر آمادہ ہو جائیں گے' تو وہ یقین رکھیں۔ اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا' کیونکہ وہ ظالم نہیں ہیں۔ ظلم کا دفاع کرنے والے ہیں۔ آخر میں کہا ﴿ ان الله لعفو غفور ﴾ اللہ کی بخشش پر بھروسہ رکھیں۔ یعنی وہ جو قدم اٹھانے پر مجبور ہوئے ہیں' وہ کتنی ہی مجبوری کی حالت میں اٹھایا ہو' مگر پھر قتل و خونریزی کا قدم ہے۔ لیکن چونکہ بڑی برائی کو دور کرنے کے لیے چھوٹی برائی اختیار کر لینی پڑتی ہے' اس لیے وہ یقین رکھیں۔ اللہ درگزر کرنے والا بخش دینے والا ہے۔

﴿ ذلك بان الله يولج اليل فى النهار ﴾ اور اللہ کی مدد کیوں ان کا ساتھ دے گی؟ اس لیے کہ قانون الٰہی یہی ہے کہ یہاں حالت پلٹتی رہے۔ وہ دن کے اندر سے رات کو ابھارتا' اور رات کے اندر سے دن کو نمایاں کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ایک ہی حالت سدا قائم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٦٤﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَ الْفُلْكَ تَجْرِيْ ع ۸ ۱۵
فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ يُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ
لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٥﴾ وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۫ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ
لَكَفُوْرٌ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ
اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٦٧﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٨﴾ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ

وہی ہے جو بے نیاز ہے' ہر طرح کی ستائشوں کا سزاوار! (۶۴)

کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ کس طرح اللہ نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لیے مسخر کر دی ہیں؟ جہاز کو دیکھو، کس طرح وہ اس کے حکم سے سمندر میں تیرتا چلا جاتا ہے؟ پھر کس طرح اس نے آسمان کو (یعنی فضائے سماوی کے اجرام کو) تھامے رکھا کہ زمین پر گریں نہیں، اور گریں تو اس کے حکم سے؟ بلاشبہ اللہ انسان کے لیے بڑی ہی شفقت رکھنے والا بڑی ہی رحمت والا ہے! (۶۵)

اور (دیکھو) وہی ہے جس نے تمہیں زندگی بخشی پھر وہ موت طاری کرتا ہے۔ پھر (دوبارہ) زندہ کرے گا۔ دراصل انسان بڑا ہی ناشکرا ہے! (۶۶)

(اے پیغمبر!) ہم نے ہر امت کے لیے (عبادت کا) ایک طور طریقہ ٹھہرا دیا ہے جس پر وہ چل رہی ہے، پس لوگوں کو اس معاملہ میں (یعنی اسلام کے طور طریقہ میں) تجھ سے جھگڑنے کی کوئی وجہ نہیں۔ تو اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو دعوت دے (کہ اصل دین یہی ہے) یقیناً تو ہدایت کے سیدھے راستے پر گامزن ہے! (۶۷)

اگر (اس پر بھی) لوگ تجھ سے جھگڑا کریں تو کہہ دے "اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔ (۶۸) تم جن باتوں میں

رہے۔ پس ضروری ہے کہ تمہاری حالت میں بھی اب انقلاب ہو۔ ﴿ وان الله سميع بصير ﴾ نیز اس لیے کہ وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ یعنی یہاں اندھے بہرے قوانین کی حکومت کام نہیں کر رہی ہے جو نہ تو ظالموں کا ظلم دیکھتی ہو، نہ مظلوموں کی فریاد سنتی ہو۔ بلکہ ایک سمیع و بصیر عدالت کی کارفرمائی ہے۔ پس ضروری ہے کہ دیکھا جائے اور سنا جائے!

﴿ ذلك بان الله هو الحق ﴾ کیوں دیکھا جائے؟ کیوں سنا جائے؟ کیوں دیکھنے اور سننے کا نتیجہ یہی نکلے؟ اس لیے کہ حق اللہ ہی کی ہستی ہے اور یہ منکرین رسالت جنہیں پکار رہے ہیں وہ بطلان کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ پس ضروری ہے کہ حقیقت دیکھے اور سنے اور بطلان اپنے بطلان کا ثبوت دے دے ﴿ وان الله هو العلى الكبير ﴾۔ نیز اس لیے کہ رفعت و کبریائی اللہ ہی کے لیے ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس کے کلمہ حق کی رفعت اور بڑائی آشکارا ہو کر رہے۔

(۲۰) آیت (۶۳) میں اس انقلاب حال کی مثال دے دی۔ کیا تم نے یہ منظر نہیں دیکھا ہے کہ سوکھی زمین پر پانی برستا ہے اور پھر وہ اچانک سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے؟ ایسا ہی حال اس معاملہ کا بھی سمجھو۔ انسانی سعادت کی زمین پر بھی خشک سالی کا عالم چھا جاتا ہے۔ پھر جب سرسبزی کا موسم آتا ہے تو بارش کا ایک چھینٹا انقلاب حال پیدا کر دیتا ہے۔ وہ موسم اب آ چکا اور انقلاب کچھ دور نہیں۔

(۲۱) آیت (۶۷) میں اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اصل دین ایک ہے۔ البتہ "مناسک" میں یعنی عبادت کے طور طریقہ میں اختلاف ہوا کیونکہ ہر عہد اور ہر قوم کی حالت یکساں نہ تھی۔ جس کی جیسی حالت تھی اس کے مطابق ایک طور طریقہ اسے دے دیا گیا۔ پس طالب حق کو چاہیے کہ سب سے پہلے اصل کو دیکھے نہ یہ کہ فرع کے پیچھے پڑ جائے۔ فرمایا ﴿ فلا ينازعنك فى الامر ﴾ اس بارے میں تم سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ
ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٧٠﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا
لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿٧١﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ
وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ
بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٧٢﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ ع ۱۲
مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ

باہمد گر اختلاف کررہے ہو قیامت کے دن وہ تمہارے درمیان فیصلہ کر کے حقیقت حال آشکارا کردے گا'' (۶۹)

''(اے پیغمبر!) کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ پر سب کچھ روشن ہے- جو کچھ آسمان میں ہے، جو کچھ زمین میں ہے؟ یہ ساری باتیں نوشتہ میں ضبط ہیں- اور ایسا کرنا اللہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں!''-(۷۰)

اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی بندگی کرتے ہیں جن کے لیے نہ تو اس نے کوئی سند اتاری اور نہ ان کے پاس علم کی کوئی روشنی ہے- اور بے انصافوں کو مدد کا کوئی سہارا نہیں مل سکتا! (۷۱)

اور جب انہیں ہماری روشن آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کفر ہے ان کے چہروں پر ناپسندیدگی ابھرتی ہوئی دیکھ کر تم پہچان لیتے ہو- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مارے ناپسندیدگی کے یہ پڑھنے والوں پر حملہ کر بیٹھیں گے- (اے پیغمبر!) تو کہہ دے ''کیا میں تمہیں اس سے بھی ایک بدتر صورت حال کی خبر دوں؟ آگ کے شعلے! جس کا اللہ نے منکروں کے لیے وعدہ کر لیا اور جس کا ٹھکانا یہ ہوا تو کیا ہی برا ٹھکانا ہے!'' (۷۲) اے لوگو! ایک مثال سنائی جاتی ہے- غور سے سنو! اللہ کے سوا جن (خود ساختہ) معبودوں کو تم پکارتے ہو انہوں نے ایک مکھی تک پیدا نہیں کی- اگر تمہارے یہ سارے معبود اکٹھے ہو کر زور لگائیں جب بھی پیدا نہ کر سکیں- اور (پھر اتنا ہی نہیں بلکہ) اگر ایک مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو ان میں قدرت نہیں

نزاع کرنے کا لوگوں کو حق نہیں- جس بات پر انہیں غور کرنا چاہیے وہ تو یہ ہے کہ اصل دعوت کیا ہے؟ ﴿ وادع الی ربلك- انلك لعلی هدی مستقیم ﴾ اصل دین دعوت الی اللہ ہے اور یہی ہے جو ہدایت کی سیدھی راہ ہے!

اس کے بعد فرمایا- اگر لوگ اس پر بھی نہ مانیں اور جھگڑا کریں تو پھر اللہ پر معاملہ چھوڑ دینا چاہیے- وہ قیامت کے دن ان تمام نزاعات کا آخری فیصلہ کر دے گا- اس سے معلوم ہوا کہ اگر دین کے بارے میں لوگ جدل ونزاع سے باز نہ آئیں تو پھر ﴿ اللہ اعلم بما تعملون ﴾ کہہ کر جھگڑا ختم کر دینا چاہیے- اس سے زیادہ کسی کے پیچھے پڑنے کا کسی کو اختیار نہیں- اور اگر اللہ کے رسول کے لیے بھی یہی راہ اختیار کرنی تھی تو اور کسی کو اس سے آگے بڑھنے کا کب حق مل سکتا ہے- اگر پیروان مذاہب صرف اتنی بات سمجھ لیں کہ ﴿ ان جادلوك فقل اللہ اعلم بما تعملون ﴾ تو مذہبی نزاع ومنافرت کے سارے جھگڑے ختم ہو جائیں-

(۲۳) آیت (۷۷) سے آخر تک سورت کے مواعظ کا خاتمہ ہے- فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ
حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ
بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ افْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ السجدة وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ
جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ
الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ

السجدۃ عند الشافعی

کہ اس سے چھڑا لیں - تو دیکھو طلبگار بھی یہاں درماندہ ہوا اور مطلوب بھی درماندہ (یعنی پرستار بھی عاجز ہیں اور ان کے معبود بھی عاجز) (۷۳)

اللہ کے مقام کی جو عزت کرنی تھی یہ نہ کر سکے - وہ تو سرتاسر قوت ہے، سب پر غالب! (۷۴)

اللہ نے فرشتوں میں سے بعض کو پیام رسانی کے لیے برگزیدہ کر لیا - اسی طرح بعض انسانوں کو بھی (لیکن اس برگزیدگی سے انہیں معبود ہونے کا درجہ نہیں مل گیا جیسا ان گمراہوں نے سمجھ رکھا ہے) بلاشبہ اللہ ہی ہے سننے والا، دیکھنے والا! (۷۵) وہ جانتا ہے، جو کچھ انہیں پیش آنے والا ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا - اور ساری باتوں کا آخری سررشتہ اسی کے ہاتھ ہے! (۷۶) مسلمانو!
رکوع میں جھکو، سجدے میں گرو، اپنے پروردگار کی بندگی کرو، جو کچھ کرو نیکی کی بات کرو، عجب نہیں کہ اس طرح بامراد ہو! (۷۷)

اور اللہ کی راہ میں جان لڑا دو - اس کی راہ میں جان لڑا دینے کا جو حق ہے پوری طرح ادا کرو - اس نے تمہیں برگزیدگی کے لیے چن لیا - تمہارے لیے دین میں کسی طرح کی تنگی نہیں رکھی - وہی طریقہ تمہارا ہوا جو تمہارے باپ ابراہیم کا تھا - اس نے تمہارا نام "مسلم" رکھا - پچھلے وقتوں میں بھی اور اس (قرآن) میں بھی - اور یہ اس لیے کیا تا کہ رسول تمہارے لیے (حق کا) گواہ ہو (یعنی معلم ہو) اور تم تمام انسانوں کے لیے -

(ا) اللہ کی بندگی و نیاز میں سرگرم رہو - تمہارے سارے کام خیر و صلاح پر مبنی ہوں - اگر حسن عمل کی یہ روح تم میں بس گئی تو پھر تمہارے لیے فلاح ہی فلاح ہے!

(ب) جہد فی اللہ تمہاری زندگی کا شعار ہو - "جہد" کے معنی کمال درجہ کوشش کرنے کے ہیں - پس مطلب یہ ہوا کہ زیادہ سے زیادہ کوشش جو ایک انسان کسی مقصد کے لیے کر سکتا ہے وہ تمہیں اللہ کے لیے کرنی چاہیے - کیونکہ تمہارے مساعی کا نصب العین اس کے سوا اور کچھ نہیں - یہ کوشش نیت سے بھی ہے، زبان سے بھی، مال سے بھی، ہاتھ پاؤں سے بھی -

(ج) اس نے تمہیں برگزیدگی کے لیے چن لیا -

(د) اس نے تمہیں دین کی بہتر سے بہتر راہ دکھا دی - اس بہتری کا معیار کیا ہے؟ یہ کہ کسی طرح کی بھی تنگی اور رکاوٹ اس میں نہیں ہے -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾

پس نماز کا نظام قائم کرو، زکوٰۃ کی ادائیگی کا سامان کرو- اللہ کا سہارا مضبوط پکڑ لو- وہی تمہارا کارساز ہے- اور جس کا کارساز اللہ ہوا، تو کیا ہی اچھا کارساز ہے اور کیا ہی اچھا مددگار! (۷۸)

سب سے زیادہ سہل، سب سے زیادہ سبک، سب سے زیادہ واضح، سب سے زیادہ فکر و عمل کی وسعت رکھنے والی- **حنیفیة السمحة لیلها کنهارها!**

انسان پر فکر و عمل کے ارتقاء کی راہ جس بات نے روک رکھی ہے وہ یہی دین کی تنگی اور رکاوٹ ہے- اس تنگی نے اس طرح انہیں جکڑ بند کر رکھا ہے کہ ایک قدم بھی وسعت و بلندی کی طرف نہیں اٹھا سکتے- اللہ نے اس جکڑ بندی سے تمہیں نجات دے دی- اور یہ اس کا بڑے سے بڑا احسان ہے جو کسی انسانی گروہ پر ہو سکتا ہے-

(ہ) یہ تنگیاں جس قدر ہیں بعد کو پیدا کر لی گئیں- اصل دین میں نہ تھیں جو تمہارے بزرگ ابراہیم (علیہ السلام) کا دین تھا- اسی دین خالص کی راہ تم پر کھول دی گئی-

(و) اس نے تمہارا نام "مسلم" رکھا- کیونکہ دین خالص اول دن سے "اسلام" ہی ہے- یعنی قوانین حق کی اطاعت- یہی نام پہلے تھا- یہی اب ہوا-

(ز) تمہیں اس لیے چنا گیا، کہ اللہ کا رسول تمہارے لیے شاہد ہو- تم تمام انسانوں کے لیے اپنا چراغ اس سے روشن کرو گے، تمہارے چراغ سے تمام دنیا کے چراغ روشن ہو جائیں گے:

یک چراغ ست دریں خانۂ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری، انجمنے ساختہ اند!

(ح) یہ فرض کیونکر انجام پا سکتا ہے؟ اس طرح کہ نماز قائم کرو- زکوٰۃ کا نظام استوار کرو- اللہ کا سہارا مضبوط پکڑ لو- ﴿ **هو مولکم فنعم المولی و نعم النصیر** ﴾

یہاں سے دو باتیں قطعی طور پر معلوم ہو گئیں- ایک یہ کہ دین کی سچائی کی سب سے بڑی کسوٹی یہ ہے کہ اس میں تنگی و رکاوٹ نہ ہو- دوسری یہ کہ مسلمانوں کے لیے دینی نام صرف "مسلمان" ہی ہے- اس کے سوا جو نام بھی اختیار کیا جائے گا وہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے نام کی نفی ہو گا- پس مسلمانوں کے مختلف فرقوں، مذہبوں اور طریقوں نے جو طرح طرح کے خود ساختہ نام گھڑ لیے ہیں اور اب انہی سے اپنے پہچوانا چاہتے ہیں، وہ صریح "**سماکم المسلمین**" سے انحراف ہے-

بعث بعد الموت اور قرآن کا استدلال:

سورت کی ضروری تشریحات ختم ہو گئیں لیکن بعض مقامات کی اہمیت مزید تفصیل کی طالب ہے خصوصاً سورت کا ابتدائی حصہ جس میں بعث بعد الموت کا اثبات ہے- اس میں پہلے دلائل بیان کیے ہیں، پھر ان سے نتائج نکالے ہیں- یہ نتائج حسب ذیل ہیں- آیت (۶) پر غور کرو:

(۱) ﴿ **ذلك بان الله هو الحق** ﴾ اللہ کی ہستی ایک حقیقت ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ب) ﴿ وانه یحیی الموتی ﴾ وہ مردوں کو زندہ کر دیتا ہے۔

(ج) ﴿ وانه علی کل شیء قدیر ﴾ اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔

(د) ﴿ وان الساعة اتیة لاریب فیها ﴾ ایک مقررہ گھڑی آنے والی ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں۔

(ہ) ﴿ وان الله یبعث من فی القبور ﴾ جو مر گئے ہیں اللہ انہیں اٹھا کھڑا کرے گا۔

یہ پانچ باتیں ہیں جن پر اس مقام کی موعظت نے روشنی ڈالی ہے۔یہ شک کو دور کرتی اور اذعان و یقین کی طمانیت پیدا کر دیتی ہے۔جو موعظت ایسی ہو اسے قرآن اپنی اصطلاح میں دلیل، برہان اور حجۃ سے تعبیر کرتا ہے۔نہ کہ دلیل مصطلح، منطق و فنون جدلیہ۔اب غور کرو۔ان پانچوں باتوں کے لیے یہاں دلیل کی روشنی کس طرح نمایاں ہوئی ہے؟ فرمایا: ﴿ ان کنتم فی ریب من البعث ﴾ اگر تم شک میں پڑے ہو کہ مرنے کے بعد پھر دوبارہ اٹھنا کیسے ہو سکتا ہے تو اس بات پر غور کرو جو بیان کی جاتی ہے۔تمہارا سارا شک اور استغراب دور ہو جائے گا۔

تخلیق حیات اور اعادۂ حیات:

﴿ فانا خلقنا کم من تراب ﴾ تمہیں یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ انسان مر کر پھر اٹھ کھڑا ہو۔یعنی زندگی کا دوسرا اٹھان تمہیں عجیب معلوم ہوتا ہے لیکن اگر یہ بات عجیب ہے تو کیا اس سے زیادہ یہ بات عجیب نہیں کہ زندگی کا پہلا اٹھان ظہور میں آ گیا؟ تم اپنی ہستی میں تو شک نہیں کر سکتے؟ اچھا یہ ہستی کس طرح ظہور میں آئی؟ دوسری مرتبہ اگر انسانی ہستی اٹھے گی تو یہ زندگی کی ابتدا نہیں ہو گی۔زندگی کا اعادہ ہو گا۔لیکن اس کی ابتدا کیونکر ہوئی؟ من تراب! مٹی سے۔یعنی ﴿ مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ ﴾ (۲۸:۱۵) مٹی کا گارا جس میں مدتوں تک خمیر اٹھتا رہا اور پھر سوکھ کر کھنکھنانے لگا۔سب سے پہلے زندگی کا جرثومہ اسی میں نمودار ہوا تھا۔پھر حکمت الٰہی نے اسے درجہ تکمیل تک پہنچایا۔سوال یہ ہے کہ اگر زندگی عدم حقیقی سے وجود میں آ سکتی تھی تو کیا ایک مرتبہ وجود میں آ کر پھر دہرائی نہیں جا سکتی؟ زیادہ عجیب بات کون سی ہے؟ کسی چیز کی ابتدائی پیدائش، یا پیدائش کے بعد اعادہ؟ اگر تمہارے لیے ابتدائی پیدائش میں کوئی اچنبھا نہیں تو اعادہ میں کیوں ہو؟ کیوں تم قطعی فیصلہ کر دو کہ ایسا نہیں ہو سکتا؟ جس قدرت پر یہ دشوار نہ ہوا کہ زندگی پیدا کر دے اس پر یہ کیوں دشوار ہونے لگا کہ پیدا شدہ زندگی کو کہ بکھر گئی ہے، پھر سمیٹ دے؟ اگر کمہار نئی مٹی سے نیا برتن بنا سکتا ہے تو ٹوٹے ہوئے برتن کے ٹکڑوں کو بھی دوبارہ ڈھال لے سکتا ہے!

پیدائش کا تناسلی سلسلہ اور قانونِ تحول:

اچھا یہ تو ابتدائی پیدائش ہوئی۔اس کے بعد پیدائش کا جو سلسلہ قائم ہوا اس کا کیا حال ہے؟ اس کا حال یہ ہے کہ دو حقیقتیں ہر وقت تمہارے سامنے آتی رہتی ہیں۔ایک یہ کہ انسانی وجود کا پورا درخت صرف ایک بیج سے پیدا ہو جاتا ہے جس کا نام ''نطفہ'' ہے۔لیکن ''نطفہ'' کیا ہے؟ کیا گوشت پوست ہے؟ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے؟ ڈیل ڈول ہے؟ شکل و صورت ہے؟ عقل و حواس ہے؟ نہیں کچھ بھی نہیں ہے اور پھر سب کچھ ہے۔ایک قطرۂ حقیر مگر اسی سے انسان کا جسم، اس کی قامت، اس کی صورت، اس کی ساری معنوی قوتیں ظہور میں آ جاتی ہیں۔دوسری بات یہ کہ یہاں یکسر تغیر و تحول کا قانون جاری ہے۔شکم مادر میں جنین کو دیکھو۔کتنی مختلف حالتوں سے گزرتا ہے؟ نطفہ سے علقہ۔علقہ سے مضغہ، مضغہ سے عظم و لحم، عظم و لحم سے تشکل و صورت۔پھر پیدائش کے بعد بچے کو دیکھو۔کس طرح یکے بعد دیگرے نشو و بلوغ کے درجے بدلتا رہتا ہے؟ جوان آدمی کو دیکھو۔کس طرح جسم و عقل کے کمال تک پہنچتا اور پھر زوال کی طرف پلٹتا ہے؟ گویا انسان کی ہستی سراسر تبدل ہے، تطور ہے، تحول ہے، ایک حالت سے بدل کر دوسری حالت میں داخل ہوتے رہنا ہے!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عالم نباتات اور اعادہ وتحول:

یہی حال عالم نباتات کا ہے- زمین کی گود میں بھی زندگیاں اور پیدائشیں ہیں- جس طرح یہاں ''نطفہ'' ہے وہاں بھی تخم اور تخم کے ذرات ہیں- تم دیکھتے ہو کہ اس کی گود زندگیوں کی نمود سے بالکل خالی ہوگئی- پھر دیکھتے ہو کہ زندگیوں کی فراوانی سے شاداب ہوگئی- یہ انقلاب کس طرح ظہور میں آیا؟ اسی طرح کہ محض ایک تخم سے، تخم کے ایک ذرہ سے، حیات نباتی کی ایک جوہری تلفیح سے پورا وجود نباتی پیدا ہو گیا اور تبدل وتحول کی تمام حالتیں اس پر بھی اسی طرح گزریں جس طرح تمہاری ہستی پر گزرتی رہتی ہیں-

قانون تاجیل:

ساتھ ہی غور کرو- یہاں ایک تیسرا قانون بھی کام کر رہا ہے- تم دیکھتے ہو کہ ہر تبدل کے لیے ایک **اجل مسمی**- یعنی ایک مقررہ وقت ہے جونہی وہ وقت آیا احیاء واجسام ظہور میں آ گئے- ''نطفہ'' کو دیکھو- ﴿ **نقر فی الارحام ما نشاء الی اجل مسمی** ﴾ وہ اندرونی طور پر بنتا رہتا ہے مگر ایک مقررہ وقت تک ارحام کے اندر چھپا رہتا ہے- اجسام نباتیہ کو دیکھو- ان کی زندگی کا جوہر موجود ہوتا ہے مگر ابھرتا نہیں- ابھرتا کب ہے؟ ﴿ **اذا انزلنا علیها الماء** ﴾ جب بارش کی گھڑی آتی ہے اور زندگی کے بروز ونمود کا اعلان کر دیتی ہے- اس وقت ﴿ **اهتزت وربت وانبتت من کل زوج بهیج** ﴾ کا عالم نمایاں ہو جاتا ہے!

تخم حیات اور اعادۂ نشاۃ:

یہ انسان وحیوان کی کامل ہستی جو محض ''نطفہ'' سے ظہور میں آتی ہے کیوں ظہور میں آتی ہے؟ اس لیے کہ اس میں جوہر حیات بالقوۃ موجود ہے اور پھر وہ بالفعل نمود کرتا ہے- اچھا اگر تمہاری روزانہ زندگی کا یہ معاملہ تمہارے لیے عجیب نہیں تو یہ بات کیوں عجیب ہو جائے کہ اسی طرح کوئی نطفہ حیات ہے جو مرنے کے بعد بھی موجود رہتا ہے، اور اس سے دوبارہ وجود انسانی ظہور میں آ جائے گا؟ تم کہو گے اس کی کوئی مثال نہیں لیکن تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو جبکہ اس کی مثال ہمیشہ تمہاری نگاہوں سے گزرتی رہتی ہے؟ ﴿ **وتری الارض هامدة** ﴾ تم زمین کو دیکھتے ہو- وہی زمین جو کچھ عرصہ پہلے شاداب تھی، یک قلم سوکھ گئی ہے- پھر جب اس کی زندگی کی اجل مسمّٰی آ جاتی ہے، یعنی پانی برسنے لگتا ہے، تو اچانک مری ہوئی شادابی دوبارہ زندہ ہو جاتی ہے اور ہر تخم نباتی اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے- جس طرح نباتات کے اعادۂ نشاۃ کا یہ منظر ہمیشہ دیکھتے رہتے ہو ٹھیک اسی طرح انسانی زندگی کے اعادۂ نشاۃ کا معاملہ بھی سمجھو- بارش نے نئی زندگی پیدا نہیں کر دی، اسی پیدا شدہ زندگی کو دہرا دیا جو زمین کی آغوش میں محفوظ موجود تھی- قیامت کی اجل مسمّٰی بھی نئی زندگی پیدا نہیں کرے گی- اسی پیدا شدہ زندگی کو دہرا دے گی جو کائنات کی آغوش میں موجود ہے- اب تم کہو گے- اگر موجود ہے تو وہ دکھائی کیوں نہیں دیتی؟ لیکن تمہیں کون سی چیز دکھائی دیتی ہے؟ تمہیں نطفہ میں انسان اور تخم میں درخت دکھائی دیتا ہے؟ تم کہو گے مگر نطفہ اور تخم تو دکھائی دیتا ہے- اور زندگی کے جو جراثیم آنکھوں سے نہیں دیکھے جا سکتے، آلات کے ذریعہ سے دیکھ لیے جا سکتے ہیں- ہاں دیکھ لیے جا سکتے ہیں مگر اس لیے کہ زیادہ دقیق نہیں- جو دقیق نہیں تھے، وہ تمہیں صاف نظر آتے رہے- جو دقیق تھے، وہ ہزاروں برس تک نظر نہیں آئے- یہاں تک کہ تم نے طاقتور فرد بینیں ایجاد کیں- پس تم کیسے حکم لگا دے سکتے ہو کہ ان سے بھی دقیق تر تخم ہائے حیات موجود نہیں؟ اگر تمہیں صرف اتنی سی بات کے لیے دس ہزار برس تک انتظار کرنا پڑا کہ نطفہ حیوانی کے جراثیم دیکھ لو، تو تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ان سے بھی دقیق تر تخم ہائے حیات کے لیے تمہیں چند ہزار برس اور مطلوب نہیں؟ اور ان کا مرئی نہ ہونا ان کی معدومیت کا قطعی ثبوت ہے؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفصیل استدلال:

اب دیکھو، مندرجہ صدر موعظت سے ان پانچوں باتوں پر کس طرح اذعان ویقین کی روشنی پڑ رہی ہے؟

(ا) ﴿ ان اللہ ھو الحق ﴾ کیونکہ یہ سب کچھ بغیر اس کے نہیں ہوسکتا کہ خالقیت اور قدرت کی ایک حقیقت کام کر رہی ہو۔ تم وجدانی طور پر ایسا اعتقاد رکھنے پر مجبور ہو۔

(ب) ﴿ انہ یحیی الموتی ﴾ کیونکہ زندگی نہ تھی۔ اس نے پیدا کی اور پھر برابر اسے دہراتا رہتا ہے۔

(ج) ﴿ انہ علی کل شی قدیر ﴾ کیونکہ جس کی قدرت نے ایک ایسے مواد سے جو مٹی اور پانی کی ملی جلی کیچڑ تھی' زندگی کا شعلہ روشن کیا اور اس کا ایسا نظم قائم کر دیا کہ نطفہ کے ایک قطرہ اور تخم کے ایک ذرہ سے پیدائشیں نکلتی اور زندگیاں بنتی رہتی ہیں اس کی قدرت سے کون سی بات بعید ہوسکتی ہے؟

(د) ﴿ ان الساعۃ اتیۃ لاریب فیھا ﴾ ایک مقررہ گھڑی قیامت کی ضرور آنے والی ہے۔ کیونکہ یہاں تبدیلی کا قانون نافذ ہے اور ہر تبدیلی کے لیے ایک اجل مسمّٰی مقرر ہے۔ پس جس طرح بارش کی مقررہ گھڑی تمام اجسام نباتیہ کو موت کی حالت سے زندگی کی حالت میں لے آتی ہے ضروری ہے کہ نوع انسانی کے لیے بھی ایک ایسی ہی اجل مسمّٰی ہو۔

(ہ) ﴿ وان اللہ یبعث من فی القبور ﴾[1] اور جب وہ گھڑی آئے تو تمام اموات لہلہاتی ہوئی کونپلوں کی طرح اٹھ کھڑی ہوں۔

قرآن کی اس موعظت کو ٹھیک طور پر سمجھ لینے کے لیے ضروری ہے کہ چند مقامات واضح ہو جائیں۔

قرآن کی اصطلاح میں بعث:

اولاً' قرآن نے جا بجا حیات بعد الموت کو ''بعث'' سے تعبیر کیا ہے۔ بعث کے معنی اٹھ کھڑے ہونے کے ہیں۔ گویا اس کے نزدیک یہ معاملہ ایسا ہوگا جیسے کوئی سو رہا تھا، پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اسے خلقت کے ''اعادہ'' سے بھی تعبیر کرتا ہے۔ ﴿ کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ ﴾ (۲۱:۱۰۴)

موت اور حیات:

ثانیاً' موت اور حیات کا اطلاق وہ صرف انہی حالتوں پر نہیں کرتا جو فلسفیانہ اصطلاح کی معدومیت اور تخلیق ہیں بلکہ ہر ایسی حالت پر کرتا ہے جس میں زندگی کی نمود مفقود ہو جائے یا بالفاظ دیگر صورت معدوم ہو جائے اور پھر نمایاں اور متشکل ہو جائے۔ اس باب میں اس کا اطلاق اس درجہ وسیع ہے کہ نیند کی حالت پر بھی اس نے موت کا اطلاق کیا ہے اور دراصل یہ خود عربی زبان کا لغوی اطلاق ہے۔ بعد کو موت اور حیات نے جو فلسفیانہ معانی پہن لیے وہ قرآن کی زبان نہیں ہے۔

انسان کا عام مشاہدہ اور اعتقاد بھی یہی ہے۔ ''نطفہ'' کو ہم زندہ نہیں کہتے۔ حالانکہ اس میں زندگی کا جرثومہ موجود ہے۔ آم کی گٹھلی اور پتھر کے ایک ٹکڑے میں ہم کوئی فرق نہیں کرتے۔ دونوں ہماری زبان' ہمارے اعتقاد اور ہمارے مشاہدہ میں بے جان ہیں' حالانکہ علمی اصطلاح میں گٹھلی بے جان نہیں۔ اس میں نباتی زندگی کا تخم موجود ہے۔ پس قرآن کے اختیارات لغویہ کو کہ لغت کے اعتبار سے ہیں' علمی

---

[1] ﴿ من فی القبور ﴾ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو مردے قبرنامی محل دفن میں مدفون کیے گئے بلکہ یہ عربی کا محاورہ ہے کہ مردوں کو اصحاب قبور کہتے ہیں۔ ماانت بمسمع من فی القبور یعنی تو مردوں کو مخاطب نہیں کرسکتا۔ زندوں ہی سے بات چیت کی جاتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصطلحات پر ڈھالنا نہیں چاہیے- اس کی زبان میں ''موت'' عام ہے- خواہ انعدام محض ہو' خواہ انعدام صورت ہو- اسی طرح ''حیات'' بھی عام ہے- خواہ معدومیت محضہ سے تخلیق ہو- خواہ کسی جوہر حیات سے بروز وانبعاث ہو- چنانچہ جس طرح وہ اس ابتدائی حالت کو موت سے تعبیر کرتا ہے جو عدم محض کی حالت تھی' اسی طرح نطفہ کی اور تخم ائے نباتات کی حالت کو بھی موت سے تعبیر کرتا ہے اور کہتا ہے- پہلے زندگی مٹی سے ہوئی' جبکہ حیات حیوانی میں سے کچھ نہ تھا- پھر نطفہ سے ہوتی ہے' جبکہ نطفہ کا جوہر حیات موجود ہوتا ہے-

''انبعاث'' تخلیق نہیں ہے اعادہ وتبدل حیات ہے:

ثالثاً' اس نے حشر اجساد کے معاملہ کو بھی اسی حالت سے تشبیہ دی ہے' جو نطفہ سے زندگی کے ابھرنے اور تخم سے درختوں کے نکلنے کی حالت ہوتی ہے- اس سے معلوم ہوا انسان کی دوسری زندگی کا ظہور اس طرح کا ظہور نہ ہوگا جیسا ابتدائی تخلیق کا ظہور تھا- یعنی بغیر کسی اصل حیات کے حیات ظہور میں آ گئی تھی- بلکہ ایسا ہوگا' جیسا نطفہ سے ایک نئی پیدائش اور بزور نباتات سے ایک نیا انبعاث ظہور میں آ جاتا ہے- یعنی اصل حیات بالقوہ موجود ہوتی ہے اور بالفعل ظہور میں آ جاتی ہے- اسی لیے وہ اسے ''بعث'' سے تعبیر کرتا ہے- جیسے کوئی آدمی دیر تک سوتا رہا تھا، پھر اٹھ کھڑا ہوا- اور یہی وجہ ہے کہ اس نے اس انبعاث کے احساسات وواردات ایسے بیان کیے ہیں جیسے نیند کے بعد بیدار ہونے پر طاری ہوا کرتے ہیں- مثلاً جا بجا کہا ہے- اس وقت لوگ سوچیں گے- ہم کتنے عرصہ تک بے خبر رہے؟ کوئی کہے گا' تھوڑی دیر- کوئی کہے گا زیادہ عرصہ تک- اور پھر یہی وجہ ہے کہ وہ اس حالت کو اعادۂ حیات سے تعبیر کرتا ہے' اور عالم ہستی کے تبدل وتحول سے استدلال کرتا ہے- یعنی جب فطرت کائنات کے ہر گوشہ میں تبدل حالت کا قانون کام کر رہا ہے، اور یہاں ہر قدم پر تبدل اور ہر منزل پر تجدد ہے تو کیوں تمہیں اس سے انکار ہو کہ ایک اور تبدل بھی پیش آنے والا ہے اور اس کا نام بعث وحشر ہے؟

انسان اپنی ہستی کی جس منزل تک پہنچ چکا ہے وہاں سے گردن موڑ کر پیچھے کی طرف دیکھے- کتنے بے شمار تبدلات ہیں جن سے اس کی ہستی گزرتی رہی ہے؟ پھر اگر ماضی میں بے شمار تبدلات ہو چکی ہیں تو کیوں مستقبل میں بھی نہ ہوں؟ کیوں تبدلات کا سفر اسی منزل تک پہنچ کر رک جائے؟ کیوں اس پر تعجب ہو کہ جہاں ایک ہزار تبدیلیاں ہو چکی ہیں وہاں ایک آخری تبدیلی اور بھی ہونے والی ہے؟ ہم نے اضافی حیثیت سے یہاں ''آخری'' کہہ دیا- ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ تبدل بھی آخری ہوگا؟ ﴿ و ما اوتیتم من العلم الا قلیلا ﴾

یہاں وجود کی حقیقت نہیں مٹتی، صورت مٹتی ہے:

رابعاً' ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں جو چیز بھی اپنا وجود پا لیتی ہے پھر اس کی حقیقت معدوم نہیں ہوتی- صرف صورت معدوم ہو جاتی ہے- اور اسی صورت کا انعدام ہمارے لیے اس کا معدوم ہو جانا ہوتا ہے- تم درخت کو چیر کر تختہ بنا لیتے ہو- اب درخت معدوم ہو گیا- تختہ پیدا ہو گیا- مگر جو چیز معدوم ہو گئی' وہ کیا تھی؟ صورت یا حقیقت؟ محض صورت- جو پیدا ہو گئی' وہ کیا پیدا ہوئی؟ نئی حقیقت یا نئی صورت؟ نئی صورت- کیونکہ درخت پر جو تبدیلی طاری ہوئی وہ صرف صورت کی ہوئی- حقیقت تختے کی بھی وہی ہے جو درخت کی تھی- اب تختہ جلا دو- تختہ نابود ہو گیا، راکھ پیدا ہو گئی- راکھ بھی اڑا دو- راکھ نابود ہو گئی، منتشر ذرات پیدا ہو گئے- مگر ان دونوں حالتوں میں بھی جو انعدام ہوا' وہ کس چیز کا ہوا؟ محض صورت کا- اگر تم منتشر ذروں کا بھی تعاقب کر سکتے ہو تو کر دیکھو- صورت بدلتی جائے گی، حقیقت کبھی معدوم نہیں ہوگی- کیونکہ یہاں ہر گوشہ میں تبدل صرف صورت کے لیے ہے- حقیقت کے لیے نہیں ہے-

لیکن صورت کے اس تبدل کا سلسلہ کس نقطہ پر جا کر ختم ہوتا ہے؟ اس کا کھوج ہم آج تک نہ پا سکے- ہماری جستجو کا قافلہ ہمیشہ کی طرح

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب بھی رواں ہے- ہم نے عرصہ تک عناصر کا خواب دیکھا- ہم مدتوں جزِ لاینجزیٰ کی سراغ رسانی میں رہے- ہم نے ذی مقراطیسی سالمات پر صدیوں تک اعتماد کیا- اب ہم الیکٹرون کی مثبت اور منفی لہروں میں اسے دیکھ رہے ہیں اور نہیں جانتے کہ آگے بڑھیں گے یا یہیں رکے رہیں گے- البتہ اس آخری منزل نے حقیقت کا ایک نیا جلوہ آشکارا کر دیا ہے' یعنی یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مادہ کا آخری بقایا محض ایک جامد ذرہ ہی نہیں ہے بلکہ حرکت وخواصِ حرکت کی ایک مشتعل قوت ہے اور نہیں معلوم اس نقطۂ قوت میں فعل وانفعال کی کتنی دنیائیں پوشیدہ ہیں!

تبدلِ صورت اور بقائے حقیقت سے استدلال:

قرآن کہتا ہے جب تم دیکھ رہے ہو کہ یہاں تبدلِ صورت اور بقائے حقیقت کا قانون ہر گوشہ میں کام کر رہا ہے- تو پھر تم نے کیسے سمجھ لیا کہ ایک انسانی ہستی وجود میں آ کر پھر مطلقاً نابود ہو جاتی ہے اور اس کی کوئی حقیقت جوہری باقی نہیں رہتی؟ فطرت کا جو قانون وجود وہستی کے ہر گوشہ میں نافذ ہے وہ زندگی اور روح کے لیے کیوں معطل ہو جائے؟ وہ انسان کی زندگی کے لیے کیوں معطل ہو جائے جو کرۂ ارضی کی تمام مخلوقات کا ماحصل اور سلسلہ تخلیق کا منتہا اور مقصود ہے؟ نہیں یہاں کوئی ہستی بھی جو وجود میں آ جائے' نابود محض نہیں ہو سکتی- بلاشبہ اس کی صورت مٹ جاتی ہے مگر حقیقت نہیں مٹے گی- اس کی صورت پر ہزار تبدیلیاں طاری ہو جائیں مگر بالآخر کوئی نہ کوئی حقیقت جوہری ضرور باقی رہے گی- وہ ایک دانہ تخم کی طرح ہو' ایک نطفہ پیدائش کی طرح ہو' ایک ذرۂ حیات کی طرح ہو' مگر ممکن نہیں کہ موجود نہ ہو- وہ کسی نہ کسی حالت میں ضرور موجود رہتی ہے اور پھر جونہی بعث واعادہ کی گھڑی آئے گی اور زندگی کا صور پھونکا جائے گا- ہر انسانی زندگی اس سے نمودار ہو کر اٹھ کھڑی ہو گی- ٹھیک اسی طرح جس طرح نطفہ پیدائش سے شکم مادر میں اور تخم نباتی سے آغوش ارضی میں اٹھ کھڑی ہوتی ہے!

یہاں کوئی ہستی جو پیدا ہو جائے' پھر نابود نہیں ہو جاتی- وہ کسی مخفی نشیمن میں سوئی رہتی ہے- اب اسے دوبارہ خلق کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی- صرف اٹھا دینے کی ضرورت ہوتی ہے- نباتات کی ہستی ذرات تخم کے نشیمنوں میں سوئی رہتی ہے- جب نمود وبروز کا موسم آتا ہے تو وہ نئی ہستیاں پیدا نہیں کر دیتا' سوئی ہوئی ہستیوں کو بیدار کر دیتا ہے- اسی طرح انسان کی ہستی بھی کسی نہ کسی ذرۂ تخم میں بند ہو کر سو رہتی ہے- اور جب وقت آئے گا تو اٹھ کھڑی ہو گی- تم اسے دیکھتے نہیں- لیکن تم اور کتنی حقیقتوں کو دیکھ رہے ہو؟ تمہیں اس کا پتہ نہیں- لیکن تم نے اور کتنی حقیقتوں کا پتہ لگا لیا ہے؟ تمہارے عدم ادراک سے حقیقت معدوم نہیں ہو سکتی- تم اگر اعتقاد وجود کے لیے مشاہدۂ وجود کو شرط سمجھ لو گے تو تمہیں آدھی دنیا سے انکار کر دینا پڑے گا- تم نے اگر ایسا سمجھ لیا ہوتا تو آج حقائق مادیہ کی دو تہائی حقیقتیں غیر معلوم ہوتیں- تم عرفان حقیقت کی راہ میں صرف حواس کے سہارے چل نہیں سکتے- تمہیں ادراک عقلی کا سہارا پکڑنا پڑتا ہے- اور پھر جب یہ سہارا بھی جواب دے دیتا ہے تو تم رک جاتے ہو اور انتظار کرتے ہو- تمہیں اس گوشہ میں بھی مان لینا چاہیے اور انتظار کرنا چاہیے-

مواسمِ ہستی کی گردش اور تقویم فطرت:

خامساً' قرآن نے بعث وحشر کے معاملہ کا جس طرح ذکر کیا ہے اور عالم نباتات کے اعادۂ حیات کی مقررہ گھڑی سے جس طرح اسے تشبیہ دی ہے اس سے ایسا متبادر ہوتا ہے کہ تبدلِ کائنات کے معاملہ کو بھی موسموں کی تبدیلیوں کا سا معاملہ تصور کرنا چاہیے- دنیا میں ہم دیکھتے ہیں' خزاں وبہار' خشک سالی وسیرابی' گرمی وسردی کے مختلف موسم آتے رہتے ہیں- اسی طرح تبدلِ کائنات کا بھی ایک موسم ہے اور ہمارے سال کی طرح اس کا بھی کوئی سال اور ہماری روز شماریوں کی طرح اس کی بھی کوئی روز شماری ہے- لیکن ہم اپنی تقویم پر جو کائنات کے صرف ایک حقیر کرہ کی سیر وگردش کا نتیجہ ہے اس کی تقویم کو قیاس نہیں کر سکتے- اس کی مدت کوئی بڑی ہی طولانی مدت ہے- اتنی طولانی کہ ہماری وقت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شماری کا پچاس ہزار سال اور اس کا صرف ایک دن- چنانچہ آگے چل کر سورۂ معارج میں پڑھو گے: ﴿ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴾ (۷۰:۴) ہمارے سال کے موسموں کی طرح اس کا بھی ایک موسم ختم ہوتا اور دوسرا موسم شروع ہوتا ہے- یہاں جب حیات ارضی کا موسم آتا ہے تو اس کی محرک اول بارش ہوتی ہے- بارش گرتی ہے اور اموات نباتات کو زندگی کا حکم مل جاتا ہے- ﴿ اهتزت وربت وانبتت من كل زوج بهيج ﴾ ٹھیک اسی طرح جب سال کائنات کا وہ مقررہ موسم آئے گا تو بارش ہی کی طرح زندگی کا کوئی صور پھونک دیا جائے گا: ﴿ فاذا نفخ فی الصور نفخة واحدة ﴾ (۱۳:۶۹) اور بہ مجرد حکم تمام اموات انسانی اٹھ کھڑی ہوں گی: ﴿ يخرجون من الاجداث كانهم جراد منتشر مهطعين الى الداع ﴾ (۵۴:۷،۸)

علم اس مقام میں نہیں کہ جرأت انکار کرے:

آخر میں ایک اصل عظیم نہیں بھولنی چاہیے- جہاں تک مسئلہ حیات کی حقیقت کا تعلق ہے علم انسانی کے سامنے کوئی یقینی روشنی موجود نہیں- ہم اس وقت تک یہ بھی نہ جان سکے کہ زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ ارنسٹ ہیگل (Ernst Haeckel) کے لفظوں میں ہم زیادہ سے زیادہ جو کر سکے ہیں وہ صرف یہی ہے کہ "اس کے آنے کا انتظار کریں، اور جب آجائے تو اس کے اطوار و احوال اور خواص و افعال کے تعاقب میں نکل جائیں" لیکن وہ کیا ہے؟ وہ آتی کہاں سے ہے؟ وہ جاتی کہاں ہے؟ تو اس بارے میں علم انسانی کا قدم اس جگہ سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکا جہاں ہزاروں برس سے متحیر و درماندہ کھڑا ہے!

جب حقیقت حیات کے بارے میں ہماری عقلی معلومات کا یہ حال ہے تو کیا ہمیں ایسا مقام حاصل ہے کہ وحی الٰہی کے اعلانات علم و یقین کے مقابلہ میں نفی و انکار کی جرأت کریں؟ اگر کریں گے تو یہ ویسی ہی جرأت ہوگی جسے اسی سورت میں جدال فی اللہ بغیر علم سے تعبیر کیا ہے: ﴿ ومن الناس من يجادل فى الله بغير علم ولاهدى ولا كتاب منير ﴾

(۲) دلائل بعث کے بیان کے بعد فرمایا: ﴿ ومن الناس من يجادل فى الله بغير علم ولاهدى ولا كتاب منير ﴾ (۸) اور کتنے ہی آدمی ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑنے لگتے ہیں اور ان کی حالت کیا ہوتی ہے؟ یہ کہ نہ تو علم کی روشنی رکھتے ہیں نہ کوئی رہنمائی کی راہ اور نہ کوئی کتاب روشن- اور عرفان حق کے یہی تین وسائل ہیں جو انسان کو حاصل ہو سکتے ہیں- پس ایسے لوگوں کے لیے سچائی کی کوئی دلیل بھی سودمند نہیں، وہ دلائل بعث کی یہ تمام موعظت سن کر بھی سر ہلا دیں گے کہ بات سمجھ میں نہیں آتی-

یہ آیت مہمات معارف قرآنی میں سے ہے کیونکہ اس نے جدال فی اللہ بغیر علم کی حالت کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہی حالت قرآن کے نزدیک جہل و ضلالت انسانی کا سب سے بڑا مبدء ہے- لیکن چونکہ یہ مقام زیادہ تفصیل کے ساتھ آئندہ سورتوں میں آنے والا ہے اس لیے یہاں اس کی تشریح میں جانا ضروری نہیں-

❋ ❋ ❋

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٰیاتُھا: 118 سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعَاتُھا: 6

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝۳
وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ۝۴ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْ مَا
مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝۶ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۷
وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ ۝۸ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَوٰتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝۹ اُولٰٓئِکَ
ھُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝۱۰ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ

بلاشبہ ایمان لانے والے کامیاب ہوئے۔(۱) (کون ایمان لانے والے؟) جو اپنی نمازوں میں خشوع وخضوع رکھتے ہیں،(۲) جو لغو باتوں سے رخ پھیرے ہوئے ہیں (۳) جو زکوٰۃ ادا کرنے میں سرگرم ہیں (۴) جو اپنے ستر کی نگہداشت سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ ہاں اپنی بیبیوں سے زناشوی کا علاقہ رکھتے ہیں یا ان سے جو ان کی ملکیت میں آ گئیں (یعنی غلامی کی حالت میں پڑی ہوئی عورتیں، جو ان کے نکاح میں آ گئیں) تو ان سے علاقہ رکھنے پر ان کے لیے کوئی ملامت نہیں۔(۶) اور جو کوئی (اس معاملہ میں) اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت نکالے تو ایسی صورتیں نکالنے والے ہی ہیں جو حد سے باہر ہو گئے۔(۷)

نیز جن کا حال یہ ہے کہ اپنی امانتوں اور عہدوں کا پاس رکھتے ہیں (۸) اور اپنی نمازوں کی حفاظت میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے (۹) تو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنا ورثہ پانے والے ہیں۔(۱۰) یہ فردوس کی زندگی میراث میں پائیں گے ہمیشہ کے لیے اس میں بسنے والے!(۱۱) اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا

(۱) یہ مکی زندگی کی آخری تنزیلات میں سے ہے۔ بالاتفاق الانبیاء کے بعد اتری۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت مکہ میں پیدا ہو گئی تھی اور دعوت حق کے فیضان نے اس کے خصائص اسلامی آشکارا کر دیے تھے۔ یہ گویا مریضوں کی پہلی جماعت تھی جو اس شفاخانہ سے تندرست ہو کر نکلی۔ اب طبیب ان کی طرف اشارہ کر کے کہہ سکتا تھا کہ جسے میری طبابت میں شک ہو وہ انہیں دیکھ لے۔ جو طبیب اپنے نسخہ شفا سے ایسی تندرست روحیں پیدا کر دیتا ہے وہ طبیب ہے یا نہیں؟

یعنی یہ جماعت اپنے خصائص ایمانی وعملی میں دعوت حق کی صداقت کی ایک مشہور دلیل بن گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد کی سورتوں میں جابجا اس کے اعمال وخصائص کی طرف اشارات کیے ہیں۔

اس سورت کی ابتدا اسی مرقع سے ہوتی ہے۔ غور کرو۔ اس مرقع کے اصلی نقش ونگار کیا کیا ہیں؟

(۲) یہاں خصوصیت کے ساتھ پانچ وصف بیان کیے۔ گویا قرآن کے نزدیک ایمان وعمل کے مرقع میں سب سے زیادہ نمایاں یہی خط وخال ہیں جس زندگی میں یہ خصائص نہ ہوں وہ مومن زندگی نہیں سمجھی جا سکتی۔

(الف) نماز کی محافظت اور اس کا خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا۔ ''خشوع'' کا پورا مفہوم ایک لفظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ تم کسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ
مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ
الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا
فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَ مَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ
فِي الْاَرْضِ ۖ وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ

وقف لازم

(یعنی زندگی کی ابتدا مٹی کے خلاصہ سے ہوئی) (۱۲) پھر ہم نے اسے ''نطفہ'' بنایا- ایک ٹھہر جانے اور جماؤ پانے کی جگہ میں- (۱۳) پھر ''نطفہ'' کو ہم نے ''علقہ'' بنایا- پھر ''علقہ'' کو ایک گوشت کا ٹکڑا سا کر دیا- پھر اس میں ہڈیوں کا ڈھانچہ پیدا کیا- پھر ڈھانچے پر گوشت کی تہ چڑھا دی- پھر دیکھو کس طرح اسے بالکل ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا کر نمودار کر دیا؟ تو کیا ہی برکتوں والی ہستی ہے اللہ کی- پیدا کرنے والوں میں سب سے بہتر پیدا کرنے والا! (۱۴)

پھر (دیکھو اس پیدائش کے بعد) تم سب کو ضرور مرنا ہے- (۱۵) اور پھر (مرنے کے بعد) ایسا ہونا ہے کہ قیامت کے دن اٹھائے جاؤ- (۱۶) اور (دیکھو) یہ ہماری ہی کارفرمائی ہے کہ تمہارے اوپر (گردش) کے سات راستے بنا دیے اور ہم مخلوق کی طرف سے غافل نہ تھے- (۱۷)

اور ہم نے ایک خاص اندازہ کے ساتھ آسمان سے پانی برسایا اور اسے زمین میں (حسب ضرورت) ٹھہرائے رکھا- اور ہم یقیناً قادر ہیں کہ اسے (جس طرح نمودار کیا اسی طرح اڑا) لے جائیں- (۱۸)

پھر اسی پانی کی آبیاری سے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغوں کو نشوونما دے دی- ان باغوں میں

باہیبت و اجلال مقام میں کھڑے ہو جاؤ' تو تمہارے ذہن و جسم پر کیسی حالت طاری ہو جائے گی؟ ایسی ہی حالت کو عربی میں ''خشوع'' کی حالت کہتے ہیں-

(ب) ہر اس بات سے مجتنب رہنا جو نکمی ہو- صرف انہی باتوں کا اشتغال رکھنا جو دین و دنیا میں نافع ہوں-

(ج) اپنی کمائی اپنے محتاج بھائیوں کے لیے خرچ کرنا- (د) زنا سے کبھی آلودہ نہ ہونا- (ہ) امانت دار ہونا' اپنے عہدوں کو پورا کرنا-

آیت (۷) سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک اتحاد تناسلی کا جائز طریقہ صرف ایک ہی ہے- اور وہ ازدواج کا طریقہ ہے- اس کے علاوہ جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے گا ناجائز ہوگا- خواہ کسی شکل اور کسی نوعیت کا ہو-

تمام دنیا کی طرح عرب میں بھی غلامی کی رسم جاری تھی اور لونڈی غلاموں کے معاملہ کو ملک یمین سے تعبیر کرتے تھے- یعنی کسی چیز پر قابض ہو جانے سے- یہاں فرمایا- وہ زناشوی کا علاقہ بجز منکوحہ عورتوں کے اور کسی سے نہیں رکھتے- ان کی بیبیاں ہوں جو سوسائٹی کے آزاد افراد میں سے ہیں- یا لونڈیاں ہوں جو ان کے نکاح میں آ گئی ہیں-

چونکہ وقت کی سوسائٹی میں آزاد اور غلام افراد کی یہ دو قسمیں پیدا ہو گئی تھیں، اس لیے ان کا ذکر ناگزیر تھا- باقی رہی یہ بات کہ خود قرآن نے رسم غلامی کے باب میں کیا حکم دیا؟ اور کس طرح اسے مٹانا چاہا؟ تو اس کا جواب سورۂ محمد کی تشریحات میں ملے گا-

(۳) آیت (۱۲) میں وہی بات کہی جو سورۂ حج میں گزر چکی ہے- یعنی انسان کی ابتدائی پیدائش کس چیز سے ہوئی؟ ﴿ سلالة من

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَّ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿١٩﴾ وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ
وَصِبْغٍ لِّلْآكِلِينَ ﴿٢٠﴾ وَ إِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُسْقِيكُمْ مِّمَّا فِي بُطُونِهَا وَ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ
كَثِيرَةٌ وَّ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٢١﴾ وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٢٢﴾ وَ لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ ع ۱۲
فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا
مِنْ قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۖ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۚ وَ لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً

تمہارے لیے بہت سے پھل پیدا ہوتے ہیں- بعض تمہارے کھانے میں کام آتے ہیں-(۱۹)
اور وہ درخت جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے (یعنی زیتون کا درخت) جو چکنائی اگاتا ہے اور کھانے والوں کے لیے (نہایت اچھا) سالن!(۲۰) اور (دیکھو) تمہارے لیے چارپایوں کی خلقت میں بھی بڑی ہی عبرت ہے- جو کچھ ان کے شکم میں بھرا ہے (یعنی ناگوار آلائشیں) اسی میں سے تمہارے لیے پینے کی (خوشگوار) چیز پیدا کر دیتے ہیں (یعنی دودھ) اور تمہارے لیے ان کے وجود میں اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں- انہی میں سے بعض تمہارے لیے غذا کا بھی کام دیتے ہیں-(۲۱) تم (خشکی میں) ان پر اور جہازوں پر (سمندر میں) سوار بھی ہوتے ہو-(۲۲)
اور (پھر دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف (ہدایت کے لیے) بھیجا تھا- اس نے کہا تھا "بھائیو! اللہ کی بندگی کرو- اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں- کیا تم (بدعملی کے نتائج سے) ڈرتے نہیں؟"(۲۳) اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی وہ یہ سن کر (لوگوں سے) کہنے لگے "یہ آدمی اس کے سوا کیا ہے کہ تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہے؟ مگر چاہتا ہے تم پر اپنی بڑائی جتائے- اگر اللہ کو کوئی ایسی ہی بات منظور ہوتی تو کیا وہ فرشتے نہ اتار دیتا؟ (وہ ہماری ہی

طین ﴾ ایک ایسے جوہر سے جو کیچڑ کا خلاصہ تھا- یعنی مرطوب مٹی مدتوں تک خمیر کی حالت میں رہی- پھر اس میں کوئی ایسی چیز پیدا ہوگئی جسے اس کا خلاصہ اور ست سمجھنا چاہیے- اسی خلاصہ سے زندگی کی اولین نمود ہوئی اور اسی سے بالآخر وجود انسانی متشکل ہوا-
یہ تو پہلی پیدائش ہوئی- اس کے بعد پیدائش کا سلسلہ کس طرح جاری ہوا؟ توالد وتناسل سے- چنانچہ پہلے "نطفہ" رحم مادر میں جگہ پکڑتا ہے- پھر اس پر نشوونما کے مختلف دور طاری ہوتے ہیں- قرآن نے یہاں اور دوسرے مقامات میں تشکیل جنین کے جو مراتب خمسہ بیان کیے ہیں گزشتہ زمانے میں ان کی پوری حقیقت واضح نہیں ہوئی تھی' کیونکہ علم تشریح جنین (Embryology) بالکل ناقص حالت میں تھا' لیکن اب انیسویں صدی کی تشریحی تحقیقات نے تمام پردے اٹھا دیے ہیں' اور ان سے پوری طرح ان تطورات کی تصدیق ہوگئی ہے- خصوصاً ﴿ ثم انشاناہ خلقا اخر ﴾ کی تفصیل اسی سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی-
(۴) انسان اگر غور کرے تو حقیقت کے دلائل وشواہد اسے تین راہوں سے گھیرے ہوئے ہیں- خود اس کی ہستی کا ہر گوشہ سرتاسر دلیل حقیقت ہے- یہ قرآن کی اصطلاح میں "عالم انفس" ہے- اس سے باہر جو کچھ ہے وہ بھی حقیقت کا پیام ہے- یہ "عالم آفاق" ہے- پھر عالم آفاق کے دلائل کی بھی دو قسمیں ہوئیں- کائنات ہستی کی خلقت وقوانین کے مظاہر- یہ آیات کونیہ ہیں- اقوام ماضیہ کے احوال وتجارب- یہ براہین عملیہ ہیں-
قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ ان تمام اقسام سے استدلال کرتا اور ایک قسم کے دلائل کے بعد دوسری قسم کے دلائل لاتا ہے- اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ
انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ
التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَ لَا
تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ
فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ

طرح کے ایک آدمی کو اپنا پیام بر کیوں بنانے لگا؟) ہم نے اپنے اگلے بزرگوں سے تو کوئی ایسی بات کبھی سنی نہیں۔ (۲۴) کچھ نہیں یہ پاگل ہو گیا ہے۔ پس (اس کی باتوں پر کان نہ دھرو) کچھ دنوں تک انتظار کر کے دیکھ لو، اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔'' (۲۵)

اس پر نوح نے دعا مانگی ''خدایا! انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو تو میری مدد کر!'' - (۲۶)

پس ہم نے نوح کی طرف وحی بھیجی کہ ''ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا۔ پھر جب ایسا ہو کہ ہمارے حکم کا وقت آ جائے اور تنور کے شعلے بھڑک اٹھیں (یعنی ظہور نتائج کا معاملہ پختہ ہو جائے) تو کشتی میں ہر جانور کے دو دو جوڑے ساتھ لے لے اور اپنے گھر والوں کو بھی۔ مگر گھر کے ایسے آدمی کو نہیں جس کے لیے پہلے فیصلہ ہو چکا۔ اور دیکھ! جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارے میں ہم سے کچھ عرض معروض نہ کیجیو۔ وہ ڈوب کر رہیں گے!'' (۲۷) ''اور جب تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہو جائے تو اس وقت تیری زبان سے یہ صدا اٹھے: ساری ستائشیں اللہ کے لیے جس نے ہمیں ظالم قوم (کی معیت) سے نجات دی!' (۲۸) نیز یہ دعا بھی مانگیو کہ ''خدایا! مجھے اب زمین پر اس طرح اتار کہ برکت کا اترنا ہو اور تو سب سے بہتر

سورت میں علی الترتیب تینوں قسموں کے دلائل جمع ہو گئے ہیں۔ آیت (۱۲) سے (۱۷) تک عالم آفاق کے دلائل کو نیہ بیان کیے ہیں کہ اپنے نفس سے باہر کے عالم میں تفکر کرے۔ آیت (۲۳) سے (۵۳) تک گزشتہ دعوتوں کی سرگزشتوں سے استدلال کیا ہے کہ حوادث ماضیہ سے حال و مستقبل کے لیے عبرت پکڑے۔ اس کے بعد آخر سورت تک جو کچھ بیان ہے وہ اسی سلسلہ استدلال کے قدرتی نتائج و عبر ہیں۔

(۵) آیت (۱۷) سے (۲۲) تک جن دلائل کو نیہ پر توجہ دلائی ہے وہ برہان ربوبیت کا استدلال ہے۔ تفصیل کے لیے تفسیر فاتحہ دیکھو۔

آیت (۱۷) میں فرمایا: ﴿ خلقنا فوقكم سبع طرائق ﴾ ''طرائق'' کے صاف معنی عربی میں راہ کے ہیں۔ لیکن چونکہ ہمارے مفسروں کے سامنے نظام بطلیموسی موجود تھا اور اس میں کواکب کی جگہ طبقات سماوی کی گردش تسلیم کی گئی تھی اس لیے مجبور ہوئے کہ کسی نہ کسی طرح اسے طبقات کے معنوں میں لے جائیں۔ مگر اب نظام بطلیموسی کا پورا کارخانہ ہی ملیامیٹ ہو گیا۔

سات بڑے ستاروں کا تعین انسانی علم کی نہایت قدیم معلومات میں سے ہے۔ اسی لیے قرآن جابجا ان کی سیر و گردش اور عجائب آفرینش پر توجہ دلاتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ان کی خلقت پر اس لیے بھی زور دیا گیا کہ تمام قدیم قوموں میں ان کی پرستش کا اعتقاد پیدا ہو گیا تھا۔ اس لیے ضروری تھا کہ ان کی مخلوقیت کے پہلو پر بار بار زور دیا جاتا۔

(۶) آیت (۲۰) میں خصوصیت کے ساتھ زیتون کے درخت کا ذکر کیا ہے۔

فطرت کے افادہ و فیضان عام کا یہ ایک خاص گوشہ ہے۔ اس نے دانوں اور پھلوں میں ہر طرح کی ٹھوس غذا ہی پیدا نہیں کر دی بلکہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾
فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ ع ۴
مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ
يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾
اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾

جگہ دینے والا ہے!" (۲۹)

بلاشبہ اس واقعہ میں (سمجھنے والوں کے لیے) بڑی ہی نشانیاں ہیں - نیز یہ کہ یہاں ضرور ایسا ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کو آزمائش میں ڈالیں - (۳۰) پھر ہم نے قوم نوح کے بعد قوموں کا ایک دوسرا دور پیدا کر دیا - (۳۱) ان میں بھی اپنا رسول بھیجا جو خود انہی میں سے تھا - (اس کی پکار بھی یہی تھی:) کہ "اللہ کی بندگی کرو - اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں - کیا تم (انکار و فساد کے نتائج بد سے) ڈرتے نہیں؟" (۳۲)

اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی اور آخرت کے پیش آنے سے منکر تھے اور جنہیں دنیا کی زندگی میں ہم نے آسودگی دے رکھی تھی (لوگوں سے) کہنے لگے "اس سے زیادہ اس کی کیا حیثیت ہے کہ تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہے - جو کچھ تم کھاتے ہو یہ بھی کھاتا ہے - جو کچھ تم پیتے ہو یہ بھی پیتا ہے - (۳۳) اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک آدمی کی اطاعت کر لی تو بس سمجھ لو، تم تباہ ہوئے - (۳۴)

تم سنتے ہو، یہ کیا کہتا ہے؟ یہ تمہیں امید دلاتا ہے کہ جب مرنے کے بعد محض مٹی اور ہڈیوں کا چورا ہو جاؤ گے تو پھر تمہیں موت سے نکالا جائے گا - (۳۵) کیسی انہونی بات ہے - کیسی انہونی بات ہے جس کی تمہیں توقع دلاتا ہے! (۳۶) (بھلا دوبارہ زندہ

دہنیت کے ایسے ذخیرے بھی مہیا کر دیے جن سے بکثرت تیل نکلتا ہے اور انسان کے لیے نہایت مقوی غذا اور دوا کا کام دیتا ہے - ان میں سب سے زیادہ عجیب و نافع درخت زیتون کا درخت ہے - اس کا دانہ سرتاسر دہنیت ہے - حتی کہ اگر چٹکی میں لے کر زور سے مسل ڈالو تو تیل کے قطرے ٹپکنے لگیں گے - خواص کے لحاظ سے کوئی چکنائی اتنی معتدل اور موافق نہیں جتنی زیتون کی ہے -

شاید بہت کم لوگوں نے اس بات پر غور کیا ہوگا کہ دہنیت کے لیے تمام دنیا کا اعتماد ہمیشہ سے نباتاتی دہنیت ہی پر رہا ہے - اور اس میں بھی خصوصیت کے ساتھ زیتون پر - یہ صرف ہندوستان ہے جہاں مکھن کو گھی بنا کر استعمال کرنے کا رواج پیدا ہوا اور لوگ اسے نباتاتی دہنیت پر ترجیح دینے لگے - یہی وجہ ہے کہ دنیا کی دوسری زبانوں میں گھی کے لیے کوئی خاص لفظ نہیں ملتا - وہ اس سے آشنا ہی نہ تھے -

زیتون کے لیے طور سینا کی طرف اس لیے اشارہ کیا کہ منابت زیتون میں سے قریب تر مقام جزیرہ نمائے سینا ہی کا علاقہ تھا - گویا زیتون کی اصلی دنیا یہاں سے شروع ہو جاتی ہے -

(۷) آیت (۲۳) سے اقوام ماضیہ کی سرگزشتوں کا جو بیان شروع ہوا ہے وہ تمام تر مجمل اشارات پر مشتمل ہے - کیونکہ یہاں یہ موعظت مقصود بالذات نہیں ہے - پچھلی دو موعظتوں کو دلائل قصص سے مزید تقویت دینی ہے -

چونکہ گزشتہ دعوتوں کا تذکرہ ہر جگہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت سے شروع کیا گیا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت پر ختم ہو جاتا ہے اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنۡ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَ نَحۡیَا وَ مَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِیۡنَ ﴿۳۷﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ
كَذِبًا وَّ مَا نَحۡنُ لَهٗ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انۡصُرۡنِیۡ بِمَا كَذَّبُوۡنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِیۡلٍ لَّیُصۡبِحُنَّ
نٰدِمِیۡنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّیۡحَةُ بِالۡحَقِّ فَجَعَلۡنٰهُمۡ غُثَآءً ۚ فَبُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ
بَعۡدِهِمۡ قُرُوۡنًا اٰخَرِیۡنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا تَتۡرَا ؕ
كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوۡلُهَا كَذَّبُوۡهُ فَاَتۡبَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ بَعۡضًا وَّ جَعَلۡنٰهُمۡ اَحَادِیۡثَ ۚ فَبُعۡدًا لِّقَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴۴﴾

ہونا کیسا؟) زندگی تو بس یہی زندگی ہے جو دنیا میں ہم بسر کرتے ہیں۔ یہیں مرتے ہیں۔ یہیں جینا ہے۔ ایسا کبھی ہونے والا نہیں کہ مر کر پھر جی اٹھیں۔ (۳۷) کچھ نہیں یہ ایک مفتری آدمی ہے جس نے اللہ کے نام سے جھوٹ موٹ بات بنا دی۔ ہم کبھی اس پر یقین لانے والے نہیں!''۔ (۳۸) اس پر اس رسول نے دعا مانگی ''خدایا! انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔ پس تو میری مدد کر!''۔ (۳۹)
حکم ہوا ''عنقریب ایسا ہونے والا ہے کہ یہ اپنے کیے پر شرمسار ہوں گے''۔ (۴۰) چنانچہ فی الحقیقت ایک ہولناک آواز نے انہیں آ پکڑا اور ہم نے خس وخاشاک کی طرح انہیں پامال کر دیا۔ تو محرومی ہو اس گروہ کے لیے کہ ظلم کرنے والا ہے! (۴۱)
پھر ہم نے ان کے بعد قوموں کے اور بہت سے دور پیدا کیے۔ (۴۲) کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے رہ سکتی ہے (سب کو قانون الٰہی کے مطابق اپنا دور پورا کرنا ہے!) (۴۳) پھر ہم نے لگاتار یکے بعد دیگرے اپنے رسول بھیجے۔ لیکن جب کبھی کسی قوم میں اس کا رسول ظاہر ہوا معاندہ جھٹلانے پر آمادہ ہوگئی۔ پس ہم بھی ایک کے بعد ایک کر کے انہیں ہلاک کرتے گئے اور ان کی ہستیاں (روایت کا) افسانہ بن گئیں۔ تو ان کے لیے محرومی ونامرادی ہو جو آیات حق پر یقین نہیں کرتے! (۴۴)

لیے یہاں بھی ابتدا دعوت نوحی ہی سے ہوئی اور حضرت مسیح علیہ السلام کے تذکرہ پر ختم ہوگئی۔ درمیان میں جو دعوتیں اور قومیں گزریں ان کی طرف صرف اجمالی اشارہ کر دیا گیا۔ البتہ موسیٰ علیہ السلام کا خصوصیت کے ساتھ نام لیا گیا۔ کیونکہ ان سے سلسلہ دعوت کے ایک نئے دور کی ابتدا ہوئی تھی۔
(۸) ایک صورت حال یہ ہے کہ افراد انسانی پیدا ہوں اور آباد ہوں۔ ایک یہ ہے کہ ان کی جماعتی زندگی اور اس کی مدنی خصوصیات اس طرح ابھریں اور عروج تک پہنچیں کہ ایک خاص قومی عہد پیدا ہو جائے۔ عربی میں دوسری حالت کو کسی قوم وملک کے ''قرن'' سے تعبیر کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جا بجا ''قرن'' اور ''قرون'' کا لفظ اختیار کیا ہے۔ یعنی صرف قوموں کا پیدا ہونا اور آبادیوں میں بسنا ہی نہیں بلکہ قومی عروج واقبال کے دور اور عہد۔ ہمارے مترجموں اور عام مفسروں نے اس پہلو پر غور نہیں کیا۔ وہ قرن اور قرون کا مطلب ادا کرنے کے لیے صرف قوم واقوام کے الفاظ پر قناعت کر لیتے ہیں۔
(۹) منکرین حق کے یہاں جو عقائد واقوال نقل کیے ہیں ان پر غور کرو۔ یہ گویا تمام منکرین رسالت کے وجوہ انکار واعراض کا خلاصہ ہے اور سب کا مشترک اور متفقہ مسلک۔ کیونکہ یہاں کسی خاص دعوت اور اس کے منکروں ہی کا ذکر نہیں ہو رہا ہے بلکہ ان سب کا جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اپنے اپنے وقتوں اور اپنے اپنے ملکوں میں دعوت وحی سے روگردانی کی۔ یہ انکار دو باتوں پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ ہماری طرح کا ایک آدمی جو ہماری ہی طرح کھاتا پیتا ہے خدا کی سچائی کا پیام بر کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسری یہ کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا اور عذاب وثواب کا پیش آنا نہایت ہی عجیب بات ہے۔ ایسی بات کیونکر مانی جا سکتی ہے۔
(۱۰) حضرت نوح علیہ السلام کے بعد قومی نشاۃ کے جس عہد کا ذکر کیا ہے یہ غالباً قوم عاد وثمود کا عہد تھا۔ کیونکہ دوسری جگہ انہیں قوم نوح کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ
كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا
مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً
وَّ اٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ ع ۸
بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ

پھر (دیکھو) ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور آشکارا دلیلیں دیں (۴۵) اور فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ لیکن انہوں نے گھمنڈ کیا۔ وہ سرکشوں کا گروہ تھا۔ (۴۶)

وہ (آپس میں) کہنے لگے "کیا ہم اپنے ہی طرح کے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں؟ حالانکہ ان کی قوم ہمارے آگے جھکی ہوئی اور ہماری پرستار ہے؟" (۴۷)

پس انہوں نے موسیٰ اور ہارون کو جھٹلایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہلاک ہو جانے والوں میں سے ہوئے! (۴۸)

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ہم نے (اس واقعہ کے بعد) موسیٰ کو الکتاب (یعنی تورات) دی تھی تا کہ لوگ ہدایت پائیں۔ (۴۹)

اور (اسی طرح) ابن مریم (یعنی مسیح) اور اس کی ماں کو (اپنی سچائی کی) ایک بڑی نشانی بنایا اور انہیں ایک مرتفع مقام میں پناہ دی جو بسنے کے قابل اور شاداب تھی۔ (۵۰)

"اے گروہ پیغمبراں! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ جیسے کچھ تمہارے اعمال ہوتے ہیں مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ (۵۱) اور دیکھو یہ تمہاری امت دراصل ایک ہی امت ہے اور تم سب کا پروردگار میں ہی ہوں۔ پس (انکار و بدعملی کے نتائج سے) ڈرو" (ان تمام پیغمبروں کے ذریعہ سے جو تعلیم دی گئی وہ یہی تعلیم تھی)۔ (۵۲) لیکن لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کٹ

جانشین کہا ہے۔ پھر ان کے بعد جن "قرون" کی طرف اشارہ کیا ہے، اس سے مقصود وہ بے شمار قومیں ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ظہور سے پہلے گزری ہیں اور جن کی نسبت سورۂ ابراہیم کی آیت (۹) میں گزر چکا ہے کہ ﴿ والذین من بعدھم 'لا یعلمھم الا اللہ ﴾

آیت (۴۴) سے معلوم ہوا کہ ان عہدوں میں بے شمار قومیں ابھریں اور پامال ہوئیں اور خدا کے رسولوں کا بھی بکثرت اور لگاتار ظہور ہوا کیونکہ فرمایا: ﴿ ارسلنا رسلنا تترا ﴾ اور ﴿ اتبعنا 'بعضھم بعضا ﴾ یکے بعد دیگرے لگاتار رسول ظاہر ہوتے رہے اور ایک کے بعد ایک قومیں ابھرتی اور پاداش عمل میں پامال ہوتی رہیں۔

(۱۱) آیت (۵۰) میں حضرت مسیح اور ان کی والدہ (علیہما السلام) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ واٰویناھما الٰی ربوۃ ذات قرار ومعین ﴾ ہم نے انہیں ایک مرتفع مقام میں پناہ دی جو بسنے کی اچھی جگہ اور پانی کی فروانی سے شاداب تھی۔

غالباً اس سے مقصود وادیٔ نیل کی بالائی سطح ہے۔ یعنی مصر کا بالائی حصہ۔ اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے بعد "مریم کے شوہر یوسف نے ماں بیٹے کو ساتھ لیا اور فلسطین سے مصر چلا گیا" چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام کا بچپن اور شباب وہیں گزرا۔ جب فلسطین واپس آئے تو جوانی کی عمر تک پہنچ چکے تھے۔ غالباً ان کی زندگی کے اسی واقعہ کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے۔

دریائے نیل کے پانی کی فروانی اور اس کے سالانہ سیلابوں کی عجیب و غریب نوعیت سرزمین مصر کا ایک امتیازی وصف رہی ہے۔ اس کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۳ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝۵۴ اَيَحْسَبُوْنَ
اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝۵۵ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝۵۶ اِنَّ الَّذِيْنَ
هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝۵۷ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۸ وَالَّذِيْنَ هُمْ
بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝۵۹ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝۶۰
اُولٰۗىِٕكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝۶۱ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا

کر الگ ہو گئے اور اپنا دین الگ الگ کر لیا- اب جو جس کے پلے پڑ گیا ہے اسی میں مگن ہے! (۵۳)

پس (اے پیغمبر!) ان منکروں کو ان کی غفلت و سرشاری میں پڑا رہنے دے- ایک مقررہ وقت تک (یہ اسی حالت میں رہیں گے- پھر حقیقت حال کا فیصلہ ہو جائے گا- جیسا کہ ہمیشہ ہوتا رہا ہے)- (۵۴)

کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں ہم مال اور اولاد (کی فراوانی) سے اس لیے ان کی امداد کر رہے ہیں (۵۵) کہ بھلائی پہنچانے میں سرگرمی دکھائیں؟ نہیں (حقیقت حال دوسری ہی ہے مگر) وہ شعور نہیں رکھتے! (۵۶)

جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں (۵۷) جو اپنے پروردگار کی نشانیوں پر یقین رکھتے ہیں- (۵۸)

جو اپنے پروردگار کے ساتھ کسی ہستی کو شریک نہیں ٹھہراتے (۶۰) جو (اس کی راہ میں) جتنا کچھ دے سکتے ہیں بلا تامل دیتے ہیں اور (پھر بھی) ان کے دل ترساں رہتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے حضور لوٹنا ہے، تو بلاشبہ یہ لوگ ہیں جو بھلائیوں کے لیے تیز گام ہیں اور یہی ہیں جو اس راہ میں سب سے آگے نکل جانے والے ہیں! (۶۱) اور ہم کسی جان پر ذمہ داری نہیں ڈالتے مگر اتنی ہی، جتنی کی اس میں طاقت ہے (یعنی استعداد ہے) ہمارے پاس (ان سب کی حالت و استعداد کے لیے)

آبادی و سیرابی یعنی اس کا ذات قرار و معین ہونا ضرب المثل کی طرح زباں زد ہو گیا تھا- چنانچہ عبرانی کی یہ قدیم مثل آج تک ملتی ہے کہ ''فلاں ملک میں پانی کی اتنی فراوانی ہے جیسے مصر میں'' چونکہ یہ مصر کا ایک امتیازی وصف ہو گیا تھا اس لیے اسی وصف سے اسے یاد کیا گیا- اس تعبیر میں یہ پہلو بھی پوشیدہ ہے کہ وہ فلسطین جیسا سرسبز ملک ترک کر دینے پر مجبور ہو گئے- لیکن اللہ کے فضل نے ایسی جگہ پناہ دے دی جو فلسطین ہی کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ذات قرار و معین تھی!

حضرت مریم علیہا السلام اس سفر پر کیوں مجبور ہوئیں؟ اناجیل میں اس کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہیرودس حاکم شام کے ظلم و تشدد سے- اسے نجومیوں نے پیدائش مسیح کی خبر دے دی تھی اور وہ چاہتا تھا انہیں قتل کر دے- تب ''فرشتہ نے یوسف کو خواب میں حکم دیا- اٹھ اور بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر بھاگ جا'' (متی ۲:۱۳) لیکن قرآن نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا ہے-

(۱۲) آیت (۵۱) میں وحدت دین و امت کی وہی اصل عظیم بیان کی گئی ہے جو پچھلی سورتوں میں جا بجا گزر چکی ہے اور ابھی ابھی سورۂ انبیاء میں پڑھ چکے ہو- فرمایا- ان تمام رسولوں پر جو ان بے شمار قوموں میں آتے رہے جو تعلیم نازل کی گئی تھی وہ کیا تھی؟ یہی کہ اچھی چیزیں کھاؤ- نیک عملی کی زندگی بسر کرو- الگ الگ نہ ہو- تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہاری امت بھی ایک ہی امت ہے- یہی سچائی کی سیدھی راہ ہے-

لیکن لوگوں نے وحدت کی جگہ تفرقہ کی اور جمعیت کی جگہ تشتت و تخرب کی راہ اختیار کی- اب جو جس کے پلے پڑ گیا ہے اسی میں مگن ہے!

غور کرو، آیت (۵۳) میں کل حزب فرمایا، کل امة نہیں کہا- کیونکہ قرآن کے نزدیک نوع انسانی کی امت ایک ہی ہے- ایک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَ لَهُمْ اَعْمَالٌ
مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ
يَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ ۫ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ
فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا
الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ

نوشتہ ہے جو ٹھیک ٹھیک (حقیقت حال کے مطابق) حکم لگا دیتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ کسی جان کے ساتھ ناانصافی ہو! (۶۲) لیکن (اصل یہ ہے کہ) ان لوگوں کے دل اس حقیقت کی طرف سے غفلت و سرشاری میں پڑ گئے، ان کے اور بھی اعمال (بد) ہیں جو ہمیشہ کرتے رہتے ہیں۔ (۶۳) یہ کرتے رہیں گے، یہاں تک (کہ ظہور نتائج کی گھڑی سامنے آجائے) جب ہم ان کے خوش حال آدمیوں کو عذاب میں پکڑ لیں گے تو پھر اچانک دیکھو گے کہ (سرکشی کی جگہ) آہ وزاری کر رہے ہیں! (۶۴)

''اب آج آہ وزاری نہ کرو (اس سے کیا فائدہ؟) تم ہماری طرف سے مدد پانے والے نہیں!'' (۶۵)

''ایک وقت تھا کہ ہماری آیتیں تمہارے آگے پڑھی جاتی تھیں اور تم الٹے پاؤں بھاگنے لگتے تھے۔ (۶۶) تمہارے اندران (کی سماعت) سے گھمنڈ پیدا ہو جاتا تھا۔ تم اپنی مجلسوں کی داستاں سرائیوں میں انہیں مشغلہ بناتے۔ تم ان کے حق میں ہذیان بکتے تھے!'' (۶۷)

پھر (انہیں کیا ہو گیا ہے؟) کیا انہوں نے اس بات پر (یعنی قرآن پر) غور نہیں کیا؟ یا ان کے سامنے کوئی ایسی عجیب بات آ گئی ہے جو ان کے اگلے بزرگوں کے سامنے نہیں آئی تھی؟ (۶۸) یا یہ اپنے رسول کو پہچان نہ سکے اس لیے

سے دو نہیں ہو سکتی۔ یہ تفرقے جو لوگوں نے گمراہ ہو کر پیدا کر لیے ہیں، حزب ہیں، یعنی جتھے ہیں۔ امت نہیں۔

(۱۳) آیت (۵۴) میں خطاب پیغمبر اسلام ﷺ سے ہے۔ فرمایا۔ ہدایت کی طرح شقاوت کا مزاج بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کار ہتا ہے۔ پس جس طرح پہلے ہوتا رہا ہے اب بھی ہوگا، اور جو ماننے والے نہیں وہ کبھی نہیں مانیں گے۔ پس انہیں ان کی حالت میں چھوڑ دو اور اپنا کام کیے جاؤ۔

(۱۴) آیت (۵۵) سے (۶۱) تک قانون امہال کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جس کی تشریح سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ نیز پچھلی سورتوں کی تشریحات میں بھی۔ فرمایا: یہاں مہلت سب کے لیے ہے۔ اچھوں کے لیے بھی۔ بروں کے لیے بھی۔ پس اگر مفسدوں کو دنیوی زندگی کی خوش حالیاں مل رہی ہیں تو یہ اس لیے نہیں ہے کہ ہمارا قانون مجازات معطل ہو گیا ہے اور ہم چاہتے ہیں بدعملیوں پر بھی انہیں فوائد سے بہرہ اندوز کریں۔ بلکہ محض اس لیے کہ مقررہ وقت ابھی آیا نہیں۔ اور یہاں ہر نتیجہ کے لیے ایک اجل مسمّٰی کا قانون کام کر رہا ہے۔ اس کے بعد فرمایا خیرات و برکات کے حصول کی اصلی راہ تو ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کی۔ ان کی کامرانیاں کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ ان کی بھلائیاں عارضی اور موجل نہیں۔ وہ اس لیے بلند نہیں ہوتے کہ زیادہ بلندی سے گریں بلکہ اس لیے کہ اور زیادہ بلند ہوں۔

(۱۵) آیت (۶۲) میں فطرت کائنات کی ایک بہت بڑی حقیقت چند لفظوں کے اندر بیان کر دی ہے۔ فرمایا یہاں فطرت کا یہ قانون کام کر رہا ہے کہ کسی جان پر اس کی جسمانی اور معنوی استطاعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی۔ ہر جان سے فطرت کا مطالبہ عمل اتنا ہی ہے جتنے کی اس میں استعداد و دیعت کر دی گئی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلْ جَاۗءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ
اَهْوَاۗءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ
مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْـَٔـلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۚ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ
رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ

منکر ہو گئے؟ (۶۹) یا یہ کہتے ہیں اسے جنون ہو گیا؟ نہیں (ان میں سے کوئی بات نہیں ہو سکتی) اللہ کا رسول ان کے پاس سچائی کے ساتھ آیا مگر ان میں سے اکثروں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ سچائی کا ماننا انہیں گوارا ہی نہیں ہے! (۷۰)

اور اگر ایسا ہوتا کہ سچائی ان کی خواہشوں کی پیروی کرتی تو یقیناً آسمان وزمین اور وہ سب جو ان میں ہے یک قلم درہم برہم ہو جاتا - ہم نے ان کے لیے ان کی نصیحت کی بات مہیا کر دی تو یہ اپنی نصیحت کی بات سے گردن پھیرے ہوئے ہیں! (۷۱)

(اے پیغمبر!) کیا وہ سمجھتے ہیں، تو ان سے مال و دولت کا طالب ہے؟ تیرے لیے تو تیرے پروردگار کا دیا مال ہی بہتر ہے (تو ان سے کیوں طالب زر ہونے لگا؟) وہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے! (۷۲)

بلاشبہ یقیناً تو انہیں (کامیابی وسعادت کی) سیدھی راہ کی طرف بلا رہا ہے (۷۳) اور جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ یقیناً راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں! (۷۴) اور اگر ہم ان پر (مزید) رحم کریں اور جو کچھ انہیں دکھ پہنچتے رہتے ہیں دور کر دیں تو (کیا یہ شکر گزار ہوں گے؟ نہیں) یہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے اور زیادہ بڑھ چلیں گے! (۷۵) اور (دیکھو) ہم نے انہیں عذاب میں مبتلا بھی

یعنی فطرت نے ہر وجود کو استعداد دی ہے اور اس استعداد کے جواب میں عمل چاہتی ہے لیکن عمل کا یہ تقاضا ٹھیک اتنا ہی ہوتا ہے جتنے کی استعداد اسے دے دی گئی ہے - ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی کو استعداد عمل تو چھٹانک بھر دی ہو اور مطالبہ عمل کا بوجھ اس پر سیر بھر کا ڈال دیا جائے -

یہ مطالبہ عمل کس بات میں ہوتا ہے؟ فرائض ہستی کی انجام دہی میں ہر وجود کو اپنی بقاو تکمیل کے لیے جدوجہد کرنی پڑتی ہے - لیکن جتنی کچھ اور جیسی کچھ جدوجہد کرنی پڑتی ہے اتنی ہی اور اسی کیفیت کی استعداد بھی اسے دے دی گئی ہے - ادائے فرض کا مطالبہ اس سے زیادہ نہیں ہوتا جتنی اس کی طاقت وگنجائش ہے - اگر استعداد اور مطالبہ عمل میں یہ تطابق کلی نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ کوئی جان یہاں زندہ رہ سکتی -

قرآن کہتا ہے - جب اللہ کا یہ قانون ہر جان کے لیے ہے تو ضروری ہے کہ انسان کے لیے بھی ہو - اور جس طرح عالم جسم وصورت میں جاری ہے، ضروری ہے کہ روح ومعنی میں بھی ہو - پس سعادت روحانی کے لیے بھی جو مطالبہ عمل ہے، وہ ٹھیک ٹھیک انسان کی استعداد عمل کے مطابق ہے - اور یہاں عالم جسم وروح، دونوں کے لیے اس کا قانون ایک ہی ہے - یاد رہے کہ اس آیت میں ''تکلیف'' کو صرف تکلیف شرعی پر لے جانا صحیح نہیں ہو سکتا - یہاں ''تکلیف'' عام معنوں میں بولا گیا ہے اور اس میں ہر طرح کی تکلیف آ گئی ہے - تکلیف کے لیے ہمیں کوئی موزوں لفظ نہیں ملا - اس لیے مجبوراً ہم نے ''ذمہ داری'' کی ترکیب اختیار کی - یہ نئی اردو ترکیب ہے لیکن ادائے مفہوم کے لیے نسبتاً بہتر اور جامع ہے -

(۱۶) آیت (۶۴) میں فرمایا: ﴿ حتى اذا اخذنا مترفيهم بالعذاب ﴾ جب ان میں سے خوش حال اور دولت مند لوگوں کو ہم نے مواخذہ میں پکڑا - نیز جا بجا ان لوگوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے جو قوم کے دولت مند طبقہ میں سے ہوتے ہیں - سورۂ بنی اسرائیل کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ
اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا ع
تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِى الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ
وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾
قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا

کیا، اس پر بھی وہ اپنے پروردگار کے آگے نہ جھکے - اور نہ عاجزی کی! (۷۶)

پھر جب معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا کہ ہم ان پر ایک بڑے ہی سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں تو اس وقت اچانک متحیر ہو کر رہ جائیں گے! (۷۷)

اور (دیکھو) وہی ہے جس نے تمہارے (سننے کے) لیے کان، (دیکھنے کے لیے) آنکھ، (سوچنے کے لیے) دل[1] پیدا کر دیے - مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم شکر بجالاؤ! (۷۸) اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین کی سطح پر ہر طرف پھیلا دیا ہے (اور گزران و معیشت کے مختلف سامان پیدا کر دیے ہیں) اور پھر وہی ہے جس کے حضور اکٹھا کر کے لائے جاؤ گے! (۷۹)

اور وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے - اسی کی کارفرمائی ہے کہ رات دن ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہتے ہیں - کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ (۸۰) نہیں، انہوں نے تو ویسی ہی بات کہی جیسی ان سے پچھلے کہہ چکے ہیں - (۸۱) انہوں نے کہا "جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیوں کا چورا ہو گئے تو پھر کیا ہم (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے؟ (۸۲) ہم سے اور ہم سے پہلے ہمارے

آیت (۱۶) میں گزر چکا ہے: ﴿ امرنا مترفيها ففسقوا فيها، فحق عليها القول ﴾ اس سے معلوم ہوا انفرادی زندگی میں بدعملی کا بڑا مرکز دنیوی خوش حالی کی زندگی ہو جاتی ہے اور ہمیشہ حق و صداقت کی مخالفت وہیں سے شروع ہوتی ہے -

سبب اس کا ظاہر ہے - خوش حالی و ثروت کی حالت ایک ایسی حالت ہے کہ اگر کسی جماعت میں پھیلی ہوئی ہو تو اس سے بڑھ کر کوئی برکت نہیں، اور اگر صرف چند افراد میں سمٹی ہوئی ہو تو اس سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں - کیونکہ جب دولت صرف چند افراد ہی کے قبضہ میں آ گئی باقی افراد جماعت محروم رہ گئے تو قدرتی طور پر ہر طرح کا غلبہ و تسلط چند افراد کے ہاتھ جائے گا - اور ایسے غلبہ و تسلط کا نتیجہ غرور باطل اور استکبار عن الحق ہے -

یہی وجہ ہے کہ قرآن جس جماعتی خوش حالی کو اللہ کا سب سے بڑا فضل قرار دیتا ہے، اسی کو انفرادی حالت میں فتنہ اور متاع غرور بھی کہتا ہے - چونکہ ہمارے مفسروں کی نظر اس پہلو پر نہ تھی اس لیے یہ مقام واضح نہ ہو سکا - آج تمام دنیا میں شور مچ رہا ہے کہ انفرادی سرمایہ داری دنیا کے لیے مصیبت ہے - لیکن قرآن تیرہ سو برس پہلے اسے فتنہ قرار دے چکا اور اس کے لیے "اکتناز" کا لفظ بول چکا ہے - ﴿ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا ﴾ (۹ : ۳۴) مشکل یہ ہے کہ جب تک قرآن کی صدا صرف قرآن کی صدا ہے، تمہاری نظر میں جچتی نہیں - جب وہی بات وقت کے ذہن و فکر کے حلقوں سے اٹھنے لگتی ہے، تو تم فوراً اس کی پرستش شروع کر دیتے ہو!

---

[1] یاد رہے کہ عربی میں "قلب" اور "فواد" کا اطلاق صرف اس عضو ہی پر نہیں ہوتا جو علم تشریح کا دل ہے بلکہ قوت مدرکہ و عاقلہ پر بھی ہوتا ہے - یعنی ذہن و عقل پر -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

باپ دادوں سے ایسی ہی بات کا وعدہ ہوتا آیا ہے- کچھ نہیں- پچھلے عہدوں کے افسانے ہیں''-(۸۳)

(اے پیغمبر!) ان منکروں سے کہہ دے ''اچھا اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ زمین اور وہ تمام مخلوقات جو اس میں ہیں، کس کے لیے ہیں؟''(۸۴) وہ فوراً کہیں گے ''اللہ کے لیے''

تو کہہ ''پھر کیا ہے کہ تم غور نہیں کرتے؟''(۸۵)

تو ان سے پوچھ ''وہ کون ہے جو ساتوں آسمانوں کا پروردگار ہے؟ اور (جہانداری کے) عرش عظیم کا مالک ہے؟''(۸۶)

وہ فوراً کہیں گے ''یہ سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے'' تو کہہ ''پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ (شرک و انکار کے نتیجہ سے) ڈرتے نہیں؟''(۸۷)

تو ان سے پوچھ ''اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ، وہ کون ہے جس کے قبضہ میں تمام چیزوں کی بادشاہی ہے؟ اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور کوئی نہیں جو اس سے اوپر پناہ دینے والا ہو؟''(۸۸)

وہ فوراً کہیں گے ''یہ صفتیں تو اللہ ہی کے لیے ہیں'' تو کہہ ''پھر یہ کیا ہے کہ تمہاری عقل ماری گئی؟''-(۸۹)

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے سچائی انہیں جتلا دی اور یہ اپنے (انکار و ادعا میں) قطعاً جھوٹے ہیں!(۹۰)

---

(۱۷) آیت (۶۸) پر غور کرو کس طرح قرآن بار بار اس پہلو پر زور دیتا ہے کہ کیا لوگوں نے اس پر تدبر نہیں کیا؟ کیونکہ اس کا سارا مطالبہ تدبر و تعقل ہی سے ہے- وہ کہتا ہے سچائی کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ عقل و بصیرت اسے پالے گی اور جہل و کوری اس سے روگرداں رہے گی- پس اگر لوگ قرآن میں تدبر و تفکر کریں تو ممکن نہیں کہ اس کی سچائی انہیں گرویدہ نہ کر لے-

یہاں سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ قرآن کا مطالبہ غور و فکر کا ہے، نہ کہ تقلید کا- پس جو شخص قرآن کے مطالب میں غور و فکر نہیں کرتا وہ اس کا مطالبہ پورا نہیں کرتا اور پھر جب قرآن کے لیے کہ وحی الٰہی ہے تدبر ضروری ہوا تو کیونکر یہ بات جائز ہو سکتی ہے کہ کسی مجتہد اور امام کی تحقیق میں تدبر ضروری نہ ہو؟ اور اہل علم کے لیے ضروری ہو کہ از روئے تقلید سر اطاعت خم کر دیں؟

(۱۸) یہاں تین باتیں فرمائیں- کیا انہوں نے قرآن پر غور نہیں کیا؟ اگر غور کرتے تو یقیناً حقیقت پا لیتے- کیا انہیں رسول کی معرفت نہ ہوئی؟ اگر ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لیں تو اس کی پاکی و صداقت کی معرفت سے کبھی انکار نہیں کر سکتے- پھر کیا یہ سمجھتے ہیں یہ مجنون ہو گیا ہے کہ ایسی باتیں کرنے لگا ہے؟ لیکن کیا راست بازی کے ساتھ یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ سچ مچ کو وہ مجنون ہے؟

یہاں سے معلوم ہوا کہ دعوت اسلام کی معرفت کی دو راہیں ہیں- قرآن میں تدبر کیا جائے اور صاحب قرآن (ﷺ) کی زندگی میں-

(۱۹) آیت (۷۱) میں ایک بہت بڑی اصل کائنات کی طرف اشارہ کیا ہے جو قرآن کے مہمات معارف میں سے ہے- یعنی قرآن جس حقیقت کو ''حق'' سے تعبیر کرتا ہے وہ محض کسی ایک گوشہ ہی کی حقیقت نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے بلکہ اصل کائنات کی ایک عالمگیر حقیقت ہے- وہ کہتا ہے، یہاں اصل تخلیق و تکوین ''حق'' اور قیام حق کا قانون ہے- اسی کا نام عدل و قسط بھی ہے- اور اسی پر تمام نظام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى
بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ قُلْ رَّبِّ
اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَ اِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِيَكَ مَا
نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ قُلْ رَّبِّ
اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ
الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ

نہ تو اللہ نے کسی ہستی کو اپنا بیٹا بنایا- نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہوسکتا ہے- اگر ہوتا تو ہر معبود اپنی ہی مخلوق کی فکر میں رہتا اور ایک معبود دوسرے معبود پر چڑھ دوڑتا- اللہ کی ذات ان باتوں سے پاک ہے جو یہ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں! (۹۱)

وہ غیب اور شہادت دونوں کا جاننے والا ہے (یعنی محسوسات اور غیر محسوسات سب کا جاننے والا ہے۔ اس کے لیے کوئی چیز غیر محسوس نہیں) انہوں نے جو کچھ شرک کی باتیں بنا رکھی ہیں وہ ان سب سے بالاتر ہے! (۹۲)

(اے پیغمبر!) تو کہہ "خدایا! جن باتوں کا تو نے وعدہ کیا ہے اگر ان کا ظہور میرے سامنے ہونے والا ہے (۹۳) تو خدایا مجھے اس گروہ میں نہ رکھیو جو ظالم گروہ ہے!"- (۹۴)

اور ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ جن جن باتوں کا ان سے وعدہ کیا ہے انہیں (تیری زندگی ہی میں ظاہر کر کے) تجھے دکھا دیں- (۹۵)

(اے پیغمبر!) برائی کو برائی سے نہیں' بلکہ ایسے طرز عمل کے ذریعہ سے دور کر جو بہتر طرز عمل ہو (یعنی عفو و درگزر کر کے) ہم ان باتوں سے بے خبر نہیں جو یہ تیری نسبت کہتے رہتے ہیں- (۹۶) تیری دعا (ہمارے حضور یہ) ہو کہ "خدایا! میں شیطانی وسوسوں سے تیرے دامن میں پناہ لیتا ہوں- (۹۷) میں اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں!" (۹۸)

ان منکروں کا حال ایسا ہی رہے گا- یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سرہانے موت آ کھڑی ہوگی تو اس وقت کہنے لگے گا "خدایا! مجھے پھر (دنیوی زندگی میں) لوٹا دے (۹۹) کہ زندگی کے جو موقعے میں نے کھو دیے شاید (اس

کائنات قائم ہے- عالم جسم و مادہ کا ایک ایک گوشہ دیکھو، تمہیں ہر گوشہ میں وجود' تکوین' تعمیر' ایجاب' زندگی' بناؤ کی اصل یہی حقیقت ملے گی- یہی حقیقت جب افکار و اعمال انسانی میں ظاہر ہوتی ہے تو اس کا نام ایمان اور عمل صالح ہو جاتا ہے اور یہی حقیقت ہے جس کی طرف ہدایت وحی بلاتی ہے-

یہاں فرمایا اگر حقیقت ان منکرین حق کی خواہشوں کی پیروی کرے تو تمام نظام ارضی و سماوی درہم برہم ہو جائے کیونکہ انہیں معلوم نہیں' جس حقیقت سے یہ انکار کر رہے ہیں وہی حقیقت ہے جس پر یہ تمام کارخانہ ہستی چل رہا ہے-

یہ مقام بہت دقیق ہے- تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کا مطالعہ کرنا چاہیے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

دفعہ) ان میں نیک کام کرسکوں''

حکم ہوگا'' ہرگز نہیں- یہ محض ایک کہنے کی بات ہے جو یہ کہہ رہا ہے- اب ایسا ہونے والا نہیں- ان لوگوں کے (مرے) پیچھے ایک آڑ ہے جو اس دن تک رہے گی کہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں''- (۱۰۰)

پھر جب وہ گھڑی آ جائے گی کہ نرسنگا پھونکا جائے (یعنی تمام انسانی ہستیوں کو دوبارہ اٹھ کھڑے ہونے اور اکٹھا ہو جانے کا حکم ہو) تو اس دن نہ تو ان لوگوں کی باہمی رشتہ داریاں باقی رہیں گی نہ کوئی ایک دوسرے کی بات ہی پوچھے گا- (۱۰۱)

اس دن جن لوگوں (کے نیک عملوں) کا پلہ بھاری نکلا بس وہی ہیں جو کامیاب ہوں گے- (۱۰۲) اور جن کا پلہ ہلکا ہوا تو وہی ہیں جنہوں نے اپنے کو بربادی میں ڈال دیا، ہمیشہ جہنم میں رہنے والے! (۱۰۳)

آگ کے شعلوں کی لپٹ ان کے چہروں کو جھلستی ہوگی- وہ ان میں منہ بگاڑے پڑے ہوں گے! (۱۰۴)

''کیا ایسا نہیں ہو چکا ہے کہ میری آیتیں تمہارے آگے پڑھی جاتی تھیں اور تم انہیں جھٹلاتے رہتے تھے؟'' (ان سے یہ بات کہی جائے گی)- (۱۰۵) وہ کہیں گے ''اے ہمارے پروردگار! دراصل ہماری بدبختی ہم پر چھا گئی تھی- ہمارا گروہ گمراہوں کا گروہ تھا- (۱۰۶) اب ہمیں اس حالت سے نکال دے- اگر ہم پھر ایسی گمراہی میں پڑیں

(۲۰) آیت (۸۰) کے چند لفظوں کے اندر قرآن کا ایک بہت بڑا استدلال پوشیدہ ہے- جلد نہ گزر جاؤ- اس پر غور کرلو- فرمایا وہی ہے جو جلاتا ہے اور موت طاری کرتا ہے- اور یہ اسی کی کارفرمائی ہے کہ رات دن کے پیچھے آتی رہتی ہے اور دن رات کے پیچھے-

یہاں ''اختلاف اللیل و النھار'' کہہ کر اس قانون ہستی کی طرف اشارہ کیا ہے جسے قرآن قانون ازواج سے تعبیر کرتا ہے- ہم نے اپنی مقررہ مصطلحات میں اسے قانون تثنیہ کہا ہے- یعنی کارخانہ ہستی کے ہر گوشہ میں ہم دیکھتے ہیں یہاں کوئی حقیقت اکہری اور طاق نہیں ہے- کسی نہ کسی شکل میں دو دو ہونے کی نوعیت ضرور پائی جاتی ہے- ہر چیز کی تکوین و تشکیل اسی طرح ہوگی کہ دو متماثل اور متقابل نوعیتیں ابھریں گی اور اسی تماثل و تقابل کا تثنیہ ایک مکمل حقیقت کی شکل اختیار کرلے گا- مثلاً نر کے لیے مادہ- مرد کے لیے عورت- زندگی کے لیے موت، رات کے لیے دن، صبح کے لیے شام، مثبت کے لیے منفی، تکوین کے لیے افساد- جس گوشہ میں بھی دیکھو گے ہر حقیقت کے ساتھ اس کا کوئی نہ کوئی ثنیٰ بھی ضرور موجود ہے- ﴿ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ (۵۱ : ۴۹)

قرآن کا استدلال یہ ہے کہ اگر کارخانہ ہستی کے ہر گوشہ میں دو دو ہونے کی حقیقت کام کر رہی ہے اور یہاں ہستی کی کوئی نمود بغیر اپنے ثنیٰ اور زوج کے نہیں ہے تو پھر تمہیں اس بات پر کیوں تعجب ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کی نمود بھی اکہری نہیں ہے دوہری ہے اور دنیوی زندگی کے لیے بھی ایک ثنیٰ ہے، اس کا نام آخرت ہے؟ جس حقیقت کو تم بیس بھیسوں میں دیکھتے ہو اور پہچانتے رہتے ہو، اسی کو اکیسویں بھیس میں دیکھ کر کیوں چونک اٹھتے ہو؟ اسی لیے آیت کا خاتمہ اس پر ہوا کہ ﴿ افلا تعقلون؟ ﴾ کیونکہ اس معاملہ میں خطاب تعقل سے تھا اور وہی مفقود ہو جاتی ہے-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰۤى
اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا اَنَّهُمْ هُمُ
الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ
فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا
خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ
الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَ مَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ
لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع ۶

تو بلاشبہ نافرمان ہوئے''-(۱۰۷)

اللہ فرمائے گا''! جہنم میں جاؤ اور زبان نہ کھولو''-(۱۰۸)''ہمارے بندوں میں سے ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کہتا تھا- خدایا! ہم ایمان لے آئے- پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما- تجھ سے بہتر رحم کرنے والا کوئی نہیں!(۱۰۹) لیکن تم نے انہیں اپنے تمسخر کا مشغلہ بنالیا تھا- یہاں تک کہ اس مشغلہ نے ہماری یاد بھی بھلادی تھی- تم ان لوگوں کی باتوں پر ہنسا کرتے تھے-(۱۱۰) آج دیکھو ہم نے انہیں ان کے صبر کا بدلہ دے دیا- وہی ہیں جو فیروز مند ہوئے!''(۱۱۱)

ان سے کہا جائے گا''تمہیں خیال ہے، زمین میں کتنے برس تک رہے؟''-(۱۱۲)

وہ کہیں گے''بس ایک دن یا ایک دن کا بھی کچھ حصہ (ہمیں ٹھیک وقت کا اندازہ نہیں) ان سے پوچھو جو گنتے رہے ہیں''-(۱۱۳) ان سے کہا جائے گا''ہاں تمہارا زمین میں رہنا اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک بہت ہی تھوڑے زمانہ کا رہنا- کاش تم نے یہ بات جانی ہوتی!''(۱۱۴)

کیا تم خیال کرتے ہو ہم نے تمہیں بیکار کو پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹنے والے نہیں؟(۱۱۵) اللہ کہ بادشاہ حقیقی ہے ایسی بات کرنے سے پاک و بلند ہے- وہ کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر اسی کی ایک ذات' جہانداری کے تخت عزت کا مالک!(۱۱۶)

اور جو کوئی اللہ کے سوا کسی دوسرے (من گھڑت) معبود کو پکارتا ہے تو اس کے پاس اس کے لیے کوئی دلیل نہیں- اس کے پروردگار کے حضور اس کا حساب ہونا ہے- یقیناً کفر کرنے والے کبھی کامیابی نہیں پائیں گے!(۱۱۷)

اور (اے پیغمبر!) تو کہہ''خدایا! مجھے بخش دے' رحم فرما! تجھ سے بڑھ کر کوئی رحم کرنے والا نہیں!''(۱۱۸)

اب غور کرو، اس کے بعد کی آیت کس طرح اس آیت سے مربوط ہوگئی؟ اور اس کی ابتدا میں حرف "بل" کا آنا کس طرح ٹھیک اپنی جگہ میں بیٹھ گیا؟ ﴿ بل قالوا مثل ما قال الاولون –قالوا ءاذا متنا وكنا ترابا وعظاما ءانا لمبعوثون؟ ﴾

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مزید تشریح کے لیے دیکھو تفسیر فاتحہ مبحث تسکین حیات۔

☆☆☆

سورت کا ترجمہ ختم ہو گیا۔ مگر چند مہمات کی تشریحات باقی رہ گئی ہیں:

تخلیق و تکمیل جنین کے مراتب ستہ:

قرآن حکیم نے اس سورت میں اور دوسرے مقامات میں انسانی پیدائش کے مختلف احوال و مراتب پر توجہ دلائی ہے اور ان سے اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور بعث بعد الموت کے وقوع پر استشہاد کیا ہے۔ یہ مراتب تطور چھ ہیں۔ جیسا کہ یہاں آیت (۱۳) میں بیان کیے گئے ہیں:

(ا) "نطفه" کی حالت جبکہ وہ "قرار مکین" میں ہوتا ہے۔

(ب) "علقه" کی حالت۔

(ج) "مضغه" کی حالت۔

(د) "خلقنا المضغة عظامًا" کی حالت۔

(ہ) "کسونا العظام لحمًا"

(و) ایک ایسی آخری حالت جسے "خلقًا اٰخر" سے تعبیر کیا ہے۔

مفسرین کی حیرانی:

ان میں سے آخری حالت کو قرآن نے "خلقا اخر" سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی اس مرتبہ میں پہنچ کر کوئی ایسا انقلاب طاری ہو جاتا ہے کہ بالکل ایک دوسری ہی طرح کی خلقت ظہور میں آ جاتی ہے۔ گویا مرتبۂ (الف) سے لے کر مرتبۂ (ہ) تک جنین کی جو حالتیں رہیں اور جس نوعیت کی مخلوق بنتی رہی، وہ کوئی دوسری طرح کی چیز تھی اور اب اس مرتبہ میں آ کر بالکل ایک دوسری طرح کی چیز نمایاں ہو گئی۔ چونکہ مراتب پیدائش کی کوئی ایسی انقلابی حالت ہمارے مفسروں کے سامنے نہ تھی اس لیے قدرتی طور پر اس کی کوئی جمتی ہوئی تفسیر ان سے بن نہ آئی اور مختلف وادیوں میں نکل گئے۔ بعضوں نے کہا۔ اس سے مقصود نفخ روح کی حالت ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ سے پہلے روح نہیں ہوتی۔ بعضوں نے کہا۔ یہ شکم مادر سے باہر نکلنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ وضع حمل اسی کے بعد ہوتا ہے۔ بعضوں نے کہا۔ مقصود بالوں کا پیدا ہونا ہے۔ اس سے پہلے بال نہیں ہوتے۔ بعضوں نے کہا۔ نہیں مقصود دانت ہیں۔ دانت اسی مرتبہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ بعضوں نے جمع و تطبیق آراء کی راہ اختیار کرنی چاہی تو کہا۔ دراصل مقصود تمام قویٰ کی تکمیل ہے۔ اس میں بال بھی آ گئے، دانت بھی آ گئے۔ مگر ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی تفسیر بھی "خلقا اخر" کا تقاضا پورا نہیں کرتی۔ منطوق کے اعتبار سے بھی اور مفہوم کے اعتبار سے بھی۔

اسی طرح پچھلے مراتب تطور کی بھی حقیقت واضح نہ ہو سکی۔ "علقہ" کو جمے ہوئے خون کے معنوں میں لے گئی اور "مضغہ" کو گوشت بن جانے کے معنوں میں۔ اور ترتیب نشاۃ یوں سمجھی گئی کہ پہلے خون پیدا ہوتا ہے اور وہ کلیجی کی طرح جما ہوا ہوتا ہے۔ پھر یہ منجمد خون گوشت بن جاتا ہے۔ پھر اس گوشت میں ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں۔ پھر ہڈیوں پر چمڑا چڑھ جاتا ہے۔ اس چمڑے کو "کسونا العظام لحما" میں مجازاً "لحم" کہا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفسرین قدیم معذور تھے:

لیکن اگر اس مقام کی شرح وتحقیق کا حق ادا نہ ہو سکا تو اسے مفسروں کے قصور فہم پر محمول نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس باب میں وہ یقیناً معذور تھے۔علم وتحقیق کا یہ گوشہ تمام تر زمانہ حال کی پیداوار ہے اور زمانہ حال کی پیداوار میں بھی سب سے آخری عہد کی پیداوار۔انیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ جو تمام علوم حدیثہ کے انکشاف وتکمیل کا سب سے زیادہ شاندار زمانہ ہے' پورا گزر گیا اور کارخانہ فطرت کے اس گوشہ مستور کے تمام حجاب نہ اٹھ سکے۔پس اگر اٹھارویں صدی کے حکماء معذور تصور کیے جاسکتے ہیں کہ اس بارے میں بالکل غلط رخ پر جارہے تھے حالانکہ خوردبین ایجاد ہو چکی تھی اور انسانی نعش کی تشریح کا باب مسدود کھل چکا تھا' تو ظاہر ہے نوویں اور دسویں صدی کے مفسرین قرآن کیوں معذور تصور نہ کیے جائیں جن کے سامنے اس سے زیادہ کچھ نہ تھا جتنا ارسطو اپنی کتاب الحیوانات میں اور جالینوس اپنے مقالات میں لکھ چکا ہے؟

علم الجنین کی مختصر تاریخ:

دراصل پیدائش حیوانات کے بارے میں گزشتہ دو ہزار سال تک انسانی علم کی پرواز اسی حد تک رہی۔علم ونظر کی تمام شاخوں کی طرح علم الجنین (Embryology) میں بھی ارسطو ہی کی تحقیقات پر تمام تر دارومدار تھا۔سترہویں صدی میں جب خردبین کی ایجاد ایک خاص حد تک ترقی پذیر ہوئی تو پرندوں کے انڈوں کا خردبینی مطالعہ شروع ہوا اور بتدریج ایک نئے نظریہ کی بنیاد پڑ گئی جسے اس وقت نظریہ ارتقاء سے تعبیر کیا گیا تھا لیکن اب ''نمو وبروز'' کے نظریہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔یعنی (Preformation Theory) سے۔اس نظریہ کا ماحصل یہ تھا کہ اصل پیدائش جنس اناث کا مبیض (Ovary) ہے۔جنین پر تطورات کی کوئی نئی حالت طاری نہیں ہوتی بلکہ مبیض میں جو کامل وجود موجود ہوتا ہے وہی کھلنے اور بڑھنے لگتا ہے۔مثلاً انسان کے تخم حیات میں ایک کامل انسان اپنے تمام خارجی وداخلی اعضاء کے ساتھ موجود ہوتا ہے لیکن اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ فردبین سے بھی اس کا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔اسی کامل ومتشکل ذرۂ وجود کا بڑھ جانا نطفہ کا انسان بن جانا ہے۔ ۱۶۹۰ء میں جب ایک ڈچ عالم خردبینی لیون ہاک (Leeuwenhock) نے جنس رجال کے مادۂ منویہ کے جراثیم کا انکشاف کیا' تو ایک گروہ پیدا ہو گیا جس نے مبیض اُناث کی جگہ جراثیم منویہ کو اصل حیات قرار دیا۔تاہم اس رائے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی کہ جنین پر تطور کی نہیں بلکہ محض بروز ونمو کی حالت طاری ہوتی ہے۔اٹھارویں صدی کے وسط تک یہی رائے وقت کی مقبول ومعتمد رائے رہی۔یہاں تک کہ ۱۷۵۹ء میں ایک جرمن محقق فریڈرک ولف نے یہ پورا نظریہ غلط ٹھہرایا اور تولید وتطور کے اصل پر زور دیا۔پھر ۱۸۱۷ء میں پانڈر نے اور ۱۸۲۸ء میں بیر نے اسے مزید ترقی دی۔اس کے بعد سے اسی رخ پر قدم اٹھنا شروع ہو گئے۔پھر جب ۱۸۵۹ء میں ڈارون کی کتاب ''اصلیت انواع'' شائع ہوئی' تو اس نے علم کے تمام گوشوں کی طرح اس گوشہ کے لیے بھی ایک نئی روشنی مہیا کر دی اور بالآخر انیسویں صدی کے آخری سالوں میں ارنسٹ ہیکل (Ernst Haeckel) کے ہاتھوں یہ تحقیقات تکمیل تک پہنچ گئی۔اب علم الجنین کا ہر گوشہ نظریوں اور قیاسوں کے سہاروں سے بالکل بے پروا ہو گیا ہے اور جو کچھ ہے تمام تر استقراء ومشاہدات پر مبنی ہے۔یہ اب فلسفہ کی بحث وتعلیل کا محتاج نہیں۔کیونکہ خود علم کی ایک حقیقت ہے۔

اس باب میں سب سے زیادہ معتمد خود ارنسٹ ہیکل کی دو کتابیں ہیں۔نیچرل ہسٹری آف کریشن اور ایولیوشن آف مین۔اس مبحث میں ہمارا اعتماد انہی پر ہے۔

جدید تحقیقات:

قبل اس کے کہ قرآن کے بیان کردہ مراتب پر نظر ڈالی جائے معلوم کر لینا چاہیے کہ انسانی وجود کی پیدائش اور اس کے جنین کے احوال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وتطورات کے باب میں علم کے حقائق کیا ہیں؟ یہ مبحث بہ تفصیل مقدمہ میں ملے گا۔ یہاں مختصر اشارات کریں گے۔

تمام حیوانات کی طرح انسان کی پیدائش بھی ایک بیضہ سے ہوتی ہے جسے اصطلاح میں (Ovum) کہتے ہیں۔ یعنی خلیہ تخم (خلیہ یعنی Cell) یہ خلیہ تخم: جنس اناث میں بھی پیدا ہوتا ہے اور جنس رجال میں بھی۔ فعل تلقیح اس وقت واقع ہوتا ہے جب جنس رجال کے خلیات تخم جنس اناث کے بیضہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہ خلیہ تخم ایک بہت ہی دقیق ذرہ کا سا حجم رکھتا ہے۔ یعنی اس کا قطر ایک انچ کا ایک سو بیسواں حصہ بلکہ اس سے بھی کم ہوتا ہے۔ یہی خلیہ زندگی اور وجود کا اصلی تخم ہے۔

نطفہ کے قرار پانے کے معنی یہ ہیں کہ جنس رجال کا خلیہ تخم جنس اُناث کے مبیض میں جگہ پائے۔ استقرار کے بعد جنین کا تطور شروع ہوتا ہے۔ ابتداء میں وہ محض خلیات کا ایک کروی مجموعہ ہوتا ہے۔ پھر ایک مجوف گیند کی سی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کے اطراف کی دیوار خلیات سے مرکب ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ خلیات ایک دوسرے سے بالکل مل جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ ان میں طولانیت پیدا ہونی شروع ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بالکل ایک نعل نما (Sole Shaped) صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اب ان میں ایک ایسی ہیکلی ہیئت پیدا ہوتی ہے جیسی مچھلی کی ہوتی ہے۔ پھر یہ ہیئت حیوانات قوازب (Amphibia)[1] کا سا ہیکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس کے بعد حیوانات لبونہ (Mammals) کا ہیکل نمایاں ہوتا ہے۔ لیکن پہلے ادنی درجہ کے حیوانات لبونہ کا۔ مثلاً ایسا جیسا آسٹریلیا کے خلد آبی (Duck Bill) کا ہوتا ہے۔ یا ان حیوانات کا جنہیں ذوات الکیس (Marsupils) کہتے ہیں۔ پھر اونچے درجہ کے حیوانات لبونہ کا۔ مثلاً گھوڑا' کتا' بیل۔ پھر یہ مرتبہ ترقی کر کے ایک ایسے ہیکل تک پہنچتا ہے جو ٹھیک ٹھیک بندر کا سا ہوتا ہے۔ دم بھی موجود ہوتی ہے۔ پھر اس میں تبدیلی شروع ہوتی ہے اور بندر کے ترقی یافتہ اعلیٰ اقسام کا سا ہیکل نمایاں ہونے لگتا ہے۔ یعنی گوریلا' شمپانزی' گیبون وغیرہ اقسام کا۔ اب اس کے بعد آخری مرتبہ تطور آتا ہے اور اچانک ایک انقلابی حالت طاری ہونے لگتی ہے۔ یعنی تمام حیوانی ومیمونی خصوصیات مفقود ہو جاتی ہیں، ایک نئی نوعیت کا ہیکل نمایاں ہو جاتا ہے اور وجود انسانی اپنی ساری خصوصیتوں اور رعنائیوں کے ساتھ ابھر آتا ہے!

ابتداء کے تمام تطورات ایک مہینے کے اندر طاری ہو جاتے ہیں۔ آخری تطورات دوسرے مہینے کے اندر اور پھر حمل کا بقیہ زمانہ جس قدر گزرتا ہے صورت انسانی ہی کی تکمیل پر گزرتا ہے۔

قانون حیات کی عالمگیر وحدت:

اس سلسلہ میں جو حقیقت سب سے زیادہ اہم نمایاں ہوئی ہے اور جس نے علم ونظر کے بہت سے گوشوں میں انقلاب پیدا کر دیا، وہ پیدائش حیات کے قانون کی عالمگیر وحدت ہے۔ نباتات سے لے کر وجود انسانی تک اصل وبنیاد حیات ایک ہی ہے اور جس قدر امتیازی اختلافات پیدا ہوتے ہیں ٹھیک ٹھیک انہی حدود کے اندر اور انہی ترتیبات سے جو قانون نشو ونما ارتقاء کی بنا پر ضروری ہیں۔ اس اعتبار سے اگر انسان کے جنین پر نظر ڈالی جائے تو حسب ذیل مدارج اور ان کے احکام سامنے آئیں گے۔

مدارج تطور:

(۱) پہلا درجہ وہ ہے جس میں خلیہ تخم کی حالت ٹھیک ٹھیک ویسی ہی ہوتی ہے جیسی تمام نباتات اور حیوانات کی۔ گویا اس ابتدائی درجہ میں ایک انسان کا جنین بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسا ایک درخت کا' ایک مچھلی کا' ایک چار پائے کا' ایک پرند کا۔

---

[1] Amphibia کا لفظی ترجمہ ذوات الحیاتین ہے یعنی ایسے جانور جو خشکی اور تری دونوں کے گرد وپیش میں رہتے ہیں ہم نے اس کے لیے قوازب کا لفظ اختیار کیا جو میجر جنرل امین معلوف صاحب معجم الحیوانات کے اختیارات میں سے ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حالت نطفہ کی ابتدائی حالت ہوتی ہے۔

(ب) پھر خلیات کا کروی مجموعہ ایک دوسرے درجہ میں داخل ہوتا ہے۔اس درجہ میں پہلا امتیاز نمایاں ہوتا ہے۔یعنی اب جنین نباتات کے دائرہ سے بلند ہو کر صرف حیوانات کے دائرہ کی چیز بن جاتا ہے۔ہم تمام حیوانات کا جنین ایسا ہی پاتے ہیں مگر نباتات کا نہیں۔

یہ حالت دو ہفتہ کے اندر طاری ہو جاتی ہے۔

(ج) تیسرے ہفتہ میں جنین دوگنی طوالت پیدا کر لیتا ہے اور نعل کی سی شکل بن جاتی ہے۔نیز ایک نشان ظاہر ہو جاتا ہے جو آگے چل کر سر بننے والا ہوتا ہے۔یہی نشان تین بنیادی حاسوں کی پہلی داغ بیل ہے۔

اس درجہ میں دوسرا امتیاز نمایاں ہوتا ہے۔یعنی اب جنین حیوانات کے عام دائرہ سے نکل کر حیوانات لبونہ کے خاص دائرہ میں آ جاتا ہے۔لیکن ادنیٰ درجہ کے دائرہ میں۔

(د) چوتھے ہفتہ میں سر کا نشان ایک غیر متشکل گنبد کی سی ہیئت پیدا کرنے لگتا ہے۔اس کے اندر بھیجے کے چاروں خانے بھی نمایاں ہو جاتے ہیں،عنصری نالیاں بھی ابھر آتی ہیں،دل کے چاروں حصے بھی وجود پذیر ہو جاتے ہیں۔اور سب سے زیادہ یہ کہ ریڑھ کی ہڈی کا ڈھانچہ پوری طرح نشوونما پانے لگتا ہے۔

اس درجہ میں پہنچ کر جنین اعلیٰ درجہ کے حیوانات لبونہ کی خصوصیات پیدا کر لیتا ہے۔یعنی اب انسان کا جنین ایسا ہو جاتا ہے جیسا گھوڑے بیل،کتے وغیرہ شیر خوار جانوروں کا ہوتا ہے۔

اب حمل کا پہلا مہینہ ختم ہو گیا۔

(ہ) پانچویں ہفتہ سے صورت آرائی کا زیادہ مشخص دور شروع ہوتا ہے۔لیکن یہ بندر کے سے ہیکل کا ہوتا ہے۔اس درجہ کے جنین کی تصویر بندر کے جنین کی تصویر کے ساتھ رکھی جائے تو دونوں میں کوئی نمایاں فرق دکھائی نہیں دے گا۔

(و) پھر یہ ہیکل بندر کی اونچی قسم کے ہیکلوں کی طرف بڑھتا ہے اور گوریلا اور شمپازی وغیرہ کے جنین کی سی ہیئت پیدا کرنے لگتا ہے۔

(ز) اس کے بعد ایک آخری انقلاب طاری ہوتا ہے اور انسانی جسم وصورت کی خصوصیات یکایک ابھرنے لگتی ہیں حتیٰ کہ بالکل ایک نئی قسم کا تناسب واعتدال ظہور میں آ جاتا ہے۔

دوسرے مہینے کے اختتام پر یہ درجہ پوری طرح صورت پذیر ہو جاتا ہے۔

(ح) اس کے بعد فطرت کی نقاشی زیادہ دقیق قسم کے امتیازات کا نوک پلک درست کرنے لگتی ہے۔یعنی نوع انسانی کے مختلف وطنی، موسمی،نسلی اور معنوی اختلافات ابھرنے اور بننے لگتے ہیں۔پھر جدی اور آبائی اثرات کی نمود شروع ہوتی ہے اور ہر والدین کو اپنی قوم،اپنے ملک،اپنی نسل اور اپنے ماحولی موثرات کا مولود میسر آ جاتا ہے۔

یہ آخری انسانی دور سب سے بڑا دور ہے۔یعنی ابتدا کے دو مہینے چھوڑ کر باقی تمام ایام حمل جن کی مدت چار سے سات مہینوں تک پہنچ جاتی ہے اسی دور میں بسر ہوتے ہیں۔

قرآن کی تصریحات:

اب ان تمام تفصیلات کو پیش نظر رکھ کر قرآن کی تصریحات پر غور کرو۔اور پچھلی تفاسیر پر بھی ایک نظر ڈال لو۔جس وقت تک انسانی جنین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے یہ تمام حقائق منکشف نہیں ہوئے تھے قرآن کے بیان کردہ مدارج ستہ کی تشریح کس درجہ دشوار تھی؟ قدیم نظریوں کا ساتھ دینے کے لیے مفسروں کو کیسی کیسی توجیہیں ڈھونڈنی پڑیں اور پھر بھی بات بنی نہیں؟ لیکن اب ان انکشافات کے بعد کس طرح سارا معاملہ صاف ہو گیا ہے؟ کس طرح دونوں بیان ٹھیک ٹھیک ایک دوسرے کے مطابق ہیں اور ایک کے اجمال کی دوسرا تفصیل کر رہا ہے؟ کس طرح آج علم کی آنکھیں بھی وہی دیکھ رہی ہیں جو وحی کی زبان نے آشکارا کر دیا تھا؟

وحی کی یہ صدا کس کی زبان سے نکلی تھی؟ ساتویں صدی عیسوی کے ایک اُمی کی زبان سے جو ریگستان عرب کے بادیہ نشینوں میں پیدا ہوا اور جس کی ساری زندگی انہی بادیہ نشینوں میں بسر ہوئی تھی!

قرآن کا سترھویں صدی کے نظریہ سے انکار:

سترہویں صدی میں خرد بینی مطالعہ سے جراثیم حیات کا انکشاف ہوا' لیکن حکمائے اصل عہد حقیقت پر مطلع نہ ہو سکے اور ''مذہب ظہور و بروز'' کا نظریہ قائم کر لیا گیا- اب دیکھو جس طرح قدیم قیاسات قرآن کا ساتھ نہیں دیتے تھے اسی طرح یہ مذہب بھی ساتھ چلنے سے صاف انکار کر رہا تھا- قرآن جنین کے تمام تغیرات کو صاف صاف ایک انقلابی تطور قرار دے رہا ہے: ﴿ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ ﴾ (۲۲ : ۵) اور: ﴿ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً ﴾ (۲۳ : ۱٤) یعنی تخلیق کی ایک حالت نطفہ کی ہوتی ہے- پھر تخلیق کی دوسری حالت علقہ کی ہوتی ہے- پھر تخلیق کی تیسری حالت مضغہ کی ہوتی ہے- پس یہ محض کسی ایسے کیڑے کا نشو و برو ز نہیں ہو سکتا جس کے اندر وجود انسانی اپنے تمام اصول و جزئیات کے ساتھ موجود ہو بلکہ ایک حالت کے بعد صریح دوسری حالت کی پیدائش اور دوسرے کے بعد تیسرے کی اور تیسرے کے بعد چوتھے کی پیدائش ہے اور ہر پیدائش تخلق و تطور کی نوعیت میں ظاہر ہوئی ہے- ضروری ہے کہ یکے بعد دیگرے طرح طرح کے تطورات طاری ہوں- ضروری ہے کہ ہر تطور ایک نئی پیدائش کا حکم رکھتا ہو-

جدید مفسرین کی بے نتیجہ قطع و برید:

چونکہ انیسویں صدی کے اواخر تک یہی نظریہ ''ظہور و بروز'' عام طور پر تسلیم کیا جاتا تھا اور فن طب و تشریح نے بھی اسی کو اختیار کر لیا تھا اس لیے جس طرح قدیم مفسروں کو شرح و تحقیق آیت میں دشواریاں پیش آئیں اور طرح طرح کی توجیہات کرنی پڑیں، اسی طرح مصر اور ہندوستان کے بعض نئے مفسروں کو بھی ٹھوکر لگی اور رفاعہ بک طہطاوی' حسن پاشا محمود' سرسید احمد خاں' شیخ محمد عبدہ وغیرہم اسی نظریہ کی وادیوں میں گم ہو گئے- انہوں نے کوشش کی کہ قرآن کی تصریحات کو اس کے مطابق کر دکھائیں- مطابق ہو نہیں سکتی تھیں اس لیے ہر طرح کا تجوز و تکلف جو لغت و زبان سے کیا جا سکتا ہے' جائز کر لیا گیا- اور نہیں سمجھے کہ یہ تمام قطع و برید چند سالوں کے بعد یکسر بیکار ہو جائے گی۔

قرآن اپنی جگہ سے نہیں ہلا مگر علم کو ہلنا پڑا:

لیکن قرآن کی تصریحات اپنی جگہ بدستور قائم رہیں- جس طرح قدیم جامہ ان پر راست نہیں آیا تھا اسی طرح نئے جامے سے بھی انہوں نے انکار کر دیا- یہاں تک کہ جمال حقیقت بے پردہ ہوا' اور نظریوں کی شب کوری کی جگہ انکشاف و مشاہدہ کی صبح نمودار ہو گئی- اب ہر نگاہ دیکھ لے سکتی ہے کہ قرآن کو اپنی جگہ سے ہلنے کی کوئی ضرورت نہ تھی- یہ علم کا نقص تھا کہ صحیح جگہ نہ پا سکا- آخر اسے اپنی جگہ چھوڑنی پڑی اور وہیں آ گیا جہاں تیرہ صدیوں سے قرآن کی صداقت جمی کھڑی ہے! ﴿ لا یاتیه الباطل من بین یدیه و لا من خلفه' تنزیل من

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکیم حمید ﴾

تم علم کی ایک ذرا سی نمود دیکھ کر مرعوب ہو جاتے ہو اور چاہتے ہو، قرآن کو فوراً اس کی جگہ سے ہٹا دو۔ لیکن اگر تم جلدی نہ کرو تو قرآن کو ہلنے کی ضرورت کبھی نہ ہوگی۔ جلد یا بہ دیر علم اپنی جگہ چھوڑے گا اور آگے بڑھ کر قرآن کی تصدیق کرے گا!

اب غور کرو۔ علم کی روشنی میں کس طرح قرآن کی تمام تصریحات واقع ہو رہی ہیں، بغیر اس کے کہ لغت و زبان کے قدرتی مقتضیات سے رائی برابر بھی انحراف کیا جائے؟

قرآن کے مدارج ستہ:

(۱) سب سے پہلے ﴿ جعلناہ نطفة فی قرار مکین ﴾ پر غور کرو۔ استقرار حمل یوں ہوتا ہے کہ جنس رجال کا جنسی خلیہ جنسی اناث کے مبیض میں پہنچتا ہے اور اس طرح ٹک جاتا ہے گویا اپنے اصلی مکان میں پہنچ گیا۔ اس صورت حال کے لیے ﴿ فی قرار مکین ﴾ کی ترکیب کس درجہ صحیح اور ادق ہے؟ دو لفظوں کے اندر پوری وضاحت کے ساتھ دونوں حالتیں آ گئیں۔ اس کا ٹھہر جانا اور تمکن کے ساتھ قرار پا جانا۔ یہ استقرار و تمکن کس طرح پیدا ہوا؟ دونوں جنسوں کے خلیوں کے اتحاد سے۔ اس اتحاد و امتزاج کی ان میں قدرتی طلب تھی۔ بغیر اس کے قرار نہیں پا سکتے تھے۔

اس وقت تک ہم نے اس کا مطلب یہ سمجھا تھا کہ نطفہ رحم میں قرار پا جاتا ہے لیکن فی الحقیقت بات پوری طرح جمتی نہ تھی۔ رحم تو ایک طرح کا مجوف خول ہے۔ اس میں ایک ذرۂ مجسم کا پڑ جانا ﴿ فی قرار مکین ﴾ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تعبیر کہہ رہی ہے کہ کوئی نطفہ ہی کی طرح کا دقیق محل ہونا چاہیے جہاں وہ پہنچ کر اس طرح ٹک جائے جیسے ٹھیک اپنے حجم اور اپنی نوعیت کے مطابق ایک جگہ اسے مل گئی۔ پس یقیناً اس سے مقصود مبیض کا خلیہ ہے۔ نہ کہ پورا عضو رحم۔

(۲) اس کے بعد ''نطفہ'' پر مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں لیکن سب سے پہلی انقلابی حالت کون سی ہوتی ہے جو بالکل ایک نئی قسم کی نوعیت پیدا کر دیتی ہے؟ اور جو تمام آئندہ انقلابوں کے لیے سنگ بنیاد کا کام دیتی ہے؟ وہ حالت، جب خلیات کا کروی مجموعہ اچانک طول میں بڑھنے لگتا ہے اور پھر اس طرح کی لمبی چیز بن جاتا ہے جس کے دونوں سرے کسی قدر پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ پروفیسر ہیکل نے اس مرتبہ کی ابتدائی حالت کو (Sole-Shaped) سے اور پختہ حالت کو (Sandal-Shaped) سے تعبیر کیا ہے۔[1] اور ہم نے اس کے لیے صرف ''نعل نما'' حالت کی تعبیر اختیار کی ہے۔ اسی مرتبہ تحول کو قرآن نے ''علقہ'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ ''علقہ'' کی تعبیر اس مرتبہ کے لیے ہر اعتبار سے اتنی صاف اور چسپاں تعبیر ہے کہ جونہی میری پہلی نظر اس نعل نما جنین کی تصویر پر پڑی تھی، میری زبان سے بے اختیار خلق الانسان من ''علق'' نکل گیا تھا!

جونک کے لیے علوق، علوقہ، عولق، علقہ سامی زبانوں کی نہایت قدیم تعبیر ہے۔ عبرانی میں اسے علوقہ کہتے تھے اور بجنسہٖ علقہ کا نام بھی ملتا ہے۔ چنانچہ سفر امثال میں ایک جگہ آیا ہے ''جونک کی دو بیٹیاں ہیں جو چلاتی رہتی ہیں کہ لاؤ، لاؤ'' (۱۵:۳۰) عبرانی نسخہ میں یہاں ''جونک'' کے لیے علوقہ کا لفظ ہے۔ یہی علوقہ عربی میں علق اور علقہ ہے، اور جونک کے لیے مستعمل ہے۔ اب جونک کی حالت اور صورت کا معاینہ کرو۔ اس میں ہڈی نہیں ہوتی۔ محض ایک لوتھڑے کی لمبان ہوتی ہے، اور خون پی کر جب سیراب ہو جاتی ہے تو ٹھیک ویسی ہی صورت ہو جاتی ہے جیسی اس مرتبہ جنین کی تصویر میں نظر آتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علقہ کی تعبیر:

ہیکل نے اس حالت کو محض اس کی جزئی مشابہت کی بنا پر ''نعل نما صورت'' سے تشبیہ دی لیکن قرآن نے ''علقہ'' سے دی جو خود سلسلہ حیوانات کی ایک خاص زندہ کڑی ہے، اور اس طرح عجب نہیں کہ ایک دوسری مخفی حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہو۔

پیدائش انسانی کے مختلف مدارج کی جو تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں ان سے تمہیں پتہ لگ گیا ہوگا کہ قانون نشو وارتقا کے مختلف مدارج کس طرح نطفہ انسانی کے مدارج میں جمع ہو گئے ہیں اور کس طرح ہر انسان کا جنین اب بھی ان مدارج سے گزر کر انسان بنتا ہے جن مدارج سے گزر کر انسان اپنے موجودہ مرتبہ خلقت تک پہنچا ہے۔ اچھا اب غور کرو، ان مدارج خلقت میں ابتدائی مخلوقات کا درجہ کون سا ہے؟ آبی مخلوقات کا۔ یعنی بحکم ﴿ وجعلنا من الماء کل شیٔ حی ﴾ زندگی کا سب سے پہلا ظہور پانی میں ہوا۔ اور پہلی مخلوقات آبی مخلوقات ہوئی۔ ان کے بعد خشکی کی مخلوقات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اچھا آبی مخلوقات میں ابتدائی مراتب کی مخلوقات کون سی ہیں؟ جونک کی قسم کی غیر عظمی مخلوقات۔ انہی کے ارتقاء سے تمام اونچی قسم کی آبی کڑیاں وجود پذیر ہوئیں۔ پس اگر حیوانی نطفہ اپنے تمام ارتقائی تطورات سے گزر کر آخری درجہ تک پہنچا کرتا ہے تو کیا ضروری نہیں کہ اس کا ابتدائی درجہ آبی مخلوقات کی حالت کے درجہ کا ہو؟ اور اس میں بھی سب سے پہلے جونک کی قسم کی نوعیت اپنی نمود دکھائے؟ یقیناً ضروری ہے اور یقیناً یہی نوعیت ہے جو اس نعل نما صورت کے درجہ میں نمایاں ہوتی ہے۔ پس اسے ''علقہ'' سے تعبیر کرنا گویا اس کے درجہ خلقت کو ٹھیک ٹھیک اس کے اصلی نام سے پکار دینا ہے!

(۳) اس کے بعد تیسرا انقلابی تطور وہ ہے' جب یہ نعل نما چیز اور زیادہ بڑھتی ہے اور اس کے مادہ میں گوشت کی صلابت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی حالت کو قرآن نے ''مضغہ'' سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ اب جنین بوٹی کی طرح بن جاتا ہے اور چونکہ یہی مرتبہ ہے جس میں ارتسام وانقسام اعضاء کی پہلی داغ بیل پڑتی ہے' اس لیے سورۂ حج میں اشارہ کر دیا کہ ﴿ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ ﴾ (۵:۲۲) یعنی یہی مضغہ کا درجہ ہے جس میں یا تو داغ بیل پڑ جاتی ہے یا بگڑ کے رہ جاتا ہے۔

(۴) چوتھا درجہ وہ ہے جب اس مضغہ میں ریڑھ کی ہڈی کا ڈھانچہ نشو ونما پانے لگتا ہے اور ایک ایسا ہیکل نمایاں ہو جاتا ہے جسے مچھلی سے مشابہ کہا گیا ہے۔ اسی کو ﴿ فخلقنا المضغة عظاما ﴾ سے تعبیر کیا ہے۔ اسی درجہ میں آ کر جنین حیوانات فقاریہ (Vertebrate) کی امتیازی خصوصیات پیدا کر لیتا ہے۔

(۵) پھر اس کے بعد ہڈیوں اور گوشت پوست کا التحاق تکمیل تک پہنچتا اور ایک حیوانی صورت متشکل ہو کر نمایاں ہو جاتی ہے۔ اسی کو ﴿ فكسونا العظام لحما ﴾ کے درجہ سے تعبیر کیا ہے۔

خلقا آخر:

(۶) لیکن جو صورت اب بنتی ہے وہ کیا انسان کی صورت ہوتی ہے؟ نہیں ایسی جو تمام حیوانات لبونہ کی مشترک صورت ہوتی ہے، وہ ترقی بھی کرتی ہے تو بندر کی صورت کی طرف۔ لیکن اس کے بعد نقاش قدرت کی دستکاری اچانک ایک نیا انقلاب وتحول پیدا کر دیتی ہے۔ وہی جنین جو محض مضغہ تھا، وہی مضغہ جو مچھلی کی طرح کا ایک ڈھانچا تھا' وہی ڈھانچا جس نے عام حیوانی ہیکل کی شکل اختیار کر لی تھی' وہی حیوانی ہیکل جو بندر کی سی صورت میں ابھر آیا تھا' اچانک انسانی جسم وصورت کی ساری خصوصیتیں اور رعنائیاں پیدا کر لیتا ہے: ﴿ فتبارك الله احسن الخالقين ﴾ یہی آخری مرتبہ تحول ہے جسے ﴿ ثم انشانا ہ خلقا اٰخر ﴾ سے تعبیر کیا ہے۔

---

۱ دیکھو پروفیسر موصوف کی کتاب دی ایوولیوشن آف مین کا انگریزی ترجمہ مترجمہ جوزف مکب جلد اول صفحہ ۲۵۴ (مطبوعہ ۱۹۱۰ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ترجمان القرآن

یعنی

قرآنِ حکیم کے مطالب اردو زبان میں

ضروری تفسیر کے ساتھ

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ

اسلامی اکادمی

۷ اردو بازار لاہور فون: ۷۳۵۷۵۸۷-۰۴۲